سرکاری اسکیموں سے استفادہ

[اسلامک فقہ اکیڈمی(انڈیا) کے چھبیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۵-۷؍جمادی الاخری۱۴۳۸ھ مطابق ۴-۶؍مارچ ۲۰۱۷ء کو مجلس اتحاد امت اجین، مدھیہ پردیش میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	سرکاری اسکیموں سے استفادہ
صفحات	:	٦٣٢
قیمت	:	٤٣٠ روپے
سن طباعت	:	اکتوبر ٢٠١٧ء

ناشر

ایــفــا پبلیکیشنز - نئی دہلی

١٦١- ایف، جوگابائی،جامعہ نگر، نئی دہلی-١١٠٠٢٥

ای میل: fiqhacademyindia@gmail.com

فون: ٠١١ - ٢٦٩٨١٧٧٩

مجـــلـــس ادارتـــــــــ

۱- مولانا محمد نعمت الله اعظمی
۲- مولانا محمدبرہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف الله رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید الله اسعدی


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

عنوان	مقالہ نگار	صفحہ
پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	٩
باب اول: تمہیدی امور		
سوالنامہ		١٣
تجاویز		١٦
تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	١٨
عرض مسئلہ : (سوال ١-٥)	مولانا رحمت اللہ ندوی	٦٨
عرض مسئلہ: (سوال ٦-١٢)	مولانا محمدجمیل اختر جلیلی ندوی	٧٧
سرکار کی جاری کردہ اسکیمیں - ایک عمومی جائزہ	جناب عبد الرشید اگوان	٩٣
باب دوم: تفصیلی مقالات		
سرکاری اسکیموں سے استفادہ، احکام اور مسائل	ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	١٠١
سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور شرعی نقطہ نظر	مفتی اقبال محمد ٹنکاروی	١٢٧
سرکاری اسکیموں سےمتعلق چند جدید فقہی مسائل	مفتی مصطفی عبد القدوس ندوی	١٤٢
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی حیثیت	مولانا خورشید احمد اعظمی	١٥٣
سرکاری اسکیموں سے متعلق اکیڈمی کے سوالات کا شرعی جائزہ	مولانا خورشید انور اعظمی	١٦٤
سرکاری اسکیموں سے استفادہ ، غوروخوض کے چند پہلو	مفتی محمد عثمان بستوی	١٧٤
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی چند صورتیں سوالات کی روشنی میں	مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی	٢٠٦
سرکاری اسکیموں اور حکومت کے سودی قرضوں سے استفادہ	مفتی محمد شاہد علی قاسمی	٢١٥
سرکاری اسکیمیں اور ان سے متعلق دینی احکام	مفتی تنظیم عالم قاسمی	٢٢٥
سرکاری اسکیم سے استفادہ کا حکم	مفتی عارف باللہ قاسمی	٢٣٥

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی حیثیت اور اس کے مسائل	قاضی محمد حسن ندوی	٢٤٥
سرکار کی جانب سے جاری کردہ اسکیمیں اور ان سے استفادہ	مولانا ابو المکارم معروفی	٢٦٥
سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور حکم شریعت	مولانا محمد قمر الزماں ندوی	٢٧٤
سرکاری اسکیموں کے قرضوں سے متعلق سوالات کے جوابات	مولانا محمد ممتاز خاں ندوی	٢٨٩
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کرنے کے احکام	مفتی حیدر علی قاسمی	٣٠٣
سرکار کی فلاحی اور قرضہ جاتی اسکیموں سے استفادہ	مولانا محمد صابر حسین ندوی	٣١٨
سرکاری اسکیم اور معمولی شرح سود پر فراہم کردہ قرض سے استفادہ	مولانا محمد عرفان صاحب	٣٣٥
سرکاری قرضوں پر لیاجانے والا معمولی سود اور سروس چارج	مفتی محمد فلاحی	٣٤٨
سرکاری اسکیموں سے استفا دہ کی چند شکلیں اور احکام	مولانا رحمت اللہ ندوی	٣٥٨
سرکاری اسکیموں سے استفادہ - شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا محمد جمیل اختر جلیلی	٣٦٦
سرکاری اسکیموں اور معمولی شرح سود کا حکم	مولانا آزاد بیگ قاسمی	٣٨٣
سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور معمولی شرح سود پر قرض کا حصول	مولانا محمد زبیر ندوی	٣٩١
سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور اس کا شرعی حکم	مفتی لطیف الرحمن فلاحی	٤٠٠
سرکاری اسکیمیں ..... فقہِ اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد رمضان سعادتی	٤٠٩
سرکاری اسکیم سے استفادہ کا حکم	مفتی محمد اسعد پالنپوری	٤٢٠
سرکاری اسکیموں اور ترقیاتی قرضوں سے وابستہ چند امور	مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید	٤٣٠
معمولی شرح سود کو سروس چارج قراردینے کا مسئلہ	مولانا محمد حذیفہ داحودی	٤٤١
سرکاری قرضوں پر وصول کیاجانے والا سود اور سروس چارج	مفتی شوکت ثنا قاسمی	٤٤٩
باب سوم: مختصر تحریریں		
حکومت کی فلاحی اسکیموں سے استفادہ اور سروس چارج کا حکم	قاضی عبد الجلیل قاسمی	٤٥٩

سرکاری قرضوں پر معمولی شرح سود کی ادائیگی	ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	٤٦٠
سرکاری اسکیموں سے استفا دہ اور سودی قرضے	مولانا ابوسفیان مفتاحی	٤٦٢
سرکاری ترقیاتی قرضوں سے فائدہ اٹھانا	مفتی محبوب علی وجیہی	٤٦٥
سرکاری اسکیموں میں حکومت کا اپنی طرف سے سود ادا کرنا	ڈاکٹر عبد اللہ جولم	٤٦٧
سرکاری خزانے سے انتفاع کا حق	مولانا حفیظ الرحمن مدنی	٤٦٩
حکومت کی فلاحی اور رفاہی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کا حکم	مفتی محمد جعفر ملی	٤٧٦
سرکاری اسکیموں کے حصول میں واسطہ بننے والے کی اجرت	مفتی عبد التواب اناوی	٤٨٣
سرکاری اسکیموں سے متعلق سوالات کے جوابات	مفتی جمیل احمد نذیری	٤٩١
سرکاری اسکیم کے تحت فراہم کئے جانے والے سودی قرضے	مفتی عبد الرحیم قاسمی بھوپال	٤٩٣
سرکاری اسکیموں کے حصول کےلئے رشوت اور ایجنٹ کی اجرت	مفتی عبد المنان آسام	٤٩٨
مختلف سرکاری اسکیموں سے استفادہ کا شرعی حکم	مفتی نعمت اللہ قاسمی	٥٠١
عوام کی ترقی کے لئے جاری کردہ سرکاری اسکیمیں	مفتی محمد سلمان منصورپوری	٥٠٢
سرکاری اسکیموں سے استفادہ - سوالات اورانکے جوابات	جامعہ سلفیہ بنارس	٥٠٦
سرکار کی فلاحی اسکیمیں اور ان سے انتفاع کی حیثیت	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	٥١١
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی بابت اکیڈمی کا سوالنامہ اور جوابات	دار الافتاء جامعہ عربیہ سلم العلوم	٥١٦
سرکاری اسکیموں سے متعلق چند سوالات کے جوابات	مفتی اعجاز الحسن بانڈے	٥٢٠
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی مختلف صورتوں کے احکام	مفتی ابوبکر قاسمی	٥٢٨
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی رخصتیں	ڈاکٹر محی الدین غازی	٥٣٤
سرکاری اسکیموں کے حصول میں ایجنٹ کی اجرت	مولانا ظہیراحمد قاسمی	٥٤٠
مختلف سرکاری اسکیموں سے استفادہ اورجائز حق حاصل کرنے کا طریقہ	مولانا نثار عالم ندوی	٥٤٢
سرکارکی قرضہ جاتی اسکیموں سے استفادہ کا شرعی حکم	مفتی ریاست علی قاسمی	٥٥٠

تعلیم، مکان اور روزگار سے متعلق اسکیموں سے فائدہ اٹھانا	مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپور	٥٥٤
سرکاری ترقیاتی اسکیموں سے استفادہ	مولانا کلیم اللہ عمری	٥٥٨
سرکار کی جانب سے جاری کردہ ترقیاتی اسکیمیں اور سودی معاملات	مفتی محمد حسین قمر الدین ماہمکرفلاحی	٥٦٣
سرکاری اسکیموں سے متعلق جوابات کا خلاصہ	مولانا عبد الباسط قاسمی	٥٦٧
کچھ سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کا شرعی حکم	مولانا محمد فاروق دربھنگوی	٥٧١
ترقیاتی نقطہ نظر سے سرکاری اسکیم سے استفادہ	مفتی محمد ارشاد پالنپوری	٥٧٧
سرکاری اسکیموں کے تحت ملنے والے سودی وغیر سودی قرضے	مولانا محمد فیاض عالم قاسمی	٥٨٣
سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی بنیادیں	مولانا عباس بن یوسف	٥٨٨
ترقیاتی قرضوں میں مدت کے بعد زائد رقم کا مطالبہ	مولاناابرار خاں ندوی	٥٩٥
سرکاری اسکیموں میں قرض سے کم واپسی کا شرعی حکم	مفتی جنید محمد پالنپوری	٦٠٢
باب چہارم: مناقشہ		
مناقشہ		٦١١

* * *

پیش لفظ

ہم جس ملک میں رہتے ہیں، یہ ایک جمہوری ملک ہے، جس میں عوام اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ نظامِ حکومت چلاتے ہیں، اور ملک کا ہر شہری براہ راست یا بالواسطہ حکومت میں شامل ہے، نیز ہر مذہب، تہذیب، زبان اور خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگ اس ملک کا حصہ ہیں، ایسے تکثیری سماج کے ذریعہ وجود میں آنے والی حکومت کو نہ مسلم حکومت کہا جاسکتا ہے اور نہ ہمارا یہ سمجھنا درست ہوگا کہ یہ غیر مسلموں کی حکومت ہے، نیز یہ بات بھی ممکن نہیں ہے کہ ہماری خواہش کے مطابق اس ملک کی پالیسی رہے اور اس کا پورا نظام شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔

اس پس منظر میں یہ مسئلہ اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو سرکاری اسکیمیں رفاہی مقاصد کے لئے شروع کی جاتی ہیں، مسلمان ان سے کس حد تک استفادہ کرسکتے ہیں؟ ایک طرف حکومت کے خزانوں پر مسلمانوں کا بھی حق ہے؛ کیونکہ ہم اس ملک کے شہری ہیں اور حکومت کو ٹیکس ادا کرنے والوں میں شامل ہیں، دوسری طرف حکومت بعض اسکیموں کے تحت اپنی جانب سے مہیا کرنے والے قرض پر زائد رقم کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کو انٹرسٹ کا نام دیتی ہے، یہ زائد رقم بعض دفعہ واقعی انٹرسٹ کے دائرہ میں آجاتی ہے اور بعض دفعہ اتنی کم ہوتی ہے کہ اس کو سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے؛ لیکن چونکہ حکومت کی نظر میں انٹرسٹ کوئی مذموم چیز نہیں ہے؛ اس لئے انتظامی ادارے آسانی کے لئے ہر زائد رقم کو انٹرسٹ کا عنوان دے دیتے ہیں۔

ان مختلف جہتوں کی وجہ سے بعض اوقات علماء کے فتاوی میں اختلاف کی صورت پائی جاتی تھی؛ چنانچہ موضوع کی اہمیت اور اس کی خصوصی نوعیت کی بناء پر اکیڈمی کے ۲۶ویں سمینار منعقدہ اجین بتاریخ ۶-۴؍مارچ ۲۰۱۷ء کے لئے جن عنوانات کا انتخاب کیا گیا، ان میں ایک سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی حیثیت کا مسئلہ بھی تھا، اکیڈمی نے اپنے دفتر دہلی میں اس موضوع سے متعلق ماہرین کی ایک میٹنگ طلب کی، جس میں ان اسکیموں کا بھی جائزہ لیا گیا، جو ملک کے تمام شہریوں اور خاص کر غریبوں کے لئے ہیں، اور ان اسکیموں کا بھی جو اقلیتوں یا خاص کر مسلمانوں کے لئے ہیں، او راس کی روشنی میں ایک تفصیلی سوالنامہ مرتب کیا گیا؛ تاکہ تمام صورتوں کا احاطہ ہوجائے۔

بحمد اللہ اس موضوع پر اکیڈمی کو ۶۲ مقالات موصول ہوئے، اور مختلف اہل علم نے شرح وبسط کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی، پھر اکیڈمی کے طریقہ کار

کے مطابق سمینار میں بھی تفصیل سے تمام مسائل پر تبادلہ خیال ہوا، اور باتفاق رائے ۱۲؍نکات پر مشتمل تجاویز منظور کی گئیں، جن میں اصولی موقف اختیار کیا گیا؛ تاکہ اس کے ذیل میں جزئیات کا احاطہ ہوجائے ۔

البتہ مقالات کے زیادہ ہونے کی وجہ سے طلباء کے مقالات حذف کردیئے گئے ہیں، اور اسی طرح بعض وہ مقالات جو سمینار کے بعد موصول ہوئے وہ بھی اس میں شامل نہیں ہوسکے، نیز وہ مقالات جن میں غیر متعلق مباحث بھی آجاتے ہیں یا زائد از ضرورت طویل تمہید بیان کی جاتی ہے، از راہ اختصار ان کو حذف کردیا گیا ہے۔

اللہ جزاء خیر دے عزیز مکرم مولانا مفتی احمد نادر قاسمی (رفیق شعبہ علمی) کو؛ کہ انہوں نے اس موضوع سے متعلق مذکورہ تمام تحریروں، تجویزوں او رمباحثوں کا یہ مجموعہ سابق مجلات کے نہج پر مرتب کیاہے، امید ہے کہ انشاء اللہ گذشتہ مجلات کی طرح اسے بھی ارباب علم اور اصحاب ذوق کی بارگاہ میں قبولیت حاصل ہوگی، اور یہ امت کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنے گا، وباللہ التوفیق۔

۱۶؍ذوقعدہ ۱۴۳۸ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۹؍اگست ۲۰۱۷ء — (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

* * *

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

سرکاری اسکیموں سے استفادہ

ہماری حکومت عوام کی معاشی و معاشرتی ضرورتوں کی کفالت، تعلیمی ترقی،صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی اعتبار سے محروم و پسماندہ شہریونکواونچا اٹھانے نیز ملک کی معیشت کی مضبوطی و ترقی کے لئے مختلف شکلوں میں رقوم دیتی ہے، جس سے چھوٹے بڑے پیمانے پر بہت سے کام انجام دیئے جاتے ہیں، اور معاشی وتعلیمی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں، نیز صحت و علاج ، رہائش اور زراعت وغیرہ میں عوام کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے،اس طرح کی بعض اسکیمیں ملک کے تمام طبقات کے لئے اور بعض مسلمانوں بشمول مخصوص طبقات کے لئے ہوتی ہیں، نیز یہ بات ظاہر ہے کہ ملک کے خزانہ پر جس طرح دوسرے لوگوں کا حق ہے، اسی طرح مسلمانوں کا بھی حق ہے اور وہ بھی براہ راست یا بالواسطہ ٹیکس ادا کرتے ہیں؛ اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسی فلاحی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں؛ لیکن چونکہ ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے ؛اس لئے بہت سی اسکیموں میں اس بات کا لحاظ نہیں کیاجاتا کہ وہ شرعی طور پر قباحتوں سے پاک ہوں۔

ان اسکیموں میں عوام کو جو رقوم فراہم کی جاتی ہیں، وہ بنیادی طور پردو طرح کی ہوتی ہیں: امداد و اعانت اور قرض ،- امدادی رقوم زیادہ تر اسکالر شپ وغیرہ کی شکل میں دی جاتی ہیں،ان کے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی، رہا قرض تو قرضے بنیادی طور پر دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ قرض جس کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، جس کو سبسڈی کا عنوان دیاجاتا ہے، دوسرے وہ قرضے جو پورے واپس ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ مزید کچھ ادا کرنا پڑتا ہے، کبھی اس زائد رقم کی شرح سود کی مروج شرح کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی بہت معمولی ہوتی ہے،اس قسم کے قرضوں سے مسلمانوں کے لئے استفادہ کا کیا حکم ہے؟- اس بابت چند سوالات پیش خدمت ہیں:

۱-وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

۲-معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں مینیہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

۳-اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

۴-غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضو ں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہاجاتا ہو،یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرہ میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت و گنجائش ہوگی؟

۵-اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پرمحمول کیاجاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیاجاسکتا ہے؟

۶-ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ،مثلا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریونکی اعانت ہوتی ہے۔

۷-گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم- جس قسم کی بھی ہوں -ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ،واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

۸-بعض مرتبہ و اسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

۹-اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہرہے کہ درست نہیں ہے ۔

۱۰- امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

۱۱-بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے ،وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ،یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

۱۲-بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا

ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی و رفاہی اداروناور افراد و اشخاص کا تعاون کیاجاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا صورت درست ہوگی؟

* * *

تجاویز:

سرکاری اسکیموں سے استفادہ

١- وہ سرکاری قرضے جن کا کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ایسے قرضوں کا لینا جائز ہے۔

٢- وہ قرضے جن میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے قرضوں کا لینا بھی درست ہے۔

٣- وہ قرضے جن میں مقررہ مدت کے بعد قرض واپس کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے، ایسے قرضے بلاضرورت شدیدہ لینا جائز نہیں ہے۔

٤- وہ قرضے جن کی واپسی پر اصل سے زائد رقم ادا کرنی پڑتی ہو وہ ناجائز ہے، البتہ اگر وہ دیندار ماہرین اور معتبر اصحاب افتاء کی رائے کے مطابق اس جیسے عمل کے لئے واقعی سروس چارج کہلانے کے لائق ہو اور کسی طرح بھی سود لینے کا حیلہ نہ ہو تو لینے کی گنجائش ہے۔

٥- قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے وہ رقم سود ہے اور عام حالات میں ایسا قرض لینا جائز نہیں ہے۔

٦- مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر یا تعلیمی ضروریات وغیرہ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے امداد کے طور پر جو رقم ملتی ہے اس کو حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

٧- رشوت لینا اور دینا جائز نہیں ہے، البتہ گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم حاصل کرنے کا طریقہ کار سے کوئی شخص واقف نہ ہو یا کسی وجہ سے اس کو انجام دینے پر قادر نہ ہو اور وہ کسی ایسے شخص کی مدد حاصل کرے جو اس کے حصول کے لئے تگ ودو اور جدوجہد کرتا ہو اور یہ کوشش اس کی ذمہ داری میں داخل نہ ہوتو بطور محنتانہ مناسب مقررہ اجرت کا لین دین درست ہے۔

٨- امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط و معیارات حکومت کی طرف سے متعین ہوں اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

٩- تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت عوام کو بینک سے قرض دلائے اور اس پر عائد ہونے والی زائد رقم خود مقروض کو ادا نہ کرنا پڑے، بلکہ خود حکومت ادا کرے تو اس طرح کا قرض لینا درست ہے۔

۱۰- جن اسکیموں میں حکومت نے محفوظ فنڈ قائم کرکے اس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا اور اس کے انٹرسٹ سے حاصل شدہ رقم کا مالک ہوکر تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کرتی ہے، ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔

۱۱- دوسری قومی اکائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی سرکاری خزانہ میں حق ہے، اس لئے سرکاری اسکیموں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہئے، بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو، جو شرعاً ممنوع ہے۔

۱۲- شرکاء سمینار مسلم دانش وروں، تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں اور ذمہ داروں کو توجہ دلاتے ہیں کہ سرکاری جائز اسکیموں کا لوگوں میں زیادہ سے زیادہ تعارف کرائیں اور بلا معاوضہ ممکنہ تعاون کی صورت پیدا کریں۔

* * *

تلخیص مقالات:

سرکاری اسکیموں سے استفادہ

مفتی احمد نادر القاسمی•

''إن الحمد کلہ للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، وعلی آلہ وصحبہ، ومن تبعہ ودعا بدعوتہ جمیعاً''۔

دنیاکےجمہوری اور عالمی سیاسی وملکی نظام میں ہر ملک اور ریاست اپنے اپنے طور پر عوام کی ترقی اور راحت رسانی کے لئے مختلف قسم کی اسکیمیں جاری کرتی اور منصوبے بناتی ہے، ان اسکیموں میں بسااوقات فلاحی ورفاہی امداد وتعاون بھی ہوتا ہے، اور تعلیمی قرضہ جات، ورہائشی مکانات کی تعمیر کے لئے بینک اور حکومت کے ذریعہ دی جانے والی سود پر مبنی سہولیات بھی ہوتی ہیں اور کاروبار اور معاشی ترقی کے لئے فراہم کیاجانے والا سودی قرض بھی ہوتا ہے، جہاں تک حکومت سے ملنے والی امداد کا تعلق ہے تو اس میں تو کوئی دورائے نہیں کہ اس سے استفادہ کرنا اور اسے قبول کرنا بغیر کسی تردد کے جائز ومباح ہے، حکومت، خواہ کسی بھی نظریہ کی حامل ہو اور کسی طبقہ کی ہو، حکومتی نظام اور خزانے سے استفادے میں سب برابر کے شریک ومساہم ہیں، کیونکہ ملک کی ترقی اور تعمیر میں ہر شہری کا اپنے اپنے دائرے میں تعاون شامل رہتا ہے، البتہ بعض اسکیمیں سود پر مبنی ہوتی ہیں اور ان سے استفادے کے لئے حکومت کو اس کے عوض سود دینا پڑتا ہے، ان اسکیموں سے ایک صاحب ایمان شخص کے لئے ملک اور نظام کا حصہ ہونے کے باوجود استفادہ کرنا درست ہوگا یا نہیں، یہ ایک اہم سوال ہے، اس منظر میں بہت سے اور بھی سوالات ہیں جو قابل غور بھی ہیں اور فوری حل طلب بھی، ان سوالات کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے ۲۶ویں فقہی سمینار کا ایک موضوع ''سرکاری اسکیموں سے استفادہ '' بھی رکھا، اور ا س بابت مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوالنامہ مرتب کرکے اہل علم وارباب افتاء کی خدمت مینروانہ کیا، ان سوالات کے جو جوابات اور اہل علم کی فقہی آراء نیز تحقیقی مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے، ان کی تلخیص، دلائل اور مقالہ نگاران کے نتائج فکر، اس مجموعہ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تلخیص کرتے وقت تک اکیڈمی کو اس بارے میں جن ۵۷ حضرات اہل علم وفکر کی قیمتی تحریریں راقم الحروف (احمد نادر القاسمی) کو موصول ہوئیں ان کے اسماء

• رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

گرامی اس طرح ہیں:

مولانا فیاض عالم قاسمی، مفتی ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، علامہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد عرفان (آسام)، مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، شیخ ڈاکٹر عبد اللہ جولم، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد فلاحی، مفتی محمدفاروق دربھنگوی، مولانا سراج الحق میواتی، مولانا عباس بن یوسف، مفتی محمد حسین قمر الدین ماہمکر فلاحی، مفتی جنید بن محمدپالنپوری، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا رحمت اللہ ندوی ، دار الافتاءمدرسہ جامعہ عربیہ سلم العلوم بناس کانٹا گجرات، مفتی محمد زبیر ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مفتی محمد ارشاد دساوا، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی محمد رمضان سعادتی، حضرت شیخ مفتی محبوب علی وجیہی، حضرت مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر محی الدین غازی، مولانا حفیظ الرحمن مدنی، دارا الافتاء جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا ابو المکارم معروفی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی عبد الحمید قاسمی (دیناج پور)، مفتی عبد التواب اناوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، حضرت قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی ملیا، مولانا ظہیر احمد قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی، مولانا عبد الباسط قاسمی۔

اکیڈمی کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ کل ۱۲؍سوالات پر مشتمل ہے، جس میں پہلا سوال یہ ہے:

سوال نمبر(۱): وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

مقالہ نگاران کا موقف:

حکومت کی طرف سے فراہم کیا جانے والا قرض جس میں حکومت قرض کا کچھ حصہ معاف کردیتی ہے جسے حکومت کی اصطلاح میں سبسڈی کہا جاتا ہے، اور قرض لینے والے کو لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، حکومت کی اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے اور قرض حاصل کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، جائز اور مباح ہے، اور حکومت کی طرف سے قرض کی رقم میں کمی کردینا یہ سودی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طرح کا تعاون ہے، اور قرض دینے والے کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی رقم کا کچھ حصہ معاف کردے، اس پر تمام ہی مقالہ نگاران کا اتفاق ہے، اس پر حضرات مقالہ نگاران

نے جو دلائل دیئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

دلائل:

۱۔ ''وإن کا ن ذو عسرة فنظرة إلی میسرة، وأن تصدقوا خیر لکم إن کنتم تعلمون'' (سورة البقرہ: ۲۸۰)۔

۲۔ ''یاأیہا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ'' (بقرہ: ۲۸۲) (دیکھئے مقالہ: اعجاز الحسن بانڈے)۔

۳۔ ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورہ بقرہ: ۱۸۵)۔

۴۔ اس پر ربا کا تحقق نہیں ہوتا ہے، ''عن علی مرفوعاً: کل قرض جرّ منفعۃ فہو ربا، وکل قرض شرط فیہ زیادۃ، فہو حرام بلا خلاف'' (اعلاء السنن للتھانوی ۱۴،۴۹۹) (از مقالہ: مفتی لطیف الرحمن ممبئی)۔

۵۔ ''عن کعب بن مالک عن النبیﷺ:کشف سجف حجرتہ ونادی کعب بن مالک، فقال:یا کعب! فقال: لبیک یا رسول اللہ، فأشار بیدہ أن ضع الشطر من دینک، قال کعب: قد فعلت یا رسول اللہ'' (بخاری ۱،۶۸ کتاب الصلاۃ باب رفع الصوت فی المسجد)۔

۶۔ ''عن جابر قال: أصیب عبد اللہ وترک عیالاً ودیناً فطلبت إلی أصحاب الدین أن یضعوا بعضاً، فأبوا فأتیت النبیﷺ فاستشفعت بہ علیہم فأبوا'' (بخاری: کتاب الاستقراض، باب الشفاعۃ فی وضع الدین ۱،۳۲۴)۔

۷۔ ''فأتاہ عبد اللہ بن جعفر وکان لہ علی الزبیر أربع مائۃ ألف، فقال لعبد اللہ:إن شئتم ترکتہا لکم، قال عبد اللہ: لا'' (بخاری کتاب الجہاد، باب برکۃ الغازی فی مالہ حیا ومیتا ۱،۴۴۱) (مذکورہ روایات محبوب فروغ احمد قاسمی کے مقالے سے ماخوذ ہیں (دیکھئےموصوف کا مقالہ)۔

۸۔ ''عن کعب بن عمرو: ''من أنظر معسراً أو وضع عنہ أظلہ اللہ فی ظلہ'' (مسلم حدیث نمبر: ۳۰۰۶)۔

۹۔ ''عن أبی ہریرۃ:استقرض رسول اللہ سنا فأعطی سنا خیرا منہ، وقال:خیارکم أحسنکم قضاءاً'' (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۱۹)۔

۱۰۔ ''عن أبی رافع أن النبیﷺ استسلف من رجل بکرا، فقدمت علی النبی إبل الصدقۃ، فأمر أبا رافع أن یقضی الرجل بکرہ فرجع إلیہ أبو رافع، فقال: یا رسول اللہ! لم أجد فیہا إلا خیاراً رباعیا، فقال: أعطہ، فإن خیر الناس أحسنہم قضاءاً'' (مسلم حدیث نمبر: ۱۶۰۰) (مولانا سراج الحق میواتی)۔

۱۱۔ ''قال رسول اللہﷺ: من أحب أن یظلہ اللہ فی ظلہ فلینظر معسراً أو یضع عنہ'' (ابن ماجہ، کتاب الصدقات، حدیث نمبر: ۲۴۱۹) ۔

۱۲۔ ''قال: من سرہ أن ینجیہ من کرب یوم القیامۃ فلینفس عن معسر أو یضع عنہ''

(مسلم،حدیث نمبر: ۴۰۸۳) ۔

۱۳۔ ‘‘عن النبیﷺ: حوسب رجل ممن کان قبلکم، فلم یوجد لہ من الخیر شئی إلا أنہ کان یخالط الناس، وکان موسراً، فکان یأمر غلمانہ أن یتجاوزوا عن المعسر، قال:قال اللہ عزوجل:‘‘نحن أحق بذلک منہ، تجاوزوا عنہ’’ (مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۶۱، بخاری ادب المفرد، حدیث نمبر: ۲۹۳، ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۰۷) (دیکھئے مقالہ: مفتی ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

۱۴۔ ‘‘من أنظر معسراً أو وضع لہ أظلہ اللہ یوم القیامۃ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل إلا ظلہ’’ (ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۰۶) (دیکھئے: مفتی عارف باللہ)۔

۱۵۔ ‘‘عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت:توفی رسول اللہﷺ ودرعہ مرہونۃ عند یہودی بثلثین صاعاً من شعیر، ومنہا أیضاً: اشتری رسول اللہﷺ طعاماً من یہودی إلی آجل ورہنہ درعاً لہ من حدید’’ (مشکوۃ،۲۵۰) (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۱۶۔ ‘‘عن حذیفۃ قال: سمعت النبیﷺ یقول: مات رجل فقیل لہ: قال أبایع الناس فأتجاوز عن الموسر وأخفف عن المعسر فغفر لہ’’ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۹۱) (قاضی محمد حسن ندوی)۔

۱۷۔ ‘‘قولہ: (ففعل صح) أی أخّر رب الدین أو حط بعض الدین، بأن أبرأ المدیون عن بعض الدین’’ (تبیین الحقائق للزیلعی۴،۴۵، ط: المطبعۃ الکبری قاہرہ)۔

۱۸۔ ‘‘إذا أقر لہ بدین أو عین فأسقط أو وہبہ البعض وترک الباقی صح’’ (زاد المستقنع فی اختصار المقنع ۱،۱۱۸، ط: دار الوطن للنشر، ریاض)۔

۱۹۔ ‘‘إذا أقر لہ بدین أو عین فوہب أو أسقط بعضہ وطلب باقیہ صح’’ (الفروع ۶،۲۳، ط: مؤسسۃ الرسالہ)۔

۲۰۔ ‘‘إذا أقر لہ بدین أو عین فوضع عنہ بعضہ أو وہب لہ بعضہا ... فہو صحیح’’ (الانصاف۵،۲۳۵ ط: دار احیاء التراث العربی)۔

۲۱۔ ‘‘إذا أقر لہ بدین أو عین فأسقطہ عنہ من الدین بعضہ... صح’’ (الروض المربع ۱،۳۷۹، ط: الرسالہ)۔

۲۲۔ ‘‘کان یقرر رشید لآخر بدین أو عین ثم یسقط عن المقر لہ بعض العین أو الدین، ویأخذ الباقی فہو إبراء عن بعض الدین بلفظ الصلح’’ (الفقہ المیسر ۱،۲۵۵، ط: مجمع الملک فہد)۔

۲۳۔ ‘‘إذا کان النفع عائداً علی المقترض، فلیس حراماً؛ لأنہ تبرع من المقرض للمستقرض’’ (القواعد الفقہیہ ۱،۶۵۴، ط: دارالفکردمشق) (مذکورہ فقہی عبارات کے لئے دیکھئے: مقالہ: محمد اکرم بن اسلم رشید)۔

۲۴۔ ‘‘وأن تصدقوا خیر لکم إن کنتم تعلمون’’ (سورہ بقرہ: ۲۸۰) ‘‘أی تتصدقوا علی المعسر بالإبراء (من کل الدین أو بعضہ)’’ (جلالین۱،۴۴)۔

۲۵۔ ‘‘إذا قضی المدیون أقل من حق الدائن ورضی بہ الدائن أو لم یؤد المدیون شیئاً،

ولکنہ حللہ عن الدائن فأحل لہ فہو جائز'' (فیض الباری ۳۱۱٫۳کتاب الاستقراض) (دیکھئے: محمد عرفان آسام)۔

۲۶۔ ''کذلک یجوز للبائع أن یزید فی المبیع ویجوز أن یحط الثمن ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذلک'' (الفقہ المیسر٫۱۱۰) (دیکھئے مقالہ: محمد ممتاز خاں ندوی)۔

۲۷۔ ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ مع الغمز عیون البصائر)۔

۲۸۔ ''ویکون متبرعاً علی المدعی علیہ کما لو تبرع بقضاء الدین'' (ہدایہ ۲۵۰٫۳) ''العفو إنما یسقط ماکان مستحقا للمعانی خاصۃ'' (قواعد الفقہ٫۹۳)، ''وہبۃ الدین ممن علیہ إبراء'' (ہدایہ ۲۹۲٫۳)، ''وہبۃ الدین ممن علیہ الدین جائز قیاساً واستحساناً'' (ہندیہ٫۴ ۳۸۴) ''للدائن أن یعفو المدین وتبرأ بذلک ذمتہ من الدین'' (موسوعہ فقہیہ ۱۷۳٫۳۰)۔

۲۹۔ ''کما لا یوعظ الطالب فی نقصان مالہ، إذا لو أبرأہ من جمیعہ لصحت برائتہ'' (احکام القرآن للجصاص٫۱ ۵۸۹)۔

۳۰۔ ''اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایا کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے، اسی لئے حکومت کچھ رقم کی چھوٹ بھی دیتی ہے، جسے سبسڈی کہا جاتا ہے، اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم کی چھوٹ ملے (اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے) اگر وہ چھوٹ سود میں ملی ہوئی رقم، یعنی سبسڈی سے ادا ہوجاتی ہو، اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی۔ مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم بھی سبسڈی سے زیادہ دینی پڑے تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گااور جائز نہ ہوگا '' (فتاوی رحیمیہ ۲۶۵٫۹)۔

۳۱۔ ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ دی جاتی ہے، اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سودکے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں ہے '' (فقہی فیصلے٫۱۶۲)۔

مذکورہ بالا کتاب وسنت اور عبارات فقہاء کے علاوہ بہت سے مقالہ نگاران نے اکابر علماء وفقہاء کے اردو فتاوی بھی استشہاد میں پیش کئےہیں، تفصیل کے لئے ان کے مقالات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے (دیکھئے مقالہ: مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی عبدالتواب اناوی وغیرہ)۔

متفرق نکات:

- مفتی محمد عثمان بستوی کا خیال ہے کہ اس طرح کی چھوٹ والی اسکیموں سے استفادہ میں اس بات کو بھی مصلحتاً مدنظر رکھنا چاہئے کہ بسااوقات سیاسی جماعتیں اپنے سیاسی مقاصد کی غرض سے اس طرح کی اسکیمیں جاری کرتی ہیں اور عوام کو بعد میں دینی ودنیوی ضرر لا حق ہوتا ہے (دیکھئے: موصوف کامقالہ)۔

- ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانا درست ہے، تاہم اس کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ دینی اور سیاسی مصلحت کے خلاف نہ ہو (مولانا ابو المکارم معروفی)۔

- مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی جواز کی رائے کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''اگر بوقت قرض نہ تو معافی مشروط ہو اور نہ معروف ہو تو بظاہر ایسے قرضے کی حصول یابی میں کوئی حرج نہیں '' (دیکھئے: موصوف کا مقالہ)۔

- یہ صورت اس وقت جائز ہوگی جب اس میں معافی اور چھوٹ عام ہو، سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیاجارہا ہو، اگر یہ خاص طبقہ کےلئے ہو تو صرف اس طبقہ کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا، سب کے لئے نہیں، اگر قرض میں معافی کا ضابطہ تو ہو، مگر عام اعلان نہ ہو تو اس کی دو شکل ہے، اگر واقعتاً ادائیگی کی وسعت نہیں ہے تو معافی کرانا جائز ہوگا اور قرض سے نفع اٹھانے کا حکم عائد نہیں ہوگا، اور اگر کل قرض کی ادائیگی کی وسعت ہے، مگر غیر اعلان شدہ ضابطہ سے معلوم ہونے کی وجہ سے قرض کی واپسی میں معافی چاہتا ہے تو پھر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا اور یہ ''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا'' (السنن الکبری للبیہقی ۲۷۶،۸) کے حکم میں داخل ہوگا، اور قرض کی رقم میں کمی کی سہولت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ استقراض بالربح مقید ہے محتاج کےساتھ اور وہ یہاں فوت ہے (من غیر لفظہ) (دیکھئے مقالہ: مفتی عبد التواب)۔

- مولانا رحمت اللہ ندوی کا خیال ہے کہ یہ معاملہ اصل معاملہ کے وقت سودی ہی ہوتا ہے، اس لئے ضرورت اور ناقابل برداشت مشقت کی صورت میں ہی قرض لینے کی اجازت اور گنجائش ہے، خواہ اس کا ایک حصہ معاف کردیا جائے، بلاضرورت اور وجہ مجبوری کے بینک سے سودی قرض لینا حرام ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ) یہی رائے دار الافتاء سلم العلوم بناس کانٹا گجرات کی بھی ہے۔

سوال نمبر (۲): معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں مینیہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے ا ندر واپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے، جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ چونکہ تاخیر کی وجہ سے اگرچہ قرض لینے والے کو سبسڈی کا فائدہ نہیں ہوتا اور حکومت نے جو مراعات اسے دی تھی اس سے وہ محروم رہتا ہے، تاہم واپسی میں،لی ہوئی رقم سے زائد نہیں دیناپڑتا، اس لئے یہ معاملہ بھی سودی معاملہ کے دائرے میں نہیں آئے گا اور جائز رہے

گا، کیونکہ اس میں نہ سود لیا جاتا ہے اور دیا جاتا ہے ۔ دلائل میں ایسی نصوص پیش کئے ہیں جن میں ربا کی حرمت اور ممانعت آئی ہے، اور قرض کی واپسی میں وقت کی تعیین وتحدید کا اختیار شریعت نے قرض خواہ کو دیا ہے، اس لئے ان نصوص کو بھی پیش کیا ہے جن میں وقت کی تعیین کی طرف اشارہ ہے، مثلاً:

دلائل:

١۔ ''وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون'' (سورہ بقرہ: ٢٨٠)۔

٢۔ یہ قرض حسن ہے، جس میں کوئی سود نہیں ہے، ''من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لم أضعافاً كثيرة والله يقبض ويبسط وإليه ترجعون'' (سورہ بقرہ: ٢٤٥)۔

٣۔ ''عن أنس بن مالكؓ:رأيت ليلة أسرى بی علی باب الجنة مكتوباً:الصدقة بعشر أمثالها والقرض بثمانية عشر، فقلت لجبريل:ما بال القرض أفضل من الصدقة؟ قال:لأن السائل يسأل وعنده؛ والمستقرض لا يستقرض إلا من حاجة '' (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ٢٤٣١)۔

٤۔ ''من كان فی حاجة أخيه كان الله عزوجل فی حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة، فرج الله عزوجل عنه بها كربة من كرب يوم القيامة'' (بخاری، حدیث نمبر: ٢٤٤٢، ٦٩٥١، مسلم، حدیث نمبر: ٢٥٨٠، ابوداؤد، حدیث نمبر: ٤٨٩٣، ترمذی، حدیث نمبر: ١٤٢٦، نسائی، حدیث نمبر: ٢٩١)۔

٥۔ ''عن النبیﷺ: ما من مسلم يقرض مسلماً قرضاً مرتين إلا كان كصدقتها مرة''۔

٦۔ ''كل قرض جر نفعاً فهو ربا'' عن فضالة بن عبيد أنه قال: ''وكل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا'' (السنن الكبرى للبيهقی٨،٢٧٦، حدیث نمبر: ١١٠٩٣)۔

٧۔ ''إذا قال: صالحتک من الألف علی خمس مائة تدفعها إليّ غداً وأنت برئ من الفضل علی أنک إن لم تدفعها إلي غداً فالألف عليک علی حاله، وجوابه إن الأمر علی ما قال؛ لأنه أتی بصريح التقييد، فيفعل به'' (ہدایہ٣،٢٣٦) (مولانا خورشید انوراعظمی، وایضاً: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

٨۔ ''إذا كان حط الدين المؤجل مشروطاً بتعجيله فهو ممنوع، لأنه من قبيل (ضع وتعجل) وأما إذا كان من غير شرط ملفوظ ولا ملحوظ فهو جائز، فيكون حينئذ تبرعاً من الدائن للمدين ، والله اعلم'' (الفتاوی الشرعیہ کویت ٦،١٦٥) (ماخوذ از مقالہ محمد ابرار خاں ندوی)۔

٩۔ '' (ولو شرط) أن يرد (مكسرا عن الصحيح أو أن يقرضه) شيئاً آخر (غيره لغا الشرط) فيهما ولم يجب الوفاء به (والأصح أنه لا يفسد العقد، لأن ما جره من المنفعة ليس للمقرض، بل للمقترض والعقد عقد إرفاق، فكأنه زاد فی الإرفاق ووعده وعداً حسناً'' (نہایۃ المحتاج مع شیئین ٤،٢٣٠-٢٣١)۔

١٠۔ ''(فسد) أی الإقراض (بشرط جر منفعة للمقرض كرد زيادة) فی القدر أو الصفة كرد صحيح عن مكسر (أو شرط) أن يرد (أنقص) قدراً وصفة كرد مكسر عن صحيح (لغا الشرط فقط) أی لا العقد؛ لأن ماجره من المنعقة ليس للمقترض؛ بل للمقروض أو لهما

والمقترض معسر والعقد عقد إرفاق، فكأنه زاد فی الإرفاق ووعده وعداً حسناً" (حاشیۃ الجمل ۵۹،۵، تکملۃالمجموع۲۹۲،۱۳، حاشیۃ اعانۃ الطالبین۹۳،۳) (دیکھئے مقالہ: محمد حسین قمر الدین)۔

۱۱۔ "ولا یثبت الأجل فی القروض عندنا" (ہدایہ۳۶۸،۵)۔

۱۲۔ "إن ہذہ المعاملۃ فیہا مصلحۃ للطرفین (الدائن والمدیون) فالدائن یستفید تعجیل الدین والمدین یستفید بوضع الدین علیہ، وہذا ضد الربا، فإن ذلک یتضمن الزیادۃ فی الأجل، وذلک إضرار محض بالغریم ومسألتنا تتضمن برأۃ ذمۃ الغریم من الدین وانتفاع صاحبہ بما یتعجلہ، وکلاہما حصل لہ الانتفاع من غیر ضرر" (فتاوی اللجنہ۱۳،۱۴۸، ۱۳،۱۶۸)۔

۱۳۔ "الدین لا یسقط إلا بالقضاء" (بدائع الصنائع۱۳،۵) (دیکھئے مقالہ: قاضی محمد حسن ندوی)۔

۱۴۔ "وکان علیہ مثل ما قبض" (تنویر الابصار۲۹۸،۷)۔

۱۵۔ "ومن کان علی آخر ألف درہم، فقال:ادفع إلیّ غدا منہا خمس مائۃ علی أنک بریٔ من الفضل، ففعل فہوبریٔ، فإن لم یدفع إلیہ خمس مائۃ غداً عادت الألف عند أبی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ" (الفتاوی الہندیہ باب الصلح فی الدین۲۳۴،۴، العنایۃ مع شرح فتح القدیر باب الصلح فی الدین۴۴۷،۸) (محمد جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۱۶۔ "الدیون تقضی بأمثالہا" (شامی۶۷۵، کتاب الایمان)۔

۱۷۔ "قال محمدرحمہ اللہ تعالی فی کتاب الصرف:إن أبا حنیفۃؒ کان یکرہ کل قرض جرمنفعۃ، قال الکرخی: ہذا إذا کانت المنفعۃ مشروطۃ فی العقد" (ہندیہ ۲۰۲،۳) (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد زبیر ندوی)۔

۱۸۔ "أد إلیّ غداً خمس مائۃ علی أنک بریٔ من الباقی علی أنک لو لم تعطینی غداً خمس مائۃ فالألف علیک علی حالہ، فالأمر کما قال" (خلاصۃ الفتاوی ۱۷۷،۴)۔

۱۹۔ "اختلف العلماء فی تأخیر الدین إلی أجل، فقال أبوحنیفۃ وأصحابہ: سواء کان القرض إلی أجل أو غیر آجل، لہ أن یأخذہ متی أحب، وکذلک العاریۃ وغیرہا؛ لأن عندہم من باب العدۃ والہبۃ غیر مقبوضۃ، وہو قول الحارث العکلی وإبراہیم النخعی" (عمدۃ القاری للعینی۶۰،۶)۔

۲۰۔ "اسلامک فقہ اکیڈمی نے سود سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں جو تجاویز اعظم گڈھ کےسمینار میں پیش کیا تھا اس میں ایک تجویز یہ تھی کہ "ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہوتےہیں جن میں سرکار کی طرف سے چھوٹ دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر وہ سود کی رقم چھوٹ والی رقم کے مساوی یا اس سےکم ہو تو یہ اضافی رقم سود نہیں ہے (ماہنامہ الرشاد جنوری ۱۹۹۰ء)۔

۲۱۔ "سرکاری خزانہ چونکہ عوامی ملکیت ہے، لہذا مقررہ ضابطے کے تحت حکومت کو قرض یا قرض کا بعض حصہ معاف کرنے کااختیار ہے، اور قرض کے حقدار کو اس معافی سے فائدہ اٹھانےکا بھی حق ہے ۔

مذکورہ عربی وفقہی عبارات اور کتاب وسنت کے نصوص کے علاوہ مقالہ نگاران نے اردو فتاوی بھی نقل کئے ہیں، استفادہ کےلئے وہاں سے رجوع کیاجاسکتاہے۔

متفرق وضاحت:

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگاران نے قرض میں تاجیل اور مدت متعین کئے جانےکے سلسلہ میں جو ائمہ کے درمیان مشہور اختلاف ہے، اس کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً مفتی عبد المنان آسام، قاضی محمد حسن ندوی ماٹلی والا بھروچ، مولانا ابوالمکارم معروفی وغیرہ، مگر چونکہ یہ مسئلہ مقالہ نگاران کے نزدیک اتفاقی ہے، اس لئے ائمہ کے اختلافات کی تفصیل یہاں طوالت کے خوف سے ذکر کرنا موزوں معلوم نہیں ہوتا۔

سوال نمبر (۳): اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

اس سوال سے متعلق مقالہ نگاران کی رائے یہ سامنے آئی کہ اگر قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قرض میں لی گئی رقم سے زیادہ ادا کرنا پڑے تو یہ سراسر سودی معاملہ ہے اور یہ زیادتی ربا جاہلیہ اور حرام ہے، یہ زیادتی پر مبنی مشروط قرض ہے، اور یہ ایسی زیادتی ہے جو کسی بھی قسم کے عوض سے خالی ہے، اس طرح قرض حاصل کرنا سود کی لعنت میں گرفتار ہونا ہے، اس لئے اس طرح کا قرض اور حکومت کی قرض والی اسکیموں سے عام حالات میں تو فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، البتہ اضطراری اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے۔

اس مسئلہ پر بھی تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے اور ربا کی حرمت کے دلائل بھی معلوم ومعروف ہیں، مثلاً:

۱۔ ''أحل الله البيع وحرم الربا'' (سورہ بقرہ: ۲۷۵)۔

۲۔ ''عن مجاہدقال:فی الربا الذی نہی الله عنہ کانوا فی الجاہلیۃ، یکون للرجل علی الرجل الدین فیقول لک:کذا وکذا، وتوخّر عنی فیوخر عنہ'' (جامع البیان فی تفسیر القرآن ۶۷،۳)۔

۳۔ ''عن جابرؓ قال: لعن رسول اللهﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۹۸)۔

۴۔ ''أما ربا النسیئۃ فہو الأمر الذی کان مشہوراً متعارفاً فی الجاہلیۃ، وذلک أنہم کانوا یدفعون المال علی أن یأخذوا کل شہر قدراً معیناً، ویکون رأس المال باقیاً، ثم إذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال، فإن تعذر علیہ الأداء زاد وا فی الحق والأجل، فہذا ہو الربا الذی کانوا فی الجاہلیۃ یتعاملون بہ'' (تفسیر کبیر ۲۷۵،۷)۔

۵۔ ''الربا ہو القرض المشروط فیہ أجل وزیادۃ، مال علی المستقرض أو منفعۃ ینتفع بہ المسلف فہی ربا'' (الکافی فی فقہ الحدیث۳۵۹،۲)۔

۶۔ ''لا خلاف بین الفقہاء فی أن اشتراط الزیادۃ فی بدل القرض للمقرض ..... لعقد

القرض، وأن ہذہ الزیادۃ تعد من قبیل الربا'' (موسوعہ۱۳۰،۳۳)۔

۷۔ ''قال الشامیؒ : کل قرض جر نفعاً فہو ربا أی إذا کان مشروطاً'' (شامی ۳۵۵،۵)۔

۸۔ ''کل قرض شرط فیہ أن یزیدہ فہو حرام بغیر خلاف، قال المنذر: أجمعوا علی أن المسلف إذا شرط علی المتسلف زیادۃ أو ہدیۃ، فأسلف علی أسلف، أن آخذ الزیادۃ علی ذلک ربا، وقد روی عن أبی بن کعب، وابن عباس، وابن مسعود أنہم نہوا عن قرض جر نفعاً'' (المغنی۴۳۶،۶)۔

۹۔ ''القرض بالشرط حرام والشرط لغو'' (الدر مع الرد ۳۹۴،۷) (مولانا ابرار خان ندوی)۔

۱۰۔''الزیادۃ المشروطۃ نسیئۃ الربا؛ لأنہا فضل لا یقابلہ عوض'' (بدائع الصنائع ۳۹۵،۷)۔

اس کے علاوہ اکثر مقالہ نگاران نے سود کی حرمت وممانعت اور قباحت سے متعلق اور بھی آیات واحادیث نقل کی ہیں، بخوف طوالت یہاں صرف نظر کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر (۴): غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضو ں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہاجاتا ہو،یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرہ میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت و گنجائش ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کے دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: معمولی اضافی رقم کو سروس چارج تصور کیا جائے گا:

اس پہلے رجحان کی تفصیل اس طرح ہے کہ سروس چارج لینا بینک کے لئے بہرحال درست ہے، ورنہ وہ اپنے کام کاج کیسے چلائینگے، اب سروس چارج کی دوشکلیں ہیں ایک یہ کہ قرض کی رقم پر کوئی اضافی رقم نہ لی جائے، بلکہ علاحدہ سے کچھ رقم لے لی جائے اور قرض حاصل کرنے والے تمام ہی حضرات سے یکساں معاملہ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ زیادہ قرض لینے والے زیادہ اور کم قرض حاصل کرنے والے سے کم لیا جائے، یہ کام کی اجرت ہے اوراجرت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ قرض کی رقم کے حساب سے فیصد میں لیا جائے اگرچہ اس کی مقدار کم ہی ہو، اگر اضافی رقم کی مقدار اتنی معمولی ہو کہ اسے سروس چارج کا نام دیا جاسکتا ہو تو پہلا رجحان یہ ہے کہ اس کی گنجائش ہے، اور اسے سود کا نام نہیں دیاجائے گا، اگرچہ سود ہی کے نام سے لیا جائے، اس کی گنجائش ہے اور اس طرح سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے لئے قرض لیاجاسکتا ہے، بعض حضرات نے اس میں بھی بدرجہ مجبوری کی قید کا اضافہ کیا ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرا ت نے اختیار کیا ہے:

مفتی لطیف الرحمن، مولانا فیاض عالم قاسمی، مفتی اسعد بن عبد الرزاق، محمد زبیر

ندوی، محمد صابر حسین ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، سراج الدین میواتی، محمد فلاحی، مولانا ڈاکٹر عبد اللہ جولم، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، محمد قمر الزماں ندوی، محمد نثار عالم ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، جنید بن محمد، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی ظہیر احمدکانپور، مفتی محمد نعمت اللہ (ملیا) قاضی عبدالجلیل قاسمی، عبد الحمید قاسمی، دار الافتاء بناس کانٹا (گجرات)، مولانا رحمت اللہ ندوی، عبد التواب اناوی، مفتی محمد اسعد فلاحی، مفتی شاہد علی قاسمی۔

مجوزین میں مولانا رحمت اللہ ندوی اور مفتی اقبال محمد ٹنکاروی کہتےہیں کہ یہ معاملہ اس وقت درست ہوگا جب سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیاجائے،جبکہ قاضی محمد حسن ندوی کہتےہیں کہ اگر قرض دار اپنی صوابدید پراضافی رقم ادا کرے تو جائز ہے، اور اگر مشروط ہو تو سود ہے اور ناجائز ہے۔

مذکورہ حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل اپنے موقف کی تائید میں دیئے ہیں:

۱۔ ‘‘ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربہ ولا یبخس منہ شیئاً’’ (سورہ بقرہ: ۲۸۲)۔

۲۔ ‘‘وکل حیلۃ یحتال بہا الرجل یتخلص بہا عن حرام أو یتوصل بہا إلی حلال فہی حسنۃ، والأصل فی جواز ہذا النوع من الحیل قول اللہ عزوجل: ‘‘وخذ بیدک ضغثاً، فاضرب بہ ولا تحنث’’ (سورہ ص: ۴۴)۔

۳۔ ‘‘فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ إن اللہ غفور رحیم’’ (سورہ بقرہ: ۱۷۳)۔

۴۔ ‘‘عن أبی سعید الخدری، وأبی ہریرۃ عن رسول اللہﷺ أنہ قال: ‘‘ومن استأجر أجیراً فلیعلمہ أجرہ،وہذا منہﷺ تعلیم شرط جواز الإجارۃ، وہو إعلام الأجر، فیدل علی الجواز’’ (بدائع الصنائع)۔

۵۔ ‘‘اعلم أن الإجارۃ عقد علی المنفعۃ بعوض ہومال’’ (المبسوط ۸۶،۱۵)۔

۶۔ ‘‘الضرورات تبیح المحظورات’’ (الاشباہ والنظائر) (دیکھئے مقالہ: محمد نثار عالم ندوی)۔

۷۔ ‘‘المعروف کالمشروط’’ (شامی ۲۱۰،۵ بحوالہ امداد الفتاوی ۴۵۴،۳)۔

۸۔ ‘‘یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی، فإنہ یستحق أجر المثل علی کتابۃ الفتوی، لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان’’ (درمختار ۱۰۸،۹) (دیکھئے مقالہ: مولانا ابوالمکارم معروفی، محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۹۔ ‘‘من أراد بالحیلۃ الہرب من الحرام فلا بأس’’ (سراج علی الخانیہ ۴۷۵،۴ بحوالہ

تعلیم کے قرض کا حصول،۱۳۰)۔

۱۰۔ ''فإن لم تكن المنفعة مشروطة فی العقد فأعطاه المستقرض أجود مما علیه فلا بأس به'' (ہندیہ ۳،۳۰۲) (دیکھئے مقالہ: قاضی محمد حسن ندوی)۔

۱۱۔ ''عمت البلوى أن أهل الثروة لايقرضون أحداً إلا بزيادة، إما من نوع المستقرض أو غيره بصيغة النذر، أو يتأجر المقرض من المقترض أرضاً بمال يسير يستغلها مرة بقاء الدين المذكور، أو يردها على المستقرض بأجرة تقابل تلك الزيادة، فالعقود المذكورة صحيحة إذا توفرت شروطها، لا يدخل ذلك فی أبواب الربا، إعطاء الربا عند الاقتراض ولو للضرورة بحيث إنه إن لم يعطه لم يقرضه، لا يدفع الإثم'' (فتاوی ابن زیاد مع بغیۃالمسترشدین،۴۶۹، ۴۷۰)۔

۱۲۔ ''وقال شيخنا ابن زياد: لايندفع إثم إعطاء الربا عند الاقتراض للضرورة بحيث إنه إن لم يعط الربا لا يحصل له القرض إذ له طريق إلى إعطاء الزائد بطريق النذر أو التمليك، لا سيما إذا قلنا النذر لا يحتاج إلى قبول لفظا على المعتمد، وقال شيخنا:يندفع الإثم للضرورة'' (فتح المعين مع حاشیۃ اغاثۃ الطالبین۲،۳۵) (دیکھئے مقالہ: محمد حسین قمر الدین مابمکر)۔

۱۳۔ ''إن لم يكن النفع مشروطاً فی القرض فعلى قول الكرخی لا بأس به'' (درمختار۷،۳۹۵)۔

۱۴۔ ''ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، قال الحموی فی حاشیۃ: وكذلك نحوه:أن يقرض عشرة دنانير مثلاً ويجعل يربيها شيئاً معلوماً فی كل يوم ربحاً'' (الاشباہ،۱۱۵)۔

۱۵۔''الأمور بمقاصدها، إنما الأعمال بالنيات، الحكم الذی يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر، المشقة تجلب التيسير، يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام'' (شرح المجلہ۱،۱۹۔۳۹۰) (دیکھئے مقالہ: حافظ کلیم اللہ عمری، سراج الحق میواتی، مولانا محمد زبیر ندوی)۔

۱۶۔ پس اس معاملہ کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اس جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے، بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت ہے.... نیز اس طریقہ کار ومحکمہ میں نفع وسہولت بھی دونوں جانب کو قریب قریب یکساں حاصل ہوئی سود تو نام ہے اس نفع وزیادتی کا جو محض ایک جانب کو حاصل ہو اور عوض سے خالی ہو (مستفاد نظام الفتاوی ۲،۴۴۰)۔

۱۷۔''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں بینک کے لئے اپنے قرضداروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آتے ہیں، البتہ فیصلہ کے اعتبار سے وصول کئے جانے والے اخراجات کی مقدار بہت معمولی ہونی چاہئے، تاکہ واقعتاً اس کے سروس چارج ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو، اور یہ سروس چارج اجرت مثل سے زیادہ وصول کرنا کسی بھی حال میں

جائز نہیں " (فقہی مقالات ۱،۲۷۰، ۲۷۱ مفتی تقی عثمانی)۔

۱۸۔ ''ترقیاقی قرضوں میں اصل مقصود نفع کمانا نہیں ہوتا، بلکہ عوام کے لئے بنیادی ضروریات اور روزگار کی فراہمی مقصود ہوتی ہے، اس لئے اگر اس پر لئے جانے والے قرض کو دفتری اخراجات اور ضروریات پر محمول کیا جائے تو مناسب محسوس ہوتا ہے (جدید فقہی مسائل ۴،۸۹، حضرت فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی) (مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، محمد بن عبد الجباری فلاحی، عباس بن یوسف، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبد الرحیم قاسمی وغیرہم)۔

دوسرا رجحان: قرض پر لی جانے والی معمولی رقم کو سروس چارج کا نام نہیں دیا جاسکتا:

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کا دوسرا رجحان یہ ہے کہ سود کی شرح خواہ کم ہو یا زیادہ، سود سود ہے اس کوسروس چارج کا نام دے کر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اس طرح بغیر شدید ضرورت کے جس کا فقہاء نے استثناء کیا ہے، قرض حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، یہ موقف مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید، دار الافتاء سلفیہ بنارس، مولانا حفیظ الرحمن مدنی، مولانا عارف باللہ قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی، مولانا محمد رمضان سعادتی، مولانا محمد عرفان آسام، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا ابوسفیان مفتاحی۔

عدم جواز کے اس موقف کے لئے مذکورہ مقالہ نگاران نے درج ذیل دلائل نقل کئے ہیں:

۱۔ ''یا أیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ" (سورہ بقرہ: ۲۷۸۔۲۷۹)۔

۲۔ ''یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا أضعافاً مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" (سورہ آل عمران: ۱۳۰)۔

۳۔ ''عن جابر بن عبد اللہؓ : لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء" (مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۹۸)۔

علت: اگر یہ سروس چارج ہوتا تو اس میں سالانہ اضافہ نہیں ہوتا، جبکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے، اس پر سود ہی کی تعریف صادق آئے گی (البتہ اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لئے سوددینے کی گنجائش ہے) جیسا کہ ظلم کو دفع کرنے کے لئے رشوت (دیکھئے مقالہ: شاہ جہاں ندوی)۔

۴۔ ''عن أبی ہریرۃؓ أن رسول اللہ ﷺ قال: الدینار بالدینار لا فضل بینہما، والدرہم

بالدرہم لا فضل بینہما'' (متفق علیہ)۔

۵۔ ''من أسلف سلفاً فلا یشترط أفضل منہ، وإن کانت قبضۃ من علف فہو ربا'' (موطا امام مالک مع شرح تنویر الحوالک ۱۶۹،۳)۔

۶۔ ''عن ابن مسعودؓ عن النبیﷺ قال: بین یدی الساعۃ یظہر الربو والزنا والخمر'' (رواہ الطبرانی، جواہر الفتح ۹۴،۳)۔

۷۔ ''فمن اتقی المتشبہات استبرأ عرضہ ودینہ، ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام'' (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۳۳۲)۔

۸۔ ''عن عبد اللہ حنظلۃ غسیل الملائکۃؓ قال:قال رسول اللہﷺ: درہم یأکلہ الرجل وہو یعلم أشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ'' (الفتح السریانی فی الترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ۶۹،۱۵) (دیکھئے مقالہ: محمد عرفان آسام، مولانا محمدآزاد بیگ قاسمی)۔

۹۔ ''عن عمرؓ قال: دعوا الربا والریبۃ'' (ابن کثیر ۳۲۸،۱)۔

۱۰۔ ''والتحرز عن حقیقۃ الربا وشبہۃ الربا واجب'' (الکاسانی: بدائع ۵۱۹،۶)۔

۱۱۔ ''إن قلیل الربا وکثیرہ حرام'' (التفسیر المنیر ۱۸۴،۴)۔

۱۲۔ ''کل قرض جر منفعۃ فہو ربا'' (السنن الکبری للبیہقی ۲۷۶،۸، حدیث نمبر: ۱۱۰۹۳)۔

۱۳۔ ''الربا لغۃ مطلق الزیادۃ وشرعاً فضل خال عن عوض بمعیار شرعی مشروط لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ'' (اللباب فی شرح الکتاب ۲۲۱،۱)۔

۱۴۔ ''قد أجمع المسلمون نقلاً عن النبیﷺ: أن اشتراط الزیادۃ فی السلف ربا'' (عمدۃ القاری ۱۳۵،۱۲)۔

۱۵۔ ''قد أجمع المسلمون نقلاً عن نبیہمﷺ: أن اشتراط الزیادۃ فی السلف ربا، ولو کان قبضۃ من علف حبۃ، کمال قال ابن مسعود: أو حبۃ واحدۃ'' (التمہید ۶۸،۴)۔

۱۶۔ ''أن الربا حرام مطلقاً ولا فرق بین قلیلہ وکثیرہ'' (تکملۃ فتح الملہم ۶۷،۱-۵۶۸)۔

۱۷۔ ''ما کان سبب حرام فہو حرام، الشبہۃ کالحقیقۃ فی باب الربو'' (دیکھئے مقالہ: حیدر علی قاسمی)۔

۱۸۔ ''الربا وہو القرض علی أن یؤدی إلیہ أکثر أو أفضل مما أخذ.... وکان قلیلہ یدعو إلی کثیرہ، فوجب أن یسد بابہ بالکلیۃ ولذلک نزل فی القرآن شأنہ فأنزل'' (حجۃ اللہ البالغہ ۱۰۶،۲)۔

۱۹۔ ''سود کی حرمت اجماعی ہے، اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں '' (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ۳۳۳،۲۹)۔

۲۰۔ ''الثابت بالعرف کالثابت بدلیل شرعی'' اور عرف میں اس کو سروس چارج نہ کہاجاتا ہے اور نہ سمجھا جاتا ہے۔

متفرق وضاحتیں:

سوال نمبر (۴) سے متعلق متفرق وضاحتیں :

- مولانا رمضان سعادتی لکھتے ہیں:''اس سود کو سروس چارج قرار دینے پر راقم السطور کو دو وجہوں سے اشکال ہے: ایک یہ کہ اس قسم کے قرضوں سے بینک کا مقصد سود حاصل کرنا ہوتا ہے فقط دفتری اخراجات کی تکمیل نہیں اور فقہ کا قاعدہ ہے: ''الأمور بمقاصدہا'' (الاشباہ والنظائر ۱۱۳،۱)، دوسرے یہ کہ اس سود کی وصولیابی کا طریقہ عین رباکا طریقہ ہے، ''إما أن تقضی، وإما أن تربی'' جیسا کہ جاہلیت میں ربا کا رائج طریقہ تھا، اس لئے بندے کے نزدیک تفضل کا طریقہ مناسب ہے وہ یہ کہ بینک اگر قرض پر فیصد کے حساب سے یا کسی اور حساب سے ایک متعین رقم عائد کرتا ہے جس کی ادائیگی کو وقت پر لازم قرار دیتا ہے اور وقت پرنہ ادا کرنے کی صورت میں سود اضافہ نہیں ہوتا تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر مستقرض پر بینک متعین رقم عائد نہیں کرتا ہے، بلکہ اجرائے قرض سے سود کا کانٹا چلنا شروع ہوجاتا ہے اور ادائیگی پر ہی وہ سلسلہ رکتا ہے، تو یہ ''إما أن تقضی وإما أن تربی'' کی بنیاد پر ناجائز ہوگا '' (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- مولانا حفیظ الرحمن مدنی عدم جواز کا رجحان رکھنے کےباوجود کہتے ہیں کہ قاعدہ:''الضرورات تبیح المحظورات '' کے تحت ایسے مسلمان جن کے پاس کوئی معاشی ذریعہ نہ ہو تو ان کے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز سمجھ میں آتا ہے اور معمولی شرح سود انتظامی خرچ شمار کی جائے گی، جیسا کہ حضرت مفتی نظام الدین کا رجحان ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- جناب محی الدین غازی کہتے ہیں: سروس چارج کے سلسلہ میں ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ خاص اس قرض پر ہونے والے انتظامی خرچ کے بقدر ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ متعین رقم ہو، جس کا رقم اور زمانے سے تعلق نہ ہو، اور اگر اس کا تعلق قرض اور زمانے سے ہوجائے تو اس کاسود ہونا واضح ہے، اس میں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سود کی شرح کم ہے یازیادہ، بلکہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس میں سود والا وصف ہے یا نہیں۔

- اور ایسی کسی زائد رقم کو جو دراصل سود ہی ہے اگر سروس چارج قرار دے دیا جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے حلال قرار پائے گی، پھر یہ طے کرنا بھی بہت مشکل اور ایک طرح سے اضافی ہوجاتا ہے کہ کتنی رقم کو سروس چارج کہا جائے اور لوگ بڑی بڑی زائد از قرض رقمیں دھڑلے کےساتھ سروس چارج کےنام پر وصول کرتے ہیں۔

اس کےمقابلے میں اگر سود ہی کہا جائے اور قاعدہ ضرورت کے تحت مستحق افراد کے لئے رخصت رکھی جائے تو اس کا سود ہونا بہرحال لوگوں کو محتاط رکھنے میں معاون ہوگا۔

سود کو سروس چارج کہہ کر مستقل طور پر حلال کردینا منکرات جاریہ میں شمار

ہوسکتا ہے، جس کا وبال قیامت تک ان لوگوں کے سر آئے گا جنہوں نے سود کو سروس چارج کا روپ دیا (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- سروس چارج پر گفتگو کرتےہوئے مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

''جواب: سروس چارج کوہم دوصورتونمینتقسیم کرسکتے ہیں:

۱- وہ سروس چارج، جو پیسے رکھنے والونسے وصول کیاجائے۔

۲- وہ سروس چارج، جو اپنے قرض دارونسے وصول کیاجائے۔

پہلی صورت کے جواز مینکوئی شک نہیں؛ کیونکہ بینک ایک ایسی کمپنی ہے، جس کے پاس لوگ روپے پیسے قرض کی شکل مینودیعت رکھتے ہیں، ظاہرہے کہ ان روپیونکی حفاظت کے لئے افرادکی ضرورت پڑتی ہے، پھراسی کے ساتھ ساتھ روپیونکے حساب وکتاب کے لئے رجسٹربھی تیارکرناہوتا ہے اوران میناخراجات ایک لازمی شئ ہے، کمپنی اپنی طرف سے روپیونکی حفاظت پرمامورافراداورحساب وکتاب کے لئے تیاررجسٹروں کے لئے خرچہ برداشت نہینکر سکتی؛ اس لئے بینک ہرکھاتہ دارسے کچھ رقم سروس چارج کے نام سے لیتی ہے، جودراصل روپیونکی حفاظت کے لئے اور ''الأجرة إنما تكون فی مقابلة العمل''(ردالمحتار، مطلب دعوی الأب أن الجهاز عاریة ۱۵۶،۳) کے طورپر ہوتی ہے؛ چنانچہ ''الجوہرة النیرة ''مینہے:

''...بخلاف الوديعة إذاشرط المودِع للمودَع أجراً على حفظها، فله الأجر'' (الجوہرة النیرة، کتاب الرہن: ۴۰۱،۲)۔

ودیعت کے برخلاف، جب صاحب ِودیعت ودیعت کی حفاظت کے لئے ودیعت رکھنے والے کے لئے اجرت کی شرط لگائے تواس کے لئے اجرت ہوگی۔

ڈاکٹراحمداسعدرقم طراز ہیں:

''والحكم الشرعی لهذه الصورة يتخلص فی أن المصرف يتقاضى أجراً مقابل الخدمات التی يقدمها للمودع، وهذاجائز شرعاً، ولامجال للشبهة فی اختلاط الأجربالربا، أوالمنفعة المحرمة'' (نظرية القرض فی الفقه الاسلامی،ص: ۳۳۴، بحوالہ: تطويرالأعمال المصرفية،ص: ۳۶۸، مشكلة الاستثمار فی البنوک الاسلامية وكيف عالجها الاسلام، ص: ۵۵۵)۔

اس صورت کے حکم شرعی کاخلاصہ یہ ہے کہ بینک اپنی ان خدمات کے لئے اجرت کا تقاضی کرتاہے، جووہ مودع کے لئے انجام دیتاہے، یہ شرعاً جائز ہے اور اس میں سود اور منفعت محرمہ کے ساتھ اختلاط کاکوئی شبہ نہینہے۔

جہانتک دوسری صورت کاتعلق ہے تواس کی بھی دوصورتینہوسکتی ہیں:

۱- قرض کسی شخص سے لیا جائے اوروہ سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لے۔

۲- قرض کسی ادارہ سے لیاجائے اوروہ ادارہ سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لے۔

پہلی صورت مینسروس چارج کے نام سے قرض کے علاوہ کچھ رقم لیناعام حالت

میندرست نہیں؛ کیونکہ یہانکسی عمل کے مقابلہ مینیہ ''رقم '' نہینہے، لہٰذا یہ ''الأجرة إنماتکون فی مقابلة العمل''کے دائرہ میںنہینہوگا؛ البتہ خاص حالت مینمثلاً: اس کے پیسے دوسرے شہر میں ہوں اور قرض لینے والے کوسخت ضرورت ہو، ظاہرہے کہ ایسی صورت مینپیسے لانے کے لئے دوسرے شہرجانے کاخرچ لینا درست ہوگا؛ کیونکہ یہ ''الأجرة إنماتکون فی مقابلة العمل'' کے تحت داخل ہے۔

دوسری صورت مینسروس چارج کے نام سے کچھ رقم لینادرست ہے کہ یہ ''اجرة العمل ''ہے؛ البتہ اس کے لئے اس بات کولازم قراردیاجائے کہ یہ زائدرقم قرض کامعاملہ کرتے وقت ہی لیاجائے، قرض کی واپسی کے وقت نہ لیاجائے، قرض کی واپسی کے وقت لینے مینسودکے شبہ کاامکان ہے، جس سے بچنابھی ضروری ہے؛ کیونکہ اللہ کے رسول انے فرمایا:

''...فمن اتقی المشتبہات استبرأعرضہ ودینہ ، ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام'' (ابوداود، باب فی اجتناب الشبہات، حدیث نمبر: ٣٣٣٢) (جوشبہات سے بچا، اس نے اپنے دین وآبروکو(طعن وتشنیع سے) بچالیااورجوشبہات مینپڑگیا، وہ حرام مینجاپڑا)۔

یہ توبات اس وقت کی ہے، جب سروس چارج کے نام سے کچھ زائدرقم لی جائے؛ لیکن زائدرقم کانام سروس چارج نہ ہو، تاہم اس کی مقدار اتنی ہی ہو، جتنی سروس چارج کی ہوتی ہے، توکیااسے بھی سروس چارج سمجھاجائے یانہیں؟

اس سلسلہ میں دوباتیں ہیں:

١۔ سروس چارج کی مقداروالی رقم اگرچہ سروس چارج نہ کہلاتی ہو؛ لیکن عرف میناسے سروس چارج ہی سمجھاجاتاہوتواسے سروس چارج ہی سمجھاجائے(جس کے احکام گزرچکے ہیں)؛ کیونکہ فقہی اصول ہے: ''الثابت بالعرف کالثابت بدلیل شرعی''(عرف سے ثابت ہونے والی چیز دلیل شرعی سے ثابت شدہ حکم کی طرح ہے)، ایسی صورت میناسے سودنہینسمجھاجائے گا۔

٢۔ اگرعرف مینسروس چارج نہ سمجھاجاتاہوتواسے سروس چارج نہ سمجھاجائے اگرچہ کے مقدارکے اعتبارسے سروس چارج کے برابرہو؛ کیونکہ عرفی اوروضعی دونوناعتبارسے اسے سروس چارج نہینسمجھاجاتااورجب سروس چارج نہینسمجھاجاتاتوپھراس کاحکم بھی ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ فقہ کاایک اصول ہے: ''اختصاص العقد باسم لاختصاصہ بحکم یدل علیہ معنی ذلک الاسم''(حکم کے ساتھ مختص ہونے کے لئے عقد کاکسی نام کے ساتھ مختص ہونااسی نام پردلالت کرتاہے، جس پروہ نام دلالت کرے)، جیسے کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلانکے گھرنہینجائے گا، اس شخص کے قسم کھانے کے بعد وہ فلاناپنے گھرکوباغ یامسجدمینتبدیل کردے، پھرقسم کھانے والااس باغ یامسجدمینداخل ہوتووہ شخص حانث نہینہوگا؛ کیونکہ :

''عقد الیمین باسم الدار، والبستان والمسجد والحمام غیرالدار، فإذالم یبق ذلک الاسم

لایبق الیمین'' (الجامع الصغیر، باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والرکوب: ۱، ۲۵۹، نیز دیکھئے: المبسوط للسرخسی، باب المہایأۃ: ۲۰،۱۴۷)۔

قسم کامعاملہ گھرکے نام کے ساتھ پیش آیا، جب کہ باغ، مسجد اورحمام نام زد گھرنہیں، پس جب نام باقی نہیں رہا توقسم بھی باقی نہیں رہی۔

لہٰذا ایسی صورت میںاسے سودسمجھا جائے گا، واللہ اعلم بالصواب ''!(دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

سوال نمبر (۵): اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پرمحمول کیاجاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر،کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیاجاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ سود سود ہے، قرض کی نوعیت سے سود کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے، سود کی حرمت قطعی ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے ،البتہ قرض لینے والے افراد کی حالت کے اعتبار سے حکم میں فرق ہے کہ محتاج وضرورت مند کےلئے بحالت مجبوری ہی سودی قرض کی اجازت ہے، آسودہ حال لوگوں کے لئے نہیں ہے، یہ تمام ہی حضرات کی اتفاقی رائے ہے، اس لئے ان کے اسماء گرامی یہاں حذف کئے جاتےہیں۔

دلائل:

۱۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (الاشباہ)۔

۲۔ ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر،۲۹)۔

چونکہ سود کا مسئلہ متفق اور مصرح ہے اور اس کی حرمت وشناعت پر کتاب وسنت کے دلائل بھی واضح اور مصرح ہیں، اس لئے یہاں طوالت سے بچتے ہوئے صرف نظر کیا جاتا ہے، حسب ضرورت گذشتہ اوراق کی طرف رجوع مفید رہے گا۔

استثنائی وضاحت:

البتہ اس مسئلہ میں مولانا محمد فلاحی نے یہ وضاحت کی ہے کہ مکان کی تعمیر، روزگار، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات کے لئے چیزیں حکومت فراہم کرتی ہے اور اس پر کچھ نقد بھی دیتی ہے وہ عام سودی قرضوں کے حکم میں نہیں آئے گا، اور واپسی میں جو زیادتی ہوگی اس میں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ ہم نے حکومت سے پیسہ لے کر چیزیں نہیں خریدیں، بلکہ حکومت نے خرید کردی ہے، اس لئے وہ زیادتی گویا سامان اور مشین کی قیمت ہے جو نفع کے ساتھ حکومت نے ہمارے ساتھ فروخت کیا ہے، جسے مرابحہ کہتےہیں، دوسرے یہ زائد رقم انتظامی اخراجات کی فیس تصور کیا جائے گا۔

مکان، حمام، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ملنے والی سرکاری امداد سے استفادہ:

سوال نمبر (۶): ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ،مثلا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریونکی اعانت ہوتی ہے۔

سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ حکومت کی طرف سے ملنے والی امداد ومراعات سے استفادہ کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ومباح ہے، بلکہ یہ ملکی اور شہری حق ہے، اس میں کسی تامل کی ضرورت نہیں ہے، البتہ بعض مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں مالدار لوگوں کے لئے حکومت کی امداد سے فائدہ اٹھانے کو ناجائز قرار دیا ہے، جبکہ اکثرحضرات نے اپنی رائے کو مالدار اور غریب کی قید سے آزاد رکھا ہے اور اس پر مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔ یہ موقف بھی چونکہ اتفاقی ہے، اس لئے مقالہ نگاران کے اسماء گرامی حذف کئے جاتے ہیں۔

دلائل:

۱۔ ''وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲)۔

۲۔ ''عن علیؓ عن النبیﷺ:إن کسری أہدی لہ، فقیل:وإن الملوک أہدو إلیہ، فقبل منہم، وعن عیاض بن حماد أنہ أہدی للنبیﷺ ہدیۃ لہ ناقۃ، فقال النبیﷺ أسلمت، فقال:لا، قال:فإنی نہیت عن زبد المشرکین'' (ترمذی باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین ۲۴۵،۵)۔

۳۔ ''عن النبیﷺ: أنا أولی المؤمنین من أنفسہم، فمن مات وعلیہ دین ولم یترک وفاء، فعلینا قضاءہ ومن ترک مالا فلورثتہ'' (بخاری، حدیث نمبر: ۶۷۳۱)۔

۴۔ ''ألا کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ، فالأمیر الذی علی الناس راع وہو مسئول عن رعیتہ'' (مسلم ۱۴۵۹،۳)۔

۵۔ ''من ترک کلّا فإلیّ، ومن ترک مالا فلورثتہ، وأنا وارث من لا وارث لہ، أعقل لہ وأرثہ'' (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۸۹۹)۔

۶۔ ''الہبۃ:وہی العطیۃ الخالیۃ عن تقدم الاستحقاق، وہی أمر مندوب وضع محمود وقبولہا سنۃ، فإنہ ﷺ قبل ہدیۃ العبد'' (الاختیار لتعلیل المختار ۵۳۳،۲)۔

۶۔ ''ہل کان ذلک من خصائصہﷺ أو یجب علی ولاۃ الأمور بعدہ والراجح الاستمرار، لکن وجوب الوفاء إنماہو من مال المصالح'' (فتح الباری ۱۰،۱۲)۔

۷۔ ''تصرف الإمام فی بیت المال مقید بشرط النظر'' (تبیین الحقائق للزیلعی۵۷،۳)۔

۸۔ ''تصرف الإمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ'' (الاشباہ لابن نجیم ۱۲۳،) ۔

۹۔ ''الأصل فی الأشیاء الإباحۃ'' (الاشباہ مع الغمز ۹۷،۱)۔

۱۰۔ ‘‘أخذ الجائزة من السلطان قال بعضہم:لم یعلم أنہ یعطیہ من حرام، قال محمد:وبہ نأخذ، لم یعرف شیئاً حرام بعینہ، وہو قول أبی حنیفۃ وأصحابہ أن الشیخ أبا القاسم کان یأخذ جائزۃ السلطان’’ (الفتاوی الہندیہ۵،۳۴۲)۔

۱۱۔ ‘‘أن یباشر بنفسہ مشارفۃ الأمور وتصفح الأحوال لینہض بسیاسۃ الأمۃ وحراسۃ الملۃ، ولا یعول عن التفویض تشاغلا بلذۃ أو عبادۃ، فقد یخون الأمین ویعیش الناصح، وقد قال اللہ تعالی:‘‘یاداؤد إنا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الہوی فیضلک عن سبیل اللہ’’۔الآیۃ (سورہ ص: ۲۶) (الاحکام السلطانیہ للماوردی ۱،۴۰)۔

۱۲۔ ‘‘أہدی إلی رجل شیئاً أو أضافہ إن کان غالب مالہ من الحلال فلا بأس، إلا أن یعلم أنہ حرام، فإن کان الغالب ہو الحرام ینبغی أن لا یقبل الہدیۃ’’ (فتاوی ہندیہ ۵،۳۴۲، تاتارخانیہ ۱۸،۱۷۵)۔

۱۳۔ ‘‘قال العلماء:الراعی ہو الحافظ المؤتمن الملتزم صلاح ما قام علیہ، وما ہو تحت نظرہ، ففیہ أن کل من تحت نظرہ شئی فہو مطالب بالعدل فیہ، والقیام بمصالحہ فی دینہ ودنیاہ ومتعلقاتہ’’ (شرح النووی ۱۲،۲۱۳)۔

۱۳۔ ‘‘قال بعض أہل العلم:یجب علی الإمام أن یقضی من بیت المال دین الفقراء ..... کما أن علی الإمام أن یسد رمقہ ویراعی مصلحتہ الدنیویۃ’’ (عمدۃ القاری، تحت رقم الحدیث: ۲۲۸۹)۔

۱۴۔ ‘‘میرے نزدیک سرکاری خزانہ ایک ایسی دولت ہے جس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، اس لئے ترقیاتی اسکیموں، مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی، اور صنعت وحرفت کی ہمت افزائی، نیز بیکار وں کو باکار بنانے کے لئے جس قدر رقم بھی حکومت اپنے بجٹ میں رکھتی ہے ان میں ایک مسلمان شہری کا بھی اسی طرح حق ہے، جس طرح دوسروں کا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ’’ (مباحث فقہیہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۴۶۷، نیز فتاوی رحیمیہ ۱۰،۲۲۵)۔

متفرق خیالات:

حکومت کی مراعات وامداد سے فائدہ اٹھانے کے لئے مندرجہ ذیل حضرات نے کچھ شرائط کا اضافہ کیا ہے:

- مولانا محمد عرفان صاحب آسام کہتے ہیں:‘‘حکومت نے جو شرائط ان کے حصول کے لئے مقرر کی ہیں وہ امداد حاصل کرنے والوں میں موجود ہوں اور دھوکہ دیکر غیر مستحق نے حاصل نہ کی ہو ’’ (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- دار الافتاء بناس کانٹا گجرات کی رائے یہ ہے کہ ‘‘گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم جس میں کسی طرح کا غرر، دھوکہ، سود شامل نہ ہو صرف اعانت کے طور پر ہو تو اس کے لینے مینکوئی مضائقہ نہیں۔

- مولانا ابو المکارم معروفی کہتے ہیں کہ ‘‘اگر سیاسی، دینی مصلحت کے خلاف

ہے تو اس طرح کی اسکیموں سے احتراز لازم ہے۔

- مفتی محمد اسعد فلاحی پالنپوری کہتے ہیں کہ تعلیمی ضروریات کے لئے اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے کوئی امداد پیش کی جاتی ہے تو اس کا لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ حکومت اس کی آڑ میں مسلمانوں کو اپنے احسان تلے دبا کر ان کے دینی اداروں میں مداخلت شروع کردے گی، اور نتیجۃً خالص دینی ادارہ ایک دنیوی اسکول اور کالج بن کر رہ جائے گا....اس لئے حکومت کی جانب سے پیش کی جانے والی امداد دینی اداروں میں لینا جائز نہیں ہے، اور ان کا استعمال کرنا مفاسد سے خالی نہیں ہے، جس سے احتراز لازم ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- مفتی ارشاد دساوا کہتے ہیں کہ ''یہ رقم حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام نہ لیا جائےاور لینے والے میں شرائط پائی جاتی ہوں تو درست ہے۔

- مولانا فاروق دربھنگوی بھی کہتے ہیں کہ بشرطیکہ اس امداد کےحصول میں جھوٹ وغرر شامل نہ ہو۔

سوال نمبر(۷): گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم- جس قسم کی بھی ہوں -ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ،واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات نے واسطہ بننے والے اشخاص کی دو حیثیت ذکر کی ہے، ایک وہ لوگ جو اسی محکمہ میں سرکاری ملازم ہیں اور سرکار ان کو خود اجرت دے رہی ہے، ان کے لئے تو محنتانہ الگ سے لینا اور امداد کے خواہاں حضرات کا ان کو کسی بھی قسم کا کوئی محنتانہ پیش کرنا یہ دونوں رشوت کے حکم میں ہے اور اس کی اجازت نہیں ہے، نہ لینے کی نہ دینے کی، الا یہ کہ اس کے بغیر کام ہی نہ چل سکے تو صرف اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کی اجازت ہے، البتہ وہ لوگ جو آزادانہ طریقے پر بچولئے اور ایجنٹ کا کام کرتے ہیں، لوگوں کی ضرورت اور حاجت کے پیش نظر ان کے لئے کمیشن لینا اور دینا دونوں درست ہے، کام سے پہلے دونوں کے درمیان جو طے ہوجائے، خواہ فیصد کے حساب سے ہی کیوں نہ ہو، اس کے مطابق کام کراناجائز ہے، اور اگر طے نہ ہو تو پھر اجرت مثل کے وجوب کی بات مقالہ نگاران نے کہی ہے۔

سمسار اور واسطہ بننے والے کے کام اور اجرت کے جواز پر چونکہ تمام مقالہ نگاران کااتفاق ہے اس لئے ان کے اسماء گرامی کی فہرست یہاں حذف کی جاتی ہے اور صرف ان کے دلائل درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

دلائل:

۱۔ ‘‘قالت إن أبی یدعوک لیجزیک أجر ما سقیت لنا’’ (سورۃ القصص: ۲۵)۔

۲۔ ‘‘فإن أرضعن لکم فآتوہن أجورہن’’ (سورہ طلاق: ۶)۔

۳۔ ‘‘عن حماد:أنہ کرہ أجر السمسار إلا بأجر معلوم’’ (مصنف ابن أبی شیبۃ ۴۵۷،۴، حدیث نمبر: ۲۲۰۵۷)، قلت: والحاصل أن الجہالۃ الیسیرۃ عفو فیما جری بہ التعامل لکونہا لا تفضی إلی النزاع عادۃ’’ (اعلاء السنن للتھانوی ۲۴۵،۱۶، باب أجر السمرۃ)۔

۴۔ ‘‘تصح الوکالۃ بأجر وبغیر أجر، لأن النبیﷺ کان یبعث عمالہ لقبض الصدقات، ویجعل لہم عمولۃ، ولہذا قالہ أبناء عمہ: لو بعثتنا علی ہذہ الصدقات فنؤدی ما یؤدی الناس، ونصیب ما یصیبہ الناس، أی العمولۃ، ولأن الوکالۃ عقد جائز ولا یجب علی الوکیل القیام بہا، فیجوز أخذ الأجرۃ فیہا بخلاف الشہادۃ’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۴۵،۴ بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۶۸۹،۲۱)۔

۵۔ ‘‘عن أنس قال:حجم رسول اللہ أبو طیبۃ، فأمر لہ رسول اللہ بصاع من تمر’’ (رواہ البخاری وغیرہ، اعلاء السنن باب الاجارۃ من غیر مشارطۃ اعتماداً علی العرف ۲۵۸،۱۶-۲۵۹)۔ (مذکورہ عبارات ونصوص کے لئے دیکھئے مقالات: مفتی محمد رمضان سعادتی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی حیدر علی قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا عرفان آسام)۔

۶۔ ‘‘ولم یر محمد بن سیرین وعطاء ابن أبی رباح وإبراہیم النخعی والحسن البصری، بأجرالسمسار بأساً، وقال ابن عباس:لا بأس أن یقول:مع ہذا الثوب، فما زاد علی کذا وکذا فہو لک، وقال ابن سیرین:إذا قال: بعہ بکذا، فما کان من ربح فہو لک، وبینی وبینک، فلا بأس بہ، وقال النبیﷺ: المسلمون عند شروطہم’’ (صحیح بخاری باب أجر السمسرۃ)۔

۷۔ ‘‘ اعطوا الأجیر أجرہ قبل أن یجف عرقہ’’ (مجمع الزوائد ۹۷،۴) (دیکھئے مقالہ: قاضی محمد حسن ندوی)۔

۸۔ ‘‘أہل بلدۃ ثقلت علیہم مؤنات العمل فاستأجروا رجلاً بأجرۃ معلومۃ لیذہب ویرفع أمرہم إلی السلطان الأعظم لیخفف عنہم بعض الحیف، وأخذالأجرۃ من عامتہم غنیہم وفقیرہم، ذکر ہہنا أنہ إن کان بحال لو ذہب إلی بلد السلطان تہیأ لہ إصلاح الأمر یوماً أو یومین جازت الإجارۃ، وإن کان بحال لایحصل ذلک إلا بمدۃ، فإن وقتوا للإجارۃ وقتاً معلوماً فالإجارۃ جائزۃ، والأجر کلہ لہ وإن لم یوقتوا فہی فاسدۃ، ولہ أجر مثلہ’’ (الہندیہ ۵۲۶،۴)۔

۹۔ ‘‘إن ما یأخذہ المحامی رزق حلال إن کان لرفع الحق، لأن ما یأخذہ علی عمل وہو ثمن لمنفعۃ استوفاہا الموکل’’ (مجلۃ لواء الاسلام، رمضان: ۱۳۶۸، ص: ۴۴) (مفتی محمد عارف باللہ قاسمی)۔

۱۰۔ ‘‘قال فی الدر المختار نقلاً عن البزازیۃ:إجارۃ السمسار والمنادی والحمامی

والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا مقدار العمل تجوز لما كان للناس به حاجة جاز، ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل، وفي الحاوى سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال:أرجو أنه لا بأس به، وإن كان فى الأصل فاسد لكثرة التعامل" (شامى ٧٧٫٩ باب الاجارة الفاسدة ٨٧٫٩، مطلب فى أجرة الدلال)۔

١١۔ ''وقال مالك: ولا بأس بأجرة السمسار والحجام'' (الكافى فى فقه أهل المدينه ٧٥٦٫٢)۔

١٢۔ ''فتجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف'' (شامى ٤٢٫٤ بحوالہ کتاب الفتاوی ٢٠٨۔٧٫٥)۔

١٣۔ ''إذا دفع الرشوة ليسوى أمره عند السلطان حل له الدفع ولايحل للأخذ أن يأخذ، فإن أراد أن يحل للآخذ يستأجر الآخذ يوما إلى الليل بما يريد أن يدفع إليه، فإن تصح هذه الإجارة.... وإن طلب منه أن يسوى أمره ولم يذكر له الرشوة، وأعطاه بعد ما سوى اختلفوا فيه، قال بعضهم: لا يحل له أن يأخذ، وقال بعضهم: يحل وهو الصحيح، لأنه يروى مجازات الإحسان، فيجعل كما لو جعلوا للإمام والمؤذن شيئاً فأعطوه من غير شرط كان حسنا.... والحيلة أن يستأجره ثلاثة أيام ونحوه ليعمل له ثم يستعمله إن كان فعلاً يجوز الاستيجار عليه كتبليغ الرسالة ونحوه، وإن لم يبين المدة لا يجوز، وهذا إذا كان فيه شرط، أما إذا كان الإهداء من غير شرط ولكن يعلم يقيناً أنه يهدى له ليعينه عند السطان'' (رسائل ابن نجيم ملخصاً ١١٢٫ ١١٤۔١١٢) (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی)۔

١٤۔ ''ما أبيح أخذه أبيح إعطاءه'' (الاشباه لابن نجيم١٥٥٫١)۔

متفرق آراء:

- مولانا جنید بن محمد نے تمام تفصیلات نقل کرنے کے بعد اخیر میں یہ لکھا ہے کہ ''بہرحال اس طرح کے معاملات میں دلالی کرنے والے کے لئے دلالی مکروہ ہوگی، بلکہ غرباء کا حق مارنا کہا جائے گا تو زیادہ صحیح ہوگا، کیونکہ اگر یہ دلال درمیان سے ہٹ جائیں تو عوام کے لئے امدادی رقوم حاصل کرنا آسان ہوجائے اور مکمل رقوم ان کو وصول ہو (دیکھئے: موصوف کا مقالہ)۔

- مولانا ابو المکارم معروفی کہتے ہیں کہ محنتانہ کے نام پر اجرت دینا اور لینا درست ہے، اگرچہ وہ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ ہے، بشرطیکہ وہ کام ان کے ذمہ واجب نہ ہو (دیکھئے: موصوف کا مقالہ)۔

- ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی نے اس مسئلہ میں عام مقالہ نگاران سے ہٹ کر دلال اور درمیان میں واسطہ بننے والے کے لئے کسی بھی طرح رقم لینے کو رشوت کے زمرے میں داخل کیا ہے اور اس سلسلہ کی وہ آیات اور روایات جن میں دوسروں کا مال غلط طریقے سے لینےکی ممانعت ومذمت آئی ہے، ان سے استدلال کیا ہے، مثلا:

١۔ ''ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال لناس

بالإثم وأنتم تعلمون" (سورہ بقرہ: ١٨٨)۔
٢۔ "وأخذہم الربا وقد نہوا عنہ، وأکلہم أموال الناس بالباطل" (سورہ نساء: ١٦١)۔
٣۔ "إن کثیراً من الأحبار والرہبان لیأکلون أموال الناس بالباطل" (سورہ توبہ: ٣٤)۔
٤۔ "لو لا ینہاہم الربانیون والأحبار عن قولہم الإثم وأکلہم السحت، لبئس ما کانوا یصنعون" (المائدہ: ٦٣)۔
٥۔ "أخذ المال لیسوی أمرہ عند السلطان دفعاً للضررأو جلباً للنفع وہو حرام علی الأخذ لا الدافع" (فتح القدیر٧،٣٥٥)۔
٦۔ "المعنی لا تصانعوا بأموالکم الحکام وترشوہم لیقضوا لکم علی أکثر منہا، قال ابن عطیۃ:وہذا القول یترجح؛ لأن الحکام مظنۃ الرشاء إلا من عصم، وہو الأقل" (قرطبی: الجامع لأحکام القرآن٢،٣٤٠) (دیکھئے : موصوف کا مقالہ)۔

البتہ موصوف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محنتانہ کی اس شکل کو رشوت قرار نہیں دیتے جب ایک دو روز کے لئے اجرت پر رکھ لیاجائے، اور اس پر شامی کی حیلہ والی عبارت سے استدلال کیا ہے ، "أن یستأجرہ یوما إلی اللیل أو یومین لہ " (تفصیل کے لئے موصوف کا مقالہ دیکھا جاسکتا ہے)۔

- مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتے ہیں کہ فیصد کا اعتبار عرف پر مبنی ہے، البتہ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ فیصد کے حساب سے محنتانہ درست نہیں ہے، متعین رقم ہونا چاہئے۔

- مولانا محی الدین غازی کہتے ہیں: بشرطیکہ کسی ناجائز طریقہ کو اختیار کرکے واسطہ کا عمل انجام نہ دیں۔

- مولانا قمر الزماں ندوی کہتےہیں کہ سودی والے معاملہ میں محنتانہ درست نہیں ہے، غیر سودی والے میں درست ہے، بشرطیکہ پہلے طے کرلیا جائے، تاکہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

- مولانا محمدفاروق دربھنگوی کہتےہیں کہ اجرت مثل ہے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

سوال نمبر (٨):بعض مرتبہ و اسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

اس مسئلہ میں مقالہ نگاران کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: (فیصد، یا جس پر فریقین رضامند ہوجائیں معاملہ کرنا جائز ہے):

اس موقف میں ٤٣،مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت اگر طے کرلیا جائے تو چونکہ آج کل سرکاری امداد بھی حاصل کرنا اور پھر دفاتر کے چکر لگانا ہر شخص کے پس میں نہیں ہوتا اور مشقت سے خالی نہیں، اور پھر عموم بلوی بھی ہے، اس لئے جس طرح ایک طے شدہ رقم پر دلالی کا معاملہ کرنا درست ہے، اسی طرح حاصل

ہونے والی آمدنی میں سے فیصد کے طور پر ایک حصہ پر معاملہ کرنا بھی جائز ہے اور اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اجرت فیصد لینے ہی سے طے ہو، البتہ ان مجوزین میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ہر حال میں اجرت مثل ہی واجب ہوگا، جبکہ بعض حضرات اس بات کی بھی قید لگاتے ہیں کہ اس کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ واسطہ بننے والا شخص سرکاری یا اس محکمہ کا ملازم نہ ہو، کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری میں پہلے ہی سے شامل ہے، اگر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیاجائے گا تو رشوت شمار ہوگا، اس لئے واسطہ بننے والا آزاد شخص ہونا چاہئے۔

ان حضرات نے انہیں نصوص وعبارات فقہاء کو بنیاد بنایا ہے جو اس سے پہلے سو ال نمبر ۷ کے ضمن میں نقل ہوئے، اس لئے مزید یہاں بھی ان کا دہرانا بے سود ہے۔

دوسرا موقف:

دوسرا موقف یہ ہے کہ واسطہ بننے او ردلالی کے اس معاملہ میں حاصل ہونے والی رقم سے فیصد متعین کرنا جائز نہیں ہے، البتہ پہلے سے کچھ طے ہوجائے یااجرت مثل ہو تو درست ہے، جیسا کہ دلالی کے مسئلہ میں ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی مدنی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا فیاض عالم قاسمی، ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد فاروق دربھنگوی۔

بنیادی طور پر فیصد کے حساب سے محنتانہ کو عدم جواز کے قائلین رشوت مانتے ہیں اور رشوت مجبوری ہی میں دی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

دلائل:

١۔ ''عن أبی سعید الخدریؓ قال: نہی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان'' (دار قطنی ۴۲٫۳، حدیث نمبر: ۲۹۶۶، بیہقی ۵۵۶٫۵، حدیث نمبر: ۱۰۸۵۴، نصب الرایہ للزیلعی ۳۳۴٫۴)۔

٢۔ ''الراشی والمرتشی کلاہما فی النار'' (ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۸۷)۔

٣۔ ''وأما دفع الرشوة لدفع الظلم فجائز'' (رد المحتار ۲۲۲٫۸)۔

۴۔ ''إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسہ أو أحد من أہل بیتہ لم یأثم'' (ابن عابدین شامی ۵۰۹٫۸) (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

۵۔ ''ولو دفع غزلاً لآخر لینسجہ لہ بنصفہ، أی بنصف الغزل أو استأجر بغلا لیحمل طعامہ ببعضہ أو ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ فسدت فی الکل؛ لأنہ استأجرہ بجزء من عملہ، والحاصل فی ذلک نہیہ ﷺ عن قفیز الطحان'' (درمختار ۷۸.۷۹٫۹، مجمع الانہر شرح ملتی الابحر ۵۳۹٫۳ کتاب الاجارہ، تبیین الحقائق ۱۲۷.۲۸٫۶، فتاوی ہندیہ ۴۴۴٫۴، کتاب الاجارۃ)

(دیکھئے مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی)۔

۶۔ ''وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل، وما تواضعوا علیہ أن فی کل عشرۃ دنانیر کذا، فذلک حرام علیہم'' (رد المحتار۶،۶۳) (دیکھئے مقالات: مولانا خورشید احمد، مولانا خورشید انور)۔

متفرق رائے:

- مولانا ڈاکٹر محی الدین غازی کہتے ہیں کہ سوال نمبر سات اور آٹھ کے سلسلہ میں بھی یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ ملک کا قانون اس طرح کے واسطے اور محنتانہ کی کس قدر اجازت دیتا ہے، خاص طور سے فتاوی جاری کرتے وقت اس باب میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

- مولانا قمر الزماں ندوی کہتے ہیں کہ جن صورتوں میں حکومت عوام کو سودی قرض دیتی ہے اور پورا معاملہ سودی ہوتا ہے ان صورتوں میں واسطہ بننے والو نکا مطلوبہ محنتانہ لینا درست معلوم نہیں ہوتا، اور نہ ہی حاصل شدہ رقم میں سے فیصد یا حصہ طے کرکے لینا درست اور جائز معلوم ہوتا ہے (دیکھئے: موصوف کا مقالہ متعلق سوال)۔

- مولانا محمد فیاض عالم قاسمی کہتے ہیں کہ بعض حصے کو لے لینا جائز نہیں ہے، بہتر ہے کہ مسلمانوں کی تنظیمیں اس کام کو اعزازی طور پر انجام دیں۔

- مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید کہتےہیں جائز ہے، بشرطیکہ اجرت مناسب ہو۔

- مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتےہیں کہ واسطہ بننے والے شخص کا تعلق فرائض منصبی والوں سے نہ ہو تو درست ہے۔

- مفتی عبد التواب اناوی کی رائے ہے کہ دلالی کی اجرت عرف پر مبنی ہے، اس سے ہٹ کر غبن فاحش ہے۔

- قاضی محمد حسن ندوی کہتے ہیں کہ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ دینا عرف کی وجہ سے درست ہے، تاہم پہلے سے طے ہونا چاہئے۔

- مفتی ظہیر احمد قاسمی کانپور کہتےہیں کہ ایک معقول اور مناسب حصہ لیتے ہیں تو جائز ہے۔

- مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی کہتے ہیں کہ صرف رقم کی ایک خاص مقدار متعین کی جائے۔

سوال نمبر (۹): اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہرہے کہ درست نہیں ہے۔

اس سلسلہ مینتمام ہی مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ بہ حالت مجبوری، رشوت کے بغیر کام نکل آنے کی ہر ممکن کوشش کے بعد اپنا جائز حق وصول کرنے اور حکومت سے قرض حاصل کرنا بھی ہمارا ملکی اور شہری حق ہے، اس لئے وہاں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اگر رشوت دینا ضروری ہوجائے تو رشوت دے کر اپنا حق حاصل

کرنے کی گنجائش ہے، اور اس کی وجہ سے رشوت دینے والا انشاء اللہ گناہ گار نہیں ہوگا، اس مسئلہ پر مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ دفع ظلم اور حقوق واجبہ کے حصول کی خاطر جب اس کے بغیر چارہ نہ ہو رشوت دینا جائز ہے، اور دلائل بھی تقریباً یکساں ہی نقل کئے ہیں، مثلاً:

دلائل:

١۔ ''فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ إن اللہ غفو ر رحیم'' (سورہ بقرہ: ١٧٣)۔

٢۔ ''وروی أن ابن مسعود أخذ فی شئی بأرض الحبشۃ، فأعطی دینارین حتی خلی سبیلہ'' (مرقاۃالمفاتیح ٢٤٣٧٫٦، معالم السنن، سنن أبی داؤد ١٤٩٫٣، ١٥٠)۔

٣۔ ''فأما إذا أعطی المعطی لیتوصل بہ إلی حق، أو یدفع عن نفسہ ظلماً، فلا بأس'' (شرح السنہ حدیث نمبر: ٢٤٩٣)۔

٤۔ ''دفع المال للسطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (رد المحتار ٦٠٧٫١٠)۔

٥۔ ''الرابع:ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ ومالہ حلال للدافع، حرام علی الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب'' (فتح القدیر ٢٣٦٫٧ کتاب القضاء، فتاوی ہندیہ ٤٠٣٫٤)۔

٦۔ ''إذا لم یستطع صاحب الحق أخذ حقہ إلا بدفع رشوۃ، فقد نص العلماء ؒ علی جواز دفعہ للرشوۃ حینئذ، ویکون التحریم علی الآخذ لا المعطی'' (فتاوی الاسلام سوال وجواب: ٧٢٢٦٨)۔

٧۔ ''فعلی ہذا بذل المال للتوصل إلی الحق لایکون رشوۃ'' (سبل السلام ٥٩٫٢، منتخبات نظام الفتاوی٢٠٧٫٣، کتاب الفتاوی لخالد سیف اللہ رحمانی٣١٤٫١٠، فتاوی محمودیہ ٤٥٦٫١٨، محمود الفتاوی ٣١٣٫٣)۔

٨۔ ''إنہ یجوز أن یرشی من کان یتوصل بالرشوۃ إلی نیل حق أو دفع بأصل'' (نیل الاوطار ١٧٣٫٩)۔

٩۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (الاشباہ ١٥٥٫١)۔

متفرق رائے:

- قاضی محمد حسن ندوی کہتے ہیں کہ سرکاری اسکیم سے امدادی رقم اور قرضوں کی تحصیل کوئی اپنا حق نہیں ہے، اس لئے اس کے لئے رشوت دینا عام حالت میں جائز نہیں، اور نہ رشوت دے کر امدادی رقم اور قرض کا حاصل کرنادرست ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- مفتی محمد ارشاد پالنپوری کہتےہیں کہ گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم کے حصول کے لئے رشوت دینا جائز نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ جمہوری حکومت

کے خزانۂ عامہ کی مالک اس ملک کے شہریوں کی مجموعی اکائی ہوتی ہے، تو ملک کے خزانے سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے تو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہونا چاہئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں مالک ہونے سے شرعی ملک مراد نہیں ہے، چنانچہ مالکانہ تصرفات (مبیع، ہبہ اور وصیت وغیرہ) اس میں جاری نہیں ہوتے، لہذا یہ حق انتفاع دفع رشوت کے جواز کے لئے کافی نہیں ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- مولانا عباس بن یوسف کہتے ہیں کہ اس کے لئے دو چیز شرط ہے، کسی کی حق تلفی نہ ہو، ہر ممکن کوشش کرچکا ہو (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- مفتی تنظیم عالم قاسمی کہتےہیں کہ ''البتہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اپنے نظام کو رشوت سے پاک بنائے، کوشش کرے کہ مستحقین کا حق ان تک مکمل طور پر پہنچ جائے، اور بیچ میں کسی طرح کی ہیرا پھیری نہ ہو ''(دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

سوال نمبر (١٠): امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ حکومت نے جو اصول ومعیار اور قوانین وضوابط بنائے ہیں ان کی خلاف ورزی کرنا اور غلط بیانی کرنا اور غلط طریقے سے حکومت کی سہولت سے فائدہ اٹھانا قطعاً جائز نہیں ہے، اور غلط طریقے سے مال حاصل کرنا کذب، دھوکہ، أکل مال غیر، حق تلفی اور خیانت ہے اور بے عزتی کا خطرہ بھی ہے، اس مسئلہ میں مقالہ نگاران کا اتفاق پایاجاتا ہے، ان کے اسماء گرامی حذف کئے جاتے ہیں:

دلائل:

١۔ ''ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون'' (سورہ بقرہ: ١٨٨)۔

٢۔ ''يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين'' (سورہ توبہ: ١١٩)۔

٣۔ ''فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور'' (سورہ حج: ٣٠)۔

٤۔ ''ياأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم'' (سورہ نساء: ٢٩)۔

٥۔ ''ومن يفعل يأت بما غل يوم القيامة ثم توفى كل نفس ماكسبت وهم لا يظلمون'' (آل عمران: ١٦١)۔

٦۔ ''عن أبى هريرةؓ كان فينا النبىﷺ فذكر الغلول فعظّمه وعظم أمره، قال:لا ألغين أحدكم يوم القيامة على رقبته شاة لها ثغاء، وعلى رقبته فرس له حمحمة، يقول:يا رسول

اللہ ﷺ! أغثنی، فأقول: لا أملک لک شیئا، قد أبلغتک، وعلی رقبتہ بعیر لہ رغاء، یقول: یا رسول اللہ ﷺ أغثنی، فأقول: لا أملک لک شیئاً، قد أبلغتک، وعلی رقبتہ صامت، فیقول: یا رسول اللہ ﷺ أغثنی، فأقول:لا أملک لک شیئا قد أبلغتک، أو علی رقبتہ رقاع تخفق، فیقول:یا رسول اللہ ﷺ!أغثنی، فأقول:لا أملک لک شیئاً، قد أبلغتک" (بخاری حدیث نمبر: ٣٠٣٧، مسلم حدیث نمبر: ١٨٣١، مسند احمد حدیث نمبر: ٩٥٠٣)۔

٧۔ "عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللہ ﷺ: المکر والخدیعۃ والخیانۃ فی النار" (المستدرک حدیث نمبر: ٨٧٩٥)۔

٨۔ "عن مستورد بن شداد قال رسول اللہ ﷺ: من کان لنا عاملاً فلیکتسب زوجۃ، فإن لم یکن لہ خادم، فلیکتسب خادماً، فإن لم یکن لہ مسکن فلیکتسب مسکنا، من اتخذ غیر ذلک فہو غال أو سارق" (ابوداؤد حدیث نمبر: ٢٩٤٥، ابن خزیمہ حدیث نمبر: ٢٣٧٠) (مذکورہ بالا آیات واحادیث کے لئے دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی)

٩۔ "عن أنس قال:فلما خطبنا رسول اللہ ﷺ إلا قال:لا إیمان لمن لا أمانۃ لہ، ولا دین لمن لا عہد لہ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ کتاب الایمان ١٥،١)۔

١٠۔ "إنما أنا بشر وأنتم تختصمون إلیّ ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجتہ من بعض، فأقضی لہ علی نحو ما أسمع منہ، فمن قضیت لہ لیس فی حق أخیہ فلایأخذنہ، فإنما أقطع لہ قطعۃ من النار فلیحملہا أو یذرہا" (رواہ البخاری ومسلم حدیث نمبر: ١٧١٣) (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد عرفان آسام)۔

١١۔ "عن النبی ﷺ: آیۃ المنافق ثلاث: إذا حدث کذب وإذا اؤتمن خان، وإذا وعد أخلف" (مسلم کتاب الایمان: ١٤٣)۔

١٢۔ "من غش فلیس منا" (مسلم ٩٧،٤)۔

١٣۔ "إن الصدق یہدی إلی البر، وإن البر یہدی إلی الجنۃ، وإن الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقاً، وإن الکذب یہدی إلی الفجور، وإن الفجور یہدی إلی النار، وإن الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا" (متفق علیہ ٢٦، حدیث نمبر: ٥٤٠ ریاض الصالحین)۔

١٤۔ "ولا یأکل بعضکم مال بعض بالباطل بالوجہ الذی لم یبحہ اللہ ولم یشرعہ، وتدلوا بہا ولا تلقوا أمرہا والحکومۃ فیہا إلی الحکام لتأکلوا بالتحاکم فریقاً طائفۃ من أموال الناس بالإثم بشہادۃ الزور أو بالیمین الکاذبۃ" (کشاف ٣٢٣،١)۔

١٥۔ "أن کل مقصود محمود یمکن التوصل إلیہ بالصدق والکذب جمیعاً فالکذب فیہ حرام، وإن أمکن التوصل إلیہ بالکذب وحدہ فمباح إن أبیح تحصیل ذلک المقصود وواجب إن وجب تحصیلہ" (رد المحتار ٢٢٧،٦)۔

١٦۔ "اتفق العلماء علی أن الغش حرام سواء أکان بکتمان العیب فی المعقود علیہ، أو

الثمن، أم بالكذب والخديعة، وسواء أكان فى المعاملات أم فى غيرها من المشورة والنصيحة'' (موسوعہ فقہیہ ٣١،٢١٩)۔

١٧۔ ''من اكتسب مالا بغير حق، فأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكہ بعقد فاسد أو حصل لہ بغير عقد ولا يمكنہ أن يرده إلى مالكہ، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسہ، فليس لہ حيلة، إلا أن يدفعہ إلى الفقراء'' (بذل المجہود١،٣٥٩) (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

١٨۔ ''والكذب حرام إلا فى الحرب للخدعة، وفى الصلح بين اثنين، وفى إرضاء الأہل، وفى دفع الظالم عن المظلم'' (ملتقى الابحر٤،٢٢١)۔

متفرق رائے (گنجائش کے پہلو):

اس سوال کے جواب میں اتفاق کے باوجود ٥٧ مقالہ نگاران میں سے ٣،حضرات: عبد الباسط قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی اور مولانا نثار عالم ندوی نے جمہور سے ہٹ کر اس میں گنجائش کا پہلو نکالنے کی کوشش کی ہے، اور اختلاف کیا ہے۔

-مولانا عبد الباسط قاسمی لکھتے ہیں:

''شرعی قواعد کی بنا پر ایسی امداد وقرض کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت وحاجت کو معیار بنایا گیا ہے، اگر شرعی بنیادیں پائی جائیں اور ضرورت وحاجت کے پورا ہونے کی کوئی شکل نہ ہو اورسرکاری شرائط ومعیار موجود نہ ہو تو عزت وآبرو کے تحفظ کے ساتھ حیلہ ممکن ہو تو اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ بہت سے معاملات میں سرکاری شرائط ومعیارات کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، اور عزت وآبرو کے تحفظ کے ساتھ ان شرائط کے ترک کی گنجائش دی گئی ہے، حج وعمرہ میں نئی پابندیوں کے سلسلہ میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں اور ان پابندی سے متعلق قوانین کی خلاف ورزی کو گناہ نہیں قرا ردیا گیا ہے ' '(دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- ابو المکارم معروفی کہتے ہیں :

''اگر کوئی شخص مطلوبہ شرائط ومعیارات کے مطابق امدادی رقم یا قرض کا واقعی مستحق ہے، لیکن کچھ ایسی دشواریاں یاالجھنیں ہیں جو رقم کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں تو ایسی صورت میں اسکیم کو حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی اور تعریض کی گنجائش ہے '' (دیکھئے موصوف کامقالہ)۔

- مولانا محمد عرفان (آسام) کہتے ہیں کہ ''اگر وہ معیارات مبنی برتعصب اور خلاف شرع ہوں تو پھر اس کا ذکر کسی معتبر عالم سے کرکے ان کی ہدایت پر عمل کرے '' (دیکھئے موصوف کامقالہ)۔

- مولانا محمد نثار عالم ندوی لکھتے ہیں:

''اس سوال کے جواب کو بھی دو جزء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) امدادی رقوم یا لون واسکیم سے استفادہ کرنے کےلئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں اور حاصل کرنے والے شخص کے پاس وہ مطلوبہ شرائط ومعیارات کاغذات

مکمل دستیاب نہیں ہیں، لیکن وہ شخص فی نفسہ اس امداد واسکیم کا مستحق ہے توایسی صورت میں غلط بیانی سے ڈبلی کیٹ (Duplicate) کاغذات کا سہارا لیتا ہے تواس کے اس عمل کی گنجائش ہونی چاہئے کہ وہ اسکیمیں مستحق اشخاص کے لئے ہی مختص ہوتے ہیں اور مستحق اشخاص کے پاس مطلوبہ شرائط وکاغذات نہیں ہے، پس اصل کا اعتبار ہوگا نہ کہ کاغذات وشرائط کا۔

نیز کاغذات بنانے کی ذمہ داری اس شخص پر خود عائد ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف بنانے کی ایک ذمہ داری حکومت کی بھی ہوتی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ بہت سارے کاغذات حکومت کے عدم توجہی سے نہیں بن پاتے ہیں او ربہت سارے، بلکہ اکثر وبیشتر کاغذات حکومت کے اہل کار کی غفلت وکاہلی، عدم توجہی یا جہالت کے سبب غلط بن جاتے ہیں، اس میں اس شخص سے زیادہ حکومت کی بے توجہی کو دخل ہے، پھر غلط کاغذات کی وجہ سے خمیازہ اس شخص کو بھگتنا پڑتا ہے۔

نیز حکومت کی طرف سے بعض اسکیم علی الاعلان ہوتے ہیں، لیکن کچھ کاغذات کی وجہ سے بہانہ بناکر وہ رقم واپس چلی جاتی ہے، حالانکہ حکومت کے پاس ان افراد کی لسٹ ہوتی ہےوہ اس کے مطابق تقسیم کرسکتےہیں، لیکن بعض دفعہ بیجا شرائط لگا کر اس سے محروم کردیا جاتا ہے ، گاؤں دیہات میں عام مشاہدہ ہے، پس حکومت کے اس حیلے تراشے سے بچنے کے لئے نقلی دستاویزات سے حاصل شدہ رقم کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہئے۔

پس اگر مطلوبہ دستاویزات وکاغذات امید وار کے پاس نہیں ہیں اور واقعۃً وہ اس اسکیم کا مستحق ہے وہ اپنے Duplicate کاغذات وغلط بیانی کے سہارے اس اسکیم سے فائدہ حاصل کرنے کا مجاز سمجھا جاسکتا ہے۔

(ب) اسکیم سے استفادہ ےکے کچھ شرائط ومعیارات ہیں اور امیدوار شخص اس کا مستحق بھی نہیں ہے اس کے باوجود وہ غلط بیانی سے یا Duplicate کاغذات کے سہارے سے حکومت کے مختلف امدادی اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہندوستان کی موجودہ صورتحال جس میں اسلام ومسلمان، بلکہ عامۃ الناس غریب کی بیخ کنی کی منظم سازشی پلاننگ پر درآمد جو دن بدن کم تر ہونے کے بجائے فروتر ہوتا جارہا ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے ایسے ماحول میں، اور ایسی صورتحال میں اس کی گنجائش ہونی چاہئے بچند وجوہ:

(الف): حکومت کی طرف سے مختلف پروجیکٹ کے لئے مختلف ترجیحات کے لئے ہی اسکیمیں بنائی جاتی ہیں اور لوگوں کو عدم واقفیت کی وجہ سے بہت ساری اسکیمیں رکھی رہ جاتی ہیں اور وہ واپس ہوجاتی ہیں وہ یا تو نمائندہ افراد کے جیب میں چلی جاتی ہیں، یا پھر وہ کسی سرمایہ دار کے ہاتھ میں لگ جاتے ہیں جو بالکلیہ ہی غیر مستحق ہوتے ہیں۔

(ب) مستحق شخص یا عام افراد کے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے وہ رقم نمائندہ

افراد یا سرمایہ دار شخص کے پاس جانے کی صورت میں وہ مال عیش وعشرت یا اسلام دشمنی میں خرچ ہونے کا قوی امکان ہے۔

ابھی حال ہی میں بات واضح ہوئی کہ کس طرح عوا م کےپیسے کو جبراً بینک میں رکھوا جارہا ہے او رررکھے ہوئے مال سے سرمایہ دار سیکٹرس افراد کو مال مال کرکے حکومت اپنی مرضی حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔

پس ''أہون البلیتین'' کے تحت غلط بیانی سے حاصل شدہ رقم کے جواز کی راہ نکالی جاسکتی ہے۔

(ج) ہندوستان کی موجودہ صورتحال کی وجہ سے قدیم ومعاصر فقہاء کرام نے بربنائے حاجت سود ورشوت جیسی حرام وقبیح چیز کو بعض صورتوں میں جائز قرار دیا ہے ملاحظہ ہو مسائل سود از مولانا حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی صفحہ ١٩٠ تا صفحہ ٢٠٠ تک۔

جب بربنائے حاجت وضرورت سود ورشوت جیسی چیز کو بعض صورتوں میں جائز قرار دیا جاسکتا ہے تو صورت مسئلہ میں بدرجہ اولی گنجائش ہونی چاہئے، ''الضرورات تبیح المحظورات'' کی بنا پر۔

(د) ہندوستان کی موجودہ ناگفتہ بہ صورتحال میں جبکہ علی الاعلان حکومت کے نمائندوں کی طر ف سے مسلمانوں کو دیش بدر کردینے کی سازش اور سیاسی وسماجی علمی واقتصادی ہر اعتبا رسے تہی دست کردینے کی ایک منظم سازش وعمل ہورہا ہے ایسی صورت حال میں اقتصادی بدحالی وزبونحالی کو دور کرنے کے لئے اس کی اجازت دی جانی چاہئے '' (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی محمد عثمان بستوی نے عدم جواز کی رائے رکھنے کے باوجود کذب بیانی سے حاصل کی گئی امداد اور اس کے ذریعہ حاصل آمدنی کے تعلق سے تفصیل سے گفتگو کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی مقالہ نگار نے اس پر روشنی ڈالی ہے، یہاں موصوف بستوی کے مقالہ کا اقتباس نقل کیا جارہا ہے:

''کذب بیانی سے حاصل کی گئی امداد کا حکم:

کذب بیانی کے ذریعہ سے حاصل کی گئی امداد بحکم غصب ہے اور مال مغصوب سے انتفاع شرعاً جائز نہیں، بلکہ اس کے اصل مالک کو واپس لوٹانا واجب ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے مالک تک لوٹانا ممکن نہ ہو تو اس کا تصدق واجب ہے، کذب بیانی سے حاصل کی گئی امداد غصب کے حکم میں اس لئے ہے کہ یہ مال مالک کی رضا کے بغیر حاصل کیا گیا ہے، کیونکہ اس کی رضا شرائط کے ساتھ مشروط تھی اور شرائط کے فوت ہونے کی وجہ سے رضا بھی فوت ہے، لہذا اس کا بحکم غصب ہونا ظاہر ہے، ''القسم الأول ماکان محرما علی المرأ لکونہ ملکاً للغیر، القسم الأول نعبر عن جمیع العقود الباطلۃ فیما یأتی بالمغصوب والذی یقبض ہذا المال الحرام بالغصب، وذلک لسہولۃ التعبیر ویشمل ہذا التعبیر کل

مالِ حرام لا یملکہ المرأ فی الشرع سواء کان غصباً أو سرقۃ، أو رشوۃ، أو ربا فی القرض، أو مأخوذاً ببیع باطل، وإنہ حرام للغاصب الانتفاع بہ أو التصرف فیہ، فیجب علیہ أن یردہ إلی مالکہ أو إلی وارثہ بعد وفاتہ، وإن لم یمکن ذلک لعدم معرفۃ المالک أو وارثہ أو لتعذر الرد علیہ لسبب من الأسباب وجب علیہ التخلص منہ بتصدقہ عنہ من غیر نیۃ ثواب الصدقۃ لنفسہ، وہذا الحکم عام سواء کان المغصوب عرضاً أم نقداً؛ لأن النقود تتعین فی الغصوب، حتی عند الحنفیۃ الذین یقولون بعدم تعین النقود، کما مر تحقیقہ، ثم إن کان المغصوب قائماً عند الغاصب بعینہ تتعدی حرمتہ إلی من یأخذہ من الغاصب شراء أو ہبۃ أو إرثاً وہو یعلم أنہ مغصوب، وہذا القدر لا نعلم فیہ خلافاً بین الفقہاء'' (فقہ البیوع ۱۰۰۶،۲)۔

مذکورہ صورت کے منافع کا حکم:

دراہم مغصوبہ وغیرہ سے حاصل کے گئے منافع کے سلسلہ میں فقیہ عصر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ نے بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے، چنانچہ تحریر فرماتےہیں کہ خریداری کی کل پانچ صورتیں ہیں: (۱) دراہم مغصوبہ بائع کو پہلے حوالے کئے جائیں پھر اس کے عوض خریداری ہو (۲) دراہم مغصوبہ کی طرف اشارہ ہو اور اس کے ذریعہ خریداری ہو پھر وہی حوالے بھی کئے جائیں (۳) دراہم مغصوبہ کی طرف اشارہ ہو اور اسی پر عقد ہو اور حوالے دوسرے دراہم کئے جائیں (۴) عقد مطلق ہو (کسی درہم کی طرف اشارہ اور تعیین نہ کی گئی ہو) لیکن دراہم مغصوبہ حوالے کئے جائیں (۵) مغصوبہ دراہم کے علاوہ دوسرے دراہم کی طرف اشارہ اور اس کے ذریعہ خریداری کی جائے، لیکن حوالے دراہم مغصوبہ کئے جائیں۔

مذکورہ بالا صورتوں کا حکم:

ان صورتوں کے احکام میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) القول الاول: مذکورہ بالا پانچوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اداء ضمان سے قبل جو بھی نفع ہو وہ حلال نہیں ہے اس کو نفع کے ساتھ مالک کو لوٹا دینا واجب ہے اور نفع کو صدقہ کرنے کا بھی اختیار ہے (انعام الباری ۴۴۹،۶)۔ البتہ اداء ضمان کے بعد جو نفع حاصل ہوگا وہ طیب وحلال ہے یہی ظاہر الروایہ کا مقتضا ہے اور اسی کو ترجیح دیا ہے، ہدایہ، بدائع اور ہندیہ وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا ہے ابوبکر اسکاف نے (فقہ البیوع ۱۰۱۱،۲)۔

(۲) القول الثانی: مذکورہ بالا صورتونمیں سےپہلی صورت کے علاوہ بقیہ سب صورتوں میں نفع طیب وحلال ہے، کیونکہ مشتری کے ذمہ مطلق دراہم کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اور دراہم مغصوبہ یہ اس دراہم مطلقہ کا بدل ہیں، لہذا خریدی ہوئی چیز میں کوئی خبث ظاہر نہ ہوگا اور دراہم کی طرف کئے گئے اشارہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اس کے قائل ابوالنصر اور ابو اللیث ہیں (فقہ البیوع ۱۰۱۱،۲)۔

(۳) القول الثالث: تیسرا قوال امام کرخیؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلی دونوں

صورتوں میں نفع طیب وحلال نہیں اور بقیہ تین صورتوں میں طیب وحلال ہے (فقہ البیوع ۱۰۱۱،۲)۔

امام کرخیؒ ابو النصر وغیرہ کے قول کا مطلب: حضرت مفتی صاحب نے ان حضرات کے اقوال کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہےکہ نفع حاصل ہونے کے بعد اگر ضمان ادا کردیا جائے تو امام کرخی کےمطابق تین صورتوں میں نفع اس وقت حلال اور طیب ہوجائےگا، گرچہ اداء ضمان سے قبل ہی حاصل ہوئے ہوں ''ینقلب ہذا الربح طیبا بأداء الضمان''، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں اداء ضمان کے بعد بھی نفع حلال وطیب نہ ہوگا اور ابو نصر، ابو اللیث وغیرہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت کے علاوہ بقیہ چار صورتوں میں اداء ضمان کے بعد نفع حلال ہوگا اور پہلی صورت میں حلال نہیں ہوگا اور اداء ضمان سے قبل کسی صورت میں بھی کسی کے نزدیک حلال نہ ہوگا (فقہ البیوع ۱۰۱۳،۲)۔

فتوی اور ترجیح:

حضرت مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں کہ امام کرخی کے قول کا جو مطلب ہم نے ذکر کیا ہے اگروہ لیاجائے تو اس کا راجح ہونا مسلم ہے اور اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ دراہم مغصوبہ سےحاصل شدہ نفع حلال ہے تو اس صورت میں صاحب ہدایہ اور علامہ کاسانی کا قول (نفع کا حرام ہونا) راجح معلوم ہوتا ہے اور اسی میں احتیاط ہے، اگرچہ بہت سے فقہاء نے عموم بلوی کی وجہ امام کرخی کے قول پر فتوی بھی دیا ہے، اس لئے سخت ضرورت اور مجبوری کے وقت اس پر عمل کی گنجائش ہے، البتہ احتیاط بہتر ہے، ''وذکر کثیر من المتأخرین أن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس قال ابن عابدینؒ: ''وعلی ہذامشی المصنف (یعنی صاحب الدر المختار) فی کتاب الغصب تبعاً للدرر وغیرہا، وقد أفتی بہ جماعۃ من مشایخنا۔

فلو أخذ قول الکرخیؒ علی ما فسرناہ فرجحانہ مسلم، أما إذا أخذ مبیحا لما اشتری بالنقود المغصوبۃ وربحہ فالذی یمیل إلیہ القلب أن ما رجحہ صاحب الہدایہ والکاسانی بناء علی قول الإمام أبی حنیفۃ ومحمد رحمہم اللہ، ہو الأولی بالترجیح وہو الاحتیاط، وإن کان کثیر من الفقہاء المتاخرین أفتوا بذلک لعموم البلوی، ولذا فمن ابتلی بمثل ہذا یرجی أن یسوغ لہ الأخذ بہذا القول عند حاجۃ شدیدۃ، والتنزہ أولی، ولم یذکر عن الکرخی حکم البائع الذی أخذ من المشتری النقود المغصوبۃ ہل یسوغ لہ استعمال تلک النقود؟ وقد أفتی کثیر من علماءنا أنہ یجوز لہ ذلک أیضاً، واللہ سبحانہ وتعالی أعلم'' (فقہ البیوع ۱۰۱۶،۲)۔

کذب بیانی سے حاصل کئےگئے قرض سے انتفاع:

کذب بیانی کرنا قرض حاصل کرنے کے لئے شرعاً جائز نہیں، لیکن حاصل کئے گئے قرض کا مالک ہوجائے گا او راس سے حاصل ہونے والا نفع بھی حلال ہوگا، کیونکہ ملکیت اور عقد میں کوئی خبث نہیں ہے، البتہ خبث سبب ملک میں ہے اور جب خبث ملکیت

اور عقد میں نہ ہو تو نفع حلال ہوتا ہے، لیکن خبث فی السبب کی وجہ سے معاملہ کو ختم کرکے ازسر نو کرنا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ جس چیز میں خبث ہو اس کو باقی رکھ کرکے نفع حاصل کیا جائے۔ ''إن الخبث عند الحنفیۃ علی ثلاثۃ أنواع:خبث الکسب، خبث السبب، خبث البدل....أن المسلم إذا باع الخمر والخنزیر فی دار الحرب وأخذ ثمنہا فلیس ہناک خبث فی السبب ولا فی البدل، لکن یوجد ہناک خبث فی الکسب فالتعاطی الخمر والخزیر حرام علی المسلم فکذلک فی مسئلتنا (النکاح الثابث بشہادۃ الزور) لأن السبب الحل ہو القضاء أی ہو سبب مشروع، لکن الخبث متمکن فی الکسب، یعنی الطریق الذی أدی إلی ذلک السبب، ولا یرتفع ذلک الخبث إلا بعقد مستأنف علی الطریق المشروع، وأضف إلی ذلک أن الخبث إن کان مستمراً فلا یطیب للرجل الانتفاع حتی یزیل ذلک الخبث بطریق مشروع، وہو العقد المستأنف'' (تکملۃ فتح الملہم ملخصاً ۵۰۲٫۸، ۵۰۳ م الاشرفیہ دیوبند)۔

(جب کذب بیانی کے ذریعہ سے قرض حاصل کیا گیا اور اس قرض سے نفع حاصل ہو ا تو اس نفع کے حصول کا سبب قرض ہے اور نفع میں خبث نہیں، لیکن کذب بیانی کی وجہ سے قرض میں خبث ہے اور جب ربح میں خبث نہیں تو اسکا تصدق بھی واجب نہیں اور قرض کی رقم کے استہلاک کے ذریعہ سے نفع حاصل ہوتا ہے اس کو باقی رکھ کرکے نہیں، لہذا معاملے کا استیناف بھی واجب نہیں، اس مسئلہ سے بہت قریب جعلی سرٹیفکٹ کے ذریعہ سے ملازمت حاصل کرنے والا مسئلہ ہے، کیونکہ جس طرح کذب بیانی کے ذریعہ سے قرض حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اس قرض سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح کذب بیانی کے ذریعہ سے ملازمت حاصل کی جاتی ہے اور اس ملازمت کے ذریعہ سے آمدنی حاصل کی جاتی ہے دونوں مسئلوں میں نفع کی جو اصل ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقہ میں خبث ہے اور جعلی سرٹیفکٹ والے مسئلہ میں علماء نے اس کی صراحت کی ہے کہ آمدنی حلال ہے واجب التصدق نہیں)۔

چنانچہ صاحب ''احسن الفتاوی '' تحریر فرماتے ہیں: کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے، لہذا جائز نہیں اس کی اعانت کرنے والے گناہ گار ہونگے، البتہ جو کام اس کے ذمہ ہے اگر وہ اسے بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو تنخواہ حلال ہے (احسن الفتاوی ۱۹۸٫۸) اور یہی حکم ''جدید فقہی مسائل '' میں بھی مذکور ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مگر اس کی کمائی ہوئی آمدنی حلال وجائز اور یہ اس کی محنت کی اجرت ہے ایسا ممکن ہے کہ ذریعہ ناجائز ہو کمائی جائز ہو اس سلسلہ میں فقہ کا یہ جزئیہ قابل لحاظ ہے:''ومہر البغی فی الحدیث ہو أن یواجر أمتہ علی الزنا وما أخذہ من المہر فہو حرام عندہما وعند الإمام إن أخذہ بغیر عقد بأن زنی بأمتہ ثم أعطاہا شیئاً فہو حرام؛ لأنہ أخذہ بغیر حق، وإن استاجرہا لیزنی بہا ثم أعطاہا مہرہا أو ما شرط لہا لا بأس بأخذہ؛ لأنہ إجارۃ فاسدۃ فیطیب لہ، وإن کان السبب حراماً'' (جدید فقہی مسائل ۴۱۳٫۱)۔

حاصل یہ کہ کذب بیانی کے ذریعہ سے حاصل کئے گئے قرض سے نفع اٹھانا بھی

جائز ہے اور اس کا نفع بھی حلال ہے، البتہ کذب بیانی کا جو گناہ ہے وہ بہرحال ہوگا، کذب بیانی کی وجہ سے قرض اور اس کے ربح میں خبث کا تحقق نہیں ہوگا، لیکن کذب بیانی کے ذریعہ حاصل کی گئی امداد کا حکم قرض سے مختلف ہے، کیونکہ یہ امداد بحکم غصب ہے، چنانچہ ''فتاوی عثمانی '' کے ایک فتوی میں ہے کہ آپ کے لئے اپنی رہائش کا فاصلہ زیادہ لکھوا کر کرایہ سواری وصول کرنا جائز نہیں .... اور جب اس طرح حاصل کی ہوئی رقم ناجائز ہوئی تو اسے حکومت ہی کو واپس کرنا ضروری ہے اور اس کو صدقہ کرنا بھی درست نہیں، الا یہ کہ حکومت کو واپس کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں بغیر ثواب کی نیت کے صدقہ کردیا جائے (فتاوی عثمانی ملخصاً ۳،۳۹۰، ۳۹۱)۔

جس طرح سے کذب بیانی کے ذریعہ حاصل کئے گئےکرایہ کو غصب کے حکم میں رکھا گیا ہے اسی طرح کذب بیانی کے ذریعہ حاصل کی گئی امداد بھی غصب کے حکم میں ہوگا اور غصب کے حکم میں یہ بات تفصیل سے ذکر کردی گئی ہے کہ اس کا ضمان ادا کرنے سے پہلے نہ تو اس سے انتفاع جائز ہے اور نہ ہی اس کا نفع حلال وطیب ہے اور اگر ضمان ادا کرنے سے پہلے نفع حاصل کیا گیا تو اداء ضمان کے بعد اس کا خبث زائل ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام کرخی کے نزدیک اداء ضمان سے پہلے حاصل ہونے والے نفع کا خبث اداء ضمان سے زائل ہوجائے گا اور حرام کی اس کثرت کے زمانے میں یہی راجح ہے ''۔

سوال نمبر (۱۱): بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے ،وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ،یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے دو شق ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ قرض پر آنے والی سود کی رقم حکومت ادا کرتی ہے، یہ صورت جائز ہے۔

۲۔ قرض پر آنے والے سود کی رقم قرض دار یا قرض گرنده خود ادا کرتا ہےتو یہ سودی معاملہ ہے اور اگر اس کی مقدار اتنی ہے کہ اسے سروس چارج پر محمول کیا جاسکتا ہے تب تو درست ہے اور اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا عام آدمی کے لئے جائز ہے، اور اگر سود کی مقدار زیادہ یا عام سودی معاملہ کی طرح ہے، تو اس اسکیم سے صرف ان حضرات کے لئے فائدہ اٹھانا جائز ہے جو غریب ومحتاج ہیں، عام آدمی کے لئے جائز نہیں ہے، یہ رجحان اکثر مقالہ نگاران کا ہے، مگر چونکہ اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کے الگ الگ چار رجحانات سامنے آئے ہیں، اس لئے ہم انہیں ترتیب وار نذر قارئین کرتے ہیں:

پہلا رجحان(اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں):

پہلا رجحان یہ ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ سود کی رقم حکومت ادا کرے یا قرض دار یہ موقف مندرجہ ذیل حضرات کاہے:

مفتی اسعد بن عبد الرزاق فلاحی، مولانا حفیظ الرحمن مدنی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا عبد الباسط قاسمی، مفتی ارشاد پالنپوری، مولانا محمد قمر الزماں ندوی۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ سودی معاملہ ہے اور سود کسی بھی طرح ادا کیاجائے اورکوئی بھی ادا کرے بہرحال وہ سود ہے اور وہ حرام ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیم سے فائدہ نہیں اٹھایاجاسکتا۔

دوسرا رجحان (سودی معاملہ ہے، مگر حکومت سود کی ادائیگی اپنے ذمہ لے تو جائز ہے):

دوسرا رجحان یہ ہے کہ سود کی رقم پوری کی پوری اگر حکومت ادا کرتی ہے تو جائز ہے یہ حکومت کی طرف سے گویا ایک امدادی اسکیم ہے اور اگر قرض دار ادا کرے تو سود کی شرح کم ہو یا زیادہ یہ سودی معاملہ ہے، یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ عام حالات میں سود دینا ممنوع اور حرام ہے، اس کی ادائیگی کو اگرچہ معمولی ہو سروس چارج پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے ، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیاہے:

مولانا ابو المکارم معروفی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولاناقبال محمد ٹنکاروی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا اعجاز الحسن بانڈے، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولاناآزاد بیگ قاسمی، مولانا محمدعرفان آسام، مولانا محمد رمضان سعادتی، مفتی حیدر علی قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد خورشید احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی۔

تیسرا رجحان (یہ حکومت کی امدادی اسکیم ہے):

تیسرارجحان یہ ہے کہ یہ حکومت کا اپنا معاملہ ہے اور یہ امدادی اسکیم ہے، اگر سود کی رقم حکومت ادا کرتی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی ظہیر احمد قاسمی کانپور، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی ، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی جمیل احمد نذیری، دار الافتاء بناس کانٹا گجرات، مولانا محمد حسین قمر الدین ہمکر، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عبد الحمید قاسمی۔

چوتھا رجحان (کم شرح سود کو سروس چارج پر محمول کرنا):

اگر قرض دار ادا کرے، اور وہ رقم معمولی ہو تو اس کو سروس چارج پر محمول کیا جائے گا، اور اس سرکاری اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، اس رائے کو مندرجہ ذیل

حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا سراج الحق میواتی، مولانا محمد نثار عالم ندوی۔

پانچواں رجحان: (اضطراری اور ضرورت شدیدہ کی حالت ہی میں اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا):

اس اسکیم سے صرف مضطر اور ضرورت مند فائدہ اٹھاسکتا ہے، کیونکہ یہ بھی سودی اسکیم ہے، واضح طور پر اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حضرات نے کی ہے:

مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی، مولانا سراج الحق میواتی، مولانا محمد فلاحی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی محبوب علی وجیہی، ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی۔

متفرق رجحان:

- محمد اکرم بن اسلم رشید کہتےہیں کہ اس کا جواب سوال ۶ کے جواب کی تفصیل سے مربوط ہے۔

- مولانا عباس بن یوسف کہتے ہیں کہ اگر سود ادائیگی کی رقم سےکم ہے تو جائزہے اور زیادہ ہے تو جائز نہیں ہے۔

- مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی کہتے ہیں کہ سود ادا کرنے کی صورت میں ضرورت مند کے لئے جائز ہے، نہ ادا کرنے کی صورت میں سب کے لئے جائز ہے۔

- مفتی لطیف الرحمن ممبئی کہتے ہیں کہ ادائیگی کی رقم لی ہوئی رقم سے تجاوز کرجاتی ہے تو چاہے حکومت ادا کرے یا مقروض بہرصورت ناجائز ہے۔

- مولانا ابو المکارم معروفی کہتےہیں کہ یہاں دو معاملے الگ الگ ہیں، ایک معاملہ بینک کا شہری اور مقروض سے ہوا، یعنی قرض بغیر سود کے، اوردوسرا معاملہ بنک کا حکومت سے جو ہبہ ہوا، اس تاویل سے تعلیمی ودیگر ضروریات کے لئے لون لینا جائز ہے، البتہ اس صورت میں مقروض پر لی ہوئی رقم سے کچھ زائد دینا ہوگا تو یہ سود ہی کے زمرے مینآئے گا (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی لکھتے ہیں:

'' اس سوال کوچارمختلف اجزاء مینتقسیم کیاجاسکتاہے:

۱- تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے۔

۲- تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت اداکرے۔

۳- تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے

قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے۔

۴- تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت ادا کرے۔

پہلی صورت(تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے) کاجواب یہ ہے کہ اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانابالکل جائز ودرست ہے؛ کیونکہ حکومت جوزائدرقم ہماری طرف سے اداکررہی ہے، وہ ہمارے لئے اعانت ہے، جس سے فائدہ اٹھانایک جائز عمل ہے، جیساکہ سوال نمبر(۶)کے جواب مینگزرچکاہے۔

دوسری صورت (تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت اداکرے)کاجواب یہ ہے کہ چونکہ اس میں سوداداکرناپڑتاہے، خواہ جس مقدارمیں ہو؛ اس لئے ایسے قرض کے سلسلہ میندوباتونمینغورکرنے کی ضرورت ہے:

۱- جس تعلیم کے لئے قرض لیاجارہاہے، وہ فرض کفایہ مینسے ہے اورقرض لینے والے شخص کے علاقہ مینفرض کفایہ کی ادائے گی کرنے والا کوئی نہیں۔

۲- وہ تعلیم ، جس کے لئے قرض لیاجارہاہے، وہ توفرض کفایہ توہے؛ لیکن اس کی ادائیگی کرنے والے موجود ہوں۔

ان دونوں صورتوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے ہمینیہ جان لیناچاہئے کہ فرض کفایہ علوم کونسے ہیں؛ تاکہ حکم لگانے مینسہولت بہم ہوسکے، مشہوراسلامی فلاسفر امام غزالیؒنے ‘فرض کفایہ علوم ’کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

أمافرض الكفاية، فهوعلم لايستغنى عنه فى قوام أمورالدنياكالطب، إذهوضرورى فى حاجة بقاء الأبدان، وكالحساب، فإنه ضرورى فى المعاملات، وقسمة الوصايا، والمواريث وغيرهما، وهذه هى العلوم التى لوخلا البلد عمن يقوم بهاحرج أهل البلد، وإذاقام بها واحدكفى وسقط الفرض عن الآخرين (إحياء علوم الدين، كتاب العلم، الباب الثانى: بيان العلم الذى هوفرض كفاية۱،۲۸)۔

جہانتک فرض کفایۃ کاتعلق ہے تووہ علم ہے، جس سے دنیاوی معاملات کی درستگی میں چھٹکارہ نہیں، جیسے: ڈاکٹری کہ جسمانی بقا کی حاجت کے لئے یہ ضروری ہے، اورجیسے: حساب کہ میراث ووصیت کی تقسیم اورمعاملات کے لئے ضروری ہے، اوریہ وہ علوم ہیں کہ اگرشہران کے جاننے والے سے خالی ہو تواہل شہر حرج ومشقت مینپڑجائیں اور اگر ایک شخص بھی ان امورکوانجام دینے والاہوتوکافی ہوگا اوردوسروں سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

امام غزالیؒ کی وضاحت سے ہمینمعلوم ہوتاہے کہ پہلی صورت مینقرض لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، بالخصوص موجودہ زمانہ میناورہمارے ملک میں، جہانفرقہ پرستی کاعفریت راج کرتاہے، گنجائش کی یہ بات اس مسئلہ کی روشنی مینبھی کہی جاسکتی ہے،

جس میں ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ ۱۵۵،۱) کے ذریعہ محتاج کے لئے سودی قرض لینے کی بات کہی گئی ہے ، فرض کفایہ کی تعلیم، جبکہ پوراعلاقہ خالی ہو، ایک دینی اور قومی ضرورت ہے، جوذاتی ضرورت سے کہیںبڑھاہواہے؛ اس لئے اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

جہانتک دوسری صورت کاتعلق ہے تواس مینگنجائش نہیں ہونی چاہئے کہ یہاننہ دینی ضرورت ہے اورناہی قومی ضرورت، واللہ أعلم بالصواب!

تیسری صورت (تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے)کاجواب بھی اثبات مینہے کہ یہ حکومت کی طرف سے ہماری اعانت ہے، جوحکومت پرضروری ہے؛ اس لئے اس صورت میں حکومت کی اعانت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اب رہی چوتھی صورت (تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت اداکرے)کی بات، تواس سلسلہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ:

۱- اگروہ مقصد ایک ''ضرورت '' ہے تو ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''کی روشنی میںاس طرح کے قرض سے فائدہ اٹھاناجائزہے۔

۲- لیکن اگروہ مقصد ''ضرورت '' نہیں تواس کے لئے اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھاناجائز نہیں ''۔

- حکومت کی سبسڈی کے بارے میں مولانا نثار عالم ندوی لکھتے ہیں :

''بعض اسکیموں میں مثلاً تعلیم یا دیگر کسی شعبہ میں حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ یعنی سود عائد ہوتا ہے حکومت اپنی طرف سے ادا کرتی ہے اس کو اصطلاح میں سبسڈی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اسکیم کے تحت قرض لے اور سود کی رقم حکومت کی طرف سے ادا ہوتی ہے تو اس کو ایسے اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔ اور حکومت کی طرف سے ادا شدہ رقم اعانت سمجھی جائے گی ہولڈر کے حق میں اور بینک کے حق میں سروس چارج مانا جائے گا اور یہ عمل جائز ہوگا اور اس کے دلائل بھی وہی ہونگے جو سروس چارج کے مسئلہ میں گزر چکے ہیں۔''

- جبکہ دار الافتاء سلفیہ بنارس، مولانا عبد اللہ جولم، مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی نے اس سوال کے جواب سے خاموشی اختیار کی ہے۔

دلائل :

پانچوں رجحانات کے حامل مقالہ نگاران کے دلائل ترتیب وار اس طرح ہیں:

(نمبر ۱) جن حضرات نے ضرورت اور بہ درجہ مجبوری اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے ان حضرات نے بالعموم مندرجہ ذیل فقہی جزئیہ کو بنیاد بنایا ہے،

اکثر حضرات نے سوال نمبر ۳، ۴، ۵، ۶ میں ذکر کئے گئے دلائل کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا ہے۔

۱۔ ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ مع حموی ۷۹،۱)۔

۲۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (حوالہ سابق) وغیرہ۔

(نمبر۲) جن حضرات نے مطلقا اس اسکیم سے استفادہ کو ممنوع قرار دیا ہے ، انہوں نے اسے سودی معاملہ قرار دیا ہے، اور اس کی حرمت پر جو دلائل کتاب وسنت میں مذکور ہیں ان کو بنیاد بنایا ہے، جو ماقبل میں گذر چکےہیں یہاں تکرار کی حاجت نہیں۔

(نمبر ۳) جن حضرات نے شرح سود کو سروس چارج قرار دیا ہے، انہوں نے مندرجہ ذیل جزئیہ سے استشہاد کیا ہے، مثلاً: ''ولا ربوا بین سیدہ وعبدہ، ..... ولا ربوا بین متفاوضین وشریکی العنان'' (قولہ: لا ربوا بین السید وعبدہ)، لأنہ ومافی یدہ لمولاہ، فلا یتحقق الربوا لعدم تحقق البیع'' (درمختار مع شامی ۳۳۱،۷)، ''إنما یرد الزائد لا للربا، بل لتعلق حق الغرماء'' (شامی مع الرد ۱۸۵،۵)۔

۱۔ عقود ومعاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے، ''الأمور بمقاصدہا، وفیہا بیان أن الشئی الواحد یتصف بالحل والحرمۃ باعتبار ما قصد لہ'' (الاشباہ ۱۱۳،۱)۔

۲۔ ''وکل حیلۃ یحتال بہا الرجل لیتخلص بہا عن حرام أو لیتوصل بہا إلی حلال فہی حسنۃ، والأصل فی جواز ہذا النوع من الحیل قول اللہ عزوجل:''خذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث'' (الفتاوی الہندیہ ۳۹۰،۶)۔

۳۔ یہ حکومت کی طرف سے اعانت ہے، (مولانا عارف باللہ قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مولانا فیاض عالم قاسمی)۔

۴۔ اکیڈمی کا فیصلہ: اگر سود کے نام سے لی جانے والی رقم جھوٹ کے مساوی یاکم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں (اہم فقہی فیصلے ۱۹،)۔

۵۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت فیوضہ کا فتوی: ''سود لینا اور دینا دونوں گناہ ہے .....، البتہ سرکاری اور غیر سرکاری کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار فراہم کرتی ہے ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہمارا بحیثیت ہندی اس پر حق ہے، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے ان کے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے، اور جو زائد رقم سود کے نام سے لی جاتی ہے اسے انتظامی اخراجات قرار دیاجاسکتا ہے، ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینےکی ہوگی، اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے '' (کتاب الفتاوی ۳۷۸،۵)۔

۶۔ مفتی نظام الدین سابق مفتی دار العلوم دیوبند کا فتوی: ''اس زائد رقم کو سود نہ

کہیں گے، بلکہ انتظامی درستگی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جاسکے گا اور یہ معاملہ جائز رہے گا '' (منتخبات نظام الفتاوی ۴۴۴،۲) (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مفتی عبدا لرحیم قاسمی، مولانا عارف باللہ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، دار الافتاء بناس کانٹا گجرات، مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۷۔ ''وفی شرح حیل الخصاف شمس الائمۃ:أن الشیخ أبا القاسم الحکیم کان یأخذ جائزۃ السلطان، وکان یستقرض لجمیع حوائجہ، ومایأخذ من الجائزۃ یقضی بہا دیونہ، والحیلۃ ہذہ المسائل أن یشتری نسیئۃ ثم ینقد ثمنہ من أی مال شاء'' (الہندیہ ۳۹۶،۵) (مفتی ریاست علی قاسمی)۔

۸۔ ''الأصل عند أبی حنیفۃ أن الإنسان یجوز أن لا یملک الشئی بنفسہ قصداً ویملکہ بتفویضہ إلی غیرہ، ویجوز أن لا یملک الشئی قصداً، ویملکہ حکما'' (تاسیس النظر للدبوسی،۵۵)۔

۹۔ ''فلہذا اختص جوازہ بمالہ مثلا، فأشبہ البیع'' (بدائع الصنائع ۵۱۷،۶)۔

۱۰۔ ''ویجوز التوکیل بالبیاعات والأشربۃ والإجارات والنکاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارۃ والاستعارۃ والہبۃ والصدقۃ'' (فتاوی ہندیہ ۱۵۶۴،۳) (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

(نمبر۴) حکومت ادا کرے تو جائز ہے خود ادا کرے تو ناجائز ہے۔

اس موقف کے حاملین نے اس بات کو بنیاد بنایا ہے کہ حکومت اور رعایا کے درمیان جو معاملہ ہے وہ اعانت وامداد کا ہے اور عوام کی ترقی وخوشحالی حکومت کی ذمہ داری ہے خود رسول اللہ ﷺ نے بہت سے محتاجوں کے قرضے بیت المال سے اور اپنے پاس سے بھی ادا کئے ہیں اور نص صریح موجود ہے۔

''تؤخذ من أغنیائہم وترد إلی فقرائہم''(ابوداؤد) گویا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے جسے اس نے اپنی طرف سے سود ادا کرکے پورا کیا ہے۔

(نمبر ۵) خود قرض دار کا سود ادا کرنا بہرحال یہ سودی معاملہ ہے اس کی اجازت حالت مجبوری میں ہی دی جاسکتی ہے ان حضرات نے ربا کے باب میں قلیل وکثیر کی حرمت کو بنیاد بنایا ہے، جس کی تفصیل سوال نمبر ۳، ۴، ۵، اور ۶ میں گذر چکی ہے، وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر (۱۲): بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی و رفاہی اداروناور افراد و اشخاص کا تعاون کیاجاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا صورت درست ہوگی؟

اس سوال کےجواب میں حضرات مقالہ نگاران کے تین موقف سامنے آئے ہیں:

پہلا موقف:

پہلا موقف یہ ہے کہ یہ حکومت چونکہ غیر مسلم ہے، ان کےنزدیک سود وربا کا معاملہ جائزوناجائز پرمبنی نہیں ہوتا، اس کے خزانے مشترک ہوتے ہیں جہاں ہر طرح کا مال جمع ہوتا ہے اورسارا نظام ریزروبینک کےتحت چلتا ہے، اس لئے حکومت اگر محفوظ فنڈ کو بینک میں ڈپازٹ کرتی ہے اور اس سے سود حاصل کرتی ہے او راس سود سے اپنے عوام جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں ان کی رفاہی اور تعلیمی مدد کرتی ہے تو حکومت کی اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا اور اس کے تحت ملنے والی رقم کو استعمال کرنا جائز ہے، یہ سود دینے والے کے حق میں تو سود ہے، جن کو دیا جارہا ہے ان کے حق میں سود نہیں ہے، البتہ احتیاط باعث اجر وثواب ہے۔

اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید، مفتی جنید بن محمد فلاحی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی، مفتی ظہیر احمد قاسمی کانپور، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مفتی عبد المنان قاسمی آسام، مفتی محمد فلاحی، مفتی عبد التواب اناوی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی محمد رمضان سعادتی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی۔

جواز کی علت:

مذکورہ حضرات نے بنیادی طور پر سود کے ذریعہ حاصل کی گئی آمدنی کوحکومت کا اپنا ذاتی معاملہ قرار دیا ہے، جس میں مسلمانوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور حکومت اس بات کا مکلف نہیں ہے اور فروعات میں تو مزید یہ حکومت شرعی تکلیف کے دائرے میں نہیںآتی، اس لئے حکومت کی اس تعاونی اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے، مزید مذکورہ حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل سے اپنے موقف کو مؤکد کرنے کی کوشش کی ہے، مثلا:

دلائل:

١۔ ''تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان'' (المائدہ: ٢)۔

٢۔ ''عن النبیﷺ: والله فی عون العبد ما كان العبد فی عون أخيه'' (ترمذی)۔

٣۔ ''إنما الأعمال بالنيات'' (بخاری)۔

۴۔ ''عن النبیﷺ: ہو لہا صدقۃ ولنا ہدیۃ'' (بخاری۵،۳۰۴، کتاب الزکوۃ حدیث نمبر: ۱۴۹۵)۔

۵۔ ''عن ابن مسعود أنہ سئل عمن لہ جار یأکل الربا علانیۃ، ولا یتحرج من مال خبیث یأخذہ یدعوہ إلی الطعام، قال: أجیبوہ، فإنما الوزر علیہ'' (جامع العلوم والحکم لابن رجب،۷۱)۔

۶۔ ''ولو أن حربیا باع من حربی درہما بدرہمن ثم خرجا إلی دار الإسلام مسلمین أو ذمیین واختصما إلی القاضی فإن کان ذلک بعد التقابض فالقاضی لا یتعرض لذلک ولایبطلہ'' (المحیط البرہانی ۸،۳۷۷)۔

۷۔ ''وقد أمرنا بترکہم وما یدینون کذا فی الہدایۃ، وقال: دل علیہ قول عمر ولّوہم بیعہما وخذوا العشر من أثمانہما الخ، وأشار بہ إلی أن إعراضنا عنہم لیس لکونہا مباحۃ شرعاً فی حقہم، کما ہو قول البعض، بل الحرمۃ ثابتۃ فی حقہم فی الصحیح، لأنہم مخاطبون بہا، کما قلنا، لکنہم لایمنعون من بیعہا؛ لأنہم لا یعتقدون حرمتہا ویتمولونہا وقد أمرنا بترکہم وما یدینون کما فی البحر عن البدائع'' (شامی ۷،۳۷۱) (دیکھئے: ابو المکارم معروفی)۔

۸۔ ''وجاز أخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ، بخلاف دین علی المسلم لبطلانہ'' (درمختار مع الرد ۹،۵۵۳)۔

۹۔ ''الأمور بمقاصدہا'' (الاشباہ والنظائر ۱،۱۱۳)۔

۱۰۔ ''أہل الذمۃ یترکون علی ما یدینون بہ'' (تاسیس النظر لابوزید الدبوسی)۔

۱۱۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (الاشباہ ۱،۱۵۵)۔

۱۲۔ کفار ومشرکین اور غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا اور غیر مسلم حکومت سے انعام حاصل کرنے کا جواز اکابر کے فتاوی میں موجود ہے (دیکھئے فتاوی دار العلوم ۵،۲۱۴، منتخبات نظام الفتاوی ۱،۲۰۹، امداد الاحکام ۴،۳۹۰، امداد الفتاوی ۳،۱۶۴ وغیرہ)۔

۱۳۔ ''الحالۃ الأولی:أن یخرجہ غیرہما، فیجوز للإمام أن یخرج المال من خاص نفسہ ومن بیت المال لما فیہ من التحریض علی تعلیم الفروسۃ'' (روضۃ الطالبین ۷،۵۳۶)۔

۱۴۔ ''وفی الہدایۃ:فإن عقدہم علی الخمر کعقد المسلم علی العصر، وعقدہم علی الخنزیر کعقد المسلم علی الشاۃ،لأنہا أموال فی اعتقادہم، ونحن أمرنا بأن نترکہم وما یعتقدون دل علیہ قول عمر ولّوہم بیعہما وخذوا العشر من أثمانہما'' (۳،۸۶)۔

۱۵۔ ''تبدل الملک بمنزلۃ تبدل العین فی الشریعۃ، کذا فی الکافی وعامۃ الشروح'' (فتح القدیر ۹،۲۱۳)۔

۱۶۔ ''الأصل عند أبی حنیفۃ أن الإنسان یجوز أن لا یملک الشئی بنفسہ قصداً ویملکہ بتفویضہ إلی غیرہ، ویجوز أن لا یملک الشئی قصداً ویملکہ حکما'' (تاسیس النظر ابوزید دبوسی ،۵۵)۔

۱۷۔ ''إذا دخل المسلم دارالحرب بأمان فلا بأس بأن یأخذ منہم أموالہم بطیب أنفسہم بأی وجہ کان'' (شامی ۵،۱۸۶)۔

١٨۔ ''فیرد علی أربابہا، إن علموا وإلا تصدق بہ علی الفقراء '' (فتاوی بزازیہ مع الہندیہ ٦،٣٥٥)۔

١٩۔ ''وعن عليؓ قال:للسلطان نصیب من الحلال والحرام، فإذا أعطاک شیئا فخذوہ، فإن ما یعطیک حلال الخ'' (السیر الکبیر،٩٩)۔

٢٠۔ ''النقود لا تتعین بالتعیین'' (از مقالہ محی الدین غازی)۔

دوسرا موقف:

اس سلسلہ میں دوسرا موقف یہ ہے کہ اس اسکیم سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو مجبور ومحتاج اور غربت وافلاس کی زندگی گزار رہے ہیں، مستحق ہیں، او راپنے معاش کے لئے اس کے محتاج ہیں، عام لوگوں کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد عرفان آسام، مولانا محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد حذیفہ داحودی اورڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی۔

اضطراری حالت سے متعلق دلائل، مثلاً :

١۔ ''فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ إن اللہ غفور رحیم'' (سورہ بقرہ: ١٧٣)۔

٢۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (الاشباہ ١،١٥٥)، وغیرہ واضح ہیں، ا سلئے یہاں تکرار سے بچتے ہوئے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

تیسرا موقف:

اس سلسلہ میں تیسرا موقف یہ ہے کہ اس اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ سود کے ذریعہ حاصل کی گئی آمدنی اور اسی پر چلنے والی اسکیم ہے، اور مال خبیث ہے، اس رقم کو قبول کرنا گویا حکومت کو سودی نظام کے لئے تقویت فراہم کرنا ہے، جو تعاون علی الاثم ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی محمد ارشاد پالنپوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عباس بن یوسف، مولانا سراج الحق میواتی، مولانا حفیظ الرحمن مدنی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا عبد الحمید قاسمی، مفتی محمد حذیفہ داحودی۔

دلائل:

١۔ ''تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ٢)۔

٢۔ ''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ، إن اللہ بالغ أمرہ، قد جعل اللہ لکل شئی قدراً'' (سورہ طلاق: ٣)۔

٣۔ ''واجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور'' (سورہ حج: ١٤)۔

٤۔ ''فمن اتقی من الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام'' (متفق علیہ)۔

٥۔ ''عن جابر بن عبد الله قال:لعن رسول اللهﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال:هم سواء'' (مسلم، حدیث نمبر: ١٥٩٨)۔

٦۔ شارع کی صریح محرمات کے دروازے پر دستک دینےسے بچا جائے (کتاب الفتاوی ٥،٢٣٣)۔

٧۔ ''التابع تبع'' (الاشباہ للسیوطی،١٥٣)۔

٨۔ ''الأصل بقاء ما كان على ما كان'' (الاشباہ لابن نجیم)۔

٩۔ ''الربا لا تصح إباحته فی الشرع تبعا'' (الموسوعۃ الفقہیہ)۔

١٠۔ ''لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه'' (شامی٩،٥٥٣، كتاب الحظر والاباحہ)۔

١١۔ ''درأ المفاسد أولى من جلب المصالح ،المنافع، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً، لأن اعتناء الشرع بالمنہيات أشد من اعتناءه بالمامورات'' (الاشباہ ٥،٢٦٤)۔

١٢۔ ''فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء'' (بذل المجہود ١،٣٥٩)۔

١٣۔ ''والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم'' (رد المحتار ٧،٣٠١)۔

متفرق آراء:

- مفتی حذیفہ داحودی کہتے ہیں کہ اگر حکومت اپنی دوسری رقوم جو دوسری ریاستوں سے آئی ہیں اس سے اس رقم کو مخلوط کردیتی ہے اور اس سے رفاہی اور تعلیمی اداروں کی مدد کرتی تو اس سے بھی لوگوں کے لئے استفادہ جائز ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

- بعض مقالہ نگاران نے اس احتیاطی پہلو کو بھی لکھا ہے کہ اگرچہ اس اسکیم سے استفادہ درست ہے، تاہم احتیاط اولی ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبد المنان آسام)۔

- اس سوال کے جواب سے دار الافتاء بناس کانٹا، مولانا ابرار خان ندوی، دار الافتاء سلفیہ بنارس، مولانا عبد اللہ جولم نے خاموشی اختیار کی ہے۔

- اس تعلق سے ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی نے اپنی قیمتی اور تفصیلی رائے دی ہے اور اپنے موقف کو مدلل انداز سے پیش کیا ہے، ان کے مقالہ کااقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''(الف): ضروری ہے کہ تعلیمی اور رفاہی اداروں کو پاک مال سے چلایاجائے، تاکہ پڑھنے والے طلبہ، تعلیم دینے والے اساتذہ اور کام کرنے والے عملہ کےاندر نیکی کی روح بیدار ہو، اور خیر کا جذبہ پروان چڑھے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

١۔ اللہ تعالی نے اہل ایمان کو حلال اورپاکیزہ مال کھانے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:''يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم، واشكروا لله إن كنتم إياه تعبدون'' (٢،البقرہ: ١٧٢) (اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں ان کو کھاؤ، اور اللہ ہی کےشکر گزار بنو، اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو)۔

۲۔ حلال مال سے عمل صالح کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، جبکہ مال حرام سے معصیت کی روح بیدار ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو حلال وپاکیزہ اشیاء استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ انسانی معاشرہ میں خیر وبھلائی کی فضا قائم ہو، اور معصیت کی سردبازاری ہو، جیسا کہ فرمان الہی ہے:''یا أیہا الناس کلوا مما فی الأرض حلالا طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطان إنہ لکم عدو مبین'' (۲؍البقرہ: ۱۶۸) (اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال پاکیزہ ہیں ان کو کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، یقینا وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)۔

۳۔ مسلمانو نکی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ تعلیم ودعوت کے مراکز پاکیزہ مال سے چلائیں، کیونکہ اللہ تعالی پاکیزہ وحلال اشیاء کے خرچ کرنے پر ہی اجر وثواب سے نوازتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:''أیہا الناس، إن اللہ طیب، لا یقبل إلا طیبا، وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمر بہ المرسلین، فقال:''یاأیہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا إنی بما تعملون علیم'' (۲۳؍المومنون: ۵۱)، وقال:''یاأیہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم'' (۲؍البقرہ: ۱۷۲)، ثم ذکر الرجل یطیل السفر، أشعث أغبر، یمد یدیہ إلی السماء: یا رب یا رب، ومطعمہ حرام، ومشربہ حرام، وملبسہ حرام، وغذی بالحرام، فأنی یستجاب لذلک؟'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۰۱۵، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۹۸۹، سنن دارمی حدیث نمبر: ۲۷۱۷، مسند احمد حدیث نمبر: ۸۳۴۸) (اے لوگو! بے شک اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے، اور اللہ تعالی نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: (اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو،جو کچھ تم کروگے میں اسے سے اچھی طرح واقف ہوں) اورفرمایا: (اے ایمان والو! ہم نےتم کو جو پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان کو کھاؤ) پھر نبی کریمﷺ نے ایسے شخص کاذکر کیا جو لمبے سفر کرتا ہے، پراگندہ بال اور گردآلود ہوتاہے، آسمان کی طرف اپنے ہاتھ کو دراز کرکے اے پروردگار، اے پروردگار کی آواز لگاتا ہے، حالانکہ اس کا کھانا حرام اس کا پینا حرام اور اس کی پوشاک حرام ہے، او راس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے، پھر اس شخص کی دعا کیوں کر قبول ہوگی؟)۔

۴۔ جنابہ خولہ انصاریہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''إن رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق، فلہم النار یوم القیامۃ'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۳۱۱۸، ترمذی حدیث نمبر: ۲۳۷۴، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۷۰۵۴، ۲۷۳۱۸) (کچھ لوگ اللہ کے مال کو ناحق ہڑپ کرتے ہیں سو قیامت کے دن ان کے لئے آگ ہے)۔

یہ وعید مال عام کو ہڑپنے پر ہے، تو پھر سودی مال کی طرف لپکنے پر کتنی سخت وعید ہوگی؟

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یأتی

علی الناس زمان لا یبالی المرء ما أخذ منہ:أمن الحلال، أم من الحرام؟'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۰۵۹، سنن نسائی حدیث نمبر: ۴۴۵۴، سنن دارمی حدیث نمبر: ۲۵۳۹) (لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروا نہ ہوگی کہ اس نے حلال مال سے لیا یا حرام مال سے)۔

ان نصوص سے واضح ہے کہ تعلیمی ورفاہی ادارے اور محتاج افراد واشخاص کے تعاون کےلئے سودی فنڈ قائم کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر غیر مسلم حکومت ایسا کرتی ہے تو ایسی حالت میں اگر تعلیمی ورفاہی ادارے ضرورت مند ہیں تو بیت الخلاء (Toilet)، راستے کی تعمیر اور دیگر عمومی مصالح کے کاموں کے لئے سودی مال لے سکتےہیں۔

(ب): یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ سودی اسکیم کا تعلق افراد واشخاص سے ہو کہ اگر وہ فقراء اور مساکین میں سے ہوں تو ان کے لئے سودی امداد سے استفادہ کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ جس مال کو اس کے مالک کو نہیں لوٹایا جاسکتا ہو، اسے بھلائی کی مدات میں صرف کیا جائے گا، اور ان مدات میں فقراء اورمساکین بھی داخل ہیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ ہم رسول کریمﷺ کےساتھ ایک جنازہ میں نکلے، سو میں نے رسول کریمﷺ کو قبر کے پاس کھودنے والے کو وصیت کرتے ہوئے پایا: ''اس کے دونوں پیر کی طرف کشادہ کھودو، اس کے سر کی طرف کشادہ کھودو '' پھر جب آپﷺ جنازہ سے لوٹے، تو ایک خاتون کی طرف سے دعوت دینے والا آپﷺ کے سامنے آیا: ''فجاء وجئی بالطعام، فوضع یدہ، ثم وضع القوم فأکلوا، فنظر آباؤنا رسول اللہﷺ یلوک لقمۃ فی فمہ، ثم قال: أجد لحم شاۃ أخذت بغیر إذن أہلہا، فأرسلت المرأۃ، قالت: یا رسول اللہ، إنی أرسلت إلی البقیع یشتری لی شاۃ، فلم أجد، فأرسلت إلی جارک قد اشتری شاۃ أن أرسل إلي بہا بثمنہا، فلم یوجد، فأرسلت إلی امرأتہ، فأرسلت إليّ بہا، فقال رسول اللہﷺ: ''أطعمیہ الأساری'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۳۳۲، طحاوی، شرح مشکل الآثار حدیث نمبر: ۳۰۰۵، ۳۰۰۶، دار قطنی، حدیث نمبر: ۴۸۲۶، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۲۵۰۹، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (تو آپﷺ اس خاتون کے گھر تشریف لائے، اور کھانا لایا گیا، تو آپﷺ نے اپناہاتھ رکھا، پھر لوگوں نے اپنے ہاتھ رکھے، اورکھانے لگے، سو ہمارے آباء واجداد نے رسول اللہﷺ کو اپنے دہن مبارک میں لقمہ کو ہلکے ہلکے چباتے ہوئے دیکھا، پھر آپﷺ نے فرمایا: میں اس بکری کا گوشت پارہا ہوں جسےمالک کی اجازت کے بغیر حاصل کیا گیا ''، اس پر عورت نے آپﷺ کے پاس قاصد بھیجا اور معاملہ کو واضح کرتے ہوئے کہا، اے اللہ کے رسول، میں نے بقیع کی طرف قاصد کو بھیجا کہ وہ میرے لئے کوئی بکری خرید لائے، سو میں نے بکری کو نہیں

پایا، تب میں نے اپنے اس ہمسایہ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا جس نے بکری خریدی تھی کہ اس کی خرید کردہ قیمت کے بدلہ اسے میرے پاس بھیج دو، لیکن پڑوسی مل نہ سکا، سو میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا، اور اس نے میرے پاس بکری بھیج دی، تب رسول کریمﷺ نے فرمایا: ''اسے قیدیوں کو کھلا دو ''۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ رسول کریمﷺ نے پکی ہوئی بکری کو صدقہ کرنے کا حکم دیا؛ اس لئے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی تھی، او راس کی خریداری درست نہیں تھی، جیسا کہ ملا علی قاری رقمطراز ہیں:''فظہر أن شراء ہا غیر صحیح؛ لأن إذن جارہا ورضاہ غیر صحیح.... وذلک أنہ لما لم یوجد صاحب الشاۃ لیستحلوا منہ، وکان الطعام فی صدد الفساد، ولم یکن بہ من إطعام ہؤلاء، فأمر بإطعامہم....وقد لزمہا قیمۃ الشاۃ بإتلافہا، ووقع ہذا تصدقا عنہا'' (علی القاری، مرقاۃ المفاتیح ٢٩٧،١٠) (سو اس سےعیاں ہے کہ اس کی خریداری درست نہیں تھی، اور قیدیوں کو (جو عام طور سے محتاج ہوتے ہیں) کھلانے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ بکری کا مالک جب نہیں ملا تاکہ اس سے حلال ٹھہرالیں، حالانکہ کھانا خراب ہونے کے درپے تھا، اور قیدیوں کے کھلانے کے علاوہ چارہ نہیں تھا، لہذا ان کو کھلانے کاحکم دیا....اور بکری کو ضائع کرنے کی وجہ سے اس پر قیمت لازم ہوئی، او رکھانا اس کی طرف سے صدقہ ہوا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے اگر اصل مالک تک مال نہ پہنچ سکے تو محتاج افراد پر صدقہ کیا جائے گا۔

٢۔ امام قرطبی (و: ٦٧١ھ) لکھتے ہیں: ''قال علماؤنا: إن سبیل التوبۃ مما بیدہ من الأموال الحرام، إن کانت من ربا فلیردہا علی من أربی علیہ، ویطلبہ إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجودہ، فلیتصدق بذلک عنہ، وإن أخذہ بظلم، فلیفعلہ کذلک فی أمر من ظلمہ، فإن التبس علیہ الأمر، ولم یدرکم الحرام من الحلال مما بیدہ، فإنہ یتحری قدر ما بیدہ مما یجب علیہ رده، حتی لا یشک أن ما یبقی قد خلص لہ'' (قرطبی، الجامع لأحکام القرآن٣٦٦،٣) (ہمارے مالکی علماء فرماتے ہیں کہ مال حرام سے توبہ کی راہ یہ ہے کہ اگر سود سے حاصل ہو، تو جس سے سود لیاہے اسے واپس کردے، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اسے تلاش کرے، سو اگر اس کو پانے سے ناامید ہوجائے، تو اس کی طرف سے اسے صدقہ کردے۔ اور اگر بہ طور ظلم اسے لیا ہو، تو جس پر ظلم کیا ہو اس کے معاملہ میں ایسا ہی کرے، سو اگر اس پر معاملہ مشتبہ ہوجائے، او راسے معلوم نہ ہو کہ اس کے قبضہ میں جو مال ہے، اس میں کتنا حرام ہے اور کتنا حلال ہے، تو اپنے قبضہ کے مال میں سےجس مقدار کی واپسی اس پر واجب ہے اس کے سلسلہ میں تحری، یعنی بہتر مقدار کو اختیار کرے، یہاں تک کہ اسے کوئی شک نہ رہ جائے کہ باقی ماندہ اس کا خالص مال ہے)۔

٣۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:''المال إذا تعذر معرفۃ مالکہ صرف فی مصالح المسلمین عند جماہیر العلماء کمالک وأحمد وغیرہما، فإذا کان بید الإنسان غصوب أو عوار أو

ودائع أو رہون، قد یئس من معرفۃ أصحابنا فإنہ یتصدق بہا عنہم، أو یصرفہا فی مصالح المسلمین، أو یسلمہا إلی قاسم عادل یصرفہا فی مصالح المسلمین المصالح الشرعیۃ'' (ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ۳۲۱،۲۹، ط: ۳، دار الوفاء، ۱۴۲۶ھ۲۰۰۵ء) (مال کے مالک کو پانا اگر دشوار ہوجائے تو جمہور اہل علم جیسے مالک واحمد وغیرہما کے نزدک اسے مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، سو اگر آدمی کے قبضہ میں غصب کردہ مال یا عاریتاً اور عارضی طور پر لی ہوئی چیز ہو یا امانت کے مال ہوں یا رہن ہوں، اور مالک کو پانے سے ناامید ہوجائے، تو وہ اسے ان کی طرف سے صدقہ کردے، یا مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرے، یا منصف تقسیم کرنے والے کے حوالہ کردے جو اسے مسلمانو نکے شرعی مصالح میں صرف کرے)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ فقرا ء اور مساکین مال حرام کی مدات میں سے ایک مد ہیں۔

۴۔ ابن قیم الجوزیہ (و: ۷۵۱ھ) فرماتےہیں:''أن من قبض ما لیس لہ قبضہ شرعاً، ثم أراد التخلص منہ؛ فإن کان المقبوض قد أخذ بغیر رضی صاحبہ، ولا استوفی عوضہ، ردہ علیہ، فإن تعذر ردہ علیہ، قضی بہ دینایعلمہ علیہ، فإن تعذر ذلک، تصدق بہ عنہ، فإن اختار صاحب الحق ثوابہ یوم القیامۃ، کان لہ، وإن أبی إلا أن یأخذ من حسنات القابض، استوفی منہ نظیر مالہ، وکان ثواب الصدقۃ للمتصدق بہا، کما ثبتت عن الصحابۃ ؓ '' (ابن القیم، زاد المعاد ۷۷۸،۵، ط: ۲۷، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۱۵ھ ۔۱۹۹۴ء) (جو شخص ایسی چیز پر قبضہ کرلے جس پر شرعی اعتبار سے اس کا قبضہ کرنا درست نہیں ہے، پھر اس سے نجات حاصل کرنا چاہے، سو اگر قبضہ کردہ مال مالک کی رضامندی کے بغیر لیا گیا ہو، اور مالک نے اس کا عوض حاصل نہ کیا ہو، تو وہ اس کو مالک کو واپس کردے، سو اگر مالک کو واپس کرنا دشوار ہو، تو اس کے اس دَین کو ادا کردے جسے وہ جانتا ہو، سو اگر یہ بھی دشوار ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اب اگر مالک بہ روز قیامت اس کے ثواب کو اختیار کرے، تو اسے ایسا کرنے کا حق ہوگا، اور اگر انکار کر دے اور قبضہ کرنے والے کی نیکی سےلینا چاہے، تو مال کے مثل اس سے نیکی وصول کرے، اور صدقہ کا ثواب صدقہ کرنے والے کو مل جائے گا، جیسا کہ صحابہؓ سے ثابت ہے) ۔

ان فقہی نقول واقتباسات سے پوری طرح واضح ہے کہ فقراء اور مساکین مال حرام کے مصارف میں سے ایک مصرف ہیں، اور یہ کہ مال حرام غصب کرنے یا رشوت لینے یا سود حاصل کرنے والے کے حق میں خبیث اور گندہ ہے، جبکہ فقیر کے حق میں وہ حلال اور پاکیزہ مال کے درجہ میں ہے ''۔

* * *

عرض مسئلہ:

مختلف سرکاری اسکیموں سے استفادہ کرنے کا حکم
(سوال نمبر۵-۱)

مولانا رحمت اللہ ندوی•

ضرورت مند کا تعاون کرنا خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، رفاہی اداروں کی شکل میں ہو یا حکومتی سطح پر، بہر صورت ایک مستحسن کام اور پسندیدہ عمل ہے، متعدد آیات اور مختلف احادیث میں جائز کاموں میں ضرورت مند افراد کے تعاون کی نہ صرف ترغیب دی گئی ہے، بلکہ تاکید کی گئی ہے۔

تعاون کی ایک شکل قرض دینا بھی ہے، اور تنگدست سے قرض کو کلی یا جزوی طور پر معاف کردینا یا مزید مہلت دینا بھی نیکی کا کام اور فضیلت کی چیز ہے، قرض دینے والے کو اختیار ہے کہ پورا قرض یا اس کا کچھ حصہ معاف کردے،اس کو شریعت میں ''ابراء دین '' کہتے ہیں ،جو موجب اجر اور قابل قدر ہے، لیکن قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود تاخیر کرنا یا ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ قرض دینے سے گریز کرتے ہیں، قرض کا لفظ عام ہے، اس کے بالمقابل دَین خاص ہے، نقد یا جنس کی شکل میں جو چیز قابل واپسی ہو وہ قرض ہے اور ذمہ میں واجب اور ہر طرح کا بقایا دین ہے۔

سرکاری خزانہ میں سب کا حق ہے، سرکار اس خزانہ سے استفادہ کر نے کے لئے اسکیمیں بناتی اور مختلف شکلیں پیدا کرتی ہے، بعض اسکیمیں مخصوص ہوتی ہیں اور بعض عام۔اسی طرح بعض اسکیموں میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہوتی اور بعض میں ہوتی ہے، حکومت کی طرف سے ملنے والی رقوم امداد اور قرض دونوں طرح کی ہوتی ہیں، قرض کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے،کہ اس کا کچھ حصہ معاف ہو جاتا ہے، جبکہ بعض قرضے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میناصل لی ہوئی رقم سے زائد کی واپسی ہوتی ہے، یہ زائد رقم کبھی معمولی ہوتی ہے اور کبھی اوسط سے زائد۔ اگر زائد رقم کی مقدار قرض کے وقت متعین ہو اور اس کا تعلق رقم کی کمی زیادتی اور وقت پر ادائیگی یا عدم ادائیگی سے نہ ہواور اخراجات کے بقدر ہو تو اسے سروس چارج یا انتظامی خرچ کہنے کی گنجائش ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سود ہے،سود کی حرمت قطعی اور منصوص ہے، لیکن اگر سودی قرضے کی حرمت کی بنا پرہر مسلمان کے لئے استفادہ حرام کردیا جائے یا سود

• استاذ فقہ وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

کو سروس چارج وغیرہ کا نام دے کر حلال کردیا جائے تو یہ دونوں طریقے ہی قرآن کی تعلیم اور حکم سے میل نہیں کھاتے،اس کے بجائے اگر سودی قرض کی حرمت باقی رکھتے ہوئے صرف ضرورت مندوں کے لئے بقدر ضرورت رخصت دی جائے یا گنجائش اور وسعت رکھی جائے تو یہ طریقہ نہ صرف مناسب، بلکہ قرآنی طریقہ سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ قرآن نے جہاں حرام کو پوری شدت سے بیان کیا ہے وہیں اضطراری حالت میں قید وشرط کے ساتھ رخصت کا ذکر بھی کیا ہے،واضح رہے کہ سود لینے میں کوئی اضطراری حالت نہیں ہوسکتی، اس لئے قرآن مجید کی شدید وعیدوں کے مخاطب اصلاً سود لینے والے ہی ہیں، البتہ سود دینے میں اضطراری حالت ہو سکتی ہے، اس لئے اس میں نرمی کا رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے اور حد میں رہ کر گنجائش بھی نکالی جا سکتی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ٢٦/ویں فقہی سمینار منعقدہ ''اجین ''(ایم-پی) کے زیر بحث موضوعات میں ایک موضوع ''مختلف سرکاری اسکیموں سے استفادہ کرنے کا حکم '' بھی ہے، اس کے ابتدائی پانچ سوالوں پر عرض مسئلہ پیش کرنے کی ذمہ داری اس ناچیز پر ڈالی گئی ہے، اکیڈمی کی طرف سے اس موضوع پر کل ٥٠/مختصر اور طویل تحریریں اور مقالات موصول ہوئے ہیں، مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا فیاض عالم قاسمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی حید رعلی قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری،مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد عرفان آسام، مولانا محمد اکرم بن مولانا اسلم رشید، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد فلاحی، مفتی محمد فاروق دربھنگوی،مولانا عباس بن یوسف، مفتی محمد حسین فلاحی، مفتی جنید محمد پالنپوری، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی محمد زبیر ندوی،مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا محمدجمیل اختر جلیلی ندوی، قاضی محمد حسن ندوی،مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مفتی محمد جعفرملی رحمانی،مولانا نثار عالم ندوی، مفتی محمد قمر الزماں ندوی، مفتی محمد ارشاد پالنپوری، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی محمد رمضان سعادتی، مفتی محبوب علی وجیہی ،مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر محی الدین غازی، مولانا حفیظ الرحمن مدنی، مولانا ابوالکلام معروفی ،مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی عبدالمنان آسام،مفتی عبدالحمید قاسمی دینا جپوری، مفتی عبدالتواب اناوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، راقم اسطور رحمت اللہ ندوی،ایک فتوی ازدار الافتاء جامعہ سلفیہ بنارس،اورایک تحریر از مدرسہ جامعہ عربیہ سلم العلوم ،گجرات۔

ہر سوال سے متعلق آراء پیش خدمت ہیں:

سوال(۱)جس قرض کا ایک حصہ معاف کردیا جائے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑے،اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ قرض کی یہ صورت جائز اور درست ہے،کیونکہ قرض دینے والے کو قرض کا پورا یا کچھ حصہ معاف کرنے کا ا ختیار ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسے ''ابراء ''کہا جاتا ہے، حکومت کی طرف سے ملنے والی یہ سہولت سبسڈی اورتعاون ہے،البتہ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی محمد زبیر ندوی، اور مولاناصابر حسین ندوی کا مشورہ ہے کہ بلاضرورت استفادہ کرنے سے احتیاط برتی جائے۔

سوال(۲)اگر معافی ایک مقرر ہ مدت کے اندرواپسی کے ساتھ مشروط ہو، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہو، لیکن لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں دو طرح کے نقطہائے نظر سامنے آئے:

(۱) مطلق جواز(۲)جواز میں ذر اتفصیل:

*مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی محمد ممتاز خان ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولاناابرار خان ندوی،ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی محمد رمضان سعادتی، کے نزدیک جواز میں ذرا تفصیل ہے:

*مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتے ہیں:اگر ایک مخصوس مدت میں ادا کرنے پر قرض کاایک حصہ معاف کردیا جاتا ہو، اور اس مدت کے گزرنے کے بعد مکمل قرض کی واپسی ضروری ہو،بعدمینزائد رقم کا لزوم نہ ہوتا ہو تو اگر معاملہ مشروط نہیں ہے تو درست ہے،اور اگر مشروط ہے تو قرض لے لیا جائے، مگر ادائیگی وقت مقررہ کے بعد کی جائے، تاکہ سود لازم نہ آئے۔

*مولاناابرار خاں ندوی مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:اگر چہ حکومت کی جانب سے قرض کی معافی متعینہ مدت سے پہلے اداکرنے پر مشروط ہے، مگر اس میں کسی طرح کا ربا(سود)نہیں پایا جارہا ہے،اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے،یہی حنابلہ اور شوافع کا بھی راجح مذہب ہے، ''ویری ابن عباس وزفر جواز ذلک، لمارواہ ابن عباسؓ أن النبي علیہ السلام أمرباخراج بنی النضیر، جاء ہ ناس منھم، فقالوا: یانبي اللہ! انک أمرت باخراجنا، ولنا علی الناس دیون لم تحل، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:ضعوا وتعجلوا (فقہ السنۃ ۳،۱۶۷) ۔

*ڈاکٹر محی الدین غازی کا کہنا ہے:یہ معاہدۂ قرض درست نہیں ہوگا،کیونکہ ''ضع وتعجل ''کے تحت آئے گا،جس سے جمہور فقہاء سے ممانعت منقول ہے، لیکن بہر حال اس کے جواز کی گنجائش بھی موجود ہے، اس لئے نرم رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

*مفتی محمد رمضان سعادتی نے ''ضع وتعجل ''(دائن،مدیون سے کہے:قرضے میں

کمی کر اور جلدی ادا کر،یامدیون،دائن سے کہے کہ قرضے میں کمی کر اور جلد وصول کر،پر گفتگو کرتے ہوئے ائمۂ اربعہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک قبل از وقت ادائیگی کے لئے کمی کو شرط قرار دینے پر عدم جواز کا قول نقل کیا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب دین میں تاخیر کی صورت میں زیادتی سود ہے تو دین میں تعجیل کی صورت میں دین کے اندر کمی کرنا بھی سود ہے، پھر دلائل سے مدلل کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:کہ مسئلہ کی حرمت کی بنیاد اجل کا عوض ہے اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، دیون مؤجلہ میں ''ضع وتعجل '' کا معاملہ حرام ہے، اور دیون حالہ اور قرض میں معاملہ جائز ہے، کیونکہ احناف کے نزدیک قرض، تاجیل قبول نہیں کرتا، لہذا قرض کی یہ صورت جائز ہے۔

*مولانا صابر حسین ندوی لکھتے ہیں: یہ صورت قمار(جوا)کی ہے جو حرام ہے، مگر یہاں یہ مفضی الی النزاع نہیں ہے، اور غرر یسیرہے، اس لئے درست ہے۔

*مفتی محمد ممتاز خاں ندوی کے نزدیک اگر یہ معافی تبرعاً ہے، یعنی مقروض اور سر کاری اسکیم میں وقت سے پہلے قرض کی ادائیگی میں معافی پر مصالحت نہ ہو تو جائز ہے، اور اگر معافی پر مصالحت ہو جائے تو جائز نہیں۔

*مفتی حیدر علی قاسمی کی رائے ہے کہ اگر چہ قرض کی مدت لازم ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، تاہم مدت متعین ہونے کی صورت میں تمام فقہاء کے نزدیک ایفاء عہد واجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مقررہ مدت کے اندر قرضہ ادا نہیں کرپارہا ہے تو چونکہ سود نہیں پایا جارہا ہے، اس لئے کوئی قباحت نہیں۔

ان کے علاوہ بقیہ حضرات مطلق جواز کے قائل ہیں، کیونکہ کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مسئلہ بھی تقریباً متفق علیہ ہے، کیونکہ مذکورہ بالا حضرات کی رائے بھی کسی نہ کسی طرح جواز تک پہونچ ہی جاتی ہے۔

سوال(۳)اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کیساتھ زائد بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں تین قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں:

(۱)زائد رقم سود ، قرض سے استفادہ نا جائز ۔

(۲)بصورت مشروط زائد رقم سود، ورنہ نہیں۔

(۳)زائد رقم سود، لیکن مجبوراور محتاج کے لئے استفادہ کی گنجائش۔

پہلی رائےکے حاملین:مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا حفظ الرحمن مدنی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانامحمد آزاد بیگ قاسمی بہرائچی،مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی جنید محمد پالنپوری، مفتی محمد حسین فلاحی (ان کے نزدیک عقد قرض بھی فاسد ہے) مولانا عباس یوسف، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی اقبال محمد

ٹنکاروی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مولانا محمد عرفان، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مفتی محمد ممتاز ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی محمد رمضان سعادتی۔

دلائل:ان حضرات کے دلائل سود کی حرمت سے متعلق آیات واحادیث، فقہی عبارات اور اقوال ہیں مثلاً:

(۱)أحل اللّٰہ البیع وحرم الربا (بقرۃ: ۲۷۵) (مولانا محمد عرفان، مفتی محمد جعفر، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

(۲)یا أیھا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا أضعافا مضاعفۃ (سورہ آل عمران: ۱۳۰) (مولانا خورشید احمد، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

(۳)کل قرض جرنفعا فھوربا (حدیث)(مولاناخورشید احمد، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا خورشید انور)۔

(۴)حقیقت ربا اور شبہ ربا سے احتراز والی روایات:

(۱)''قال عمرؓ:إن آخر مانزل من القرآن آیۃ الربا، وإن رسول اللہ ﷺ قبض ولم یفسرھا، فدعوا الربا والریبۃ'' (ابن ماجہ-۲۲۷۶-مسند احمد-۲۴۵-مصنف ابن شیبہ۴/۴۴۸-کنزالعمال۴/۱۸۶)۔

(۲)کتب فقہ کی وہ عبارات جو شبہ ربا سے احتراز کو لازم قرار دیتی ہیں:

مثلاً:''وشبھۃ الربا مانعۃ،کحقیقۃ الربا'' (فتح القدیر۶/۳۶۷-۷/۱۲)۔

- ''والاحتراز عن شبھۃ الربا واجب کا لا حتراز عن حقیقۃ الربا، لأن الشبھۃ في باب الحرمات ملحقۃ بالحقیقۃ (تبین الحقائق ۸۷۴،) یہ دلائل مولانا محمد اکرم کے ہیں، نیز انہوں نے بیان القرآن۱/۵۷،تفسیر منیر۴/۸۴-فقہی مقالات ۱/۳۷۰سے اقوال وعبارات بھی پیش کئے ہیں۔

- ''کان ربا الجاھلیۃ في الدیون أن یکون للرجل علی الرجل، الدین، فإذا حلّ، قال لہ:أتقضی أم تربی، فإن قضاہ أخذہ وإلا زادہ في الحق وزادہ في الأجل'' (المدونۃ الکبری۵/۱۸) مولانا ممتاز ندوی،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، نیز مجلہ بیع بالتقسیط ۳۱،اور اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ کے فقہی فیصلے/۳۲۷کا حوالہ بھی ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے۔

-''کل قرض جر نفعا للمقرض إذا کان مشروطاً فھو حرام،للحدیث الشریف''کل قرض جر نفعاً فھو حرام'' (الفقہ الحنفی ۴/۲۲۰)(مفتی اسعد)۔

''والثاني:أنہ معلوم أن ربا الجاھلیۃ إنما کان قرضاً مؤجلا بزیادۃ مشروطۃ، فکانت الزیادۃ بدلاً من الأجل بأبطلہ اللہ وحرمہ'' (احکام القرآن للجصاص۱/۴۶۷ مفتی جنید)۔

-''إذا حل الدین وطالبوا المدیون برأس المال، فإن تعذر علیہ الأداء زادوا في الحق والأجل، فھذاھوالربا الذي کانوا في الجاھلیۃ یتعاملون بہ'' (تفسیر رازی۷/۷۲) (ڈاکٹر شاہجہاں ندوی) انھوں نے مزید دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

دوسری رائے:اگر زائد رقم شرط کے ساتھ ہو تو سود، ورنہ نہیں، بلکہ مستحسن اور

پسندیدہ کام ہے۔

اس رائے کے حامل مولانا ابو سفیان مفتاحی نے مسلم شریف کی وہ روایات پیش کی ہینجن میں''إن خیار الناس أحسنهم قضاءاً''کہا گیا ہے (تکملۃ فتح الملہم۱/۶۴۴)۔

حضرت جابرؓ کی روایت: ''کان لی علیہ دین فقضانی وزادنی''(بخاری: ۳۳۹۴) حافظ ابن حجرؒ ایک حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:''وفیہ جواز وفاء ما هو أفضل من المثل، المقترض، إذا لم تقع شرطیۃ ذلک فی العقد، فیحرم ذلک اتفاقاً، وبہ قال الجمہور''(فتح الباری ۵/۵۷،منقول از فتوی جامعہ سلفیہ بنارس)۔

تیسری رائے:بوجہ مجبوری اور بحالت محتاجی اس قرض سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے، یہ مذکورہ حضرات کے علاوہ کی رائے ہے، البتہ مولانا عبدالحمید قاسمی، مولانا محمد فاروق،مفتی محمد ارشاد پالنپوری کا کہنا ہے کہ اگر وقت مقرر ہ پر ادا کرکے سود سے بچنے کا یقین یا ظن غالب ہو تو لے سکتا ہے، ورنہ نہیں،اورمفتی عبدا لمنان کا کہنا ہے کہ زائد رقم سود ہے،قرض لے سکتا ہے، لیکن مدت کے اندر واپس کردے تاکہ سود دینے سے بچ سکے۔

- قاضی عبدالجلیل قاسمی اور مفتی شاهد علی قاسمی کی رائے ہے کہ ضرورت ومجبوری کی وجہ سے قرض لے سکتا ہے، اگر کوشش کے باوجود معقول عذر کی وجہ سے ادانہ کرسکا تو اضافی رقم دینے کی گنجائش ہے اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ معاف کردے گا۔

- مولانا محمد فیاض عالم کے نزدیک وقت کی تعیین کے ساتھ قرضہ لینا جائز ،وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں زائد رقم تاوان اور چارج ہے، مولانا محمد حذیفہ داحودی، نفس قرض کا معاملہ درست،زیادتی کی شرط کو لغو قرار دیتے ہیں، زیادتی سود ہے، وقت مقررہ پر ادا کرنے کی نیت سے لے اور وقت پر ادا کردے تو گنہگار نہیں ہوگا، ورنہ سود دینے کا گناہ ہوگا۔

نوٹ:ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری نے اس سوال کا جواب نہیں دیا ہے۔

ناچیز کے نزدیک قرض کی یہ صورت درست ہے، کیونکہ زائد کا دینا اور نہ دینا موہوم ہے، اس لئے جب تک زائد رقم دینے کی نوبت نہ آئے اس وقت تک اس پر سود کی تعریف صادق نہ آئے گی،اور یہاں تو وقت مقررہ پر ادا کرکے بچنا بھی ممکن ہے،پھر حکومت کے سودی قرضوں اورعام قرضوں میں فرق بھی ہے، حکومت کی آمدنی کے ذرائع مختلف ہیں اور اسکی ترقیاتی اور اسکیمی قرضے، عام ضرورتوں کے تحت لئے جانے والے عام قرضوں سے مختلف ہیں، حکومت کا مقصود زراندوزی نہیں ہے۔بلکہ اس شرط کا مقصد وقت پر ادائیگی کا پابند بناناہے، اس کے باوجود اگر سودمان بھی لیا جا ئے تو اختیاری اور اضطراری حالت میں فرق ہے۔

سوال (۴): اگر زائد رقم کی شرح بہت کم ہو، جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو یا

اپنی مقدار کے اعتبار سے سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود ہوگا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں بنیادی طور پر تین رائے سامنے آئی : (۱) زائد رقم سود ہے۔ (۲) مناسب مقدار ہو تو مطلق گنجائش ہے۔ (۳) گنجائش مشروط ہے۔

پہلی رائے: زائد رقم سود ہے، سروس چارج نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں:

مفتی حیدر علی قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد عرفان آسام، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا ابو سفیان مفتاحی ، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی بہرائچی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی محمد ارشاد پالنپوری، مولانا خورشید احمد اعظمی، اور مولانا خورشید انور اعظمی۔

ان حضرات کے مستدلات کم وبیش وہی ہیں جو سود سے متعلق سوال(۳)کے ذیل میں ذکر کئے جاچکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

دوسری رائے: اگر سروس چارج کے بقدرہو تو سود کے زمرے میں داخل نہیں ہوگا۔

اس کے قائلین ہیں: قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد قمر الزماں ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا حذیفہ داحودی، مفتی محمد جعفر علی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا صابر حسین ندوی۔

دلائل :۱۔''لاضرر ولاضرار۔ إذا ضاق الأمر اتسع۔ الضرر یزال۔ الضرر یدفع بقدر الإمکان'' (مولانا صابر حسین ندوی)۔

۲۔ ''یستحق القاضی علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز بغیرہ کالمفتی، فإنہ یستحق أجر المثل علی کتابۃ الفتوی، لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان، ومع ہذا، الکف أولی احترازاً عن القیل والقال، وصیانۃ لماء الوجہ عن الابتذال'' (در مختار۵،۶۳، نیز منتخبات نظام الفتاوی۲،۴۳۶) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

۳۔ ترقیاتی قرضوں میں اصل مقصود نفع کمانا نہیں ہوتا ہے، بلکہ عوام کے لئے بنیادی ضروریات اور روزگار کی فراہمی مقصود ہوتی ہے، اس لئے اگر اس پر لئے جانے والے قرضے کو دفتری اخراجات اور ضروریات پر محمول کیا جائے تو مناسب محسوس ہوتا ہے (جدید فقہی مسائل ۴،۸۹، اسلامک فقہ اکیڈمی کا ایک فیصلہ ص ۱۷۰ـہ ، مولانا حذیفہ داحودی ، مفتی محمد قمرالزماں ندوی ،نیز مباحث فقہیہ ۴۲۲)۔

۴۔ ''اعلم أن الإجارۃ عقد علی المنفعۃ بعوض ہومال'' (مبسوط السرخسی ۱۵،۸۶) (مفتی محمد جعفر ملی)۔

۵۔حضرت عمرؓ کا بنی تغلب کے جزیہ کے بارے میں ارشاد : ''ہذہ جزیتکم فسموہا

جزیۃ أو صدقۃ'' (تکملۃعمدۃ الرعایۃ ۲۲۸،۱)۔

۶۔ ''العبرۃ للمعانی'' (شامی: ۹، نیز احسن الفتاوی ۱۲۴،۷ ، فقہی مقالات ۲۷۷،۲۷۰،۱) (مولانا ابوالمکارم معروفی، مفتی شاہد علی قاسمی)۔

تیسری رائے:بقیہ حضرات نے کچھ قید وشرط کے ساتھ سروس چارج قرار دیا ہے، وہ اس طرح ہے:

* زائد رقم کی مقدار کا پہلے سے علم ہو۔ (مفتی محمد اسعد فلاحی)* ہر قرض دار کے ساتھ زائد رقم یکساں ہو (رحمت اللہ ندوی)* حکومت کا مقصد زرکشی و زراندوزی نہ ہو۔ (مفتی جنیدفلاحی) * انتظامی خرچ بھی قرار دیا جاسکتا ہے یا پھر مجبوری کے درجے میں رشوت کی حیثیت بھی دی جاسکتی ہے۔ (مفتی محمد عثمان، مولانا محمد فلاحی)*حکومت زائد رقم کہہ کر لیتی ہو۔ (مولانا فیاض عالم قاسمی) *دستاویزات پر سروس چارج کی صراحت ہو (مولانا محمد زبیر ندوی) *زائد رقم انتظامی خرچ کے بقدر ہو ، متعین ہو، رقم کا سقر اور زمانے سے کوئی تعلق نہ ہو (ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی،مفتی ممتاز خانندوی ، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مفتی محمد رمضان سعادتی، مولانا محمد اکرم۔

* زائد رقم قرض کا معاملہ کرتے وقت لیاجائے، واپسی کے وقت نہیں، اسی طرح عرف میں وہ سروس چارج سمجھا بھی جاتا ہو (مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

مطلق گنجائش یا مطلق سود قرار دینے کے مقابلہ میں مشروط گنجائش والی رائے مناسب معلوم ہو تی ہے۔

سوال (۵) اگر سرکار کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جانے والی رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ واضح ہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے کچھ فرق کیا جاسکتا ہے؟

تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ یہ سود ہے، ناجائز ہے، البتہ بعض حضرات نے اس کے باوجود بھی اضطراری حالت میں بقدر ضرورت، مجبور و بے بس کے لئے لینے کی گنجائش رکھی ہے، جس کے پاس زندگی کی بنیادی ضروریات بھی نہ ہوں، جبکہ دیگر حضرات کسی بھی صورت اور حالت میں کوئی گنجائش نہیں دیتے۔

عدم گنجائش کے قائلین یہ حضرات ہیں:

حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا جمیل اختر ندوی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مفتی محمد اسعد، مفتی جنید محمد، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبدالحمید قاسمی، مفتی عبدالمنان، اور دار الافتاء جامعہ سلفیہ بنارس۔

ان کے دلائل سود کی حرمت، وعید اور تشدید سے متعلق نصوص اور عبارات و

اقوال ہیں جو گزر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ان کے علاوہ بقیہ حضرات کے نزدیک اضطراری حالت میں مضطر کے لئے بقدر ضرورت استفادہ کی گنجائش ہے۔ ان کے کچھ دلائل یوں ہیں:

۱۔ ''فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ'' (بقرۃ : ۱۷۳)(قاضی محمد حسن ندوی)۔

۲۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (قاضی حسن ندوی، مفتی جمیل نذیری، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی)۔

۳۔ ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الأشباہ : ۱۴۵) تقریباً سب نے اس سے استدلال کیا ہے۔

۴۔ ''وینبغی أن یستثنی الأخذ بالربا للمحتاج فإنہ لا یحرم'' (أشباہ مع حموی ۱۷۶) (قاضی محمد حسن ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی)۔

۵۔ ''الضرورات تقدر بقدرہا'' (مفتی محمد ارشاد)۔

۶۔ ضرورت مند کون ہے؟ ''بلوغہ حدا إن لم یتناول الممنوع ہلک أو قارب'' (حاشیۃ حموی ۱،۳۰۸)۔

۷۔ ''معناہ عندی أن من اضطر ولا یجد ما یحیی بہ نفسہ والإفلا، ولا بد من التأویل، ولولم یؤول قول الأشباہ لکان رأیا باطلاً خلافاً للنص'' (إعلاء السنن ۱۳،۶۳۸) (مفتی محمد فاروق)۔

۸۔ ان دلائل کے علاوہ فقہ وفتاوی کی عبارت سے بھی بعض حضرات نے استدلال کیا ہے۔

دلائل اور حالات کا جائزہ لینے سے ان حضرات کی بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے جو اضطراری اور اختیاری حالت کا فرق کر کے ضرورت کے وقت بقدر ضرورت استفادہ کی گنجائش رکھتے ہیں۔

نوٹ:- ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری مدنی نے اس سوال کا جواب نہیں دیا ہے۔

* * *

عرض مسئلہ:

سرکاری اسکیموں سے استفادہ
(سوال نمبر ۱۲-۶)

مولانا محمدجمیل اختر جلیلی ندوی•

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم أمابعد!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چھبیسویں سمینارمنعقدہ ۶-۴؍مارچ ۲۰۱۷ء کا ایک اہم موضوع ''سرکاری اسکیمونسے استفادہ '' بھی ہے، جس کے سوال نمبرچھ(۶) تابارہ(۱۲) کے عرض مسئلہ کے لئے اس حقیرکے پاس باون (۵۲) مقالات آئے، بعض مقالہ نگارونے تفصیلی جوابات تحریر کئے ہیں، بعض نے خیرالاموراوساطہا کوپیش نظر رکھاہے، جب کہ بعض مقالات اختصار میں جلالین سے بھی آگے نکلے ہوئے ہیں، بعض حضرات نے بعض سوالات کے جواب پرہی اکتفاکیاہے، تاہم سارے مقالات ہمارے لئے قیمتی اور نہایت اہم ہیں، تمام مقالات کوبالاستیعاب پڑھ کران کے جوابات اوردلائل کاخلاصہ بالترتیب پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راہِ سدادکی توفیق عطافرمائے ، آمین!

سوال نمبر(۶): حکومتی تعاون سے استفادہ کاکیاحکم ہے؟

جواب: گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امدادکے طورپرملنے والی رقوم (خواہ مکان اوربیت الخلاء بنانے یاتعلیمی ضروریات کے لئے ہو)چونکہ بلاتفریق تمام شہریوں کی اعانت کے لئے ہوتی ہے؛ اس لئے تمام مقالہ نگارونے ان کے حصول اوراستعمال دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔(مقالہ نگارونکے نام یہ ہیں: مولانامحمدفیاض عالم قاسمی، ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی، مفتی حیدرعلی قاسمی، مولاناحافظ کلیم اللہ عمری، مولانامحمدصابرحسین ندوی، مولانامحمدممتازخاننـدوی، ڈاکٹرظفرالاسـلام صـدیقی، مولانامحمـدجمیل اخترجلیلـی نـدوی، مولانامحمـداکرم بـن مولانااسـلم رشـید، مولانامحمـدعرفان ، مفتـی لطیـف الـرحمن فلاحـی، مولاناحذیفہ داحودی، مولانـامحبوب فروغ احمدقاسمی، مفتی اقبال بن محمدٹنکاروی، مفتی اعجازالحسن بانڈے قاسمی، ڈاکٹرعبداللہ جولم، مولاناابوسفیان مفتاحی، مولانامحمدفلاحی، مفتـی محمـدفاروق دربھنگوی، مولـوی سـراج الحـق میـواتی، مولاناعبـاس بـن یوسـف، مفتـی محمدحسـین قمرالـدین مـاہمکرفلاحی، مفتـی جنیدمحمـدپالنپوری، مفتـی محمداسـعدپالنپوری، مولانارحمت اللہ ندوی، مدرسہ جامعہ عربیہ سلم العلوم، مفتی محمدزبیرندوی، مولاناآزادبیـگ قاسمی، قاضی محمدحسن ندوی، مفتی محمدعارف باللہ قاسمی، مفتی محمدجعفرملی رحمانی،

• جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، ضلع اڈپی، کرناٹک۔

مولانانثارعالم ندوی، مولانامحمدقمرالزمانندوی، مفتی محمدارشاددساداپالنپوری، مفتی محمدعثمان بستوی، مفتی محمدرمضان سعادتی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی جمیل احمدنذیری، ڈاکٹرمحی الدین غازی، مولاناحفیظ الرحمن مدنی، دارالافتاء، بنارس، مولاناابوالمکارم معروفی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی شاہدعلی قاسمی، مفتی عبدالمنان، مفتی عبدالحمیدقاسمی دیناجپوری، مفتی عبدالتواب اناوی، مولاناخورشیداحمداعظمی، مولانامحمدابرارخان ندوی، مولاناخورشیدانوراعظمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

البتہ وجہ جواز مینبعض حضرات نے ''اعانت''، بعض نے ''انعام وہدیہ ''اوربعض نے ''ہبہ '' قرار دیاہے اوراسی کے مطابق دلائل پیش کئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ''وتعاونوا علی البروالتقوی ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان '' (المائدۃ: ۲) (ڈاکٹرمفتی محمدشاہ جہانندوی، مولانارحمت اللہ ندوی، مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۲- ''أناأولی المؤمنین من أنفسہم، فمن مات، وعلیہ دین، ولم یترک وفاء، فعلیناقضاء ہ، ومن ترک مالاً فلورثتہ'' (بخاری، حدیث نمبر: ۶۷۳۱) (ڈاکٹرمفتی محمدشاہ جہانندوی)۔

۳- ''کلکم راع، وکلکم مسؤول عن رعیتہ، والإمام راع، ومسؤول عن رعیتہ'' (بخاری، حدیث نمبر: ۸۹۳)(محمدجمیل اخترجلیلی ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۴- ''عن سماک قال:سمعت علقمۃ بن وائل یحدث عن أبیہ أن النبی ﷺأقطع أرضاً بحضرموت، قال محمد:حدثناالنصرعن شعبۃ، وزادفیہ:وبعث معہ معاویۃ لیقطعہا إیاہ'' (ترمذی، کتاب الأحکام، باب ماجاء فی القطائع) (محمدممتازخانندوی)۔

۵- ''عن أبی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال: من نفس عن مسلم کربۃمن کرب الدنیا، نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ، ومن یسرعلی معسر فی الدنیا، یسراللہ علیہ فی الدنیاوالآخرۃ، ومن سترعلی مسلم فی الدنیا، ستراللہ علیہ فی الدنیاوالآخرۃ، واللہ فی عون العبدماکان العبدفی عون أخیہ'' (تحفۃ الألمعی:۵،۲۷۱) (مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۶- ''عن علیؓ عن النبی ﷺ:إن کسری أہدی لہ، فقبل، وإن الملوک أہدواإلیہ، فقبل منہم'' (ترمذی، باب ماجاء فی قبول ہداياالمشرکین)(مولانامحمدعثمان)

۷- ''قال ابواللیث:اختلف الناس فی أخذالجائزۃ من السلطان، قال بعضہم:یجوز مالم یعلم أنہ یعطیہ من حرام، قال محمد:وبہ نأخذمالم نعرف شیئاحراماً بعینہ، وہوقول أبی حنیفۃ وأصحابہ، کمافی الظہیریۃ'' (الفتاوی الہندیۃ، باب الکراہیۃ، فی الہدایا والضیافات: ۵،۳۴۲) (مفتی اقبال احمدٹنکاروی، محمدآزادبیگ قاسمی)

۸- ''روی محمد فی السیر الکبیر أخباراً متعارضۃ فی بعضہا:أن رسول اللہ ﷺ قبل ہداياالمشرکین، وفی بعضہا:أنہ ﷺ لم یقبل، فلابدمن التوفیق، واختلف عبارۃ المشائخ فی وجہ التوفیق ... ومن المشائخ من وفق بوجہ آخر، فقال: لم یقبل من شخص علم أنہ لوقبل یقل

صلابتہ وعزتہ فی حقہ، ویلین لہ بسبب قبول الہدیۃ، وقبل من شخص علم أنہ لایقل صلابتہ وعزتہ فی حقہ، ولایلین بسبب قبول الہدیۃ، کذافی المحیط'' (الفتاوی الہندیۃ: ۳۴۷،۵) (مولاناابوالمکارم معروفی)۔

۹- ''أہدی إلی رجل شیئا، أوأضافہ:إن کان غالب مالہ من الحلال، فلابأس؛ إلاأن یعلم أنہ حرام، فإن کان الغالب ہوالحرام، ینبغی أن لایقبل الہدیۃ'' (الفتاوی الہندیۃ: ۳۴۲،۵، الفتاوی التاتارخانیۃ: ۱۷۵،۱۸)(مولاناحفیظ الرحمن اعظمی مدنی)۔

۱۰- محمدقمرالزمانندوی، رحمت اللہ ندوی، فیاض عالم قاسمی، سراج الحق میواتی،ڈاکٹرظفرالاسلام صدیقی، محمداکرم بن مولاناارشد سلیم، محمدفلاحی بن عبدالجبار، مولانازبیرندوی، محمدممتازخانندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی نے حضرت مولاناقاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی (مباحث فقہیہ،ص: ۴۶۷) اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے (فتاوی رحیمیہ: ۴۳۸،۵، ۲۲۵،۱، ۱۳۵،۶) کی عبارتینبھی نقل کئے ہیں۔

۱۱- ''الأصل فی الأشیاء الإباحۃ '' (الأشباہ والنظائر مع غزعیون البصائر: ۹۷،۱)(خورشیداحمداعظمی مدنی)۔

۱۲- ''الہبۃ تملیک مال لآخر بلاعوض'' (شرح المجلۃ، رقم المادۃ: ۳۳۸) (مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی محمدجعفرملی رحمانی نے مختلف کتابوں سے ہبہ کی عبارتیں نقل کی ہیں)

۱۳- ''فکل مایری ولی الأمر فعلہ أقرب إلی الصلاح للرعیۃ، وأبعد عن الفساد، فلہ أن یفعلہ؛ بل قد یجب علیہ ، وإن لم یجئ بذلک نص خاص'' (فتاوی معاصرۃ للقرضاوی۵۸۳،۱)(مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

تاہم اس سلسلہ مینکچھ مقالہ نگارونے حدودوقیودبھی نقل کئے ہیں، جودرج ذیل ہیں:

* محمد ممتازخاں ندوی، محمد قمرالزماں ندوی، ابوالمکارم معروفی، مولانا محمد عرفان، محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد ارشاد پالنپوری، محمدابرارخانندوی اورمفتی عارف باللہ قاسمی کے نزدیک اگراس امدادکے لئے مخصوص شرائط وحدودہوں، مثلاً: صرف غریب ہی فائدہ اٹھاسکتاہے، توشرائط کاخیال رکھناضروری ہے، دوسرونکے لئے اس سے فائدہ اٹھانادرست نہیں۔

* ابوالمکارم معروفی اورمفتی حیدرعلی قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اگردینی اورسیاسی مصلحت کے خلاف ہو، نیز ان اسکیمونسے دینی وملی صلابت اورغیرت وحمیت کوختم کرنامقصودہوتوان کے حصول کی اجازت نہیں، جبکہ محمدفاروق پالنپوری نیجھوٹ اورغررشامل نہ ہونے کی صورت مینتواجازت ہے، ورنہ نہیں۔

سوال نمبر(۹،۸،۷): واسطہ بننے والونکامحنتانہ لینے اوردینے، نیزان کاحاصل شدہ رقوم سے ایک حصہ لینے اور سرکاری قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دینے کاکیاحکم ہے؟

اس سلسلہ مینمقالہ نگارونکی چاررائینہیں:

پہلی رائے: واسطہ بننے والے کا محنتانہ لیناوراس کومحنتانہ دینادونوناجائزہیں، اس کے قائلین درج ذیل مقالہ نگارہیں: مفتی جمیل احمدنذیری، قاضی عبدالجلیل قاسمی،محمدجمیل اخترجلیلی ندوی،مفتی محمدرمضان سعادتی، قاضی محمدحسن ندوی، مدرسہ جامعہ عربیہ سلم العلوم، محمدفاروق، محمدحذیفہ داحودی، مولانامحمدعرفان، سراج الحق میواتی،مفتی محمداسعدفلاحی، محمداکرم بن مولانااسلم رشید، محمدفلاحی، مولانامحمدزبیرندوی، محمدآزادبیگ قاسمی، حفیظ الرحمن اعظمی مدنی، خورشیداحمداعظمی مدنی، مفتی محمدجعفرملی رحمانی، رحمت اللہ ندوی، محمدفیاض عالم قاسمی، مفتی حیدرعلی قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی محمدحسین قمرالدین فلاحی ماہمکر، مولاناابوسفیان مفتاحی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، محی الدین غازی، دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس،مفتی عبدالتواب اناوی، عبدالحمیدقاسمی،خورشیدانوراعظمی اورمفتی تنظیم عالم قاسمی۔

البتہ وجہ جواز مینبعض حضرات نے ''دلال''، بعض نے ''اجیر'' اوربعض نے ''وکیل''قرار دیاہے اوراسی کے مطابق دلائل پیش کئے ہیں، جودرج ذیل ہیں:

۱- ''قالت إن ربی یدعوک لیجزیک أجرماسقیت لنا'' (قصص: ۲۵)۔

۲- ''فإن أرضعن لکم فآتوہن أجورہن '' (الطلاق: ۶) (قاضی محمدحسن ندوی)

۳- ''من صنع إلیکم معروفاً فکافئوہ'' (مسنداحمد: ۶۸،۲، ابوداود، حدیث نمبر: ۶۷۲) (دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس)۔

۴- ''المسلمون علی شروطہم فیمایحل'' (الارواء: ۱۳۰۳)(عبدالحمیدقاسمی دیناجپوری، دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس)۔

۵- ''اعطواالأجیرأجرہ قبل أن یجف عرقہ'' (مجمع الزوائد:۹۷،۴) (قاضی محمدحسن ندوی، محمدصابرحسین ندوی)

۶- ''مافی صحیح البخاری:باب أجرۃ السمسرۃ، ولم یرابن سیرین وعطاء وإبراہیم والحسن بأجرالسمسار بأساً، وقال ابن عباسؓ:لابأس أن یقول:بع ہذا الثوب فمازاد علی کذاوکذا فہولک، وقال ابن سیرین: إذا قال:بعہ بکذاوکذ، فماکان من ربح فہولک، أوبینی وبینک، فلابأس'' (کتاب الاجارۃ: ۳۰۳،۱) (مفتی جعفر ملی رحمانی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۷- ''عن ابی سعیدالخدریؓ أن النبیﷺ نہی عن استئجارالأجیر حتی یبین لہ أجرہ'' (مسنداحمد: ۱۱۶،۱۸) (محمدفلاحی)۔

۸- ''من استأجرأجیراً فلیعلمہ أجرہ'' (رواہ البیہقی) (محمدصابرحسین ندوی)۔

۹- ''وفی الحاوی:سئل محمدبن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال: أرجوأنہ لابأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل، وکثیرمن ہذاغیرجائز، فجوزوہ لحاجۃ إلیہ کدخول الحمام '' (حاشیۃ ابن عابدین، باب الاجارۃ، مطلب فی أجرۃ الدلال: ۸۷،۹) (محمدجمیل اخترجلیلی

ندوی، سراج الحق میواتی، محمد قمرالزماناندوی، خورشید انوراعظمی،مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مفتی حیدر علی قاسمی، محمدفیاض عالم قاسمی، رحمت اللہ ندوی، محمدآزادبیگ قاسمی، محمدفلاحی)۔

۱۰- ''سعی لہ عندالسطان وأتم أمرہ، لابأس بقبول ہدیتہ بعدہ وقبلہ بطلبہ سحت، وبدونہ مختلف فیہ، ومشایخناعلی أنہ لابأس بہ '' (ردالمحتار:۳۵،۸)(مولانامحمدعثمان)

۱۱- ''وإن سعی بینہما وباع المالک بنفسہ یعتبر العرف، فتجب الدلالۃ علی البائع، أوالمشتری، أو علیہما بحسب العرف'' (الدرالمختارمع الرد: ۴۶،۴) (محبوب فروغ احمدقاسمی،مفتی حیدر علی قاسمی)۔

۱۲- ''إجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاک ومالایقدر فیہ الوقت ولاالعمل تجوز لماکان للناس بہ حاجۃ ویطیب الأجرالمأخوذ لوقدر أجرالمثل'' (ردالمحتار:۴۷،۶)(محمدفیاض عالم قاسمی، مفتی محمدجعفر ملی رحمانی، محمدآزادبیگ قاسمی،مولانامحمدزبیرندوی، مفتی محمدرمضان سعادتی)۔

۱۳- ''الأجراء علی ضربین:مشترک وخاص، فالأول:من یعمل لالواحد کالخیاطۃ ونحوہ، أویعمل لہ عملاغیرموقت کأن استأجرہ للخیاطۃ فی بیتہ غیرمقیدۃ بمدۃ، کان أجیرامشترکا وإن لم یعمل لغیرہ، أوموقتاًبلاتخصیص...ولایستحق المشترک الأجرحتی یعمل'' (الدرالمختار مع الرد: ۸۷،۹) (خورشیداحمداعظمی مدنی)۔

۱۴- ''ولا یصح حتی تکون المنافع معلومۃ والأجرۃ معلومۃ'' (ہدایۃ۲۹۳،۳، الفقہ الحنفی الجدید:۳۴۲،۴) (مولانامحمدعرفان،قاضی محمدحسن ندوی،مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۱۵- ''وفی الدلال والسمساریجب أجرالمثل'' (محمدفاروق)۔

۱۶- ''أہل بلدۃ ثقلت علیہم مؤنات العمل، فاستأجررجلاً بأجرۃ معلومۃ لیذہب ویرفع أمرہم إلی السلطان الأعظم، لیخفف عنہم ببعض الحیف وأخذ الأجرۃ من عامتہم غنیہم وفقیرہم، ذکرہہناأنہ إن کان بحال لوذہب إلی بلدالسلطان تہیأ لہ إصلاح الأمریوماً أویومین جازت الإجارۃ، وإن کان بحال لایحصل ذلک إلا بمدۃ، فإن وقتوا للإجارۃ وقتا معلوما، فالإجارۃ جائزۃ، والأجر کلہ لہ، وإن لم یوقتوا، فہی فاسدۃ، ولہ أجرالمثل '' (ہندیہ: ۵۲۶،۴) (مفتی محمدعارف باللہ قاسمی)۔

۱۷- ''تصح الوکالۃ بأجروبغیرأجر؛ لأن النبی ﷺکان یبعث عمالہ لقبض الصدقات، ویجعل لہم عمولۃ، ولہٰذا قالہ أبناء عمہ:لوبعثتنا علی ہذہ الصدقات فنؤدی مایؤدی الناس ونصیب مایصیبہ الناس، أی:العمولۃ، ولأن الوکالۃ عقد جائز لایجب علی الوکیل القیام بہا، فیجوز أخذالأجرۃ فیہا بخلاف الشہادۃ''(الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۷۴۵،۴) (مفتی محمدرمضان سعادتی، محمداکرم بن مولانااسلم رشید)۔

۱۳- محمدجمیل اخترجلیلی ندوی اورمحبوب فروغ احمدقاسمی نے فتاوی محمودیہ سے یہ فتوی بھی نقل کیا ہے :دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایاجائے،

اس مینبائع ومشتری دونوں کوثمن(قیمت)معلوم ہوتی ہے اوردلال کواس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت مینمتعین ہو، خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپے یافی روپیہ ایک آنہ اجرت مقررکی جائے، وہ اجرت درست ہے، جس قدر بھی ہو، فقط، واللہ سبحانہ أعلم (فتاوی محمودیہ: ۷۰٫۴)۔

البتہ محنتانہ وصول کرنے کی شکلونمینمندرجہ ذیل نقاط نظرہیں:

۱- اجرت متعین ہونی چاہئے، اس کے قائلین قاضی عبدالجلیل قاسمی،مفتی شاہدعلی قاسمی، محمدجمیل اخترجلیلی ندوی،مفتی محمدرمضان سعادتی، قاضی محمدحسن ندوی، محمد فاروق، مولانامحمدعرفان،مفتی محمداسعدفلاحی، محمداکرم بن مولانااسلم رشید، محمدفلاحی، مولانامحمدزبیرندوی، محمدآزادبیگ قاسمی، رحمت اللہ ندوی،مفتی حیدرعلی قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی محمد حسین قمرالدین فلاحی ماہمکر، مفتی لطیف الرحمن، مفتی ارشاد پالنپوری، مفتی تنظیم عالم قاسمی اورمفتی عبدالتواب اناوی وغیرہم ہیں، نیزاجرت متعین نہ ہونے کی صورت میں قاضی محمدحسن ندوی، محمد فاروق، محمدآزادبیگ قاسمی، مفتی محمدحسین قمرالدین فلاحی ماہمکراورمفتی لطیف الرحمن فلاحی نے جرت مثل دینے کی بات کی ہے،جب کہ محمدحذیفہ داحودی،سراج الحق میواتی اور محمد فیاض عالم قاسمی نے صرف اجرت مثل ہی دینے کی بات لکھی ہے۔

۲- فیصد (جومجہول نہ ہو، جیسے: فی صد دس روپے)کے اعتبارسے اجرت طے کرناجائز ہے، اس کے قائلین مفتی شاہدعلی قاسمی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی،محمدجمیل اخترجلیلی ندوی، محبوب فروغ احمدقاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، عباس بن یوسف، محمدفلاحی اورمفتی جنیدمحمدپالنپوری ہیں، جب کہ رحمت اللہ ندوی نے فیصد کے اعتبارسے اجرت طے کرنے کودرست نہیں سمجھا ہے۔

۳- حاصل شدہ امدادی رقوم کاایک حصہ بطورمحنتانہ لیناجائز ہے، اس کے قائلین محمدجمیل اخترجلیلی ندوی، مفتی حیدرعلی قاسمی، محی الدین غازی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، مفتی عبد المنان، عبدالحمیدقاسمی دیناجپوری، مفتی محمدحسین قمرالدین فلاحی ماہمکر، حفیظ الرحمن اعظمی مدنی، مفتی جمیل احمدنذیری، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مفتی محمدرمضان سعادتی، محمد فلاحی، محمدفاروق،مولانامحمدعرفان اور قاضی محمدحسن ندوی ہیں، جب کہ محمدقمرالزاننددوی، مفتی ارشادپالنپوری، خورشیدانوراعظمی، مفتی محمداسعد فلاحی، مفتی جعفرملی رحمانی، فیاض عالم قاسمی اوردارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس نے حاصل شدہ امدادی رقوم کے ایک حصہ کو بطور محنتانہ لینے کوناجائزقراردیا ہے۔

۴- مولاناابوسفیان مفتاحی،مفتی تنظیم عالم قاسمی اورمحمدآزادبیگ قاسمی نے حاصل شدہ رقم میناپنی طرف سے لینے کو نادرست قراردیاہے؛ البتہ معاملہ طے کرکے لینے کودرست کہاہے۔

۵- مفتی عبدالتواب اناوی نے حاصل شدہ رقم سے غریب کومجبورکرکے اورعرف

سے بڑھ کرلینے کی صورت مینغبن فاحش کاحکم لگاتے ہوئے ناجائزقراردیاہے۔

۶- محمد حذیفہ داحودی اور خورشید احمد اعظمی نے حاصل شدہ رقم مینمحنت یااجرت مثل سے زائدلینے کونادرست قرار دیا ہے۔

۷- مفتی جنید محمد پالنپوری اور مفتی تنظیم عالم قاسمی نے دلالی کی اجرت کوتوجائزقراردیاہے؛ البتہ حکومت کی امدادی رقوم کے حصول میں دلالوں اور حکومتی افسران کی ملی بھگت سے عوام کودرپیش پریشانیوں کوسامنے رکھتے ہوئے اس طرح کے معاملات میندلالی کومکروہ قراردیاہے۔

۸- مفتی اقبال احمدٹنکاروی اورمحمدنثارعالم ندوی نے بھی دلالی کی اجرت کوجائز قراردیاہے؛ لیکن حکومت کی طرف سے امدادی رقوم کے حصول مینعموماً دلال حکومتی آدمی یااس کانمائندہ ہوتاہے، جورشوت کے معاملہ مینماخوذ ہونے کے ڈرسے دلال کا روپ اختیارکرتا ہے؛ اس لئے ان کے محنتانہ کورشوت قراردیاہے۔

* محمدجمیل اخترجلیلی ندوی، محمدصابرحسین ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی حیدرعلی قاسمی، محمدزبیرندوی اورمولانامحمدعرفان وغیرہ نے تصرف قبل القبض اورجزء عمل کواجرت بنانے پرسیرحاصل گفتگوبھی کی ہے۔

* محی الدین غازی صاحب نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ واسطہ بننے والاکسی ناجائزطریقہ کواختیارکرکے واسطہ کے عمل کوانجام نہ دے۔

* محمدصابرحسین ندوی نے واسطہ یاسفارشی بننے والونکی دوصورتیں کی ہیں:(۱) ممدوح ثالث: جس کی قرآن وحدیث مینتعریف کی گئی ہے، قرآن مینہے: ''من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا'' (النساء: ۸۵)اورنبی کریم ﷺنے فرمایا: ''اشفعوافلتوجروا، ولیقض اللہ علی لسان نبیہ ماشاء''(ابوداود، حدیث نمبر: ۱۵۱۳) (۲) مذموم ثالث: جس کی مذمت قرآن نے کی ہے، ارشادہے: ''من یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا'' (النساء: ۸۵) --- اول الذکرقسم کی محنتانہ دینے یالینے میں اس شرط کے ساتھ کہ ایک دوسرے کااستحصال نہ ہواورمقصودحق کی حصول یابی ہوتواجازت دی جاسکتی ہے،ورنہ ''لا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (المائدۃ: ۲)کے تحت اجازت نہ ہوگی۔

دوسری رائے: اگر واسطہ بننے والے شخص کا تعلق ان افرادمینسے ہو، جسے حکومت نے انہی امدادی رقوم کی تقسیم کے فرض منصبی پر مامور کررکھا ہو تو ایسی صورت میں محنتانہ کے نام پرلی جانے والی رقم رشوت مینشمارہوگی؛ لیکن اگروہ عام آدمی ہے، سرکاری ملاز م نہینہے تواس کے لئے محنتانہ لیناورمحنتانہ دینادونوندرست ہیں، اس کے قائلین مفتی شاہدعلی قاسمی، عباس بن یوسف، محبوب فروغ احمدقاسمی، ابوالمکارم معروفی،مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی عبدالمنان، محمدعثمان اورمفتی ارشاد پالنپوری ہیں، ان حضرات کے مستدلالات درج ذیل ہیں:

۱- ''الراشی والمرتشی کلاہمافی النار'' (مسنداحمد:۶،۲۱۶) (محمدممتازخانندوی،

مفتی ارشاد پالنپوری)۔

٢- ''لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی'' (ترمذی:٣،٦١٤) ۔

٣- ''ہدایا الأمراء غلول'' (مسنداحمد: ٥،٤٢٤) (عباس بن یوسف)۔

٤- ''ولایجوز أخذ المال لیفعل الواجب'' (شامی:٨،٣٣) (ابوالمکارم معروفی،مفتی ارشاد پالنپوری)۔

٥- ''لم یختلف العلماء فی کراہیۃ الہدیۃ إلی السلطان الأکبر، وإلی القضاۃ ، والعمال، وجباۃ الأموال، ویقصد بالکراہۃ الحرمۃ '' (القرطبی:٢،٣٤٠)(عباس بن یوسف)

٦- ''الحاصل أن حدالرشوۃ ہومایؤخذ عماوجب علی الشخص سواء کان واجباً علی العین أو علی الکفایۃ، وسواء کان واجباً حقا للشرع أوکان عقداً'' (إعلاء السنن:١٥،٦١) (ابوالمکارم معروفی)

البتہ ان حضرات نے دینے والے کے لئے حق کے حصول اورظلم وضررکودورکرنے کی غرض سے رشوت دینے کی گنجائش رکھی ہے، جس کے مستدلات یہ ہیں:

١- ''یجوز للإنسان عندالجمہورأن یدفع رشوۃ للحصول علی حق أولدفع ظلم، أوضرر، ویکون الإثم علی المرتشی دون الراشی'' (ابن عابدین:٤،٣٠٤) (عباس بن یوسف)

٢- ''الضرورات تبیح المحظورات'' (الاشباہ والنظائر،ص: ٨٧) (مفتی عبدالمنان، قاضی محمدحسن ندوی)۔

تیسری رائے: سودی قرضونکے حاصل کرنے مینواسطہ بن کرمعاوضہ لینادرست نہیں، غیرسودی میندرست ہے، اس کے قائلین محمد ابرار خاں ندوی اورمحمد قمرالزماں ندوی ہیں، ان حضرات نے ''لعن رسول الله ﷺ آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (مسلم)سے استدلال کیاہے ،نیز اس سلسلہ میناستاذ محترم حضرت مولاناخالدسیف الله رحمانی صاحب مدظلہ کے ایک فتوی کو بھی نقل کیاہے (کتاب الفتاوی:٥،٣٧٠)(دیکھئے مقالہ: محمدقمرالزماں ندوی)۔

چوتھی رائے: واسطہ بنے والے جورقم لیتے ہیں، وہ رشوت ہے، اس کے قائلین ڈاکٹرظفرالاسلام صدیقی، ڈاکٹرشاہ جہاننددوی، حافظ کلیم الله عمر مدنی، محمدنثارعالم ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی وغیرہم ہیں، ان کے مستدلات درج ذیل ہیں:

١- ''ولاتأکلواأموالکم بینکم بالباطل وتدلوابہاإلی الحکام لتأکلوفریقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون'' (البقرۃ: ١٨٨)۔

٢- ''المعنی لاتصانعوا بأموالکم الحکام وترشوہم لیقضوا لکم علی أکثر منہا، قال ابن عطیۃ: وہذاالقول یترجح؛ لأن الحکام مظنۃ الرشاء؛إلامن عصم، وہوالأقل'' (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ٢،٣٤٠)۔

٣- ''أخذ المال لیسوی أمرہ عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع، وہو حرام علی

الآخذ لا الدافع" (فتح القدیر:۳۵۵،۷)(ڈاکٹرشاہ جہانندوی،مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

البتہ تمام مقالہ نگارونکے نزدیک حق کے حصول اورظلم وضررکودورکرنے کی غرض سے رشوت دینے کی گنجائش ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ''الرابع:مایدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ ومالہ حلال للدافع حرام علی الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولایجوز أخذالمال لیفعل الواجب " (شرح فتح القدیر، کتاب أدب القاضی: ۲۳۶،۷، ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والہدیۃ:۳۴،۸) (محمدجمیل اخترجلیلی ندوی، مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۲- ''أما إذاأعطی لیتوصل بہ إلی الحق، أولیدفع بہ عن نفسہ ظلماً، فلابأس بہ'' (مرقات:۲۷۸،۲) (محمدنثارعالم ندوی)۔

۳- ''لواضطرإلی دفع الرشوۃ لإحیاء حقہ، جاز لہ الدفع، وحرم علی القابض'' (ردالمحتار:۷۲،۵) (ڈاکٹرشاہ جہانندوی، ڈاکٹرظفرالاسلام صدیقی)

* ڈاکٹرشاہ جہانندوی اورمفتی عبدالرحیم قاسمی نے رشوت کے بجائے واسطہ بننے والے کوایک دودن کے لئے اجرت پر رکھنے کو بہتر قرار دیا ہے اوردلیل کے طورپرعلامہ شامیؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے:''وحیلۃ حلہا أن یستأجرہ یوماإلی اللیل، أویومین، فتصیرمنافعہ مملوکہ، ثم یستعملہ فی الذہاب إلی السلطان للأمرالفلانی'' (ردالمحتار۳۶۲،۵)---- بقیہ مقالہ نگارونکے دلائل بھی الفاظ کے فرق کے ساتھ چوتھی اوردوسری رائے کے تحت مذکور عبارتیں ہیں، تاہم بہت سارے مقالہ نگاروں نے اردوفتاوے جیسے: منتخب نظام الفتاوی، فتاوی محمودیہ اورکتاب الفتاوی وغیرہ کی عبارتینبھی نقل کی ہیں۔

سوال نمبر(۱۰):امدادی رقوم یاقرض کے حصول کے لئے غلط بیانی سے کام لینے کاحکم کیاہے؟

تمام مقالہ نگاروننے عام حالت مینغلط بیانی سے کام لینے کوناجائز قراردیاہے، جن کے نام سوال نمبر(۶)میندرج ہیں،ان حضرات کے مستدلات درج ذیل ہیں:

۱- ''یاأیہاالذین آمنواتقواالله وکونوامع الصادقین'' (التوبۃ: ۱۱۹)(ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی)۔

۲- ''واجتنبواقول الزور'' (الحج: ۳)(ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی، محمدآزادبیگ قاسمی، مفتی حیدرعلی قاسمی،مولانا محمدعرفان، محمدممتازخانندوی)۔

۳- ''یا أیہاالذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارۃ عن تراض منکم'' (النساء: ۲۹) (ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی، مولانا حافظ کلیم الله عمری، محمدآزادبیگ قاسمی، سراج الحق میواتی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی،مفتی عبدالتواب اناوی)۔

۴- ''ولاتأکلواأموالکم بینکم بالباطل'' (البقرۃ: ۱۸۸) (محمدجمیل اختر جلیلی ندوی،مفتی جنیدمحمدپالنپوری، محمدآزادبیگ قاسمی،خورشیدانوراعظمی، مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۵- ‘‘لعنۃ اللہ علی الکاذبین’’ (آل عمران: ۶۱)(محمدجمیل اختر جلیلی ندوی،حفیظ الرحمن اعظمی مدنی)۔

۶- ‘‘من غشنا فلیس منا’’ (مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۱) (ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی،محمدجمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی جنید محمد پالنپوری، مفتی محمدرمضان سعادتی، محمدقمرالزماں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، محمدفلاحی، مفتی محمداسعد فلاحی، مفتی محمدجعفرملی رحمانی،سراج الحق میواتی، مفتی حیدرعلی قاسمی ،حفیظ الرحمن اعظمی مدنی،محبوب فروغ احمدقاسمی)۔

۷- ‘‘المکروالخدیعۃ والخیانۃ فی النار’’ (المستدرک للحاکم، حدیث نمبر: ۸۷۹۵)(ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی)۔

۸- ‘‘کل خلۃ یطبع علیہا المؤمن؛ إلا الخیانۃ والکذب’’ (مسندابی یعلی، حدیث نمبر: ۷۱۱)(محمدجمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۹- ‘‘لا إیمان لمن لا أمانۃ لہ، ولا دین لمن لا عہد لہ’’ (مشکوۃ المصابیح ۱۵،۱)(مفتی محمدرمضان سعادتی، محمدصابرحسین ندوی)۔

۱۰- ‘‘آیۃ المنافق ثلاث:زاد مسلم:وإن صام وصلی وزعم أنہ مسلم، ثم اتفقا:إذاحدث کذب، وإذاوعد أخلف، وإذا ائتمن خان’’ (مشکوۃ المصابیح: ۱۷،۱) (مفتی اقبال احمد ٹنکاروی، محمدآزادبیگ قاسمی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی،حفیظ الرحمن اعظمی مدنی، محمدممتازخانندوی)

۱۱- ‘‘إنما أنا بشر، وإنہ یأتینی الخصم، فلعل بعضہم أن یکون أبلغ من بعض، فأحسب أنہ صادق ، فأقضی لہ، فمن قضیت لہ بحق مسلم، فإنماہی قطعۃ من النار، فلیحملہا أو یذرہا’’ (مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۱۳)(مفتی عارف باللہ قاسمی،مولانا محمدعرفان، محمدممتازخانندوی)۔

۱۲- ‘‘کبرت خیانۃ أن تحدث أخاک حدیثا ہولک بہ مصدق، وأنت بہ کاذب’’(مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۱۳) (محمدفاروق)۔

۱۳- ‘‘المسلم أخوالمسلم ... لایکذبہ، وفی روایۃ: لایخونہ’’ (ترمذی۱۴،۲)(مفتی حیدرعلی قاسمی)

۱۴- ‘‘أکبرالکبائر:الإشراک باللہ، وعقوق الوالدین، وشہادۃ الزور ثلاثاً، أو قول الزور’’ (بخاری ومسلم) (محمدصابرحسین ندوی، محمدفلاحی)۔

۱۵- ‘‘لایحل لامرء مال أخیہ إلابطیب نفسہ’’ (مشکوۃ)(مفتی عبدالتواب اناوی، مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۱۶- ‘‘وإن الکذب یہدی إلی الفجور، وإن الفجوریہدی إلی النار’’ (محمدممتازخانندوی، محمدفلاحی)

۱۷-علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:‘‘والغلول:السرقۃ من الغنیمۃ، وہو حرام’’ (المبسوط۷،۱۰) (ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

۱۸- ‘‘رجل لہ عطاء فی الدیوان، مات عن ابنین، فاصطلحاعلی أن یکتب فی الدیوان اسم أحدہما، ویأخذ العطاء، والأخر لاشئ لہ، ویبذل لہ من کان العطاء مالاً معلوما، فالصلح باطل، ویردبدل الصلح والعطاء للذی جعل الإمام العطاء لہ ... غیرأن السطانإن منع المستحق، فقدظلم مرتین فی قضیۃ حرمان المستحق، وإثبات غیرالمستحق مقامہ’’ (الأشباہ والنظائر، القاعدۃ: تصرف الظمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ) (مفتی شاہد علی قاسمی)۔

۱۹- ‘‘لایجوز التصرف فی مال غیرہ ولاولایتہ’’ (الدرمختارمع الرد۹؍۲۹۱، الاشباہ والنظائر،ص: ۲۷۶)(مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۲۰- ‘‘الکذب مباح لإحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ، والمراد التعریض؛ لأن عین الکذب حرام، قال:وہوالحق، (وفی الرد):اعلم أن الکذب قدیباح وقد یجب، والضابطۃ فیہ:أن کل مقصود محمودیمکن التوصل إلیہ بالصدق والکذب جمیعاً، فالکذب حرام، وإن أمکن التوصل إلیہ بالکذب وحدہ، فمباح إن أبیح تحصیل ذلک المقصود، وواجب إن وجب تحصیلہ... والمراد التعریض؛ لأن عین الکذب حرام، قال:وہو الحق’’ (الدرمختار مع الرد۹؍۵۲۵، حاشیۃ اعانۃ الطالبین۳؍۴۲۱) (ابوالمکارم معروفی، محمدفیاض عالم قاسمی، مولانامحمدعثمان، مفتی محمد رمضان سعادتی، مولاناخورشیدانوراعظمی، محمدفاروق، مفتی محمدحسین قمرالدین فلاحی ماہمکر)۔

۲۱- ‘‘والکذب حرام إلافی الحرب للخدعۃ، وفی الصلح بین اثنین، وفی إرضاء الأہل، وفی دفع الظالم عن الظلم’’ (ملتقی الأبحر۴؍۲۲۱)(مفتی محمدارشادپالنپوری)

۲۲- ‘‘اتفق العلماء أن الغش حرام، سواء أکان بکتمان العیب فی المعقود علیہ أوالثمن، أم بالکذب والخدیعۃ، وسواء أکان فی المعاملات أم فی غیرہا من المشورۃ والنصیحۃ’’ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۱؍۲۱۹)(محمدجمیل اختر جلیلی ندوی،مفتی جعفرملی رحمانی،عباس بن یوسف، محبوب فروغ احمدقاسمی)۔

۲۳- ابوالمکارم معروفی، محمدقمرالزماں ندوی، محمدحذیفہ داحودی، محمدعثمان وغیرہم نے فتاوی عثمانی، محمود الفتاوی،جدیدفقہی مسائل، کتاب الفتاوی، فتاوی دینیہ وغیرہ کے فتاوے بھی تائیدمیننقل کئے ہیں۔

* البتہ محمدصابرحسین ندوی نے حکومت کی طرف سے امدادی رقوم یاقرض کی فراہمی کے لئے طے شدہ معیارات، طبقات اورشرائط کوبڑی حدتک ناانصافی پرمبنی قراردیاہے اورضرورت مندونکواپنی حاجت روائی کے لئے(نہ کہ ترقیاتی طورپر) غلط بیانی سے کام لینے کی اجازت دی ہے۔

* مفتی محمدحسین قمرالدین ماہمکرفلاحی نے مقصدکے حصول اورمحمدجمیل اخترجلیلی ندوی نے حق کے حصول کے لئے غلط بیانی سے کام لینے کی گنجائش دی ہے۔

* مولانامحمدعرفان نے حکومت کی طرف سے طے شدہ شرائط و معیارات کومبنی برتعصب اورخلاف شرع ہونے کی صورت مینکسی معتبرعالم دین سے رجوع کرنے اوران حکم پرعمل کرنے کامشورہ دیا ہے، جبکہ خورشیداحمداعظمی مدنی نے ایسی صورت

مینکسی بھی حیلہ سے امدادحاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔

* مفتی عبدالتواب اناوی نے ایسے حقیقی مستحق کے لئے غلط بیانی سے کام لینے کی اجازت دی ہے، جوصرف کاغذی اعتبارسے حکومتی معیارپرنہیناترتا، نیز ایسے غیر مستحق کے لئے بھی حکومتی رقوم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، جس کانام مستحقین کی فہرست مینحکومت کی طرف سے اصولونکی تعیین مینچوک کی وجہ سے شامل ہوگیاہے۔

* مولاناابوالمکارم معروفی،مولانافیاض عالم قاسمی اورمفتی محمدعثمان نے شرائط ومعیارات پراترنے کے باوجودقانونی داؤپیچ سے ناواقف حضرات کے لئے غلط بیانی کے بجائے توریہ وتعریض سے کام لینے کی اجازت دی ہے۔

* مفتی محبوب علی وجیہی اورمولاناخورشیدانوراعظمی نے شرائط مکمل ہونے کے باوجود رشوت دئے بغیررقم نہ نے ملنے کی صورت مینرشوت دینے اورکسی بھی حیلۂ شرعی سے رقم حاصل کرنے کی گنجائش دی ہے۔

* مفتی اعجازالحسن بانڈے قاسمی نے امدادی رقوم کے حصول کے لئے لئے ایسی شرائط کی صورت مینغلط بیانی سے کام لینے کی اجازت دی ہے، جن کی وجہ سے مسلمان مستحقین کے لئے استفادہ ممکن نہ ہو۔

مولانانثارعالم ندوی نے کاغذی اعتبارسے حقیقی مستحقین کے ساتھ ساتھ ملک کی موجودہ صورت حال کوسامنے رکھتے ہوئے غیرمستحقین کے لئے بھی غلط بیانی سے کام لینے کی اجازت دی ہے۔

سوال نمبر(۱۱): اگرمقروض کی طرف سے حکومت کل سودیاسودکابڑا حصہ اداکرے توایسے قرض کاکیاحکم ہے؟

اس سوال کے دوجزء ہیں: (۱) بینک کے قرض کاپورانٹرسٹ حکومت اداکرے۔ (۲) انٹرسٹ کابڑا حصہ توحکومت اداکرے؛ البتہ معمولی حصہ قرض دارادکرے ----- ان دونوناجزاء کے بارے مینمقالہ نگارونکی چاررائیں ہیں:

(۱) دونوں طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانامطلقاً جائز نہیں ----- اس کے قائلین محمدزبیرندوی، مفتی محمداسعد فلاحی، دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس، محمدصابرحسین ندوی، حفیظ الرحمن اعظمی مدنی، مولاناابوسفیان مفتاحی ہیں؛ البتہ مفتی محمد ارشاد پالنپوری اور محمد قمرالزماں ندوی نے عام حالت مینتودونونصورتونکو ناجائزقراردیاہے، جب کہ ضرورت کے وقت جائز قرار دیا ہے، ان حضرات کے مستدلات درج ذیل ہیں:

۱- ‘‘وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (المائدۃ: ۲) (دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس)۔

۲- ‘‘أحل الله البيع وحرم الربا’’ (البقرة: ۲۵۷)(محمدصابرحسین ندوی)۔

۳- ‘‘کل قرض جر نفعاً فہو ربا’’ (محمد زبیر ندوی، دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس،

مولاناابوسفیان مفتاحی، حفیظ الرحمن اعظمی مدنی)۔

۴- ''یأتی علی الناس زمان یأکلون فیہ الربا، قیل الناس کلہم یارسول اللہ؟ فقال علیہ السلام:من لم یأکلہ نالہ غبارہ'' (الفتح الربانی: ۱۵،۶۹)(دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس)۔

۵- ''لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (مشکوۃ،ص: ۲۴۴)(مفتی محمدارشادپالنپوری، حفیظ الرحمن اعظمی مدنی)۔

۶- ''فالرباحرام فی کل صورہ وأشکالہ، سواء کانت الزیادۃ کثیرۃ أم قلیلۃ، وسواء کان الاستقراض للاستثمار أم للاستہلاک'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید۴،۲۲۸) (مفتی محمداسعدفلاحی)۔

(۲) دنوں صورتوں میں اسکیم سے فائدہ اٹھانامطلقاً جائزہے ---- اس کے قائلین حافظ کلیم اللہ عمری مدنی اور مدرسہ جامعہ عربیہ سلم العلوم ہیں۔

(۳) پہلی صورت (یعنی بینک کے قرض کا پورا انٹرسٹ حکومت اداکرے) میں اسکیم سے فائدہ اٹھاناجائزہے ---- اس کے قائلین قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی شاہدعلی قاسمی، محمدجمیل اخترجلیلی ندوی، محمدنثارعالم ندوی، محبوب فروغ احمدقاسمی، محمدابرارخاننددوی، مولانامحمدعثمان، ابوالمکارم معروفی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، محمدفیاض عالم قاسمی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، سراج الحق میواتی، عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، مفتی عبدالمنان، مفتی عارف باللہ قاسمی، رحمت اللہ ندوی، خورشیداحمداعظمی مدنی، مفتی محمدجعفرملی رحمانی، محمدآزادبیگ قاسمی، خورشیدانوراعظمی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مفتی جنیدمحمدپالنپوری، محمدممتازخاننددوی، عبدالتواب اناوی، مفتی حیدرعلی قاسمی، مولانامحمدعرفان، محی الدین غازی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، محمدحذیفہ داحودی اورمفتی تنظیم عالم قاسمی ہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ''لاربوا بین سیدوعبدہ ولومدبرا، لامکاتباً؛إذلم یکن دینہ مستغرقالرقابتہ وکسبہ... التحقیق الإطلاق، وإنمایردالزائد لاللربا؛ بل لتعلق حق الغرماء'' (الدرالمختار مع الرد ۵،۱۸۵) (مفتی شاہدعلی قاسمی،محمدعثمان، ابوالمکارم معروفی)

۲- ''الأصل عندأبی حنیفۃ أن الإنسان یجوزأن لایملک الشئ بنفسہ قصداً ویملکہ بتفویضہ إلی غیرہ ویجوز أن لایملک الشئ قصداً ویملکہ حکماً'' (تاسیس النظر،ص: ۵۵) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۳- ''الأمور بمقاصدہا، وفیہا أن الشئ الواحد یتصف بالحل والحرمۃ باعتبارماقصد لہ'' (الأشباہ والنظائر، ص: ۱۱۳) (سراج الحق میواتی، مفتی حیدرعلی قاسمی)۔

۴- یہ حکومت کی طرف سے اعانت ہے، جس کے دلائل سوال نمبر(۶) کے جواب میں ذکرکردئے گئے ہیں، وہاں دیکھ لیاجائے۔

(۴) دوسری صورت(یعنی انٹرسٹ کابڑا حصہ توحکومت اداکرے؛ البتہ معمولی

حصہ قرض داراداکرے)کے سلسلہ مینمقالہ نگارونکی کئی رائیں ہیں:

(الف) یہ صورت مطلقاً ناجائزہے ---- اس کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں: عبدالحمید قاسمی، خورشیداحمداعظمی مدنی، محبوب فروغ احمدقاسمی، مفتی جعفرملی رحمانی، آزادبیگ قاسمی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مفتی محمدرمضان سعادتی، مفتی جنیدمحمدپالنپوری، مولانامحمدعرفان، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، محمدحذیفہ داحودی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، ان کے مستدلات یہ ہیں:

۱- ''والخلاصۃ أن القرض جائز بشرطین:أن لایجرنفعا، فإن کانت المنفعۃ للدافع منع اتفاقاً للنہی عنہ، وخروجہ عن باب المعروف، وإن کانت للقابض جاز '' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۳۷۹۶،۵) (خورشیداحمداعظمی مدنی)۔

۲- ''وکل قرض شرط فیہ الزیادۃ فہوحرام بلاخلاف'' (کتاب النوازل۱۱،۳۳۳)(مفتی لطیف الرحمن فلاحی)۔

(ب) مطلق جائزہے --- اس کے قائل مفتی محمدحسین قمرالدین ماہمکرہیں۔

(ج) عام حالت مینتوناجائز ہے؛ البتہ ضرورتاً جائزہے --- اس کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں: مولانا محمد عثمان، مفتی محبوب علی وجیہی، خورشیدانوراعظمی، رحمت اللہ ندوی، محمداکرم بن مولاناسلم رشید، قاضی عبدالجلیل قاسمی، سراج الحق میواتی، عباس بن یوسف،ڈاکٹرشاہ جہاننددی،مفتی حیدر علی قاسمی،قاضی محمدحسن ندوی، ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

۱- ''ویجوزللمحتاج الاستقراض بالربح'' (البحر الرائق:۶،۱۳۷،الاشباہ والنظائر) (ڈاکٹرشاہ جہاننددی،قاضی محدحسن ندوی، سراج الحق میواتی،خورشیدانوراعظمی)۔

۲- ''الضرورات تبیح المحظورات''(مفتی عبدالمنان)۔

* محمدجمیل اخترجلیلی ندوی نے ایسے فرض کفایہ علم کے حصول کے لئے اجازت دی ہے، جس کی ادائے گی کرنے والاپورے علاقہ مینکوئی نہ ہو، ورنہ درست نہیں۔

(د) قرض کاتھوڑاساحصہ سروس چارج کے حکم مینہے --- اس کے قائلین قاری ظفرالاسلام صدیقی، محمد ممتاز خاں ندوی، مفتی جمیل احمدنذیری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، محمد فیاض عالم قاسمی۔

* مفتی شاہدعلی قاسمی، ابوالمکارم معروفی، محمدفاروق، مفتی عارف باللہ قاسمی، اورعبدالتواب اناوی کی رائے یہ ہے کہ اگر سود کی مالیت اتنی کم ہوکہ سروس چارج کہاجاسکے توجائز ہے، ورنہ سوائے بدرجۂ مجبوری کے جائز نہیں ۔

سوال نمبر(۱۲):حکومت کااپنے محفوظ سودی فنڈسے افرادواشخاص کے تعاون کاشرعی حکم کیاہے؟

جواب: اس سلسلہ میں مقالہ نگاروں کی تین رائیں ہیں:

(۱) ایسی اسکیم سے استفادہ جائز ہے ---- اس کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں:

محمد جمیل اخترجلیلی ندوی، مفتی حسین قمرالدین ماہمکر، مفتی محبوب علی وجیہی، محمد اکرم بن مولاناسلم رشید، مفتی محمدرمضان سعادتی، محمدفاروق، محمدممتاز خانندوی، عبدالتواب اناوی، محی الدین غازی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مفتی اقبال احمدٹنکاروی، مفتی جنیدمحمدپالنپوری، قاضی عبدالجلیل قاسمی، خورشید انور اعظمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی عبدالمنان، محمدفیاض عالم قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی،مفتی عبدالرحیم قاسمی، محبوب فروغ احمد قاسمی، محمدنثارعالم ندوی، مفتی شاہدعلی قاسمی، محمدعثمان، ابوالمکارم معروفی، مفتی حیدرعلی قاسمی، خورشیداحمداعظمی مدنی، مفتی محمداسعدفلاحی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی،محمدقمرالزماننددوی،مفتی جمیل احمدنذیری، ان کے مستدلات درج ذیل ہیں:

۱- ''أتی النبی ﷺ بلحم، فقیل:تصدق علی بریرة، قال:ہولہاصدقة، ولنا ہدیة'' (بخاری، حدیث نمبر: ۲۵۷۷) (خورشیداحمداعظمی مدنی، محمدفیاض عالم قاسمی، مفتی محمداسعد فلاحی، محمدجمیل اخترجلیلی ندوی،مفتی اقبال احمدٹنکاروی)۔

۲- ''عن ابن مسعود أنہ سئل عمن لہ جار، یأکل الربا علانیة، ولایتحرج من مال خبیث یأخذہ، یدعوہ إلی طعام، قال: أجیبوہ، فإنما المہنأ لکم، والوزر علیہ'' (جامع العلوم والحکم، ص: ۷۱) (محمدجمیل اخترجلیلی ندوی)۔

۳- ''تبدل الملک بمنزلة تبدل العین'' (رد المحتار:۲۸۷،۳)(خورشیداحمداعظمی مدنی، محمدفیاض عالم قاسمی)۔

۴- ''ولوأن حربیاًباع من حربی درہما بدرہمین، ثم خرجا إلی دارالسلام مسلمین أوذمیین، واختصما إلی القاضی، فإن کان ذلک بعد التقابض، فالقاضی لایتعرض لذلک، ولایبطلہ'' (المحیط البرہانی: ۳۷۷،۸) (ابوالمکارم معروفی، محمدعثمان)۔

۵- ''وجاز أخذ دین علی کافر من ثمن خمر، بخلاف المسلم'' (درر الحکام:۳۱۸،۱) (مفتی شاہدعلی قاسمی، محمداکرم بن مولاناسلم رشید، مفتی محمدرمضان سعادتی)۔

۶- ''فإذأخذہ برضاہم فقد أخذ مالا مباحا بلا عذر''(تبیین الحقائق:۹۷،۴) (خورشیدانوراعظمی)۔

(۲)ایسی اسکیم سے استفادہ ناجائز ہے ---- اس کے قائلین مندرجہ ذیل مقالہ نگارہیں: عباس بن یوسف سعادتی، محمد آزاد بیگ قاسمی، سراج الحق میواتی، دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس، مفتی ارشاد پالنپوری، حفیظ الرحمن اعظمی مدنی، ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- ''ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان'' (المائدة: ۲)(دارالافتاء جامعہ سلفیہ بنارس)۔

۲- حرمت ربواپردلالت کرنے والی قرآنی آیات (دیکھئے مقالہ: حفیظ الرحمن اعظمی مدنی)۔

۳- ''درء المفاسد أولی من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً'' (الاشباہ،ص: ۲۶۴) (سراج الحق میواتی)۔

۴- ''الحرام ینتقل،أی تنتقل الحرمۃ ، وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک'' (شامی: ۳۰۰،۷) (محمدآزادبیگ قاسمی)۔

۵- ''فماأخذہ المرابی زیادۃ علی القرض فہوفی حکم الغصب والرشوۃ، ومن کان متمحضا من الربا لایجوز قبول الہدیۃمنہ ولاإجابۃ دعوتہ ولاعقد الشراء أوالبیع'' (فقہ البیوع: ۱۰۵۸،۲)(عباس بن یوسف سعادتی)۔

(۳) عام حالت میں درست نہیں، مستحقین کے لئے اور مجبوری کی حالت میں گنجائش ہے ---- اس کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں: محمدصابرحسین ندوی، عبدالحمیدقاسمی، محمدزبیرندوی، قاضی محمدحسن ندوی، محمدفلاحی، قاری ظفرالاسلام صدیقی، محمدعرفان، مفتی جعفرملی رحمانی، رحمت اللہ ندوی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ''فمن اضطرغیرباغ ولا عاد فلا إثم علیہ'' (البقرۃ: ۱۷۳)(محمدصابرحسین ندوی)۔

۲- ''الربالاتصح إباحتہ فی الشرع تبعا'' (الموسوعۃ الفقہیۃ)(محمدصابرحسین ندوی)۔

* ڈاکٹرشاہ جہاں ندوی کی رائے یہ ہے کہ اگرتعلیمی ورفاہی ادارے ضرورت مندہیں توبیت الخلاء، راستے اوردیگرعمومی مصالح کے لئے ایسی اسکیم سے استفادہ کی گنجائش ہے، جب کہ اشخاص وافرادمینصرف مستحقین کے لئے گنجائش ہے۔

* حافظ کلیم اللہ عمری مدنی اورمفتی تنظیم عالم قاسمی کی رائے مینتقوی پرعمل کرتے ہوئے اجتناب بہترہے۔

* محمدحذیفہ داحودی کی رائے یہ ہے کہ اگرحکومت اس رقم میندوسری رقوم کوملادیتی ہے تواس سے استفادہ جائز ہے، ورنہ نہیں۔ ''ولوخلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ ...لأن الخلط استہلاک'' (درمختارمع الرد۳،۲۱۷)۔

* * *

سرکار کی جاری کردہ اسکیمیں
ایک عمومی جائزہ

عبد الرشید اگوان•

کسی بھی ملک میں سرکار کا کام اپنے عوام میں نظم و ضبط پیدا کرنا، ان کے بیچ انصاف قائم کرنا، ان کی ترقی کے لئے منصوبے بنانا اور فلاح عام کا نظام ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ عوامی وسائل سے آمدنی اور ٹیکس کے ذریعہ رقومات جمع کرکے اپنی اسکیموں کو بروئے کار لاتی ہے۔ ہمارے ملک میں سرکار بجٹ اور خصوصی اہتمام کے ذریعہ عوام الناس کی بہتری کے لئے اسکیمیں بناتی ہے اور ان پر حتی الامکان عمل کرتی ہے۔ بھارت میں رہنے والے ۲۰ کروڑ کے قریب مسلمان بھی معاشرے کا ایک اہم جز ہیں اور سرکار کی مختلف اسکیموں سے استفادہ کے ذریعہ ترقی کرسکتے ہیں، اور اپنی فلاح و بہبود کے لئے اس سے مدد لے سکتے ہیں۔ مگر چونکہ سرکار کی بہت سی اسکیموں میں سود کا عنصر شامل ہے، اس لئے یہ سوال اٹھنا لازم ہے کہ مسلمانوں کو کن اسکیموں سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور کن سے گریز کرنا چاہئے۔ ذیل میں مرکزی حکومت کی ان اسکیموں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے جن کے بارے میں اس پہلو سے غور کرنا ضروری ہے کہ مسلمان ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کریں۔ صوبائی اسکیموں پر بھی اسی طرح قیاس کیا جاسکتا ہے۔

ایک عمومی جائزہ:

مرکزی حکومت کی فلاحی اسکیموں کو اپنی نوعیت کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، پہلی جو تمام لوگوں کے لئے ہیں، دوسری وہ جو تمام اقلیتوں کے لئے ہیں، اور تیسری وہ جو براہ راست مسلمانوں کے لئے ہوتی ہیں۔ اسی طرح وسائل کے ماخذ کے لحاظ سے بھی انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یعنی کہ مختلف قسم کے ٹیکس سے آمد، سرکاری املاک اور اثاثہ کے فروخت یا آمدنی سے آمد اور سرکار کے بینک کھاتوں یا اسکیم کے لئے جمع (Corpus) پر سود سے آمد۔ جو فلاحی اسکیمیں سرکار چلاتی ہیں ان کے لئے وسائل کی فراہمی بھی تین طرح سے ہوتی ہے، یعنی بجٹ میں ایک رقم مختص کرکے، کسی خاص اسکیم کے لئے ایک کثیر رقم بینک میں جمع کراکر صرف اس کے متعین سود کی آمد سے اسکیم کو چلانا اور بعض اسکیموں میں سبسڈی کے ذریعہ ضرورت مندوں کی مدد کرنا۔ (۱)

• چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اینڈ ایڈوکیسی، نئی دہلی۔

عمومی فلاحی اسکیمیں:

عمومی فلاحی اسکیموں سے ملک کا ہر مستحق شہری فائدہ اٹھا سکتا ہے اور حسب ضرورت اور استحقاق مسلمان بھی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا اٹھاتے ہیں، مثلاً:

١- تعلیم اور تعلیمی وظائف
٢- غرباء اور مساکین کے لئے راشن
٣- مستحق بزرگوں، بیواؤں اور بیواؤں کی بچیوں کے لئے پینشن، شادی میں امداد اور علاج میں سہولتیں وغیرہ
۴- نوجوانوں کی صنعتی تربیت اور کاروبار کے لئے قرض
۵- آنگن باڑی کے ذریعہ چھوٹے بچوں کی نگہداشت، تعلیم اور کھانے کا عشائیہ
۶- اسکولوں میں مڈ ڈے میل کا اہتمام
۷- بیماریوں کے خلاف ٹیکے
۸- زچگی میں سرکاری امداد
۹- ثقافتی تبادلے کے تحت دوسرے ملکوں میں تعلیم کے وظائف
١٠- بیت الخلاء اور پینے کے پانی کا انتظام
١١- بی پی ایل کے تحت ملنے والے مختلف امداد
١٢- علاج کے لئے مستحقین کے لئے بیما اسکیمیں
١٣- سفر میں حادثات کے لئے بیما اور مالی امداد کی اسکیمیں
١۴- کارخانوں اور فیکٹریوں میں حادثات کے لئے سرکاری یا سرکاری حکم پر امداد
١۵- معذورین کے لئے اسکیمیں اور سہولیات
١۶- کسانوں کے لئے قرض معافی و سبسڈی
١٧- خواتین کو مختلف ٹیکسوں میں چھوٹ

بجٹ میں سود کا عنصر:

سرکار کے سالانہ بجٹ میں ٹیکس و دیگر آمدنیوں کے علاوہ ایک رقم سودی آمدنی کی بھی شامل ہوتی ہے۔ اسی طرح سرکاری خرچوں میں ایک بڑی رقم سود اور قرض کی ادائیگی کے لئے بھی دی جاتی ہے، مثلاً ابھی حال ہی میں مرکزی حکومت کے پیش کردہ ١٨-٢٠١٧ کے بجٹ میں ١٩,٠٢١ کروڑ روپئے کی آمدنی سود سے دکھائی گئی ہے، وہیں ۵,٢٣,٠٧٨ کروڑ روپئے سود اور قرض واپسی کی مد میں شامل کئے گئے ہیں، اس طرح سرکار سود کی آمدنی سے کہیں زیادہ سودی رقم کی واپسی پر خرچ کرتی ہے۔ (٢)

سرکاری بجٹ میں خرچ کا ایک کثیر حصہ سرکار کو بینکوں کی گارنٹی کے لئے دی گئی امداد کا بھی ہوتا ہے جو اصلاً بینکوں کو سرکاری امداد ہوتی ہے مگر بینک اس رقم کو مستحقین کو سرکار کی ضمانت پر قرض کی شکل میں دے دیتے ہیں جس پر سود لگاکر اس رقم کی واپسی کی امید کی جاتی ہے، مثلاً سال رواں کے بجٹ میں ١٠,٠٠٠

کروڑ روپئے سرکار نے سرکاری بینکوں کو دینے کے لئے مختص کئے ہیں۔

اقلیتوں بشمول مسلمانوں کے لئے اسکیمیں:

اقلیتوں کے لئے خاص کی گئی اسکیمیں:

وزارت برائے اقلیتی امور کے تحت بہت سی اسکیمیں جاری ہیں جن سے ملک کی منظور شدہ اقلیتوں کے مستحق افراد اور ادارے فائدہ اٹھا سکتے ہیں مثلاً:

۱- وظائف:

درجہ اول سے لیکر پی ایچ ڈی تک تعلیم کے لئے سرکار ہر سال ایک متعین رقم مستحق طلبا و طالبات کو ادا کرتی ہے، اس میں صوبے اور اقلیتوں کی آبادی کے لحاظ سے کوٹا ہوتا ہے، چونکہ اقلیتوں کی کل آبادی میں مسلمانوں کی تعداد ۷۵% ہے، اس لئے وظائف کی تمام اسکیموں میں تین چوتھائی تعداد مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ ان اسکیموں کے نام ہیں: پری میٹرک مائناریٹری اسکالرشپ، پوسٹ میٹرک مائناریٹری اسکالرشپ، میرٹ کم مینس اسکالرشپ اور مولانا آزاد ریسرچ فیلوشپ۔ یہ تمام اسکیمیں مرکزی بجٹ میں ایک رقم مختص کرکے چلائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کئی صوبائی حکومتیں بھی وظائف کی اسکیمیں چلاتی ہیں۔ (۳)

۲- کوچنگ اسکیمیں:

اقلیتوں سے جڑے ہونہار طلبا کے لئے اچھے کورس میں داخلہ کے لئے اور سرکاری نوکریاں حاصل کرنے کے لئے کوچنگ فراہم کرنے کے لئے یونیورسٹیوں یا فلاحی اداروں یا ٹریننگ دینے والی کمپنیوں کو سرکار مدد فراہم کرتی ہے، یہ رقم بھی بجٹ کے ذریعہ ہی فراہم کی جاتی ہے۔

۳- ایم ایس ڈی پی: (ملٹی سیکٹرل ڈیولپمنٹ پروگرام):

اس اسکیم کے تحت جن اضلاع یا بلاک میں اقلیتی طبقوں کی آبادی ۲۰ فیصد سے زیادہ ہوتی ہے وہاں بنیادی ڈھانچوں مثلاً اسکول، اسپتال، ہاسٹل، آئی ٹی آئی، روڈ، پانی کی سہولت، وغیرہ کے لئے منظور شدہ پروجیکٹ کے مطابق ضلع کلکٹر کی معرفت رقم خرچ کی جاتی ہے، ان اسکیموں سے اقلیتی طبقے اور دوسرے طبقات بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۴- صنعتی قرض:

نیشنل مائنارٹیز ڈیولپمنٹ فائنانشیل کارپوریشن (NMDFC) اقلیتوں کو صنعتی قرض دلواتا ہے اور مسلمان بھی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ادارہ ۱۹۹۴ میں قائم کیا گیا اور ایک خاص رقم بینکوں میں Corpus رکھ کر اس کی سالانہ اضافی رقم سے قرض دیئے جاتے ہیں، فی الحال یہ ((Corpus۱۵۰۰ کروڑ کا ہے جس کی آمدنی میں سے سالانہ ۲۰ لاکھ روپئے تک کے کاروباری قرض مرد کو ۸% کی شرح سود پر اور خواتین کو ٦% کی شرح سود پر زر ضمانت کے ذریعہ دیئے جاسکتے ہیں۔ یہ ادارہ صنعتی تربیت کے لئے مستحق طلباء کو سود پر قرض بھی دیتا ہے۔

۵- مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن:

یہ ادارہ مولانا آزاد کی سالگرہ کے موقع پر ۱۰۰ کروڑ کی رقم کے) Corpus۴) سے بنایا گیا تھا جس کے سود کی آمدنی سے اس کی دو اسکیمیں چلائی جاتی ہیں، پہلی اسکیم میں تعلیمی اداروں، آئی ٹی آئی، ہاسٹل وغیرہ کی تعمیر اور ان کی لیبارٹری کے لئے آلات اور مشینوں کے لئے امداد فراہم کی جاتی ہے، اور دوسری اسکیم میں اچھے نمبرات سے دسویں پاس کرنے والی لڑکیوں کو گیارہویں اور بارہویں میں تعلیم کے لئے ۱۰,۰۰۰ روپئے سالانہ کی امداد دی جاتی ہے، گو کہ اداروں اور طالبات کی امداد پر کوئی سود یا قرض واپسی کی شرط نہیں ہے، مگر فاؤنڈیشن کی آمدنی سود سے ہی ہوتی ہے۔

۶- دیگر اسکیمیں:

وزارت برائے اقلیتی امور کے تحت چند دوسری اسکیمیں ہیں، مثلاً اسکل ڈیولپمنٹ (Skill Development)، اور صنعتی تربیت کے لئے امداد، ''نئی منزل '' کے تحت خواتین میں قائدانہ صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اور مختلف پروگرام منعقد کرنے کے لئے ''نئی روشنی '' کے تحت امداد، اسکول چھوڑ دینے والے بچوں کی تربیت اور قابلیت پیدا کرنے کے لئے ''استاد ''، اور نوجوانوں میں اسکل پیدا کرنے کے لئے (MANAS)۔ ان سبھی اسکیموں کے لئے بجٹ میں رقم مختص کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کے لئے براہ راست اسکیمیں:

سرکاری اسکیموں میں کچھ اسکیمیں ایسی ہیں جن سے مسلمان براہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں جو کہ مدرسوں کی جدید کاری کے لئے امداد، فروغ اردو، حج سبسڈی اور مرکزی وقف کونسل کی اسکیموں کی شکل میں موجود ہیں۔ (۵)

۱- مدرسوں کی جدید کاری:

مرکزی وزارت برائے ترقی انسانی وسائل (HRD) کے تحت مدرسہ موڈرنائزیشن کے لئے منظور شدہ مدرسوں کو اپنے دینی تعلیم کے طلبا اور طالبات کو جدید مضامین، مثلاً انگریزی، ریاضی، سائنس اور ہندی پڑھانے کے لئے اساتذہ کے طے شدہ مشاہروں کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے، فی الحال یہ اسکیم ۱۲۰ کروڑ روپئے سالانہ ہے جو کہ بجٹ میں رقم مختص کرکے فراہم کی جاتی ہے۔

۲- حج سبسڈی:

مرکزی حکومت حج سبسڈی کے تحت تقریباً ۷۰۰ کروڑ روپئے سالانہ ادا کرتی ہے جو حاجیوں کے ٹکٹ کی کل رقم میں شامل ہوتا ہے، یہ رقم بھی بجٹ میں شامل کرکے فراہم کی جاتی ہے۔

۳- مرکزی وقف کونسل:

صوبائی اوقاف سے سالانہ آمدنی اور مرکزی حکومت کی فراہم کردہ رقم سے مرکزی وقف کونسل کو امدادی رقم فراہم کی جاتی ہے، وقف کونسل کے تحت چلنے والی

اسکیمیں اس طرح ہیں:

۱- آئی ٹی آئی کی تعمیر کے لئے مسلم اکثریت والے علاقوں میں ادارہ بنانے کے لئے امداد

۲- فلاحی تنظیموں اور اداروں کو امداد

۳- لائبریری اور بک بینک بنانے کے لئے اداروں کی مدد

۴- شہری اوقاف کی ترقی کا ادارہ:

نیشنل وقف ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا قیام ۲۰۱۵ میں ہوا جسے ۱۹۷۵سے شہری وقف کی ترقی کے لئے مرکزی وقف کونسل کی سودی قرض اسکیم کی تجدید کے بعد قائم کیا گیا، اس کے ۱۰۰ کروڑ کے Corpus میں ۴۹ فیصد حصہ NMDFC کا، ۹فیصد حصہ مرکزی وقف کونسل کا اور باقی اوقاف سے جڑے دیگر اداروں کا رکھا گیا ہے۔ اس کا مقصد وقف جائداد کو کار آمد بنانا ہے، تاکہ ان سے دور جدید کے مطابق مناسب آمدنی ہو جو کہ مسلمانوں اور ملک کی ترقی کے لئے استعمال ہوسکے۔ اس کے تحت کسی وقف کو بہتر اور مالی اعتبار سے مفید بنانے کے لئے طویل مدتی قرض فراہم کیا جاتا ہے۔ گو کہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ قرض بلاسودی ہے، مگر ''ایجوکیشن ڈونیشن '' کے نام پر قرض دار ادارے کو قرض کی ٦% سالانہ رقم تب تک ادا کرنی پڑتی ہے جب تک کہ دی گئی اصل رقم کی ادائیگی نہیں ہوجاتی۔

چند سوال:

ان اسکیموں کے بارے میں چند ابھرنے والے اہم سوالات درج ذیل ہیں:

۱- مرکزی حکومت کے کل بجٹ میں سودی آمدنی اور خرچ کا ایک عنصر شامل ہے، حالانکہ سود کی آمدنی سے زیادہ سود کی ادائیگی پر خرچ ہوتا ہے۔ کیا اس سے سرکار کی تمام اسکیموں سے استفادہ میں کوئی حرج واقع ہوگا؟

۲- جس طرح سرکاری ملازمین، جن میں مسلمان بھی شامل ہیں کو تمام تنخواہیں اور پنشن کارپس (Corpus) کی رقم کے سود سے فراہم کی جاتی ہے، کیا کارپس سودی یا غیر سودی آمدنی سے چلنے والی اسکیموں کی کوئی مطابقت ہے؟

۳- حج سبسڈی کے نام پر حاجیوں سے معمول سے زیادہ کرایا وصول کرکے سرکاری ہوائی جہاز کمپنی کو مدد دی جاتی ہے، کیا اس کے خلاف آواز بلند ہونی چاہئے؟

۴- کیا سودی آمدنی والے کارپس سے امداد مثلاً مولانا آزاد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن بھی سودی رقم والی مانی جائے گی؟ یا پھر کارپس بنانا سرکاری ذمہ داری سمجھ کر اس امداد کو سودی نہیں مانا جائے گا۔

۵- کیا ''ایجوکیشن ڈونیشن '' کے نام پر ٦% اضافی رقم کو سود مانا جائے گا۔؟

۶- ''پڑھو پردیش '' کے نام سے وزارت کی ایک اسکیم ہے جس میں ملک سے باہر جاکر تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو ۱۰ لاکھ روپئے تک کا قرض دیا جاتا ہے جس کی

زرِ ضمانت سرکار ادا کرتی ہے، مگر یہ رقم سود کے ساتھ واپس ادا کرنے کی ذمہ داری طالب علم کی ہوتی ہے۔

۷-فروغ اردو: وزارت برائے ترقی انسانی وسائل کے تحت فروغ اردو کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو (NCPUL) کی جانب سے اردو کمپیوٹر سنٹر کھولنے، اردو اور عربی تعلیم کے لیے کورس، اردو میں کتابوں کی اشاعت، ترجمہ کے لیے رقم فراہم کی جاتی ہے۔ یہ رقم سالانہ بجٹ کا حصہ ہوتا ہے۔

۸- وزارت ترقی انسانی وسائل (HRD) کے تحت اقلیتی اسکولوں کی تعمیر کے لیے (IDMI) اسکیم چلائی جاتی ہے جو کہ اس وقت بند ہے۔ یہ اسکیم بجٹ میں رقم مختص کرکے چلتی ہے۔ کیا مسلمانوں کو اس اسکیم کو دوبارہ چلانے کی مانگ کرنی چاہئے؟

حواشی

۱- سرکار ان تین طرح کی آمدنیوں کا ایک اندازہ لگا لیتی ہے اور پھر بجٹ بناتی ہے، اور مختلف اسکیموں کے لئے فنڈ مختص کرتی ہے، ان آمدنیوں میں سودی اور غیر سودی دونوں شامل ہوتی ہیں، اور بجٹ بناتے وقت ان میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا ہے۔

۲ - یعنی سرکار کسی کمپنی، ادارہ یا کسی ملک سے سودی قرض لیتی ہے تو ادائیگی کے وقت طے شدہ سود سے زیادہ رقم سرکار کو ادا کرنی پڑتی ہے، اس طرح سود سے حاصل ہونے والی آمدنی سود میں چلی جاتی ہے۔

۳- اس میں صرف مولانا آزاد ریسرچ فیلوشپ سودی رقم سے ملتی ہے، بقیہ اسکالرشپ مرکزی بجٹ سے دیا جاتا ہے۔

۴- کارپس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پروجیکٹ کے لئے ایک رقم مختص کرکے بینک یا کمپنی کے حوالہ کردیا جائے اور پھر اس سے جو رقم بطور سود ملے اسے اس پروجیکٹ پر خرچ کیا جائے۔

۵- اس کے لئے حکومت فنڈ مختص کردیتی ہے، اس میں سودی اور غیر سودی رقم کی تخصیص نہیں ہوتی ہے۔

* * *

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

سرکاری اسکیموں سے استفادہ، احکام اور مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی•

تمہید:

سرکاریں عام شہریوں کے فائدے کے لئے مختلف اسکیمیں جاری کرتی ہیں، جن کا انتظام سرکاری خزانہ سے ہوتا ہے جو عوام کی ملکیت ہے، اگرچہ کوئی فرد اپنی انفرادی حیثیت سے سرکاری خزانہ کا مالک نہیں ہے، لیکن ہر فرد اپنی انفرادی حیثیت میں عوامی خزانہ سے مقررہ ضابطے کے تحت فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

چنانچہ عوامی خزانہ ایک ایسی مشترکہ دولت ہے جس سے فائدہ اٹھانے کا حق عام ہندوستانی باشندوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ سرکاری ترقیاتی اسکیموں (Scheme) ، دوکان اور مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی، صنعت وحرفت کی ہمت افزائی اور بیکاروں کو باکار بنانے کے لئے حکومتی پروجیکٹوں (Porojects) سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

سوال نمبر (۱) کا جواب:

ایسے حکومتی قرضے لینا جائز ہے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة، وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون'' (۲؍البقرہ: ۲۸۰) (اور اگر مقروض نادار وتنگ دست ہو تو فراخی وکشادگی تک اس کو مہلت دو، اور معاف کردو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پوری اصل رقم معاف کرنے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ یہ بہت بہتر اقدام ہے، اور اس کا اجر وثواب بے پایاں ہے، تو جب پوری اصل رقم معاف کرنے کی اجازت ہے، تو قرض کے کچھ حصہ کو معاف کرنے کی بدرجۂ اولی اجازت ہوگی۔

الوسی رحمہ اللہ تعالی لکھتےہیں: ''وتصدقكم على معسرى غرمائكم برؤوس أموالكم كلا أو بعضاً (خير لكم) أى أكثر ثواباً من الإنظار'' (الوسی، رو ح المعانی۳؍۵۴، بیروت، دار الاحیاء، ح۔أ: ۳۰) (تمہارا اپنے غریب اور نادار مقروضوں کو مکمل اصل رقم یا اس کا کچھ

• عمید کلیۃ الحدیث جامعہ اسلامیہ، شانتاپرم، مالاپرم، کیرالہ۔

حصہ بخش دینا تمہارے لئے مہلت دینے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے)۔

۲۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''أنہ تقاضی ابن أبی خدر رد دینا کان لہ علیہ فی المسجد، فارتفعت أصواتہما، حتی سمعہا رسول اللہﷺ وہو فی بیتہ، فخرج إلیہما حتی کشف سجف حجرتہ، فنادی یا کعب! قال: لبیک یا رسول اللہ، قال: ضع من دینک ہذا، وأومأ إلیہ أی الشطر، قال: لقد فعلت یا رسول اللہ! قال: قم فاقضہ'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۵۸) (انہوں نے ابن ابی حدرد سے مسجد کے اندر اپنے اس دین کا تقاضا کیا جو اس کے ذمہ تھا، سو دونوں کی آواز بلند ہوگئی، یہاں تک کہ رسول کریمﷺ نے اپنے گھر کے اندر ہماری آواز سنی اور ہماری طرف نکلے اور اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا اورندا لگائے اے کعب! انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں، تب آپﷺ نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اپنے دین میں سے اتنا، یعنی آدھا کم کردو، انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول میں نے ایسا کیا، اس وقت آپﷺ نے ابن حدرد کو حکم دیا کہ اٹھو اور بقیہ دین ادا کردو)۔

۳۔ حضرت ابومسعود بدری انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حوسب لرجل ممن کان قبلکم، فلم یوجد لہ من الخیر شئی، إلا أنہ کان یخالط الناس، وکان موسراً، فکان یأمر غلمانہ أن یتجاوزوا عن المعسر، قال: قال اللہ عزوجل: نحن أحق بذلک منہ، تجاوزوا عنہ'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۶۱، بخاری، الادب المفرد، حدیث نمبر: ۲۹۳، سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۰۷) (تم سے پہلی امت کے ایک شخص کا حساب لیا گیا، لیکن اس کی نیکی سے کوئی غیر معمولی چیز نہیں پائی گئی، البتہ لوگوں سے اس کا معاملہ تھا، اور وہ مالدار تھا، اور اپنے غلاموں کو حکم دیتا تھا کہ تنگ دست سے درگزر کرو اور اسے معاف کردو، سو اللہ تعالی نے فرمایا: میں اس سے زیادہ اس بات کا حقدار ہوں، اسے معاف کردو)۔

۴۔ حضرت ابو الیسر کعب بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من أنظر معسراً أو وضع عنہ، أظلہ اللہ فی ظلہ'' (صحیح مسلم ، حدیث نمبر: ۳۰۰۶، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۰۴۴، طحاوی، شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر: ۳۸۱۷، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۵۵۲۱) (جو تنگ دست کو مہلت دے یا اس کے دین معاف کردے، اسے اللہ تعالی اپنے سایہ میں جگہ دے گا)۔

یہ احادیث اگرچہ انفرادی معافی کی فضیلت کو اجاگر کررہی ہیں، لیکن حاکم وقت کو بھی حق ہے کہ عوامی خزانہ سے لیے گئے پورے قرض کو یا اس کے کچھ حصہ کو معاف کردے، کیونکہ سرکاری خزانہ کا ایک مصرف یہ بھی ہے کہ اس سے ناداروں اور غریبوں کی مدد کی جائے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں: ''وأما النوع الرابع فیصرف

إلی دواء الفقراء والمرضی وعلاجہم ... وعلی الإمام صرف ہذہ الحقوق إلی مستحقیہا'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۶۹،۲، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء) (بہرحال چوتھی قسم تو اسے فقراء اور بیماروں کے علاج ومعالجہ اور ان کی دوا کی فراہمی میں خرچ کیا جائے گا ... اور اما م پر واجب ہے کہ ان حقوق کو ان کے حقداروں تک پہنچائے، اور صحیح مصرف میں استعمال کرے اور واقعی مد میں خرچ کرے)۔ اور یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ حاکم وقت کو ایسے قوانین بنانے کا حق ہے جو معاملات کو منظم کریں، او ران سے لوگوں کے حق میں عمومی مصلحت حاصل ہو۔

لہذا قرض کا حقدار حکومت کی معافی سے فائدہ اٹھاسکتا ہے۔

سوال نمبر (۲) کا جواب:

قرض میں اگر سود کی شرط نہیں ہے تو وہ بہرصورت جائز ہے، خواہ اس میں یہ قید ہو کہ ایک سال کے اندر مثلاً قرض کی واپسی پر نصف قرض معاف کردیا جائے گا، اور ایک سال کے بعد ادا کرنے کی صورت میں قرض کی پوری رقم ادا کرنی ہوگی، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ قرض حسن ہے جس میں کسی طرح کا کوئی سود نہیں ہے، اور اسلام کی نگاہ میں قرض حسن کی بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ أضعافاً کثیرۃ، واللہ یقبض ویبسط وإلیہ ترجعون'' (۲،البقرہ: ۲۴۵) (اور کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ اللہ اس کو اس کے لئے کئی گنا بڑھائے، اللہ ہی ہے جو تنگ دستی بھی دیتا ہے اور کشادگی بھی دیتا ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹنا بھی ہے)۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ ولہ أجر کریم'' (۵۷،الحدید: ۱۱) (کون ہے کہ اللہ کو قرض دے اچھا قرض کہ وہ اس کو اس کے لئے بڑھائے، اور اس کے لئے باعزت صلہ ہے)۔

اگرچہ ان آیات کے اندر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، لیکن انسانوں کو دیا جانے والا قرض حسنہ بھی اسی فضیلت میں داخل ہے۔

۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رأیت لیلۃ أسری بی علی باب الجنۃ مکتوباً: الصدقۃ بعشر أمثالہا، والقرض بثمانیۃ عشر، فقلت لجبریل: ما بال القرض أفضل من الصدقۃ؟ قال: لأن السائل یسأل وعندہ، والمستقرض لا یستقرض إلا من حاجۃ'' (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۴۳۱، اور اس کی سند میں کلام ہے) (معراج کی رات میں نے جنت کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا پایا: صدقہ کا ثواب دس گنا ملتا ہے، اور قرض کا ثواب اٹھارہ گنا ملتا ہے، سو اس پر میں نے حضرت جبریل سے پوچھا: قرض صدقہ سے کیوں افضل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بھکاری بھیک مانگتا ہے حالانکہ اس کے پاس کچھ مال ہوتا ہے، جبکہ قرض کا خواستگار ضرورت کی بنا پرہی

قرض طلب کرتا ہے)۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من کان فی حاجۃ أخیہ، کان اللہ عزوجل فی حاجتہ، ومن فرّج عن مسلم کربۃ، فرّج اللہ عزوجل عنہ بہا کربۃ من کرب یوم القیامۃ'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۴۴۲، ۶۹۵۱، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۵۸۰، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۸۹۳، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۴۲۶، نسائی، السنن الکبری، حدیث نمبر: ۷۲۹۱) (جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، اللہ عزوجل اس کی ضرورت پوری کرے گا، اور جو مسلمان کی پریشانی دور کرے گا، تو اللہ عزوجل قیامت کی اس کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کا ازالہ فرمائے گا)۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''ما من مسلم یقرض مسلماً قرضاً مرتین إلا کان کصدقتہا مرۃ'' (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۴۳۰، دیلمی، الفردوس، حدیث نمبر: ۶۰۶۶، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (جو مسلمان کسی مسلمان کو دومرتبہ قرض دے گا، وہ ایک بار اس کے صدقہ دینے کے درجہ میں ہے)۔

۵۔ سرکاری خزانہ چونکہ عوامی ملکیت ہے، لہذا مقررہ ضابطے کے تحت حکومت کو عام لوگوں کی بھلائی کے لئے قرض کا کل یا بعض حصہ معاف کرنے کا اختیار ہے، اور قرض کے حقدار کو اس معافی سے فائدہ اٹھانے کا بھی حق ہے۔

۶۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ''وأما الذی یرجع إلی نفس القرض فہو أن لا یکون فیہ جر منفعۃ، فإن کان لم یجز'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۳۹۵،۷) (بہرحال جس شرط کا تعلق نفس قرض سے ہے تو وہ یہ ہے کہ اس میں نفع کی تحصیل نہ ہو، سو اگر قرض فائدہ پر مشتمل ہو تو جائز نہیں ہے)۔

اور چونکہ معافی والا قرضہ نفع کی شرط سے خالی ہے، لہذا جائز ہے۔

سوال نمبر (۳) کا جواب:

مہلت اور میعاد کے بدلہ جو زیادتی طلب کی جاتی ہے وہ سود ہے، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں سود کا یہی طریقہ زیادہ رائج تھا، جیسا کہ علامہ ابن عادل ابو حفص عمر بن علی (و: ۸۸۰ھ) رقمطراز ہیں: ''ثم إذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال، فإن تعذر علیہ الأداء زادوا فی الحق والأجل، فہذا ہو الربا الذی کانوا یتعاملون بہ فی الجاہلیۃ'' (ابن عادل، اللباب فی علوم الکتاب ۴۴۸،۴ھ، بیروت، العلمیہ، ۱۴۱۹ھ۱۹۹۸ء، ط: ۱) (پھر جب دین کی ادائیگی کا وقت آتا، تو قرض دینے والے افراد مقروض سے اصل رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتے، سو اگر اس کے لئے قرض کی رقم ادا کرنا دشوار ہوتا تو رقم اور مدت میں اضافہ کردیتے، چنانچہ یہ سود کی وہ صورت ہے جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی)۔

لہذا مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنے کی شرط سودی شرط ہے، اور جو معاملہ بھی سودی شرط پر مشتمل ہو وہ قطعی طور سے حرام ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة ’’ (۲؍البقرہ: ۲۸۰) (اور اگر مقروض نادار ہو تو ہاتھ کشادہ ہونے تک اس کو مہلت دو)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تنگ دست کو مہلت دینا واجب ہے، اور قرض کو سودی قرض میں تبدیل کردینا حرام ہے۔ لہذا شروع سے ہی یہ عقد حرام ہے اگرچہ مقررہ مدت کے بعد ادائیگی نہ ہو؛ کیونکہ اصل اعتبار شرط لگانے کا ہے، اور تاخیر کی صورت میں زائد رقم کی شرط سودی اضافہ کی شرط ہے جو واضح طور سے حرام ہے، اور اس امر کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ شاید وقت مقررہ پر ہی ادائیگی ہوجائے، اس لئے کہ حرمت کا تعلق اصل عقد سے ہے نہ کہ ادائیگی سے۔

۲۔ اصل رقم پر اضافہ کی شرط عقد کو فاسد کرنے والی شرطوں میں سے ایک شرط ہے کیونکہ فساد کے عمومی اسباب میں سے ایک ربا ہے، چنانچہ ابن رشد حفید رقمطراز ہیں: ‘‘وإذا اعتبرت الأسباب التى من قبلها ورد النهى الشرعى فى البيوع، وهى أسباب الفساد العامة، وجدت أربعة:أحدها:تحريم عين المبيع، والثانى:الربا، والثالث: الغرر، والرابع: الشروط التى تئول إلى أحد هذين أو لمجموعهما’’ (ابن رشد، بداية المجتهد، كتاب البيوع، أسباب الفساد ۲؍۱۰۳، بیروت، دار الفكر، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء) (اور اگر تم ان اسباب کا شمار کروگے جن کے سلسلہ میں خرید وفروخت کے معاملہ کے اندر شرعی ممانعت وارد ہے، اور جو فساد کے عمومی اسباب میں سے ہیں، تو تم چار چیزوں کو پاؤگے (۱) ایک عین مبیع کی حرمت، (۲) دوم: سود، (۳) سوم: غرر (انجام سے بے خبری) اور (۴) چہارم: وہ شرطیں جن کا تعلق سود یا غرر میں سے کسی ایک یا دونوں سے ہوں)۔

اور علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ‘‘واشتراط الربا فى العقد مفسد له’’ (کاسانی، بدائع الصنائع ۵؍۱۹۴) (عقد کے اندر ربا کی شرط لگانا عقد کو فاسد کردیتا ہے)۔

۳۔ ایک مسلمان پر واجب ہے کہ ہر ایسے معاملہ سے دور رہے جس میں سود یا سود کا شبہ ہو، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: ‘‘وأما الذى يرجع إلى نفس القرض فهو أن لا يكون فيه جر منفعة، فإن كان لم يجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلّة على أن يرد عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطا له فيه منفعة، لما روى عن رسول اللهﷺ أنه نهى عن قرض جر نفعاً’’ (مسند الحارث (زوائد الہیثمی) ۱؍۵۰۰، حدیث نمبر: ۴۳۷، او راس کی سند میں اگرچہ کلام ہے، لیکن اس کا مفہوم کئی صحابہ جن میں عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عبد اللہ بن سلام، ابن عباس اور عمر رضی اللہ تعالی عنہم سے صحیح سند سے ثابت ہے)،‘‘ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضل لايقابله عوض، والتحرز عنه حقيقة الربا

وعن شبہۃ الربا واجب" (کاسانی، بدائع الصنائع، کتاب القرض، شرائط القرض ۳۹۵،۷) (اور رہی وہ شرط جس کا تعلق نفس قرض سے ہے، تووہ یہ ہے کہ اس کے اندر منفعت کی تحصیل نہ ہو، سو اگر منفعت کی تحصیل ہو تو ایسا قرض جائز نہیں، جیسے کسی کو کھوٹے درہم قر ض دے اس شرط کےساتھ کہ وہ کھرے سکے واپس کرے، یا قرض دے اور ایسی شرط لگائے جس میں قرض دینے والے کا فائدہ ہو، اس حدیث کی وجہ سے جو رسول کریمﷺ سے مروی ہے کہ آپﷺ نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جو نفع کی تحصیل کا ذریعہ بنے، اور اس لئے بھی کہ اضافہ کی شرط سود کے مشابہ ہے کیونکہ وہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے، اور ربا کی حقیقت اور شبہ دونوں سے بچنا واجب ہے)۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

شرح سود کے کم یا زیادہ ہونے کا اثر سود کی حرمت پر نہیں پڑتا ہے، لہذا قرض کی اصل رقم پر جو اضافہ ہو، خواہ کم ہو یا زیادہ، وہ سود میں داخل ہے، اور اسلام صرف سود ہی نہیں، بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور بھاگنے کو لازم قرا ردیتا ہے، چنانچہ کتاب وسنت میں سود خوری پر بڑی سخت وعیدیں وار دہوئی ہیں، اس کی شناعت، قباحت اور برائی کو سمجھنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالی نے اس پر سود خور کو اعلان جنگ دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘یا أیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربو إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ" (۲،البقرہ: ۲۷۸۔۲۷۹) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی ماندہ سود ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، سو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے)۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ ‘‘لعن رسول اللہﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۹۸) (رسول کریمﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، گواہوں پر، لکھنے والے پر، اور فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں)۔

لہذا کم شرح سود کو سروس چارج یا انتظامی خرچ میں شمار کرنا درست نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اس میں سالانہ اضافہ ہوتا ہے، اگر یہ سروس چارج ہوتا تو اس میں سالانہ اضافہ نہ ہوتا، اس لئے کہ اس پر سود کی تعریف صادق آرہی ہے؛ کیونکہ وہ مہلت کے بدلہ ہے اور بلا عوض زائد مال ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ‘‘فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال" (ابن نجیم، البحر الرائق ۱۳۵،۶) (مال کا مال سے تبادلہ کے وقت

بلاعوض زائد مال کو شرعی اصطلاح میں سود کہتے ہیں)۔

۲۔ واقعی اخراجات تو ہر بینک اپنے گاہک (Client) سے وصول کرتا ہی ہے، لہذا ایک ہی چیز کے لئے ڈبل چارج نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔ بینک اورماہرین اقتصادیات بھی کم شرح سود کو سود ہی تسلیم کرتے ہیں، اور سروس چارج نہیں قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم لی جاتی ہے اگرچہ کم ہو، لیکن وہ سود ہی ہے جو اسلام کی نگاہ میں سخت حرام ہے، خواہ وہ سود مفرد ہو کہ سالانہ شرح سود کی رقم کو اصل رقم کے ساتھ جوڑ کر اس پر سود نہیں لگایا جاتا ہو، بلکہ ہرسال کی شرح سود کاحساب الگ رہتا ہو، یا مرکب سود ہو کہ سالانہ شرح سود کی رقم کو اصل رقم کےساتھ جوڑ کر ساری رقم پر سود لگایا جاتا ہو۔ البتہ ملکی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کا حق چونکہ مسلمانوں کو بھی ہے لہذا اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لئے سود دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں گناہ سود خور پر ہوگا نہ کہ سود دینے والے پر، چنانچہ فقہاء نے اپنے حق کو حاصل کرنے کےلئے یا ظلم وضرر کو دور کرنے کے لئے رشوت دینے کو جائز قرار دیا ہے (دیکھئے: ابن عابدین، رد المحتار ۷۲٫۵، ۲۲۲٫۸، ۵۰۹٫۸، رملی، نہایۃ المحتاج ۳۳۶٫۸)۔

سوال نمبر (۵) کا جواب:

سرکار کی طرف سے دیئے جانےو الے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو، تو اس صورت میں بھی یہ سود ہے جس کا لینا دینا ناجائز ہے، اور اسلامی شریعت میں سخت حرام اور گناہ کبیرہ میں سے ہے اور اس پر کتاب وسنت میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''وأحل الله البيع وحرم الربو'' (۲٫البقرہ: ۲۷۵) (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال ٹھہرایا اور سود کو حرام قرار دیا)۔ اور ارشاد ہے:''يمحق الله الربا ويربى الصدقات'' (۲٫ البقرہ: ۲۷۶) (اللہ سو دکو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے)۔

اور فرمان الہی ہے: ''يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربا أضعافاً مضاعفة، واتقوا الله لعلكم تفلحون'' (۳٫آل عمران: ۱۳۰) (اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ دگنا چوگنا بڑھا کر، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

اور عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکۃ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''درہم ربا يأكله الرجل وهو يعلم، أشد من ستة وثلاثين زنية'' (مسند احمد حدیث نمبر: ۲۱۹۵۷، مسند بزار، حدیث نمبر: ۳۳۸۱، طبرانی، المعجم الاوسط حدیث نمبر: ۲۷۰۳، اور اس کی سند صحیح ہے، لیکن اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے) (سود کا ایک درہم جو آدمی جانتے بوجھتے کھائے وہ چھتیس زنا سے بڑھ کر ہے)۔ اور حضرت عبد اللہ بن

مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الربا ثلاثۃ وسبعون باباً أیسرہا مثل أن ینکح الرجل أمہ'' (حاکم، المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر: ۲۲۵۹، بیہقی ، شعب الایمان حدیث نمبر: ۵۵۱۹، اور اس کی سند صحیح ہے) (سود کی تہتر دروازے ہیں ان میں سب سے کم تر یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اجتنبوا السبع الموبقات''، قالوا: یا رسول اللہ، وما ہن؟ قال: الشرک باللہ، والسحر، وقتل النفس التی حرم اللہ إلا بالحق، وأکل الربا، وأکل مال الیتیم، والتولی یوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۷۶۶، ۶۸۵۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۹) (سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، وہ کیا ہیں؟ جواب ملا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اللہ تعالی کی حرام کردہ جان کو ناحق ہلاک کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا، اور بے خبر با ایمان پاکدامن خواتین پر تہمت لگانا)۔

البتہ چونکہ ہندوستان جیسے ملک میں مسلمان سرکاری خزانہ سے انتفاع کے اپنے جائزحق کو سود دیئے بغیر حاصل نہیں کرسکتے ہیں، لہذا مسلمانوں کے ارباب حل وعقد کو اولا اس نظام کو بدلوانے کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن جب تک یہ فاسد نظام تبدیل نہ ہوجائے، اس وقت تک بدرجۂ مجبوری مسلمانوں کے لئے اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے سود دینے کی گنجائش ہوگی، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر،۹۲) (محتاج شخص کے لئے جائز ہے کہ سود پر قرض حاصل کرے)۔

اور اس صورت میں گناہ لینے والے پر ہوگا، کیونکہ دینے والا مجبور ہے۔

اور ضرورت میں کھانا، کپڑا اور مکان شامل ہے، اور ضرورت کی بنا پر حرام شئی مباح ہوجاتی ہے، جیسا کہ مشہور فقہی ضابطہ ہے: ''الضرورات تبیح المحظورات'' (حصکفی، الدر المختار ۵۳۳،۳) (ضرورتیں ممنوعات کو مباح ٹھہراتی ہیں)۔

اور علامہ شاطبیؒ نے ضرورت کی تعریف اس طرح کی ہے:''أنہا لا بد منہا فی قیام مصالح الدین والدنیا، بحیث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامۃ، بل علی فساد وتہارج وفوت حیاۃ، وفی الأخری فوت النجاۃ والنعیم، والرجوع بالخسران المبین'' (شاطبی، الموافقات ۱۸-۱۷،۲، ط: ۱، دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷ء) (دین اور دنیا کی مصلحتوں کے وجود میں آنے کے لئے جو لازم ہے، وہ ضرورت ہے، اس طرح کہ اگر وہ مفقود ہوجائے تو دنیا کی مصلحتیں درست نہ رہ سکیں، بلکہ فساد پیدا ہوجائے، ہنگامہ اور لڑائی کی نوبت آجائے، اور زندگی فوت ہوجائے، اور آخرت میں نجات نہ ملے، اخروی نعمت کا حصول نہ

ہو اور کھلے ہوئے خسارہ سے انسان دوچار ہوجائے)۔ اور کھانا، کپڑا، اور مکان ایسی ہی ضرورتیں ہیں کہ وہ اگر دستیاب نہ ہوں تو انسانی زندگی فوت ہوجائے، لہذا اضطراری حالت میں بقدر ضرورت سود دینے کی گنجائش ہے۔

لیکن جانوروں کو پالنا، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار حاجت کے درجہ میں ہیں کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے تقریباً بند ہیں، معاش کی تحصیل کے لئےیہ سب چیزیں ناگزیر ہیں، اور چونکہ بہت سے مواقع میں شریعت نے حاجت کو ضرورت کے درجہ میں رکھا ہے، جیسا کہ مشہور فقہی ضابطہ ہے: ''الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ کانت أو خاصۃ'' (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ۹۱،) (حاجت ضرورت کا درجہ اختیار کرلیتی ہے خواہ عمومی حاجت ہو یا انفرادی)۔

لہذا حاجت شدیدہ کی بنا پر بھی سود دے کر قرض لینے کی گنجائش ہوگی، تاکہ ہندوستان جیسے ملک میں مسلمان بہتر روزگار اور عمدہ کاشت کے ذریعہ باعزت طریقہ پر اپنی روزی حاصل کرسکیں، خاص طور سے اس کی گنجائش اس لحاظ سے مزید مؤکد ہوجاتی ہے کہ سرکاری خزانہ سے انتفاع کا حق مسلمانوں کو بھی ہے، لہذا وہ اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے بدرجۂ مجبوری سود دے رہے ہیں۔

سوال نمبر (۶)کا جواب:

ملک کا ہر شہری اپنی انفرادی حیثیت میں عوامی خزانہ سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے، اور دستور ہند کی رو سے ہر شہری کو مقررہ ضابطے کےتحت سرکاری خزانہ سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے لہذا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حکومت ہر شہری کے تکفل کی ذمہ دار ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (۵،المائدہ: ۲) (تم نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو)۔

اس آیت کا خطاب تمام مسلمانوں سے ہے اور چونکہ حکومت پورے سماج کی نمائندہ ہے، لہذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے کے اندر مطلوبہ تعاون کو قائم کرے، اور اسی تعاون کی ایک صورت یہ ہے کہ سماج کی نیابت میں اس پر واجب ہونے والی امداد ضرورت مندوں کو دے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أنا أولی المؤمنین من أنفسہم، فمن مات وعلیہ دین ولم یترک وفاء فعلینا قضاؤہ، ومن ترک مالا فلورثتہ'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۶۷۳۱) (میں اہل ایمان سے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں، سو جو مر جائے، اور اس کے ذمہ دین ہو اور ادائیگی کے بقدر مال

نہ چھوڑے، تو اسے ادا کرنا ہماری ذمہ داری ہے، اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفاد عام کے لئے مخصوص مال سے ضرورتمندوں کی امداد حکومت پر واجب ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''وہل کان ذلک من خصائصہ ﷺ أو یجب علی ولاۃ الأمور بعدہ، والراجح الاستمرار، لکن وجوب الوفاء إنما ہو من مال المصالح'' (ابن حجر، فتح الباری ۱۰،۱۲، بیروت، دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ) (کیا یہ امداد آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، یا آپ ﷺ کے بعد آنے والے حکمراں پر بھی واجب ہے؟ راجح یہی ہے کہ یہ امداد باقی اوربرقرار رہے، لیکن ادائیگی کا وجوب عمومی مصالح کے لئے مخصوص مال سے ہے)۔

۳۔ حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من ترک کلا فإلی، ومن ترک مالا فلورثتہ، وأنا وارث من لا وارث لہ، أعقل لہ وأرثہ...'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۸۹۹، سنن سعید بن منصور حدیث نمبر: ۱۷۲، نسائی، السنن الکبری حدیث نمبر: ۶۳۵۶، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۷۳۸،طحاوی، شرح معانی الآثار ۴،۳۹۷۔۳۹۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (جو محتاج اولاد چھوڑے تو اس کی کفالت میرے ذمہ ہے، اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اور میں اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کی طرف سے تاوان ادا کرونگا، او راس کا وارث بنونگا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورتمندوں کی امداد حکومت کی ذمہ داری ہے، چنانچہ علامہ عظیم آبادیؒ رقمطراز ہیں: ''من ترک کلا أی ثقلاً، وہو یشمل الدین والعیال، والمعنی: إن ترک الأولاد فإلی ملجأہم وأنا کافلہم، وإن ترک الدین فعلي قضاؤہ (أعقل لہ) أی: أودی عنہ ما یلزمہ بسبب الجنایات التی تتحملہ العاقلۃ ۔ أی عصبتہ ۔ وأرثہ أی: أرث من لا وارث لہ، قال القاضی عیاض: یرید بہ صرف مالہ إلی بیت مال المسلمین'' (عظیم آبادی، محمد شمس الحق، عون المعبود ۸،۱۰۶، ط: ۲، مدینہ منورہ، مکتبہ سلفیہ، ۱۳۸۸ھ۔۱۹۶۸ء) (جو ''ثقل '' یعنی بوجھ چھوڑے اور یہ قرض اوربال بچے دونوں کو شامل ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اگر اولاد چھوڑے تو ان کی پناہ گاہ میری طرف ہے اور میں ہی ان کی کفالت کرنے والا ہوں، اور میں اس کی طرف سے وہ تاوان ادا کرونگا جو اس پر اس کے جرم کے ارتکاب کی وجہ سے لازم آئے، جسے اس کے عصبہ یعنی اولاد اور اس کے باپ کی طرف کے رشتہ دار برداشت کرتے (اگر وہ ہوتے)۔ اور میں اس کا وارث ہونگا جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ قاضی عیاضؒ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں رکھنا ہے)۔

۴۔ بیت المال، یعنی مصالح عامہ کے عوامی خزانہ میں آنے والے اموال کو عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کرنے کی ذمہ داری حکومت کی ہے، لہذا مقررہ ضابطے کے مطابق ملک کا ہر شہری امدادی رقم حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۵۔ عمومی مصالح کی رعایت کرتے ہوئے مصالح عامہ کے اموال میں عدل کے ساتھ تصرف کرنے کا حق حکومت کو ہے، چنانچہ علامہ زیلعی ؒ لکھتے ہیں: ''تصرف الإمام فی بیت المال مقید بشرط النظر'' (زیلعی، تبیین الحقائق ۵۷،۳) (بیت المال کے اندر امام کا تصرف مصلحت کی رعایت کی شرط کے ساتھ مقید ہے)۔ اور علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''تصرف الإمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ'' (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ، ص۱۲۳) (رعیت کے حق میں امام کا تصرف مصلحت کے ساتھ مربوط اور وابستہ ہے)۔

لہذا اگر حکومت حسب ضابطہ بعض اغراض ومقاصد کے لئے امدادی رقم دیتی ہے تو اس کے اہل افراد کے لئے اس کا لینا جائز ہے۔

سوال نمبر (۷) کا جواب:

واسطہ بنے والے جو رقم لیتے ہیں وہ رشوت میں داخل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا إلی الحکام لتأکلوا فریقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون'' (۲،البقرہ: ۱۸۸) (اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ، اور اس کو حکام رسی کا ذریعہ نہ بناؤ کہ اس طرح دوسرے کے مال کا کچھ حصہ حق تلفی کرکے ہڑپ کرسکو، حالانکہ تم اس حق تلفی کو جانتے ہو)۔

اور علامہ قرطبیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:''المعنی لا تصانعوا بأموالکم الحکام وترشوہم لیقضوا لکم علی أکثر منہا، قال ابن عطیۃ: وہذ القول یترجح؛ لأن الحکام مظنۃ الرشاء إلا من عصم، وہو الأقل'' (قرطبی، الجامع لأحکام القرآن ۳۴۰،۲، ریاض، دار عالم الکتب ۱۴۲۳ ھ۲۰۰۳ء، تحقیق: ہشام سمیر البخاری، نیز دیکھئے: ابن عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز ۲۴۷،۱، ط: ۱، بیروت، العلمیۃ، ۱۴۱۳ھ۱۹۹۳ء، تحقیق: عبد السلام، ع. أ. : ۵)۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے مال حکام کو رشوت کے طور پر نہ دو کہ وہ تمہارے لئے تمہارے حق سے زیادہ کا فیصلہ کریں۔ علامہ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ یہی قول راجح ہے اس لئے کہ حکام رشوت کا محل ہیں، مگر جن کو اللہ تعالی بچائے، اور وہ بہت کم ہیں)۔

اور سود کی طرح رشوت خوری بھی یہودیوں کا امتیاز ہے، جیسا کہ فرمان الہی ہے:''وأخذہم الربو وقد نہوا عنہ وأکلہم أموال الناس بالباطل'' (۴،النساء: ۱۶۱) (اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے ہیں حالانکہ اس سے ان کو روکا گیا ہے، اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں)۔

اور ارشاد باری تعالی ہے:''یا أیہا الذین آمنوا إن کثیراً من الأحبار والربہان لیأکلون

أموال الناس بالباطل'' (۹؍التوبہ: ۳۴) (اے ایمان والو! ان فقیہوں اور راہبوں میں بہیترے ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقو نسے کھاتے ہیں۔

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:''لو لا ینہاہم الربانیون والأحبار عن قولہم الإثم وأکلہم السحت لبئس ما کانوا یصنعون'' (۵؍المائدہ: ۶۳) (ان کے علماء اور فقہاء ان کو گناہ کی بات بکنے اور ان کو حرام خوری سے روکتے کیوں نہیں؟ کتنی بری ہے یہ حرکت جو یہ کررہے ہیں)۔

او ریہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عام طور سے واسطہ بننے والے رشوت کی رقم کا ایک حصہ حکام کو دیتے ہیں اور باقی ماندہ رقم خود رکھ لیتے ہیں، لہذا واسطہ بننے والے کو محنتانہ کے نام سے جو رقم دی جاتی ہے وہ رشوت میں داخل ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: ''الثالث: أخذ المال لیسوی أمرہ عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع، وہو حرام علی الآخذ لا الدافع'' (ابن ہمام، فتح القدیر ۳۵۵؍۷، بیروت، دار الفکر)۔

(رشوت کی تیسری قسم یہ ہے کہ مال اس لئے لیا جائے کہ لینے والا ضررکے ازالہ کی خاطر یا منفعت کی تحصیل کے لئے مال دینے والے کے معاملہ کو بادشاہ کے پاس طے کرے، اور یہ لینے والے پر حرام ہے نہ کہ دینے والے پر)۔

البتہ مطلوبہ محنتانہ کے جواز کی شکل یہ ہے کہ واسطہ بننے والے کو ایک یا دو دن کے لئے اجرت پررکھ لے، اور جو مناسب اجرت ہو اسے طے کرلے، جیسا کہ علامہ شامی ابن ہمام کے حوالہ سے رقمطراز ہیں: ''وحیلۃ حلہا أن یستأجرہ یوما إلی اللیل أو یومین، فتصیر منافعہ مملوکۃ، ثم یستعملہ فی الذہاب إلی السلطان للأمر الفلانی'' (ابن عابدین، رد المحتار ۳۶۲؍۵، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء) (اور اس کے حلال ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ واسطہ بننے والے کو ایک دن رات تک کے لئے یا دو دن کے لئے اجرت پر لے لے، تاکہ اس کے منافع اس کی ملکیت میں آجائیں، پھر فلاں کام کے لئے بادشاہ کے پاس جانے کے لئے اسے استعمال کرے)۔

اگر یہ شکل ممکن نہ ہو اور بدرجہ مجبوری اپنے جائز حق کے حصول کے لئے رشوت دینی پڑے تو دینے والے پر گناہ نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتےہیں:''لو اضطر إلی دفع الرشوۃ لإحیاء حقہ، جاز لہ الدفع وحرم علی القابض'' (ابن عابدین، رد المحتار ۷۲؍۵) (اگر اپنے حق کو زندہ کرنے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہوجائے، تو اس کے لیے دینا جائز ہے، اور لینے والے پر حرام ہے)۔

سوال نمبر (۸) کا جواب:

واسطہ بننے والےلوگوں کا حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لینا رشوت کے حکم میں ہے، اور رشوت کا لینا دینا اصولی طور پر حرام ہے، لیکن اگر کوئی شخص عوامی خزانہ سے اپنے جائز حق کے حصول کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہوجائے تو اس پر

گناہ نہیں، اس صورت میں گناہ لینے والے کو ہوگا، علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ‘‘وأما دفع الرشوة لدفع الظلم فجائز’’ (ابن عابدین، رد المحتار ۲۲۲،۸) (بہرحال ظلم کو دفع کرنے کے لئے رشوت دینا تو جائز ہے) اور ایک جگہ لکھتے ہیں: ‘‘إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسہ أو أحد من أہل بیتہ، لم یأثم’’ (ابن عابدین، رد المحتار ۵۰۹،۸) (اگر اپنی ذات یا اپنے گھر والوں میں سے کسی کی طرف سے ظلم کو دور کرنے کے لئے رشوت دے، تو گناہ گار نہ ہوگا)۔

سوال نمبر (۹) کا جواب:

اسلامی نقطہ نظر سے رشوت حصول مال کا جائز ذریعہ نہیں ہے، بلکہ یہ گناہ، حق تلفی اور غصب حقوق کا راستہ ہے، لہٰذا اسلامی شریعت میں اصولی طور پر رشوت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا إلی الحکام لتأکلوا فریقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون’’ (۲،البقرہ: ۱۸۸) (اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ ہڑپ کرو، اور اس کو حکام تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ اس طرح دوسرے کے مال کا کچھ حصہ حق تلفی کرکے کھاسکو، حالانکہ تم اس کے گناہ ہونے کو جانتے ہو)۔

اور سود کی طرح رشوت خوری بھی یہودیوں کی شان امتیازی ہے، اللہ تعالی کاارشاد ہے: ‘‘سماعون للکذب أکالون للسحت’’ (۵،المائدہ: ۴۲) (یہ جھوٹ کے رسیا وخوگر ہیں اور پکے حرام خور ہیں)۔

اور حرام خوری سےمراد رشوت خوری ہے، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں: ‘‘ویقبلون الرشی فیأکلونہا علی کذبہم علی اللہ وفریتہم علیہ’’ (طبری، جامع البیان فی تأویل القرآن ۳۱۸،۱۰، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ط: ۱، ۱۴۲۰ھ۲۰۰۰ء، تحقیق: احمد محمد شاکر، ع۔أ۔: ۲۴) (اور یہ یہودی لوگ اللہ پر جھوٹ بولنے اور اس پر افتراپردازی کرنے کے سلسلہ میں رشوت قبول کرتے ہیں اور اسے کھاتے ہیں)۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ‘‘لعن رسول اللہﷺ الراشی والمرتشی’’ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۵۸۰، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۳۷، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۳۱۳، او ریہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (رسول کریمﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے)۔ اور ایک روایت میں ہے:‘‘والرائش’’ (مسند احمد حدیث نمبر: ۲۲۳۹۹، حاکم ، المستدرک: ۷۰۶۸، اور اس کی سند میں کلام ہے) (اور واسطہ بننے والے پر بھی لعنت فرمائی)۔

۳۔ شریعت کا مشہور قاعدہ ہے:‘‘ما حرم أخذہ حرم إعطاءہ’’ (ابن نجیم، الاشباہ،ص:

۱۵۸) (جس کا لینا حرام ہے اس کادینا بھی حرام ہے)۔

چنانچہ سود، زنا کار عورت کی اجرت زنا، جوتشی، کاہن (غیب دانی کے مدعی) کا نذرانہ، نوحہ خوانی کرنے والی عورت کی اجرت اور مزامیر بجانے والے کی مزدوری کا لینا دینا دونوں حرام ہے۔ البتہ چند مسائل کا استثناء ہے، اور ان ہی میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اپنے جان یا مال سے ضرر دور کرنے اور اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دے سکتے ہیں، علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''الرشوة لخوف علی مالہ أو نفسہ، أو لیسوی أمرہ عند سلطان أو أمیر'' (ابن نجیم، الاشباہ، ص: ۱۵۸) (اپنے مال یا جان کے خوف سے یا بادشاہ یاحاکم کے پاس اپنا معاملہ ٹھیک کرانے کے لئے رشوت دے سکتے ہیں)۔

لہذا سرکاری خزانہ سے ملنے والی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے، تو رشوت دینا مباح ہے، گناہ لینے والے کو ہوگا۔

سوال نمبر (۱۰) کا جواب:

ملک کے ہر شہری کو اگرچہ انفرادی حیثیت میں سرکاری خزانہ سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، لیکن دستور ہند کی رو سے ہر شہری متعینہ شرائط ومعیارات اور مقررہ ضابطے کا پابند ہے، لہذا اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا، اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہرحالت میں سچائی کا پابند رہے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ''یا أیہا الذین آمنوا تقوا اللہ وکونوا مع الصادقین'' (۹؍التوبہ: ۱۱۹) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور راست بازونکے ساتھ رہو)۔

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:''فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور'' (۲۲؍الحج: ۳۰) (سو بتوں کی گندگی سے دور رہو اور جھوٹ بات سے بچو)۔

اس آیت سے جھوٹ کی شناعت عیاں ہے کہ اسے شرک کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: ''والمراد من الزور مطلق الکذب'' (آلوسی، روح المعانی ۹؍۱۴۲، بیروت، العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، تحقیق: علی عطیہ، ح۔أ۔: ۱۶) (اور زور سے مراد مطلق جھوٹ بولنا ہے)۔

۲۔ جس طرح افراد کے مال کی حرمت ہے، اسی طرح مال عام کی بھی حرمت ہے کیونکہ ملک کا کوئی بھی شہری اپنی انفرادی حیثیت میں سرکاری خزانہ کا مالک نہیں ہے، لہذا غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا باطل طریقہ سے مال کھانے میں داخل ہے جس کی قرآن کریم نے شدید طریقہ پر ممانعت کی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم'' (۴؍النساء: ۲۹) (اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل ہوجائے)۔

۳۔ اللہ تعالی نے مال عام کی چوری پر سخت وعید فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ‘‘ومن یغلل یأت بما غلّ یوم القیامۃ ثم توفی کل نفس ما کسبت وہم لا یظلمون’’ (۳؍آل عمران: ۱۶۱)(اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کاپورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا)۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ‘‘وہذا تہدید شدید ووعید أکید’’ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱؍۵۱۸، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴ء) (اس آیت میں مال عام کے اندر خیانت کے سلسلہ میں سخت دھمکی اور زبردست وعید ہے)۔

۴۔ اللہ کے رسولﷺ نے بھی مال عام پر دست درازی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ‘‘قام فینا النبیﷺ فذکر الغلول فعظمہ وعظم أمرہ، قال:لا ألفین أحدکم یوم القیامۃ علی رقبتہ شاۃ لہا ثغاء، علی رقبتہ فرس لہ حمحمۃ، یقول:یا رسول اللہﷺ! أغثنی، فأقول: لا أملک لک شیئا، قد ابلغتک وعلی رقبتہ بعیر لہ رغاء، یقول: یا رسول اللہﷺ أغثنی، فأقول: لا أملک لک شیئاً، قد أبلغتک وعلی رقبتہ صامت، فیقول: یا رسول اللہﷺ أغثنی، فأقول: لا أملک لک شیئا قد أبلغت أو علی رقبتہ رقاع تخفق، فیقول: یا رسول اللہﷺ!أغثنی، فأقول: لا أملک لک شیئاً، قد أبلغتک’’ (بخاری حدیث نمبر: ۳۰۳۷، مسلم حدیث نمبر: ۱۸۳۱، مسند احمد حدیث نمبر: ۹۵۰۳) (نبی کریمﷺ ہمارے درمیان نصیحت کے لئے اٹھے اور مال عام میں خیانت اور چوری کا ذکر فرمایا، تو اسے اور اس کے معاملہ کو سنگین قرار دیا، اور ارشاد فرمایا: میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پربکری ہو جومیارہی ہو، (یا) اس کی گردن پر گھوڑا ہو جوہنہنا رہا ہو (اور) وہ کہہ رہا ہو، اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیے، سو میں جواب میں کہوں: میرے بس میں تیرے لئے کچھ نہیں، میں نے تو تجھے آگاہ کردیاتھا، اور (یا) اس کی گردن پر اونٹ ہو جو بلبلا رہا ہو، اور وہ مجھ سے کہے، اے اللہ کے رسول، میری مدد فرمائیے، اور میں اس کے جواب میں کہوں، تیرے لئے میرے اختیار میں کچھ نہیں، میں نے تو تجھے خبردار کردیا تھا، اور (یا) اس کی گردن پر سونا اور چاندی ہو، اور وہ کہہ رہا ہو کہ اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے، اور میں اس کے جواب میں بول پڑوں، میں تیرے کچھ کام نہیں آسکتا ، میں نے تو تجھے آگاہ کردیا تھا، یا اس کی گردن پر چیتھڑے ہوں جو پھڑپھڑا رہے ہوں، اور میں اس کے جواب میں بول پڑوں، میرے بس میں تیرے لئے کچھ نہیں، میں نے تو تجھے خبردارکردیا تھا)۔

۵۔ حکمراں طبقہ کو بھی آپﷺ نے سخت تاکید کے ساتھ مال عام پر دست درازی سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے

ارشاد فرمایا: ‘‘من کان لنا عاملاً فلیکتسب زوجۃ، فإن لم یکن لہ خادم، فلیکتسب خادماً، فإن لم یکن لہ مسکن، فلیکتسب مسکنا، من اتخذ غیر ذلک فہو غال أو سارق’’ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۹۴۵، صحیح ابن خزیمہ حدیث نمبر: ۲۳۷۰، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (جو ہمارا کارندہ ہے، وہ بیوی حاصل کرلے، سو اگر اس کے پاس خادم نہ ہوتو خادم حاصل کرلے، اور اگر اس کے پاس رہائش گاہ نہ ہو تو رہائش گاہ حاصل کرلے، (اور) جو اس کےعلاوہ (غیر ضروری چیز) حاصل کرلے، وہ خائن یا چور ہے)۔

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرکاردوعالمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘من غشنا فلیس منا’’ (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۰۱) (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں)۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا مسلمانوں کی شان نہیں ہے۔

۷۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘المکر والخدیعۃ والخیانۃ فی النار’’ (حاکم، المستدرک حدیث نمبر: ۸۷۹۵، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (فریب، دھوکہ اور خیانت کا انجام جہنم ہے)۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا درست نہیں ہے۔

۸۔ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں: ‘‘والغلول: السرقۃ من الغنیمۃ، وہو حرام’’ (سرخسی، المبسوط ۱۰؍۷، بیروت، دار الفکر، ط: ۱، ۱۴۲۱ھ۲۰۰۰ء، تحقیق: خلیل میں) (ور ‘‘غلول ’’ مال غنیمت (جو کہ مال عام ہے) سےچرانے کا نام ہے، اور وہ حرام ہے)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلا استحقاق مال عام سے لینا ناجائز ہے۔

۹۔ محمد رازی حنفیؒ لکھتے ہیں: ‘‘ویحرم الغلول’’ (رازی حنفی، تحفۃ الملوک، ص: ۱۸۰، بیروت، دار البشائر) (اور مال غنیمت (جو کہ مال عام ہےاور حصہ ملنے سے پہلے اس میں سے لینا جائز نہیں ہے) میں خیانت حرام ہے)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مال عام میں سےبلااستحقاق لینا حرام ہے۔

سوال نمبر (۱۱) کا جواب:

سود اسلام کی نگاہ میں سخت ترین گناہ ہے، اس پر اللہ تعالی نے سود خوار کو اعلان جنگ دیا ہے، اور سود سے باز نہ رہنے پر کافروں کی طرح دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘واتقوا النار التی أعدت للکافرین’’ (۳؍ آل عمران: ۱۳۱) (او راس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔ اور نبی کریمﷺ نے سود کو زنا سے زیادہ سخت جرم قرار دیا ہے کہ حرام لقمہ ہی انسان کو معاصی کی طرف بڑھاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول

کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘الربا سبعون جوبا، أیسرہا أن ینکح الرجل أمہ’’ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۲۷۴، بیہقی، شعب الایمان حدیث نمبر: ۵۵۲۲، مسند بزار حدیث نمبر: ۸۵۳۸، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (سود ستر قسم کے گناہ پر مشتمل ہے، اور ان سنگین گناہوں میں سے خفیف تر یہ ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے)۔ اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے سود کی شناعت کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ‘‘فدعوا الربا والریبۃ’’ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۲۷۶، اور اس کی سند صحیح ہے) (سود اور شبہ سود دونوں کو چھوڑ دو)۔

لہٰذا اصولی طور پر اسلام کے اندر سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، خواہ اسکیم سےفائدہ اٹھانے والا خود سود ادا کرے، یا کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے سود دے۔

البتہ چونکہ تعلیم انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے، اور خاص طور سے موجودہ دور میں چونکہ اعلی تعلیم کے بغیر باعزت زندگی گزارنے کے راستے مسدود ہیں، اور نہ صرف فرد کی ترقی اس سے وابستہ ہے، بلکہ امت اسلامیہ ہندیہ کی اجتماعی ترقی بھی اس سے وابستہ ہے، لہٰذا فرد وسماج کی اس حاجت کو ضرورت کا درجہ دیتےہوئے کہ ‘‘الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ کانت أو خاصۃ’’ (ابن نجیم، الاشباہ ، ص: ۹۱) (حاجت خصوصی) اعلی تعلیم کی غرض سے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، اس گنجائش کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ حکومتی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کا حق مسلمانوں کو بھی ہے، لہٰذا وہ اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے بدرجۂ مجبوری سود ےد کر اپنا حق حاصل کرسکتےہیں۔ اگرچہ حاجت عام طور سے حرام کو مباح نہیں ٹھہراتی ہے، اور نہ ہی اعلی عصری تعلیم فرض عین ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ موجودہ دور میں اعلی عصری تعلیم کے بغیر ایک ہونہار اور اہل طالب علم کی زندگی بڑی دشواری سے دوچار ہوسکتی ہے، لہٰذا اہل محتاج طالب علم کے لئے اس کی حاجت شدیدہ کی بنیاد پر سودی اسکیم سے استفادہ کی گنجائش ہے، جیساکہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:‘‘یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (ابن نجیم (و: ۹۷۰ھ)، البحر الرائق ۶؍۱۳۷، بیروت، دار المعرفۃ) (ضرورت مند کے لئے سود کےساتھ قرض حاصل کرنا جائز ہے)۔

اور دیگر مقصد پر مبنی سودی اسکیم بھی اگر حاجت شدیدہ کے درجہ میں ہو تو اس سے استفادہ کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر (۱۲) کاجواب:

(الف): ضروری ہے کہ تعلیمی اور رفاہی اداروں کو پاک مال سے چلایاجائے تاکہ پڑھنے والے طلبہ، تعلیم دینے والے اساتذہ اور کام کرنے والے عملہ کےاندر نیکی کی روح بیدار ہو، اور خیر کا جذبہ پروان چڑھے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی نے اہل ایمان کو حلال اورپاکیزہ مال کھانے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ

ارشاد ہے: ‘‘یا أیہا الذین آمنوا کلوا من طیبات من رزقناکم، واشکروا للہ إن کنتم إیاہ تعبدون’’ (۲؍البقرہ: ۱۷۲) (اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں ان کو کھاؤ، اور اللہ ہی کےشکر گزار بنو، اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو)۔

اور اس کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

‘‘یقول اللہ تعالی: أمراً عبادہ المؤمنین بالأکل من طیبات ما رزقہم تعالی، وأن یشکرواہ علی ذلک، إن کانوا عبیدہ، والأکل من الحلال سبب لتقبل الدعاء والعبادۃ، کما أن الأکل من الحرام یمنع قبول الدعاء والعبادۃ’’ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱؍۲۵۵) (اللہ تعالی اپنے اہل ایمان بندوں کو اپنی عطا کردہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھانے اور اس پر شکر ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، اگر وہ واقعی اس کے بندے ہیں، او رحلال مال سے کھانا دعا اور عبادت کے قبول ہونے کا سبب ہے، جس طرح حرام مال سے کھانا دعا اور عبادت کے مقبول ہونے سے مانع ہے)۔

۲۔ حلال مال سے عمل صالح کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، جبکہ مال حرام سے معصیت کی روح بیدار ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو حلال وپاکیزہ اشیاء استعمال کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ انسانی معاشرہ میں خیر وبھلائی کی فضا قائم ہو، اور معصیت کی سرد بازاری ہو، جیسا کہ فرمان الہی ہے: ‘‘یا أیہا الناس کلوا مما فی الأرض حلالا طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطان إنہ لکم عدو مبین’’ (۲؍البقرہ: ۱۶۸) (اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال پاکیزہ ہیں ان کو کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، یقینا وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)۔

۳۔ مسلمانو نکی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ تعلیم ودعوت کے مراکز پاکیزہ مال سے چلائیں، کیونکہ اللہ تعالی پاکیزہ وحلال اشیاء کے خرچ کرنے پر ہی اجر وثواب سے نوازتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘أیہا الناس، إن اللہ طیب، لا یقبل إلا طیبا، وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمر بہ المرسلین، فقال:‘‘یاأیہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا إنی بما تعملون علیم’’ (۲۳؍المومنون: ۵۱)، وقال:‘‘یاأیہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم’’ (۲؍البقرہ: ۱۷۲)، ثم ذکر الرجل یطیل السفر، أشعث أغبر، یمد یدیہ إلی السماء:یا رب یا رب، ومطعمہ حرام، ومشربہ حرام، وملبسہ حرام، وغذی بالحرام، فأنی یستجاب لذلک؟’’ (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۰۱۵، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۹۸۹، سنن دارمی حدیث نمبر: ۲۷۱۷، مسند احمد حدیث نمبر: ۸۳۴۸) (اے لوگو! بے شک اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے، اور اللہ تعالی نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: (اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو،جو کچھ تم کروگے میں اسے سے اچھی طرح واقف ہوں) اورفرمایا: (اے ایمان والو! ہم نےتم کو جو پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان کو کھاؤ) پھر نبی

کریمﷺ نے ایسے شخص کاذکر کیا جو لمبے سفر کرتا ہے، پراگندہ بال اور گردآلود ہوتاہے، آسمان کی طرف اپنے ہاتھ کو دراز کرکے اے پروردگار، اے پروردگار کی آواز لگاتا ہے، حالانکہ اس کا کھانا حرام اس کا پینا حرام اور اس کی پوشاک حرام ہے، او راس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے، پھر اس شخص کی دعا کیوں کر قبول ہوگی؟)۔

۴۔ جنابہ خولہ انصاریہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘إن رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق، فلہم النار یوم القیامۃ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۳۱۱۸، ترمذی حدیث نمبر: ۲۳۷۴، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۷۰۵۴، ۲۷۳۱۸) (کچھ لوگ اللہ کے مال کو ناحق ہڑپ کرتے ہیں سو قیامت کے دن ان کے لئے آگ ہے)۔

یہ وعید مال عام کو ہڑپنے پر ہے، تو پھر سودی مال کی طرف لپکنے پر کتنی سخت وعید ہوگی؟

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘یأتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما أخذ منہ: أمن الحلال، أم من الحرام؟ ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۰۵۹، سنن نسائی حدیث نمبر: ۴۴۵۴، سنن دارمی حدیث نمبر: ۲۵۳۹) (لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروا نہ ہوگی کہ اس نے حلال مال سے لیا یا حرام مال سے)۔

ان نصوص سے واضح ہے کہ تعلیمی ورفاہی ادارے اور محتاج افراد واشخاص کے تعاون کےلئے سودی فنڈ قائم کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر غیر مسلم حکومت ایسا کرتی ہے تو ایسی حالت میں اگر تعلیمی ورفاہی ادارے ضرورت مند ہیں تو بیت الخلاء (Toilet)، راستے کی تعمیر اور دیگر عمومی مصالح کے کاموں کے لئے سودی مال لے سکتےہیں۔

(ب): یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ سودی اسکیم کا تعلق افراد واشخاص سے ہو کہ اگر وہ فقراء اور مساکین میں سے ہوں تو ان کے لئے سودی امداد سے استفادہ کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ جس مال کو اس کے مالک کو نہیں لوٹایا جاسکتا ہو، اسے بھلائی کی مدات میں صرف کیا جائے گا، اور ان مدات میں فقراء اورمساکین بھی داخل ہیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ ہم رسول کریمﷺ کےساتھ ایک جنازہ میں نکلے، سو میں نے رسول کریمﷺ کو قبر کے پاس کھودنے والے کو وصیت کرتے ہوئے پایا: ‘‘اس کے دونوں پیر کی طرف کشادہ کھودو، اس کے سر کی طرف کشادہ کھودو ’’ پھر جب آپﷺ جنازہ سے لوٹے، تو ایک خاتون کی طرف سے دعوت دینے والا آپﷺ کے سامنے آیا: ‘‘فجاء وجئی بالطعام، فوضع یدہ، ثم وضع القوم فأکلوا، فنظر آباؤنا

رسول اللہ ﷺ یلوک لقمۃ فی فمہ، ثم قال: أجد لحم شاۃ أخذت بغیر إذن أہلہا، فأرسلت المرأۃ، قالت: یا رسول اللہ، إنی أرسلت إلی البقیع یشتری لی شاۃ، فلم أجد، فأرسلت إلی جارک قد اشتری شاۃ أن أرسل إلي بہا بثمنہا، فلم یوجد، فأرسلت إلی امرأتہ، فأرسلت إليّ بہا، فقال رسول اللہ ﷺ: ‘‘أطعمیہ الأساری’’ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۳۳۲، طحاوی، شرح مشکل الآثار حدیث نمبر: ۳۰۰۵، ۳۰۰۶، دار قطنی، حدیث نمبر: ۴۸۲۶، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۲۵۰۹، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (تو آپ ﷺ اس خاتون کے گھر تشریف لائے، اور کھانا لایا گیا، تو آپ ﷺ نے اپناہاتھ رکھا، پھر لوگوں نے اپنے ہاتھ رکھے، اورکھانے لگے، سو ہمارے آباء واجداد نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دہن مبارک میں لقمہ کو ہلکے ہلکے چباتے ہوئے دیکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس بکری کا گوشت پارہا ہوں جسےمالک کی اجازت کے بغیر حاصل کیا گیا ’’، اس پر عورت نے آپ ﷺ کے پاس قاصد بھیجا اور معاملہ کو واضح کرتے ہوئے کہا، اے اللہ کے رسول، میں نے بقیع کی طرف قاصد کو بھیجا کہ وہ میرے لئے کوئی بکری خرید لائے، سو میں نے بکری کو نہیں پایا، تب میں نے اپنے اس ہمسایہ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا جس نے بکری خریدی تھی کہ اس کی خرید کردہ قیمت کے بدلہ اسے میرے پاس بھیج دو، لیکن پڑوسی مل نہ سکا، سو میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا، اور اس نے میرے پاس بکری بھیج دی، تب رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ‘‘اسے قیدیوں کو کھلا دو ’’)۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ رسول کریم ﷺ نے پکی ہوئی بکری کو صدقہ کرنے کا حکم دیا؛ اس لئے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی تھی، او راس کی خریداری درست نہیں تھی، جیسا کہ ملا علی قاری رقمطراز ہیں: ‘‘فظہر أن شراء ہا غیر صحیح؛ لأن إذن جارہا ورضاہ غیر صحیح.... وذلک أنہ لما لم یوجد صاحب الشاۃ لیستحلوا منہ، وکان الطعام فی صدد الفساد، ولم یکن بد من إطعام ہؤلاء، فأمر بإطعامہم....وقد لزمہا قیمۃ الشاۃ بإتلافہا، ووقع ہذا تصدقا عنہا’’ (علی القاری، مرقاۃ المفاتیح ۲۹۷،۱۰) (سو اس سےعیاں ہے کہ اس کی خریداری درست نہیں تھی، اور قیدیوں کو (جو عام طور سے محتاج ہوتے ہیں) کھلانے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ بکری کا مالک جب نہیں ملا تاکہ اس سے حلال ٹھہرالیں، حالانکہ کھانا خراب ہونے کے درپے تھا، اور قیدیوں کے کھلانے کے علاوہ چارہ نہیں تھا، لہذا ان کو کھلانے کاحکم دیا....اور بکری کو ضائع کرنے کی وجہ سے اس پر قیمت لازم ہوئی، او رکھانا اس کی طرف سے صدقہ ہوا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے اگر اصل مالک تک مال نہ پہنچ سکے تو محتاج افراد پر صدقہ کیا جائے گا۔

۲۔ امام قرطبی (و: ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: ‘‘قال علماؤنا: إن سبیل التوبۃ مما بیدہ من

الأموال الحرام، إن كانت من ربا فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلک عنه، وإن أخذه بظلم، فليفعله كذلک فی أمر من ظلمه، فإن التبس عليه الأمر، ولم يدركم الحرام من الحلال مما بيده، فإنه يتحری قدر ما بيده مما يجب عليه رده، حتی لا يشک أن ما يبقی قد خلص له، فيرده من ذلک الذی أزال عن يده إلی من عرف ممن ظلمه أو أربى عليه، فإن أيس من وجوده تصدق به عنه، فإن أحاطت المظالم بذمته، وعلم أنه وجب عليه من ذلک ما لا يطيق أداءه أبداً لكثرته، فتوبته أن يزيل ما بيده أجمع إما إلی المساكين، وإما إلی ما فيه صلاح المسلمين، حتی لا يبقی فی يده إلا أقل ما يجزئه فی الصلاة من اللباس، وهو ما يستر العورة، وهومن سرته إلی ركبته، وقوت يومه؛ لأنه الذی يجب له أن يأخذه من مال غيره إذا اضطر إليه، وإن كره ذلک من يأخذه منه'' (قرطبی، الجامع لأحكام القرآن۳،۳۶۶) (ہمارے مالکی علماء فرماتے ہیں کہ مال حرام سے توبہ کی راہ یہ ہے کہ اگر سود سے حاصل ہو، تو جس سے سود لیاہے اسے واپس کردے، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اسے تلاش کرے، سو اگر اس کو پانے سے ناامید ہوجائے، تو اس کی طرف سے اسے صدقہ کردے۔ اور اگر بہ طور ظلم اسے لیا ہو، تو جس پر ظلم کیا ہو اس کے معاملہ میں ایسا ہی کرے، سو اگر اس پر معاملہ مشتبہ ہوجائے، او راسے معلوم نہ ہو کہ اس کے قبضہ میں جو مال ہے، اس میں کتنا حرام ہے اور کتنا حلال ہے، تو اپنے قبضہ کے مال میں سےجس مقدار کی واپسی اس پر واجب ہے اس کے سلسلہ میں تحری یعنی بہتر مقدار کو اختیار کرے، یہاں تک کہ اسے کوئی شک نہ رہ جائے کہ باقی ماندہ اس کا خالص مال ہے، سو اس نے مال کی جس مقدار کو اپنے قبضہ سے نکالا ہے اسے اس شخص پر ظلم کرکے لیا تھا یا اسے واپس کردے جس سے سود لیا تھا، سو اگر اس کو پانے سے ناامید ہو، تو اسے اس کی طرف سے صدقہ کردے، سو اگر مظالم اس کے ذمہ کا احاطہ کرلے، اور اسے یقین ہوجائے کہ اس پر اتنی مقدار واجب ہے جس کی ادائیگی کی طاقت اس کی کثرت کی وجہ سے اسے کبھی نہ ہوگی، تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس کے قبضہ میں جو سارا مال ہے اسے یا تو مساکین کو دے دے، یا ایسے مصارف میں خرچ کرے جن میں مسلمانوں کے معاملات کی درستگی ہو، یہاں تک کہ اس کے قبضہ میں وہ لباس رہ جائے جو کم سے کم نماز میں کافی ہے، اور یہ وہ لباس ہے جو اس کے ستر کو چھپائے، او روہ بدن کا ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ہے، اور اس کے آج کے دن کی خوراک رہ جائے، اس لئے کہ یہی وہ مقدار ہے جو دوسرے کے مال سے وہ لے سکتا ہے، اگر اسے لینے پر وہ مجبور ہوجائے، اگرچہ وہ شخص اسے ناپسند کرے جس کے مال سے وہ لے) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مال حرام کے مصارف میں فقراء اور مساکین داخل ہیں۔

۳۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ''المال إذا تعذر معرفة مالكه صرف فی مصالح المسلمين عند جماهير العلماء كمالک وأحمد وغيرهما، فإذا كان بيد الإنسان غصوب أو عوار أو

ودائع أو رہون، قد یئس من معرفۃ أصحابنا فإنہ یتصدق بہا عنہم، أو یصرفہا فی مصالح المسلمین، أو یسلمہا إلی قاسم عادل یصرفہا فی مصالح المسلمین المصالح الشرعیۃ'' (ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ۳۲۱،۲۹، ط: ۳، دار الوفاء، ۱۴۲۶ھ۲۰۰۵ء) (مال کے مالک کو پانا اگر دشوار ہوجائے تو جمہور اہل علم جیسے مالک واحمد وغیرہما کے نزدک اسے مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، سو اگر آدمی کے قبضہ میں غصب کردہ مال یا عاریتاً اور عارضی طور پر لی ہوئی چیز ہو یا امانت کے مال ہوں یا رہن ہوں، اور مالک کو پانے سے ناامید ہوجائے، تو وہ اسے ان کی طرف سے صدقہ کردے، یا مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرے، یا منصف تقسیم کرنے والے کے حوالہ کردے جو اسے مسلمانو نکے شرعی مصالح میں صرف کرے)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ فقرا ء اور مساکین مال حرام کی مدات میں سے ایک مد ہیں۔

۴۔ ابن قیم الجوزیہ (و: ۷۵۱ھ) فرماتےہیں: ''أن من قبض ما لیس لہ قبضہ شرعاً، ثم أراد التخلص منہ؛ فإن کان المقبوض قد أخذ بغیر رضی صاحبہ، ولا استوفی عوضہ، ردہ علیہ، فإن تعذر ردہ علیہ، قضی بہ دینایعلمہ علیہ، فإن تعذر ذلک، تصدق بہ عنہ، فإن اختار صاحب الحق ثوابہ یوم القیامۃ، کان لہ، وإن أبی إلا أن یأخذ من حسنات القابض، استوفی منہ نظیر مالہ، وکان ثواب الصدقۃ للمتصدق بہا، کما ثبتت عن الصحابۃؓ وإن کان المقبوض برضی الرافع، وقد استوفی عوضہ المحرم، کمن عاوض علی خمر أو خنزیر أو علی زنی اور فاحشۃ، فہذا لا یجب رد العوض علی الدافع...فطریق التخلص منہ، وتمام التوبۃ بالصدقۃ بہ، فإن کان محتاجاً إلیہ، فلہ أن یأخذ قدر حاجتہ، ویتصدق بالباقی، فہذا حکم کل کسب خبیث لخبث عوضہ عینا کان أو منفعۃ'' (ابن القیم، زاد المعاد ۷۷۸،۵، ط: ۲۷، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۱۵ھ ۔۱۹۹۴ء) (جو شخص ایسی چیز پر قبضہ کرلے جس پر شرعی اعتبار سے اس کا قبضہ کرنا درست نہیں ہے، پھر اس سے نجات حاصل کرنا چاہے، سو اگر قبضہ کردہ مال مالک کی رضامندی کے بغیر لیا گیا ہو، اور مالک نے اس کا عوض حاصل نہ کیا ہو، تو وہ اس کو مالک کو واپس کردے، سو اگر مالک کو واپس کرنا دشوار ہو، تو اس کے اس دَین کو ادا کردے جسے وہ جانتا ہو، سو اگر یہ بھی دشوار ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اب اگر مالک بہ روز قیامت اس کے ثواب کو اختیار کرے، تو اسے ایسا کرنے کا حق ہوگا، اور اگر انکار کر دے اور قبضہ کرنے والے کی نیکی سےلینا چاہے، تو مال کے مثل اس سے نیکی وصول کرے، اور صدقہ کا ثواب صدقہ کرنے والے کو مل جائے گا، جیسا کہ صحابہؓ سے ثابت ہے، اور اگر قبضہ کردہ مال دینے والے کی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو، اور وہ اس کے حرام بدلہ کو وصول کرچکا ہو، جیسے کسی نے شراب یا خنزیر کا تبادلہ کیا ہو یا زنا یا بدکاری کا معاملہ کیا ہو، تو اس صورت میں دینے والے پر بدلہ کو واپس کرنا واجب نہ ہوگا... لہذا اس سے نجات کی راہ

اور کامل توبہ یہ ہے کہ اسے صدقہ کردیاجائے، سو اگر قبضہ کرنے والا اس مال کا محتاج ہو تو وہ اپنی ضرورت کے بقدر لے سکتا ہے، اور باقی کو صدقہ کردے، سو یہی ہر اس کمائی کا حکم ہے جو اپنے بدل کے گندہ وحرام ہونے کی وجہ سے گندہ وحرام ہو، خواہ متعین چیز ہو یا منفعت ہو)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ فقراء ومساکین مال حرام کے مصرف ہیں۔

۵۔ مصطفی رحیبانی حنبلی (و: ۱۲۴۳ھ) لکھتے ہیں: ''ولہ أی من بیدہ الغصوب ونحوہا إن لم یدفعہا للحاکم، الصدقۃ بہا منہم، أی عن أربابہا بلا إذن حاکم؛ لأن المال یراد لمصلحۃ المعاش أو المعاد، ومصلحۃ المعاد أولی المصلحتین، وقد تعینت ہہنا لتعذر الأخری، ونقل المروزی: یعجبنی الصدقۃ بہا، قال الشیخ تقی الدین: إذا کان بید الإنسان غصوب أو عوار، أو ودائع، أو رہون، قد یئس من معرفۃ أصحابہا، فالصواب أنہ یتصدق بہا عنہم، فإن حبس المال دائماً لا یرجی، لا فائدۃ فیہ، بل ہو تعریض لہلاک المال واستیلاء الظلمۃ علیہ'' (مصطفی رحیبانی حنبلی، مطالب اولی النہی ۶۵،۴، دمشق، المکتب الاسلامی، ۱۹۶۱ء) (اور اس شخص کو اختیار ہے جس کے قبضہ میں غصب کردہ اور دیگر مال حرام ہو، اگر وہ اہل اورامانتدار حاکم کو نہ دے، توحاکم کی اجازت کے بغیر مالکین کی طرف سے صدقہ کردے؛ اس لئے کہ مال سے یا تو دنیا یا تو آخرت کی منفعت مقصود ہوتی ہے، اور آخرت کی منفعت زیادہ راجح ہے، اور وہی اس جگہ متعین ہے اس لئے کہ دوسری منفعت دشوار ہے، اور فقیہ مروزی نے نقل کیا ہے کہ اس کا صدقہ کردینازیادہ پسندیدہ ہے۔ اور شیخ تقی الدین ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''جس کے ہاتھ میں غصب کردہ مال یا عاریت پر لیا ہوا، یا امانت یا رہن کا مال ہو، اور ان کے مالکین کو پانے سے ناامید ہو، تو صحیح قول یہی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کردے، اس لئے کہ ایسے شخص کے لئے جسےپانے کی امید نہ ہو، مال کو ہمیشہ کے لئے روکے رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اس میں مال کو اس چیز کی زد میں لانا ہے کہ وہ ضائع ہوجائے اور اس پر ظالم لوگ قبضہ کرلیں)۔

۶۔ امام نووی شافعیؒ امام غزالیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''إذا کان معہ مال حرام، وأراد التوبۃ والبراءۃ منہ، فإن کان لہ مالک معین، وجب صرفہ إلیہ، أو إلی وکیلہ، فإن کان میتاً وجب دفعہ إلی وارثہ، وإن کان لمالک لا یعرفہ، ویئس من معرفتہ، فینبغی أن یصرفہ فی مصالح المسلمین العامۃ کالقناطر والربط والمساجد ومصالح طریق مکۃ، ونحو ذلک مما یشترک المسلمون فیہ، وإلا فیتصدق بہ علی فقیر أو فقراء، وینبغی أن یتولی ذلک القاضی إن کان عفیفاً، فإن لم یکن عفیفاً، لم یجز التسلیم إلیہ، فإن سلمہ إلیہ صار المسلم ضامنا، بل ینبغی أن یحکم رجلاً من أہل البلد دینا عالما؛ فإن التحکیم أولی من الانفراد، فإن عجز عن ذلک تولاہ بنفسہ؛ فإن المقصود ہو الصرف إلی ہذہ الجہۃ، وإذا دفعہ إلی الفقیر لا یکون حراما علی الفقیر، بل یکون طیبا....، ولہ أن یأخذ منہ قدر حاجتہ؛ لأنہ أیضا فقیر'' (نووی شافعی، المجموع شرح

المہذب ۳۳۲،۹، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۷ء) (اگر کسی کے پاس مال حرام ہو، اور وہ اس سے توبہ اور نجات کا قصد کرے ، سو اگر اس کا متعین مالک ہو تو اسے اس کو یا اس کے وکیل کو دینا واجب ہے، اور اگر وہ مرچکا ہو تو اس کے وارث کو دینا واجب ہے، اور اگر ایسے مالک کا ہو جو معلوم نہ ہو، اور اس کو پانے سے ناامید ہوچکا ہو، تو مناسب یہ ہے کہ اسے مسلمانو نکے مجموعی مصالح میں خرچ کرے، جیسے پل کی تعمیر، فقراء وغیرہ کی سرائے اور مسجد اور مکہ کے راستے کی مصلحتیں، اور ان ہی جیسے دیگر امور میں جن کی منفعت میں مسلمان شریک ہوتے ہیں، ورنہ ایک یا چند فقراء پر صدقہ کردے، اور مناسب یہ ہے کہ یہ کام قاضی انجام دے اگر وہ پاکدامن ہو، سو اگر وہ پارسا نہ ہو، تو اس کے حوالہ کرنا جائز نہیں ہے، سو اگر اس کے حوالہ کردے تو حوالہ کرنے والا ضامن ہوگا، بلکہ مناسب یہ ہے کہ اپنے شہر کے باشندگان میں سے کسی دیندار عالم دین کو حکم (ثالث) بنا دے، کیونکہ ثالث بنانا اکیلے تصرف کرنے سےبہتر ہے، سو اگر اس سے عاجز ہو، تو خود اسے انجام دے، کیونکہ مقصد اس مد میں خرچ کرنا ہے، اور اگر فقیر کو دے دے تو ا س کے حق میں حرام نہ ہوگا، بلکہ حلال وپاکیزہ رہے گا .....اور وہ اس سے اپنی حاجت کے بقدر لے سکتا ہے، اس لئے کہ وہ بھی فقیر ہے)۔

۷۔ دسوقی مالکیؒ لکھتے ہیں: ‘‘وسبیل مالہ إذا لم یمکن ردہ لأربابہ سبیل الصدقۃ علی الفقراء لیس إلا، وقیل: یصرف فی جمیع منافع المسلمین کبناء القناطر وسد الثغور’’ (دسوقی مالکی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲۷۷،۳، بیروت، دار الفکر) (اور اگر حرام مال کو مالکین کو واپس کرنا ممکن نہ ہو، تو اس کی راہ یہ ہے کہ اس کو فقراء پر صرف صدقہ کیا جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے تمام منافع جیسےپل کی تعمیر اور سرحدوں کی حفاظت میں خرچ کیاجائے)۔

۸۔ علامہ شامی حنفیؒ لکھتے ہیں:‘‘المغصوب إن علمت أصحابہ أو ورثتہم، وجب ردہ علیہم، وإلا وجب التصدق بہ’’ (ابن عابدین، رد المحتار ۲۹۱،۲) (اگر غصب کردہ مال کے مالکین یا ان کے ورثہ معلوم ہوں، تو واجب ہے کہ اسے ان کو واپس دے دیا جائے، ورنہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے)۔

۹۔ علامہ حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں: ‘‘إنما یکفر إذا تصدق بالحرام القطعی’’ (حصکفی، الدر المختار ۲۹۲،۲) (کافر تو بس اس وقت قرار دیا جائے گا، جبکہ حرام قطعی کا ثواب کی نیت سے صدقہ کرے)۔

۱۰۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:‘‘ویکفر بتصدقہ علی فقیر بشئی حرام یرجو الثواب’’ (ابن نجیم، البحر الرائق ۱۳۲،۵) (او رحرام چیز ثواب کی نیت سے فقیر پر صدقہ کرنے سے کافر ہوجائے گا)۔

۱۱۔ علامہ شامی حنفیؒ ‘‘ظہیریہ ’’ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ‘‘رجل دفع إلی فقیر

من المال الحرام شیئا، یرجو بہ الثواب یکفر، ولو علم الفقیر بذلک فدعا لہ، وأمن المعطی کفرا جمیعاً.... (و) ینبغی أن یکون کذلک لو کان المؤمن أجنبیاً غیر المعطی والقابض، وکثیر من الناس عنہ غافلون ، ومن الجہال فیہ واقعون" (ابن عابدین، رد المحتار۲،۲۹۲) (کوئی شخص حرام مال سے فقیر کو کچھ دے، اور اس کے ذریعہ ثواب کی امید رکھے، تو وہ کافر ہوجائے گا، اور اگر فقیر کو حرام مال کا علم ہو، پھر بھی وہ دینے والے کو دعا دے، اور دینے والا آمین کہے، تو دونوں کافر ہوجائینگے، اور یہی حکم اس صورت میں ہونا چاہئے، جبکہ آمین کہنے والا دینے اور لینے والے کے علاوہ کوئی اجنبی شخص ہو، حالانکہ بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں اور بہت سے جاہل افراد اس میں مبتلا ہیں)۔

ان فقہی نقول واقتباسات سے پوری طرح واضح ہے کہ فقراء اور مساکین مال حرام کے مصارف میں سے ایک مصرف ہیں، اور یہ کہ مال حرام غصب کرنے یا رشوت لینے یا سود حاصل کرنے والے کے حق میں خبیث اور گندہ ہے، جبکہ فقیر کے حق میں وہ حلال اور پاکیزہ مال کے درجہ میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال حرام کو فقراء اور مساکین پر صرف کیاجائے گا، لیکن مال حرام دینے والے کو چاہئے کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے کی نیت کرے، نہ کہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سےدے۔

خلاصہ بحث:

۱۔ وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سےکم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا لینا جائز ہے۔

۲۔ معافی والے قرضے جن میں سود کی شرط نہ ہو درست ہیں۔

۳۔ جو قرض سودی شرط پر مشتمل ہو وہ درست نہیں۔

۴۔ کم شرح سود کو سروس چارج نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

۵۔ جو قرض بھی سود پر مشتمل ہو درست نہیں ہے۔

۶۔ اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لئے سود دینا پڑے تو بدرجہ مجبوری رشوت کی طرح سود دے سکتے ہیں۔

۷۔ حکومت کی طرف سے ملنے والی امداد ی رقم قبول کرنا جائزہے۔

۸۔ واسطہ بننے والے مطلوبہ محنتانہ کے نام سے جو رقم لیتے ہیں وہ رشوت میں داخل ہے، اور رشوت لینا ہرحال میں حرام ہے۔

۹۔واسطہ بننے والے افراد کا حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لینا رشوت میں داخل ہے جو کہ حرام ہے، البتہ اپنے جائز حق کے حصول کے لئے رشوت دے سکتے ہیں۔

۱۰۔ امدادی رقوم اور قرضوں کے حصوں کے لئے بدرجہ مجبوری رشوت دے سکتے ہیں۔

۱۱۔ نااہل شخص کا امدادی رقوم لینا یا قرض حاصل کرنا او راس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا ناجائز ہے۔

۱۲۔ اصولی طور سے سو دلینا اور دینا دونوں حرام ہیں، البتہ تعلیم وغیرہ کی حاجت شدیدہ کی بنیاد پر رشوت کی طرح سود دینے کی گنجائش ہے۔

۱۳۔ سودی فنڈ قائم کرنا تاکہ فقراء کی مدد کی جائے درست نہیں ہے، جس طرح اس نیت سے بھی چوری حرام ہے کہ فقراء کی مدد کی جائے گی۔

۱۴۔ تعلیمی ورفاہی اداروں کو پاک اور حلال مال سے چلانا چاہئے۔

۱۵۔ اگر غیر مسلم حکومت سودی فنڈ قائم کرکے تعلیمی ورفاہی اداروں کا تعاون کرتی ہے، تو محتاج تعلیمی ورفاہی ادارے بیت الخلاء اور دیگر مصالح عامہ کے لیے ایسی حکومتی امداد قبول کرسکتےہیں۔

۱۶۔ فقراء اور مساکین مال حرام کے مصرف ہیں، لہذا وہ سودی رقم پر مبنی حکومتی تعاون قبول کرسکتےہیں۔

۱۷۔ مسلمانو نکو چاہئے کہ وہ تعلیمی ورفاہی اداروں اور محتاج افراد واشخاص کے تعاون کے لئے غیر سودی فنڈ قائم کریں۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ اورشرعی نقطہ نظر

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی•

۱۔ بینک سے سودی قرض کا حصول :

موجودہ سودی نظام نے ایسی صورت حال پیدا کردی ہے کہ اکثر افراد کا بینک سے واسطہ پڑتا ہی ہے، بینکوں سے ایسے واسطے پڑنے اور معاملات کرنے کے نتیجے میں سود کے بارے میں قسم قسم کے سوالات وجود میں آتے ہیں۔

اسی طرح حکومت اقتصادی اسکیموں ،ترقیاتی منصوبوں اور لوگونکی ضرورتوں کے پیش نظر سودی قرضے کم ، زیادہ شرح سود کے ساتھ دیتی ہے ، ایسے ہی امدادی یا معافی وغیر معافی والے قرضے بینکوں کے واسطے سے حکومتیں دیتی رہتی ہیں ، ان میں سے بعضوں میں کم سود، بعض میں زیادہ سود لیا جاتا ہے ،ان کے ماتحت جو سوالات وجود میں آتے ہیں وہ اصلا سود وربوا ہی سے تعلق رکھتے ہیں، اس نوعیت کے بہت سے مسائل کے بارے میں جواب سے پہلے سود وربوا کی وضاحت ضروری ہوتی ہے، لیکن ربوا کی تعریف، اس کی شرعی حقیقت ،دائرۂ کار اور اس کے مصارف وغیرہ بھی لوگوں میں عام ہونے کے سبب اس پر اس وقت گفتگو ترک کی جاتی ہے ۔

(۱) اولا تو ایک مؤمن بلا شدید ضرورت وحاجت کے قرض نہ لے، اگر واقعی ناگزیر ضرورت کی بناء پرلیناہی ہے تو بینک کے بجائے کسی اور سے لے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے ،لیکن اس وقت قرض دینے کے فضائل وثواب، اس میں مہلت دینے پر اجر وغیرہ سے ناواقفیت کی بناء پر اہل ثروت قرض دینے سے کتراتے ہیں، اور بعض قرض خواہ بھی ادائیگی میں ٹال مٹول کے عادی ہوتے ہیں،یابعض لوگ بلا ضرورت وحاجت کے ہی قرض لیتے ہیں، دونوں طرف سے افراط وتفریط ہونے کے سبب خمیازہ ان لوگوں کو بھگتنا پڑتا ہے جنہیں حقیقت میں قرض لینا ضروری ہے ،اور اہل ثروت سے قرض ملتا نہیں ہے؛ اس لئے بینک سے ہی رابطہ آخری درجہ ہوتا ہے ، اور بینک بھی بعض اسکیموں میں قرضوں کا کچھ حصہ معاف کردیتی ہے اور لئے ہوئے حصے سے کم دینا پڑتا ہے، تو اب ایسے آدمی کے لئے اس طرح قرض لینا درست ہوگا یا نہیں؟

یہ بھی حقیقت ہے کہ قومی خزانے میں ہرہندوستانی شہری کاحق ہے اور اسی حکومتی وسرکاری بینک سے قرض لیا جارہاہے ، فرق اتنا ہے کہ ایک مسلمان ہونے کے

• شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

ناطے ان قرضوں پر سود عائد کرنے کی پالیسی آڑے آتی ہے ، اور اگر اس سے استفادہ نہ کریں تو بہت سے شعبوں میں مسلمان کی زندگی مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے ،انہیں پیچیدگیوں کے پس منظر میں جوابات درج ذیل ہے:

مذکور سوال میں لئے ہوئے قرض سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، اس میں سود دینا نہیں پڑتا ، لہذا اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ سود کا تحقق اس وقت ہوگا جب ایک طرف سے ایسا فضل اور زیادتی ہو کہ دوسری طرف سے اس کا کوئی عوض نہ ہو، جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی صاحب فرماتے ہیں:

'' عرفہ فی الکنز عن الحنفیۃ بأنہ فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ: کتاب أنواع البیوع، فصل فی الربا، ج: ۴،ص: ۴۳۵،ط: الھدیٰ إنٹر نیشنل ، دیوبند)۔

اسی طرح کی تعریف علامہ شامی ؒ (کتاب البیوع ، باب الربا ، ج: ۷،ص: ۳۹۸،ط: زکریا ،دیوبند) نے ذکر فرمائی ہے۔

لہذا یہ صورت سود میں داخل نہیں ہوگی؛ بلکہ چھوٹ کے بعد باقی ماندہ قرض پر سود بڑھائیں تو وہ قرض کی مجموعی رقم سے کم ہوتو اس میں بھی جواز کی گنجائش ہوگی۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں: چھوٹ کی جتنی رقم بینک نے دی ہے اس رقم کے اندر اندر تک جو رقم سود کے نام سے دی جائے گی اس میں تاویل کی گنجائش رہے گی، مگر اس رقم سے جب زائد رقم دینی ہوگی تو اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی (منتخب نظام الفتاوی: کتاب البیوع، باب الربوا، ص: ۱۸۳، ج: ۳،ط: ایفا پبلیکیشنز ،نئی دہلی)۔

جواب : (۲) اس صورت میں زائد رقم اجل اور مدت کے عوض میں ہے ؛لیکن قرض کے باقی ماندہ حصے کے ساتھ ملانے کی صورت میں قرض کی مجموعی رقم سے زائد نہیں دینا پڑتا ،اس لئے اس میں بھی تاویل کی گنجائش رہے گی، جیسا کہ اوپر ''نظام الفتاوی '' کی عبارت سے وضاحت ہورہی ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اگر نیشنلائز بینک سے لون حاصل کیا جائے ،جس میں بینک کو سود دینا پڑے ،دوسری طرف گورنمنٹ سبسیڈی دے اور وہ سود میں اداکی گئی رقم کے برابر یا اس سے کم ہو تو یہ صورت جائز ہے؛ کیونکہ جب گورنمنٹ ایک طرف بینک کے واسطہ سے زیادہ رقم حاصل کررہی ہے اور دوسری طرف اپنے قرض کا کچھ حصہ معاف کررہی ہے اور بحیثیت مجموعی جتنی رقم آپ نے لی تھی، اس سے زیادہ رقم ادا نہیں کرنی پڑتی ہے ، تو چاہے اس کو سود کا نام دیا جائے ،شرعا یہ صورت سود کی نہیں ہوگی؛ کیونکہ سود اس

وقت ہوتا ہے جب لین دین کے معاملہ میں بہ حیثیت مجموعی ایک طرف سے زیادہ رقم ہوجائے اور دوسری طرف سے کم ؛ لہذا ایسے موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ؛ البتہ اگر سبسیڈی کی سہولت نہ ہوتو صرف اس بنیاد پر سودی قرض لینا جائز نہیں ہوگا کہ مسلمان بھی گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتے ہیں؛ کیونکہ ٹیکس گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والی شہری سہولتوں اور امن واما ن کے انتظام وغیرہ کا عوض ہے ،اس کا آپ کے قرض لینے اور دینے سے کوئی تعلق نہیں " (کتاب الفتاوی: معاشی وتجارتی مسائل، سود۱۰؍۶۱،ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)۔

حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی فرماتے ہیں:

''بظاہر تو یہ صورت جائز ہے کہ اس پر کم از کم اس وقت تک سود کی تعریف صادق نہیں آتی جب تک کہ مقروض کی طرف سے واپس کی جانے والی رقم اصل سے زائد نہ ہو ، البتہ ایک اشکال یہ ہے کہ ابتداء معاملہ میں یہ بات بھی بہر حال سامنے آئی ہے کہ اگر مقررہ وقت پر مطلوبہ باقی ماندہ رقم ادا نہ کر سکے تو پھر اس حساب سے مزید دینا ہوگا جو کہ بڑھتے بڑھتے اصل سے زائد ہوسکتی ہے " (الربا: ص: ۲۹۴،ط: اسلامک فقہ اکیڈمی)۔

جواب:(۳)اس صورت میں مقررہ مدت کے بعد قرض کی اصل رقم کی ادائیگی کے ساتھ مزید رقم کی ادائیگی بلا عوض ہورہی ہے، اگر چہ معاملہ میں یہ بات طے رہتی ہے کہ مقررہ مدت میں تاخیر کی صورت میں زائد رقم دینی ہوگی ،اور متعینہ مدت میں ادائیگی کی صورت میں یہ زائد رقم کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی،لیکن یہ شرط بھی فاسد معلوم ہوتی ہے ، اور زیادتی سود ۔

کیونکہ یہ اجل اور مدت کے عوض میں رقم لی جارہی ہے اور اجل کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہوتی جس کا عوض لیا جاسکے۔

''لأن الأجل فی نفسہ لیس بمال، فلا یقابلہ شئ حقیقۃ ...''(رد المحتار : کتاب البیوع ، باب المرابحۃ والتولیۃ، ص: ۱۴۲،ج: ۵،ط: دارالفکر)۔

ہاں اگر یہ بیوعات میں ہو اور وہاں ایک چیز ادھار بیچی جارہی ہو ، تو اس وقت مدت واجل کے عوض میں اضافہ کیا جاسکتاہے ، اس کو نفع کہا جاسکتاہے، جبکہ دوران عقد اس عوض کی تعیین ہوجائے۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''ووجھہ أن الربح فی مقابلۃ الأجل؛ لأن الأجل، وإن لم یکن مالا ولا یقابلہ شیئ من الثمن لکن اعتبروہ مالا فی المرابحۃ إذا ذکر الأجل بمقابلۃ زیادۃ الثمن...'' (فقہ البیوع: المبحث السادس، باب المرابحۃ والتولیۃ۲؍ ۶۴۶،ط: کتب خانہ نعیمہ ، دیوبند)، لیکن یہاں عقد مرابحہ نہیں ہے، بلکہ قرض ہے۔

ہاں ہمارے معاشرہ میں اسکول ،کالج اور دیگر کچھ اداروں میں لیٹ فیس وصول کی جاتی ہے ،تاکہ مقررہ فیس کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو ،ایسے ہی طلبہ وطالبات بھی وقت مقررہ پر حاضر ہوجائیں اور یہ ایک عام عرف بن چکا ہے ، اس لیٹ فیس کا عوام پر اثر بھی پڑتا ہے اور وقت مقررہ میں لازم فیس اداکردیتے ہیں، اور بینک بھی یہی چاہتی ہے کہ لوگ اس زیادہ رقم کی ادائیگی سے بچنے کے لئے جلدی قرضوں کی ادائیگی کی فکر کریں۔

لیکن اس پر قیاس کی صورت میں بھی ربا کا باب کھل جائے گا، اس لئے مقررہ مدت کے بعد ادائیگی کی صورت میں دی جانے والی زائد رقم کو سود ماننا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے ، کیونکہ قرض کی مقدار پر اس کے تناسب سے اجرت کا حصول اور مدت ادائیگی میں اضافہ کے ساتھ اس پر اضافہ اپنی ظاہری شکل کے لحاظ سے بعینہ سود ہے اور بظاہر اس کی کوئی مناسب تأویل نظر نہیں آتی۔

(۴)غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل رقم سے زائد کا مطالبہ- جس کی شرح بہت کم ہو - کو سروس چارج کہنا درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس میں تاخیر کی صورت میں اضافہ ہوتا رہے گا ،اور جتنی تاخیر اس قرض کی ادائیگی میں ہوتی رہے گی اتنابی اضافہ ہوگا؛ حالانکہ اس میں سروس تو یکساں ہی ہوتی ہے ،چاہے قرض کی رقم زیادہ ہو یا کم ، لیکن اضافہ لی ہوئی رقم کے مطابق ہوتا ہے ، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ سود ہی ہو، کیونکہ اس پر سود کی تعریف صادق آرہی ہے، شامی میں ہے: ''وشرعا فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال''۔(۴/۱۹۶) اور ایک جگہ لکھتے ہیں: ''کل قرض جر نفعا حرام إذا کان مشروطا'' (۴،۱۹۴) ۔اس قرض میں بھی کچھ ماہ کے بعد یا ایک سال کے بعد منافع مشروط ہے ،چاہے مقدار کم ہو۔

یہ سروس چارج اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ حساب کرکے صرف حقیقی اور واقعی مصارف وصول کئے جاتے ہوں، دفتری مصارف کا جائزہ لیکر ٹھیک حساب کرکے اس کو عقدِقرض کے درمیان ہی مقرر کردیا جائے ؛چاہے اس کی ادائیگی یک مشت ہویا قسط وار متعین ہو، اس کو سروس چارج کہا جاسکتا ہے ،اور یہ رقم واقعی اخراجات سے تجاوز نہ کرے۔

جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں :

''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں ،بینک کے لئے اپنے قرضداروں سے بطور ''سروس چارج '' کے ان کو وصول کرنا جائز ہے ، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے، جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئے ہیں۔ البتہ اگر پوری احتیاط کے ساتھ ان اخراجات کی تحدید ممکن ہوتو یہ صورت احکام شریعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی ،اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا۔

اور اگر ہر منصوبہ کے علیحدہ علیحدہ اخراجات کی تحدید ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بینک کے لئے ان سے واقعی اخراجات طلب کرنے کے بجائے قرض جاری کرنے سے پہلے اور بعد میں کی جانے والی دفتری کاروائی کی اجرت وصول کرنا جائز ہے ؛ بشرطیکہ یہ اجرت اس قسم کے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو، اس لئے کہ قرض دینے کا عمل بذات خود ایک ایسا عمل ہے جس پر نفع کا مطالبہ کرنایا اجرت کا مطالبہ کرنا شرعا جائز نہیں، لہذا قرض جاری کرنے پر آنے والے مصارف کو اندازے سے لَم سَم وصول کرنا جائز نہیں، لیکن اس قرض کے اجراء پر پیش آنے والے حقیقی دفتری اخراجات کا بلا معاوضہ ہونا شرعا کوئی ضروری نہیں۔

البتہ بینک کے لئے قرض لینے والوں سے قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے اجرت وصول کرنے کی گنجائش ہے جو قرض جاری کرنے پر آنے والے دفتری اخراجات کو پورا کرسکے، بشرطیکہ اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جائے، ایک یہ کہ یہ اجرت اس جیسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل کے برابر ہو ، دوسرے یہ کہ اس اجرت کی وصولی کو قرض پر حصول نفع کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنالیا جائے ''۔

اس مسئلہ کی نظیر وہ مسئلہ ہے جو فقہاء نے بیان فرمایاہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر مدعی اور مستفتی سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں، لیکن مفتی کے لئے فتوی تحریر میں لانے اور قاضی کے لئے دستاویزات لکھنے اور رجسٹر میں اندراجات کرنے کی اجرت لینا جائز ہے:

'' یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز کالمفتی فإنہ یستحق اجر المثل علیٰ کتاب الفتویٰ؛ لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبیان ۔ وفی صیرفیۃ: حکم: وطلب أجرۃ لیکتب شہادتہ جاز ، وکذا المفتی لو فی البلدۃ غیرہ '' (رد المحتار مع الدرّ المختار: کتاب الإجارہ، باب فسخ الإجارۃ ، مطلب فی اجرۃ صک القاضي والمفتي ، ص: ۱۲۷،ج: ۸،ط: دارالکتب العلمیۃ ،بیروت)۔

بشرطیکہ یہ اجرت ایسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو، اور بشرطیکہ اس کو نفس فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر اجرت لینے کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنایا جائے۔

البتہ قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے ''سروس چارج '' وصول کرنے پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ قرض کی مقدار کی کمی اور زیادتی پر دفتری امور میں یا اس قرض کے اندراجات میں کوئی کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوتی۔(چنانچہ ایک ہزار کے اندراج کے مقابلے میں دوہزار کے اندراز میں کوئی زیادتی واقع نہیں ہوتی) اس لئے مناسب یہ ہے کہ یہ ''سروس چارج '' کی رقم ہر قرض لینے والے سے برابر وصول کی جانی چاہئے، قرض کی مقدار کی کمی اور زیادتی سے اس پر کوئی فرق واقع نہ ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اجرت مثل ہمیشہ کام کرنے کی اس مشقت کے بقدر ہونا ضروری نہیں ہے ، جو عامل نے برداشت کی ہے ؛ بلکہ بعض اوقات اس میں کام کی نوعیت اور اس کی معنوی حیثیت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور بعض اوقات مستاجر کو حاصل ہونے والے نفع کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے ،اسی لئے بعض اوقات معمولی مشقت کے کام پر زیادہ اجرت دی جاتی ہے اور بعض اوقات زیادہ مشقت کے کام پر تھوڑی اجرت دی جاتی ہے (فقہی مقالات: اسلامی بینکنگ کے چند مسائل۱،۲۷۱،۲۷۰،ط: زمزم بکڈپو ،دیوبند)۔

جدہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ اس مسئلہ میں درج ذیل ہے :

''وہ قرض جس کی مدت پوری ہوگئی ہو اور مقروض ادائیگی سے معذور ہو اس پر تاخیر کے عوض میں لیا جانے والا کوئی بھی اضافہ یا انٹرسٹ ،اسی طرح قرض پر ابتداء معاملہ ہی سے لیا جانے والا اضافہ یا انٹرسٹ دونوں شرح سود اور حرام ہیں '' (فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: دوسرا سمینار ، قرار داد نمبر: ۱۰(۱۰/۲) ص: ۸۹، ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

اور تیسرے سمینار کے فیصلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''(اول) اسلامی ترقیاتی بینک کے لون (قرض) پر سروس چارج لینا درست ہے بشرطیکہ وہ حقیقی اخراجات کے دائرہ میں ہو۔(دوم) حقیقی اخراجات سے زائد کوئی بھی رقم شرعا سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے '' (فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: تیسرا سمینار ،قرار دار نمبر: ۱۳: (۱/۳) ص: ۹۷،ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے گیارہویں اجلاس (منعقدہ: مکہ مکرمہ بتاریخ ۲۰-۱۳/ رجب ۱۴۰۹ مطابق ۲۶-۱۹/فروری ۱۹۸۹)میں درج ذیل تجویز منظور کی گئی: ''اگر قرض دینے والے نے مقروض پر شرط لگائی یا اس پر لازم کیا کہ اگر مقرض دونوں کے مابین طے شدہ مدت کے اندر ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو ایک مقررہ مقدار میں یا کسی مقررہ شرح سے مالی جرمانہ دینا ہوگا ،تو ایسی شرط کا لزوم باطل ہے، اس پر عمل ضروری نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں ہے ، خواہ شرط لگانے والا کوئی بینک ہو یا کوئی اور شخص، اس لئے کہ یہ تو بعینہ دور جاہلیت کا سود ہے جس کو حرام قرار دینے ہی کے لئے آیت ربا نازل ہوئی تھی ''(اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے: گیارہواں اجلاس، آٹھواں فیصلہ، ص: ۳۲۷،ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

(۵) اوپر چار نمبر میں معمولی اور کم شرح پر کیا جانے والا اضافہ اگر سود کے دائرہ میں آسکتا ہے تو اگر قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو اس صورت میں اس کو بدرجۂ اولی سود کہنا چاہئے، جیسا کہ سوال نمبر چار کے تحت ذکر کردہ جواب سے مصرح ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ بعض مرتبہ یہ قرضے واقعی ضرورتوں کے پیش نظر بدرجۂ

مجبوری لئے جاتے ہیں، اور اس وقت شرح سود زیادہ ہوتی ہے ، تو کیا ان قرضوں کے پیش نظر ایسے قرضوں کی گنجائش ہوسکتی ہے ؟

حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

فقہ حنفی میں اس سلسلہ میں '' الاشباہ والنظائر '' کا جزئیہ بہت معروف ہے جسے عموماً ارباب افتاء ذکر کیا کرتے ہیں: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (القاعدۃ الخمسۃ، الضرر یزال،ص: ۳۲۷،ط: مکتبہ فقیہ الأمت دیوبند)۔

''حاجت مند کے لیے کچھ نفع کے عوض قرض کا لینا جائز ہے '' لیکن یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: پہلا سوال یہ ہے کہ وہ حاجت کیاہے؟ اور وہ محتاج کون ہے ، جس کے لیے یہ جواز ہے ؟ دوسرا یہ کہ جواز جہاں اور جس کے لیے ہوگا کس حد تک؟ فقہ کی اصطلاح میں حاجت اور ضرورت کیاہے؟ اور اس کے احکام وتفصیلات تو ''الاشباہ والنظائر '' اور اس کی شروح وغیرہ میں مذکور ہیں، اور ارباب افتاء ذکر کرتے ہیں اور کریں گے، میں تو اس موقع پر زیر بحث مسئلہ کی نسبت سے یہ کہنا چاہتاہوں کہ سود کے جواز کا محتاج بقول مفتی محمود حسن صاحب:

(۱) ایسا شخص ہے جو کہ اس درجہ محتاج ہو کہ کما نہیں سکتا اور بغیر قرض کے گزارہ کی کوئی صورت نہیں اور قرض بغیر سود کے ملتا نہیں، یعنی یہ محتاج ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس ضروریات زندگی کی صورت مینیا سامان کی صورت میں کوئی اثاثہ نہیں ہے اور نہ وہ کمانے پر قادر ہے۔

(۲) یہ محتاج ایسا شخص ہے جس کے پاس ضروریات زندگی ،مکان ،کپڑے، ضروری برتن کی صورت میں اثاثہ ہے ، مگر ضروریات پورا کرنے کے لیے نقد اثاثہ نہیں ہے اور ضروریات کا جو سامان بیچ دے تو عزت کے ساتھ سروبدن چھپانے کی صورت بھی جاتی رہے اور کمانے پر بھی قادر نہیں۔

(۳) یہ محتاج ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس مکان وغیرہ ضروریات کے ساتھ اتنی کم زمین ہے جس سے کسی طرح اس کی ضرورت کی بقدر غلہ یافت ہوسکتی ہے، مگر اس کے حصول کے لیے معاون چیزیں نہ ہونے کی وجہ سے اسے زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، مثلا کھاد ،بیج وسینچائی کے حق میں اور اس کے مخصوص حالات کے پیش نظر مزدوری کے حق میں بھی زحمت ہوتی ہے کہ خود بدن سے محنت نہیں کرسکتا اور مزدوری کے پیسے نہیں پاتا اوراس قسم کی صورت میں ایسے شخص کو غیر سودی قرض یا کوئی امدادی رقم کہیں سے حاصل نہیں ہوسکتی تو وہ اس حد کے تحت آئے گا اور خیال رہے کہ کمانے پر قادر نہ ہونے کا صرف یہ مطلب نہینہے کہ صحت وقوی کمزورہوں؛ بلکہ صحت وقوی کے ہوتے ہوئے آدمی خاندانی طورپر محنت ومشقت کا عادی نہیں ہے تو وہ بھی قادر نہیں شمار ہوگا، اور جیسے قدر کفاف روزی کے لیے آدمی کو

محتاج قرار دے کر جو از ہوسکتا ہے، ایسے ہی اگر رہائش کے مسئلہ میں آدمی واقعی مجبور ہوکہ کرایہ گراں، پھر کرایہ داری مستقل زحمت تو ضرورت کے لیے کافی مکان بنانے کی حد تک بھی اسے محتاج قرار دیا جاسکتاہے ، ایسا شخص کہ جس کے پاس ایک معقول ذریعہ معاش ہے جو بقدر کفاف روزی دیتا ہے، وہ اسے اور اچھا کرنا چاہے،یا پھیلانا چاہے تو وہ محتاج نہیں ہے ؛ جیسے کہ رہائش کے ایک مکان کے علاوہ اگر مزید ایک مکان ہے جس کے کرایہ کو استعمال کرتا ہے مگر ناکافی ہے تو وہ محتاج نہیں ہے، اسے مکان بیچ کر ذریعہ معاش اپنا نا چاہئے ،اسی طرح زائد از ضرورت گھر کاسامان ہوتے ہوئے انسان محتاج نہیں کہلائے گا، حضرت گنگوہیؒ نے ایک فتوی میں فرمایا کہ مکان اگرچہ نقصان کے ساتھ بیچنا پڑے، مکان بیچ دے مگر سود نہ دے، جیسے کہ احتیاج کے تحت اس کو بھی شمار کیا جاسکتاہے کہ ایک شخص کے پاس وسیع کاروبار ہے، کاروبار پھیلانے کے لیے وافر سرمایہ موجود ہے، لیکن اگر وہ اپنی ضروریات کے لیے اپنے سرمایہ کو سامنے لاتا ہے تو سرکاری قوانین کے سامنے اس کو جواب دہ ہونا پڑے گا؛ بلکہ مجرم کے کٹہرے یں کھڑا ہونا پڑے گا اور بڑی زحمتیں اور نقصان اٹھانے پڑیں گے، اب وہ مجبور ہوکر اپنی جائز کمائی کو بچانے اور چھپانے کے لیے اگر اقدام کرے تو اس کو بھی حد ضرورت میں شمار کیا جاسکتاہے، جیسے کہ کاروبار وغیرہ کے انشورنس کے حق میں اہل افتاء کہتے ہیں- اور ظاہر ہے کہ چونکہ یہ جواز مخصوص حال وحاجت کی بناپر ہے اس لئے صرف اسی حد تک ہوگا کہ جس سے یہ حاجت آدمی کی پوری ہوجائے یعنی معقول صورت میں کہ جوگزارہ کے لیے واقعی کافی ہو اور اس کی ضرورت کی حالت ختم ہوجائے جیسا کہ جواز کے فتویٰ کے ساتھ اکابر نے تصریح کی ہے اور فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے (الرباء: ص: ۲۹۲-۲۹۰)۔

حضرت مولاناخالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں:

‘‘اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضرورت کے بقدر رہائش کی سہولت نہ ہو اورا تنا پیسہ بھی نہ ہو کہ مکان بناسکے، یا کوئی نوجوان بے روز گار ہو اور ضروری حد تک روزگار کے لئے اس کو وسائل مہیا نہ ہوں تو اس کے لیے حکومت کی ان اسکیموں سے فائدہ اٹھانا درست ہے ،اور اس پر جو سود ادا کرنا پڑے ان شاء اللہ وہ عند اللہ اس سلسلہ میں معذور سمجھا جائے گا، سود کا مجبوری کے بغیر دینا بھی گناہ ہے ؛ لیکن دوسرے اشخاص یا بینکوں کے مقابلہ حکومت کو سود ادا کرنے کا معاملہ نسبتاً خفیف ہے؛ کیونکہ بے مکانوں کو مکان فراہم کرنا اور بے روزگاروں کے لئے روزگار کے مواقع مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے ؛ لہذا ان مقاصد کے لئے حکومت جو قرض دے رہی ہے ، اگر کوئی شخص قرض کی شرائط کو پورا کرتا ہو تو وہ واقعی اس کا حقدار ہے اور اس پر سود ادا کرنا اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لئے مجبورًا رشوت ادا کرنے کے مماثل

ہے، جس کی اجازت دی گئی ہے ''(کتاب الفتاوی: معاشی وتجارتی مسائل۱۰،۶۴، ط:کتب خانہ نعیمیہ ،دیوبند)۔

(۶)یقینا قانونی طورپر ترقیاتی منصوبوں یا بعض ضروریات کے لئے حکومت کی طرف سے مکمل امداد کی مدمیں دی جانے والی رقم سے استفادہ کا حق عام ہندوستانیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے ،اور مسلمان بھی اس جمہوری ملک میں عام شہری کی حیثیت سے شریک ہیں،اور جب تک ہمیں یقینی طورپر یہ معلوم نہ ہو کہ مذکورحکومتی امداد حرام ذرائع کی آمدنی سے دی جاتی ہے تو اس کے استعمال میں گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں مذکور ہے: ''قال أبواللیث:اختلف الناس فی أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضہم: یجوز ما لم یعلم أنہ یعطیہ من حرام ۔ قال محمد: وبہ نأخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینہ ، وہو قول أبی حنیفة وأصحابہ، کما فی الظہیریة " (کتاب الکراہیة، الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات ۵، ۳۴۲، ط: مکتبہ زکریا دیوبند)۔

(۷ ، ۸) کچھ بنیادی ضرورتیں ہے جیسے بیت الخلاء کی تعمیر ،کیونکہ وطن عزیز میں عصمت دری کے واقعات ہر روز اخبارات کی سرخیاں بٹورتے ہیں ، اس لئے عصمت وناموس کی حفاظت اور سہولتوں کے پیش نظر بھی بیت الخلاء قریب میں ہو یہ ایک ضرورت معلوم ہوتی ہے ،اسی طرح آدمی کا خود کا مکان ہو تو اپنی ضروریات کے مطابق اس میں رہن سہن اختیار کرتے ہوئے کام کاج کرسکتاہے، ایسی اہم ضرورتوں کے لئے آدمی کی اقتصادی حالت درست نہ ہو تو حکومتی تعاون وامداد کا حصول اس کی مجبوری بن جاتا ہے ،پھر بھی اس سے احتراز کرے اور دیگر ممکن ذرائع ووسائل کو کام میں لائے پھربھی یہ ضروریات کی تکمیل نہ ہوتی ہو تو بدرجہ مجبوری حکومتی تعاون وامداد لے گا۔

لیکن وطن عزیز کی بدقسمتی ہے کہ حکومتی قرض اور تعاون کے حصول کے لئے یا حکومتی دفتروں میں جائز وضروری کام یا حق وصول کرنے کے لئے بھی مٹھی گرم کروانا ضروری ہوتا ہے ،اور آج کل یہ کام دلالوں کے لئے ایک ذریعہ معاش بن چکا ہے، جس کو اب محنتانہ واجرت کا نام دیا جانے لگا ہے، اب براہ راست رشوت لینے میں عملہ کوپکڑے جانے کا ڈر ہے اس لئے اس میں دلالوں کو واسطہ بنادیا گیا ۔

بہرحال اشد مجبوری کی صورت میں حکومتی امداد وتعاون کے حصول کے لئے واسطہ بننے والے افراد کو ان کی اجرت دیناضروری ہوگیا ہے تاکہ ہمیں امداد جلدی مل جائے اور دوسری پریشانیوں سے دوچارنہ ہونا پڑے ؛اس لئے بوجہ مجبوری رشوت کی طرح اس طرح کی اجرت دینا جائز معلوم ہوتاہے ، چاہے وہ اجرت متعین ہویا فیصد کے حساب سے۔

اور اگر واقعی وہ محنت ہی کررہا ہے ،اور دفتری افسران اس دلال کی اجرت یا ملنے والی امداد سے کوئی رقم بطور رشوت وصول نہیں کرتے ہیں، اور یہ دلال لوگوں کو

آسانی فراہم کرنے کی غرض سے ہی جدوجہد کررہا ہے تو پھر اس اجرت میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔

چاہے یہ اجرت متعین ہویا فیصد کے حساب سے دی جاسکتی ہے؛ جیسا کہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

سمسرۃ کے معنی:

سمسرۃ کے معنی ہیں دلالی اور دلال کو سمسار کہتے ہیں۔

''السمسار:من یعمل للغیر بالأجر بیعًا او شرائً ویقال لہ فی العرف الدلال، کذا فی جمال الحسنیٰ'' (دستور العلماء وجامع العلوم في اصطلاح الفنون: باب السین مع المیم ۲؍۱۳۲،ط: دارالکتب العلمیۃ،بیروت)۔

اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی کو کوئی چیز خرید نے میں مدد دے ،بائع اور مشتری کے درمیان رابطہ قائم کرے اور کسی سے سودا کرائے ۔بعض اوقات سمسار ،بائع کااور کبھی مشتری کا وکیل ہوتاہے اور بعض اوقات دونوں کا وکیل ہوتاہے۔

دلال کی اجرت کے بارے میں اختلاف فقہاء:

دلال کی اجرت کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان کچھ اختلاف ہے ،پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دلالی کی ایک صورت تو ایسی ہے جس کا جواز متفق علیہ ہے ۔

دلالی کے جواز کی متفق علیہ صورت:

متفق علیہ صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا: مثلا میرا فلاں مکان ہے تم اس کے لئے مشتری تلاش کرو اور مدت مقرر کردی کہ ایک مہینہ کے اندر اندر تم میرے لئے مشتری تلاش کرو، اس ایک مہینہ میں تم میرے اجیر ہونگے، اس کی میں تمہیں اتنی اجرت ادا کروں گا۔

اس معاہدہ کی روسے اگر فرض کریں کہ اس نے پندرہ دن میں مشتری تلاش کرلیا اور بائع ومشتری کے درمیان سودا ہوگیا تو اس کو پندرہ دن کی اجرت مل جائے گی، اس کو ایک مہینہ کے لئے اجیر رکھا تھا ، فرض کریں اس کی پانچ ہزار اجرت مہینہ کی مقرر کی گئی تھی، اس نے پندرہ دن میں تلاش کرلیا تو اس کی اجرت ڈھائی ہزار ہوگئی۔

یہ صورت در حقیقت سمسرۃ کی نہیں بلکہ حقیقت میں یہ اجارہ ہے اور اس کے جواز پر سب کا اتفاق ہے ۔

''الإجارۃ شرعاً:ھی بیع منفعۃٍ معلومۃ بأجر معلومٍ'' (کنزالدقائق مع البحر: کتاب الاجارہ۷؍۵۰۶،ط: مکتبہ زکریا،دیوبند)۔

اور ''ھدایہ '' میں ہے:''الإجارۃ عقد یرد علی المنافع بعوض'' (کتاب الاجارات۳؍۲۹۳، ط: إدارۃ المعارف، دیوبند)۔

اور ''الموسوعۃ الفقہیہ '' میں ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے :

‘‘عرفہا الفقہاء بأنہا عقد معاوضۃ علی تملیک منفعۃ بعوض ’’ (۱، ۲۵۲)۔

اور اگر فرض کریں کہ وہ پورا مہینہ کوشش کرتا رہا ،مشتری تلاش کرتا رہا ؛ لیکن اس کو کوئی مشتری نہ ملا تب بھی مہینہ ختم ہونے پر اس کے پانچ ہزار روپے واجب ہوجائیں گے، یہ اجارہ ہے اور اس کے جواز میں کسی کااختلاف نہیں ہے ۔

سمسرۃ کی معروف صورت :

لیکن سمسرۃ کی عام طور پر جو صورت معروف ہے وہ یہ ہے کہ آپ میرے لئے مشتری تلاش کریں ،اگر مشتری تلاش کرکے لائیں گے تو میں آپ کو پانچ ہزار روپے دوں گا ،اس میں عام طورپر مدت نہیں ہوتی ؛ بلکہ عمل کی تکمیل پر اجارہ ہوتا ہے کہ اگر تم مشتری تلاش کرکے لائوگے تو تمہیں پانچ ہزار روپے ملیں گے۔

اب اگر بالفرض وہ دوسرے دن تلاش کرکے لے آیا تو اس کو پانچ ہزار روپے مل گئے اور اگر دوسرے دن تلاش کرکے نہ لایا ،دوسرا دن کیا پورا مہینہ گزر گیا ،دومہینہ گزر گئے وہ کوشش کرتا رہا لیکن کوئی مشتری نہیں ملا تو ایک پیسہ بھ اجرت نہیں ملے گی، اس کو عام طورپر سمسرۃ کہتے ہیں۔اس کے جواز میں فقہاء کرام کا کلام ہوا ہے ۔

امام شافعی ،مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا قول:

امام شافعیؒ ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کو مطلقا جائز کہتے ہیں شرط صرف یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو۔

حنفیہ کا مسلک:

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں علامہ عینیؒ نے ‘‘عمدۃ القاری ’’ میں یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ عقد جائز نہیں ہے اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف غالباً یہ قول اس وجہ سے منسوب کیا ہے کہ یہ اجارہ تو ہے نہیں، اس لئے کہ اجارہ میں معقود علیہ یا عمل ہوتا ہے یا مدت ہوتی ہے، اس میں عمل کی تکمیل سے بحث نہیں ہوتی کہ عمل مکمل ہوا یا نہیں ہوا، اس نے اپنی محنت کی ہے؛ لہذااس کو اس کی اجرت مل جائے گی، یہ اجارہ نہیں در حقیقت سمسرۃ ہے جو جعالہ کی ایک شکل ہے۔

جعالہ:

جعالہ یہ ایک مستقل عقد ہوتا ہے جو اجارہ سے مختلف ہے ۔

‘‘الفقہ الاسلامی وأدلتہ ’’میں مذکور ہے: ‘‘لغۃً:ھی مایجعل للإنسان علی فعل شیئ أو ما یعطاہ الإنسان علی أمر یفعلہ۔ وشرعًا:التزام عوض معلوم علی عمل معین أو مجہول عسر علمہ’’ (الفصل الرابع فی الجعالۃ أو الوعد بالجائزۃ ۵۷۸،۴)۔

اور ‘‘الموسوعۃ الفقہیہ ’’ میں مذکور ہے:‘‘التزام عوض معلوم علی عمل معین أو مجہول یعسرضبطہ’’ (۱۵، ۲۰۸)۔

خلاصہ یہ کہ جعالہ کے معنی یہ ہوتے ہیں: اس میں نہ تو کوئی مدت مقر رہے نہ

کوئی عمل مقرر ہے ؛ بلکہ عمل کے نتیجے پر اجرت دی جاتی ہے ،مثلا کسی شخص کا غلام بھاگ گیا، پتہ نہیں وہ کہاں ہے؟ اس نے کسی شخص سے کہا کہ اگر تم میرے غلام کو میرے پاس لے آئو تو تمہیں اتنی اجرت دوں گا۔

اب غلام کب آئے گا؟ کتنی دیر لگے گی؟ کتنی محنت کرنی پڑے گی؟ یہ سب کچھ مجہول ہے، ملے گا یا نہیں ملے گا، ہوسکتا ہے چھ مہینے تلاش کرتا رہے ؛ لیکن وہ نہ ملے اور ہوسکتا ہے کہ کل مل جائے، ہوسکتا ہے کہ بہت محنت کے باوجود نہ ملے اور ہوسکتا ہے کہ گھر سے باہر نکلے اور مل جائے تو نہ عمل کی تعیین ہے ، مدار اس پر ہے کہ جب عمل مکمل ہوجائے گا تو پیسے ملیں گے ورنہ نہیں ملینگے، اس کو جعالہ کہتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ ؒ کا مسلک :

ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک ؒ ،امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ یہ تینوں حضرات جعالہ کو جائز کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ جعالہ کو جائز نہیں فرماتے ،کیونکہ یہ اجارہ کی شرائط پر پورانہیں اترتا۔

لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ ایسی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہو کہ جعالہ حرام ہے ،البتہ جعالہ کے جواز پر بھی ان کی کوئی روایت موجود نہیں ہے، اس واسطے لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک جعالہ جائز نہیں۔

سمسار کو بھی جعالہ کے اصول پر قیاس کیا چونکہ سمسرہ میں بھی نہ عمل متعین ہے اور نہ مدت متعین ہے، بلکہ یہ کہا کہ جب تم مشتری تلاش کرکے لائو گے تو اجرت ملے گی، یہ بھی جعالہ کی ایک شکل ہے ۔اور جعالہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت نہیں ہے، اس واسطے کہا گیا کہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک یہ عقد جائز نہیں اور علامہ عینیؒ نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں۔

اس کے بارے میں میں نے عرض کیا کہ میراغالب گمان یہ ہے کہ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی نفی کی بات ثابت نہیں ہے ؛ لیکن اثبات کی بھی کوئی روایت نہیں ہے اس واسطے ان کی طرف عدم جواز کی نسبت کی جاتی ہے ۔

ورنہ دلائل کے نقطہ نظر سے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ''ولمن جاء بہ حمل بعیر'' کی روشنی میں جعالہ کا جواز واضح ہے ، اس واسطے متاخرین حنفیہ نے سمسرۃ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے ۔

دلالی (کمیشن ایجنٹ)میں فیصد کے حساب سے اجرت طے کرنا:

دوسرا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ سمسرۃ کی اجرت کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی اجرت مقرر کرلی جائے، اجرت کی مقدار معین کردی جائے کہ تمہیں پانچ ہزار روپے دیں گے تو اس کو سبھی جائز کہتے ہیناور محقق قول کے مطابق حنفیہ کے ہاں بھی جائز ہے،

لیکن عام طورسے سمسرہ میں جو صورت ہوتی ہے وہ اس طرح اجرت متعین نہیں ہوتی بلکہ فیصد کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے کہ جتنے تم بیچوگے اس کا دوفیصد تم کو ملے گا۔

آج کل کی اصطلاح میں اس کو کمیشن ایجنٹ (Commission Agent) بھی کہتے ہیں، یعنی تم جو سامان بیچوگے اس کی قیمت کا دوفیصد تمہیں ملے گا، ایک فیصد ملے گا،اجرت فیصد کے حساب سے مقررکی جاتی ہے۔

بعض وہ حضرات جو سمسرۃ کو جائز کہتے ہینکہ اس قسم کی اجرت مقررکرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ سمسرۃ در حقیقت ایک عمل کی اجرت ہے اور سمسار کا عمل ثمن کی کمی بیشی سے کم اور زیادہ نہیں ہوتاوہ تومشتری کو تلاش کررہا ہے، اب اگر ثمن ایک لاکھ ہے تب بھی اس کو اتنا عمل کرنا پڑتا ہے اور اگر ثمن ایک ہزار ہے تب بھی اتنا ہی عمل کرنا پڑتا ہے ؛ لہذا اس کو ثمن کی مقدار کے ساتھ مربوط کرکے اس کا فیصد مقرر کرنا ،بعض نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے ۔

مفتی بہ قول:

لیکن اس میں بھی مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور علامہ شامیؒ نے بعض متاخرین حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ اجرت کا عمل کی مقدار کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے ؛بلکہ عمل کی قدروقیمت اور عمل کی حیثیت کے لحاظ سے بھی اجرت میں فرق ہوجاتا ہے ،اس کی مثال علامہ شامیؒ نے یہ دی ہے کہ ایک شخص چمڑے میں سوراخ کرتا ہے اور ایک شخص موتی میں سوراخ کرتا ہے۔

اب چمڑے میں سوراخ کرنے والے اور موتی میں سوراخ کرنے والے کے عمل میں محنت کے اعتبار سے کوئی زیادہ فرق نہیں، لیکن موتی کے اندر سوراخ کرنے والے کے عمل کی قدروقیمت زیادہ ہے ،بنسبت چمڑے میں سوراخ کرنے والے کے، تو عمل کی قدر وقیمت کا بھی لحاظ ہوتا ہے ، لہذا اگر کوئی شخص دلالی کررہا ہے اور اس نے قیمت زیادہ مقرر کرلی ہے تو چونکہ اس کے عمل کی قدروقیمت زیادہ ہے اس لئے اس میں فیصد کے تناسب سے اجرت مقرر کی جاسکتی ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل: خرید وفروخت کی جائز وناجائز صورتیں۳، ۲۰۱-۱۹۶،ط: فیصل ، نئی دہلی ،انعام الباری: کتاب الاجارہ، باب اجر السمسرۃ۶،۴۰۷-۴۵۲،ط: مکتبہ حقانیہ کٹھور سورت)۔

اور آج کل دلالی صرف بیع وشراء ہی میں منحصر نہیں رہی؛ بلکہ ہرکام میں اب دلالی آچکی ہے ،خاص طورپر حکومتی افسران اور دفاتر سے کام نکلوانے میں بھی ان سے رابطہ کرنا ضروری ولابدی ہوچکا ہے، ورنہ آدمی مشقتوں سے دوچار ہوتا جاتا ہے ۔

(۹)ہمارے یہاں اسلامی بیت المال یا صدقات وزکوۃ کا کوئی منظم نظام نہیں ہے ، ایسے ہی غیر سودی قرضوں کا مسلمانوں کے پاس کوئی نظام نہیں ہے اور اس جمہوری

ملک میں اگر بدرجہ مجبوری امدادی رقم یا قرض لینے کی نوبت آجائے تو یہاں کی صورت حال سے کون ناواقف ہے ؟ چونکہ رشوت لینا اور دینا دونوں ہی جائز نہیں ہے اس لئے حتی الامکان اس سے بچنا چاہئے، لیکن بدقسمتی سے اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے بھی مٹھی گرم کروانا لازمی جزوبن چکا ہے ، اس لئے مجبوری کی صورت میں لی جانے والی امداد یا قرض کے حصول کے لئے رشوت دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ،اور لینے والا گنہ گار ہوگا ۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

''ثم الرشوة اربعة اقسام: منہا ما ھو حرام علی الآخذ والمعطی، وہو الرشوة علی تقلید القضاء والإمارة ۔ الثانی: ارتشاء القاضی لیحکم وہو کذلک ، ولو القضاء بحق؛ لأنہ واجب علیہ۔الثالث: أخذ المال لیسوّی أمرہ عند السلطان دفعا للضرر او جلبا للنفع، وہو حرام علی الآخذ فقط الرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ او مالہ، حلال للدافع حرام علی الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب۔۔۔۔'' (رد المحتار: کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة والہدیة ۸؍۳۵،۳۴، ط: زکریا بکڈپو دیوبند)۔

(۱۰)حکومت کی طرف سے اس کے مقررکردہ اصولوں کے مطابق بعض ضروریات کے لئے رقوم دی جاتی ہے ،اور مسلمان کی شان یہ نہیں ہے کہ دھوکہ دہی یا کذب بیانی سے کام لے،جیسا کہ حدیث میں ہے:

''قال رسول اللہ ﷺ: آیة المنافق ثلث، زاد مسلم: وإن صام وصلیٰ وزعم أنہ مسلم ؛ ثم اتفقا:إذا حدث کذب، وإذا وعد اخلف، وإذا اؤتمن خان'' (مشکوة المصابیح: کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات النفاق ۱؍ ۱۷،ط: مکتبہ تھانوی دیوبند)۔

اولا تو بغیر ضرورت شدیدہ کے اس رقم سے احتراز کی کوشش کرے اور اگر ضرورت شدیدہ کے تحت لینے کی نوبت آئے تو حکومت کی طرف سے جو کچھ شرائط ومعیارات ہوں اس کا لحاظ رکھے اور اپنی صحیح وسچی حالت بیان کرنے کے بعد ایسی رقم لے کر استعمال کرنا درست ہے ۔

(۱۱)سابق بحث کی روشنی میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر قرض پر عائد ہونے والا سودخود حکومت ادا کردے اور حاجت مند کو صرف قرض کی اصل رقم کی ہی ادائیگی کرنی پڑے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے ، اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

اور اگر قرض پر عائد ہونے والا سود بھی خود قرض لینے والے کو ادا کرنا پڑتا ہے ،چاہے اس کی شرح کم ہو،پھر بھی اس کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ جواب نمبر : ۴ ــہ کے تحت گذر چکا۔

(۱۲)موجودہ دور میں بینک ڈپازٹ بہت اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ہر شہر اور ہر ملک کا انسان اپنے کاروباری معاملات میں اس کی شدید ضرورت محسوس کرتا ہے ،بلکہ

اب حکومتیں بھی رقم ڈپازٹ کرتی ہے، تاکہ اس کے منافع سے تعلیمی شعبوں اور رفاہی اداروں میں تعاون کیا جاسکے، یہ مسائل موجودہ دورمیں پیدا ہوئے ہیں، اور اب یہ غالبا ہر ملک کا مسئلہ بن گیا ہے ۔

کوئی آدمی اپنے طور پر اپنی رقم بینک میں ڈپازٹ رکھے تو اس کے لئے اس پر حاصل ہونے والے سود سے استفادہ جائز نہیں ہے ،لیکن اگر حکومتیں بینک میں رقم رکھے ،تو سود کی مالک وہ حکومتیں ہوگی، اب وہ اس منافع اور سود کی رقم سے لوگوں کا تعاون وامداد کرے تو ''لک صدقۃ ولنا ہدیۃ'' (حدیث) کے پیش نظر اس اسکیم سے استفادہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں:''اگر گورمنٹ بینک میں کوئی رقم رکھتی ہے اس کا سود حاصل کرتی ہے ،اور اس سے اپنے بعض ملازمین کو تنخواہ کے طورپر دیتی ہے ،تو ان ملازمین کو اس تنخواہ سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے ؛ کیونکہ بینک میں رقم رکھنے اور اس پر سود حاصل کرنے کی ذمہ داری گورنمنٹ سے متعلق ہے ، نہ کہ ملازمین سے یا ان لوگوں سے جن کا تعاون کیاجائے اور فقہ کا اصول یہ ہے کہ رقم متعین نہیں ہوتی ہے اور مالک کے بدلنے سے شئ کی حیثیت بدل جاتی ہے ، یعنی اگر بینک نے گورنمنٹ کو رقم دی تو یہ بعینہ وہ رقم نہیں سمجھی جائے گی ،جو ملازمین کو تنخواہ میں ملی ہے ؛ البتہ اگر کوئی شخص بہ طور احتیاط کے اس رقم سے پرہیز کرے تو یہ یقینا اس کے لئے باعث اجر ہوگا '' (کتاب الفتاوی: سود، گورنمنٹ کا سود سے تنخواہ اداکرنا۱۰، ۶۱، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)۔

سرکاری اسکیموں سےمتعلق چند جدید فقہی مسائل

مولانا محمد مصطفی عبد القدوس ندوی•

ایک حصہ معاف کیا جانے والے قرضے کا حکم:

سوال(۱): وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے ؟

جواب: وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے ، جس کو سبسیڈی کا عنوان دیا جاتاہے ، معافی کے بعد باقی رقم واپس کرنا پڑتا ہے ، ایسے قرضے کو لینا شرعًا درست ہے ؛ کیونکہ سبسیڈی حکومت کی طرف سے ایک رعایت واعانت ہے ، جو مکمل تعاون نہ کرکے جزوی طورپر تعاون کرتی ہے اور جس طرح دوسری قومیں حکومت سے تعاون ورعایت کی حقدر ہیں اسی طرح مسلمان بھی برابر کے حقدار ہیں ۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مقروضوں کو کلی طور پر یا جزوی طور پر ان کے قرضوں کو معاف کردینے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے ، اور تنگدست مدیون کودین کی ادائیگی کے لئے مہلت دینا جوکہ فرض ہے ،کے مقابلہ میں معاف کردینا جو کہ نفل ومستجب ہے ، افضل وبہتر قرار دیا ہے ، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

''وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌلَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ'' (البقرۃ: ۲۸۰)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ اور علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے کہ تنگدست مدیون کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کے قرض کو معاف کردینا مستحب ہے؛ لیکن ثواب کے اعتبار سے معاف کردینا مہلت دینے کے مقابلہ میں بڑہا ہوا اور افضل ہے (الأشباہ والنظائرلابن نجیم المصری:۴۵۱/۱،وللسبکی:۶۸۱/۱)۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے قرض دینے والو ں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے تنگدست مقروضوں کو ان کے پورے قرضے یا بعض معاف کردیں، اور فرمایا: ایسا کرنا تمہارے حق میں خیر ہی خیر ہے (تفسیر ابی سعود:۸۶۲/۱، تفسیر طبری : /۵ ۴۶، /۶ ۶۳)۔

اس اعتبارسے حکومت کا یہ عمل قرآن کے مطابق ہے اور پسندیدہ عمل ہے ، اور مسلمانوں کے لئے اس طرح کے قرضے سے فائدہ اٹھانا صحیح ہے بشرطیکہ حکومت کا

• استاذ کلیۃ القرآن والحدیث جامعہ اسلامیہ کیرالا۔

معاملہ اسی حدتک ہو ، اس معاملہ کی کسی صورت میں حکومت کی طرف سے قرض سے زائد رقم کا مطالبہ نہ ہو ، ورنہ درست نہیں ہوگا ؛ کیونکہ یہ پھر سودی قرض میں شامل ہو جائے گا ۔جس کی وضاحت آگے آرہی ہے ۔

قرض کی پوری رقم ادا کرنااور زائد رقم نہ دینا:

سوال(۲): معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے اس صورت کا کیا حکم ہے جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے ؟

جواب:اصولی طور پرقرض لیا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ اسے واپس کرنا ہے ، اور پورا واپس کرنا ہے ، عرف میں بھی قرض لینے کا مطلب یہی سمجھا جاتاہے ، قرض دینے والا معاف کردے تو اس کا احسان وفضل ہے ۔شریعت اسلامیہ نے بھی اپنے ماننے والوں کو یہی تعلیم دی کہ قرض میں اصل قرض دینے والے کو اس کاپورا سرمایہ واپس کردیناہے ؛ چنا نچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

’’وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ‘‘ (البقرۃ: ۲۸۰)۔

پس سوال میں ذکر کردہ صور ت درست ہے ؛ کیونکہ مقروض حکومت کو اصل سرمایہ ہی واپس کرتاہے ، کوئی زائد رقم واپس نہیں کرتا ہے ؛ اس لئے اس میں سو دکی صورت نہیں پائی گئی ۔

کل سرمایہ کی واپسی کے ساتھ زائد رقم دینے کا حکم:

سوال(۳): اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پرکل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: یہ صورت درست نہیں ہوگی؛ کیونکہ زائد رقم سود ہے ؛ اس لئے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے ، اور معاملہ کرتے وقت حکومت کی طرف سے بعض صورتوں میں جن میں ایک صورت یہ بھی ہے شرط ہوتی ہے کہ اگر مقرر ہ مدت تک قرض واپس نہیں ہوا ، تو اس کے بعد قرض ادا کرنے پر اتنی زائد رقم ادا کرنی ہوگی جوکہ سود ہے ؛ اس لئے کہ اصول یہ ہے کہ جس معاملہ میں سود کی آمیز ش ہو ، خواہ وہ ابتداءِعقد میں ہو ، یا وسطِعقد میں ، یا انتہاءِعقد میں ، وہ معاملہ درست نہیں؛کیونکہ وہ شرعی قباحت وحرمت سے خالی نہیں ؛ اس لئے کہ قرض لینے والا قرض کے دباؤ میں اس شرط کو قبول کررہاہے کہ اگر وہ مقررہ مدت تک قرض ادا نہیں کرسکا تو مقررہ مدت گذر نے کے بعد قرض ادا کرنے پر زائد رقم جوکہ سو د ہے ، بھی ادا کرے گا ، اس شرط کی وجہ سے یہ سودی معاملہ ہوگیا ، جس میں قرض دینے والے کا فائدہ ہے، اور وہ قرض کے ذریعہ مالی فائدہ حاصل کررہاہے ، حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرض کی وجہ سے جس طرح کا بھی نفع قرض دینے والاحاصل کرے وہ سود ہے‘‘كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا‘‘ (

مسند الحارث عن علی مرفوعا, باب فی القرض، حدیث: ٧٣٤)۔

نیز حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے منقول ہے کہ جو شخص کسی کو قرض دے تو اسی کی واپسی کی شرط لگائے مزید کی نہیں ''مَنْ أَسْلَفَ سَلَفاً، فَلاَ يَشْتَرِطْ إِلاَّ قَضَائَهُ''(موطا الامام مالک، التجارات، باب مالایجوز من السلف، حدیث: ٨٤٨١)۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابوبردہؓ سے فرمایا: جب تمہارا کسی پر قرض ہو پھر وہ تمہیں گھاس کا ، یا جوکا، یا چارے کاگٹھا تحفہ کے طور پر بھیجے ، تو وہ مت لو، اس لئے کہ وہ سود ہے (بخاری ، منا قب عبد اللہ بن سلام ، حدیث: ٤١٨٣)۔ یہی بات حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ، حضرت عبد اللہ بن عباس ؓاور حضرت فضا لہ بن عبیدؓسے منقول ہے (السنن الصغیر للبیہقی :باب القرض، ٣٧٢/٢، حدیث: ١٧٩١، السنن الکبری للبیہقی:٣٧٥/٥،حدیث:٣٣٩٥١،المغنی لابن قدامہ: ٠٤٢/٤، الفتاوی الکبری لابن تیمیہ:/٢ ٠٦١بحوالہ سنن سعید بن منصور)۔

علامہ عینی ؒ نے حضرت عبداللہ بن سلام ؓکے قول کی تشریح کی ہے ، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرض دینے والے کا مقروض سے ہدیہ قبول کرنا سود کے قائم مقام ہوگا ؛ اس لئے کہ جتنا اس نے دیا ہے اس سے زائد لے رہا ہے (عمدۃ القاری :/٦١ ٧٧٢)۔ علامہ ابن قدامہ ؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیاہے کہ ان حضرا ت نے ایسے قرض سے روکا ہے جس سے فائدہ اٹھایا جائے (المغنی لابن قدامہ: /٤ ٠٤٢)۔امام بغوی ؒ نے حدیث بالا کی تشریح کرتے ہو ئے لکھا ہے کہ : اگر قرض میں یہ شرط ہو کہ اس سے زیادہ مقدار یا اس سے افضل چیز کو واپس کرنا ہوگا تو وہ حرام ہوگا(شرح السنہ للبغوی: ٣٩١/٨)۔

مذکورہ بالا نصوص وتصریحات سے معلوم ہوا کہ مدت کے عوض کی۔ طرح کا فائدہ اٹھانا سود ہے ؛ اس لئے اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی دینی پڑے تو یہ قرض کا معاملہ درست نہیں ہوگا؛کیونکہ زائد رقم سود ہے ؛اس لئے کہ یہ زائد رقم عوض سے خالی ہے اور شرط کے مطابق مدت کے بدلہ ہے ۔ نیز سدًّا للذریعہ قاعدہ کے مطابق بھی مذکورہ قرض کی صورت کامعاملہ ناجائزہو نا معلوم ہوتاہے ؛کیونکہ عملی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ قرض کی ادائیگی مقررہ مدت کے اندر اداکرنے والے سے عام طور پر تاخیر ہوجاتی ہے اور تاخیر کرنے کی بناء پر سود اداکرتے ہیں ۔

نیز غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالاقرض کی صورتاگر مقررہ مدت کے اندرقرض ادا کردیا تو زائد رقم نہیں دینی پڑے گی ، اور اگر مدت گذرنے کے بعد قرض کی ادائیگی ہوتی ہے تو زائد رقم دینی پڑے گی کامعاہدہ اصلاً سود کی بنیاد ہی پر ہوتاہے ، اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے ۔دراصل حکومت یا سرکاری یا پرائیوٹ بینک

اس طرح کے اسکیمی قرضے لوگوں کو پھانسنے کے لئے جاری کرتے ہیں ، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شکاری مچھلی کو چارہ ڈالتاہے شکارکرنے کے لئے نہ کہ مچھلی کے ساتھ خیر خواہی اور اس کا پیٹ بھرنے کے لئے ؛ کیونکہ معلوم ہے کہ لوگ عام طور پر مقررہ مدت کے اندر قرض ادا نہیں کرپاتے ہیں ۔

سروس چارج کے نام پر زائد رقم کا مطالبہ:

سوال(۴):غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو ؛ لیکن اس کی شرح بہت کم ہو، حس کو سروس چارج کہا جاتاہو ، یااپنی مقدار کے اعتبارسے وہ سروس چارج کہلاسکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر اداکی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا ؟ یہ سود کے دائرے میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت و گنجائش ہوگی ؟

جواب:اس صورت میں بنیادی طور پر سوچنے کا مقام یہ ہے کہ آیا یہ زائد رقم اصل قرض کے ساتھ ملحق ہوکر ادا کی جاتی ہے ، یا اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو تا ہے ، اگر اصل قرض کے ساتھ ملحق کرکے زائد رقم ادا کی جاتی ہے تو یہ سود ہے ، اس کو سروس چارج کا عنوان نہیں دیا جاسکتا؛ کیونکہ سود کا شبہ قوی ہے ؛ اس لئے کہ سود اصل قرض کے ساتھ ہی لیادیا جانا معروف ومروج چلاآرہاہے ۔ نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ قرض دینے والا ادارہ، شخص ، حکومت یابینک زائد رقم سروس چارچ کے نام پر لیتے ہیں یا انٹرسٹ (سود) کے نام پر، اگر وہ انٹرسٹ کے نام پر لیتے ہیں تو اس کو سروس چارچ کا نام دے کر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے :''لاعبرة للدلالة فی مقابلة التصریح''(مجلة الأحکام العدلیة،ص:۷۱،مطبوعہ کراچی)، امام محمدؒ سے بھی یہ قاعدہ تھوڑے سے الفاظ کے فرق کے ساتھ منقول ہے :''لاعبرة للدلالة مع التصریح بخلافہ'' (الجامع الصغیر، باب فی الرجعة،ص:۸۲۲)،صاحب درر نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :''التصریح أقوی من الدلالة'' (دررالحکام شرح غررالأحکام، الاختلاف فی المہر:۷۴۳/۱، مزید ملاحظہ ہو:المبسوط للسرخسی:۶۵۱/۵، ۳۲/۱۱، البدائعللکاسانی، فصل فی أحکام العدة:۶۰۲/۳،تبیین الحقائق للزیلعی، باب المہر الہبة:۲۹/۵،الماذون:۲۱۲/۵، العنایة شرح الہدایة، الماذون:۷۹۲/۹، البحر الرائق، الأمة الماذون لہا:۱۱۱/۸)۔

اگر یہ زائد رقم سروس چارچ کے عنوان سے لیتے ہیں اور قرض کے ساتھ ملحق ادا نہیں کی جاتی ہے، اور نہ ہی شرح سود سے اس کا حساب ہوتا ہے، اوراس کی مقدار اتنی ہے کہ سروس چارج ہی کہے جانے کے لائق ہے ۔اگریہ شرطیں پائی جائیں گی تو زائد رقم سود کے دائرہ میں نہیں آئے گی، بلکہ انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی ۔ واضح رہے کہ اگر زائد رقم کی مقدار سروس چارج کہلانے جانے کی مقدار سے بڑھ کر ہے تو وہ سود کے دائرہ میں آجائے گی ؛ اس لئے کہ اس وقت شبہ ربا

پایا جائے گا ؛ کیونکہ زائد رقم کا ہونا سود کے لئے قرینہ ہوگا نہ کہ سروس چارج کا۔

سوال(۵): اگر سرکارکی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانےوالی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تو اسکا کیا حکم ہوگا؟

واضح رہے کہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے ، مکان کی تعمیر ، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جا سکتا ہے ؟

اصل قرض سے زائد رقم کو سروس چارج پر محمول کرنا مشکل ہو:

جواب: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ یہ زائد رقم اتنی ہو کہ انتظامی خرچ پر محمول نہ کیا جاسکے تو وہ سود کے دائرہ میں آئے گی اور یہ قرض کا معاملہ ناجائز وحرام ہوگا؛ اس لئے کہ اس میں شبہ ِربا پایا جارہاہے ، اور وہ بھی قوی ہے ، اور شبہ ربا اصل ربا کے حکم میں ہوتا ہے ، علامہ سرخسیؒ کا بیان ہے :

''الفضل الذی ہو یُتوہم الوجود کالمتحقق فی باب الربا احتیاطا'' (المبسوط للسرخسی، بیع السویق بالدقیق: ۹۷۱/۲۱، نیز دیکھئے :البدائع،فصل فی شرائط جریان الربا :۸۹۱/۵، ہدایہ،باب الربا:۲۶/۳)۔

وہ اضافہ جس کے وجود کا احتمال ہو وہ بربناء احتیاط سودکے اب میں موجود کی طرح ہے ۔

علامہ زیلعیؒ رقم طرازہیں :

''والاحتراز عن شبہۃ الربا واجب کالاحترازعن حقیقۃ الربا؛ لأن الشبہۃ فی باب الحُرُمات ملحقۃ بالحقیقۃ'' (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الربا:۷۸/۴، نیز دیکھئے :العنایۃ شرح الہدایۃ، بیع الصرف:۵۱۴/۶، درر الحکام شرح غرر الأحکام، أرکان الدعوی:۰۳۳/۲، قرۃ عین الأخبارلتکملۃ رد المحتار:۷۸/۸)۔

شبہ ربا سے بچنا واجب ایسے ہی ہے جیسے حقیقت ربا سے بچنا واجب ہے؛ کیونکہ محرمات کے باب میں شبہ حکم میں حقیقت سے ملحق ہوتاہے۔

شبہ ربا سے بچنے کے وجوب کی اصل رسول اللہ ﷺکافرمان ہے :

حلال وحرام کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں ، جن کوبہت سارے لوگ نہیں جانتے ہیں ، پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا، اس نے اپنے دین وآبرو کو محفوظ رکھا، اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ (ایک نہ ایک دن)حرام میں مبتلاہوگیا (مسلم ، باب اخذ الحلال وترک الشبہات ، حدیث:۹۹۵۱)۔

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺنے فرمایا:مشتبہ

ومشکوک کو چھوڑکر غیرمشتبہ ومشکوک کو اختیار کرو (ترمذی ، حدیث:۸۱۵۲، یہ حدیث صحیح ہے ، صحیح ابن حبان، حدیث: ۲۲۷)۔

نیز اسی اساس پر فقہی قاعدہ ہے :''إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام'' (الاشباہ والنظائرلابن نجیم المصری :۹۰۱/۱)۔ اور جب زائد رقم اتنی ہے کہ انتظامی خرچ جس کوسروس چارج سے بھی تعبیر کیا جا تا ہے، پر محمول کر نا مشکل ہو تو حدیث ''کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَۃً فَہُوَ رِبًا'' (مسند الحارث عن علی مرفوعا، باب فی القرض، حدیث: ۷۳۴) اور اوپرذکر کردہ آثار صحابہؓ کی بناء پر ناجائز وحرام ہوگا۔

ضرورت کے وقت سودی قرض لینا:

اوپر سوالنامہ میں ذکر کیا گیا کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے ، مکان کی تعمیر ، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جا سکتا ہے ؟

جیسا کہ اوپر تفصیل سے بات آچکی ہے ، ان تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے زیر بحث مسئلہ کا حکم یہ ہوگاکہ جن صورتوں میں سو د کا تحقق نہیں ہوتا ہے ان میں قرض لینا درست ہوگا ، اور جن صورتوں میں سود یا شبہِ سود کا تحقق ہوتاہے ، ان میں ذکر کردہ ضروریات ومقاصدکے لئے قرض لینا درست نہیں ہوگا ، اصل حکم یہی ہے ۔ ہاں اگر کوئی محتاج وضرورتمند ہو ، اس کی احتیاج اس حد تک ہو کہ اس کے لئے سودی قرض لئے بغیر چارہ کار نہ ہو ، تو اس کے لئے سودی قرض لینا درست ہوگا، فقہا ء کا بیان ہے : ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(الأشباہ والنظائرلابن نجیم المصری:۳۹/۱) یعنی ضرورتمند کے لئے سود پر قرض حاصل کرنا جائز ہے۔

بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے امدادی رقوم لینے کا حکم:

سوال(۶):ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے مثلاً مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیروغیرہ ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، توا یسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے ؟ جبکہ ان رقم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے ۔

جواب :ایسے رقوم کا حاصل کرنا اور استعمال کرنا درست ہے ؛ کیونکہ یہ رقوم حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کے لئے بطور اعانت کی ہوتی ہے ، اور ملک کے خزانہ پر جس طرح دوسرے لوگوں کا حق ہے اسی طرح مسلمانونکا بھی حق ہے ، اور وہ بھی براہ راست یا بالواسطہ حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں ، اور ملک کی حفاظت وصیانت اور دفاع میں ان کا بڑا حصہ ہوتا ہے ، اور ملک کے وفادار صحیح مانو میں مسلمان ہی ہیں جیسا کہ تاریخ ہند اس پر شاہد ہے ۔

ایجنٹ کومطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا حکم:

سوال(۷): گور نمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم جس قسم کی بھی ہوں ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے ،کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ، واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: انسان کے کمانے کے ذرائع جہاں زراعت ، صنعت، تجارت، مضاربت، شرکت اور استصناع ہیں ، وہیں محنت ومزدوری، دست کاری اورہنربھی ہیں ۔ فقہی نقطۂ نظر سے اجیر (مزدور) دوطرح کے ہوتے ہیں : اجیر خاص اوراجیر مشترک ، ایجنٹ لوگ اجیر مشترک کے زمرہ میں آتے ہیں ، جن کی محنت روز مرہ مزدور اور ملازمین کی طرح ساتھ خاص نہیں ہوتی ہے ؛ بلکہ وقت کی قید سے آزاد ، نفس کام مقصود ہوتا ہے، اور وہ کا م وعدہ کے مطابق انجام پانا ہے ، اسی وجہ سے اجیر مشترک بیک وقت مختلف لوگوں کے کام کو انجام دیتا ہے گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے واسطہ بننے والے لوگ اجیر مشترک کے حکم میں ہیں ۔

وکیل بالأُجرۃپر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے ، جیسا کہ مقدمات کی پیروی کے لئے وکلاء اجرت لیتے ہیں ، اسی طرح واسطہ بننے والے اپنی مطلوبہ محنتانہ ان سے لے سکتے ہیں ،جن کو امدادی رقوم ملنے والی ہیں ؛ البتہ اجرت مثل سے زیادہ لینا درست نہیں ہوگا ، ورنہ استحصال لازم آئے گاجو کہ شرعًا درست نہیں ہے ۔ جب لینا درست ہوا تو دینا بھی درست ہوگا ؛ اس لئے کہ فقہی اسلامی کا قاعدہ ہے : ما حرم أخذہ حرم إعطاؤہ(الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری: ۵۵۱/۱)۔اور فقہاء کی عبارت میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے، اس لئے اس کا قاعدہ کا مفہوم مخالف یوں ہوگا ماأبیح أخذہ أبیح إعطاؤہ،یعنی جس چیز کا لینا مباح تو اس کا دینا بھی مباح۔

واسطہ بننے والے لوگوں کا حاصل شدہ رقم سے ایک حصہ لینے کا حکم :

سوال(۸): بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں ، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب:ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اصیل امدادی رقم کو حاصل کر لیتا ، اس کے بعد واسطہ بننے والے اس سے اپنی محنتانہ وصول کرتا؛ لیکن اگرایسا نہیں ہوتا ہے ؛ بلکہ ویسا ہو تا ہے جیسا کہ سوال میں ہے تو ایسی صورت میں اصیل اس کو اپنا قبضہ کا وکیل بنادے ، تو اس کا حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ جواس کا محنتانہ ہے لے لینا درست ہوگا ؛ کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہو تاہے ‘‘تصرف الوکیل بمنزلۃ تصرف الموکل’’ (المحیط البرہانی، الفصل الثامن فی الوکالۃ بالنکاح: ۸۳/۳، نیز دیکھئے :البدائع، فصل رکن النکاح: ۲/۱۳۲)۔ اگر قبضہ کا وکیل نہیں بنایا تھا، تو اس کا حاصل شدہ رقم سے ایک حصہ کا لینا

غصب کے حکم میں ہو گا ، بعد میں اصیل اس کو اجازت دیتا ہے تو اس کے لئے لئی ہوئی رقم حلال ہوجائے گی ورنہ حلال نہیں ہوگی؛ کیونکہ بغیر اجازت کے کسی کی کوئی چیز لے لینا غصب ہے، اورمال مغصوب خبیث مال ہے، مالک کی اجازت یا اس کا ضمان ادا کرنے کے بعد ہی غاصب کے لئے حلال ہوتا ہے (دیکھئے :بدائع الصنائع: ۹۹۲/۲، ۹۸۱/۷،۵۵۱،۴۵۱،۴۴۱،۳۴۱)۔

جہاں تک دینے لینے کے معاملہ کی بات ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ؛ کیونکہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ واسطہ بننے والے کی حیثیت اجیر مشترک یاوکیل بالأُجرۃ کی ہے ، شرعًا دونوں درست ہیں تو لینے دینے کا معاملہ کرنا بھی درست ہوگا ؛ اس لئے کہ یہ کام مباح ہے تو اس پر اجرت لینا اور اجرت طے کرنا بھی درست ہوگا۔

امدادی رقوم اور جائز قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دینا:

سوال(۹):اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے ۔

جواب:رشوت کا لینا دیناور دونوں ناجائز وحرام ہیں ؛ کیونکہ حدیث شریف میں صاف لفظونمیں رشوت لینے والے اوردینے والے اور دونوں کے درمیان تگ ودو کرنے والے پر اللہ رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہیں (ابوداؤد، حدیث: ۰۸۵۳، ترمذی، حدیث: ۰۸۳۳۱، امام ترمذی کابیان ہے :یہ حدیث صحیح ہے، مستدرک حاکم، حدیث: ۶۶۰۷، حاکم کابیان ہے : اس حدیث کی سند صحیح ہے ، حافظ ذہبی نے تصحیح سند میں موافقت کی ہے ، مسند احمد:۵۸/۷۳، حدیث:۹۹۳۲۲،مسند بزار:۷۹/۰۱، حدیث:۰۶۱۴)، ایک دوسری حدیث میں رشوت لینے اوردینے والے دونوں کے بارے جہنم کی سزا کا ذکر آیا ہے (المعجم الاوسط للطبرانی :۵۹۲/۲، حدیث:۶۲۰۲، مسند بزار: ۷۴۳/۳، حدیث: ۷۳۰۱)۔ اور فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے ‘‘ما حرم أخذہ حرم إعطاؤہ’’(الأشباہ والنظائر لابن نجیم:۵۵۱/۱)، یعنی جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام، اسی طرح اس کا مطالبہ بھی حرام ہے ‘‘ماحرم فعلہ حرم طلبہ’’(حوالہ سابق)۔معلوم ہو ا عام حالات میں رشوت دینا بھی حرام ہے ؛لیکن جب امداد ی رقم لینے کا مستحق ہے اور قرض جائز طریقہ پر اورجائز مقاصد کے لئے لینا ناگزیر ہو تو اس وقت رشوت دے کر امدادی رقم حاصل کرنا اور قرض لینا درست ہوگا ورنہ درست نہیں ہوگا ، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ ‘‘ما حرم أخذہ حرم إعطاؤہ’’(الأشباہ والنظائر لابن نجیم:۵۵۱/۱)سے چند مسائل کو مستثنی قرار دیا ہے ، مستثنیات میں رشوت دینے کے جواز کی بعض صورتوں کو بھی شمار کیا ہے ، جس کا حاصل یہ ہے کہ جان یا مال کاخطرہ ہو، یا سلطان یا امیر کے پاس اٹکے ہو ئے کام کو بناناہو (حوالہ سابق)۔ نیز فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے :‘‘الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ کانت أو خاصۃ’’ (الأشباہ والنظائر لابن نجیم: ۳۹/۱)، یعنی حاجت ضرورت کے درجہ میں اتاری

جاتی ہے ، خواہ وہ حاجت عام و اجتماعی ہو یا خاص شخصی وانفرادی ہو۔

غلط بیانی اور غلط طریقہ پر امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنا:

سوال (۱۰): امداد ی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے ؟

جواب:ظاہر ہے کہ جو غلط ہے وہ غلط ہی رہے گا ، اور جو صحیح ہے وہ صحیح ہی رہے گا، جس طرح کاغذ کی مصنوعی کشتی پانی کی سطح پر نہیں چل سکتی ، اسی طرح جھوٹ کبھی سچ نہیں ہوسکتا اور غلط کبھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ غلط بیانی جھوٹ ہے ، اور جھوٹ گنا ہ کبیرہ ہے ، اللہ تعالی نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی ہے (آل عمران: ۱۶)، پس شرعًا ناجائز طریقہ پر امداد یا قرض حاصل کرنا نادرست وگناہ اور فقہ کی زبان میں مکروہ تحریمی عمل ہے ؛ البتہ امدادی رقوم اور قرض کی رقم سے فائدہ اٹھانا کراہت کے ساتھ درست ہوگا ؛ اس لئے کہ دینے والا لینے والے کو مالک بنارہاہے ، تملیک عمل سے لینے والے کے حق میں ملکیت ثابت ہوگئی؛ لیکن خارج سے اس میں شرعی قباحت آرہی ہے اوروہ غیراستحقاق اورغلط طریقہ پر حاصل کرنا ہے ،گویا یہ منہی عنہ لغیرہ ہوگیا، یہ ایسا ہی ہوا، جیساکہ مغصوبہ زمین میں کوئی شخص نماز پڑہتا ہے تو اس کی نماز درست ہوجاتی ہے ؛ اس لئے کہ صحت نماز کی شرطیں پائی جارہی ہیں ، اورعمل مکروہ ٹھہرتا ہے ، تو کراہت خارج صلاۃ سے آرہی ہے ، اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرطیں پائی جارہی ہیں، دینے والا اپنی مرضی سے ، بغیر جبر واکراہ کے اپنا مال متقوم دے رہا ہے ، اور مال مفرز ہے اورمالک بنارہاہے ۔

تعلیم اوردیگر مقاصد کے لئے سرکاری قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا:

سوال(۱۱): بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اورمقصد کے لئے حکومت بنکہ سے قرض دلاتی ہے اوراس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے ، وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے ؛ بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ، یا اس کابڑا حصہ حکومت اداکرتی ہے اوربہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے ، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتاہے ؟

جواب : سوال کے دو اجزاء ہیں ، پہلا جزء یہ ہے کہ انٹرسٹ کی رقم پوری کی پوری قرض لینے والے کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ، قرض لینے والا صرف اصل رقم سرمایہ ادا کرنے کا مکلف رہتاہے ۔ اس اسکیم سے استفادہ کی گنجائش ہے ؛ کیونکہ حکومت خود ہی طالب ومطلوب ہے ، مقروض سے اس کا کوئی تعلق نہیں ، مقروض کو زائد رقم دینا پڑتا تب جاکر سود کا تحقق ہوتا، جیسا کہ سود کی تعریف وتفصیل آتی ہے کہ ایک فریق کی طرف سے زائد رقم کی شرط ومطالبہ ہو، اور وہ زائد رقم عوض

سے خالی ہو اور مدت کے عوض ہو، یہاں ایسا نہیں ہے ، یعنی مذکورہ بالا صورت والی اسکیم پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی ہے ۔

جہاں تک دوسری صورت کا مسئلہ ہے تھوڑا ساحصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتاہے ۔ یہ صورت ناجائز ہے ، اور اس صور ت والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لئے جائز نہیں ؛ کیونکہ یہ سودی قرض ہو گیا، سود کی مقدار تھوڑی ہو یا زائد بہر حال حرام ہے ، حرمتِ سود میں کثرت وقلت کی کوئی تفریق نہیں ہے ۔ ہاں اگر کوئی محتاج ہو ، اس کی احتیاج اس حدتک ہو کہ اس لئے سودی قرض لینا جائز ہے ، تو اس کے لئے اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(الأشباہ والنظائرلابن نجیم المصری: ۳۹/۱) یعنی ضرورتمند کے لئے سود پر قرض حاصل کرنا جائز ہے ۔

سرکار کے انٹرسٹ کی رقم سے تعاون حاصل کرنا:

سوال(۱۲):بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں ، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے ، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افرد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے ، گویا حکومت یا حکومت کا ادراہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے ، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا یہ صورت درست ہو گی ؟

جواب : حکومت ہو یا حکومت کے ادارے سب ایک ہی ہیں ، ایک ہی شی وحقیقت کے اجزاء ہیں ، وہ جس نام سے دے اسی کاعمل ہے ، لینے والے کو زائد رقم واپس کرنے کا مکلف نہیں بنایا جاتا ہے ؛ بلکہ کچھ بھی لوٹانا نہیں پڑتا ہے ، حکومت غیر اسلامی ہے ، غیر اسلامی حکومت کے نظریہ کے مطابق انٹرسٹ کی رقم جائز ہے ؛ اس لئے یہ صورت درست ہوگی ، اس کی نظیر یہ ہے کہ غیر مسلم شراب وخنزیر کے کا روبار سے حاصل شدہ رقم سے کسی مسلمان کا قرض اداکرتا ہے ، تو اس مسلمان کے لئے وہ رقم حلال ہے ۔

نیز اثمان متعین نہیں ہو تے ہیں ، اور تمام کرنسیاں اثمان کے قبلت سے ہیں ، پس حکومت جو کرنسیاں بطور تعاون افراد واشخاص اورادارں کو فراہم کرتی ہیں ، متعین طور پر اس کو سود نہیں کہاجاسکتانیز ملکیت کے بدلنے سے حکم بدل جاتاہے ، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو حکومت اس انٹرسٹ کی رقم پر اولاً خود قبضہ کرتی ہے اوراس کے نزدیک سود عام مالوں کی طرح ہے ، جب حکومت اس رقم کی مالک ہوگئی ، اور وہ رقم اس کے نظریہ کے مطابق اس کے لئے مباح ہے او راسلام بھی اس کو اس کے حق میں مباح تسلیم کرتا ہے ، جس طرح شراب وخنزیر کی قیمت کو اس کے حق میں حلال گردانتی ہے ؛ علامہ ابو زیددبوسی ؒ نے اپنی مشہورکتاب تاسیس النظرمیں امام ابو حنیفہ ؒ کی طرف نسبت کرکے ایک اصل ذکر کیا ہے : ''أہل الذمۃ یترکون علی مایدینون بہ''؛لہذا وہ دوسروں کو جس حیثیت سے دے ، تحفہ کے نام پر ، یا قرض اسکیم کے طور پر ، یا تعاون

کے طور پر ، درست ہوگا، لینے والے کے لئے بھی جائز ہوگا؛ کیونکہ ملکیت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے خاص طورپر جبکہ وہ اثمان ہوں؛ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس گوشت آیا جوکہ حضرت بریرہؓ کے پاس صدقہ کے طور پر آیا تھا ، تو آپ ﷺ نے فرمایا :وہ اسے کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے (بخاری، زکاۃ ، حدیث: ۵۹۴۱)۔

اسی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ حرام لغیرہ اشیاء اعیان کے قبیل سے ہوں تو اس کی حرمت مع العلم (حرام ہو نا معلوم ہو) منتقل ہوتی ہے، اور اثمان کی حرمت منتقل نہیں ہوتی ہے، اگر اثمان کے ساتھ حرمت منتقل ہوتی تو آج کوئی مسلمان حرام کھا نے پینے سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا. اس کو اس طرح سمجھا جاسکتاہے ایک شخص چوری کی گھڑی فروخت کرتاہے، زید کو معلوم ہے کہ ہے یہ گھڑی چوری کی ہے، تو اس کے لئے اس گھڑی کا خریدنا جائز نہیں ہوگا، وہیں اگر یہ معلوم ہو کہ یہ روپے چوری کے ہیں ،یا شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہیں ، تو اس کے لئے لینا جائزہے ؛ وجہ وہی ہے کہ اثمان متعین نہیں ہوتے ہیں۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی حیثیت

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی•

انسانی معاشرہ میں حقوق کی ادائیگی ،عدل و انصاف کے قیام ،اور ظلم و حق تلفی کی روک تھام کے لئے امارت و حکومت کا قیام ناگزیر ہے ، اور اتحاد و اجتماعیت کے لئے معاشرہ میں ایک حاکم اور امیر کا ہونا ضروری ہے ،جس کی اطاعت رعایا پر لازم ہوتی ہے، اسلامی شریعت میں سیادت و امارت سے متعلق مکمل اصول و ضوابط موجود ہیں جن میں حاکم اور رعایا دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق کا ذکر بھی تفصیل سے مذکور ہے، حاکم کا حق یہ ہے کہ ان تمام امور میں اس کی اطاعت کی جائے جن میں خالق کی معصیت نہ ہو ، اور رعایا کا حق یہ ہے کہ حاکم ان کا خیر خواہ ہو، ان کے حقوق کا ادا کرنے والا ہو ، اور ان میں انصاف قائم کرنے والا ہو،رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :'' ألا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، فالأمیر الذی علی الناس راع، و ھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی أھل بیتہ، وھو مسئول عنھم، والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلھا وولدہ، و ھی مسئولۃ عنھم، والعبد راع علی مال سیدہ، و ھو مسئول عنہ، ألا فکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ''، سنو!تمھارا ہر شخص ذمہ دارہے اور تمھارے ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا،لہذاوہ شخص جو لوگوں پرحکمرانہے ذمہ دار ہے،اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا ،اور مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے، اس سے اس کے گھر والوں کے بارے میں پوچھا جائے گا،اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا ،اور غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا،لہذا متنبہ رہو، تمھارا ہر شخص ذمہ دار ہے،اور ہر شخص اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہے (صحیح مسلم :کتاب الامارۃ) ، امام نووی علیہ الرحمۃ اس کی شرح میں لکھتے ہیں : ''ففیہ أن کل من کان تحت نظرہ شئ فھو مطالب بالعدل فیہ و القیام بمصالحہ فی دینہ و دنیاہ و متعلقاتہ''، لہذا اس حدیث میں (بیان کیا گیا)ہے کہ ہر شخص جس کے ماتحت اور اس کی نگرانی میں کچھ ہے اس کے حقوق کی رعایت ،اور اس کی دینی ودنیوی مصلحتوں اور اس کے متعلقات کا نظم و نسق اس سے مطلوب ہے (شرح صحیح مسلم :۱۲ ، ۲۱۳)،اور ایک حدیث میں ارشاد ہے : ''مامن عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ یموت یوم یموت و ھو غاشّ لرعیتہ إلا

• جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو۔

حرم اللہ علیہ الجنۃ ''،کوئی بھی شخص جسے اللہ نے کسی رعیت کا حاکم و نگراں بنایا ہے، وہ اس حال میں مرتا ہے کہ اپنی رعایا کی خیا نت کرنے والا ہے ان کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی تو اللہ تعالی نے اس پر جنت حرام کردیا ہے (صحیح مسلم :کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل)، حضرت داؤد علیہ السلام جنھیں اللہ تعالی نے نبوت کے ساتھ بادشاہت سے بھی سرفراز فرمایا تھا ،ان سے اللہ تعالی نے فرمایا : {یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق، ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب } (سورۃ ص: ٢٦) (اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذاآپ لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے ،اور نفس کی اتباع مت کیجئے کہ وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے ، بلا شبہ وہ لوگ جو اللہ کے راستہ سے ہٹتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے انکے یوم حساب کو بھولنے کی وجہ سے)، لہذا حاکم خواہ مسلم ہو یا کافر ،اپنی رعایا کی حفاظت ، ان کے حقوق کی رعایت، انصاف کا قیام ،ظلم و بربریت سے اجتناب اس کا فریضہ ہے، اور رعایا کے لئے جائز ہے کہ حاکم و امیر کی طرف سے جوجائز سہولیات اور حقوق انھیں فراہم ہوں ،اسے قبول کریں۔

ہماری ہندوستانی حکومت،عوام کی معاشی و معاشرتی ضرورتوں کی کفالت،تعلیمی ترقی، صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی اعتبار سے محروم و پسماندہ شہریوں کو اونچا اٹھانے، نیز ملک کی معیشت کی مضبوطی و ترقی کے لئے مختلف شکلوں میں رقوم دیتی ہے ،جن میں کچھ ا مداد وا عانت کے طور پر ہوتی ہیں ، اور کچھ قرض کی نوعیت کی ، مسلمانوں کیلئے بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میںان سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، امداد واعانت کے طور پر ملنے والے مال کو واپس کرنا نہیں ہوتا ،اور قرض سے مراد وہ مال ہے جس کا مثل واپس کرنا ہوتا ہے۔

١- وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کر دیا جاتا ہے ،اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ان کا لین دین جائز ہے، اس پر ربا اور سود کا اطلاق نہیں ہوگا ، کیونکہ اس صورت میں مقرض اپنی رقم کا ایک حصہ خود ساقط کررہا ہے ، جب کہ اسے یہ حق بھی ہے کہ وہ اپنی پوری رقم معاف کردے ، اور شریعت میں اسے مستحسن قرار دیا گیا ہے ،اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: { وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ، وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ } (سورۃ البقرۃ ،٢٨٠) (اورقرض خواہ اگر تنگدست ہو تو مہلت دینا ہے آسانی ہونے تک، اور تمہارا صدقہ کردینا تمہارے لئے بہتر ہے ،اگرتم سمجھو)، اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی علیہ الرحمۃلکھتے ہیں : ''ندب اللہ تعالی بھذہ الألفاظ إلی الصدقۃ علی المعسر وجعل ذلک خیرًا من أنظارہ''اللہ تعالی نے ان الفاظ کے ذریعہ تنگدست پر صدقہ کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کو اسے مہلت دینے سے بہتر بتایا ہے (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی،٣ ، ٣٧٤)، اور مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : ''یأمر

تعالی بالصبر علی المعسرالذی لا یجد وفاء فقال:{وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ} لا کما کان أھل الجاھلیۃ یقول أحدھم لمدینہ إذا حل علیہ الدین إما أن تقضی، وإما أن تربی ،ثم یندب إلی الوضع عنہ ویَعِد علی ذلک الخیر والثواب الجذیل فقال:{وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْن} أی وأن تترکوا رأس المال بالکلیۃ و تضعوہ عن المدین'' اللہ تعالی(قرض دینے والے کو) ایسے تنگدست مقروض پر صبر کرنے کا حکم دیتے ہیں جو ادئیگی کی صورت نہیں پاتا ہے،تو ارشاد فرمایا:اگر تنگی والا ہو تو مہلت دینا ہے آسانی ہونے تک،اہل جاہلیت کی طرح نہیں جو اپنے مقروض سے جب ادائیگی کا وقت آتا تھا تو کہتے تھے : یا تو ادا کرو یا اضافہ کرو،پھر اللہ دعوت دیتے ہیں اس سے ساقط کردینے کی، اور اس پر بہت بہت خیر و ثواب کا وعدہ کرتے ہیں ، تو ارشاد فرمایا : تمہارا صدقہ کردینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے،اگر تم جان لو، یعنی اگر تم رأس المال کو بھی پورے طور پر چھوڑ دو،اور اپنے مقروض سے اس کو ساقط کردو ،اور اسے بری کردو (تفسیر ابن کثیر ؒ،۱ ، ۳۳۱)،اس آیت سے قرض واپس نہ لینے کا جواز ثابت ہے ، اور جب کل دین کا وضع کرنا جائز ہوگا ، تو دین کے بعض حصہ کا وضع کرنا بھی جائز ہوگا ۔

اس کا ثبوت احادیث نبویہ سے بھی ملتا ہے ،حضرت جابر کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہماغزوۂ احد میں شہید ہوگئے ،ان کے ذمہ قرض تھا ، قرض خواہوں کا تقاضا شدید ہوگیا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروائی '' فسألھم أن یقبلوا تمر حائطی ویحللوا أبی---- الحدیث ''تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے عرض کیاکہ وہ ان کے باغ کے کھجور کو قبول کرلیں اور ان کے والد کو بری کردیں (صحیح بخاری،حدیث : ۲۳۹۵)اور یہ صراحت بھی منقول ہے کہ باغ کے کھجور ان کے ذمہ قرض سے کم تھے۔

ایک روا یت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے '' أنہ تقاضیٰ ابنَ أبی حدرد دَینا کان لہ علیہ فی عہد رسول اللہ ﷺ فی المسجد فارتفعت أصواتھما حتی سمعھا رسول اللہ ﷺ و ھو فی بیتہ فخرج إلیھما رسول اللہ ﷺحتی کشف سِجف حجرتہ،ونادی کعب بن مالک فقال :یا کعب ، فقال :لبیک یا رسول اللہ فأشار الیہ بیدہ أن ضعِ الشطر من دینک ، قال کعب قد فعلتُ یا رسول اللہ، قال رسول اللہ ﷺ : قم فاقضہ'' کہ انھوں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کا جو ان پر تھا،رسول اللہ ﷺ کے عہدمسجد مینمطالبہ کیا،اور ان دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں یہانتک کہ رسول اللہ ﷺ نے سن لیا، جبکہ آپ گھر میں تھے ،تو آپ ﷺ ان کی طرف چلے ،اپنے کمرہ کا پردہ ہٹایااور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو پکارا: اے کعب ! انھوں نے کہا ،حاضر ،اے اللہ کے رسول ،تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپناآدھا قرض معاف کردو، انھوں نے کہا :کر

دیا ،اللہ کے رسول ، آپ ﷺ نے ابن اب حدرد سے کہا ،جاؤ اپنا قرض ادا کردو (صحیح مسلم۱۰ ، ۲۲۰) اگر قرض خواہ کی رضاو خوشی سے ذمہ میں واجب قرض سے کم واپس کرنا جائز نہ ہوتا ،تو رسول اللہ ﷺ اس کی سفارش نہ فرماتے ۔

۲- معافی والے قرضے جن میں یہ صورت ہوتی ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ،ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے ، زائد رقم نہیں ادا کرنی پڑتی تو یہ صورت بھی جائز ہے، ''ومن لہ علی آخر ألف درھم فقال: أد إلیّ غدا منھا خمس مأۃعلی أنک بریٔ من الفضل،فھو بریٔ ، فان لم یدفع إلیہ الخمس مأۃ غدا عاد علیہ الألف، وھو قول أبی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ، وقال أبویوسف:لا یعود علیہ'' آگے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :'' إذا قال صالحتک من الألف علی خمس مأۃتدفعھا الیّ غدا وأنت بریٔ من الفضل علی أنک إن لم تدفعھا إلیّ غدا فالألف علیک علی حالہ وجوابہ أن الأمر علی ما قال؛ لأنہ أتی بصریح التقیید فیعمل بہ''اور جس کا کسی دوسرے پر ہزار درہم ہے، اوراس نے اس سے کہا کہ اس میں سے پانچ سو کل دیدو اس طور پر کہ تم بقیہ سے بری ہوگے،تو وہ بری ہو جائے گا ،پھر اگر کل ہوکرپانچ سو نہیں دیا تو ہزار اس پر لوٹ آئے گا، اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے،اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس پر ہزار عائد نہیں ہوگا------جب اس نے کہاکہ میں نے تم سے ہزار میں سے پانچ سو پر مصالحت کی جو مجھ تم کل دیدو اور بقیہ سے تم بری ہو اس طور پر کہ اگر تم نے کل نہیں دیا تو ہزار تم پر علی حالہ باقی رہے گا اور اس کا جواب یہ ہے کہ معاملہ اسی پر ہے جو اس نے کہا ،اس لئے کہ اس نے قید کی صراحت کیا ہے، لہذا اس پر عمل کیا جائے گا (ہدایۃ : کتاب الصلح، باب الصلح فی الدین،نیز دیکھئے فتاوی خانیۃعلی ہامش عالمگیریۃ: ۳ ۹۰))،اور مذکورہ صورت یہی ہے کہ مقررہ مدت کے اند واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے،ورنہ پوری رقم واپس کرنی ہوتی ہے ،اور اس معاملہ میں زائد لینے کی شرط بھی نہیں پائی جاتی اور نہ قرض پر زائد رقم لی جاتی ہے ، قرض کے لین دین کا وہ معاملہ ناجائز ہے ، جس میں اصل پونجی رأس المال پر زائد رقم کا مطالبہ ہو ،فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے :''کل قرض جر منفعۃ فھو وجہ من وجوہ الربا'' (السنن الصغریٰ للبیہقی،باب القرض ،حدیث: ۱۹۵۸)،قرض کے معاملہ میں یہ صورت بھی درست ہے کہ قرض دینے والا اپنی پوری رقم وصول کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ بعض یاکل رقم کو معاف کردے ،جیسا کہ تفصیل اوپر مذکور ہوئی ۔

۳ -اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پرکل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو یہ معاملہ سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا ،ہر وہ قرض جس میں اصل رقم سے زیادہ واپس کرنے کی شرط ہو وہ سودی قرض ہے ،زمانہ

جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ ایک مدت کے لئے ادھار بیع کرتے یاقرض دیتے تھے ، اور جب مدت پوری ہوجاتی اور مدیون اسے ادا نہ کر پاتا تو مدت بڑھا دیتے تھے اور دین یامقررہ سود پر مزید اضافہ کردیتے تھے جس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے : {یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً، وَاتَّقُوا اللہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن} (سورۃ آل عمران : ۱۳۰) (اے وہ لوگ جو ایمان لائے یہ بڑھتا اور چڑھتا سودمت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو)،نیز ارشاد فرمایا:{وأحل اللہ البیع وحرم الربا} (سورۃ البقرۃ : ۲۷۵) (بیع جس میں نفع لینا درست ہو تا ہے ،وہ ربا کے مثل نہیں ہے ،بیع تو اللہ نے حلال اور جائز رکھا ہے اور سود وربا کو حرام کیا ہے) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:''کل قرض جر منفعۃ فہو ربا'' (تکملۃ فتح الملہم : ۵۷۴،۱، بحوالہ سیوطی فی الجامع الصغیر،رقم : ۶۳۳۶)، اور شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں : ''الربا ھو القرض علی أن یؤدی الیہ أکثر أو أفضل مما أخذ''ربا اس شرط پر قرض دینا ہے کہ وہ لئے ہوئے سے زیادہ یا بہتر واپس کرے گا (حجۃ اللہ البالغۃ، ۲ ، ۲۸۲) ، علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ شرائط قرض بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں '' وأما الذی یرجع إلی نفس القرض فھو ألا یکون فیہ جر منفعۃ..... ولأن الزیادۃ المشروطۃ تشبہ الربا؛ لأنھا فضل لایقابلہ عوض''، اور بہر حال وہ شرط جو نفس قرض کے لئے ہے یہ ہے کہ اس میں نفع لینا نہ ہو .....اور اس لئے کہ مشروط اضافہ ربا کے مشابہ ہے، کیونکہ وہ ایسا اضافہ ہے جس کے مقابل میں کوئی عوض نہیں ہے (بدائع الصنائع ۶ ، ۵۱۸)،ابن قدامۃ حنبلی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :'' وکل قرض شرط فیہ أن یزیدہ فھو حرام بغیر خلاف.....و لأنہ عقد ارفاق و قربۃ، فإذا شرط فیہ الزیادۃ أخرجہ عن موضوعہ''،اور ہر وہ قرض جس میں شرط ہو کہ وہ زیادہ دے گا تو وہ بالاتفاق حرام ہے ، .....اور اس لئے کہ قرض ترحم اور ثواب کا معاملہ ہے ،لہذا جب اس میں اضافہ کی شرط لگا دی جائے گی تو اس کے مقصد سے ہٹا دے گی (المغنی : ۶ ، ۴۳۶)، لہذا قرض کی یہ صورت جسمیں مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی واپس کرنی پڑے جائز نہیں ہوگی ۔

۴ - ایسا قرض جس میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو ،جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو ، یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو،سود کے دائرہ میں داخل ہے ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے '' أن رسول اللہ ﷺ قال: الدینار بالدینارلا فضل بینھما، والدرھم با لدرھم لا فضل بینھما'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرما یا : دینار ،دینار کے بدلہ میں، ان کے مابین اضافہ نہ ہو، اور درہم ،درہم کے بدلہ میں،ان کے درمیان اضافہ نہ ہو (صحیح مسلم)، اس حدیث میں قلیل و کثیرکی وضاحت کے بغیر علی الاطلاق فضل و اضافہ سے منع کیا گیا ہے، سودی معاملہ کے حرام

ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ مشروط اضافی رقم کثیر ہو، مطلوبہ زائد رقم قلیل ہو یا کثیر اس پر سود کا اطلاق ہوگا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے :''من أسلف سلَفا فلا یشترط الا قضاءہ ''جو شخص کچھ قرض کے طور پر دے، تو اس میں ادئیگی کے علاوہ کوئی شرط نہ لگائے ، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے : ''من أسلف سلَفا فلا یشترط أفضل منہ ،وان کانت قَبضۃ من عَلَف فہو ربا'' جو شخص کوئی قرض دے تو اس سے عمدہ لینے کی شرط نہ لگائے ،اگرچہ وہ ایک مٹھی چارہ ہی ہو،اس لئے کہ وہ سود ہے (موطأ امام مالک مع شرحہ تنویر الحوالک : ۳ ، ۱۶۹) ، چنانچہ فقہاء نے جودت اور عمدگی کی شرط کو بھی ناجائز کہاہے '' و لا یجوز قرض جر نفعا ،بأن أقرضہ دراھم مکسرۃ بشرط رد صحیحۃ''اور ایسا قرض جو نفع لائے جائز نہیں ، اس طور پر کہ اسے ریزہ ریزہ ٹوٹے ہوئے دراہم اس شرط کے ساتھ دے وہ صحیح و سالم دراہم واپس کرے گا (البحر الرائق : ۶ ، ۲۰۴) ،ابن قدامہ علیہ الرحمۃ قرض پر اضافہ کے ناجائز ہونے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: '' و لا فرق بین الزیادۃ فی القدر أو فی الصفۃ'' اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اضافہ مقدار میں ہو یا صفت میں (المغنی: ۶ ، ۴۳۶)، لہذا نفس قرض پر زائد رقم کا مطالبہ اگرچہ اس کی مقدار معمولی ہو جائز نہیں ہوگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بنک یا کسی ادارہ سے قرض لینے کی صورت ،کسی فرد سے قرض لینے کی صورت سے مختلف ہے، بنک یا ادارہ کو عمارت کا کرایہ ، عمال کے مشاہرے اور رجسٹر و فارم وغیرہ کے انتظامی اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں ، اور معاملہ قرض کے لکھوانے کی ذمہ داری قرض لینے والے کی ہوتی ہے {ولیملل الذی علیہ الحق} (سورۃ البقرۃ)، لہذا اس کی اجرت بھی اسی کے ذمہ عائد ہوگی ،اس لئے ذہن میں آتا ہے کہ قرض لینے والا،لی ہوئی رقم سے کچھ زائد اداکرے، مگر سود وربا کا معاملہ بہت ہی اہم اور نازک ہے ،اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے :''من آخر ما نزل آیۃ الربا ، وأن رسول اللہ ﷺ قبض قبل أن یفسرھا لنا، فدعوا الربا و الریبۃ'' ، حرمت ربا کی نزول کے اعتبار سے اواخر آیات سے ہے ،اور رسول اللہ ﷺ قبل اس کے کہ اس کی تفصیلات بیان کرتے ،وفات پاگئے،لہذا ربا کو بھی ترک کرو اور شبہ ربا کو بھی چھوڑدو (تفسیر ابن کثیر: ۱ ، ۳۲۸)،ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :''والتحرز عن حقیقۃ الربا وعن شبہۃ الربا واجب '' اور حقیقت ربا اور شبہ ربا دونوں سے بچنا واجب ہے (بدائع الصنائع : ۶ ، ۵۱۹) ، لہذا نفس قرض پر زائد رقم کی طلب اگرچہ قلیل ہو سروس چارج کے احتمال کے باوجودجائز نہیں ہوگی۔

ایسے قرضوں کے لین دین کے معاملہ مینہی یہ صورت اختیار کی جائے کہ قرض کی تحریر و اندراج اور اس کے انتظامی امور پر آنے والے خرچ کیلئے بطور سروس

چارج الگ سے ایک متعینہ رقم قرض لینے سے پہلے انتظامی امور کے حق خدمت اور اجرت نیز فارم اور پاس بک وغیرہ کی بیع کے طور پر وصول کی جائے جو لئے جانے والے قرض کے فیصد کے اعتبار سے نہ ہو،یہ انتظامی امور کے حق خدمت کے طور پر اجرت اور فار م وغیرہ کی بیع کا الگ معاملہ ہوگا ،قرض پر نفع لینے میں شمار نہیں ہو گا، ''شراء الشئ الیسیر بثمن غال لحاجۃ القر ض یجوزو یکرہ ''،قرض کی ضرورت کے مدنظرمعمولی چیز کامہنگی قیمت میں خریدنا جائز ہے اور مکروہ ہے ، اس کے تحت شامی میں مذکور ہے ''أی یصح مع الکراہۃ،و ھذا لو الشراء بعد القرض'' یعنی کراہت کیے ساتھ صحیح ہوگا،یہ اس صورت میں جبکہ خریدناقرض کے بعد ہو،آگے لکھتے ہیں :''فان تقدم البیع بأن باع المطلوب منہ المعاملۃ من الطالب ثوباً قیمتہ عشرون دیناراً بأربعین دیناراً ثم أقرضہ ستین دیناراً أخری حتی صار لہ علی المقروض مأۃ دینارو حصل للمستقرض ثمانون دیناراً ذکر الخصاف أنہ جائز ''، اور اگر بیع پہلے ہو ،بایں طور کہ کہ جس سے معاملہ مطلوب ہے وہ طلب کرنے والے کوئی کپڑا جس کی قیمت بیس دینا ر ہے چالیس دینار میں بیچے، پھر اس کو ساٹھ دینار دوسرے بطورقرض دے ،اس طرح قرض لینے والے پر اس کے سو دینار ہو جائیں گے ،اور قرض لینے والے کو اسی دینار ہی حاصل ہونگے،خصاف نے ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے، پھر اس میں بھی کچھ مشایخ بلخ کا اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں '' وکان شمس الأئمۃ الحلوانی یفتی بقول الخصاف ، وابن سلمۃ یقول : ھذا لیس بقرض جر منفعۃ ، بل ھذا بیع جر منفعۃ وھی القرض''اور شمس الائمہ الحلوانی، خصاف کے قول کے مطابق فتوی دیتے تھے، اور ابن سلمہ کہتے ہیں کہ یہ نفع والا قرض نہیں ہے، بلکہ بیع ہے جس نے قرض کی صورت میں نفع دیا ہے (الدر المختار مع رد المحتار : ۷ ، ۳۹۶ ۳۹۷-)، لہذا نفس قرض پر زائد رقم کا مطالبہ اگرچہ قلیل ہی ہوسود ہی قرار پائے گا، وہ سروس چارج کے نام پر جائز نہیں ہوگا۔

۵ -ایسے تمام قرض جن پر زائد رقم کا مطالبہ کیا جائے سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کا لین دین حرام ہوگا، ''کل قرض جر نفعا حرام '' خواہ یہ قرض جانوروں کو پالنے ،مکان کی تعمیر ،کاشتکاری و باغبانی کی غرض سے ہوں یادیگر کاروباری اغراض کے لئے ، قرض کی واپسی میں لی جانے والی مشروط زائد رقم بلا عوض ہونے کے سبب سود اور ربا کی صورت قرار پاتی ہے ،اور سود کو اللہ نے حرام کیا ہے '' أحل اللہ البیع و حرم الربوٰا''، لہذا سود اورواپسی میں زائد رقم لینا تو بہر کیف حرام ہے ،البتہ حالت احتیاج و اضطرار جس مینزندگی کاگزارہ مشکل ہوجائے، جس حالت مینمحرمات کے استعمال کی بقدر ضرورت رخصت ہوتی ہے، ایسی حالت درپیش ہوتوبلاسودی قرض نہ ملنے کی صورت میں سودی قرض بقدر ضرورت لینا جائز ہوگا، محرمات کے بارے میں اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے :{ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما أھل بہ لغیراللہ ،فمن

اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ،ان اللہ غفور رحیم} (سورۃ البقرۃ : ۱۷۲) (حرام کیا ہے تم پر مردار کو ،اور خون کو اور سور کے گوشت کو ،اور جس پر اللہ کے سوا کسی اورکا نام لیا گیا ہو ،پھر جو مجبور کردیا جائے ،اس حال میں کہ اس کا خواہشمند نہ ہو اور نہ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو ،تو اس پر کوئی گناہ نہیں ،بیشک اللہ معاف کرنیوالا،رحم کرنے والا ہے)، اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: { فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم} (سورۃ المائدۃ : ۳) (تو جو شخص بھوک کی وجہ سے مجبور ہو ،گناہ کی طرف میلان کے بغیر،تو اللہ مغفرت کرنے والا ، رحم کرنے والا ہے)، اسی بنا پرفقہاء نے صراحت کیا ہے کہ ضرورتمند محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے ، ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(الاشباہ والنظائر)، محض کاروبار بڑھانے یا مکان کی تعمیرکے لئے سودی قرض لینا حرام ہے ،بعض قانونی مشکلات کے پیش آنے کی صورت میں کسی معتبر عالم اور مفتی کے سامنے اپنی ضرورت کو واضح کرنے اور اس سے مشورہ کرنے کے بعد ہی سود ی قرض لینے کی اجازت ہوگی ۔

۶- گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر ملنے والی رقم جس میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی ،اور یہ حکومت کی طرف سے پنے شہریوں کے لئے اعانت ہوتی ہے ،ایسی رقم کے حاصل کرنے اور اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، شہریوں اور عوام کی اعانت و امدادحکومت کے فرائض میں داخل ہے ، اور مذکورہ صورت مینکسی حرام کا ارتکاب بھی لازم نہیں آتا، ''والأصل فی الأشیاء الاباحۃ'' اور اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے (الہدایۃ :۴۰۸ ،کتاب الطلاق، الاشباہ و النظائر مع شرحہ غمزعیون البصائر:۱ ،۹۷،الفن الاول) ۔

۷-ایسی رقوم کو حاصل کرنے میں اگر کسی کو واسطہ بنایا جائے ،جو ان کے حصول کے لئے تگ و دو اور جد وجہد کرتا ہے ،تو اس کو بطور محنتانہ مناسب رقم جو باہمی رضامندی سے طے ہو جائے دینا درست ہوگا ، اور واسطہ بننے والے شخص کے لئے محنتانہ لینا جائز ہوگا ،یہ معاملہ اجارہ کی قبیل سے ہوگا ،یعنی اس کی ذات سے نفع حاصل کرنے پراجرت دینا،''الأجراء علی ضربین: مشترک و خاص،فالأول من یعمل لا لواحد کالخیاطۃ و نحوہ أو یعمل لہ عملاً غیر موقت کأن استأجرہ للخیاطۃ فی بیتہ غیر مقیدۃ بمدۃ کان أجیراً مشترکاً وان لم یعمل لغیرہ أو موقتاً بلا تخصیص .....ولا یستحق المشترک الأجر حتی یعمل'' ،اجیر دو قسم کے ہیں ،مشترک اور خاص،اول یعنی مشترک وہ ہے جو متعدد لوگوں کے لئے عمل کرتا ہے ،جیسے سلائی وغیرہ، یا کسی کیے لئے عمل کرے وقت کی قید کے بغیر،جیسے اس کو سلائی کے لئے مدت کی پابندی کے بغیر اپنے گھر میں اجرت پر لایا ہو،تو وہ اجیر مشترک ہو گا ، اگرچہ اس کے علاوہ کا کام نہ کرے،یا وقت کا پابند کر کے لایا ہوکام کی تخصیص کے بغیر،.....اور اجیر مشترک کام کرنے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوتا ہے

(الدر المختار مع الرد: ۹ ؍ ۸۷)،لہذا جو شخص واسطہ بنتا ہے اور اس کے لئے تگ و دو کرکے رقم فراہم کرتا ہے اس کی محنت پر اجرت دینا اور اس کا لینا جائز ہے۔

۸-واسطہ بننے والے کے لئے جو اس کی تگ ودو اور جد وجہد کا معروف طورپرمحنتانہ بنتاہے اسی کے بقدر لینا جائز ہوگا، اس پر نظر کرتے ہوئے کہ یہ رقم اس کو مفت میں مل رہی ہے اجر مثل سے زائد اس کے لئے لینا درست نہیں معلوم ہوتا ، اس سے معاشرہ میں فساد اور خرابی رواج پائے گی رشوت عام ہوگی ،نیز فیصد پر لین دین کا معاملہ بھی درست نہیں ہوگا ''و فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیہ أن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذاک حرام علیہم''دلال اور ایجنٹ میں اجر مثل واجب ہوتا ہے، اور جو یہ معمول بنا لیا ہے کہ ہر دس دینار میں اتنا ،تو یہ ان کے لئے حرام ہے(رد المحتار علی الدر المختار :۹ ؍ ۸۷)۔

۹-امدادی رقوم کا وہ مستحق ہے اوربغیر رشوت دیئے اپنا حق نہیں پا سکتا ہے تو رشوت دے سکتا ہے،ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :''قیل الرشوۃ : ما یعطی لابطال حق أو لاحقاق باطل ، أما اذا أعطی لیتوصل بہ الی حق أو لیدفع بہ عن نفسہ ظلما فلا بأس بہ، وکذا الآخذ اذا أخذ لیسعی فی اصابۃ صاحب الحق فلا بأس بہ ، لکن ھذا ینبغی أن یکون فی غیر القضاۃ والولاۃ، لأن السعی فی اصابۃ الحق الی مستحقہ ودفع الظالم عن المظلوم واجب علیھم فلا یجوز لھم الأخذ علیہ''،رشوت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شئے ہے جو حق کو باطل یا باطل کو حق قرار دینے کے لئے دی جائے ، اور جب کوئی اس لئے دیتا ہے تا کہ حق تک پہونچ سکے یا اپنے اوپر سے ظلم کو دفع کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے ہی لینے والا جب اس لئے لے ،تا کہ صاحب حق تک حق پہونچانے کی کوشش کرے،تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے ، لیکن یہ حکا م اور قضاۃ کے علاوہ کے لئے ہی درست ہے ، اس لئے کہ مستحق تک اس کا حق پہونچانا یا مظلوم سے ظالم کو دفع کرنا ان پر واجب ہے لہذا ان کے لئے اس پر کچھ لینا جائز نہیں ہوگا (مرقاۃ المفاتیح ۷ ؍ ۲۴۸)،فتاوی ہندیہ میں بھی مذکورہ صورت میں جواز کا ہی قول مذکور ہے ،بلکہ اس میں المحیط للسرخسی اور فتاوی قاضی خان کے حوالہ سے یہ بھی صراحت ہے : ''ھذا اذا أعطاہ قبل أن یسوی أمرہ أما اذا أعطاہ بعد أن سوّی أمرہ و نجاہ عن ظلمہ فیحل للمعطی الاعطاء ویحل للآخذ الأخذ، وھو الأصح'' حکام اور قضاۃ کے لئے عدم جواز کا قول اس صورت میں ہے جب کہ کام کرنے سے پہلے ان کو دے ، اور جب اس کا کام کرنے کے بعد ،یا ظلم سے نجات دلانے کے بعد ان کو دے تو دینے والے کے لئے دینا اور لینے والے کے لئے لینا حلال ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے (فتاوی ہندیہ : ۳ ؍ ۳۳۱)یعنی اپنا حق مل جانے کے بعد،یا ظلم سے نجات پا جانے کے بعد اگر دیتا ہے تو دینے والے کے لئے دینا اور لینے والے کے لئے لینا بھی جائز ہے ۔

۱۰-امدادی رقوم کے حصول کے لئے جو شرائط اور معیارمتعین ہیں، ان کا لحاظ کرنا لازم ہے، تاکہ وہ رقم اس کے مستحقین تک پہنچ سکے، مستحق نہ ہوتے ہوئے،رشوت وغیرہ کے ذریعہ اس کا حاصل کرنا اپنی ذلت وسزا اوران کے بعض مستحقین کی محرومی

کا باعث ہوگا ، اس لئے غلط بیانی کے ذریعہ اس کا حاصل کرنا جائز نہ ہوگا ، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل }، اپنے مالوں کو اپنے درمیان غلط طریقہ سے مت کھاؤ(سورۃ البقرۃ : ۱۸۸)، علامہ قرطبیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :''من أخذ مال غيره لا على وجه اذن الشرع فقد أكله بالباطل، و من الأكل بالبا طل أن يقضى القاضى لک وأنت تعلم أنک مبطل ،فا لحرام لا يصير حلالاًبقضاء القاضى،لأنہ انما يقضى بالظاهر، وهذا إجماع فى الأموال '' ،جس نے اپنے غیر کے مال کو شریعت کی اجازت کے خلاف طریقہ پر لیا تو اس نے اسے باطل طور پر کھایااور باطل طور پر کھانے کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ قاضی تمہارے لئے فیصلہ کردے اور تم جانتے ہو کہ تم غلط ہو،اس کے مستحق نہیں ہو ،تو قاضی کے فیصلہ کر دینے سے حرام ، حلال نہیں ہو جائے گا اس لئے کہ وہ ظاہر پر فیصلہ کرتا ہے، اور اموال کے بارے میں اس پر اتفاق ہے (الجامع لاحکام القرآن ۲ ،۳۳۸)۔

البتہ وہ شرائط اگر انصاف پر مبنی نہ ہوں ،اور ان کی وجہ سے دوسرے ضرورتمند لوگ محروم ہورہے ہوں توایسے ضرورتمند امداد کے مستحق شخص کے لئے اس کی گنجائش ہوگی کہ وہ کسی حیلہ سے امداد حاصل کرلے ، کیونکہ محتاج اور ضرورتمندوں کی اعانت حکومت کے فرائض میں داخل ہے، لہذا اس سے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کوئی حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے ۔

۱۱-جن اسکیموں میں حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر عائد انٹرسٹ ، حکومت خود ادا کرتی ہے ،قرض لینے والے کو کچھ زائد رقم نہیں دینا ہوتا ہے،تو یہ صورت درست ہوگی اورقرض لینے والے کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا،اس لئے کہ اس قرض کی نوعیت یہ ہے کہ مقرض حقیقۃ حکومت ہے جس نے اپنے ایک ادارہ بنک کو وکیل بنادیا ہے کہ وہ مستقرض کو ایک متعینہ رقم ادا کردے، قرض دینا بھی اپنے مال میں ایک تصرف ہے ،اور یہ بیع کے مشابہ ہے ،جس میں وکیل بنانا جائز ہے،''فلهذا اختص جوازه بما لہ مثل، فأشبہ البيع''،اسی لئے اس (قرض) کا جوازز خاص ہے ایسی شئے کے ساتھ جس کا مثل ہو، تو یہ بیع کے مشابہ ہوا(بدائع الصنائع : ۶ ، ۵۱۷)، '' إن القرض فى معناه العام يشبہ البيع؛ لأنہ تمليک مال بمال''، قرض اپنے عمومی معنی میں بیع کے مشابہ ہے ،اس لئے کہ یہ مال کے بدلہ میں مال کا مالک بنانا ہے (الفقہ الاسلامی و ادلتہ :۵ ، ۳۷۹۶،القسم الثالث)،'' صح التوكيل و هو إقامۃ الغير مقام نفسہ فى التصرف ممن يملكہ'' وکیل بنانا صحیح ہے، اور وہ غیر کو اپنا قائم مقام بنانا ہے تصرف میں اس شخص کی طرف سے جو تصرف کا مالک ہو (کنز الدقائق مع شرحہ البحر الرائق : ۷ ، ۲۳۵)، '' ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربۃ والاجارات والنكاح و الطلاق و العتاق و الخلع و الصلح و الاعارۃ والاستعاره و الهبۃ والصدقۃ---'' (فتاوی عالمگیریہ: ۳ ، ۵۶۴)،اورحکومت خود قرض لینے والے سے کوئی زائد مطالبہ نہیں کرتی ،لہذا اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے مستقرض کا

حکومت کے ساتھ قرض لینے کا معاملہ سودی نہیں ہوا،اس لئے اس اسکیم سے اس کا استفادہ جائز ہوگا۔

البتہ جس صورت مینمقروض کو لئے ہوئے قرض پر کچھ بھی زائد ادا کرنا مشروط ہو تو سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس اسکیم سے استفادہ درست نہیں ہوگا ، قرض کی وہی صورت جائز ہوگی جس میں لئے ہوئے قرض کے مثل یا اس سے کم رقم ادا کرنی ہوتی ہے، '' و الخلاصۃ أن القرض جائز بشرطین:۱ - ألا یجر نفعاً ، فان کانت المنفعۃ للدافع منع اتفاقاً للنھی عنہ وخروجہ عن باب المعروف وان کانت للقا بض جاز''خلاصہ یہ کہ قرض دوشرطوں کے ساتھ جائز ہے : ۱ - یہ کہ وہ نفع پر مشتمل نہ ہو،اور اگر منفعت قرض دینے والے کے لئے ہے تو بالاتفاق منع ہے اس سے نہی منصوص ہونے کی وجہ سے،نیز اس لئے کہ (قرض دینا احسان اور بھلائی کا کام ہے ،اس پر نفع لینے کی وجہ سے)وہ معروف اور احسان کی قبیل سے نہیں رہ جا ئے گا ،اور اگر نفع قرض لین والے کے لئے ہو تو جائزہوگا (الفقہ الاسلامی و ادلتہ :۵ ۔ ۳۷۹۶)۔

۱۲- یہ صورت جس میں حکومت انٹرسٹ اور سود کی رقم کو تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کے تعاون و امداد میں استعمال کرتی ہے ،چونکہ حکومت اس کی مالک ہوتی ہے ،لہذااس اسکیم سے بھی فائدہ اٹھا نا درست ہے ، اس رقم کے حاصل کرنے والے مسلمان کا اس شکل میں سود لینا اور دینا نہیں پایا جاتا، اور ملکیت بدلنے سے شئے کا حکم بدل جا تا ہے ، '' تبدل الملک بمنزلۃ تبدل العین''(رد المحتار علی الدر المختار : ۳ ۔ ۲۸۷) ، حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہاکو کچھ گوشت ہدیہ کیا، ''فقال رسول اللہ ﷺ :لو صنعتم لنا من ھذا اللحم ، قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا :تصدق بہ علی بریرۃ ، فقال : ھو لھا صدقۃ و لنا ھدیۃ ''رسو ل اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے لئے بھی اس گوشت کو بناؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا :یہ گوشت حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کو صدقہ میں ملا ہے (اور آپ کے لئے صدقہ کا استعمال جائز نہیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : یہ ان کے لئے صدقہ ہے ،اور ہمارے لئے (ان کی طرف سے) ہدیہ ہے(صحیح مسلم مع شرحہ للنووی : ۱۰ ۔ ۱۴۷ ، کتاب العتق)۔

جیسے کوئی کافر شراب کی فروخت سے حاصل شدہ رقم قرض کی ادائیگی میں کسی مسلمان کو دے تو اس کا لینا جائز کہا گیا ہے،''وجاز أخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ'' (الدر المختار مع رد المحتار: ۹ ۔۵۵۳)،اس لئے کہ وہ کافر اس رقم کا مالک ہے۔

سرکاری اسکیموں سے متعلق اکیڈمی کے سوالات کا شرعی جائزہ

مولانا خورشید انور اعظمی•

حکومت کی قانونی واخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے ملک میں بسنے والے تمام افراد کے بنیادی حقوق ومفادات کا بہرصورت لحاظ رکھے اور ان کی جملہ شہری ضروریات کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت فکر مند رہے، تاکہ تمام باشندگان ملک ، اطمینان وسکون کے ساتھ خوشحال زندگی بسر کرسکیں ،نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماتحتوں کی دیکھ ریکھ اور ان کی نگہداشت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

''الاکلکم راع، وکلکم مسئول عن رعِیتِہِ، فالأمِیر الذِی علی الناسِ راع، وہو مسئول عن رعِیتِہِ''(صحیح مسلم ۳،۱۴۵۹)۔

[ہرشخص نگراں ہے اور ہرشخص سے اس کے ماتحت کے بارے میں باز پرس ہوگی ،چنانچہ جوامیر، لوگوں کا نگراں ہے اس سے اس کے ماتحت کے بارے میں باز پرس ہوگی]

امام نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایاہے:

''ففیہ أن کل من کان تحت نظرہ شی فہو مطالب بالعدل فیہ، والقیام بمصالحہ فی دینہ ودنیاہ ومتعلقاتہ''(شرح النووی علی مسلم۱،۲۱۳)۔

[اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص سے اس کے ماتحت کے بارے میں مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ عدل کرے اور ا س کی دینی و دنیاوی مصلحتوں اور اس سے متعلق امور کا خیال کرے]

علامہ ماوردی نے حاکم کے فرائض کاذکر کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"أن یباشر بنفسہ مشارفۃ الأمور، وتصفح الأحوال ، لینہض بسیاسۃ الأمۃ وحراسۃ الملۃ،ولا یعول علی التفویض تشاغلابلذۃ أو عبادۃ، فقد یخون الأمین، ویغش الناصح ، وقد قال اللہ تعالی:یا داؤد إنا جعلنا ک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الہوی فیضلک عن سبیل اللہ''(الاحکام السلطانیۃ ۱،۴۰)۔

[حاکم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بذات خود جملہ امورپر نگاہ رکھے اور حالات کا جائزہ لیتا رہے اور کسی لذت یا عبادت میں مشغول ہوکرکام کو کسی دوسرے کے حولے

• صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم ، بنارس۔

نہ کرے، تاکہ امت کی قیادت اور ملت کی حفاظت پورے طور پر کرسکے اس وجہ سے کہ بسا اوقات امین سے خیانت اور خیر خواہ سے فریب دہی کا صدور ہوجاتا ہے ،اللہ تعالی نے کہا: اے دائود! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایاہے لہذا لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرواور خواہش کی پیروی نہ کرناکہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی]

اسی طرح حاکم کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنی رعایا کو جو کچھ دینا ہے مناسب وقت پر اس کی ادائیگی کرے،جیساکہ علامہ ماوردی رقم طراز ہیں :

''تقدِیر العطایا وما یستحِق فِی بیتِ المالِ مِن غیرِ سرف ولا تقتِیر، ودفعہ فِی وقت لا تقدِیم فِیہِ ولا تاخِیر''(الاحکام السلطانیۃ ۱٫۴۰)۔

[حاکم،عطیات اور بیت المال کے مستحقات کو بغیرکسی کمی بیشی کے طے کرے اوراس کی بروقت ادائیگی کرے]

یہی وجہ ہے کہ تمام حکومتیں اپنی رعایاکامالی تعاو ن کر تی ہیں کبھی قرض کی صورت میں اور کبھی امداد کی شکل میں،اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض کو کلی یا جزئی طور پر معاف کردیاجاتاہے ، اور اسے حکومت کے فرائض مینشمار کیا جاتا ہے ۔

شریعت میں کسی کا تعاون کرنا یا کسی کو قرض دینا مستحسن امرہے ،نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ما مِن مسلِم یقرِض مسلِما قرضا مرتین اِلا کان کصدقتِہا مرۃ''(ابن ماجہ۲٫۸۱۲)۔

[کسی مسلمان کو دوبار قرض دینا ایک بار صدقہ کرنے کے مثل ہے]

علامہ قرطبی نے آیت کریمہ ''من ذا الذِی یقرِض اللہ قرضا حسنا فیضاعِفہ لہ ا ضعافا کثِیرۃ واللہ یقبِض ویبسط وِ الیہِ ترجعون'' (البقرۃ: ۲۴۵) کی تفسیر کرتے ہوئے قرض کی فضیلت کو واضح کیا ہے :

''ثواب القرضِ عظِیم، لأن فیہ توسعۃ علی المسلم وتفریجا عنہ''(تفسیر قرطبی:۳٫۲۴۰)۔

[قرض کا ثواب ،بڑاہے اس وجہ سے کہ اس سے مسلمان کے لئے کشادگی پیدا ہوتی ہے اور اس کی تنگی دور ہوتی ہے]

البتہ شریعت نے اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ قرض کے لین دین میں اس بات کا لحاظ کرنااز حدضروری ہے کہ اس میں حصول منفعت کا جذبہ کار فرما نہ ہواس لئے کہ قرض ایک تبرع ہے اسے منفعت وآمدنی کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے ، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جس سے نفع خوری مقصود ہو، ارشاد نبوی ہے :

''کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ مِن وجوہِ الربا''(السنن الکبری للبیہقی:۲٫۲۷۳)۔

[جو قرض حصول نفع کاسبب ہو، وہ ربوا کی ایک صورت ہے]

اس لئے اگر سرکاری اسکیمو ں مینکوئی شرعی قباحت نہ ہوتوان سے استفادہ

کرنادرست ہوگا ورنہ نہیں ۔

(١)اگر حکومت نے کسی کوقرض دیا اور اس کے کچھ حصے کو معاف کردیاکہ لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا ہے توقرض کی یہ صورت درست ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالی نے قرض کے معاف کرنے کی ترغیب دی ہے، ارشاد خدا وندی ہے :

''وِان کان ذوعسرة فنظِرة اِلی میسرة وان تصدقوا خیرلکم اِن کنتم تعلمون''(البقرة: ٢٨٠)۔

[اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تواسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دواور اگربخش ہی دوتو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشر طیکہ سمجھو]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں صدقہ کرنے سے مراد قرضے کی معافی بتایا ہے ، تحریر فرماتے ہیں:

''الظاہرأن المراد بالتصدق الإبراء وہو خیروأکثر ثوابا من الأنظار''(التفسیر المظہری:٤١٢/) ۔

[ظاہر ہے کہ صدقہ کرنے سے مراد معاف کرنا ہے اور وہ مہلت دینے کی بنسبت زیادہ بہتر اور بہت ثواب والا ہے]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض معاف کرنے کی ترغیب دی ہے:

'' من سرہ أ ن ینجِیہ اللہ مِن کربِ یومِ القِیامِۃ، فلینفِس عن معسِر أو یضع عنہ''(رواہ مسلِم)۔

[جس کو یہ بات بھلی معلوم ہو کہ اللہ تعالی اسے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے نجات دے تو چاہئے کہ وہ کسی غریب تنگ دست کو مہلت دے یا معاف کردے]

امام نووی نے اس طرح کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے قرض کو کلی یا جزئی طور پر معاف کرنے کی اہمیت و فضیلت پر روشنی ڈالی ہے ،تحریر فرماتے ہیں:

''فِی ہذہ الأحادِیثِ فضل ا ِنظارِ المعسِرِ والوضع عنہ إما کل الدین، وإما بعضہ من کثیر أو قلیل ''(نووی شرح مسلم :١٠/٢٢٤)۔

[ان احادث میں غریب تنگ دست کو مہلت دینے اور اس کو معاف کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے ،یاتو پورے قرض کی معافی ہو یا کچھ کی،زیادہ قرض سے ہو یا کم سے]

مبسوط سرخسی میں ہے:

''وإذا أقرض الرجل الرجل الدراہم ثم صالحہ منہا علی أقل من وزنہا فہو جائز، لأنہ قبض البعض وابرأہ عن البعض وکل واحد منہماصحیح فی الکل فکذلک فی البعض''(المبسوط للسرخسی:١٤/٣٨)۔

[اگر کسی نے کسی کو دراہم قرض دئیے،پھراس سے کم وزن کے دراہم پر مصالحت کرلی تو یہ جا ئز ہے ، اس لئے کہ اس نے بعض پر قبضہ کیا اور بعض کو معاف کردیا،اور ان دونوں میں سے ہرایک کل میں صحیح ہے تو بعض میں بھی صحیح ہوگا]

نیز زیر بحث مسئلے میں نفع ، قرض دینے والے کا نہیں ہے، بلکہ قرض خواہ کا ہے جو درست ، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

''فان کانت المنفعۃ للدافع منع اتفاقاللنہی عنہ ، وخروجہ عن باب المعروف، وإن کانت للقابض جاز'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵،۴۴۸)۔

[اگر منفعت ، قرض دہندہ کے لئے ہو تو بالاتفاق ممنوع ہے اس وجہ سے کہ وہ منہی عنہ اور حسن سلوک کے دائرے سے خارج ہے ،اور اگر قرض خواہ کے لئے ہو تو جائز ہے]

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسے قرضے جن کے کچھ حصے معاف کردئے جائیں اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑے ، درست ہیں۔

(۲) اگرحکومت نے قرض دیا اور طے کیا کہ مقررہ مدت کے اندر رقم واپس کرنے پر قرض معاف ہوجائے گا ورنہ پوری رقم ادا کرنی ہوگی تو جائز ہے، ہدایہ میں ہے :''إذاقال:صالحتک من الألف علی خمس مائۃ تدفعہا إلی غدا، وأنت بری من الفضل علی أنک إن لم تدفعہا إلی غدا، فالألف علیک علی حالہ، وجوابہ أن الأمر علی ما قال؛ لأنہ أتی بصریح التقیید، فیعمل بہ''(ہدایہ:۳،۲۳۶)۔

[اگر کہا کہ میں نے تم سے ہزار میں پانچ سوپر صلح کی کہ تم مجھے کل دیدوگے تو بقیہ سے بری ہوجاؤ گے بایں طور کہ اگر تم نے مجھے کل نہیں دیا تو ایک ہزار تم پر علی حالہ باقی رہے گا ، مسئلہ قائل کے قول کے مطابق ہوگااس وجہ سے کہ اس نے بصراحت قید لگائی ہے ، لہذا اس پر عمل کیا جائے گا]

(۳)اگر مقررہ مدت کے بعدقرض اداکرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ ربوا ہے ، جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے ،ارشاد خدا وندی ہے :

''یاایہا الذِین آمنوا لا تأکلوا الرِبا أضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعکم تفلِحون'' (آل عمران: ۱۳۰)۔

[اے ایمان والو!دوگنا چوگنا سود نہ کھاواور اللہ سے ڈروتاکہ نجات حاصل کرو]۔

علامہ ابن کثیراس آیت کریمہ کی تفسیرمیں رقم طراز ہیں :

''یقول اللہ تعالی ناہیا عِبادہ المومِنِین عن تعاطِی الرِبا وأکلِہ إضعافا مضاعفۃ، کما کانوا یقولون فِی الجاہِلِیۃِ إذا حل أجل الدینِ:إما أن یقضِی وإما أن یربی، فإن قضاہ وإلا زادہ فی المدۃ، وزادہ ا لآخر فِی القدر، وہکذا کل عام، فربما تضاعف القلِیل حتی یصِیر کثِیرا مضاعفا''(تفسیر ابن کثیر :۲،۱۱۷)۔

[اللہ تعالی نے اپنے مومن بندونکو سودی لین دین اور اس کو کئی گنا کرکے کھانے سے منع کیا ہے، جیساکہ جاہلیت میں جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی تولوگ کہتے تھے یاتو قرض ادا کرو یا سود دو ، اگر دیدیا تو ٹھیک ، ورنہ وہ مدت بڑہا دیتے اور دوسرا ہا

دمقدار بڑیتا،یہ ہرسال ہوتا اور بسااوقات کم مال بڑہتے بڑہتے کئی گنا زیادہ جاتا]

اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے قرض سے منع فرمایاہے ، جو حصول منفعت کا ذریعہ ہو ، آپ ﷺنے ارشاد فرمایا :

''کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ مِن وجوہِ الربا''(السنن الکبری للبیہقی:۲،۲۷۳)۔

[جو قرض حصول نفع کاسبب ہو، وہ ربوا کی ایک صورت ہے]

ردالمحتار میں ہے:

''کل قرض جر نفعا حرام''(ردالمحتار :۷،۳۵۵)۔

[ہر قرض جو نفع کا ذریعہ ہو حرام ہے]

المغنی میں ہے :

''کل قرض شرط فیہ أن یزید فہو حرام بلا خلاف''(المغنی ۴،۳۶)۔

[جس قرض میں زیادتی کی شرط ہو وہ بلا کسی اختلاف کے حرام ہے]

(۴)اگر معافی یا غیر معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح کم ہونے کے سبب اسے سروس چارج کہا جاسکتاہوتب بھی یہ درست نہیں ہوگا ،اس لئے کہ قرض سے زائدمشروط رقم خواہ کتنی ہی قلیل ہووہ سودہے، جس کا لینا دیناشرعا درست نہیں ہے ، عمدۃالقاری میں ہے :

''قد أجمع المسلمون نقلا عن النبی ﷺ :أن اشتراط الزیادۃ فی السلف ربا'' (عمدۃ القاری۱۲،۱۳۵)۔

[مسلمانوں کانبی اکرم ﷺسے نقل کرتے ہوئے اس بات پر اجماع ہے کہ قرض میں زیادتی کی شرط لگانا ربوا ہے]

علامہ عبدالبر نے تحریر فرمایا:

''قد أجمع المسلمون نقلا عن نبیہم ﷺ أن إشتراط الزیادۃ فی السلف ربا، ولوکان قبضۃ من علف، أوحبۃ، کما قال ابن مسعود أوحبۃ واحدۃ''(التمہید: ۴،۶۸)۔

[مسلمانوں کا نبی اکرمﷺ سے نقل کرتے ہوئے اس بات پر اجماع ہے کہ قرض میں زیادتی کی شرط لگانا ربوا ہے ،وہ ایک مٹھی چارہ یا دانہ ہی کیوں نہ ہو، جیساکہ عبداللہ ابن مسعود نے یا ایک دانہ کہا ہے]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض سے زائدرقم سودہے، خواہ اس کی مقدار اتنی کم ہی کیوں نہ ہوکہ اسے سروس چارج کہا جا سکتا ہو۔

البتہ اگر قرض کا معاملہ علیحدہ کیا جائے اور الگ سے سروس چارج کی بات طے کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ، جیساکہ قاضی، دستاویز وغیرہ کی لکھا پڑھی کے لئے اجر ت لے سکتا ہے ، در مختار میں ہے :

‘‘یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق أو المحاضر أو السجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی’’ (درمختار۹،۱۲۷)۔

[قاضی، دستاویز یا کارروائی یا رجسٹرکے لکھنے کی اجرت، مفتی وغیرہ کے لئے جتنی درست ہے ، لے سکتا ہے

(۵)اگرصورت مسئلہ یہ ہو کہ حکومت کی جانب سے دیئے جانے والے قرض پر زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ اس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے ، تویہ بھی سودہے جس کالین دین ازروئے شریعت ممنوع وحرام ہے ،عمدۃالقاری میں ہے :

‘‘قد أجمع المسلمون نقلا عن النبی ﷺ :أن اشتراط الزیادۃ فی السلف ربا’’ (عمدۃ القاری۱۲،۱۳۵)۔

[مسلمانوں کانبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے اس بات پر اجماع ہے کہ قرض میں زیادتی کی شرط لگانا سود ہے]۔

ردالمحتار میں ہے:

‘‘کل قرض جر نفعا حرام’’(ردالمحتار ۷،۳۵۵)۔

[ہر قرض جو نفع کا ذریعہ ہو حرام ہے]

(۶)اگر حکومت مکان وغیرہ کی تعمیر اور تعلیم وتعلم یا کسی بنیادی ضرورت کے لئے اپنے شہریوں کی مکمل اعانت کرے اوران رقوم کو واپس نہ لے ٍ تو ایسی رقوم کا استعمال درست ہوگا، اس لئے کہ حکومت کی اخلاقی وقانونی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی رعایا کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھے،نبی اکرمﷺ نے رعایا کے تئیں حاکم کی ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایاہے:

‘‘ألاکلکم راع، وکلکم مسئول عن رعِیتِہِ، فالأمِیر الذِی علی الناسِ راع، وہو مسئول عن رعِیتِہِ’’(صحیح مسلم ۳،۱۴۵۹)۔

[ہرشخص نگراں ہے اور ہرشخص سے اس کے ماتحت کے بارے میں باز پرس ہوگی ،چنانچہ جوامیر، لوگوں کا نگراں ہے اس سے اس کے ماتحت کے بارے میں باز پرس ہوگی]۔

علامہ ماوردی نے حاکم کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

‘‘أن یباشر بنفسہ مشارفۃ الأمور، وتصفح الأحوال، لینہض بسیاسۃ الأمۃ وحراسۃ الملۃ، ولا یعول علی التفویض تشاغلابلذۃ أو عبادۃ، فقد یخون الأمین ویغش الناصح ، وقد قال اللہ تعالی : یا داؤد إنا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الہوی فیضلک عن سبیل اللہ’’(الاحکام السلطانیۃ ۱،۴۰)۔

[حاکم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بذات خود جملہ امورپر نگاہ رکھے اور حالات

کا جائزہ لیتا رہے اور کسی لذت یا عبادت میں مشغول ہوکرکام کو کسی دوسرے کے حولے نہ کرے تاکہ امت کی قیادت اور ملت کی حفاظت پورے طور پر کرسکے اس وجہ سے کہ بسا اوقات امین سے خیانت اور خیر خواہ سے فریب دہی کا صدور ہوجاتا ہے ،اللہ تعالی نے کہا: اے دائود! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایالہذا لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرواور خواہش کی پیروی مت کروکہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے دور کردے] ۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات پورے طور پر واضح ہے کہ سرکار کی جانب سے اپنے شہریوں کی اعانت وامداد مستحسن قدم ہے اور اس کا استعمال کرنادرست ہے ۔

(۷)اگر حکومت کی جانب سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے کچھ لوگ واسطہ بنتے ہوں اور بھاگ دوڑ کرکے ان رقوم کو حاصل کرتے ہونتو ان لوگوں کے لئے محنتانہ لینا کثرۃ تعامل کے سبب درست ہے،ردالمحتارمیں ہے:

''وفی الحاوی:سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال :أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کا ن فی الأصل فاسد الکثرۃ التعامل''(ردالمحتار۶،۶۳)۔

[حاوی میں ہے : محمد ابن سلمہ سے دلال کی اجرت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا : امید کرتا ہوں کہ کثرت تعامل کے سبب اس میں کوئی حرج نہیں ہے ، اگرچہ یہ اصلا فاسد ہے

(۸)حکومت کی جانب سے ملنے والی رقوم کے حصول کے سلسلے میں واسطہ بننے والے کے لئے معمول کے مطابق مناسب محنتانہ لینا درست ہے جو عام طور پر لیادیا جاتاہے،حاصل شدہ رقم سے ایک حصہ طے کرنادرست نہیں ہوگا ،علامہ شامی نے تاتار خانیہ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے :

''قال فی التتار خانیۃ:وفی الدلال والسمسار یجب أجرالمثل، وماتواضعوا علیہ أن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذاک حرام علیہم''(ردالمحتار ۶،۶۳)۔

[تاتارخانیہ میں ہے کہ دلال کے لئے اجر مثل واجب ہے اور جو یہ طے کرتے ہیں کہ ہر دس دینار پر اتنا دینا ہوگا یہ ان کے لئے حرام ہے]

(۹) اگر حکومت کی جانب سے حاصل ہونے والی امدادی رقوم یا قرض کے حصول کے لئے رشوت دینی پڑ ے تو دیکھا جائے گا کہ اگرصاحب معاملہ اس طرح کے تعاون اور قرض کا واقعتاحقدار ہے اور رشوت کے بغیر اس کے حق کے ملنے کی بظاہر کوئی شکل نہیں ہے تو بحالت مجبوری اس کا رشوت دینا درست ہوگا ، مفتی محمود صاحب نے اس طرح کے مسئلے میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے :

''اپنا حق ''تجارت یا ملازمت وغیرہ ''حاصل کرنے کے لئے اگر مجبورارشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے گا ''(فتاوی محمودیہ ۱۵،۳۳۹)۔

اسلامی شریعت میں رشوت لینا دینا حرام ہے ، لیکن اس سے ایسی رشوت مراد ہے

جس سے کسی حق کو باطل کیا جائے یا باطل کو ثابت کیا جائے اور اگر اس کے ذریعہ اپنا حق حاصل کیا جائے یا اپنے اوپر ہونے والے کسی ظلم کو دفع کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ، ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں لکھاہے :

''قیل:الرشوۃ مایعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل، إما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق، أو لیدفع بہ عن نفسہ ظلما، فلابأس بہ''(مرقاۃ المفاتیح۶؍۲۴۳۷)۔

[کہا گیا ہے کہ رشوت سے مرادایسامال ہے جو کسی حق کوباطل کرنے یا کسی باطل کو ثابت کرنے کے لئے دیا جائے،رہا وہ مال جو کسی حق کے حصول یا اپنی ذات سے کسی ظلم کو دفع کرنے کی غرض سے دیا جائے تواس میں کوئی حرج نہیں ہے]

ردالمحتار میں ہے:

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع''(ردالمحتار:۶؍۴۲۴)۔

[اپنی جان ومال سے ظلم کو دفع کرنے اور کسی حق کے پالینے کی غرض سے ظالم بادشاہ کو مال دینا ،دینے والے کے حق میں رشوت نہیں ہے]

اور اگرکوئی شخص مذکورہ تعاون یا قرض کا حقدار نہ ہو یااس طرح کے تعاون یا قرض کے حصول سے کسی دوسرے کا حق متاثر ہورہا ہو تو اس صورت میں رشوت دینے کی قطعااجازت نہ ہوگی ، نبی اکرمﷺ نے رشوت لینے دینے والے پرلعنت فرمائی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمروسے روایت ہے :

''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی''(سنن ابوداود:۳؍۳۰۰)۔

[رسول اللہﷺ نے رشوت لینے دینے والے پر لعنت فرمائی ہے]

(۱۰) حکومت کی جانب سے امدای رقوم یا قرض کے حصول کے لئے متعین شرائط ومعیارات کا پورا کرنا شرعالازم اور ضروری ہوگا، اور اس سلسلے میں غلط بیانی سے کام لینا جائز نہ ہوگا ،اس لئے کہ اسلامی شریعت میں غلط بیانی ، کذب بیانی اور فریب دہی سے سختی سے منع کیا گیا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

''من غشنا فلیس منا'' (صحیح مسلم : ۴؍۹۷)۔

[جس نے ہم کو دھوکہ دیا وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے]

اسی طرح اللہ تعالی نے کسی دوسرے کے مال کو غلط طریقے سے لینے کو منع فرمایا ہے ،ارشادخداوندی ہے :

''ولا تاکلواأموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا إلی الحکام لتأکلوا فریقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون''(البقرۃ: ۱۸۸)۔

[اور ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤاور نہ اس کو حاکموں کے پاس پہنچاؤتاکہ

لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائزطورپر کھا جاؤ اور تم جا نتے بھی ہو]

علامہ زمخشری نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :

''ولایأکل بعضکم مال بعض بالباطل بالوجہ الذی لم یبحہ اللہ ولم یشرعہ ولا تدلوا بہا ولاتلقوا امرہا والحکومۃ فیہا الی الحکام لتاکلوا بالتحاکم فریقا طائفۃ من اموال الناس بالاثم بشہادۃ الزور او بالیمین الکاذبۃ '' (تفسیر کشاف:۱،۳۲۳)۔

[تم میں سے کوئی، کسی کامال باطل طریقے پر یعنی ا س طورپر نہ کھا ئے کہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے اور نہ اس کو مشروع قرار دیا ہے اور نہ اس مسئلے کوحکام کے پاس لے جاؤتاکہ ان کے یہاں مسئلہ لے جا کر جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم کے ذریعے لوگوں کے مال کے ایک حصے کوغلط طریقے سے کھاؤ]

البتہ اگر کوئی شخص کسی چیز کاواقعتا حقدار ہے اور اس کا حصول غلط بیانی کے بغیر ممکن نہیں ہے تو اس کے لئے کسی بھی حیلے سے اپنا حق واجبی حاصل کر نا درست ہے ،علامہ شامی نے کذب بیانی کے جواز وعدم جواز کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

''إن کل مقصود محمود یمکن التوصل إلیہ بالصدق والکذب جمیعا، فالکذب فیہ حرام، وإن أمکن التوصل إلیہ بالکذب وحدہ، فمباح أن أبیح تحصیل ذلک المقصود، وواجب إن وجب تحصیلہ'' (ردالمحتار۶،۴۲۷)۔

[جس محمود مقصد تک رسائی صدق وکذب دونوں کے ذریعہ ممکن ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور جس کا حصول صرف کذب بیانی سے ممکن ہو تو اگر اس مقصد کا حاصل کرنا مباح ہو تو کذب بیانی مباح اور اگر واجب ہوتو واجب ہے]

(۱۱)اگر تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے کوئی ایسی اسکیم ہے کہ اس تعلق سے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر عائدانٹرسٹ بھی خود ہی ادا کرتی ہے ،مقروض کو ادا نہیں کرنا پڑتاتو اس طرح کے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر قرض کااکثر انٹرسٹ حکومت خود ادا کرتی ہواور اس کاکچھ حصہ قرض لینے والے کو ادا کرنا پڑتا ہوتو یہ درست نہیں ہوگا الایہ کہ قرض خواہ محتاج ہوتواس کے لئے اس طرح کا قرض لینا درست ہے ،علامہ ابن نجیم نے اس بات کی تصریح کی ہے :

'' یجوزللمحتاج الا ستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر ۱،۷۹) ۔

[محتاج کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے]

(۱۲) اگرحکومت یا حکومت کا کوئی ادارہ انٹرسٹ وصول کرکے اس کا مالک ہو جائے اور اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کاتعاون کرے تو ایسی اسکیم سے استفادہ کرنا درست ہوگا، اس لئے کہ اگر حکومت غیر اسلامی ہے تو اس کے نزدیک اس طرح کا سودی مال حلال ہے، وہ اس کا مالک ہے ، لہذا اس کی جانب سے اس مال سے

کسی دوسرے کی مدد کرنااور دوسرے کا اس کو لینا درست ہوگا ،علامہ ابن عابدین شامی نے شرح السیر الکبیر کے حوالے سے لکھا ہے :

''إذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم، بأى وجه كان'' (ردالمحتار ۱۸۶،۵)۔

[اگر مسلمان دار الحرب میں امان کے ساتھ داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ان سے ان کے مال کو ان کی رضامندی سے جس طرح چاہے لے]

تبیین الحقائق میں ہے :

'' فإذا أخذ ه برضاهم فقد أخذ مالا مباحا بلا غدر''(تبيين الحقائق۹۷،۴)۔

[اگر ان کی رضامندی سے مال لیا ہے تو اس نے بلا کسی عہد شکنی کے مال مباح لیا ہے]

اور اگر حکومت اسلامی ہے تو اس طرح کی اسکیم سے مستحق صدقات کا استفادہ کرنا درست ہوگا اس وجہ سے کہ انٹرسٹ کایہ مال اسلامی نقطہ نظر سے واجب التصدق ہے لہذااگر حکومت اپنے ملک کے مستحق اداروں یا شہریوں کا تعاون کرتی ہے اور مستحقین اس طرح کی اسکیم سے استفادہ کرتے ہیں تواس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، رد المحتارمیں ہے :

''ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه''(ردالمحتار ۵۵۳،۹)۔

[ان اموال کو اگران کے مالک کاپتہ چل جائے توان کے حوالے کردیا جائے ورنہ ان کا صدقہ کردیا جائے، اس لئے کہ اگرکسب خبیث کا اس کے مالک کو واپس کرنا متعذر ہو تو اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس کا صدقہ کردیاجا ئے] ۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ، غور وخوض کے چند پہلو

مفتی محمد عثمان بستوی•

سرکاری اسکیموں سے متعلق فقہ اکیڈمی کا جاری کردہ سوالنامہ کل پانچ موضوعات پر مشتمل ہے (۱) تبرعات، (۲) رباء معلق ومحقق، (۳) اجرت، (۴) رشوت، (۵) حرام طریقے سے حاصل شدہ مال سے انتفاع، تمام سوالات کے جوابات ترتیب وار قلمبند کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر (۱) کا جواب:

حکومت سےقرض لینے کی وہ شکل جس میں قرض میں لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑے اس کے فی نفسہ جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، کیونکہ یہ شکل قرض اور تبرع پر مشتمل ہے جتنے حصے کی ادائیگی لازم ہو اتنا حصہ تو قرض ہوگا بقیہ تبرع اور حکومت، خواہ مسلم کی ہویا غیر مسلم کی قرض اور اس کے تبرعات کے لینے کی شرعاً اجازت ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا غیر مسلم سے قرض لینا ثابت ہے، حتی کہ جس وقت آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت بھی آپ ﷺ کی زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔

۱۔ ''عن عائشۃؓ قالت: توفی رسول اللہ ﷺ ودرعہ مرہونۃ عند یہودی بثلثین صاعاً من شعیر''۔

۲۔ ''وعنہا قالت:اشتری رسول اللہ ﷺ طعاماً من یہودی إلی أجل ورہنہ درعاً لہ من حدید '' (مشکوۃ المصابیح،۲۵۰)۔

اسی طرح آپ ﷺ کا غیر مسلم افراد اور حکومتوں کی طرف سے ہدیہ کا قبول کرنا بھی ثابت ہے۔

۱۔ ''إن النبی ﷺ کان یقبل ہدایا المشرکین، وأنہ أہدی مع عمرو بن أمیۃ الضمری إلی أبی سفیان تمرۃ عجوۃ واستہداہ أدماً فقبل ہدیۃ رسول اللہ ﷺ وأہدی لہ الأدم، وأن نصرانیاً أہدی إلی رسول اللہ ﷺ حریراً یتلألأ فقبل ہدیتہ'' (شرح السیر الکبیر ۱۲۳۷،۳)۔

مذکورہ بالا روایات سے حکومتی قرضے اور تبرعات کا جواز بالکل ظاہر ہے، لیکن اگر یہ قرضے اور تبرعات دینی یا سیاسی مصالح کے خلاف ہوں تو اس وقت ایسے

• ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

قرضے اور تبرعات کی ممانعت ہوگی حضرات فقہاء نے غیر مسلم کے ہدایا قبول کرنے اور رد کرنے والی روایات کے درمیان اسی طرح تطبیق دی ہے۔

۱۔ کہ جس وقت آپ ﷺ کو غیر مسلم کے بارے میں احساس ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی جنگی جدوجہد کا مقصد مال ودولت کا حصول سمجھ رہے ہیں تو اس وقت آپ ﷺ نے غیر مسلم کا ہدیہ رد فرماتے ہوئے فرمایا: ''إنی نہیت عن زبد المشرکین'' (کتاب الاموال لابی عبید،۶۳۰) (مجھے مشرکین کے ہدیہ سے روکا گیا ہے)۔

اسی طرح جب آپ ﷺ نے غیر مسلم کے ہدیہ قبول کرنے میں دینی وملی صلابت اور غیرت وحمیت کی کمی کا احساس فرمایا اس وقت بھی آپ ﷺ نے غیر مسلم کا ہدیہ رد فرمادیا، نیز جس وقت غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے کی صورت میں ان کی مسلمانوں سے قربت اور غلط فہمی دور ہونے کی امید ہو تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، ''اختلفت عبارۃ المشائخ رحمہم اللہ فی وجہ التوفیق، فعبارۃ الفقیہ أبی جعفر الہندوانی:أن ما روی أنہ لم یقبلہا محمول علی أنہ إنما لم یقبلہا من شخص غلب علی ظن رسول اللہ ﷺ أنہ وقع عند ذلک الشخص أن رسول اللہ ﷺ إنما یقاتلہم طمعاً فی المال لا لإعلاء کلمۃ اللہ ولا یجوز قبول الہدی من مثل ہذا الشخص فی زماننا، وما روی أنہ قبلہا محمول علی أنہ قبل من شخص غلب علی ظن رسول اللہ ﷺ أنہ وقع عند ذلک الشخص أن رسول اللہ ﷺ إنما یقاتلہم لإعزاز الدین ولإعلاء کلمۃ اللہ لا لطلب المال، وقبول الہدیۃ من مثل ہذا الشخص جائز فی زماننا أیضا، ومن المشائخ من وفق من وجہ آخر، فقال:لم یقبل من شخص علم أنہ لو قبل منہ صلابتہ وعرنۃ فی حقہ، ویلین لہ بسبب قبول الہدیۃ وقبل من شخص علم أنہ لا یقبل صلابتہ وعرنۃ فی حقہ، ولا یلین بسبب قبول الہدیۃ، کذا فی المحیط'' (الہندیہ ۵،۳۴۷۔۳۴۸)۔

حاصل یہ کہ دین وایمان کی حفاظت بہرحال مقدم ہے، لہذا اگر حکومتی اسکیموں سے دین وایمان پر ضرب پڑتی ہو تو اس سے احتراز واجب ہے اور اگر اس طرح کی اسکیمیں دین وایمان کے لئے مضر نہ ہوں، بلکہ شہری وملکی تقاضوں کی بنا پر لوگوں کی سہولت کے لئے جاری کی جائیں تو اس سے نفع اٹھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں خصوصاً جب وہ اسکیم سود وقمار سے خالی اور قرض حسن وتبرع پر مشتمل ہو تو اس کے فی نفسہ جواز میں کوئی شبہ بھی نہیں۔

چنانچہ حضرت اقدس تھانویؒ دینی مدارس میں سرکاری امداد حاصل کرنے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

اگر سرکار وعدہ کرے کہ ہم اعانت کرکے دخل نہ دینگے تب اعانت لینا درست ہے (امداد الفتاوی ۴،۷۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری امداد حاصل کرنے میں مصالح کا خیال رکھنا لازم ہے، خصوصاً دینی مصالح کا، لہذا اگر سرکاری امداد دین وایمان کے لئے مضر ہو تو احتراز کرنا لازم ہے۔

سوال نمبر (۲) کا جواب:

قرض کی وہ شکل جس میں مقررہ مدت کے اندر ادا کرنے پر کچھ حصہ قرض کا معاف کردیا جائے اور مقررہ مدت میں ادا نہ کرنے کی صورت میں پوری رقم ادا کرنا پڑے اس شکل کے بارے میں حضرات فقہاء کی عبارات بظاہر متعارض نظر آتی ہیں، بعض عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً یہ ابراء معلق کی صورت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ شرط لغو اور دینِ کامل کی ادائیگی لازم ہے، خواہ وقت مقررہ پر ادا کرے یا وقت مقررہ کے بعد۔

''فی الدر:ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقہ بہ .... الإبراء عن الدین؛ لأنہ تملیک من وجہ، وفی رد المحتار:قال لمدیونہ:إذا أدیت إلی کذا أو متی أدیت أو إن أدیت من خمس مائۃ فأنت بریٔ عن الباقی فہو باطل، ولا إبراء .....فیہ معنی الإسقاط، فیکون معتبراً بالتملیکات، فلا یجوز تعلیقہ بالشرط.... ولیس من مبادلۃ المال بالمال، فینبغی أن لا یبطل بالشرط الفاسد '' (شامی ملخصا ۷،۵۰۲-۵۰۳)۔

یعنی ابراء مبادلۃ المال بالمال میں داخل نہیں، اس لئے شرط فاسد سے فاسد تو نہ ہوگا، لیکن چونکہ تملیکات میں داخل ہے اس لئے تعلیق بالشرط صحیح نہیں، لہذا شرط کالعدم ہوگی اور دین علی حالہ باقی رہے گا۔

اس کے برعکس دوسری بعض عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت مقررہ میں اداکی جائے تو شرط کے مطابق دین کا بقیہ حصہ ساقط ہوجائے گا اور جتنی رقم معاف کی گئی ہے وہ قرض دہندہ کی طرف سے احسان ہے، چنانچہ صاحب ''درمختار ''فرماتے ہیں:

''قال لغریمہ: أدّ إلی خمس مائۃ غداً من ألف لی علیک علی أنک بریٔ من النصف الباقی، فقبل وأدی فیہ بریٔ، وإن لم یؤد ذلک فی الغد عاد دینہ'' (الدر المختار ۸،۴۲۲)۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت مقررہ میں دین کی ادائیگی ہو تو شرط کے مطابق قرض کا بقیہ حصہ معاف ہوجائے گا اور اگر وقت مقررہ میں ادائیگی نہ کی گئی تو پورے دین کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اس کے برعکس علامہ حصکفی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے دین مؤجل کے کچھ حصہ کو وقت مقررہ سے پہلے ادا کرنے پر بقیہ کے معاف کرنے کی شرط لگائی تو یہ شرعاً ناجائز ہے، اس سے قرض ودین کا بقیہ حصہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ کامل ادائیگی لازم ہوگی۔

''لا یصلح الصلح عن ألف مؤجل علی نصفہ حالاً.... لأنہ اعتیاض عن الأجل وہو

حرام" (شامی ۸؍۴۲۱)۔

عبارات متعارضہ کے درمیان تطبیق:

عبارات مذکورہ میں بظاہر جو تعارض نظر آتا ہے وہ اس وقت ختم ہوجائے گا جب ان عبارات کا محمل متعین کردیا جائے چنانچہ پہلی عبارت ابراء معلق علی الشرط سے متعلق ہے اور ابراء چونکہ اسقاطِ متضمن بر تملیک کی قبیل سے ہے، اس لئے اس کی تعلیق صحیح اور درست نہ ہوگی اور شرط کی وجہ سے معاملہ فاسد بھی نہ ہوگا، کیونکہ ابراء از قبیل مبادلہ نہیں، لہذا شرط لغو ہوجائے گی اور دین علی حالہ باقی رہے گا۔

اور دوسری عبارت ابراء مقید پر محمول ہے کہ اگر ابراء کو مشروط بشرط متعارف کردیا جائے تو شرط معتبر ہوگی اور ابراء وجود شرط پر موقوف ہوگا اور مقید اور معلق کے درمیان فرق اس طرح ہوگا کہ تعلیق اداۃ شرط کے ساتھ ہوتی ہے اور تقیید مادہ ش ر ط (لفظ شرط) سے یا لفظ علی سے ہوتی ہے (البحر، احسن الفتاوی ۵؍۲۱۸ تا۲۲۲)۔

اور تیسری عبارت اس دین سے متعلق جو عقد بیع کے ضمن میں پایاجائے، یعنی ثمن کی ادائیگی میں ایک مدت متعینہ تک موخر کرنے کی سہولت حاصل کی جائے اس صورت میں اگر صاحب دین مدیون سے ''ضع وتعجل " کے اصول پر عمل کرے تو یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مدیون کو جو مہلت حاصل ہے وہ مدیون کا حق ہے اب اگر صاحبِ دین اپنے دین کا کچھ حصہ وقت مقررہ سے پہلے ادا کرنے پر بقیہ کے معافی کی شرط لگائے تو اس میں مدیون نے گویا کہ اپنے حق (اجل) کا عوض وصول کیا ہے اور اعتیاض عن الاجل شرعاً حرام وناجائز ہے، عبارات مذکورہ کے محامل متعین ہوجانے کے بعد بظاہر جو تعارض نظر آرہا تھا وہ باقی نہیں رہا۔ ابراء عن الدین کی تعلیق وتقیید وغیرہ سے متعلق صاحبِ درمختار نے مختلف شکلیں ذکر فرمائی ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''والأصل أن الإحسان إن وجد من الدائن فإسقاط، وإن منہا فمعاوضۃ قال لغریمہ:أدّ إلی خمس مائۃ غداً من ألف لی علیک علی أنک بریٔ من النصف الباقی، فقبل وأدی فیہ بریٔ، وإن لم یؤد ذلک فی الغد عاد دینہ، کما کان لفوات التقیید بالشرط، ووجوہا خمسۃ، أحدہا:ہذا، والثانی:إن لم یؤد بالغد لم یعد، لأنہ إبراء مطلق، والثالث: کذا لو صالحہ من دینہ علی نصفہ یدفعہ غداً وہو بریٔ مما فضل علی أنہ إن لم یدفعہ غداً، فالکل علیہ کان الأمر کالوجہ الأول، کما قال؛ لأن صرح بالتقیید، والرابع: فإن أبرأہ عن نصفہ علی أن یعطیہ ما بقی غداً ، فہو بریٔ أدی الباقی فی الغد أو لا، لبدائتہ بالإبراء لا بالأداء، والخامس: لو علق بصریح الشرط کإن أدیت إلی کذا أو إذا أو متی لا یصح الإبراء لما تقرر أن تعلیقہ بالشرط صریحاً باطل؛ لأنہ تملیک من وجہ" (شامی ۸؍۴۲۱، ۴۲۲)۔

عبارت بالا کا حاصل یہ ہے کہ اگر معاملہ قرض کا ہو اور قرض دہندہ اپنے

قرض کا کچھ حصہ وصول ہونے پر بقیہ کے معافی کی شرط لگاتا ہے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں خواہ قرض مؤجل ہو یا غیرمؤجل، کیونکہ قرض میں اجل کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا یہ قرض دہندہ کا احسان ہوگا، البتہ اگر یہ صورت ثمن مؤجل میں پیش آئے تو اعتیاض عن الاجل میں داخل ہوکر حرام ہوگا، اور اس کےعلاوہ صاحب ''درمختار '' کی ذکر کردہ پانچ شکلوں میں سے آخری شکل تعلیق بالشرط سے متعلق ہے اور تعلیق بالشرط بہرکیف مبطل ابراء ہے اور بقیہ چار شکلوں میں سے پہلی اور تیسری اور چوتھی شکل بھی ابراء مقید سے متعلق ہے اور ابراء کو مقید بالشرط کرنا بہرصورت صحیح ہے اور ابراء بہرحال وجود شرط پر موقوف رہے گا اور دوسری شکل ابراء مطلق سے متعلق ہے، لہذا وہ کسی شرط پر موقوف نہ ہوگا۔

نوٹ: شرط کو مقدم وموخر کرنے کی صورت میں اختلاف روایات یہ فقط لفظ ''علی '' پر مبنی ہے، کیونکہ اس میں معاوضہ وشرط دونوں احتمال ہیں، لہذا اگر شرط صراحۃً استعمال کیا تو بالاتفاق بہرکیف ابراء مقید ہوگا، خواہ شرط مقدم ہویا موخر (فلیراجع للتفصیل إلی احسن الفتاوی ۷؍۱۸۰-۱۸۴)۔

سوال میں درج صورت کا حکم:

سوال میں درج صورت کہ قرض کو ایک مقررہ مدت کے اندر ادا کرنے پر اس کا بعض حصہ معاف ہوجائے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑے یہ شکل ابراء مقید میں داخل ہے اور وقت مقررہ کے اندر ادا کرنے پر قرض کا جو حصہ معاف ہوتا ہے وہ قرض دہندہ کا احسان ہے یہ اجل کا عوض نہیں، کیونکہ قرض میں اگر اجل ہو بھی تو وہ شرعاً غیر معتبر ہے اور یہ احسان وقت مقررہ پر ادائیگی کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، لہذا اگر وقت مقررہ میں ادائیگی پائی جائے گی تو یہ احسان ہوگا، ورنہ نہیں اور اس شکل کو ابراء معلق پر محمول کرنا درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں ابراء کالعدم ہوجائے گا جس کی وجہ سے معاملہ میں مذکور ایک حصہ لغو ومہمل قرار پائے گا اور کلام کو صحیح محمل پر محمول کرنا اس کے لغو واہمال سے مقدم ہے، ''القاعدة التاسعة:إعمال الكلام أولى من إهماله متى أمكن'' (الاشباہ والنظائر ۱؍۳۵۱) ''یعنی إنہ لا یجوز إہمال الکلام واعتبارہ بدون معنی ما أمکن حملہ علی معنی حقیقی لہ أومعنی مجازی'' (شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱؍۵۳)۔

حاصل یہ ہے کہ سوال میں درج ۲ والی صورت قرض اوراحسان وتبرع مشروط پر مشتمل ہے اور ان دونوں میں سے کسی کے بھی جواز میں کوئی شبہ نہیں جس طرح تبرع بغیر کسی شرط کے صحیح اور درست ہے، اسی طرح مناسب وموافق شرائط کے ساتھ بھی جائز ودرست ہے، البتہ معلق بالشرط کرنا درست نہیں تعلیق کی صورت میں شرط لغو ہوگی اور تبرع صحیح نہیں ہوگا قرض علی حالہ باقی رہے گا ''أن الإبراء يصح تقييده لا تعليقه .....لكن لا بد أن يكون الشرط متعارفاً .....والمراد بالتعليق المذكور التقييد بالشرط، ولا يخفى

أن ہذا صریح أن الإبراء لا یبطل بالشرط، إنما یبطل بالتعلیق'' (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۱۸۳،۶، شامی ملخصا ۵۰۳،۷)۔

اور مذکورہ شکل تعلیق نہیں، بلکہ تقیید میں داخل ہے، اس لئے اگر وقت مقررہ پر ادائیگی پائی جائے گی تو قرض کا بقیہ حصہ ساقط ہوجائے گا ۔

تعلیق وتقیید کے درمیان فرق:

تقیید وتعلیق کے درمیان لفظی فرق یہ ہے کہ تعلیق میں حروف شرط صراحۃً مذکور ہوتے ہیں اور تقیید میں حروف شرط کا ذکر نہیں ہوتا اور معنوی فرق یہ ہے کہ تعلیق میں حکم فی الحال غیر ثابت اور معدوم کے درجہ میں ہوتا ہے اور شرط کے پائے جانے کے وقت ثبوت حکم کا تحقق ہوتا ہے اور تقیید میں حکم فی الحال ثابت ہوتا ہے، لیکن شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حکم کے زوال کا امکان اور احتمال رہتا ہے، اور مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ایک فرق یہ لکھا ہے کہ تعلیق اداۃ شرط کے ساتھ اور تقیید لفظ شرط یا لفظ ''علی '' کے ساتھ ہوتی ہے (احسن الفتاوی ۲۱۹،۵)۔

''(الفرق بینہما) لفظاً فہو أن التقیید بالشرط لا یستعمل فیہ لفظ الشرط (أداۃ الشرط) صریحاً، والتعلیق بہ یستعمل فیہ ذلک، ومعنیً التقیید بہ الحکم ثابت فی الحال علی عرضیۃ أن یزول، إن لم یوجد الشرط، وفی التعلیق بہ الحکم غیر ثابت فی الحال، وہو بعرضیۃ أن یثبت عند وجود الشرط'' (عنایہ ۴۲۹،۸)۔

سوال نمبر (۳) کا جواب:

اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے کی صورت میں کل رقم کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو یہ شکل قرض مشروط بشرط الفاسد میں داخل ہوگی اور شرائط فاسدہ کے ساتھ قرض کا معاملہ کرنا جائز نہیں اگر معاملہ کیا گیا تو شرط لغو ہوگی اور صرف اصل قرض کے بقدر شرعاً ادائیگی لازم ہوگی اور اس سے زائد کا لین دین حرام ہوگا ، ''وفی الخلاصۃ:''القرض بالشرط حرام والشرط لغو بأن یقرض علی أن یکتب بہ إلی بلد کذا لیوفی دینہ'' (شامی ۳۹۴،۷ ، خلاصۃ الفتاوی ۵۴،۳)۔

لیکن محقق عصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کی کریڈٹ کارڈ والی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ معاملہ مقررہ وقت پر ادائیگی کی نیت سے کرے اور اس کا اہتمام بھی کرے کہ قرض مقررہ وقت پر ادا ہوجائے اور اضافی رقم لازم نہ ہونے پائے تو ایسی صورت میں اس طرح قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر وہ مقررہ وقت پر قرض کی ادائیگی میں کاہلی وسستی اور ادائیگی کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے اضافی رقم لازم ہوجائے تو یہ شرط سود ہے جو ناجائز وحرام ہے، چنانچہ مولانا تحریر فرماتے ہیں: کہ کریڈٹ کارڈ میں اگر اس بات کا اہتمام واطمینان کرلیا جائے کہ بل کی ادائیگی تیس دن سے پہلے پہلے ہوجائے تاکہ اس پر

سود نہ لگے تو اس میں کوئی خرابی نہیں یہ جائز ہے (انعام الباری ۴۸۶،۶)۔

اور ''فقہ البیوع ''میں رقمطراز ہیں:

''ولکن مثل ہذہ الشروط قد عمت بہا البلوی فی زماننا، فإن مثل ہذہ الشروط توجد فی کثیر من التعاملات مثل التعامل مع شرکۃ الکہرباء، وشرکات الہواتف وغیرہا، فإن شرط غرامۃ التأخیر موجود فی جمیع ذلک .....واشتد ت الحاجۃ إلی مثل ہذہ البطاقۃ فالمرجو أن حاملہ یعتبر معذوراً فی الدخول فی ہذا العقد إن شاء اللہ تعالی بعد أخذ جمیع الاحتیاط اللازمۃ، لأن لا یلجأإلی دفع الفائدۃ الربویۃ'' (فقہ البیوع ملخصاً ۴۶۲،۱)۔

کریڈٹ کارڈ استعمال کرنے میں وقت مقرر پر ادائیگی نہ پائے جانے کی صورت میں اضافی رقم کی ادائیگی کی جو شرط ہوتی ہے اس شرط پر تفصیلی گفتگو حضرت نے فرمائی ہے حضرت فرماتے ہیں کہ اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا شرعاً ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، لیکن کارڈ استعمال کرنے والے کے لئے اس شرط سے بچنا ممکن ہے نیز اس طرح کی شروط کا عموم بلوی بھی ہے مثلاً بجلی، ٹیلی فون، پانی وغیرہ کی بل کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ عائد ہوتا ہے اس کے باوجود بلا کسی رد ونکیر کے ان سہولیات سے نفع اٹھانے کا عمومی رواج ہے اسی طرح ی کارڈ بھی وقت کی ضرورت ہے، لہذا اگر سود سے بچنے کی تمام تر تدابیر کو اختیار کرتے ہوئے اس طرح کے کارڈ استعمال کئے جائیں تو ان شاء اللہ وہ معذور ہوگا اس کے برعکس بعض علماء عصر ا س شرط کے ساتھ معاملہ کو مطلقاً حرام فرماتے ہیں اور بعض محققین اس شرط کے ساتھ اس کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں کہ استعمال کرنے والے کو مقررہ وقت میں ادائیگی کا یقین ہو، ''فیہ خلاف للعلماء المعاصر، فقال بعضہم:إن مجرد التوقیع علی ہذا الشرط دخول فی عقد محرم، فلا یجوز، ولو کان بنیۃ عدم تطبیقہ فی الواقع، وقال آخرون: إن حامل البطاقۃ إن کان علی یقین بأن ہذا الشرط لا یطبّق فعلاً لعزم أدائہ مبلغ الفاتورۃ خلال الفترۃ المحددۃ، فإنہ یجوز الخ'' (فقہ البیوع ۴۶۲،۱)۔

ایک فقہی نظیر:

سوال میں درج صورت (وقت مقررہ میںادائیگی نہ ہونے پر زیادتی کے لزوم کی شرط) کو تین دن سے زائد خیار شرط، خیار نقد والے مسئلہ سے بہت حد تک مشابہت حاصل ہے، کیونکہ ان مسائل میں جس طرح وجہ فساد اور وجہ حرمت کا تحقق عقد کے ساتھ نہیں ہوتا ہے، بلکہ تین دن (وقت مقررہ) کے بعد وجہ فساد اور وجہ حرمت کا تحقق ہوتا ہے اسی طرح اس قرض والے مسئلہ میں بھی وجہ حرمت کا تحقق عقد کے وقت نہیں، بلکہ وقت مقررہ کے بعد ہوتا ہے، اس لئے یہ شکل بہت حد تک تین دن سے زائد خیار نقد وغیرہ والے مسائل کے مشابہ ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خیار نقد وغیرہ کے حکم سے متعلق مختصر سی گفتگو کی جائے۔

خیار نقد کا حکم:

جب وجہ فساد عقد کے ساتھ متحقق نہ ہو، بلکہ اس کا وجود وقت مقرر کے بعد ہونے کا امکان ہو تو ایسی صورت میں وجہ فساد پر مشتمل عقد کو انجام دینے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، چنانچہ مشائخ عراق اس طرح کے عقد کو انجام دینے کی حرمت کے قائل ہیں اگرچہ وجہ فساد کا تحقق وقت مقرر کے بعد ہو۔ کیونکہ جب عقد شرط فاسد پر مشتمل ہے تو اس کا ظاہر اس شرط کو پورا کرنا اور انجام دینا ہے، لہذا یہ عقد فی الحال فاسد ہوگا اور اس کا انجام دینا شرعا جائز نہ ہوگا اسی کو ظاہر الروایۃ بھی کہا گیا ہے اور اس کے برعکس مشائخ خراسان، اور مشائخ ماوراء النہر ، امام سرخسی ، علامہ ابن ہمام، فخر الاسلام، علامہ کرخی وغیرہ فرماتےہیں کہ جب وجہ فساد عقد کے ساتھ محقق وموجود نہیں، بلکہ وقت مقرر ہ کے بعد اس کا امکان ہے تو فی الحال عقد موقوف ہوگا اور اس کو انجام دینا عقد فاسد کو انجام دینا نہیں ہوگا، اس لئے اس کی انجام دہی جائز ہوگی اور وقت مقررہ سے قبل اگر وجہ فساد ختم ہوجائے تو عقد صحیح اور نافذ ہوجائے گا اور اگر وقت مقررہ کے بعد وجہ فساد کا تحقق ہوجائے تو اس وقت عقد فاسد ہوگا۔

''ثم اختلفوا فی حکم ہذا العقد فی الابتداء، فعند مشائخ العراق حکمہ الفساد ظاہراً، إذ الظاہر دوامہما علی الشرط، فإذا أسقطہ تبین خلاف الظاہر، فینقلب صحیحاً، وقال مشائخ خراسان، والإمام السرخسی، وفخر الإسلام وغیرہما من مشائخ ما وراء النہر:ہو موقوف وبالإسقاط قبل الرابع ینعقد صحیحاً، وإذا مضی جزء من الرابع فسد العقد الآن وہو الوجہ، کذا فی الظہیریۃ والذخیرۃ، ولکن الأول ظاہر الروایۃ..... فائدۃ الخلاف تظہر فی حرمۃ المباشرۃ وعدمہا، فتحر علی الأول لا علی الثانی'' ، نہر (شامی ۱۱۴،۷)۔

اور علامہ ابن ہمام کی رائے تو یہ ہے کہ دونوں قولوں (مشائخ عراق، مشائخ خراسان) کے مطابق حقیقت میں فساد وقت مقررہ کے بعد ہی ظاہر ہوگا، وقت مقررہ سے پہلے حقیقی فاسد ظاہر ہی نہیں ہوسکتا، لہذا حقیقت میں یہ عقد موقوف ہی رہے گا، ابن ہمام کی تحقیق کے مطابق جب فساد عقد کے ساتھ نہ ہو، بلکہ وقت مقررہ کے بعد اس کا تحقق ہو تو اس کو انجام دینا جائز ہونا چاہئے۔

''ولا یخفی أنہ لا معنی للفساد بحسب الظاہر دون الباطن، إلا عدم الفساد فی نفس الأمر إلی أن یدخل الرابع، فیثبت الفساد فی نفس الأمر، فحقیقۃ القولین لا فساد قبل الرابع، بل موقوف'' (فتح القدیر ۲۸۱،۶)۔

علامہ ابن ہمام کی تائید درج ذیل اصول سے:

(۱) جب کوئی چیز کسی شرط پر معلق ہو تو وجود شرط سے قبل وہ چیز کالعدم ہوتی ہے شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا جب فساد اور حرمت کسی زمانہ اور وقت پر معلق ہو تو اس وقت سے پہلے فساد اور حرمت کالعدم ہوگا، ''المعلق بالشرط یجب ثبوتہ عند

ثبوت الشرط، ویکون معدوماً قبل ثبوت شرطہ، یعنی أن الشئی المعلق علی شرط یکون معدوماً قبل ثبوت الشرط الذی علق علیہ'' (شرح المجلہ لعلی حیدر ۱،۷۲، المادہ: ۸۲)۔

(۲) اگر کوئی شخص اپنے نفع کے لئے لگائے لیکن اس شرط کو پوری کرنے اور اس شرط کو ختم کرنے کا اختیار دوسرے کو ہو تو من لہ الشرط وہ شخص ہوگا جس کو پوری کرنے اور ختم کرنے کا اختیار ہے، مثلاً خیار نقد (إن لم ینقد الثمن إلی ثلاثۃ أیام أو إلی أربعۃ أیام فلا بیع) میں شرط بائع اپنے فائدہ کے لئے لگاتا ہے، لیکن اس میں وقت مقررہ سےپہلے ثمن ادا کرکے بیع کو نافذ کرنے اور وقت مقررہ پر ثمن ادا نہ کرکے بیع کو فاسد کرنے کا اختیار مشتری کو ہے، اس لئے اس صورت میں من لہ الخیار مشتری ہوگا بائع نہیں۔

''ومقتضی ہذہ المادۃ إنہ إذا عقد البیع بخیار النقد، فللمشتری دفع الثمن وإمضاء البیع وفسخ البیع وعدم دفع الثمن، فیکون الخیار ثابتاً للمشتری مع أن الغریب فی ذلک أن الذی ینتفع من الخیار'' (شرح المجلہ لعلی حیدر ۱،۲۶۱، شامی ۷،۱۱۷)۔

اسی طرح قرض کی مذکورہ صورت میں شرط قرض دہندہ کی طرف سے لگائی جاتی ہے، لیکن قرض لینے والے کو وقت مقررہ سے پہلے قرض ادا کرکے اس شرط کو ختم کرنے اور وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کرکے شرط کو باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے، اس لئے اس میں من لہ الشرط قرض لینے والا قرار پائے گا۔

(۳) اگر من لہ الشرط شرط فاسد کے وجود اور تحقق سے قبل شرط فاسد کو ساقط کردے تو معاملہ صحیح ہوجاتا ہے۔

''صح شرطہ إلی ثلاثۃ أیام أو أقل لا أکثر فیفسد غیر أنہ یجوز أنہ أجاز من لہ الخیار فی الثلاثۃ، فینقلب صحیحاً علی الظاہر'' (شامی ۷،۱۱۴)۔

مذکورہ بالا اصول میں سے نمبر(۱) سے معلوم ہوا کہ جب شرط معلق ہے تو وہ کالعدم ہونے کی وجہ سے معاملے کے لئے مفسد اور محرم نہ بنے گی، بلکہ فساد اور حرمت کا حکم شرط کے تحقق تک موقوف ہوگا اور جب من لہ الشرط کی جانب سے وقت مقررہ پر ادائیگی ہوجائے تو شرط محرم کا وجودسے قبل اسقاط وابطال ہوجائے گا اور شرط کے باطل ہوجانے کی وجہ سے معاملہ صحیح ہوجائے گا نتیجہ سب کا یہ نکلا کہ شروط فاسدہ معلقہ کے ساتھ عقد کرنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن اگر شروط فاسدہ معلقہ کو باطل نہ کیا گیا تو اس وقت اس معاملے پر حرمت کا حکم عائد ہوگا ابتداء عقد حرمت وفساد سے خالی ہوگا اور ابن ہمام کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے، جس کی تائید مذکورہ بالا اصول سے بالکل ظاہر وباہر ہے۔

شکل (۳) کا حکم:

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ جب وقت مقرر پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں زائد رقم کے ادائیگی کی شرط ہو تو اس صورت میں مذکورہ شرط کے ساتھ اس نیت

سے قرض حاصل کرنا کہ قرض وقت مقر ر پر ادا کردیا جائے گا اور اس کے ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو تو اس طرح سے قرض کے جواز وعدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے جو لوگ شرط معلق کو وقت مقرر سے پہلے معدوم مانینگے ان کے نزدیک وقت مقررہ پر ادائیگی کی نیت اور اس کے اہتمام کے ساتھ قرض حاصل کرنا جائز ہوگا اور جو لوگ قرض میں مذکور شرط کو موجود مانتے ہیں ان کے نزدیک قرض کا حصول جائز نہ ہوگا۔

اور اختلاف رکھنے والے فقہاء خواہ وہ جواز کے قائلین ہوں یا عدم جواز کے ان کا شمار اجلۂ علماء میں ہے اس لئے کسی ایک کو بالکلیہ لغو وکالعدم نہیں قرار دیا جاسکتا، البتہ عدم جواز والا قول ظاہر الروایہ کی طرف منسوب ہے، اس لئے عام حالات ترجیح عدم جواز کو ہوگی، لیکن جب کوئی ضرورت داعی ہو خصوصاً اس طرح کے معاملات کا رواج پذیر ہونا اور اس سے تحرز میں حرج وتنگی ہو تو اس وقت جواز والے قول کو ترجیح ہوگی، لہذا جواز والا قول اوسع اور عدم جواز والا قول احوط ہوگا ضرورت کے وقت جواز کو اور بلا ضرورت عدم جواز کو ترجیح ہوگی۔

حاصل:

قرض کی مذکورہ شکل میں اگر قرض لینے کی ضرورت ہو اور بغیر شرط کے قرض حاصل نہ ہو اور شرط کےساتھ قرض نہ لینے کی صورت میں حرج وتنگی ہو یا کاروباری نقصان ومشکلات ہوں تو اس وقت زیادتی کی شرط کے ساتھ اس نیت سے قرض لینا جائز ہوگا کہ قرض کو وقت مقررہ پر ادا کردیا جائے گا اور اس نیت کے ساتھ ساتھ ادائیگی کا اہتمام بھی ہو، لہذا ادائیگی میں بلا کسی سخت مجبوری کے کوتاہی کرنا یا بلا ضرورت وحاجت کے صرف تن آسانیوں کے لئے اس طرح کا قرض حاصل کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

سودی قرض پر لیے جانے والی معمولی نفع جو رائج سود کے مقابل میں بہت ہی کم ہو اس کو سروس چارج میں داخل ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں فقیہ ہند حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ سرکاری قرضہ جات میں جس کا اصل مقصد خود معاشی فائدہ اٹھانا نہیں ہوتا، بلکہ ملک کا افلاس دور کرنا مقصود ہوتا ہے اور سود کے نام پر جس قدر نفع لیا جاتا ہو بہت معمولی ہوتا ہے بعض علماء کے نزدیک اس میں مزید سہولت ہے ان کے نزدیک عام حالات میں بھی ایسے قرض لینے کی گنجائش ہے گو کہ اس کو سود کا نام دے دیا گیا ہے، مگر اس کو اس شعبہ کے ملازمین اور عملہ کی اجرت پر بھی محمول کرسکتےہیں ،چنانچہ مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دا رالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ:

''اس معاملہ کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے، بلکہ اس طریقہ کار کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت میں اور جو سامان وغیرہ اس پر خرچ ہوتے ہیں یا درکار ہوتے ہیں ان کی قیمت میں لی جاتی ہے جس سے انتظام میں سہولت رہتی ہے ''(جدید فقہی مسائل ۱،۴۱۷)۔

چونکہ حضرت مولانا نے اپنی اس رائے میں مدار مفتی دار العلوم حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ کے فتوے پر رکھا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒنے جو کچھ لکھا ہے اس کو نقل کرکے پھر اپنی رائے ظاہرکی جائے، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ سوال (۵۶) (ترقیاتی منصوبوں میں شرکت کا حکم) کے جواب (۲) کے تحت تحریر فرماتےہیں کہ ''حکومت سے کارخانہ قائم کرنےیا باغ لگانے یا کاشت وغیرہ کرنے یا درست رکھنے کے لئے حکومت سے جو اعانتیں لی جاتی ہیں یا جو قرض وغیرہ لیے جاتے ہیں ان کی کچھ نوعیت اس طرح ہوتی ہے کہ ان سب کا سود یا سودی لین دین ہونا لازم نہیں بلکہ بعض صورتیں غیر سودی اور بعض معاملے امدادی اور محض از قبیل اعانت بھی شمار ہوسکتے ہیں اس کے ہر لین دین کو سودی یا سود کے شرط پر قرض لینا یا سودی معاملہ ہونا نہیں کہہ سکتے، بلکہ بعض صورتیں بالکل جائز ہونگی اور بعض ناجائز اور سودی بھی ہونگی توضیح کے لئے بعض صورتیں ذرا تفصیل سےبیان کردی جاتی ہیں، مثلاً:

(الف) اگر محض نقد روپیہ بطور قرض کے لیا جائے اور اس پر نفع دینے کا معاملہ کیا جائے یا سامان وغیرہ کے ساتھ ہی نقد بھی لیا جائے مگر نقد کی یہ مقدار سامانوں سے کام چلانے کی مقدار سے بہت زیادہ اور فاضل ہو او راس پر نفع دینے کامعاملہ کیا جائے اور واپسی کی کل رقم کل رقم یا ففٹی سے زائد ہوجائے تو سود کی تعریف ''ہو فضل خال عن العوض لأحد المتعاقدین فی عقود المعاوضۃ'' صادق آجائے گی اور چونکہ معاملہ نقدین میں اور خالص مبادلہ اور عوض معاوضہ کا ہوگا، اس لئے وہ نفع کم ہو یا زیادہ سود ہی کا ہوگا اور ''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا'' بھی صادق آجائے گا اور حتی المقدور اس کے قریب بھی جانا جائز نہ ہوگا۔

(ب) جو نقد رقم سامان وغیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جاتی ہے اس میں تاویل چل سکے گی اور اس کو کام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کرکے اس معاملے کو غیر سودی معاملہ ہونے کا حکم لگائینگے اور اس زائد رقم کو سود نہ کہینگے بلکہ انتظامات کی درستگی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جاسکے گا اور اس صورت میں یہ معاملہ جائز رہے گا۔

اور جواب (۳، ۴) کے تحت لکھتے ہیں کہ سود کا ایک شرعی مفہوم ہے اور اسی مفہوم کے اعتبار سے سود کی حرمت منصوص ہے اور بغیر قید کسی ملک ومذہب اور

بغیر قید کسی زمانہ یا افراد زمانہ کے مطلقاً منصوص ہے اور اس کے مرتکب تو درکنار اس میں کسی حیثیت سے شرکت کرنے والے اور معاونین پر بھی طرح طرح کی وعیدیں ولعنتیں وارد ہیں .....اور جس معاملہ پر سودی معاملہ ہونا صادق آجائے گا وہ چیز یا وہ معاملہ خواہ ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں ہو، مسلمانوں کے ساتھ ہو یا غیر مسلموں کے ساتھ ہو سب حرام وناجائز رہے گا اور اس کا لینا دینا بھی کچھ بھی درست نہیں رہے گا۔

اور جواب (۵) کے تحت رقمطراز ہیں کہ ''بینک کا ابتدائی دور ایسا ضرور تھا کہ اس کا پورا کاروبار محض سود ہی پر ہوتا تھا مگر اب ایسا نہیں ہے اس کے اصول ومقاصد میں اور طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں، اب تو بہت سے بینکوں میں مختلف نوع کو مستقل کاروبار تجارتی اصول پر ہونے لگے ہیں، بہت سے بینک شرکت اور مضاربت کے اصول پر چلنے لگے ہیں جیسا کہ خود سوال کے بعض جملوں سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے پس جن کاروبار میں مطالبات کی ادائیگی بینک کے چک کے ذریعہ ہوتی ہے یا جن ملازموں کی تنخواہیں بینک کے چک کے ذریعہ برآمد ہوتی ہیں اس میں اگر بینک اپنے لئے بھی کوئی رقم وصول کرےتو اس کا سود ہونا ہی ضروری نہ ہوگا بلکہ وہ بینک کا محنتانہ بھی کہا جاسکتا ہے بینک کو اجیر یا وکیل یا درمیانی واسطہ قرار دے کر اس رقم کو بینک کی اجرت یا عوض کارکردگی بھی کہا جاسکتا ہے، اس لئے اب ہر بینک کا ایک ہی حکم باقی نہیں رہے گا، بلکہ ہر بینک کے اصول وضوابط وطریقۂ کار وہ معاملات کے اعتبار سے الگ الگ حکم رہے گا اور پھر جب بینک کے علاوہ دیگر ذرائع سے سرمایہ کی حفاظت دشوار یا پریشان کن ہو تو بوجہ احتیاج ومجبوری اس مسلمہ سودی بینک میں جو ابتدائی دور میں تھے رقوم کے محفوظ رکھنے کا جواز محققین علماء وفقہاء آج سے بہت پہلے بتلا چکے ہیں تو اب بینکوں میں جن میں محض سودی کاروبار ہونا متیقن نہیں ہے محفوظ رکھنے کی بدرجہ اولی اجازت ہوگی۔

اور سوال (۵۷) (محکمہ اقتصادیات سے مدد لینے کی بعض صورتوں کا حکم شرعی) کے جواب کے تحت بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے تقریباً انہیں باتوں کو ذکر کیا ہے البتہ ''امداد الفتاوی'' کے حوالے سے اس کی نظیر میں آرڈر والے مسئلہ کو پیش کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس کی توجیہ قریب قریب ایسی ہی ہوگی جو اس رقم میں کی جاتی ہے جس کو حکومت اپنے ملازمین کو ملازمت ختم کرنے کے وقت اگرچہ سود کے نام پر دیتی ہے، مگر ہمارے فقہاء محققین اس کو سود نہیں کہتے، بلکہ انعام کہتے ہیں اور اس کو جائز فرماتے ہیں کما فی امداد لفتاوی۔

اور نیز یہ توجیہ ایسی ہوگی جیسے منی آرڈر کے فیس میں کی جاتی ہے فیس اجرت کتابت اجرت روانگی فارم کہا جاتا ہے۔ کما قال بہ العلامۃ التھانوی فی حادث الفتاوی (ایک طویل سلسلہ کلام میں فرماتے ہیں) البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی

گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس (منی آرڈر) کو اجرت کتابت اور روانگی فارم کہا جاوے اس سے اس کی حرمت تفاضل تو رفع ہوجائے گی۔ مگر کراہت سفتجہ باقی رہے گی (امداد الفتاوی ۱۰۶،۳)۔

ایضاً ثم قال فی مقال آخر اور معاملہ پیش نظر میں جب اشکال حرمت تفاضل کا ختم ہوگیا تو اباحت اصلیہ لوٹ آئے گی، وہو المراد۔ پھر اسی ''امداد الفتاوی '' (۱۰۸،۳) میں فرماتے ہیں: البتہ فیس منی آرڈر کو اجرت کتابت وروانگی فارم کی کہہ کر حرمت تفاضل کو رفع کیا جاسکتا ہے لیکن کراہت سفتجہ کے رفع کی کوئی وجہ خیال میں نہیں آئی گو ابتلاء عام کی وجہ سے دل ضرور چاہتا ہے کہ اس کی بھی کوئی وجہ نکل آئے (إلی قولہ) حتی کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے مل جائے کہ سفتجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گئے ہیں تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو کہا جائے گا (ثم قال فیہ ۱۰۸،۳) منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے ایک قرض سے جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ سے جو فارم لکھنے اور روانہ کرے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے اور چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتوی مناسب ہے (انتہی بلفظہ) امداد الفتاوی کی ان مجموعی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے معاملات میں جب ابتلاء عام ہوجائے یا ضرورت صحیحہ داعی ہوجائے تو حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے ''مہما یکن توجیہ'' جواز تلاش کرنا امر مستحسن ہے، نیز ''عالمگیری کتاب الحیل '' کی عبارت سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے حل وتوجیہات کا مداد ابتلاء عام اور ضرورت صحیحہ معتبرہ پر ہے اور سوالنامہ سے بھی ان دونوں چیزوں کا وجو دمترشح ضرور ہوتا ہے اس لئے یہ توضیح مستحسن بھی ہوسکتی ہے خاص کر ایسے ملکوں میں جہاں اقتدار اعلی غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو وہاں یہ توجیہ اور بھی آسان ہوگی ، ''علی ما فصل المحققون من الفقہاء بالتفصیل التام'' (منتخب نظام الفتاوی ۲۶۴،۱ تا ۲۶۶)۔

مذکورہ فتوی کی چند قابل غور باتیں:

(۱) حضرت مفتی صاحب نے ایک بات یہ تحریر فرمائی ہے کہ اگر بینک قرض میں صرف پیسہ دے اور اس پر کچھ اضافہ کرکے اصول کرے تو یہ سود میں داخل ہوکر حرام وناجائز ہے۔

(۲) بینک اگر ساز وسامان دے اور پیسہ بالکل نہ دے یا پیسہ دے، لیکن وہ بہت معمولی ہو جو سامان کے تابع ہوجائے پھر بینک معمولی اضافہ کےساتھ وصول کرے تو یہ اضافہ حق الخدمت سروس چارج میں داخل ہوسکتا ہے۔

(۳) تیسری بات سروس چارج کی نظر میں امداد الفتاوی سے منی آرڈر والا مسئلہ

ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں باتوں کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بینک اگر رقم کی شکل میں قرض دے تو اس پر چاہے جتنا معمولی نفع لے یہ سود میں داخل ہوگا اس کو سروس چارج اور حق الخدمت پر محمول کرنا ممکن نہیں جس کی تائید مفتی صاحب کے ایک دوسرے فتوی سے بھی ہوتی ہے، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ''سوال: ادارہ کے انتظامی مصارف اور اخراجات کے لئے قرض لینے والوں سے اجرت الخدمت وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جواب: قرض دینے سے قبل قبل وہ دونوں فارموں کی قیمت جن کا ذکر معاملہ ۲، ۴، ۶ میں گزر چکا ہے احقر کی تحریر کردہ ضابطے کے مطابق لے سکتے ہیں ورنہ نہیں (الف تا د) کے مناسب قیمت واخراجات کے ساتھ حسب قید مذکور جائز رہے گا اور اس کا نام اجرۃ الخدمت رکھا جائے یا کچھ بھی رکھا جائے درست رہے گا باقی قرض دیدینے کے بعد کوئی رقم مستقرض سے لینا درست نہ رہے گا، بلکہ ''کل قرض نفعاً '' میں داخل ہوکر شرعاً ممنوع رہے گا '' (منتخب نظام الفتاوی ۱۶۰٫۳)۔

البتہ اگر بینک سامان فراہم کرے تو سروس چارج اور حق الخدمت والی تاویل اس طرح سے ہوگی کہ بینک کو قرض وصول کرنے والے کا سامان کی خریداری کا وکیل مان لیا جائے گا اور وکیل کے لئے اجرت لینا جائز ہے جس طرح کی منی آرڈر میں ڈاک خانہ کو فارم پری اور ترسیل وغیرہ کا وکیل مان کر کے اجرت کے جواز کی شکل نکالی گئی ہے، تفصیل مذکور سے یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت مفتی صاحب کے فتوی سے بینک کے معمولی اضافہ والی رقم کو سروس چارج پر محمول کرکے جواز کا حکم لگانے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی ہے، البتہ اگر بینک سامان فراہم کرے تو اس وقت کچھ تاویل وغیرہ کی گنجائش نظر آتی ہے وبس۔

سروس چارج کے سلسلہ میں دیگر علماء کی آراء:

(۱) محقق عصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کا سروس چارج کے سلسلہ میں ایک تفصیلی کلام فقہی مقالات (۲۶۹٫۱تا۲۷۷) پر موجودہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور سروس چارج کے ان کووصول کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے، جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئے ہیں، البتہ اگر پوری احتیاط کے ساتھ ان اخراجات کی تحدید ممکن ہو تو یہ صورت احکام شریعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا اور اگر ہر منصوبہ کے علاحدہ علاحدہ اخراجات کی تحدید ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بینک کے لئےان سےواقعی اخراجات طلب کرنے کے بجائے قرض جاری کرنے سے پہلے اور بعد میں کی جانے والی دفتری کاروائی کی اجرت

وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ اجرت اس قسم کے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو، اس لئے قرض دینے کا عمل بذات خود ایک ایسا عمل ہے جس پر نفع کا مطالبہ کرنا یا اجرت کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں، لہذا قرض جاری کرنے پر آنے والے مصارف کو اندازے سے لم سم وصول کرنا جائز نہیں، لیکن اس قرضے کے اجراء پر پیش آنے والے حقیقی دفتری اخراجات کا بلا معاوضہ ہونا شرعاً کوئی ضروری نہیں، البتہ بینک کے لئے قرض لینے والوں سے قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے اجرت وصول کرنے کی گنجائش ہے جو قرض جاری کرنے پر آنے والے دفتری اخراجات کو پورا کرسکے، بشرطیکہ اس میں دوباتوں کا لحاظ رکھا جائے ایک یہ کہ یہ اجرت اس جیسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل کے برابر ہو، دوسرے یہ کہ اس اجرت کی وصولی کو قرض پر حصول نفع کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنالیا جائے، اس مسئلہ کی نظیر وہ مسئلہ ہے جو فقہاء نے بیان فرمایا ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر مدعی اور مستفتی سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں، لیکن مفتی کے لئے فتوی تحریر میں لانے اور قاضی کے لئے دستاویزات لکھنے اور رجسٹر میں اندراجات کرنے کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ اجرت ایسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو اور بشرطیکہ اس کو نفس فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر اجرت لینے کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنایا جائے، اور اجرت مثل ہمیشہ کام کرنے کی اس مشقت کے بقدر ہونا ضروری نہیں ہے جو عامل نے برداشت کی ہے بلکہ بعض اوقات اس میں کام کی نوعیت اور اس کی معنوی حیثیت کا لحاظ کیاجاتا ہے اور بعض اوقات مستاجر کو حاصل ہونے والے نفع کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے اسی لئے بعض اوقات معمولی مشقت کے کام پر زیادہ اجرت دی جاتی ہے اور بعض اوقات زیادہ مشقت کےکام پر تھوڑی اجرت دی جاتی ہے لہذا دلالی کے کمیشن پر قیاس کرتے ہوئے زیر بحث مسئلے میں قرض کے اجراء پر آنے والے دفتری اخراجات کو قرض کی مقدار پر فیصد کے لحاظ سے مقرر کرنے کو جائز قرا ردیا جائے گا، اس لئے کہ دونوں کے درمیان ما بہ الفرق کوئی چیز نہیں ہے، البتہ فیصد کے اعتبار سے وصول کئے جانے والے اخراجات کی مقدار بہت معمولی ہونی چاہئے تاکہ واقعتاً اس کے سروس چارج ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ ہو اور یہ سروس چارج اجرت مثل سے زیادہ وصول کرنا کسی حال میں جائز نہیں ورنہ کل قرض جر نفعاً کے تحت داخل ہوکر یقینی طور پر حرام ہوجائے گا فیصد کے اعتبار سے اتنا سروس چارج وصول کرنا جائز تو ہے جو اجرت مثل سےتجاوز نہ کرے، لیکن اجرت مثل سے زیادہ ہونے کا احتمال پھر بھی باقی رہتا ہے، او راس کا بھی احتمال موجود ہے کہیں سروس چارج کو سود وصول کرنے کےلئے ایک آلہ کار نہ بنالیا جائے، اس لئے اسلامی بینک کو چاہئے کہ وہ یہ طریقہ اختیار کریں کہ پہلے ایک سال میں قرضوں کے اجراء پر جتنے دفتری اخراجات

آئیں، ان کا مجموعہ نکال لیں اور اس کو ایک سال میں کئے گئے تمام قرضوں پر تقسیم کردیں، اس طرح ان قرضوں کے اجراء پر آنے والے اخراجات کا فیصد کے حساب سے تعین ہوجائے گا، اور پھر وہ اخراجات تمام قرضہ داروں سے ان کے قرض کی مقدار کے لحاظ سے بطور سروس چارج کے وصول کرے۔ یہ طریقہ اختیار کرنےسے ہر ہر قرض پر آنے والے اخراجات کا علاحدہ حساب نہیں کرنا پڑے گا (فقہی مقالات ملخصاً ۱،۲۶۹تا۲۷۷)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب ؒ کی رائے:

قرض حسن پر سروس چارج وصول کرنے کے لئے اس بات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا کہ سروس چارج کی مقدار واقعی اجرت مثل کی نمائندگی کرتی ہو محض حیلہ نہ ہو۔

ضروری نوٹ: اس نظام کی نگرانی کے لئے ‘‘رقابہ شرعیہ ’’ کا شعبہ قائم کرنا ناگزیر ہے اس کے بغیر شرعی حدود کی رعایت نہیں ہوسکے گی (احسن الفتاوی ۷،۱۲۴)۔

سروس چارج سے متعلق شبہات اور ان کا ازالہ :

سروس چارج کا جواز شبہات سے خالی نہیں کیونکہ شریعت مطہرہ میں قرض کے دباؤ میں مقروض سے ہر قسم کے چھوٹے بڑے نفع کے حصول سے منع کیا گیا ہے، ‘‘لا یحل لہ أن ینتفع بشئی منہ بوجہ من الوجوہ، وإن أذن لہ الراہن؛ لأنہ أذن لہ فی الربا؛ لأنہ یستوفی دینہ کاملاً، فتبقی لہ المنفعۃ فضلاً، فیکون ربا (لو ہذا أمر عظیم) (شامی بحوالہ امداد الفتاوی ۳،۴۵۴)۔

چنانچہ کتب فقہیہ میں سفتجہ کی کراہت مصرح ہے جس میں قرض دہندہ کو کوئی مالی نفع نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کو صرف راستے کے خطرے سے حفاظت کا نفع حاصل ہوتا ہے اس کے باوجود اس کی کراہت مصرح ہے، ‘‘وکرہت السفتجۃ، وہی إقراض لسقوط خطر الطریق’’ (شامی ۸،۱۷) ، ‘‘ولا یجوز أن یقرضہ دراہم علی أن یعطیہ بدلہا فی بلد آخر الخ’’ (شرح المہذب ۱۳،۱۷۲)، نیز اس باب میں امام صاحب کا احتیاط بے مثال ہے کہ وہ مقروض کے دیوار سے سایہ کا نفع بھی حاصل نہ کرتے تھے، ‘‘کان أبوحنیفۃ لا یجلس فی ظل شجرۃ غریمہ، ویقول:کل قرض جر منفعۃً فہو ربا’’ (عقود الجمان فی مناقب النعمان ۲۴۴)، شریعت کی تعلیمات مذکورہ اور امام صاحب کے اس احتیاط کی بنا پر سروس چارج کے جواز میں شبہ بہرحال پیدا ہوتا ہے ان شبہات کے ازالہ کے لئے اگر درج ذیل تاویلات پیش نظر رکھی جائیں تو کچھ حد تک اطمینان اور رفع خلجان ہوجائے گا۔

ازالۂ شبہات:

بینک کے سروس چارج پر شبہ کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بینک جو کچھ لکھتا پڑھتا اور کارڈ رکھتا ہے اس کا یہ عمل خود اپنے لئے ہے، کیونکہ ریکارڈ رکھنے کا

شرعاً وہ خود پابند ہے، لہذا اس کا چارج قرض لینے والے سے حاصل کرنا بلا عوض اور بلا عمل ہوگا، لہذا ربا اور شبہ ربا سے تو خالی نہیں اس شبہ کو درج ذیل تاویلات وتوجہات سے دفع کیا جاسکتا ہے:

(۱) قرض کے ریکارڈ کی شرعی ذمہ داری جس طرح قرض دہندہ پر ہے اسی طرح مقروض پر بھی ہے، لیکن موجودہ وقت میں مقروض بینک کے قرض کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھتا ہے، بلکہ بینک ہی کے ریکارڈ پر وہ بھی اکتفا کرتا ہے، لہذا بینک کو ریکارڈ رکھنے میں مقروض کا وکیل عرفاً مانا جاسکتا ہے تو جب بینک کا وکیل ہوگیا تو اس کے لئے اجرت وصول کرنے کا جواز حاصل ہوگیا۔

(۲) بینک قرض جاری کرتے وقت پاس بک وغیرہ بھی دیتا ہے اور اس میں ریکارڈ کا اندراج بھی کرتا ہے اور اس کا یہ عمل بہرحال مقروض کے لئے ہوتا ہے، لہذا اس تاویل سے اس کے لئے سروس چارج وصول کرنے کی اجازت کا راستہ نکل آتا ہے چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: کہ بینک میں اکاونٹ کھلوانے کے بعد بینک بہت سی خدمات انجام دیتا ہے جس میں چیک بک جاری کرنا، ڈراف بنانا، رقمیں ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاونٹ میں منتقل کرنا وغیرہ ان تمام کاموں کی فیسیں اور اخراجات خالص انتظامی نوعیت کی ہیں اکاؤنٹ ہولڈر سے وصول کی جاتی ہیں۔

(۳) قرض والی اسکیم اگر سرکاری ہو اور وہ قرض بینک کے واسطے سے ملے تو اس صورت میں بینک قرض خواہ کی طرف سے قرض حاصل کرنے میں وکیل ہوگا اور بینک کا تمام عمل وکالت کی بنیاد پر ہوگا، لہذا اس کے لئے اپنے عمل کی اجرت لینا جائز ہوگا۔

خلاصہ:

بینک کے سروس چارج وصول کرنے پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں وہ مذکورہ بالا تاویلات سے بآسانی دور کئے جاسکتے ہیں لہذا سروس چارج وصول کرنا فی نفسہ جائز ہے اور سروس چارج ایک اجرت ہے، لہذا اس کا متعین ہونا ضروری ہے، خواہ تعیین فیصد ہی کے اعتبار سے کیوں نہ ہو۔

صورت مسئولہ کا جواب:

سرکاری قرضے اگر بینک کے واسطے سے جاری کئے جائیں یا کسی اور محکمہ کے واسطے سے اور اس قرض پر جو اضافہ وصول کیا جائے اگر وہ رائج سود کی مقدار سے بہت کم ہو تو اس اضافہ کو سروس چارج کے زمرے میں رکھ کر قرض حاصل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور اس اضافہ کو سود کا نام دیئے جانے سےسود نہیں ہوگا (شرح وقایہ ۲۲۸،۱، امداد الفتاوی ۱۴۸،۳) کیونکہ نام رکھنے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلا کرتی ہے اور سود کی رائج مقدار سے بہت کم ہونے کی بنا پر عرفاً ودلالۃً سود

سے خارج ہوکر اجرت میں داخل ہورہی ہے اور شریعت میں عرف ودلالت کا اعتبار ہے ‘‘ہذا بمنزلۃ الشرط؛ لأن المعروف کالمشروط’’ (شامی بحوالہ امداد الفتاوی ۳۱۰٫۵، ۴۵۴٫۳)۔

حاصل یہ ہے کہ سرکاری قرضہ پر جو اضافہ وصول کیا جاتا ہے اگر وہ اتنا معمولی ہو کہ سود کی رائج مقدا رسے بہت کم ہو اور سروس چارج کی مقدار کے مناسب ہو تو عرف ودلالت کی بنا پر اس کو سروس چارج پر محمول کرنے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر (۵) کا جواب:

قرض سے زائد وصول کی جانے والی رقم اگر معمولی نہ ہو، بلکہ اتنی زیادہ ہو کہ اس کو سروس چارج پر محمول کرنا ممکن نہ ہو تو یہ شرعاً سود ہے اور سودی قرض لینا عام حالات میں جائز نہیں، البتہ ضرورت وحاجت کے وقت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے (ضرورت وحاجت کی تفصیل اور اس کے اقسام سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھئے: کتاب المقاصد النوع الاول، الموافقات للشاطبی ۸٫۲، شرح الاشباہ للحموی ۲۵۲٫۱، رسائل ابن عابدین ۱۱۱-۱۱۲)۔

رشوت کا حکم:

حضرات فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طرح رشوت کا لینا حرام ہے اسی طرح رشوت کا دینا بھی حرام ہے، لیکن بہت سے مواقع میں حضرات فقہاء رشوت دینے کو جائز اور لینے کو حرام کہتے ہیں، چنانچہ رشوت کی کل چار قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) لینا دینا دونوں حرام مثلاً منصب قضاء کے حصول کے لئے رشوت دینا تو اس صورت میں رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

(۲)اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے رشوت دینا اس صورت میں بھی دونوں حرام ہے۔

(۳) جان ومال کی حفاظت کے لئے رشوت دینا اس صورت میں دینا جائز لینا حرام ہے۔

(۴) بادشاہ وغیرہ کے یہاں کسی کام کے کرنے مثلاً سفارش وغیرہ کے لئے اس صورت میں دینا جائز ہے لینا حرام ہے۔

‘‘فی الفتح: ثم الرشوۃ أربعۃ أقسام، منہا:ما ہو حرام علی الآخذ والمعطی، وہو الرشوۃ علی تقلید القضاء والإمارۃ، الثانی:ارتشاء القاضی لیحکم، وہو کذلک، ولو القضاء بحق، لأنہ واجب علیہ ، الثالث:أخذ المال لیسوی أمر عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع، وہو حرام علی الآخذ فقط، والرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع حرام للآخذ ’’ (شامی عن الفتح،ر سائل ابن نجیم عن قاضی خاں ۳۴٫۸)۔

(۱) حکومت سے قضا یا اس جیسا کوئی منصب حاصل کرنے کے لئے، (۲) حاکم سے کوئی فیصلہ کروانے کے لئے، (۳) اعانت علی الظلم کے لئے، ان تینوں صورتوں میں رشوت لینا بھی حرام اور دینا بھی، (۴) جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اسے رشوت دینا جائز

ہے اس کے لئے لینا حرام ہے، (۵) دفع مضرت یا جلب منفعت کے لئے درمیان میں واسطہ بننے والے، یعنی صرف سفارش کرنے والے کو رشوت دینا جائز ہے، آخذ کے لئے لینا جائز نہیں (احسن الفتاوی ملخصاً ۹۷،۸)۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے رشوت دینا جائز ہے اور رشوت کے مثل سود بھی ہے لہذا دفع مضرت کےلئے سود دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ جلب منفعت کے لئے سود دینا محل نظر ہوگا۔

جزئیات متعلقہ (۵) کے جوابات:

(۱) مکان کے لئے سودی قرض لینے کا حکم:

مکان انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے اگر کوئی شخص خود مکان حاصل کرنے سے عاجز ہو تو اس ضرورت کو پوری کرنے کی ذمہ داری حکومت کے ذمہ ہے، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں یہ داخل ہے کہ وہ عوام سے کسی نفع کا مطالبہ کئے بغیر ان کی بنیادی ضروریات پوری کرے اور وہ ضروریات ان کی فراہم کرے چونکہ مکان بھی ہر انسان کی بنیادی ضرورتوں میں داخل ہے، اس لئے ہر انسان کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے مالی وسائل کی حدود میں رہتے ہوئے اس بنیادی ضرورت کو حاصل کرے اور جس شخص کے مالی وسائل تنگ ہیں جس کی وجہ سے نہ تو وہ مکان خرید سکتا ہے اور نہ وہ اپنی جیب سے مکان تعمیر کرسکتا ہے تو اس صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے اس کی یہ ضرورت پوری کرے: نمبر ایک اگر وہ شخص مستحق زکوۃ ہے، پھر زکوۃ فنڈ سے اس کی مدد کرتے ہوئے اس کی ضرورت پوری کرے، دوسرے یہ کہ صرف واقعی اخراجات کی بنیاد پر اس کو مکان فراہم کرے اور اس پر کسی نفع کا مطالبہ نہ کرے تیسرے یہ کہ حکومت اس شخص کو قرض حسنہ فراہم کرے جس پر اس سے کسی نفع یا سود کا مطالبہ نہ کرے (فقہی مقالات ۲۲۱،۲)۔

اور جب ہندوستان جیسے ممالک میں حکومت اسلامیہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کی کوئی ایسی تنظیم ہے جو اس طرح کی ضروریات میں معاون ہو تو یہ مجبوری ہے، لہذا اگر کوئی شخص اس قدر مجبور ولاچار ہو کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کے بقدر مکان حاصل کرنے سے عاجز ہو اور سودی قرض کے علاوہ مکان حاصل کرنے کے لئے کوئی متبادل (زکوۃ، غیر سودی قرض، تبرع واحسان، اور ضرورت سے زائد زمین اور نقد سرمایہ وغیرہ) نہ ہو تو اس کے لئے بدرجہ مجبوری دفع مضرت کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لے کر مکان حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

(۲) کاشتکاری، باغبانی کے لئے سودی قرض لینا عام حالات میں جائز نہیں، البتہ اگر اسی پر معاش کا مدار ہو اور بغیر سودی قرض کے اس کے نظم وانتظام سے عاجز ہو

تو اس صورت میں بھی دفع مضرت کے تحت بدرجہ مجبوری سودی قرض لے کر اس کے نظم وانتظام کو درست کرنا جائز ہے بشرطیکہ دوسرا کوئی متبادل موجود نہ ہو۔

(۳) کاروباری ضرورت کے لئے سودی قرض لینا ناگزیر ہو مثلاً کوئی دوسرا معاشی انتظام نہ ہو تو اور کسی ایسے کاروبار کا تجربہ بھی نہ ہوجو بغیر سودی قرض کے چل سکے یا خاندانی وجاہت وغیرہ کی بنا پر کوئی دوسرا کام باعث ذلت وعار ہو اور غیر سودی قرض حاصل نہ ہوسکے اور دیگر کوئی متبادل بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں کاروباری ضرورت کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ آبرو کی حفاظت بھی مقاصد مینسےہے، ''العاجز عن الکسب کمن یلحقہ العار بالتکسب'' (الدرج ۳۴۱،۵)، ''أولا یحسن الکسب لحرفۃ أو لکونہ من ذوی البیتوتات أی من أہل الشرف ..... إن الخلیفۃ، بل من دونہ فی زماننا لو فعل کذلک لسقط من أعین رعیتہ فضلاً عن أعدائہ وقد أثبت الشارع لولیّ المرأۃفسخ النکاح لدفع العار عنہ فحیث کان الکسب عاراً لہ، کما لو کان ابناً أو أخاً للأمر أو لقاضی القضاۃ مثلاً تجب لہ النفقۃ علیہ بشروطہا'' (شامی ملخصاً ۳۶۲،۵-۳۶۳)۔

سوال نمبر (۶) کا جواب:

گورنمنٹ کی طرف سے مکان، بیت الخلاء، تعلیم، نیز دیگر ضروریات کے لئے دی جانے والی امداد جس کی واپسی نہیں ہوتی ہے اس کے حاصل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مصالح دینیہ کے خلاف نہ ہو، ''عن علیؓ عن النبیﷺ إن کسری أہدی لہ فقبل وإن الملوک أہدوا إلیہ فقبل منہم، وعن عیاض بن حماد أنہ أہدی للنبیﷺ ہدیۃ لہ ناقۃ فقال النبیﷺ :أسلمت؟ فقال: لا، قال: فإنی نہیت عن زبد المشرکین'' (ترمذی باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین)۔

یہ دو متعارض روایتیں ہیں پہلی روایت سے معلوم ہورہا ہے کہ آپﷺ نے کسری اور دوسرے بادشاہوں کے ہدایا قبول فرمائے ہیں اور دوسری روایت سے معلوم ہورہا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ جس حدیث میں آپﷺ نے مشرکین کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا وہ ابتدا کا واقعہ ہے اور کسری اور دوسرے بادشاہوں کے ہدایا قبول کرنے کا جو واقعہ ہے وہ بعدکا ہے۔ لہذا یہ حدیث اس کے لئے ناسخ ہے، یا دونوں حدیثوں کے مختلف حالتوں پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جہاں کسی مشرک سے ہدیہ قبول کرنے کے نتیجے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت فوت ہورہی ہو مثلاً یہ خیال ہو کہ مشرک ہدیہ دینے کے بعد اپنا رعب جمائینگے، اور ہم سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرینگے تو اس صورت میں ان کاہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح اگر مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے سے شرک کی یا مشرکین کی تائید کسی طریقے سے لازم آتی ہو تو بھی ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔

اور جہاں اس قسم کا کوئی خدشہ نہ ہو وہاں ان کا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (درس ترمذی ۲۴۵٫۵ مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ حکومت کی ان اسکیموں سے اگر دینی وملی صلابت وغیرت اور حمیت پر حرف نہ آتا ہو اور یہ اسکیمیں دینی غیرت واحساس کو ختم نہ کرتی ہوں تو پھر اس کے قبول کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس طرح کی اسکیموں سے اسلامی غیرت وحمیت کو ختم کرنا مقصود ہو پھر اس کے حاصل کرنے کی اجازت نہیں، لیکن حکومت کی طرف سے عام شہریوں کے لئے ان کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر مذہب سے قطع نظر اس طرح کی اسکیمیں جاری کی جاتی ہیں لہذا عام حالات میں اس کو حاصل کرنا جائز ہے شرعاً کوئی حرج نہیں۔

سوال نمبر (۷) کا جواب:

امدادی رقم حاصل کرنے کے لئے اگر کوئی شخص درمیان میں واسطہ بنے اور اس کے لئے کوشش کرے تو اس کے لئے اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ اس کام کی ذمہ داری اس کے اوپر لازم نہ ہو، چنانچہ ‘‘فتاوی رشیدیہ ’’ میں ہے:

سوال: ایسے کام میں سعی کرنے کا عوض لینا جو اس پر نہ لازم ہے نہ اس میں کسی مستحق کی حق تلفی ہے او رنہ ہی دروغ فریب ہے رشوت ہے یا نہیں ہے۔

جواب: اگر مباح میں سعی کی اور کچھ لیا بشرطیکہ کسی وجہ سے ساعی کے ذمہ پر واجب نہ ہو تو درست ہے رشوت نہیں، ‘‘سعی لہ عند السلطان، وأثم أمره لا بأس بقبول ہدیتہ بعدہ وقبلہ بطلبہ سحت، وبدونہ مختلف فیہ، ومشائخنا علی أنہ لا بأس بہ’’ (رد المحتار ۳۵٫۸) مگر دفع ظلم اور اعانت مہلوف ہر مسلمان پر واجب ہے، حاکم عاقل ہو یا عامی (تالیفات رشیدیہ۴۲۹، ۴۳۰)۔

حضرت کی اخیر والی قید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مجبور ومظلوم ہو اور دفع ظلم سے عاجز ہو تو اس کی اعانت واجب ہے، لہذا اگر کوئی شخص اجرت کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو تو بغیر اجرت کے بھی تعاون کی قدرت رکھنے والوں کے لئے مجبور ومظلوم کا تعاون کرنا واجب ہے، ‘‘لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب’’ (شامی ۳۵٫۸)، ‘‘إذا دفع الرشوة لیسوی أمره عند السلطان حل لہ الدافع ولا یحل للآخذ أن یأخذ، فإن أراد أن یحل للآخذ یستأخذ الآخذ یوماً إلی اللیل بما یرید أن یدفع إلیہ، فإنہ تصح ہذه الإجارة.... وإن طلب منہ أن یسوی أمره ولم یذکر لہ الرشوة وأعطاه بعد ما سوی اختلفوا فیہ، قال بعضہم: لا یحل لہ أن یأخذ، وقال بعضہم: یحل وہو الصحیح؛ لأنہ یروی مجازات الإحسان فیجعل کما لو جعلوا للإمام والمؤذن شیئاً فأعطوه من غیر شرط کان حسناً.....والحیلة أن یستأجره ثلاثة أیام ونحوه لیعمل لہ ثم یستعملہ إن کان فعلاً یجوز الاستئجار علیہ کتبلیغ الرسالة ونحوه، وإن لم یبین المدة لا یجوز، وہذا إذا کان فیہ شرط، أما إذا کان

الإہداء من غیر شرط، ولکن یعلم یقیناً أنہ إنما یہدی لہ لیعینہ عند السلطان " (رسائل ابن نجیم ملخصاً ۱۱۲، ۱۱۲تا۱۱۴)۔

سوال نمبر (۸) کا جواب:

جس شخص کے ذمہ حکومت کی امدادی اسکیموں کو نافذ کرنا اور پہچاننا ہو اگر وہ شخص اسکیم حاصل کرنے والوں سے کوئی رقم لیتا ہے تو وہ رشوت ہے جس کا لینا اس کے لئے جائز نہیں مثلاً گرام پر دھان، ایم ایل اے، اور ایم پی، نیکپال وغیرہ کے توسط سے بہت سی امدادی اسکیمیں حاصل ہوتی ہیں اور یہ حضرات حکومت کی اسکیموں کو پہنچانے میں حکومت کے وکیل ہوتےہیں ان کے لئے امدادی اسکیم دلانے پر کم یا زیادہ کوئی معاوضہ لینا رشوت میں داخل ہے جو شرعاً حرام ہے، ''حد الرشوۃ: ہو ما یؤخذ عما وجب علی الشخص سواء کان واجب علی العین أو علی الکفایۃ وسواء کان واجباً حفاً للشرع أو کان واجباً عقداً'' (اعلاء السنن ۶۴، ۵)۔

البتہ اگر کسی شخص کے ذمہ حکومتی اسکیموں کے نفاذ وغیرہ کی کوئی ذمہ داری نہ ہو، لیکن وہ شخص اپنی ظاہری صلاحیت ولیاقت کی بنا پر امداد کی تحصیل کی قدرت رکھتا ہو اگر یہ شخص امداد حاصل کرنے والے سے ملنے والی رقم کی کچھ مقدار متعین پر معاملہ کرلے تو اس کے جواز کی گنجائش ہے اور یہ صورت جعالہ میں داخل ہوگی، کیونکہ جب واسطہ بننے والے کے ذمہ اس اسکیم کو پہنچانا نہیں ہے اور وہ شخص کام ہوجانے پر ایک مقدار معین کا معاملہ کرے تو اس پر جعالہ کی تعریف صادق آتی ہے۔

جعالہ کی تعریف:

''التزام عوض معلوم علی عمل معین معلوم أو مجہول یعسر ضبطہ'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵، ۲۰۸)، یعنی جعالہ میں اجرت کام کے ہوجانے پر موقوف ہوتی ہے جب کام ہوجائے تو متعینہ اجرت ملے گی اور کام نہیں ہوگا تو اجرت نہیں ملے گا، جعالہ میں مدت اور عمل کچھ متعین نہیں ہوتا ہےاس کی مزید وضاحت کے لئے محقق عصر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں: جعالہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس میں نہ تو کوئی مدت مقرر ہے نہ کوئی عمل مقرر ہے، بلکہ عمل کے نتیجہ پر اجرت دی جاتی ہے، مثلاً کسی شخص کا غلام بھاگ گیا معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اس نے کسی شحص سے کہا کہ اگر تم میرے غلام کو میرے پاس لاؤگے تو تمہیں اتنی اجرت دونگا اب وہ غلام کب آئے گا کب ملے گا کتنی دیر لگے گی کتنی محنت کرنی پڑے گی سب مجہول ہے اسی طرح وہ ملے گا یا نہیں ملے گا ممکن ہے کہ بہت محنت کے باوجود نہ ملے اور ہوسکتا ہے کہ گھر سے باہر نکلتے ہی مل جائے نہ تو عمل کی تعیین ہے نہ مدت کی مدار اس پر ہے کہ جب عمل مکمل ہوجائے گا تو پیسے ملینگے، ورنہ نہیں اس کو جعالہ کہتے ہیں اس کے بعد جعالہ اور اجارہ کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے

تعریف، حکم وغیرہ لکھے جاتے ہیں تاکہ زیر بحث مسئلہ بالکل منقح ہوجائے (انعام الباری ۴۵۴،۶)۔

جعالہ:

تعریف: کسی کام کے انجام پر عوض مقرر کرنے کا نام جعالہ ہے، ''التزام عوض معلوم علی عمل معین معلوم أو مجہول یعسر ضبطہ'' (الموسوعۃ الفقہیہ۲۰۸،۱۵)۔

جعالہ کا حکم:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جعالہ جائز ہے شرط صرف یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو، ''عقد الجعالۃ مباح شرعاً عند المالکیۃ والشافعیۃ والحنابلۃ'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۰۸،۱۵)۔

مسلک احناف:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف جعالہ کے عدم جواز کی نسبت کی گئی ہے۔ ''وقال الحنفیۃ:بعدم جوازہا فی غیر جعل العبد الآبق، ودلیل المنع عندہم ما فی الجعالۃ من تعلیق التملیک علی الخطر'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۰۹،۱۵)۔

استدراک:

لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف جعالہ کے حرمت کی نسبت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے، البتہ حضرت امام صاحب سے اس کے سلسلہ میں کوئی صراحت موجود نہیں، اس لئے غالباً شرائط اجارہ کے مفقود ہونے کی وجہ سے ان کی طرف عدم جواز کی نسبت کردی گئی۔ ورنہ دلائل کے لحاظ سے قرآن کریم کی اس آیت ''ومن جاء بہ حمل بعیر أنا بہ زعیم'' سے جعالہ کا جواز واضح اور مصرح ہے۔ اور حضرت ابن قدامہ حنبلی نے امام صاحب سے جواز نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:''الجعا فی رد الضالۃ والآبق وغیرہما جائزۃ ہذا قول أبی حنیفۃ ومالک والشافعی ولا نعلم مخالفاً'' تو صحیح بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی سمسرہ جائز ہے (ملخصاً انعام الباری ۴۵۵،۶۔۴۵۶)۔

اور متاخرین حنفیہ نے کثرت تعامل کی وجہ سے دلالی کو جائز کہا ہے، اور جعالہ کو بھی جائز کہا ہے۔

''أجرۃ السمسار إن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل بأس بہ، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ'' (شامی ۸۷،۹)۔

جعالہ اور اجارہ کے درمیان فرق:

اجارہ میں عمل یا مدت کا معلوم ہونا لازم وضروری ہے، لیکن جعالہ میں لازم نہیں، ''والفرق بینہما أن الجعالۃ قد تکون علی مجہول بخلاف الإجارۃ'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۰۸،۱۵)۔

احکام کے اعتبار سے فرق:

احکام کے اعتبار سے کل آٹھ فرق کیا گیا ہے: (۱) عمل مجہول پر جعالہ صحیح ہے، لیکن اجارہ صحیح نہیں ہے، (۲) جعالہ میں راد (عامل) نہیں ہوتا ہے، لیکن اجارہ میں

اجیر متعین ہوتا ہے، (۳) جعالہ میں عامل عمل کی تکمیل سے پہلے اجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے لیکن اجارہ میں عقد اجارہ سے استحقاق ثابت ہوجاتا ہے، (۴) جعالہ میں عامل اور راد کی طرف سے قبول کا پایاجانا شرط نہیں، (۵) بعض صورتونمیں عوض جعالہ میں مجہول ہوسکتا ہے، لیکن اجارہ میں عوض مجہول نہیں ہوسکتا، (۶) جعالہ میں کام کے لئے مدت کی عدم تعیین شرط ہوتی ہے، لیکن اجارہ میں کام کے لئے مدت کی تعیین جائز ہے، (۷) عقد جعالہ لازم نہیں ہوتا ہے بخلاف اجارہ کے کہ اس کی پابندی متعاقدین کے اوپر لازم ہوتی ہے، (۸) عامل کے عمل کی تکمیل سے پہلے فسخ کا اختیار رہتا ہے، لہذا تکمیل سے پہلے اجرت کا استحقاق نہ ہوگا، لیکن اجارہ میں عقد لازم ہے فسخ کا اختیار نہیں۔

''والجعالۃ تختلف عن الإجارۃ، الأول صحۃ الجعالۃ علی عمل مجہول، والثانی صحۃ الجعالۃ مع عامل غیر معین، والثالث:کون العامل لا یستحق الجعل إلا بعد تمام العمل، الرابع:لا یشترط فی الجعالۃ تلفظ العامل بالقبول، الخامس:جہالۃ العوض فی الجعالۃ فی بعض الأحوال، السادس:یشترط فی الجعالۃ عدم التاقیت لمدۃ العمل ،السابع: الجعالۃ عقد غیر لازم، الثامن:سقوط کل العوض بفسخ العامل تمام العمل المجاعل علیہ'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵؍۲۰۹۔۲۱۰)۔

حاصل یہ کہ حکومت کی امدادی اسکیموں سے جڑے افسران وذمہ داران کے لئے کچھ لینا رشوت میں داخل ہے جو شرعاً حرام ہے، البتہ اسکیم حاصل کرنے والوں کے لئے دینے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ان کی یہ مجبوری ہے اور اسکیم سے غیر متعلق افراد اگر اسکیم دلانے کے لئے کوشش کریں اور اسکیم حاصل ہونے پر رقم کے کچھ پرسنٹ لینے کا معاہدہ کریں تو یہ جعالہ میں داخل ہوکر جائز ہوگا اس کے لینے دینے میں حرج نہیں۔

سوال نمبر (۹) کا جواب:

امدادی رقوم یا قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دینا جلب منفعت کے لئے رشوت دینا ہے اور جلب منافع کے لئے بھی رشوت دینے کی گنجائش ہے، چنانچہ ''احسن الفتاوی '' میں ہے: ''دفع مضرت یا جلب منفعت کےلئے درمیان میں واسطہ بننے والے (سفارش کرنے والے) کو رشوت دینا جائز ہے (احسن الفتاوی ۸؍۹۷)، البتہ سودی قرضوں کا بلا ضرورت لینا شرعاً جائز نہیں لہذا اس کے لئے رشوت دینا جائز نہ ہوگا، ''أخذ المال لیسوی أمرہ عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع وہو حرام علی الآخذ فقط'' (شامی ۸؍۳۵)۔

سوال نمبر (۱۰) کا جواب:

جس ملک میں انسان آباد ہو اگرچہ وہ غیر مسلم ملک ہی کیوں نہ ہو اس کے جائز قوانین کی پابندی لازم ہے، اور قانونی خلاف ورزی شرعاً جائز نہیں، لہذا امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا کذب وخداع وغیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً جائز نہیں، ''وہذا خلاف ما إذا جاءہم قوم من المسلمین لیدخلوا دار الحرب فقال

لہم:ادخلوا وأنتم آمنون، فدخلوا ولم یشترطوا لہم شیئاً؛ لأن ہناک مجیئہم علی سبیل الاستیمان بمنزلۃ التصریح بالاشتراط علی أنفسہم أن لا یغادروا بہم ولا یوجد ہذا المعنی فی حق الأمراء؛ لأنہم کانوا مقہورین فی أیدیہم لا مستامنین'' (شرح السیر الکبیر ۲۴۵،۳)۔

البتہ اگر کوئی شخص حکومت کے شرائط ومعیارات کے مطابق امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کا مستحق ہو، لیکن وہ قانونی داؤ پیچ اور بعض تحفظاتی شرائط وغیرہ کے پوری کرنے سے قاصر ہو تو ایسی صورت میں جو شخص واقعتاً حکومت کی منشا کے مطابق امدادی رقوم وغیرہ کا مستحق ہو تو اس کے لئے اس اسکیم کو حاصل کرنا جائز ہے اگرچہ بعض مجبوریوں کی وجہ سےکچھ غلط بیانی سے بھی کام لینا پڑے، کیونکہ ضرورت کے وقت اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے اس طرح سے غلط بیانی کرنا جائز ہے جو بظاہر خلاف واقع تو ہو مگر اس کا کوئی صحیح مطلب نہیں سکتا ہو، لیکن صریح جھوٹ اس وقت بھی جائز نہیں، کذب کے سلسلہ میں علامہ شامیؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ جب مباح مقصود کو صدق وکذب دونوں کے ذریعہ سے حاصل کیا جاسکتا ہو تو کذ ب حرام ہے اور اگر صرف کذب کے ذریعہ حصول ممکن ہو تو مباح ہے لیکن اگر مقصود واجب کی قبیل سے ہو اور بغیر کذب کے اسکا حصول ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں کذب واجب ہے۔حاصل یہ کہ جس وقت صدق کا فساد کذب سے بڑھا ہو اس وقت کذب کی اجازت ہے اور اگر اس میں شک ہو یا کذب کا فساد صدق کے نقصان سے بڑھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں کذب حرام ہے، ''الکذب مباح لإحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ والمراد التعریض؛ لأن عین الکذب حرام (الدر المختار) وفی الرد:اعلم أن الکذب قد یباح وقد یجب، والضابطۃ فیہ أن کل مقصود محمود یمکن التوصل إلیہ بالصدق والکذب جمیعاً، فالکذب فیہ حرام، وإن أمکن التوصل إلیہ بالکذب وحدہ، فمباح، إن أبیح تحصیل ذلک المقصود، وواجب إن وجب تحصیلہ، کما لو رأی معصوماً اختفی من ظالم یرید قتلہ أو إیذاءہ، فالکذب ہنا واجب، وکذا لو سألہ عن ودیعۃ یرید أخذہا یجب إنکارہا ومہما کان لا یتم مقصود حرب أو إصلاح ذات البین أو استمالۃ قلب المجنی علیہ إلا بالکذب، فیباح، ولو سألہ سلطان عن فاحشۃ وقعت منہ سراً کزنا أو شرب، فلہ أن یقول:ما فعلتہ، لأن إظہارہا فاحشۃ أخری، ولہ أیضاً أن ینکر سراً أخیہ، وینبغی أن یقابل مفسدۃ الکذب بالمفسدۃ المرتبۃ علی الصدق، فإن کانت مفسدۃ الصدق أشد فلہ الکذب'' (شامی ۶۱۲،۹)۔

کذب بیانی سے حاصل کی گئی امداد کا حکم:

کذب بیانی کے ذریعہ سے حاصل کی گئی امداد بحکم غصب ہے اور مال مغصوب سے انتفاع شرعاً جائز نہیں، بلکہ اس کے اصل مالک کو واپس لوٹانا واجب ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے مالک تک لوٹانا ممکن نہ ہو تو اس کا تصدق واجب ہے، کذب بیانی سے حاصل کی گئی امداد غصب کے حکم میں اس لئے ہے کہ یہ مال مالک کی رضا کے بغیر

حاصل کیا گیا ہے، کیونکہ اس کی رضا شرائط کے ساتھ مشروط تھی اور شرائط کے فوت ہونے کی وجہ سے رضا بھی فوت ہے، لہذا اس کا بحکم غصب ہونا ظاہر ہے، ''القسم الأول ماکان محرما علی المرأ لکونہ ملکاً للغیر، القسم الأول نعبر عن جمیع العقود الباطلۃ فیما یأتی بالمغصوب، والذی یقبض ہذا المال الحرام بالغصب، وذلک لسہولۃ التعبیر ویشمل ہذا التعبیر کل مالٍ حرام لا یملکہ المرأ فی الشرع، سواء کان غصباً أو سرقۃ، أو رشوۃ، أو ربا فی القرض، أو مأخوذاً ببیع باطل، وإنہ حرام للغاصب الانتفاع بہ أو التصرف فیہ، فیجب علیہ أن یردہ إلی مالکہ أو إلی وارثہ بعد وفاتہ، وإن لم یمکن ذلک لعدم معرفۃ المالک أو وارثہ أو لتعذر الرد علیہ لسبب من الأسباب وجب علیہ التخلص منہ بتصدقہ عنہ من غیر نیۃ ثواب الصدقۃ لنفسہ، وہذا الحکم عام سواء کان المغصوب عرضاً أم نقداً؛ لأن النقود تتعین فی الغصوب، حتی عند الحنفیۃ الذین یقولون بعدم تعین النقود، کما مر تحقیقہ، ثم إن کان المغصوب قائماً عند الغاصب بعینہ تتعدی حرمتہ إلی من یأخذہ من الغاصب شراء أو ہبۃ أو إرثاً، وہو یعلم أنہ مغصوب، وہذا القدر لا نعلم فیہ خلافاً بین الفقہاء'' (فقہ البیوع ۱۰۰۶،۲)۔

مذکورہ صورت کے منافع کا حکم:

دراہم مغصوبہ وغیرہ سے حاصل کے گئے منافع کے سلسلہ میں فقیہ عصر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ نے بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے، چنانچہ تحریر فرماتےہیں کہ خریداری کی کل پانچ صورتیں ہیں: (۱) دراہم مغصوبہ بائع کو پہلے حوالے کئے جائیں پھر اس کے عوض خریداری ہو (۲) دراہم مغصوبہ کی طرف اشارہ ہو اور اس کے ذریعہ خریداری ہو پھر وہی حوالے بھی کئے جائیں (۳) دراہم مغصوبہ کی طرف اشارہ ہو اور اسی پر عقد ہو اور حوالے دوسرے دراہم کئے جائیں (۴) عقد مطلق ہو (کسی درہم کی طرف اشارہ اور تعیین نہ کی گئی ہو) لیکن دراہم مغصوبہ حوالے کئے جائیں (۵) مغصوبہ دراہم کے علاوہ دوسرے دراہم کی طرف اشارہ اور اس کے ذریعہ خریداری کی جائے، لیکن حوالے دراہم مغصوبہ کئے جائیں۔

مذکورہ بالا صورتوں کا حکم:

ان صورتوں کے احکام میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) القول الاول: مذکورہ بالا پانچوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اداء ضمان سے قبل جو بھی نفع ہو وہ حلال نہیں ہے اس کو نفع کے ساتھ مالک کو لوٹا دینا واجب ہے اور نفع کو صدقہ کرنے کا بھی اختیار ہے (انعام الباری ۴۴۹،۶)۔ البتہ اداء ضمان کے بعد جو نفع حاصل ہوگا وہ طیب وحلال ہے یہی ظاہر الروایہ کا مقتضا ہے اور اس کو ترجیح دیا ہے، ہدایہ، بدائع اور ہندیہ وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا ہے ابوبکر اسکاف نے (فقہ البیوع ۱۰۱۱،۲)۔

(۲) القول الثانی: مذکورہ بالا صورتونمیں سےپہلی صورت کے علاوہ بقیہ سب

صورتوں میں نفع طیب وحلال ہے، کیونکہ مشتری کے ذمہ مطلق دراہم کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اور دراہم مغصوبہ یہ اس دراہم مطلقہ کا بدل ہیں، لہذا خریدی ہوئی چیز میں کوئی خبث ظاہر نہ ہوگا اور دراہم کی طرف کئے گئے اشارہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اس کے قائل ابوالنصر اور ابو اللیث ہیں (فقہ البیوع ۱۰۱۱،۲)۔

(۳) القول الثالث: تیسرا قوال امام کرخیؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلی دونوں صورتوں میں نفع طیب وحلال نہیں اور بقیہ تین صورتوں میں طیب وحلال ہے (فقہ البیوع ۱۰۱۱،۲)۔

امام کرخیؒ ابو النصر وغیرہ کے قول کا مطلب: حضرت مفتی صاحب نے ان حضرات کے اقوال کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہےکہ نفع حاصل ہونے کے بعد اگر ضمان ادا کردیا جائے تو امام کرخی کےمطابق تین صورتوں میں نفع اس وقت حلال اور طیب ہوجائے گرچہ اداء ضمان سے قبل ہی حاصل ہوئے ہوں ''ینقلب ہذا الربح طیبا بأداء الضمان''، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں اداء ضمان کے بعد بھی نفع حلال وطیب نہ ہوگا اور ابو نصر، ابو اللیث وغیرہ کے قول کا مطلب یہ ہے پہلی صورت کے علاوہ بقیہ چار صورتوں میں اداء ضمان کے بعد نفع حلال ہوگا اور پہلی صورت میں حلال نہیں ہوگا اور اداء ضمان سے قبل کسی صورت میں بھی کسی کے نزدیک حلال نہ ہوگا (فقہ البیوع ۱۰۱۳،۲)۔

فتوی اور ترجیح:

حضرت مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں کہ امام کرخی کے قول کا جو مطلب ہم نے ذکر کیا ہے اگروہ لیاجائے تو اس کا راجح ہونا مسلم ہے اور اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ دراہم مغصوبہ سےحاصل شدہ نفع حلال ہے تو اس صورت میں صاحب ہدایہ اور علامہ کاسانی کا قول (نفع کا حرام ہونا) راجح معلوم ہوتا ہے اور اسی میں احتیاط ہے اگرچہ بہت سے فقہاء نے عموم بلوی کی وجہ امام کرخی کے قول پر فتوی بھی دیا ہے اس لئے سخت ضرورت اور مجبوری کے وقت اس پر عمل کی گنجائش ہے، البتہ احتیاط بہتر ہے، ''وذکر کثیر من المتأخرین أن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس قال ابن عابدینؒ: ''وعلی ہذامشی المصنف (یعنی صاحب الدر المختار) فی کتاب الغصب تبعاً للدرر وغیرہا، وقد أفتی بہ جماعۃ من مشایخنا۔

فلو أخذ قول الکرخیؒ علی ما فسرناہ فرجحانہ مسلم، أما إذا أخذ مبیحا لما اشتری بالنقود المغصوبۃ وربحہ فالذی یمیل إلیہ القلب أن ما رجحہ صاحب الہدایہ والکاسانی بناء علی قول الإمام أبی حنیفۃ ومحمد رحمہم اللہ، ہو الأولی بالترجیح وہو الاحتیاط، وإن کان کثیر من الفقہاء المتاخرین أفتوا بذلک لعموم البلوی، ولذا فمن ابتلی بمثل ہذا یرجی أن یسوغ لہ الأخذ بہذا القول عند حاجۃ شدیدۃ، والتنزہ أولی، ولم یذکر عن الکرخی حکم البائع الذی أخذ من المشتری النقود المغصوبۃ ہل یسوغ لہ استعمال تلک النقود؟ وقد أفتی کثیر من علماءنا أنہ یجوز لہ ذلک أیضاً، واللہ سبحانہ وتعالی أعلم'' (فقہ البیوع ۱۰۱۶،۲)۔

کذب بیانی سے حاصل کئےگئے قرض سے انتفاع:

کذب بیانی کرنا قرض حاصل کرنے کے لئے شرعاً جائز نہیں، لیکن حاصل کئے گئے قرض کا مالک ہوجائے گا اور اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی حلال ہوگا، کیونکہ ملکیت اور عقد میں کوئی خبث نہیں ہے، البتہ خبث سبب ملک میں ہے اور جب خبث ملکیت اور عقد میں نہ ہو تو نفع حلال ہوتا ہے، لیکن خبث فی السبب کی وجہ سے معاملہ کو ختم کرکے ازسر نو کرنا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ جس چیز میں خبث ہو اس کو باقی رکھ کرکے نفع حاصل کیا جائے۔

''إن الخبث عند الحنفیۃ علی ثلاثۃ أنواع خبث الکسب، خبث السبب، خبث البدل....أن المسلم إذا باع الخمر والخنزیر فی دار الحرب وأخذ ثمنہما، فلیس ہناک خبث فی السبب ولا فی البدل، لکن یوجد ہناک خبث فی الکسب فاتعاطی الخمر والخزیر حرام علی المسلم، فکذلک فی مسئلتنا (النکاح الثابث بشہادۃ الزور) لأن السبب الحل ہو القضاء، أی ہو سبب مشروع، لکن الخبث متمکن فی الکسب، یعنی الطریق الذی أدی إلی ذلک السبب ولا یرتفع ذلک الخبث إلا بعقد مستأنف علی الطریق المشروع وأضف إلی ذلک أن الخبث إن کان مستمراً، فلا یطیب للرجل الانتفاع، حتی یزیل ذلک الخبث بطریق مشروع، وہو العقد المستأنف'' (تکملۃ فتح الملہم ملخصاً ۵۰۲،۸، ۵۰۳ م الاشرفیہ دیوبند)۔

جب کذب بیانی کے ذریعہ سے قرض حاصل کیا گیا اور اس قرض سے نفع حاصل ہو ا تو اس نفع کے حصول کا سبب قرض ہے اور نفع میں خبث نہیں، لیکن کذب بیانی کی وجہ سے قرض میں خبث ہے اور جب ربح میں خبث نہیں تو اسکا تصدق بھی واجب نہیں اور قرض کی رقم کے استہلاک کے ذریعہ سے نفع حاصل ہوتا ہے اس کو باقی رکھ کرکے نہیں، لہذا معاملے کا استیناف بھی واجب نہیں، اس مسئلہ سے بہت قریب جعلی سرٹیفکٹ کے ذریعہ سے ملازمت حاصل کرنے والا مسئلہ ہے، کیونکہ جس طرح کذب بیانی کے ذریعہ سے قرض حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اس قرض سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح کذب بیانی کے ذریعہ سے ملازمت حاصل کی جاتی ہے اور اس ملازمت کے ذریعہ سے آمدنی حاصل کی جاتی ہے دونوں مسئلوں میں نفع کی جو اصل ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقہ میں خبث ہے اور جعلی سرٹیفکٹ والے مسئلہ میں علماء نے اس کی صراحت کی ہے کہ آمدنی حلال ہے واجب التصدق نہیں۔

چنانچہ صاحب ''احسن الفتاوی '' تحریر فرماتے ہیں: کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے لہذا جائز نہیں اس کی اعانت کرنے والے گناہ گار ہونگے، البتہ جو کام اس کے ذمہ ہے اگر وہ اسے بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو تنخواہ حلال ہے (احسن الفتاوی ۱۹۸،۸) اور یہی حکم جدید فقہی مسائل میں بھی مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مگر اس کی کمائی ہوئی آمدنی حلال وجائز اور یہ اس کی محنت کی اجرت ہے ایسا ممکن ہے کہ

ذریعہ ناجائز ہو کمائی جائز ہو اس سلسلہ میں فقہ کا یہ جزئیہ قابل لحاظ ہے، ‘‘ومہر البغی فی الحدیث ہو أن یواجر أمتہ علی الزنا، وما أخذہ من المہر فہو حرام عندہما، وعند الإمام إن أخذہ بغیر عقد، بأن زنی بأمتہ ثم أعطاہا شیئاً، فہو حرام؛ لأنہ أخذہ بغیر حق، وإن استاجرہا لیزنی بہا ثم أعطاہا مہرہا أو ما شرط لہا، لا بأس بأخذہ؛ لأنہ إجارۃ فاسدۃ، فیطیب لہ، وإن کان السبب حراماً’’ (جدید فقہی مسائل ۱؍۴۱۳)۔

حاصل یہ کہ کذب بیانی کے ذریعہ سے حاصل کئے گئے قرض سے نفع اٹھانا بھی جائز ہے اور اس کا نفع بھی حلال ہے، البتہ کذب بیانی کا جو گناہ ہے وہ بہرحال ہوگا، کذب بیانی کی وجہ قرض اور اس کے ربح میں خبث کا تحقق نہیں ہوگا، لیکن کذب بیانی کے ذریعہ حاصل کی گئی امداد کا حکم قرض سے مختلف ہے، کیونکہ یہ امداد بحکم غصب ہے چنانچہ ‘‘فتاوی عثمانی ’’ کے ایک فتوی میں ہے کہ آپ کے لئے اپنی رہائش کا فاصلہ زیادہ لکھوا کر کرایہ سواری وصول کرنا جائز نہیں .... اور جب اس طرح حاصل کی ہوئی رقم ناجائز ہوئی تو اسے حکومت ہی کو واپس کرنا ضروری ہے اور اس کو صدقہ کرنا بھی درست نہیں الا یہ کہ حکومت کو واپس کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں بغیر ثواب کی نیت کے صدقہ کردیا جائے (فتاوی عثمانی ملخصاً ۳؍۳۹۰، ۳۹۱)۔

جس طرح سے کذب بیانی کے ذریعہ حاصل کئے گئےکرایہ کو غصب کے حکم میں رکھا گیا ہے اسی طرح کذب بیانی کے ذریعہ حاصل کی گئی امداد بھی غصب کے حکم میں ہوگا اور غصب کے حکم میں یہ بات تفصیل سے ذکر کردی گئی ہے کہ اس کا ضمان ادا کرنے سے پہلے نہ تو اس سے انتفاع جائز ہے اور نہ ہی اس کا نفع حلال وطیب ہے اور اگر ضمان ادا کرنے سے پہلے نفع حاصل کیا گیا تو اداء ضمان کے بعد اس کا خبث زائل ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام کرخی کے نزدیک اداء ضمان سے پہلے حاصل ہونے والے نفع کا خبث اداء ضمان سے زائل ہوجائے گا اور حرام کی اس کثرت کے زمانے میں یہی راجح ہے۔

سوال نمبر (۱۱) کا جواب:

تعلیم وغیرہ سے متعلق قرض کی اسکیموں میں قرض پر عائد ہونے والے انٹرسٹ کی اگر مقروض کے ذمہ ادائیگی لازم نہ ہو اور مقروض کو صرف اپنے قرض کے بقدر رقم ادا کرنی پڑے تو اس سے انتفاع میں شرعاً کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس نے کسی محظور شرعی کا ارتکاب نہیں کیا ہے رہا حکومت کا اس کی طرف سے انٹرسٹ ادا کرنا تو قرض جاری کرنے والا ادارہ اور قرض ادا کرنے والا ادارہ تو دونوں حکومت ہی کے شعبے ہیں، لہذا ان میں حقیقتاً ربا کا تحقق نہیں ہوگا، بلکہ ایک انتظامی صورت ہے جیسے عبد ومالک کے درمیان اور شرکت مفاوضہ اور عنان کرنے والوں کے درمیان ربا کا تحقق نہیں ہوتا ہے، ‘‘ولا ربا بین سید وعبدہ؛ لأنہ ما فی یدہ لمولی فلا یتحقق الربا لعدم تحقق البیع

..... ولا ربا بین متفاضین وشریکی عنان إتبایعا من مالہا'' (الدر مع الرد ملخصاً ۴۲۱،۷، ۴۲۲)، اور اگر بالفرض اس کو انٹرسٹ پر محمول ہی کریں تو یہ حکومت کا اپنا معاملہ ہے قرض حاصل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں، لہذا اس کےلئے کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ حکومت غیر مسلمہ اپنے طریقے سے جو معاملات انجام دے گی اس کی وہ خود ذمہ دار ہے اس کی مسلم رعایا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

لیکن اگر اپنے قرض کی مقدار سے کچھ زائد ادا کرنا پڑے تو بہرحال وہ حقیقت کے اعتبار سے سود ہی بنے گا، اس لئے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں اگرچہ اضافہ کی مقدار بہت معمولی ہی کیو ننہ ہو ''کل قرض جر نفعاً حرام وکرہ للمرتہن سکنی المرہونۃ بإذن الراہن وکرہ السفتجۃ'' (الدر مع الرد ۳۹۵،۷)، البتہ اگر تعلیمی قرضے کی ضرورت ہو اور اس قرض پر عائد ہونے والے انٹرسٹ کا اکثر حصہ حکومت ادا کرے اور معمولی حصہ مقروض کو ادا کرنا پڑے تو ضرورت کے وقت اس طرح قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے اور قرض سے زائد ادا کی جانے والی رقم کو سروس چارج پر محمول کرتے ہوئے گنجائش نکل سکتی ہے، نیز زائد رقم کو جلب منفعت کے لئے رشوت دینے پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں (سروس چارج،او رجلب منفعت کے لئے رشوت) حد جواز میں داخل ہیں، لہذا ضرورۃً اس کی گنجائش ہے چنانچہ سروس چارج کے سلسلہ میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ نے فقہی مقالات ۲۶۹،۱ تا۲۷۷ پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، اور جلب منفعت کے لئے رشوت دینے کا جواز (شامی ۳۵،۷) پر موجود ہے، فقط

سوال نمبر (۱۲) کا جواب:

حکومت کی وہ اسکیمیں جس میں حکومت ایک محفوظ فنڈ قائم کرکے بینک میں ڈپازٹ کرتی ہے پھر اس سے حاصل ہونے والے انٹرسٹ کو تعلیمی، رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کے تعاون میں خرچ کی جاتی ہے،اس اسکیم سے بھی استفادہ کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں:

(۱) کیونکہ بینک سے حکومت کا سود حاصل کرنا یہ صرف اسماً سود ہے لیکن حقیقتاً سود نہیں، کیونکہ بینک بھی حکومت کا ایک ذیلی شعبہ ہے اور اپنے شعبے سے کم زیادہ لینا دینا خود اپنی ہی ملکیت میں کمی بیشی کرنا ہے اس میں مبادلہ اور معاوضہ کی حقیقت مفقود ہوتی ہے اس لئے ربا کی تعریف صادق نہیں آتی یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء نے غلام اور آقا کے درمیان پائی جانے والی کمی بیشی کو سود شمار نہیں کیا ہے، کیونکہ جب غلام اپنے آقا کا مملوک ہے تو مبادلہ کی حقیقت مفقود ہے، ''لا ربا بین سید وعبدہ ولو مدیراً لأنہ ما فی یدہ لمولی، فلا یتحقق الربا لعدم تحقق البیع'' ، فتح (شامی ۴۲۱،۷)۔

(۲) نیز حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ غیر مسلمین جن معاملات کو جائز سمجھ کر وہ انجام دیتے ہوں ان معاملات میں وہ آزاد ہیں اس میں ان پر کوئی قید وبند

نہیں اور اس کے ذریعہ سے جو آمدنی حاصل ہوگی اگر وہ اس کو کسی مسلمان کو دیں تو مسلمان کے لئے اس کو لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، چنانچہ علامہ شامی نے حضرت عمرؓ کا جو اثر نقل کیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے، ''وقد أمرنا بتركهم وما يدينون كذا فی الہداية، وقال:دل عليه قول عمرؓ:ولو ہم بيعها وخذوا العشر من أثمانها اھ وأشار به إلى أن أعراضنا عنهم ليس لكونها مباحة شرعاً فی حقهم، كما ہو قول البعض، بل الحرمة ثابتة فی حقهم فی الصحيح، لأنهم مخاطبون بها، كما قلنا:لكنهم لا يمنعون من بيعها، لأنهم مخاطبون بها كما قلنا، لكنهم لا يمنعون من بيعها، لأنهم لا يعتقدون حرمتها ويتمولونها، وقد أمرنا بتركهم وما يدينون، كما فی البحر عن البدائع'' (شامی ۴۸۱،۷)۔

(۳) اور مزید حضرات فقہاء نے اس کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ اگر دو غیر مسلم غیر مسلم ملک میں سودی معاملہ کریں تو یہ ان کا اپنا فعل ہے اس سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے گا او راس سے حاصل شدہ نفع اس کے حق میں مباح ہے، لہذا اگر وہ اس نفع کا مالک کسی مسلم کو بنائیں تو اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہے، ''لو أن حربياً باع من حربی درہماً بدرہمين ثم خرجا إلى دار الإسلام مسلمين أو ذميين واختصما إلى القاضی، فإن كان ذلك بعد التقابض فالقاضی لا يتعرض لذلك ولا يبطله'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۶۴،۱۰)۔

اور سوال میں درج شکل پرائیوٹ فنڈ والی صورت کے مشابہ ہے کہ پرائیوٹ فنڈ میں بھی فنڈ کی رقم کو نفع بخش کاروبار میں لگایا جاتا ہے اور عام طور سے وہ نفع بخش کاروبارسود کا ہوتا ہے کہ بینک میں رکھوادیا او راس پر سود لے لیا، ڈیفنس سرٹیفکٹ لے لیا اور اس پر سود لے لیا، عام ڈپازٹ سرٹیفکٹ مل گئی، اس پر سود لے لیا تو جب ملازم کو پرائیوٹ فنڈ ملتا ہے تو اس میں یہ رقم شامل ہوتی ہے اس لئے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سودی کام میں لگائی ہوئی رقم سے جو نفع حاصل ہوا وہ چونکہ سودی معاملات ہیں لہذا وہ جائز نہیں، لیکن اس کے برعکس دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ سود کا جو کچھ معاملہ کیا وہ محکمہ نے اپنے طور پر کیا وہ جانے اس کا اللہ جانے اس میں جو کچھ تصرف کررہا ہے اگرچہ سودی کاروبار میں لگا رہا ہے وہ محکمہ کررہا ہے جو جانبین میں مشروط نہیں تھی، لیکن جب ملازم کو دے گا تو اپنے خزانے سے دے گا تو ملازم کے حق میں سب تبرع ہی تبرع ہے چاہے اس تبرع کے حصول کے لئے محکمہ نے ناجائز طریقہ ہی اختیار کیا ہو (انعام الباری ملخصا ۴۵۰،۶، ۴۵۱)۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ حکومت جو تعاون اور امداد کرے وہ شرعاً جائز ہے گرچہ اس کے حاصل کرنے کے لئے حکومت نے غلط طریقہ اختیار کیا ہو، کیونکہ حکومت اپنے عمل کی ذمہ دار ہے اسکیم حاصل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

ایک اشکال:

سود وغیرہ کے ذریعہ آمدنی حاصل کرکے دی جانے والی امداد کے سلسلہ میں جو

تاویلات ذکر کی گئی ہیں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو چیزیں مسلمانوں کے لئے صحیح ہیں وہی غیر مسلموں کے لئے بھی صحیح ہیں او رجن کی اجازت اہل اسلام کے لئے نہیں ہے ان کی اجازت غیر مسلم کے لئے بھی نہیں ہے تو جب غیر مسلم اور غیر مسلم باب ربا وغیرہ میں مساوی ہیں تو ان کے سودی معاملات کو ان کے حق میں جائز وصحیح کیونکر مانا جاسکتا ہے اور جب ان کے حق میں بھی صحیح نہیں تو اس کی آمدنی سے امداد وغیرہ حاصل کرنا کیسے جائز ہوگا، ''فکل ما جاز للمسلمین من البیاعات کالصرف والسلم وغیرہما من أنواع التصرفات جاز لہم، وما لا یجوز من الربا وغیرہ لا یجوز لہم إلا فی الخمر والخنزیر'' (تبیین الحقائق ۵۳۲،۴)۔

جواب:

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب غیر مسلمین اسلامی مملکت میں قیام کرلیں تو اس وقت خمر وخنزیر کے علاوہ بقیہ احکام میں وہ مسلمانوں کی طرح سے ہونگے اور جو چیزیں اہل اسلام کے لئے جائز ہونگی وہی ان کے لئے بھی کیونکہ انہو ننے دار الاسلام میں قیام کرکے اس کے قوانین کی پابندی کا التزام کیا ہے، لہذا خمر وخنزیر جن کا استثنا نص ہے بقیہ احکام مساوی ہوگا، ''یجوز لہم منہا ما یجوز للمسلمین ویمتنع علیہم ما یمتنع علیہم؛ لأنہم مکلفون بموجب البیاعات محتاجون إلی مباشرتہا والتصرفات، وقد التزموا أحکامنا بالإقامۃ فی دارنا، فلا یجوز منہم بیع درہم بدرہمین، فیما بینہم الخ'' (فتح القدیر ۱۲۲،۷)۔

یعنی دونوں کا مساوی حکم دار الاسلام میں ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ''أعلمہم، فإن لہم ما للمسلمین وعلیہم ماعلی المسلمین''، یہ احکام اہل ذمہ کے ساتھ خاص ہیں لہذا غیر مسلمین اپنے ممالک میں اپنے طریقے کے مطابق جو معاملات کرینگے اس میں وہ آزاد ہیں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں جیسا کہ (تاتارخانیہ ۶۴،۱۰) سے نقل کیا جاچکا ہے، نیز اگر وہ دار الاسلام میں اپنے طور طریقے کے مطابق کوئی معاملہ کریں گرچہ سود وربا پر مشتمل ہو تو بھی ان سے تعارض نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ اپنے معاملے میں آزاد ہیں، البتہ اگر دار القضاء میں ان کا معاملہ جائے گا تو اس وقت وہ احکام اسلام کے پابند ہونگے دار القضاء میں جانے سے پہلے وہ آزاد ہیں جیسا کہ ''أمرنا بترکہم وما یدینون'' کا یہی تقاضا ہے اور حضرات فقہاء نے بھی ان کے حق میں معاملات کے فساد کو مقید کیا ہے دار القضاء میں لے جانے کے ساتھ اور فقہاء کی قیودات معتبر ہوتے ہیں، لہذا اگر معاملہ دار القضاء تک نہ جائے تو اس وقت وہ آزاد ہیں، ''لو اعتقد وحل ما مات حتف أنفہ أن یصح بیعہ (إذا) ارتفعوا إلینا نحکم ببطلانہ، وأیضاً لو اعتقد أحل السلم أو الصرف أو نحوہما بدون شرطہ المعتبرۃ عندنا نحکم بینہم بشرعنا'' (شامی ۴۸۱،۷)۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی چند صورتیں سوالات کی روشنی میں

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی•

حکومت کا بنیادی مقصد عوام کی ضروریات کی کفالت کرنا ہوتا ہے اور مشکلات کا آسان حل پیش کرنا ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں خوش حالی، امن وامان اور سلامتی کا ماحول سازگار ہوتا ہے، باشندگان وطن کے لئے خوب سے خوب تر روزگار مہیا ہوتے ہیں، اگر حکومتیں اسلام کی بنیاد پر قائم ہوں تو ہر قدم پر اسلام اور اس کے قوانین وہدایات کو ملحوظ رکھتی ہے یا رکھنی چاہئے، لیکن حکومت اگر غیر اسلامی یا سیکولر ہو تو اس کے پیش نظر صرف ترقی کرنا اور آگے بڑھنا ہوتا ہے، راہ کی شرعی خرابیوں، اور جائز وناجائز صورتوں سے سروکار نہیں، آج دنیا کی اکثر آبادی کی حکمرانیاں دوسری نوعیت ہی کی علم بردار ہیں، ہمارا ملک بھی سیکولر ہے جہاں کثیرمذہبی انسانوں کی آبادی ہے ان میں مسلمانوں کی تعداد دوسروں کی بنسبت حقیقی معنوں میں بہت زیادہ ہے، حکومت معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کے احساس کے نام پر سرکاری اسکیمیں بناتی ہے ان سے استفادہ کا حق ایک شہر ہونے کے ناطے مسلمانوں کو بھی اتنا ہی ہے جتنا دوسرے باشندگانِ وطن کو، ملک کا خزانہ کسی مخصوص طبقہ کے لئے خاص نہیں سب کو یکساں حق حاصل ہے، مگر مسلمانوں کو بعض اوقات ان اسکیموں سے استفادہ میں الجھنیں ہوتی ہیں، کیونکہ بعض اسکیموں کی بنیادیں سود وقمار جیسے لعنتی نظام پر قائم ہیں، نیز ان اسکیموں سے کبھی تو اعانت کے نام سے جس کو سبسڈی سے تعبیر کیا جاتا ہے، انسانو نکو رقوم حاصل ہوتی ہیں جو قابل واپسی نہیں ہوتی، اور کبھی قرض کے نام پر رقوم فراہم کی جاتی ہیں جس کے بعض حصے کو حکومت معاف بھی کردیتی ہے، اور بعض حصے کو وصول کرتی ہے، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سارا ہی معاف ہوجاتا ہے، تو کبھی قرض کی ادائیگی شرح سود کے ساتھ کرنی پڑتی ہے۔

سود، اور سود پرمبنی نظام اسلامی معاشی قانون مینانتہائی قابل نفرت ومذمت ہے، خاص طور پرجب معاملہ قرض کا ہو تو اس کی قباحت وشناعت دوچند ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے وہ تمام انتفاع جو مقروض کی جانب سے بحق قرض ہو اور مشروط ہو حرام سمجھے جاتےہیں کیونکہ یہی آہستہ آہستہ اصل قرض میں سود کا سبب بن جائے گا، فقہاء نے بطور قاعدہ بیان کیا ہے:

• خادم حدیث وفقہ مدرسہ حسنیہ کایم کلم، کیرالہ۔

''کل قرض جر نفعاً حرام أی: إذا کان مشروطاً'' (رد المحتار۴،۱۹۴ فصل فی القرض ط: رشیدیہ پاکستان) (ہر وہ قرض جس میں نفع کی شرط ہو حرام ہے)۔

پھر اسی قاعدے کی روشنی میں مختلف قسم کے قرضوں اور ان پر ہونے والے نفع کو منع کیا گیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اوقات قرض لئے بغیر چارہ بھی نہیں ہوتا، اعانت کی کوئی شکل نہیں ہوتی تو ایسے موقع پر استثنا بھی کیا گیا ہے۔

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر: ۲۶۷ الفن الاول، القاعدۃ الخامسۃ، الضرر یزال)۔

کس قرض کو ضرورت مند کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے لئے جائز قرار دیا جائے، اور کون سی صورت ''کل قرض جر نفعاً'' کے ساتھ لاحق کرکے حرام وناجائز ہو، مندرجہ ذیل سطور میں اس بابت کچھ لب کشائی کی جارہی ہے۔

(۱) معافی والے قرضے کا حکم:

حکومت بعض اوقات ایسے قرضے فراہم کرتی ہے جو بعد میں معاف کردیئے جاتے ہیں یا اس کا کچھ حصہ معاف کردیاجاتا ہے، اگر بوقت قرض نہ تو معافی مشروط ہو اور نہ معروف ہو تو بظاہر ایسے قرضے کی حصولیابی میں کوئی حرج نہیں ہے، ہر قرض دہندہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ قرض کا کل حصہ یا بعض حصہ معاف کردے، حکومت تو بہرحال ہمارے نفع ونقصان کی ضامن ہی ہے، اگر معاف کرتی ہے تو اس میں حرج کیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے جہاں حسن قضاء کی اہمیت پر زور دیا ہے، اپنے ارشادات میں دین وقرض کو کم کرنے اور معاف کرنے کی سفارش وترغیب بھی دی ہے، ان واقعات کا احاطہ کرنا مختصر سی تحریر میں مشکل ہے، تاہم ایک دوواقعہ کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہےجن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول نے دین معاف کرنے یا دین وقرض کے کچھ حصہ کو کم کرنے کی ترغیب دی ہے۔

الف: حضر ت کعب بن مالک وعبد اللہ بن ابی حدود ؓ کے مابین ایک معاملہ تھا، یا تو دَین کا تھا یا قرض کا، حضرت کعب نے اپنے مطالبہ میں سختی برتی حتی کہ آواز تھوڑی بلند ہوگئی اللہ کے رسول تک جب آواز پہنچی تو روایتوں میں آتا ہے:

''کشف سجف حجرتہ ونادی کعب بن مالک، فقال: یا کعب: فقال: لبیک یا رسول اللہ، فأشار بیدہ أن ضع الشطر من دینک، قال کعب:قد فعلت یا رسول اللہ الخ '' (بخاری۱،۶۸ کتاب الصلاۃ ، باب رفع الصوت فی المسجد) (رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کے پردے کو ہٹاکر کعب بن مالک کو آواز دی، کعب نے لبیک یا رسول اللہ کہتے ہوئے جواب دیا، اللہ کے رسول نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے نصف دَین کو معاف کردو، حضرت کعب نے فرمایا: یا رسول اللہ میں نے معاف کردیا)۔

ب: حضرت جابر بن عبد اللہ کے والد بزرگوار کا معاملۂ قرض حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے، یہودیوں سے کھجور لے رکھا تھا، مگر غزوۂ احد میں جامِ شہادت پینے سے پہلے اپنے نوعمر اکلوتے صاحبزادے حضرت جابر سے ادائیگی کی وصیت کی، حضرت جابرچاہتے تھے کہ یہود ان کے قرض کو یا تو موخر کردیں یا کچھ معاف کردیں، مگر وہ تیار نہیں ہوئے بالآخر اللہ کے رسولﷺ نے بھی شفاعت کی، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، الفاظ حدیث ہیں:

''عن جابر قال: أصیب عبد اللہ وترک عیالاً ودَیناً فطلبت إلی أصحاب الدین أن یضعوا بعضاً، فأبوا، فأتیت النبیﷺ فاستشفعت بہ علیہم فأبوا'' (بخاری۱؍۳۲۴ کتاب الاستقراض، باب الشفاعۃ فی وضع الدین) (حضرت جابر فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ شہید ہوئے، عیال ودین چھوڑ گئے تو میں نے قرض دہندہ حضرات سے درخواست کی کہ بعض حصے کو معاف کردیں مگر انہوں نے نہ مانا، تو اللہ کے رسولﷺ کی خدمت میں آکر سفارش کی درخواست کی، اس کوبھی ان حضرات نے تسلیم نہیں کیا۔

ج۔ غازی ومجاہد کے مال میں برکت بے انتہاء ہوتی ہے، اس کے تحت حضرت زبیر بن عوام کے قصہ کو بھی ادائیگی قرض کے باب میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اور بہت تفصیل سے اس کی اہمیت بیان بھی کی جاتی ہے، اس کا ایک حصہ یہ بھی ہے: ''فأتاہ عبد اللہ بن جعفر وکان لہ علی الزبیر أربع مائۃ ألف فقال لعبد اللہ: إن شئتم ترکتہا لکم، قال عبد اللہ: لا'' (بخاری ۱؍۴۴۱ کتاب الجہاد، باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً ومیتاً) (ابن زبیر کے پاس حضرت عبد اللہ بن جعفر آئے، ان کا حضرت زبیر کے ذمہ چار لاکھ درہم قرض تھے، تو ابن زبیر نے کہا: اگر چاہو تو میں اس کو چھوڑ دوں، یعنی معاف کردوں، حضرت عبد اللہ بن زبیر نے کہا: نہیں)۔

ان سب واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب حق اگر بلا پیشگی شرط اپنا کل حق یا بعض حق معاف کردے تو تحسین کی نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔

(۲) مقررہ مدت میں معافی، بعدہ کل کی ادائیگی لازم:

قرض کی ادائیگی میں اصل تو یہی ہے کہ جتنا لیا گیا ہے اتنا بلا کم وکاست ادا کردیا جائے، اگر قرض دہندہ ادارہ کسی خاص مدت میں واپسی پر کچھ معافی کا اعلان کرتا ہے تو یہ بھی اپنےحق سے سبکدوش ہونا ہے، اس لئے ایسے اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں حرج نہیں ہے، البتہ پہلے سے یہ بات معلوم ومعروف ہو تو پھر محل شبہ ہوگا، اس کا حل اس طرح ہوسکتا ہے کہ مقررہ مدت میں ادا ہی نہ کیا جائے، تاکہ سارا ہی قرض ادا کرنا ضروری ہوجائے، اس طرح شبہ ربا سے بھی حفاظت ہوجائے گی۔

(۳) مقررہ مدت کے بعد ادا کرنے کی صورت میں قرض سے زائد رقم کی ادائیگی:

اگر مقررہ مدت کے بعد ادا کرنے کی صورت میں لی ہوئی رقم سے زائد ادا کرنی پڑتی ہے تو عین ربا ہے، جس کی حرمت میں کسی قسم کا کلام نہیں ہے، اس کا لینا دینا دونوں حرام ہے، کافر ومسلم کی قید سے بھی بالاتر ہے، اس لئے شدید مجبوری کے بغیر اس طرح کے قرض لینے کا اقدام کرنا جائز نہیں ہے، یہ ربا الفضل ہے جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

(۴) اگر زائد رقم کی مقدار کم ہو جس کو سروس چارج بنایا جاسکتا ہو:

قرض دینا تبرعات کی قبیل سے ہے، مگر اس کا لکھنا، حساب وکتاب کو محفوظ رکھنا معاملات اور اجارہ کے باب سے ہے اور معاملات واجارہ میں اجرتِ مثل کےبقدر رقم فکس کی جاسکتی ہے جس کو سروس چارج کہہ لیاجائے یا انتظامی خرچ کے دائرے میں رکھا جائے، اس کی بعض نظیریں بھی ملتی ہیں۔

''یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز بغیرہ کالمفتی، فإنہ یستحق أجر المثل علی کتابۃ الفتوی؛ لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان، ومع ہذا الکف أولی احترازاً عن القیل والقال، وصیانۃ لماء الوجہ عن الابتذال'' (درمختار علی الرد ۶۳٫۵ کتاب الاجارہ، مسائل شتی، ط: رشیدیہ پاکستان) (قاضی دستاویز ورجسٹر لکھنے پر اتنی اجرت کا مستحق ہوتا ہے جتنا دوسروں کے لئے جائز ہے جیسے مفتی، کیونکہ فتوی نویسی پر اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے اس لئے کہ اس پر واجب زبان سے جواب دینا ہے نہ کہ ہاتھ سے لکھ کر، باوجود اس کے اس سے اپنے آپ کو بچانا اولی ہے، قیل وقال سے بچنے کی خاطر اور ذلت سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی غرض سے)۔

اسی طرح اگر اتنی زائد رقم لی جارہی ہے جو اجرت مثل بن سکتی ہے تو اس کو سروس چارج کے دائرے میں رکھ کر روا رکھا جائے گا، حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کا رجحان بھی اسی کی جانب ہے (دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی ۴۳۶٫۲۰ کتاب المعاملات، ط: ایفا)۔

(۵) اگر زائد رقم سروس چارج کے ضمن میں نہ آسکتی ہو:

لیکن زائدرقم جو لی جارہی ہے وہ معمول سے زیادہ ہے جس کو سروس چارج یا انتظامی خرچ کے دائرے میں نہیں لاسکتے، کیونکہ اس طرح کے معاملات میں اتنی زائد رقم کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ سود وربا ہے جو کل قرض جر نفعاً کے باوصف حرام ہوگا۔

البتہ قرض لینے والا کسی مجبوری ولاچاری کی وجہ سے لے رہا ہے، مثلاً ضرورت کے بقدر مکان کی تعمیر مقصود ہے یا کاشتکاری وباغبانی جس پر اس کی زندگی وخوردو نوش کا انحصار ہے، اس کے لئے ضروری خرچہ تک مہیا نہیں ہے، یا کسی اور کاروبار کے لئے قرض لینا چاہ رہا ہے کہ بدون اس کے اس کی زندگی اجیرن ہوگی تو یہ

ضرورت وحاجت کی صورت ہوتی ہے، ضرورت وحاجت کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر: ۲۶۷ الفن الاول، القاعدۃ الخامسۃ) (نفع کے ساتھ قرض لینا حاجت مند کے لئے جائز ہے)۔

لیکن یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ اس قرض سے مقصود محض طرز رہائش کی بلندی اور کشائش وآسودگی کی افزونی نہ ہو، اگر بدون اس قسم قرض کے زندگی کی گاڑی پٹڑی پر رواں دواں رہ سکتی ہے تو سودی قرض پر اقدام کی گنجائش نہیں ہوگی، سود پر لعنت اللہ ورسول دونوں نے بھیجا ہے۔

(۶) مختلف ضروریات کی فراہمی کے لئے حکومت کی طرف سے امدادی رقوم:

لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا اور ان کو پورا کرنے کے لئے سامان فراہم کرنا حکومت کی اولین ذمہ داری ہے، ملکی خزانہ جہاں دوسرے رفاہی کام ہوتے ہیں باشندگان وطن کی بنیادی ضروریات کی تکمیل بھی کی جاتی ہے، مثلاً مکان کی تعمیر، بیت الخلاء کا انتظام، تعلیمی ضرورتوں کی تکمیل وغیرہ ان ضروریات کی تکمیل کی کفالت سے ہی ملک کی ترقی سمجھی جاسکتی ہے، گورنمنٹ بلا تفریق کچھ معیار بناکر لوگوں کو امدادی رقوم دیتی ہے، یہ محض امداد واعانت ہے، اگر گورنمنٹ کے معیار کے مطابق کوئی ہے تو اس کو لینے میں اور استفادہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷، ۸) امدادی رقوم کی حصولیابی کے لئے واسطہ بننے والے کے لئے محنتانہ کا حکم:

امدادی رقوم کو حاصل کرنے میں کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے جو ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے اس کے لئے کچھ ایجنٹ ہوتے ہیں جو کام کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچاتے ہیں اور محنت کی مزدوری بھی وصول کرتے ہیں، حقیقت میں یہ دلالی ہے، مبسوط میں ہے: ''السمسار اسم لمن یعمل للخیر بالأجر بیعاً وشراءً'' (المبسوط سرخسی ۱۱۵،۱۵ باب السمسار) یعنی جو واسطہ ہو، اصل نہ ہو اور تگ ودو کرتا ہے تو وہ دلال ہوتا ہے، دلال کی اجرت کا مدار عرف پر ہے حتی کہ اگر پرسنٹ کے حساب سے طے ہوجائے تو فقہاء نے اس کی گنجائش دی ہے، حضرت تھانویؒ کا رجحان بھی اس کے جواز، بلکہ فی صد کے حساب سے بھی جواز کا ہے (امداد الفتاوی ۲۹۳،۳ سوال نمبر ۳۳۳)۔

رد المحتار میں ہے:

''وإن سعی بینہما وباع المالک بنفسہ یعتبر العرف، فتجب الدلالۃ علی البائع أو المشتری أو علیہما بحسب العرف'' (الدر مع الرد ۴۶،۴ کتاب البیوع، مطلب: فساد المتضمن یوجب الخ) (اگر دو شخصوں کے مابین سعی کرے، لیکن بیع خود مالک کرے تو عرف کا اعتبار ہوگا اور بائع یا مشتری یا دونو نکے لئے عرف کے اعتبار سے دلال کا حکم ثابت ہوجائے گا)۔

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ ایک فتوی میں رقمطراز ہیں:

''دلال سو روپے میں خرید کر ایک سو پانچ روپیہ میں بیچ دے تو یہ جائز ہے، مگر

اس صورت میں صرف پانچ روپے کا نفع ہوا اور یہ دلالی کی صورت نہیں ہے، دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن کی حتمیت معلوم ہوتی ہے، اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو، خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو '' (فتاوی محمودیہ ۱۷۰،۴ دلالی کی اجرت، نسخہ قدیم)۔

لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ وہ دلال وایجنٹ جو واسطہ بن کر محنت کررہا ہے اس قسم کی محنت اس کے فرائض منصبی میں سے نہ ہو، اگر اس کے ذمہ یہ کام عائد ہی ہوتا ہےجس کی وجہ سے وہ محنت وکوشش کرتا ہے تو اس کے لئے محنتانہ رشوت کے درجہ میں ہوگا جسے لینے کی گنجائش تو قطعاً نہیں ہوگی، ہاں دینا بھی اس وقت جائز ہوگا، جبکہ حق کا حصول بدون اس کے ممکن نہ ہو۔

(۹) رشوت دینے کا حکم:

اللہ کے رسول نے عام حالات میں رشوت کے لینے ودینے دونوں سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی فی حکم'' (ترمذی۲۴۸،۱ ابو اب الاحکام، باب ما جاء فی الراشی والمرتشی، قال حدیث حسن) (رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی فیصلہ کی بابت رشوت دینے ولینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے)۔

البتہ بعض ناگزیر حالات ایسے بھی ہیں جن میں رشوت دیئے بغیر کام نہیں چلتا، بالخصوص آج کے سرکاری دفاتر وآفیسز کا جو حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، وہاں کا ہر چھوٹا وبڑا منہ کھولے بیٹھا ہے، جب تک اس کے حلق کے نیچے لقمۂ حرام نہیں جاتا کسی کام کو انجام دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا، مسلمانوں کے ساتھ تو ویسے بھی دوغلی پالیسی برتی جاتی ہے، گندی سیاست کےتحت ہر قسم کے منافع کا ارتکاز کرلیا گیا ہے، حالات دن بدن بد سے بدتر بلکہ بدترین ہوتے جارہے ہیں، آئندہ ہمارے حکمراں اور ان کے نوکرشاہ کیا کیا ناچ نچوائینگے کہنا مشکل ہے، آج کے حالات میں کسی بھی امدادی فنڈ سے فائدہ اٹھانا جوئے شیر لانے کے مرادف ہے، ہاں اگر رشوت وگھوس کے لئے جیب ڈھیلی کرلی جائے تو ہر طرح سےکام بنتا نظر آتا ہے، لہذا حاجت مند حضرات کے لئے رشوت دے کر اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے، جو بھی وبال ہے وہ لینے والے پر ہوگا، علامہ شامی نے رشوت لینے ودینے کی چار قسمیں کی ہیں، تیسری قسم کو یوں بیان کرتےہیں:

''الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع، وهو حرام على الآخذ فقط'' (رد المحتار ۳۳۸،۴ كتاب القضاء، مطلب: فى الكلام على الرشوة والهديه) (تیسری قسم ہے، مال لینا تاکہ دینے والے کے معاملہ کو سلطان کے پاس ٹھیک کردے ضرر کو دفع

کرنے یا نفع حاصل کرنے کے لئے تو یہ صرف لینے والے پر حرام ہے)۔

''ومنہا:إذا دفع الرشوۃ خوفاً علی نفسہ أو مالہ، فہو حرام علی الآخذ، غیر حرام علی الدافع، وکذا إذا طمع فی مالہ، فرشاہ ببعض المال'' (البحر الرائق ۲۵۲،۶ کتاب القضاء، ط: مکتبہ رشیدیہ پاکستان) (رشوت کی ایک قسم یہ ہے کہ رشوت جان یا مال کے خوف کی وجہ سے دیا ہے تو یہ لینے والے پر حرام ہے نہ کہ دینےو الے پر، اسی طرح جب مال کی خواہش کی ہے تو اس نے اس کو کچھ رشوت میں دیا ہے)۔

نیز لینے والے کے لئے یہ حرمت اس وقت ہے، جبکہ لینے والا اس کام کے لئے مقرر ہو، اگر لینے والے کے فرائض منصبی میں سے وہ کام کرنا نہ ہومحض وہ اعانت کرنا چاہ رہا ہے تو اس کو مال دینارشوت نہیں، بلکہ اجرت ہوگا، اور جائز ہوجائے گا۔

موسوعہ فقہیہ میں البحر الرائق کے حوالہ سے مذکور ہے:

''إعطاء إنسان غیر مؤظف عند القاضی أو الحاکم مالاً لیقوم بتحصیل حقہ لہ؛ فإنہ یحل دفع ذلک وأخذہ'' (موسوعہ فقہیہ۲۲۳،۲۲) (کسی ایسے انسان کومال دینا جو قاضی یا حاکم کےپاس ملازم نہیں ہے ؟ تاکہ حق کو حاصل کرسکے تو اس کو دینا اور لینا حلال ہے)۔

(۱۰) غلط طریقے سے امدادی رقوم کو حاصل کرنا:

کسی شئی کے حلال ہونے کے لئے دوباتیں لابدی ہیں، ایک تو فی نفسہ وہ شئی حلال ہو، دوسرے حصول کے طریقے میں کوئی خرابی نہ ہو۔

امدادی رقوم کو حاصل کرنے کے لئے جو معیارات متعین ہیں ان کی پاسداری ازبس ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی ، نیز کذب بیانی ودروغ گوئی، دھوکہ وفریب کے ذریعہ حاصل کرنا شریعت کی نگاہ میں حرام ہوگا، اللہ کے رسولﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من غش فلیس منا'' (ترمذی۲۴۵،۱ ابواب البیوع، باب ما جاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع) (جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

کذب ودروغ گوئی کی شناعت میں متعدد حدیثیں وارد ہیں، ایک حدیث میں تو رسول اللہﷺ نے اتنی بار ''ألا وقول الزور'' کہا کہ صحابہ پریشان ہوگئے اور تمنا کرنے لگے ''لیتہ سکت'' جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے سخت بدبوپھیلتی ہے فرشتے بھی نفرت کرنے لگتے ہیں، حدیث کے الفاظ ہیں:

''إذا کذب العبد تباعد عنہ الملک میلاً من نتن ما جاء بہ، وقال حسن '' (ترمذی ۱۸،۲ ، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الصدق والکذب)(جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ ایک میل اس کی بدبو سے دور ہوجاتا ہے)، علامہ نووی نے اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''أما المخادعۃ فی منع ما علیہ أو علیہا أو أخذ ما لیس لہ أو لہا فہو حرام بإجماع المسلمین'' (شرح النووی علی مسلم ۱۵۸،۱۶) (بہرحال اپنے اوپر جو واجب ہے اس کو روکنا اور ناحق کو طلب کرنے میں دھوکہ دہی تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حرام ہے)۔

‘‘موسوعہ فقہیہ ’’میں ہے:

‘‘اتفق الفقہاء علی أن الغش حرام سواء أکان بالقوم أم بالفعل، سواء أکان بکتمان العیب فی المعقود علیہ أو الثمن، أم بالکذب والخدیعہ، وسواء أکان فی المعاملات أم فی غیرہا من المشورۃ والنصیحۃ’’ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ ۲۱۹،۳۱) (فقہاء کا اتفاق ہے کہ دھوکہ دینا حرام ہے خواہ قول سے ہو یا فعل سے، یا سامان کے عیب یا قیمت کو چھپا کر ہو یا جھوٹ ودھوکہ دہی سے، خواہ معاملات میں ہو یا مشورہ ونصیحت میں)۔

اس تفصیل کا تقاضا ہے کہ متعین معیار پر نہ اترنے والے حضرات محض تکثیر مال کے لئے جھوٹ وفریب جیسے گناہ کا ارتکاب نہ کرے، یہ اس کے حق میں خسارہ کا سامان ہے، نیز بے برکتی کا خمیازہ کسی نہ کسی وقت ضرور بھگتنا پڑسکتا ہے، اگر کسی نہ کسی مصلحت الہی سے یہاں ڈھیل ہوبھی گئی تو آخرت کا معاملہ بہت سخت اور نازک ہے۔

(۱۱) حکومت جو قرض بینک کے توسط سے دلاتی ہے:

انٹرسٹ وسود خود دے یا کسی کے توسط سے دلائے اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا، مگر صورت حال یہ کہ حکومت کسی کو قرض دلارہی ہے اور وہ قرض واپس بھی ہورہا ہے، اور انٹرسٹ حکومت ادا کررہی ہے، قرض لینے والا تو اسی رقم کو واپس کرتا جو لیا ہے، یہاں پر دو معاملہ ہے اصل قرض دہندہ تو حکومت ہے، بینک محض ثالث کی حیثیت سے ہے، ایک معاملہ بینک کا گورنمنٹ کے ساتھ ہے، دوسرا معاملہ حکومت کا قرض گرندہ کے ساتھ ہے۔ چونکہ قرض گرندہ کو اس پر سود دینا نہیں پڑرہا ہے، لہذا یہ معاملہ جائز ہوگیا۔ دوسرا معاملہ حکومت وبینک کے مابین ہے جس میں سود کا معاملہ ہورہا ہے، لہذا قرض گرندہ کا حکومت سے بینک کے توسط سے قرضہ لینا جائز ہوگا۔ جیسا حوالہ میں ہوتا ہے، تین نفری معاملہ ہوتا ہے، ہر نفر کا معاملہ اپنے فریق سے جداگانہ سمجھا جاتا ہے اور ایک معاملہ کی حرمت دوسرے کے اوپر اثرانداز نہیں ہوتی ہے، ایسا ہی قرض کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے۔

لیکن قرض دہندہ بینک کو ہی قرض سے زائد رقم واپس کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل قرض دہندہ بینک ہے حکومت محض سفارشی اور واسطہ ہے، اب معاملہ بینک اور قرض گیرندہ کے مابین ہے، ان دونوں کے مابین معاملہ سود پر مبنی ہے، اس لئے ناجائز ہے، واللہ اعلم۔

(۱۲) محفوظ فنڈ سے تعاون:

بعض اسکیمیں ایسی بھی ہیں جن میں حکومت نے محفوظ فنڈ قائم کیا ہے، اس کا انٹرسٹ وصول کرتی ہے، اور اس رقم سے مختلف افراد واشخاص، نیزرفاہی اداروں کی مدد کرتی ہے، یہ حکومت کی طرف تعاون کی ایک شکل ہے، انٹرسٹ جمع کرنے کا معاملہ حکومت سےمتعلق ہے، کافر سود خورونسے ہدیہ وتحفہ لینے میں، دعوت قبول کرنے میں کبھی بھی حجاب محسوس نہیں کیاگیا ہے، مختلف واقعات ہیں جن میں رسول

اللہ ﷺ نے یہود بے بہبود سے جن کی امتیازی شان ''أکالون للسحت'' (سورہ مائدہ: ۴۲) بیان کی گئی ہے، جب ان کی طرف سے بھی ہدیہ وتحفہ آیا تو قبول کرلیا گیا، اور استعمال بھی کیا گیا، امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے اور چار قصے بیان کرکے کافروں سے تعاون یا بالفاظ دیگر ہدیہ قبول کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

(۱) ملک ایلہ کی طرف سے دلدل نامی خچر ہدیہ میں آیا جس کو اللہ کے رسول آخر زندگی تک اپنے استعمال میں رکھے رہے۔

(۲) دومۃ الجندل کے اکیدر نامی نصرانی بادشاہ نے ایک رومال ہدیہ کیا جوبہت ہی نفیس تھا۔

(۳) یہود خیبر کی ایک خاتون کی دعوت میں شریک ہوئے جس نے بکری میں زہر ملا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اس کا ایک لقمہ بھی آپ نے منہ میں رکھ لیا تھا، مگر وحی کے ذریعہ جب علم ہوا تو اگل دیا، اس زہر کا اثر ہر سال ظاہر ہوا کرتا تھا حتی کہ وفات کے سال اس کا کافی اثر رہا۔

(۴) ایک غزوہ میں ۱۳۰ مجاہدین کا قافلہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا، کیا کسی کے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ ایک صحابی کے پاس ایک صاع طعام تھا، اس کو گوندھا گیا ادھر ایک لمبا تڑنگا مشرک اپنی بکریوں کو ہنکاتا ہوا آیا، اللہ کے رسول نے دریافت کیا ''بیعاً أم عطیۃ، أو قال: أم ہدیۃ'' (بیع ہے یا تحفہ) اس مشرک نے جواب دیا کہ بیع ہے، آپ نے ایک بکری خرید لی (بخاری ۳۵۶،۱ کتاب الہبۃ وفضلہا، باب قبول الہدیۃ من المشرکین)۔

معلوم ہوتا ہے کہ کافروں بلکہ سود خوروں کے مال کو بشرطیکہ وہ کافر ہو لینے میں حرج نہیں ہے، ظاہر ہے ہندوستان کی حکومت کافروں کی حکومت ہے، شریعت کا پاس ولحاظ کیونکر کرے گی، ہر چند کہ کفار بھی معاملات میں شرعی حدود کے پابند ہیں، مگر اس کا تعلق آخرت سے ہے، اس لئے ان کے مال سے انتفاع کی گنجائش ہے، فتاوی دار العلوم کے ایک فتوی سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

''کفار کے حق میں سود حرام نہیں ہے؛ کیونکہ وہ مکلف فروعات کے نہیں ہیں، لہذا ان سے چندہ لے کر مسجد وعیدگاہ بنوانا درست ہے اور نماز اس میں درست ہے، اور ''إنما یعمر مساجد اللہ '' (سورہ برأت: ۱۷، ۱۸) کے منافی نہیں ہے، کیونکہ تعمیر کرانے والے مسلمان ہی سمجھے جائینگے، کفار سے چندہ لے کر مسلمان تعمیر کراتے ہیں '' (فتاوی دار العلوم بترتیب جدید ۴۸۱،۱۴)۔

سرکاری اسکیموں اور حکومت کے سودی قرضوں سے استفادہ

مولانا ومفتی شاہد علی قاسمی•

ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور یہ ملک جمہوری ہے، جو انسان کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق چلتا ہے، ایسے ملک میں یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ اس کا قانون اور اس کی فلاحی ورفاہی اسکیمات اسلامی شریعت کے مطابق ہوں، نیز مسلمانوں کے ساتھ حکومت کا دوہرا معیار ایک واضح حقیقت ہے، مسلمانوں کو حاشیہ پر رکھنے اور نظر انداز کرنے کی پالیسی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جبکہ اس ملک کے گیسو کو سنوارنے میں مسلمانوں کا اہم رول رہا ہے، اور ملک کو آزاد کرنے میں مسلمانوں کی قربانیاں دوسری مذہبی اکائیوں کے مقابلہ زیادہ ہیں، اس لئے حکومت کےخزانہ پر دوسری مذہبی اکائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی برابر کا حق ہے، سرکاری ملازمت ہو یا کوئی عہدہ، سرکاری مراعات ہوں یا کوئی اسکیم، سب میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے اور انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ مسلمان ایسے معاملہ اور لین دین کو قبول نہیں کرسکتا جہاں شریعت اجازت نہ دیتی ہو،جیسے بینک کی ملازمت وغیرہ، اس تمہید کے بعد سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی بابت سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

جواب: سوال نمبر: ۱، ۲، ۳

اسکیم والا قرض حاصل کرنا:

حکومت کی ایسی اسکیم جس میں حکومت عوام کو قرض دے اور قرض کا ایک حصہ معاف کرے، ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم'' (البقرہ: ۲۸۰)۔

(اگر مقروض تنگ دست ہو تو تونگری آنے تک مہلت دی جائے اور یہ کہ تم معاف کردو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے)۔

قرض کے کل یا بعض حصہ کو معاف کرنا شرعاً ہبہ ہے، اور ہبہ ایک پسندیدہ عمل ہے۔

ایسی سرکاری اسکیموں میں کچھ قیود بھی ہوتی ہیں،ان میں ایک یہ کہ حکومت ادائیگی کی مدت متعین کردیتی ہے، اس مدت کےاندر ادائیگی سے مقروض معافی والے حصہ سے مکمل استفادہ کرسکتا ہے، لیکن اگر مقروض اس مدت میں ادا نہیں کرپاتا ہے تو پہلے سے مقرر معاہدہ کے مطابق ماہانہ انٹرسٹ کی خاص مقدار کے ساتھ قرض کی واپسی

• استاذ وناظم تعلیمات: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

کرنی پڑتی ہے، مقروض جتنی تاخیر کرتا جائے گا، انٹرسٹ کی رقم بڑھتی جائے گی، اور بڑھتے ہوئےوہ مرحلہ بھی آتا ہے جب واجب الاداء اصل رقم اور انٹرسٹ کی رقم دونوں کا مجموعہ اس رقم کے برابر ہوجاتا ہے جتنی رقم اولاً حکومت نے دی تھی۔

مثال کے طور پرحکومت نے ایک ہزار روپے قرض دیا، اور کہا کہ چار سو روپے معاف ہے، باقی چھ سو روپے پانچ مہینہ میں ادا کرو، اگر مقروض نے پانچ مہینہ میں قرض (چھ سو روپے) واپس نہیں کیا تو آنے والے مہینوں میں انٹرسٹ کے ساتھ واپس کرنا پڑے گا، اگرماہانہ پچاس روپے انٹرسٹ لگ رہا ہے تو آٹھ ماہ کی تاخیر پر اسے مجموعی طور پر چار سو روپے انٹرسٹ کے اور چھ سو روپے اصل رقم یعنی کل ایک ہزار روپے واپس کرنے پڑ رہے ہیں، مزید تاخیر کی صورت میں یہ رقم مزید بڑھتی چلی جائے گی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں غور کیا جائے توچار صورتیں بنتی ہیں، ایک یہ کہ مقروض وقت پر قرض واپس کردے، جس میں انٹرسٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، دوسری یہ کہ کچھ تاخیر ہوئی، یعنی اتنی تاخیر کہ واجب الاداء اصل رقم کے علاوہ مزید کچھ رقم دینی پڑرہی ہے، لیکن اتنی رقم بھی نہیں کہ اس کا مجموعہ واجب الاداء اصل رقم اور معافی والی رقم کے مجموعہ کو پہنچ جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ اتنی تاخیر ہوجائے کہ واجب الاداء اصل رقم اورانٹرسٹ کی رقم کا مجموعہ واجب الاداء اصل رقماور معافی والی رقم کے مجموعہ کے برابر ہوجائے، چوتھی صورت یہ ہے کہ واجب الاداء اصل رقم اور انٹرسٹ کی رقم کا مجموعہ واجب الاداء اصل رقم اور معافی والی رقم کے مجموعہ سےبڑھ جائے۔

اگر پہلی صورت ہوجس میں انٹرسٹ کاسامنا ہی کرنا نہیں پڑتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، دوسری اور تیسری صورت جس میں انٹرسٹ دینا پڑتا ہے، وہ بھی حقیقت میں انٹرسٹ نہیں ہے، کیونکہ مقروض نےحکومت سے جتنا روپیہ لیا تھا، اسے واپس کرتے ہوئے یا تو اتنا ہی واپس کرنا پڑرہا ہے یا اس سے بھی کم اور جب مقروض بڑھ کر واپس نہیں کررہا ہے تو اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا، کیونکہ سود نام ہے اس زیادتی کاجو عوض سے خالی ہو۔

''ہو (الربوا) الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ'' (ہدایہ ۷۸،۳، ط: دیوبند)۔

اور زیر بحث صورت میں زیادتی کی بات ہی نہیں ہے؛ بلکہ واپسی برابری کے ساتھ ہورہی ہے،یا حاصل کردہ رقم سے کچھ کم ہی، متعدد اکابر علماء نے بھی اس کے جواز کی صراحت کی ہے، سابق مفتی دار العلوم دیوبند مفتی نظام الدین صاحبؒ اپناموقف پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

کسی نے پروجیکٹ سے مثلاً چار ہزار روپے کنواں کھدوانے یا مکان بنانے یا کسی اور صنعت وحرفت کےلئے نقد لئے اور محکمۂ پروجیکٹ نے اس میں سے اپنے قاعدہ کےتحت، مثلاً ایک ہزار بالکل معاف کردیئے اور فقط تین ہزار قائم رکھ کر دو سال کا موقع دیا، اور پھر دو سال بعد سے چھوٹی چھوٹی اور لمبی قسطوں میں ادائیگی کے لئے متعین کیا، اور اس میں ان قسطونپر کچھ اضافہ کرکے وصول کیا، مگر کل رقم وصول کی چار ہزار، کل رقم قرضہ سے زائد نہ ہوئی تو ان قسطوں میں اصل پر جو زیادتی محکمہ نے وصول کی، وہ سود نہ ہوگی اور یہ معاملہ بھی جائز رہے گا؛ چونکہ مجموعہ قرض چار ہزارپر زائد وصول نہیں کیا گیا (نظام الفتاوی ۱۶۴،۳، ط: نئی دہلی)۔

چوتھی صورت جس میں مقروض کو حاصل شدہ رقم سے زائد رقم دینی پڑرہی ہے، یہ یقینا سود میں داخل ہے؛ کیونکہ سود کی تعریف اس پر صادق آرہی ہے، اس لئے کہ زائد رقم ایسی زیادتی ہے، جو عوض سےخالی ہے اور یہی سود کی تعریف ہے، اور سود سے حتی الامکان بچنا ضروری ہے، سود لینا تو بہرحال جائز نہیں ہے،حرام ہے ، سود دینا بھی اصلاً ناجائز اور حرام ہے:

''لعن اللہ آکل الربا وموکلہ'' (ابوداؤد ۴۷۳،۲، باب فی اکل الربوا وموکلہ)۔

تاہم مجبوری کی صورت میں سود دینا جائز ہوجاتا ہے، علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر: ۱۴۹، القاعدۃ الخامسۃ، الضرر یزال)۔

اس لئے اگر مقروض نے محض سستی، کاہلی اور لاپرواہی یا کسی غیر معقول مجبوری کے بغیر اتنی تاخیر کی کہ حاصل شدہ رقم سے بھی زائد رقم دینی پڑرہی ہے، تو وہ شرعاً گنہ گار ہوگا، اور موکل الربوا (سود کھانے والا) کے دائرہ میں آئے گا؛ لیکن اگر کسی نے معقول مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا، جیسے وہ مختلف امراض وغیرہ میں مبتلا ہوگیا، اخراجات بڑھتے چلے گئے اور وقت پر مکمل قرض واپسی کی سبیل نہیں نکل سکی توشرعاً وہ معذور سمجھا جائے گا، اللہ کی ذات رحیم وکریم ہے، امید ہے کہ اللہ معاف فرمائیں گے۔

ایک پہلو قابل توجہ یہ ہے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں شرعاً ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ اس طرح کے قرضے اور اسکیمات سے استفادہ کنندہ کےلئے حکومت نے جو اصول وضوابط رکھے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اگر قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی چلی گئی توانٹرسٹ کی رقم بھی بڑھتی چلے گی جائے گی اور زیادہ تاخیر کی صورت میں یہ رقم حاصل کردہ رقم سے بھی بڑھ سکتی ہے، جو شرعاً سود ہے، اس طرح سے یہ ایک شرط فاسد ہے، جو صلب عقد میں ہے، اور جب صلب عقد میں فساد ہو تو اس میں کراہت ضرور ہی آئے گی؛ تاہم محض اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ایسی اسکیمات سے دور

رکھنا مجموعی طور پر نقصان اور ضرر کا باعث ہے، اس لئے ضرر عام سے بچانے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے:

''لو کان أحدہما أعظم ضرراً من الآخر، فإن الأشد یزال الأخف'' (الاشباہ والنظائر: ۱۴۳)۔

اس پس منظر میں اسکیمات سے استفادہ کنندگان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ وقت پر قرض کی واپسی کی کوشش کریں، تاکہ عملاً سود دینے سے بچا جاسکے، شدید مجبوری کے بغیر اتنی تاخیر ناجائز ہوگی کہ اسے حاصل کردہ رقم سے بھی زیادہ رقم واپس کرنی پڑے۔

جواب سوال نمبر: ۴، ۵

بینک کے جس قرضے پر شرح سود کم ہو یا زیادہ

غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ اصلاً سود ہے، خواہ شرح سود کم ہو یا زیادہ، دونوں صورتیں حرام ہیں، دکتور وہبہ زحیلی فرماتے ہیں: ''وإن قلیل الربا وکثیرہ حرام'' (التفسیر المنیر ۸۴،۴)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:سود قلیل ہو یا کثیر، سب حرام ہے (بیان القرآن ۵۷،۱)۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بینک کو اپنی سرگرمیاں انجام دینے میں بہت سارے خرچے ہوتے ہیں، ملازمین کی مناسب تعداد ہوتی ہے، کمپیوٹر کا استعمال ہوتا ہے، کرایہ کے مکان میں بینک چلتا ہو تو اس کا مناسب کرایہ لگتا ہے، اس لئے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس پس منظر میں یہ بات قرین قیاس ہے کہ اگر ادا کی جانے والی زائد رقم اتنی کم ہو، جو معمولی ہو، یعنی اگر قرض لینے والے کی فائل بنانے، کمپیوٹر میں اندراج کرنے اور اس کے لئے استعمال ہونے والے وقت کی اجرتِ مثل نکالی جائے تو وہ زائد رقم کے مماثل ہو تو اسے سروس چارج کہنے میں مضائقہ نہیں ہے، اس سلسلہ میں معروف فقیہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

قرض جاری کرنے او راس کا حساب وکتاب رکھنے پر واقعی جو اخراجات آئیں، بینک کےلئے، اپنے قرض داروں سے بہ طور سروس چارج کےان کووصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے، جو اس منصوبہ کے قرض کے اجراء کے لئے پیش آتے ہیں؛ البتہ اگر پوری احتیاط سے ان اخراجات کی تحدید ممکن ہو تو یہ صورت احکام شرعیہ کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی، او راس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا (فقہی مقالات ۳۷۰،۱ ط: دیوبند)۔

اگر سود کی شرح کم ہو؛ لیکن اتنی بھی کم نہیں کہ اسے سروس چارج کہا جاسکے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ جو عام شرح سود کسی بھی عام قرضے میں مروج ہے، اس سے کم

ہے تو محض کم شرح سود کی بنیاد پر اس کو سروس چارج کا عنوان دے کر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس معاملہ میں احتیاط کی ضرورت ہے، خصوصاً اس پس منظر میں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: سود سے بھی بچو اور شبہ سود سے بھی؛ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ہے:

''عن ابن عمرؓ قال: إن آخر ما نزلت آیۃ الربا، وإن رسول اللہﷺ قبض ولم یفسر ہالنا، فدعوا الربا والریبۃ''۔

جہاں تک یہ بات کہ اس طرح کے قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار جیسے اہم کاموں کے لئے ہوتے ہیں تو اس کے باوجود ایک ناجائز صورت کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا؛ البتہ شریعت نے خاص مجبوری کی حالت میں ایک ناجائز صورت کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، اور وہ بھی بقدر ضرورت، جیسا کہ اضطرار کی حالت میں خنزیر کھانے کی اجازت دی، اور ''غیر باغ ولا عاد'' (سورہ بقرہ: ۱۷۳) کی قید بھی لگادی، اسی طرح مذکورہ بالا مصلحتوں کی خاطر سودی قرضے کی عمومی اجازت نہیں دی جاسکتی، جب تک کہ خاص مجبوری کی حالت نہ پیدا ہوجائے۔

جواب سوال نمبر : ۶، ۷، ۸ :

حکومت کی رفاہی امداد قبول کرنا اور واسطہ بننے والے کو اجرت دینا:

حکومت مختلف رفاہی کام کرتی ہے، جیسے غریبوں کے لئے مکان کی فراہمی، یا اس کے لئے مناسب رقم کا عطیہ، بیت الخلاء بنانے کے لئے رقم مختص کرنا، تعلیمی ضروریات کے لئے مناسب تعاون وغیرہ، یہ سب صورتیں نہ صرف یہ کہ جائز ہیں؛ بلکہ ایسی رقم کو ضرور حاصل کرنا چاہئے، کیونکہ ملکی خزانہ میں تمام باشندوں کا حق ہے، اور اپنا حق وصول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ ایسی رقم کو حاصل کرکے او ران کا صحیح استعمال کرکے لوگوں کو سہولت پہنچانا ایک مستحسن عمل ہے، اس کی نظیریں عہد رسالت اور عہد فاروقی میں خصوصیت کے ساتھ اور بعد کے ادوا رمیں ملتی ہیں، جیسے مسافر خانے بنوانا، حضرت عمرؓ کا وظائف مقرر کرنا، بیواؤں اور مساکین کی مدد وغیرہ۔

البتہ ایسی امدادی رقوم حاصل کرنے میں کافی محنت اور تگ ودو کرنی پڑتی ہے اور بعض مرتبہ تو کئی چپلیں گھس جاتی ہیں، اگر یہی کام واسطہ بننے والے شخص سے کرایا جائے تو آسانی سے کام ہوجاتا ہے؛ لیکن واسطہ بننے والا مفت میں کام نہیں کرتا؛ بلکہ اسے محنتانہ دینا پڑتا ہے، اب محنتانہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مطلوبہ محنت اور حاصل کی جانے والی رقم کو ملحوظ رکھتے ہوئے رقم کی مقدار مختص کردی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ تناسب سے رقم مقرر کردی جائے، جیسے پانچ فیصد،

دس فیصد وغیرہ۔

محنتانہ کی یہ دونوں صورتیں جائز ہونگی یا نہیں؟ اس کا جواب اس بات پر منحصر ہے کہ واسطہ بننے والا کس طرح کاآدمی ہے، اگر واسطہ بننے والا ایسا ہے، جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ پوری رقم فراہم کرے، گویا وہ اسی شعبہ کا ملازم وخادم ہے، تو پھر اس کا محنتانہ لینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ رشوت ہے، اس لئے اگر وہ ملازم مسلمان ہو تو اسے رشو ت لینے سے کلی اجتناب کرنا چاہئے، اس کی نظیر قاضی سے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ اگر وہ فیصلہ کرنے کے لئے کسی فریق سے رقم لے تو یہ رشوت ہے؛ کیونکہ فیصلہ بلا عوض کرنا اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے، اگر رشوت لے ہی لے تو اس کی وجہ سے وہ فاسق ہو جائے گا، چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتےہیں:

''ولو کان (القاضی) عدلاً ففسق بأخذہا (الرشوۃ) أو بغیرہ وخصہا، لأنہا المعظم'' (الدر المختار مع رد المحتار ۳۶۲،۵ کتاب القضاء)۔

اگر واسطہ بننے والا اس شعبہ کا ملازم نہیں ہے اور وہ اس طرح کی رقم نکلوانے میں واقعی محنت کررہا ہے تو اس کےلئے محنتانہ لینا جائز ہے؛ کیونکہ اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، جسے ''سمسار '' اور ''دلال '' کہا جاتا ہے، فی زمانہ دلالی کا معاملہ انتہائی مروج ہے، گوکہ حنفیہ کے اصول کے مطابق دلالی پر اجرت لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن خود متاخرین احناف نے تعامل کو دیکھتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ نے بھی اس کا جواز نقل کیا ہے (دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار باب البیع الفاسد)۔

واسطہ بننے والے کے لئے اجرت کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں، ایک رقم مختص کردینا، دوسرے:تناسب کےاعتبار سے دینا، رقم مختص کرنے کا جواز تو ظاہر ہے کہ اس میں جہالت نہیں ہے، اور اجرت میں اصل یہی ہے کہ وہ متعین ہو، جہالت نہ پائی جاتی ہو، اگر تناسب سے دیاجائے تو یہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ اس متعین کام کےلئے حکومت جو بھی تعاون کرتی ہے، اس کی رقم مقرر ہوتی ہے اور جب حکومت سے آنے والی رقم متعین ہوتی ہے تو اگر واسطہ بننے والے کو تناسب سے دیا جائے تو اس میں بھی جہالت باقی نہیں رہتی ہے، جیسے ایک مکان کی تعمیر کے لئے حکومت نے ایک سو روپےمتعین کردیا، اب اگر تعاون لینے والا واسطہ بننے والے کےلئے پانچ فیصد محنتانہ مقرر کردے تو اسے پانچ روپے ملینگے؛ کیونکہ سو روپے کا پانچ فیصد پانچ روپے ہوتا ہے، گویا تناسب سے محنتانہ مقرر کرنے میں بھی حرج نہیں ہے۔

جواب سوال نمبر : ۹

امدادی رقوم حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ واسطہ بننے والا خود اس شعبہ کا ملازم ہو اور اس کی ذمہ

داریوں میں وہ کام کرنا ہو، پھر بھی محنتانہ مانگے تو یہ رشوت ہے، یا اس کا کامصرف دستخط کرنا ہو اور وہ اس پر رقم کا مطالبہ کرے، یا اس ڈپارٹمنٹ کے عہدیداران آپس میں رقم متعین کرلیں، جیسا کہ یہ کثیر الوقوع ہے، اور یہ جملہ بکثرت سنا جاتا ہے کہ ہر ٹیبل پر کھلانا پڑتا ہے، بہرحال یہ سب صورتیں رشوت کی ہیں اور رشوت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی'' (ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۵۸)۔

تاہم رشوت دینا مجبوری کے وقت جائز ہوجاتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لئے کچھ دینا پڑے تو اس کی اجازت ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ، لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (شامی ۴۲۴،۶ ط: بیروت)۔

رہی یہ بات کہ کیا اس طرح کی امدادی رقوم کے حصول کے لئے رشوت دینا جائز ہے؟ اگر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ اس طرح کی امدادی رقوم حاصل کرنا ہی ضروری نہیں ہے اور جب یہ ضروری نہیں تو گویا مجبوری بھی نہیں ہے، اور جب مجبوری نہیں ہے تو رشوت دینا بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اس میں ایک اور پہلو زیادہ اہم ہے اور وہ اپنا جائز حق وصول کرنا، ہندوستان جیسے ملک میں اگر مسلمان اس طرح کے جائز حقوق وصول نہ کریں تو مجموعی طور پر خسارہ کی بات ہے، مسلمان یہاں ویسے ہی کافی پیچھے ہیں، مزید پیچھے ہوتے چلے جائینگے، جیسے عام طور پر سرکاری نوکری حاصل کرنے میں رشوت دینا پڑتی ہے، اب اگر رشوت دینے کے مفسدہ کی وجہ سے سرکاری نوکری کے حصول کو ناجائز قرار دیا جائے تو یہ بڑے خسارہ کی بات ہوگی، اسی طرح امدادی رقوم میں مسلمانوں کا حق ہے، اس سے پہلوتہی اختیا رکرنا خسارہ کا باعث ہے، اس لئے اپنے جائز حق کو وصول کرنا درست ہے، خواہ رشوت دینی پڑے، حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اپنا حق وصول کرنے کے لئے اگر مجبوراً رشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے گا (فتاوی محمودیہ ۴۵۶،۱۸ ط: ڈابھیل)۔

اسی طرح سبل السلام میں ہے:

''فعلی ہذا بذل المال للتوصل إلی الحق لا یکون رشوۃ'' (سبل السلام۵۹،۲)۔

غلط بیانی اور غلط طریقہ سے امداد یا قرض حاصل کرنا:

اگر کسی امدادی رقم یا قرض حاصل کرنے کےلئے حکومت نے کچھ ضابطے اور اصول مقرر کررکھے ہوں ، تو ان اصولوں کا لحاظ ضروری ہے، مثلاً امدادی رقم کے

حاصل کرنے کےلئے حکومت نے مالی معیار مقرر کردیا ہو کہ جس کے پاس زیادہ سے زیادہ اتنا مال ہو، وہی اس امداد کا مستحق ہے، اب وہ امداد ایسا شخص حاصل کرنا چاہتا ہے، جس کے پاس اس سے زیادہ مال ہے تو اس کےلئے امداد حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں جھوٹ اور دھوکہ ہے، اور حق والوں کا حق مارنا بھی، جھوٹ اور دھوکہ ہونا تو واضح ہے، اور حق والوں کا حق مارنا اس اعتبار سے ہے کہ اگر غیر مستحق لوگ سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھائینگے تو جتنے مستحقین کو اسکیم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا، اتنے لوگ نہیں اٹھاسکینگے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بیت المال سےملنے والی مدد کی بابت غیر مستحق کے استفادہ کرنے والے کو دوظلم کا مرتکب قرار دیا ہے، ایک ظلم تو غیر مستحق کا فائدہ اٹھانا، دوسرا ظلم مستحق کو محروم کرنا؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

''رجل لہ عطاء فی الدیوان مات عن ابنین، فاصطلحا علی أن یکتب فی الدیوان اسم أحدہما ویأخذ العطاء، والآخر لا شئی لہ من العطاء ویبذل لہ من کان لہ العطاء لہ مالاً معلوماً فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء للذی جعل الإمام العطاء لہ، ..... غیر أن السلطان إن منع المستحق فقد ظلم مرتین فی قضیۃ حرمان المستحق وإثبات غیر المستحق مقامہ'' (الاشباہ والنظائر، قاعدہ: ۱۹، تصرف الامام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ)۔

بہرحال! امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے جو شرائط ومعیارات متعین ہوں، ان میں غلط بیانی اور غلط طریقہ اختیار کرکے انہیں حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

جواب سوال نمبر : ۱۱

اگر حکومت بینک سے قرض دلائےاور اس کا بڑا حصہ خود ادا کرے:

بعض اسکیموں میں اگر حکومت ضرورت مندوں کو بینک سے قرض دلاتی ہو اور اس پر عائد ہونے والے انٹرسٹ کو حکومت خود ادا کرتی ہو تو ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور یہ سودی معاملہ کے دائرہ میں نہیں آئے گا؛ کیونکہ بینک بھی حکومت ہی کا ادارہ ہے، اور حکومت کا اپنے ہی ادارہ کو انٹرسٹ ادا کرنا انٹرسٹ نہیں؛ بلکہ اس کا تعاون ہے، جیسے ایک آدمی کی دودکانیں ہو، اور وہ ایک دکان کی رقم کا تبادلہ دوسری دکان کی رقم سے کمی بیشی کے ساتھ کرے، تو یہ سود نہیں ہے، اور جیسے آقا اپنے ماذون بالتجارۃ غلام سےربوی معاملہ کرے تو یہ شرعاً سود نہیں ہے، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

''لا ربوا بین سید وعبدہ ولو مدبراً، لا مکاتباً، إذا لم یکن دینہ مستغرقاً لرقبتہ وکسبہ، ..... التحقیق الإطلاق، وإنما یرد الزائدلا للربا، بل لتعلق حق الغرماء'' (الدر المختارمع رد المحتار ۱۸۵،۵، باب الربوا)۔

گویا مقروض نے جتنا قرض لیا تھا، وہ واپس اتنی ہی رقم کررہا ہے، نہ کہ بڑھ کر، اور جب قرض کا معاملہ تساوی کے ساتھ ہو تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اگر حکومت مکمل انٹرسٹ ادا نہ کرتی ہو، البتہ انٹرسٹ کا ایک بڑا حصہ ادا کرتی ہو، اور کچھ حصہ مقروض ادا کرتا ہو، تو اگر مشکل ہو، یعنی مقروض کی طرف سے ادا کئے جانے والا حصہ مجموعی طور پر اتنا ہو کہ جو مناسب رقم بن جاتی ہو، سروس چارج کےدائرہ سے باہر ہو، جس کی تفصیل سوال نمبر ۴، اور ۵ کے جواب میں آچکی ہے ۔ تو گو مقروض معمولی تناسب ہی سےانٹرسٹ ادا کررہا ہے، پھر بھی وہ سود ہے، اور جب سود ہے تو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا عام حالات میں جائز نہ ہوگا، ہاں! اگر شدید مجبوری ہو، یعنی ایسی مجبوری جس کی وجہ سے ناجائز چیز جائز ہوجاتی ہے، تب ہی اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوگی۔

جواب سوال نمبر: ۱۲

محفوظ فنڈ سے استفادہ:

بینک کا بنیادی کاروبار سود پر مبنی ہے، دوسروں کو قرض دے کر انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اسی طرح دوسروں کی رقم لے کر سود ادا کرتا ہے، اور سود مال حرام ہے، ایک مسلمان کا اس سےفائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، حکومت محفوظ فنڈ قائم کرکے بینک میں اسے ڈپازٹ کردیتی ہے اور اس کے انٹرسٹ سے بعض تعلیمی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کرتی ہے، تو بہ ظاہر یہ رقم مال حرام ہے، گویا مال حرام سے حکومت تعاون کرتی ہے؛ لیکن اس میں غور وفکر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس محفوظ فنڈ کی مالک بھی حکومت ہے اور اس کے انٹرسٹ پر بھی اولاً حکومت کی ہی ملکیت قائم ہوتی ہے، گویا وہ سب رقم سرکاری خزانہ کا ایک حصہ ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ سرکاری خزانہ میں مخلوط رقم رہتی ہے، یعنی کچھ حلال اور کچھ حرام، بعض آمدنی کے ذرائع حلال ہوتے ہیں اور بعض کے ناجائز، اس اختلاط کے باوجود حکومت کی رقوم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس پہلو سے محفوظ فنڈ کے انٹرسٹ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کہ اس کامال حرام ہونا متعین نہیں ہے۔

اگر اس کو مال حرام مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے استفادہ جائز ہوگا؛ کیونکہ کافر سود کا مالک ہوجاتا ہے اور مسلمان کا اس سے لین دین جائز ہے، چنانچہ علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

''وکرہ لرب الدین أخذ ثمن خمر باعہا مسلم لا کافر'' (تبیین الحقائق ۲۷٫۶)۔

اسی طرح ''درد الحکام '' میں ہے:

''وجاز أخذ دین علی کافر من ثمن خمر، بخلاف المسلم'' (درر الحکام ۳۱۸٫۱)۔

''فتاوی دار العلوم زکریا '' میں ہے:

اگر کافر کے پاس سود کا مال آیا تو کافر اس کا مالک بن جائے گا اور اس سے ہدیہ قبول کرنا جائز ودرست ہوگا (فتاوی دار العلوم زکریا ۶۱۴،۵)۔

ہندوستان کی حکومت، حکومت کافرہ ہے، اس لئے زیر بحث مسئلہ میں اسی اعتبار سے حکم جاری ہوگا، اور سودی مال پر حکومت کی ملکیت کی وجہ سے مسلمانو نکے لئے اس سے استفادہ جائز ہوگا، جیسا کہ مذکورہ بالا فقہی عبارت سے واضح ہے۔

سرکاری اسکیمیں اوران سے متعلق دینی احکام

مفتی تنظیم عالم قاسمی•

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ رعایا کو ہر ممکن سہولت فراہم کرے ۔ ان کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی، اقتصادی ضروریات کی تکمیل اور ترقیات کے لئے منصوبے بنائے اور کوشش کرے کہ ملک کا کوئی شہری بھوکا نہ رہے ۔دیگر ممالک کے شہریوں سے زیادہ یہاں کے شہری خوش حال رہیں اور کسی طرح کی دشواری ان کو پیش نہ آئے بالخصوص وہ لوگ جو شہر میں پسماندہ اور دبے کچلے ہیں جن کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی اسباب مہیا نہیں ہیں ان کے تئیں حکومت کو فکر مند ہونے اور ان کو اوپر اٹھانے کے لئے مختلف اسکیموں کی تشکیل کی ضرورت ہے، تاکہ ضرورت مند افراد ان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی زندگی کو روشن بناسکیں۔

ان ہی فرائض کی وجہ سے حکومتیں مختلف اسکیم تیار کرتی ہیں اوراس کے ذریعے عوام کو سہولیات فراہم کرتی ہیں ۔ان اسکیمات کا اہم مقصدعوام کا تعاون اور ان کی امداد ہے، تاہم بعض سرکاری ایسی بھی اسکیمیں ہوتی ہیں جن میں سود اور دیگر شرعی قباحتوں کا وہم ہوتا ہے، اس لئے حکومت کی جانب سے فراہم کردہ ان اسکیموں کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ نہایت ضروری تھا، تاکہ مسلمان ناجائز اسکیموں سے احتیاط کریں اور اسکیم کی جائز صورتوں سے استفادہ کرسکیں، کیونکہ ایک غیر مسلم شہری کو سرکاری اسکیموں سے استفادہ کا جس طرح حق ہے ویسے ہی مسلمان شہریوں کو بھی حق ہے۔ اس پس منظر میں درج ذیل سوالات قابل توجہ ہیں:

(۱) ان قرضوں کا حکم جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے:

حکومت کی جانب سے عوام کودیئے گئے ایسے قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے یہ دراصل شہریوں کا ایک قسم کا تعاون ہے ۔حکومت کامقصد عوام میں بیداری لانا، ان کو متحرک کرنا اور ان کو کام سے لگانا ہوتا ہے، تاکہ کوئی شہری بیکار نہ بیٹھے، بلکہ کسی نہ کسی پیشہ اور عمل سے وابستہ رہے ۔اس طرح خود عوام کے گھروں میں خوش حالی آئے گی اور اس سے ملک بھی خوش حال ہوگا ' گویا حکومت اس کے ذریعے اپنے فرائض کی تکمیل کررہی ہے ۔اگر کسی کے پاس زراعت یا تجارت کے لئے پونجی نہیں ہے تو حکومت عوام کو اس طرح کے قرضہ کے ذریعے ابھارتی ہے کہ یہاں

• استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

سے قرضہ لو اور کام کرو اور پھر بعد میں مقررہ اصول کے مطابق حکومت کو رقم واپس کردو، مکمل قرضے نہیں، بلکہ اس میں اس قدر چھوٹ ہے یہ اس لئے کیا جاتا ہے، تاکہ اس میں عوام کی دلچسپی برقرار رہے جو لوگ نہیں بھی لینا چاہتے ہیں ان کے اندر بھی ایک طرح کی حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ لوگ بھی کچھ نہ کچھ کام شروع کردیتے ہیں ' اگر مکمل قرض کی واپسی کی بات کی جاتی توکوئی نئی بات محسوس نہ ہونے کے سبب اس میندلچسپی پیدا نہ ہوتی ۔

ایک غزوہ سے واپسی کے موقع پر سفر کے دوران رسول اکرم ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے ایک اونٹ خریدا اور جب مدینہ واپس ہوکر دربار رسالت میں اونٹ لے کر حاضر ہوے تو آپ ﷺ نے متعین قیمت ادا کی مگر اونٹ واپس فرمادیا، اس لئے کہ آپ کا مقصد اونٹ خریدنا نہیں تھا، بلکہ ان کا تعاون کرنا مقصد تھا، اس لئے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے اور بہت سی لڑکیاں چھوڑ کر گئے تھے جن کی کفالت حضرت جابر ؓ کرتے تھے 'آپ ؐ نے ان کے تعاون کی یہ راہ نکالی اسی طرح حکومت کی جانب سے پسماندہ لوگوں کے تعاون کی یہ شکل ہے 'مقصد پر پر نظر رکھتے ہوے اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ یہ مستقرض کا اپنے قرض خواہ کو بعض قرضوں سے بری کرنا ہے ۔جس طرح ایک مستقرض اپنے قرض خواہ کے حال پر رحم کرتے ہوے کل یا بعض حصہ معاف کرسکتا ہے اسی طرح یہاں بھی حکومت مقرض ہے اور عوام قرض خواہ 'حکومت چاہے تو کل قرضے معاف کرسکتی ہے، جیسا کہ بسا اوقات بہت سے قرضوں کی مکمل طور پر معاف کرنے کا اعلان کرتی ہے اور چاہے تو بعض حصے معاف کرسکتی ہے اور یہ شکل بعض حصہ معاف کرنے کی ہے۔علامہ زیلعی قرضوں کے بعض حصے کی معافی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''(قولہ ففعل صح) أی أخر رب الدین أو حط بعض الدین بأن ابرأ المدیون عن بعض الدین'' (تبیین الحقائق ۴۴،۵)۔

(۲) مدت میں قرض ادا نہ کرنے پر پوری رقم کی واپسی :

یہ درحقیقت حکومت کی جانب سے قرضوں کی وصولیابی کے لئے ایک حکمت اور مفید طریقۂ کار ہے ۔عام طور پر عوام قرضے لینے کے بعد غفلت کے شکار ہوجاتے ہیں 'ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں 'ظاہر ہے کہ حکومت اگر ان قرضوں کی واپسی کے لئے یہ طریقۂ کار اختیار نہ کرے تو اس طرح حکومت کا خزانہ ہی خالی ہوجائے گا اور پھر دوسرے مستحقین کو قرضوں کی فراہمی ناممکن ہوگی۔ اس لئے حکومت کی جانب سے بعض قرضوں کی معافی کی مدت متعین کردی جاتی ہے کہ اتنے وقت میں قرض لینے

والے محنت اور جدوجہد کے ذریعے اپنی حالت کو مستحکم کرلیں اور باقی قرضے حکومت کو واپس کردیں۔اس حکمت عملی کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ سستی سے کام نہیں لیں گے ’مکمل قرض کی واپسی کے خوف سے محنت سے کام کریں گے اور جلد از جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں گے اور یہی حکومت کا مقصد بھی ہے۔ اسی طرح اس حکمت عملی سے عوام کا تعاون بھی ہوجائے گااور حکومت کو وقت پر قرضے وصول ہوجائینگے اور پھر وہ دوسروں کا تعاون بھی کرسکے گی۔

اس میں وقت پر قرض ادانہ کرنے کی وجہ سے متعین رقم سے زائد رقم ادا کرنی ہوتی ہے، اس لئے ربا کا وہم ہوتا ہے حالانکہ یہ حقیقت میں ربا نہیں ہے، اس لئے کہ لی ہوی رقم سے زیادہ واپس نہیں کرنی ہوتی ہے،جتنی رقم قرض خواہ نے لی ہے اتنی ہی دینی پڑتی ہے اور ربا کہا جاتا ہے ایسی مشروط زیادتی کو جو بلاعوض ہو ۔علامہ سرخسی کہتے ہیں:

’’الربا ھوالفضل الخالی عن العوض المشروط فی البیع‘‘ (مبسوط ۱۲/۱۰۹)۔

صاحب ’’ہدایہ ‘‘ لکھتے ہیں:

’’ھوالفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ‘‘ (ہدایہ ۳/۷۸)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متعین رقم سے زائد رقم اصلی رقم کے مساوی ہونے کے سبب سود نہیں ہے، البتہ اسے یہ کہا جائے گا کہ مقرض نے قرض کی معافی کے لئے کچھ کنڈیشن اور اصول متعین کردیئے ہیں جن کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے قرض خواہ اس تبرع کا مستحق نہیں ہوسکا۔

(۳) زائد رقم ادا کرنے کی صورت کا حکم :

اگر مقررہ مدت کے بعد قرض واپسی کی صورت میں اصل رقم سے زائد رقم دینی پڑے تو بھی دو وجہ سے اس کے جواز کی طرف ذہن جاتا ہے ایک تو یہ کہ اسے ربا کے بجائے حکومت کی جانب سے مالی تعزیر مان لی جائے ’چونکہ حکومت نے اسے وقت متعین پر ادا کرنے کا پابند بنایا تھا اور اسے محنت و مشقت کے ذریعے وقت پر استحکام حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی، لیکن جب قرض خواہ نے سستی سے کام لیا اور حکومت کی اسکیم کے مقصد کو پورا نہیں کرسکا تو حکومت نے اسے مالی تاوان کا حکم دیا، تاکہ اس کے خوف سے وہ وقت پر قرض واپس کرسکے اور دوسروں کو بھی جدوجہد کا پیغام مل سکے۔حکومت اپنے عوام پر مالی تعزیر کا حق رکھتی ہے۔ڈاکٹر وھبہ زہیلی لکھتے ہیں:

’’والتعزیر یکون إما بالضرب أو بالحبس أو الجلد أو النفی أو التوبیخ أو التعزیر المالی، ونحو ذلک مما یراہ الحاکم رادعا للشخص بحسب اختلاف حالات الناس، حتی القتل سیاسۃ ما قرر فقہاء الحنفیۃ والمالکیۃ‘‘ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۴/۳۱۴۵)۔

اور اگر اسے ربا مان بھی لیا جائے تو بھی اس لئے جائز ہے کہ ضرورت مندوں کے لئے سود کا دینا جائز ہے اور یہ شخص ضرورت مند لاچار اور مجبور ہے اس لئے اس کے لئے سود کے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس شکل میں حقیقی لاچار اور ضرورت مند ہونا ضروری ہے، یعنی ان ہی صورتوں میں اس اسکیم سے استفادہ درست ہوگا جن میں سود دینا کسی کے لئے جائز ہوتا ہے۔ زائد رقم کو ربا ماننے کی شکل میناپنی تجارت کو بڑھانے یاخوبصورت مکان کی تعمیر وغیرہ کے لئے اس سے استفادہ درست نہیں ہوگا۔

(۴) قرضوں پر سروس چارج کا حکم :

حکومت کی جانب سے دیئے گئے قرضوں پر اگر معمولی اضافہ لیا جائے تو اسے سروس چارج کا نام دے کر جائز کہا جاسکتا ہے بشرطیکہ زائد لی ہوی رقم واقعتا معمولی اور اتنی ہی رقم ہو جتنی انتظامی امور پر خرچ ہوتی ہے 'جیسے کاغذات تیار کرنا 'اس کے اندراج کے لئے رجسٹر بنانا 'ادارے میں کام کرنے والوں کی تنخواہ کی ادائیگی وغیرہ ۔اس وقت یہ کہا جائے گا کہ حکومت یا کسی بھی ادارے کا اصل مقصد تو ضرورت مندوں کو مفت قرض فراہم کرنا ہے، مگر سروس چارج کے طور پر قرض خواہ سے کچھ زائد رقم لے رہا ہے، تاکہ سروس چارج کا بوجھ ادارہ پر نہ ہو 'یہ شکل درست ہے۔ذخیرۂ فقہ میں اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے ، جو فقہاء نے بیان فرمایا ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے فتوی اور فیصلہ کرنے پر مدعی اور مستفتی سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے ؛ لیکن مفتی کے لئے فتوی تحریر میں لانے اور قاضی کے لئے دستاویزات لکھنے اور رجسٹر میں اندراجات کرنے کی اجرت لینا جائز ہے ، بشرطیکہ یہ اجرت ایسے کاموں پر آنے والی اجرت ، اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو ، چنانچہ درمختار میں علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

'' یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتي ؛ فإنہ یستحق أجر المثل علی کتابۃ الفتوی ؛ لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان، ومع ہذا الکف أولی احترازا عن القیل والقال، وصیانۃ لماء الوجہ عن الابتذال '' (در مختار مع الشامی : ۹/۱۲۷ ، ط : زکریا ، دیوبند)۔

(۵) زائد رقم غیر معمولی ہوتو کیا حکم ہے :

لیکن اگر معمول سے زیادہ رقم لے رہا ہو، یعنی اتنی رقم جتنی عام طور پر معاشرہ میں ربا کے طور پر وصول کی جاتی ہے تو پھر درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس وقت اسے سروس چارج کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے، اگر چہ ادارہ سروس چارج کا ہی نام کیوں نہ دے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے۔

''علی ما قال عمر رضی اللہ عنہ: ہذہ جزیۃ، فسموہا ما شئتم، ولہذا تصرف مصارف الجزیۃ، ولا جزیۃ علی النسوان'' (ہدایہ ۲، ۴۰۵)۔

البتہ اگر قرض خواہ ضرورت مند ہو اور جن صورتوں میں سود پر رقم لینے کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے ان میں سے کوئی صورت پائی جائے تو زائد رقم کی غیر معمولی ہونے کی صورت میں بھی جائز ہے۔جیسے اس کے پاس اپنے علاج کے لئے پیسے نہ ہوں۔ خورد ونوش کے لئے پیسے نہ ہوں۔ بے روزگار ہو اور بنیادی روزگار کے لئے قرض کی ضرورت ہو ۔ذاتی مکان نہ ہو اور طویل مدت تک کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو اور صرف بقدر ضرورت مکان حاصل کرنا چاہتا ہو۔اس کے پیشہ کے حساب سے گاڑی ضروری ہو اور ذاتی گاڑی نہ ہو۔ کاروبار ایسے مرحلہ میں ہو کہ اگر قرض فراہم نہ ہوا تو بہت بڑا سرمایہ ڈوب جائے گا۔شادی کے لئے پیسے نہ ہو وغیرہ۔

لیکن خیال رہے کہ ان لوگوں کے لئے سود پر قرض لینا اس وقت درست ہوگا، جبکہ تبرع کے طور پر کہیں سے قرض حاصل ہونے کا امکان نہ ہواگر کوئی شکل ہو جس سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے جیسے کوئی اسلامی بینک ہو جو بلاسودی قرضے فراہم کرتا ہے یا کوئی رفاہی ادارہ ہو جہاں سے ضرورت کے مطابق بلاسودی قرضے مل سکتے ہوں تو ان کے لئے حکومت سے یا سرکاری بینکوں سے سودی قرضے لینا درست نہیں۔

(۶) سرکار کی امدادی رقم :

سرکار کی جانب سے دی گئی امدادی رقم درست ہے جیسے حکومت مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر ’تعلیمی ’اقتصادی یا جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے کچھ رقم عوام کو فراہم کرے اور اپنی زندگی بہتر کرنے کی ہدایت دے ۔اس کو حکومت کی جانب سے شہریوں کی اعانت کانام دیا جائے گا، بلکہ یہ ایک طرح سے خود حکومت کے لئے اپنے فرائض کی تکمیل ہے، کیونکہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ حسب گنجائش عوام کا تعاون کرے اور ان کی ضروریات کی تکمیل میں ہاتھ بٹائے۔اسی ذمہ داری کا احساس تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے شہریوں کے لئے وظائف جاری کئے تھے اور آج تک مختلف ممالک میں اس کا سلسلہ جاری ہے خود ہندوستان میں بعض شرائط کے ساتھ مکان وغیرہ کے لئے حکومت مفت رقم فراہم کرتی ہے یا عمر کی ایک حد پار کرنے کے بعد ان کو پنشن دیتی ہے۔مشہور محقق ڈاکٹر یوسف قرضاوی حکومت کی ذمہ داریوں پر کلام کرتے ہوے لکھتے ہیں:

‘‘تتسع دائرتها لكل التصرفات و الإجراء ات التى من شانها أن ترفع الظلم، و تقيم العدل بين الناس، و تزيل عنهم الضرر و الضرار، و أسباب النزاع و الصراع، ليحل محله التعاون والأخاء ’’(فتاویٰ معاصرہ: ۱/۵۸۱)۔

اس کے دلائل او وجوہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

‘‘ ومن ههنا نقول إن من واجبات الحكومة المسلمة أن تنظم علاقات الناس على أسس

سلیمۃ، فتضع من الأنظمۃ والقوانین ما یحقق العدل، و یرفع الظلم، و یشیع الطمانینۃ و الا ستقرار بین الناس، و یزیل اسباب النزاع والخصام من بینھم ''(فتاویٰ معاصرہ:۱ /۵۹۳)۔

ایک جگہ لکھتے ہیں :

'' فکل مایری ولی الأمر فعلہ أقرب إلی الصلاح للرعیۃ وأ بعد عن الفساد، فلہ أن یفعلہ بل قد یجب علیہ، وإن لم یجئ بذلک نص خاص '' (فتاویٰ معاصرہ :۱/۵۸۳)۔

(۷) واسطہ بننے والوں کی اجرت:

ہر شخص کو ہر کام نہیں آتا اور اگر آتا بھی ہے تو بعض وجہ سے خود انجام دینا نہیں چاہتا اسی لئے شریعت نے دلالی اور اس کے پیشہ کو درست قرار دیا ہے ۔اس اجرت کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک شکل تو یہ ہے کہ مکمل کام پر متعین رقم طے کرلی جاتی ہے جیسے کسی کام کے کرنے پر ہزار یا دو ہزار روپے آپس میں طے کرلئے جائیں، لہذا جب کام مکمل ہوگا تو بیچ والا آدمی اس متعین رقم کا مستحق ہوجائے گا اور ایک صورت یہ ہے کہ متعین رقم کے بجائے فیصد متعین کیاجائے جیسے زمین فروخت کرنے پر کل رقم کا دو فیصد متعین کرلیا جائے، محقق قول کے مطابق یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور اسی پر آج کل فتوی بھی دیاجارہا ہے ۔اس سلسلے میں امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت دلالی کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔

''ولم یر ابن سیرین، وعطا، وا براہیم، والحسن باجر السمسار باسا وقال ابن عباس: ''لا بأس أ ن یقول: بع ہذا الثوب، فما زاد علی کذا وکذا، فہو لک''، وقال ابن سیرین: ''إذا قال:بعہ بکذا، فما کان من ربح فہو لک، وبینی وبینک، فلا باس بہ " وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: المسلمون عند شروطہم'' (صحیح بخاری باب اجر السمسرۃ)۔

گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والی امدادی رقم کے حصول کے لئے کافی جدو جہد کرنی ہوتی جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہر ایک کو طریقۂ کار سے واقفیت بھی نہیں ہوتی اور ہر شخص اس قدر جدو جہد کا متحمل بھی نہیں ہوتا، اس لئے اس میں جانکار افراد سے مددلی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ مستقل طور پر کوئی شخص مفت یہ جدو جہد نہیں کر سکتا 'اس لئے ان کے لئے جو عوض متعین کیا جائے ان کا لینا اور دینا درست ہے اور اس کو دلالی کی اجرت پر قیاس کیا جائے گا کیوں کہ یہ شخص حکومت اور مستحق شخص کے درمیان واسطہ بن رہا ہے اور اسے امداد دلانے کے لئے محنت کررہا ہے گویا یہ اس کامحنتانہ ہے جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

اسی طرح اس کو وکالت پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے ۔چوں کہ ایک آدمی جو خود کو ئی کام انجام دے سکتا ہے دوسرے کو بھی اس کا وکیل بنا سکتا ہے :

''کل عقد جاز أن یعقدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یوکلہ بہ غیرہ، لأن ا لإنسان قد یعجز عن المباشرۃ بنفسہ علی اعتبار بعض الأحوال فیحتاج إلی أن یؤکل بہ غیرہ، فیکون بسبیل منہ دفعا

للحاجۃ''(ہدایہ ۳/ ۱۷۷)۔

(۸) واسطہ بننے والے کا رقم کا ایک حصہ لے لینا:

دلالی کی اجرت جائز ہے بشرطیکہ وہ اجرت عام کے بقدر ہو 'اگر دلالی کے لئے اس قدر پیسے مانگے جائیں جو عموما نہیں ہوتے تو اسے ظلم کہا جائے گا ۔آج کل بہت سے علاقوں میں سرکاری امداد کے لئے واسطہ بننے والے عام لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور من مانی پیسے لیتے ہیں جو ان کی محنت کی مقدار سے کئی گنا زائد ہوتے ہیں 'مثال کے طور پر ایک لاکھ پر پچاس ہزار یا چالیس ہزار وہ خود رکھ لیتے ہیں اور باقی رقم اصل مستحق کو دی جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات اصل مستحق تک رقم پہنچتے پہنچتے آدھی سے بھی کم رہ جاتی ہے 'یہ سراسر ظلم ' نا انصافی اور انسانیت و ہمدردی کے خلاف ہے ۔ایک شخص سرکاری دفاتر کے آداب و اصول سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے وہ کسی جانکار شخص کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور مجبورا بیچ والے شخص کو منہ مانگی رقم دینی ہوتی ہے 'دل سے اس پر آمادہ نہیں ہوتا ' گویا اکراہ کے ساتھ حامی بھر لیتا ہے، اس لئے اگر آپس میں اتنا حصہ لینے پر بات پہلے سے طے بھی ہوجائے تو یہ معاملہ کراہت سے خالی نہیں جیسے ایک مجبور شخص کے ہاتھ کوئی سامان عام بھاؤ سے زیادہ میں بیچا جائے اور یہ یقین ہو کہ اس شخص کو اس کی ضرورت ہے اور یہ کہیں اور دستیاب نہیں 'اس لئے اسے یہانلینا ہی ہوگا۔فقہاء نے اسے طیب خاطر نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے۔اسی طرح یہاں بھی فریقین کی رضامندی کی وجہ سے جائز کہا جائے گا، مگر کراہت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر پہلے سے کچھ طے نہ ہو اور پیسہ ملنے کے بعد من مانی رقم لے لی جائے تو یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ یہاں اجرت متعین نہیں ہے اور اجرت متعین نہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

''ولا تصح حتی تکون المنافع معلومۃ، والأجرۃ معلومۃ'' لما روینا، ولأن الجہالۃ فی المعقود علیہ وبدلہ تفضی إلی المنازعۃ کجہالۃ الثمن والمثمن فی البیع'' (ہدایہ ۳،۲۳۰)۔

(۹) امدادی رقم کے لئے رشوت دینا:

آج کل جائز حق کی وصولیابی بھی مہنگی ہوتی جارہی ہے۔انسانیت اور ہمدردی کے فقدان اور مادیت کا غلبہ ہونے کی وجہ سے ہر شعبے میں رشوت کا رواج بڑھتا جارہا ہے 'اس کے بغیر امدادی رقم یا قرضوں کا حصول دشوار ہوگیا ہے ۔نیچے کے لوگ خاص طور پر اس میں بڑی ہیرا پھیری سے کام لیتے ہیں اور وہ رشوت لئے بغیر فائل آگے بڑھاتے ہی نہیں 'ان حالات میں اپنا حق لینے کے لئے رشوت دینا درست ہے ۔فقہاء نے اپنا جائز حق وصول کرنے اور ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے کو جائز قرار دیا ہے:

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع'' (شامی ۶،۴۲۴)۔

البتہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اپنے نظام کو رشوت سے پاک بنائے ’کوشش کرے کہ مستحقین کا حق ان تک مکمل طور پر پہنچ جائے اور بیچ میں کسی طرح کی ہیرا پھیری نہ ہو۔

(۱۰) غلط بیانی سے کام لے کر امدادی رقم لینا:

سرکاری امداد اور قرضے کے لئے کچھ شرطیں متعین ہوتی ہیں ’اگر وہ شرطیں نہ پائی جائیں تو سرکاری امداد کے مستحق نہیں ہوتے، بعض لوگ اپنے حقائق صحیح طور پر پیش نہیں کرتے، بلکہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور اپنے آپ کو ان شرائط اور معیارات پر اتارنا چاہتے ہیں جن سے ان کو سرکاری مراعات حاصل ہوں۔یہ سراسر دھوکہ، جھوٹ اور تلبیس ہے ۔کذب بیانی، تلبیس اور غرر کسی بھی حال میں جائزنہیں، احادیث میں ان کی سخت مذمت آئی ہے اور خود حکومت کو اگر اس کی غلط بیانی کا علم ہوجائے تو اس کے لئے سخت سزا متعین ہے گویا حکومت کی نظر میں بھی یہ مجرم ہے ۔اس لئے سرکاری رقوم حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا ہرگز جائز نہیں، یہ صرف ان ہی لوگوں کے لئے جائز ہے جو اس کے مقرر کردہ اصول و معیارات پر اترتے ہوں۔

(۱۱) حکومت کی جانب سے انٹرسٹ ادا کئے جانے کی صورت میں قرض لینے کا حکم۔

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کرے اور اس کے لئے ان کی اعانت کی مختلف صورتیں پیدا کرے ۔لہذا تعلیم یا کسی اور مقصد سے حکومت عوام کو بینک سے جو قرض دلاتی ہے یہ دراصل ان کے اپنے فرائض کی تکمیل ہے ۔ حکومت کا انٹرسٹ ادا کرنا یہ اس کے تعاون کی واضح تصویر ہے ،اس کے جواز میں کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ بینک بھی گورنمنٹ کا ہی ادارہ ہوتا ہے ’محض ترتیب اور نظم و نسق کو بہتر رکھنے کے لئے اپنی جانب سے انٹرسٹ ادا کرتی ہے حقیقت میں یہ انٹرسٹ نہیں، بلکہ عوام کا تعاون ہوتا ہے۔

اگر اس کو انٹرسٹ مان بھی لیا جائے تو یہ اس لئے جائز ہے کہ یہ خود ادا نہیں کررہا ہے بلکہ اس کی جانب سے حکومت ادا کررہی ہے ۔امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک ایک شخص جو کام خود انجام نہیں دے سکتا دوسروں کے واسطہ سے اس کا انجام دینا درست ہے، جیسے ایک مسلمان کسی ذمی کو شراب خریدنے کا وکیل بنائے تو جائز ہے اور مسلمان اس کا مالک ہو جائے گاحالاں کہ خود ان کے لئے راست طور پر شراب کی خریدو فروخت درست نہیں ہے۔اس سلسلے میں یہ فقہی قاعدہ ہے :

‘‘الأصل عند أبی حنیفۃ أن الإنسان یجوز أن لا یملک الشیء بنفسہ قصدا و یملکہ بتفویضہ إلی غیرہ ویجوز أن لا یملک الشیء قصدا و یملکہ حکما’’ (تاسیس النظر للدبوسی۔۵۵)۔

(۱۲) انٹرسٹ سے مالی امداد :

اگر یہ بات یقینی ہو جائے کہ بینک کا نظام حکومت کا ایک شعبہ ہے اور در حقیقت

یہ اسی سے مربوط ہے جیسا کہ موجودہ نظام سے ظاہر ہے تو اس کا انٹرسٹ 'انٹرسٹ نہیں کہلائے گا ۔حکومت اپنی آسانی اور کامیاب نظم و نسق کے لئے بینک میں پیسے رکھتی ہے اور اس سے بوقت ضرورت پیسہ حاصل کرتی ہے جیسے ریزرو بینک حکومت کے کنٹرول میں ہوتا ہے اور ریزرو بینک کے تحت سارے بینک کا نظام ہوتا ہے ۔اس سے حاصل ہونے والاانٹرسٹ بظاہر انٹرسٹ ہے، مگر حقیقت میں وہ انٹرسٹ اور سود کے دائرہ میں نہیں آتا کیونکہ اپنی ہی ملکیت کی چیز میں جب کسی شی کا اضافہ ہو تو وہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔حکومت کی جانب سے یہ حکمت عملی ہے کہ ایک متعین رقم لوگوں کی امداد کے لئے مختص کرلیتی ہے اور اس کے منافع ہی امداد میں خرچ کئے جاتے ہیں یاکہ حکومت پر الگ سے بوجھ نہ پڑے۔

اگر اس کو حکومت کا ادارہ نہ مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ دراصل یہ سب پرائیوٹ ہیں مگر بوقت ضرورت حکومت سے تعاون حاصل کرنے کے لئے حکومت سے اس کا نظام مربوط کیا جاتا ہے تو بھی اس اسکیم سے استفادہ درست ہوگا بالخصوص جب کہ حکمراں غیر اسلامی ہوں جیسا کہ ہندوستان میں ہے 'اس لئے کہ صحیح قول کے مطابق غیر مسلم جزئیات کے مخاطب نہیں ہیں ۔حکومت کے خزانہ میں بہت سے ایسے پیسے جمع ہوتے رہتے ہیں جو شرعی طور پر حلال نہیں ہینمثلا انکم ٹیکس یا سیل ٹیکس ایک طرح کا ظلم ہے جو کسی شہری سے جبرا وصول کیا جاتا ہے اور حکومت کی ایک بڑی آمدنی اسی سے مربوط ہے 'اب اگر اس کے حلال اور شرعا ناجائز ہونے کی وجہ سے مسلمان احتراز کریں تو بڑی دقتیں پیش آئیں گی، کیونکہ حکومت کی ہر آمدنی میں اس کا قوی احتمال ہے، پھر تو مسلمانوں کو سرکاری تمام اسکیموں سے ہی احتراز کرنا ہوگا بلکہ حکومت سے ملازمین کا تنخواہ بھی لینا جائز نہیں ہوگا ،کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پانی بل، لائٹ بل، ٹیکس اور دوسری چیزیں جس نے بھی ادا کی ہے ممکن ہے کہ حرام مال سے ادا کیا ہو یعنی کسی سے مال غصب کرکے لایا ہو اور اسی کو حکومت کے خزانہ میں جمع کردیا ہو، حکومت اس کی تحقیق بھی نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ حرام مال تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا ہے تو وہ مال حکومت کا نہیں ہوا اور اسی سے ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے تو اس طرح صرف انٹرسٹ کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ بہت سے مسائل کھڑے ہو جائیں گے اور غیر متناہی الجھنیں پیش آئیں گی۔اس لئے یہ کہا جائے کہ غیر اسلامی حکومت فروعیات کامخاطب نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اسکیم سے فائدہ اٹھانے والا راست انٹرسٹ نہیں لے رہا ہے، طریقۂ کار کے بدلنے سے بہت سے احکام بدل جاتے ہیں جیسا کہ اوپر یہ قاعدہ بیان کیا گیا :

''الأصل عند أبی حنیفۃ أن الإنسان یجوز أن لا یملک الشیء بنفسہ قصدا و یملکہ بتفویضہ إلی غیرہ، ویجوز أن لا یملک الشیء قصدا و یملکہ حکما''(تاسیس النظر للدبوسی۔۵۵)۔

اس اصل سے متفرع ہونے والے بہت سے مسائل پر احناف کے یہاں فتوی ہے ۔تاہم بلا ضرورت شدیدہ اس اسکیم سے فائدہ نہ اٹھانا بہتر ہے ،ایک مسلمان کو اس سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ قرآن و احادیث میں ربا کی شدید مذمت آئی ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء نے شبہ ربا سے بھی بچنے کی ہدایت دی ہے۔

''عن عمر ؓ قال:إن آخر مانزلت آیۃ الربا، وأن رسول اللہ ﷺ قبض و لم یفسر ھا لنا، فدعوا الربا والریبۃ'' (ابن ماجہ ۔۲۲۷۶) ۔

اسی لئے ابن ہمام فرماتے ہیں :

و شبھۃ الربا مانعۃ کحقیقۃ الربا(فتح القدیر ۷/۱۲)۔

سرکاری اسکیم سے استفادہ کا حکم

مفتی محمد عارف باللہ قاسمی•

حکومت کی جانب سے عوام کو جو رقمی تعاون دی جاتی ہے وہ عموما دو عنوان سے ہوتی ہے: (۱) امداد واعانت (۲) قرض۔

امداد واعانت کے نام سے جو رقوم دی جاتی ہیں، وہ مکمل معاف ہوتی ہیں ان کے کسی بھی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی ، البتہ قرض کے عنوان سے ملنے والی رقوم میں سے بعض وہ رقمیں ہوتی ہیں جن کا اکثر حصہ معاف ہوتا ہے اورکچھ کی واپسی ضروری ہوتی ہے، جبکہ بعض قرض ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اصل سے زائد رقم واپس کرنی پڑتی ہے۔

۱۔وہ قرضے جن کا اکثر حصہ معاف ہوتا ہے :

حکومت کی جانب سے ایسا قرض جس میں سے اکثر حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور کچھ رقم واپس کرنا پڑتا ہے، اس قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ، گویا یہ اسکیم قرض وامداد پر مشتمل ہے، اور جتنی رقم کی واپسی معاف ہے وہ رقم حکومت کی جانب سے امداد واعانت ہےاور قرض دہندہ کے فوائد ومنفعت کی شرط یا رقم کی زیادتی سود ہے، مقروض سے قرض کو معاف کرنا یا اس پر قرض کا بوجھ کم کرنا اعانت وامداد ہے، اور جس طرح قرض دہندہ کاپورا قرض معاف کرنا درست ہے تو اسی طرح جزء کو معاف کرنا بھی درست ہوگا:

‘‘للدائن أن یعفو المدین وتبرأبذلک ذمتہ من الدین’’(الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۷۳،۳۰)۔

(قرض دہندہ کو یہ حق ہے کہ وہ مقروض کو معاف کردے اور اس کو بری الذمہ کردے)۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے ایسے قرض دہندہ کو جنت کی خوشخبری بھی دی ہے جو مقروض کو قرض کے بوجھ سے آزاد کردے یا اس میں تخفیف کردے ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘من أنظر معسرا، أو وضع لہ، أظلہ اللہ یوم القیامۃ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل إلا ظلہ’’(ترمذی: ۱۳۰۶)۔

(جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا قرض(کل یا جزء)معاف کردیا تو اللہ اس

• ناظم مدرسہ اسلامیہ دار العلوم الربانیہ، حیدرآباد۔

کو قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے ،اس دن جس دن اس کے سایہ کہ سوا کوئی سایہ نہ ہوگا)۔

اس لئے جزوی رقم کی معافی والا قرض لینا دینا جائز ہے اور اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں ہے اور مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۲۔متعین مدت میں ادا نہ کرنے پر کامل رقم کی وصولیابی:

بعض مرتبہ امدادی قرضوں میں سے اکثر رقم کی معافی میں یہ شرط ملحوظ ہوتی ہے کہ واجب الاداء رقم کو متعین مدت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے ، بصورت دیگر قرض خواہ پر پوری کامل رقم کی ادائیگی لازم ہوتی ہے ، معافی کی منفعت سے قرض خواہ محروم ہوجاتا ہے ، البتہ اس میں بھی اصل سے زائد کے دینے کی کوئی شرط نہیں ہوتی ہے ، اس شرط کی صورت میں بھی اس طرح کے قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ، اور اس کے جواز میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے ، کیونکہ جس طرح فقہاء نے تعجیل کی صورت میں قرض میں کمی کی اجازت دی ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عدم تعجیل کی صورت میں یا متعین مدت کی رعایت نہ کرنے کی صورت مینپوری رقم کا مطالبہ کرنا بھی جائز ہوگا، اور اس شرط کو سودی شرط نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس میں رقم کی زیادتی نہیں ہورہی ہے ،اور اس طر '' ربا '' کی حقیقت صادق نہیں آرہی ہے ۔کیونکہ ربا کی حقیقت یہ ہے کہ اجل کی زیادتی کی وجہ سے دَین میں زیادتی ہو اور صورت میں مسئولہ میں دَین میں زیادتی نہیں ہورہی ہے صرف معافی کی رعایت ختم ہورہی ہے، جوکہ ربا نہیں ہے ۔

۳۔ متعین مدت میں ادا نہ کرنے کی صورت میں زائد کی ادائیگی کی شرط:

اگر امدادی قرضوں میں یہ بات ہو کہ اگر مدت کے دوران واجب الاداء رقم کی ادائیگی عمل میں نہیں آئی تو بعد میں معافی سے محرومی ہونے کے ساتھ مزید زائد رقم کی ادائیگی بھی لازم ہوگی، اور اصل قرض کی رقم سے زائد کچھ رقم دینی پڑےگی، تو یہ شرط صریح سودی شرط ہوگی، اور اس شرط کے ساتھ یہ عقد ''عقد ربا'' ہوگا، اور ناجائز ہوگا، کیونکہ ربا کی حقیقت یہی ہے کہ مدت میں زیادتی کے عوض قرض کی رقم میں زیادتی کی جائے، جیسا کہ یہی طریقہ عہد جاہلیت میں مروج تھا کہ قرض دہندہ قرض کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتا ''إما أن تقضی وإما أن تربی'' یا تو ادا کرو یا قرض کی رقم میں اضافہ کرو، اسلام نے اس کو سود قرار دیا اور حرام کہا،علامہ فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

''إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به'' (التفسير الكبير للرازی:۷، ۷۲)۔

(جب دین کی ادائیگی کا وقت آجاتاتو قرض دینے والے اصل رقم کی واپسی کا

مطالبہ کرتے، اب اگر اس کے لئے ادائیگی دشوار ہوتی تو وہ حق میں اور مدت میں اضافہ کردیتے ، یہی وہ سود ہے جس کا معاملہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)۔

اس لئے اس طرح کی شرط جس قرض میں ملحوظ ہو اس سےشدید مجبوری اور اضطراری حالت کے سواعام حالات میں استفادہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سودی عقد ہے جو کہ حرام ہے۔مفتی اعظم حضرت مفتی نظام الدین علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''ڈھائی ہزار قرض لیااور سارھے بارہ سو معاف ہوجانے کےبعد پھر سود لگاکر جو رقم واپس دی ہے،اگر یہ کل واپسی کی رقم ڈھائی ہزار کے اندر ہی ہے ،جب شرعاً سود دینا لازم نہ آئے گا، ہاں جتنی رقم ڈھائی ہزار سے زیاہ واپس دینی ہوگی اتنی مقدار سود میں دینے کی خرابی لازم آئے گی، اور بغیر شدید مجبوری ایساکرنے کا گناہ بھی ہوگاجس پر توبہ کرنا بھی اس پر ضروری ہوگا '' (نظام الفتاوی: ۴۷۳)۔

۴۔ زائد رقم انتہائی معمولی ہو اور انتظامی خرچ کے نام سے ہو یا اس کے مثل ہو؟

غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت معمولی اور انتہائی کم ہو، جس کوسروس چارج کہا جاتا ہویا اپنی مقدار کے اعتبار سے سروس چار کہلاسکتا ہوتو ایسے قرضےاور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کو ایسے اسکیموں کے مقاصد اور رقم کے تناسب کی کمی کے پیش نظر سروس چارج کے حکم میں رکھتے ہوئےبحالت ضرورت ومجبوری ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی، معروف فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اسی قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ ہے ، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیویٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے ، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار کے لئے قرض فراہم کرتی ہے ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے ، اور ہمارا بحیثیت شہری اس پر حق ہے ، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے ، ان کے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے ، جو زائد رقم سود کے نام سے لی جاتی ہے اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جاسکتا ہے ، حضرت مولانا نظام الدین اعظمی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا رجحان اسی طرف ہے، ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی،اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے ، اصل یہ ہے کہ گورنمنٹ کا مقصد اس طرح کی اسکیم سے سود حاصل کرنا نہیں ہوتا ، بلکہ بے روزگاری دور کرنا مقصود ہوتا ہے اسی لئے بعض اوقات قرض کا کچھ حصہ معاف بھی کردیا جاتا ہے ''(کتاب الفتاوی: ۵؍۳۸۰)۔

لیکن وسعت وقدرت کی صورت میں اورعام حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو سود شمار کرتے ہوئے اس سے بچنے کا اہتمام کیا جائے؛ کیونکہ قرض پر زائد رقم چاہے کم ہی کیوں نہ ہوں شرعی اصطلاح کے مطابق اس پر سود کااطلاق ہی ہوتا ہے اور اس پر سود کی تعریف ہی صادق آتی ہے، جو اسلام میں سخت ترین حرام ہے اور جس سے بچنے کی خاطر احتیاط کی راہ اختیار کرنے تعلیم ہے، یہی وجہ ہے کہ کئی چیزوں پر حرمت کا حکم شبہ ربا کی وجہ سے ہے۔

۵۔ سرکاری قرض پر لی جانے والی رقم کا اوسط غیر معمولی ہو؟

سرکار کی جانب سے دی جانے والی رقم پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہوکہ اسے انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکےتو اس کو سروس چارج نہیں مانا جائے گا اور اسے سود ہی تصور کیا جائے گا،چاہے وہ قرض کسی بھی ضرورت کے نام پر جاری کیا گیا ہو؛ کیونکہ سروس چارج عموماً معمولی ہوتے ہیں، غیر معمولی زائد رقم کا مطالبہ اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ یہاں حکومت امداد دے کراس امداد سے حاصل ہونے والی منفعت میں خود کو شریک بنانا چاہتی ہے ، اور سودی کاروبار کررہی ہے۔ اس لئے عام حالات میں اس طرح کا قرض لینا جائز نہیں ہوگا۔

۶۔ مکان ، بیت الخلاء، یا دیگر ضروریات کے لئے حکومتی امداد حاصل کرنا:

حکومت کی جانب سے مخصوص ضروریات مثلاً مکان کی تعمیر بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ کی خاطر یا مخصوص حالات میں امداد کےطور پر جو رقم ملتی ہے اسے حاصل کرنے اور اس کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ، کیونکہ عوام کا حکومت پر حق ہے ، اور جس سے حق وابستہ ہو اس سے حق ملے تو اسے لینا درست ہے ۔البتہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اگر حکومت مخصوص شرطوں کی ساتھ امداد فراہم کررہی ہے تو اس امداد کو اسی وقت لینے کی تدبیر کرنی چاہئے، جبکہ اس میں وہ شرطیں پائی جائیں، ورنہ مالِ غیر کو لینے کے حکم میں ہوگا اور ناجائز ہوگا۔

۷۔ امدادی رقوم کے حصول کی کوشش کرنے والوں کے محنتانہ کا حکم:

حکومت کی جانب سے عوام کی ضروریات کی تکمیل کی خاطر دی جانے والی امدادی رقم کو حاصل کرنا بہت سے ممالک میں عام لوگوں کے لئے انتہائی دشوار عمل ہوتا ہے ، بالخصوص دفتری امور سے نابلد اور ناخواندہ افراد تو بسا اوقات چکر کاٹتے رہ جاتے ہیں اور استفادہ نہیں کرپاتے،بلکہ اکثر وبیشتر حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اگر مخصوص افراد کو واسطہ نہ بنایا جائے تو کام کا بننا اور اس امداد کا حاصل ہوجانادشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے ،اور جو واسطہ بنتا ہے اسے بھی مختلف قسم کے امور انجام دینے ہوتے ہیں، مثلاً مخصوص فائلیں تیار کرنا ، اس سے متعلقہ دستاویزات کو مطلوبہ طریقہ پر فراہم کرنا اور فائلوں میں منسلک کرنا، فائلوں کو مختلف متعلقہ حکومتی افراد

کے پاس پہونچانا اور ان کےسامنے استحقاق ظاہر کرکے منظوری حاصل کرنا وغیرہ کئی اہم امور اسے انجام دینے پڑتے ہیں،اس لئے اس پس منظر میں واسطہ بننے والے کے لئے اپنی اجرت کے طور پر مخصوص محنتانہ وصول کرنا جائز ہے اور دینے والے کے لئے دینا بھی جائز ہے ؛ کیونکہ واسطہ بننے والااس کی نمائندگی اور وکالت کرتا ہے جس کی اجرت کو فقہاء نے تسلیم کیا ہے ، فتاوی ہندیہ میں ہے:

''أهل بلدة ثقلت عليهم مؤنات العمل فاستأجروا رجلا بأجرة معلومة ليذهب ويرفع أمرهم إلى السلطان الأعظم ليخفف عنهم بعض الحيف وأخذ الأجرة من عامتهم غنيهم وفقيرهم، ذكر ههنا أنه إن كان بحال لو ذهب إلى بلد السلطان تهيأ له إصلاح الأمر يوما أو يومين جازت الإجارة، وإن كان بحال لا يحصل ذلك إلا بمدة، فإن وقتوا للإجارة وقتا معلوما فالإجارة جائزة والأجر كله له، وإن لم يوقتوا فهي فاسدة وله أجر مثله '' (الہندیۃ: ۵۲۶،۴)۔

(کسی شہر والوں پر کام کی ذمہ داریاں دشوار ہوگئیں تو انہوں نے مخصوص اجرت کے عوض ایک شخص کو اجرت پر رکھا تاکہ وہ جاکر ان کے مسائل سلطان اعظم کے سامنے پیش کرے ، اس طرح ان کی بعض دشواریوں کا بوجھ کم ہو، اور اس اجیر نے غنی وفقیر ہر ایک سے اجرت لیا ، ایسی صورت میں اگر معاملہ ایسا ہو کہ اس کے سلطان کے پاس جانے سے ایک دو دن میں مسئلہ حل ہوجائے، تو یہ اجارہ جائز ہے ، اور اگر صورت حال یہ ہو کہ اس کام کے ہونے کے لئے ایک مدت درکا ہو، تو اگر ان لوگوں نے اس کا م کے لئے وقت کو متعین کیا ہو تو اجارہ جائز ہے اور وہ پوری اجرت کا حقدار ہوگا، اور اگر وقت کی تعیین ان لوگوں نے نہیں کی تو یہ اجارہ فاسد ہے اور کام ہوجانے کی صورت میں اس کے لئے اجرت مثل ہوگی)۔

شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

''إن ما يأخذه المحامي رزق حلال إن كان لرفع الحق ، لأن ما يأخذه على عمل وهو ثمن لمنفعة استوفاها الموكل'' (مجلۃ لواء الاسلام: رمضان: ۱۳۶۸، صفحہ: ۴۴)۔

(وکیل جو اجرت لیتے ہیں وہ رزق حلال ہے بشرطیکہ حق کی حفاظت کے لئے ہو، اس لئے کہ وہ جو کچھ لیتا ہے عمل کے عوض لیتا ہے ،اور وہ اس منفعت کی قیمت ہے جو اس نے مؤکل کو دیا ہے)۔

۸۔ واسطہ بننے والے کا حاصل شدہ رقم میں سے لینا:

بعض مرتبہ واسطہ بننے والے اور صاحب حق کے مابین یہ طے ہوتا ہے کہ حکومتی امداد میں حاصل ہونے والی رقم میں ایک محدود ومخصوص رقم واسطہ بننے والا لے گا، عام طور پر صاحب حق اس کو تسلیم اس لئے کرتے ہیں کہ اس طریقہ میں وہ دھوکہ سے محفوظ رہتے ہیں ؛ کیونکہ اپنی جیب سے اجرت دینے کی صورت میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان کی رقم خرچ ہوجاتی اور کام بھی نہیں ہوپاتا ، اس لئے اگر

فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ حاصل ہونے والی امدادی رقم میں سے ایک محدود ومخصوص رقم واسطہ بننے والے کو ملے گی ، تو یہ جائز ہے ؛ کیونکہ یہ اجرت کا مستحق ہے اور متعین اجرت کا یہ حقدار ہے ،اور جو کچھ یہ لے رہا ہے متعین ومحدود اجرت کے طور پر لے رہا ہے ،لیکن اگر تعیین کے بجائے اجرت کو مجہول رکھا گیا ہو جیسے بعض لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ جو بھی ہوگا دیکھ لیں گے وغیرہ تو اس طرح اجرت کی تعیین درست نہیں ہے،اور ایسی صورت میں صرف وہ اجرت مثل کا حقدار ہوگا۔

البتہ بعض لوگ ایسے موقعوں پر صاحب حق کی لاعلمی وغیرہ کا فائدہ اٹھاکر بڑی رقم دبانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ عمل درست نہیں ہے اور اس میں خیانت کرنا یا اس کی کم علمی وغیرہ کا فائدہ اٹھاکر زائد رقم کا مطالبہ ناجائز ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ‘‘من غشنا فلیس منا’’ (حدیث)۔

بعض مرتبہ حاصل ہونے والی امدادی رقم کتنی حاصل ہوگی اس کا حتمی علم نہیں ہوتا، تناسب میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے ، ایسے موقعوں پر اس طرح اجرت کی تعیین ہوتی ہے کہ جتنی رقم حاصل کروائیں گے اسی کے تناسب سے اجرت دی جائے گی ، گویا اس صورت میں اجرت کو کمیشن کے طور پر متعین کیا جاتا ہے ، اس میں ایک گونہ صاحب حق کو تحفظ بھی حاصل ہوتا ہے ، اسی لئے عام طور پر اسی طریقہ کو اختیار کیا جاتا ہے ،کمیشن پر اجرت فقہاء احناف کے نزدیک مختلف فیہ ہے ، لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے بقول: مفتی بہ قول کے مطابق کمیشن پر اجرت کی تعیین درست ہے ، اس لئے اس طرح اجرت طے کرکے امداد حاصل کرنا بھی جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل:۲،۲۰۲)۔

بعض مرتبہ اس طرح بھی لوگ طے کرتے ہیں کہ جو بھی رقم حاصل ہوگی اس میں سے اتنی رقم محنت کرنے والے کی ہوگی، اس طرح اجرت کی تعیین درست نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں اجرت اسی کے عمل سے ہے، جس کی وجہ سے اس پر مکمل قفیزطحان کی صورت صادق آرہی ہے ،جس کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

‘‘نهي عن عسب الفحل، وعن قفيز الطحان’’ (معرفة السنن والآثار: ۱۱۴۴۴)۔

(جفتی کی کمائی اور قفیز طحان سے منع کیا گیا ہے)۔

علامہ سرخسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

‘‘ولو استأجره لينقي تراب المعدن بنصف ما يخرج منه، كان فاسدا؛ لأن الأجر مجهول، ووجوده على خطر، وهو استئجار ببعض ما يخرج من عمله، فيكون بمعنى قفيز الطحان، فله أجر مثله؛ لأنه أوفى المنفعة بعقد فاسد’’ (مبسوط سرخسی: ۱۴،۴۹)۔

(معدن کی مٹی صاف کرنے کے لئے کسی کو اس طور پر اجرت پر رکھا کہ جو

کچھ بھی ملے گا اس میں سے نصف اس کے لئے ہوگا، تو یہ اجارہ فاسد ہوگا، اس لئے کہ اجرت مجہول ہے اور اس کا حاصل ہونا غیر یقینی ہے ، اور یہ عمل کرنے والے کےعمل سے حاصل ہونے والی چیز سے اجرت دینا ہے ، اس لئے یہ قفیز طحان کے معنی میں ہوجائے گا،ایسی صورت میں اس کو اجرت مثل ملے گا؛ کیونکہ اس نے عقد فاسد کے ذریعہ فائدہ پہونچایا ہے)۔

کمیشن والی شکل میں بھی گرچہ کہ بظاہر ایسی ہی کیفیت نظر آرہی ہے، لیکن اس میں اُسی حاصل ہونے والی رقم سے دینے کی بات یا اسی میں سے مخصوص مقدار لے لینے کی بات مذکورومشروط نہیں ہے ،بلکہ اجرت تناسب میں متعین ہے، جو کہ حتمی طور پر تو متعین نہیں کہ ایک ہزار ہے یا دو ہزار، لیکن تناسب کی تعیین بھی جہالت کو ختم کر رہی ہے، اوراسی میں سے مخصوص رقم لے لینے کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے قفیز طحان سے اس کو جدا کرنے اور عوامی ضرورت کی رعایت میں اس کو جائز ماننے کی گنجائش ہے،اسی لئے اس شکل کو جائز مانا گیا ہے ۔

۹۔ امدادی رقوم یا قرضوں کے حصول کے لئے رشوت؟

اسلام میں رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے:

''لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي في الحكم'' (سنن ترمذی: باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم ابوداؤد: باب في كراهية الرشوة)۔

(فیصلہ میں رشوت لینے اور دینے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے)۔

اس حدیث کی روشنی میں رشوت لینا تو حرام ہے ہی، عام حالات میں دینا بھی حرام ہے ،لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی مرتبہ ایسے حالات ہوتے ہیں کہ رشوت نہ دیا جائے تو حق کا حصول اور دفع ظلم ممکن نہیں ہوتا،اور آج کل مادیت کے خوگر لوگوں نے تو ایسا نظام بنا دیا ہے کہ رشوت دینا حقوق کے حصول کی راہ میں بنیادی ضرورت کے جیسا بن گیا ہے کہ اس کے بغیر کام ہی نہیں ہوتا ،تو کیا حق کو حاصل کرنے کے لئے اور اپنے حق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے یا جس امداد کا وہ مستحق ہے اور جسے رشوت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اس کی خاطر رشوت دینا جائز ہوگا یا نہیں؟فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت میں اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لئے یا اپنے ضائع ہونے والے حق کو بچانے کے لئے رشوت دینا جائز ہے ، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

''إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله، فهو حرام على الآخذ، غير حرام على الدافع ----- ومنها:إذا دفع الرشوة ليسوي أمره عند السلطان حل له الدفع، ولا يحل للآخذ أن يأخذ''

(البحر الرائق:باب اخذ القضاء بالرشوة)۔

(جب اپنے نفس یا مال پر خوف کی صورت میں رشوت دیا تو یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے کے لئے حرام نہیں ہے --- رشوت دینا جائز ہونےکی شکلوں میں سے یہ بھی ہے کہ رشوت اس لئے دیا تاکہ وہ شخص سلطان کے پاس اس کے کام کو بنادے، تو اس کے لئے رشوت دینا حلال ہوگا، لینے والے کے لئے لینا حلال نہیں ہوگا)

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

''الرشوة ما يعطى لإبطال حق أو لإحقاق باطل، أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه فلا بأس به --- وروي أن ابن مسعود أخذ في شيء بأرض الحبشة، فأعطى دينارين حتى خلي سبيله'' (مرقاة المفاتيح: ۲۴۳۷،۶)۔

(''رشوت ''وہ ہے جو کسی حق کو باطل کرنے کے لئے یا کسی باطل پر حق جتانے کے لئے دیا جائے،رہا وہ مال جو اس غرض سے دیا جاتا ہے تاکہ کسی حق کو حاصل کیا جائے،یا اپنی ذات سے کسی ظلم کو دور کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ---مروی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے حبشہ کی زمین کو حاصل کرنے کے لئے دو دینار دئے ، تو ان کا راستہ خالی کردیا گیا)۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رشوت کا دینا لینا حرام ہے،البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کےلیے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینے والا گنہ گار ہوگا'' (فتاوی محمودیہ مرتب: ۱۸ ،۴۵۶)۔

اس لئے اگر امدادی رقوم یا سرکاری اسکیموں اور قرضوں کو بغیر رشوت دئے حاصل کرنا ممکن نہ ہواور دینے والا اس اسکیم کا حقدار ومحتاج ہو تو مجبوراً اس کے لئے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ رشوت دے کر امدادی رقوم حاصل کرے اور سرکاری اسکیموں سے استفادہ کرے۔

۱۰ ۔غلط بیانی کے ذریعہ امداد حاصل کرنا:

سرکاری امداد ی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے حکومت کی جانب سے جو شرائط ومعیارات متعین ہوتے ہیں ،وہ درحقیقت ان مخصوص افراد کے تعاون کے لئے ہوتے ہیں جن میں وہ شرائط پائے جاتے ہیں ، اور وہ اعانت وامداد صرف ان ہی لوگوں کے لئے خاص ہوتی ہے،اور ان شرطوں پر پورے اترنے والے ہی اس کے حقدار ہوتے ہیں، ان میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے خود کو مستحق ثابت کرنا اور غلط طریقہ سے امداد یا قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے ؛ کیونکہ اس مینجھوٹ،دھوکہ اور مستحق کی حق تلفی ہے، اور سب اسلام میں حرام ہیں،اسی طرح ناحق کسی چیز پر حق جتانا بھی اسلام میں

حرام ہے ،اور ایسا کرنا والا جہنم کا ٹکڑا لینے والا ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

''إنما أنا بشر، وإنه يأتيني الخصم، فلعل بعضهم أن يكون أبلغ من بعض، فأحسب أنه صادق، فأقضي له، فمن قضيت له بحق مسلم، فإنما هي قطعة من النار، فليحملها أو يذرها'' (مسلم: ۱۷۱۳)۔

بے شک میں بشر ہوں اور بیشک میرے پاس ایک مقدمہ والا آتا ہے اور ہوسکتا ہے ان میں سے ایک دوسرے سے اپنی بات اچھے انداز سے پہنچانے والا ہو۔ تو میں یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس میں جس کے حق میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کروں تو وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے پس وہ اسے اٹھا لے یا چھوڑ دے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی دوسرے مستحق کے حق کا فیصلہ غلط بیانی کے ذریعہ اپنے حق میں کرالینے سے وہ چیز اس کی نہیں ہوجاتی اور اس کے لئے اس سےاستفادہ درست نہیں ہوتا ، بلکہ وہ اس کے لئے نار جہنم ہی ہوتا ہے ۔

۱۱ ۔ بینک کے وہ امدادی قرضے جس کا سود حکومت ادا کرتی ہے:

بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور غرض سے حکومت عوام کو بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر عائد ہونے والے سود کو حکومت بینک کو ادا کرتی ہے، قرض گیرندہ کو ادا کرنا نہیں پڑتا،ایسی اسکیموں سے مسلمانوں سے کے لئے استفادہ میں کوئی حرج نہیں ہے ؛ کیونکہ یہ بھی حکومت کی جانب سے امداد وتعاون ہی ہے ،اوراس سلسلہ میں حقیقی قرض اور اس پر مرتب سود کا تعلق حکومت سے ہی ہوگا،گویا کہ قرض کامعاملہ بینک اور حکومت کے مابین ہوا اور بینک نے حکومت کی جانب سے عوام کو رقم دیا، اور عوام اور عام افراد کے پاس وہ رقم سودی قرض کے طور پر نہیں، بلکہ حکومتی امداد کے طور پر پہونچی، جو اس کے لئے جائز ہے۔

البتہ اگر اس رقم پر عائد ہونے والے سود میں سے کچھ حصہ کی ادائیگی رقم لینے والے پر لاز م ہوتی ہواور بقیہ پوری رقم حکومت ادا کرتی ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ رقم اتنی کم ہو کہ سروس چارج کے مماثل ومشابہ ہو تو اسے سروس چارج تصور کیا جائے گا اور استفادہ درست ہوگا، لیکن اگر غیرمعمولی ہوتو پھر اسے سروس چارج نہیں تصور کیا جائےگا، بلکہ وہ سودی قرض ہوگا، اور اس سے بلاضرورت شدیدہ استفادہ کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲۔محفوظ فنڈ کے سود سے حکومتی امداد:

بعض ایسی اسکیمیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے،اور اس کے انٹرسٹ سےجو رقم حاصل ہوتی ہے،اس سے

تعلیمی اور رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے،گویا حکومت یاحکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے،اس کا مالک ہوتا ہے،اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والےحضرات کی مدد کرتاہے۔ایسی اسکیموں کے تحت ملنے والی امداد سے مسلمانوں کے لئے استفادہ درست ہے ؛ کیونکہ اس کے لئے یہ رقم حکومت کی جانب سے امداد وتبرع ہے، مفتی اعظم ازہر ہند دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک فتوی میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ محکمہ جس کے اصحاب حل وعقد خالص غیر مسلم ہوں یا مشترک ہوتے ہوں ،مگر اقتدار اعلی غیر مسلم کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنے طور پر سودی کاروبار نفع حاصل کرکے کوئی رقم جمع کرے ،اور بطور تبرع کسی مسلمان ملازم کو دے تو اس کا لینا جائز رہے گا اوربمد انعام داخل ہوکر طیب وحلال شمار ہوگا ------ غیر مسلم آپس میں سودی کاروبار اور سودی لین دین بھی کرتے ہیں،بہت سی بیع باطل وفاسد بھی کرتے ہیں،شراب بھی بناتے اور بیچتے ہیں اور اس کی قیمت لیتے ہیں،خنزیر بھی بیچ کر اس کی قیمت لیتے ہیں، پھر مسلمانوں کو یہ پیسے مزدوری میں انعام وغیرہ میں دیتے ہیں،اور ان سب پیسوں کا حرام ہونا معلوم ہونے کے باوجود ان پیسوں کا لینا اس وقت تک شرعا جائز وغیر مکروہ شمار ہوتا ہے جب تک کہ یہ یقین نہیں ہوتا، کہ یہ چیز جس کو فروخت کررہا ہے یہ بعینہ وہی چیز ہے جس کو چرا کر یا ڈاکہ ڈال کر لایا ہے،جو قیمت دے رہا ہے یہ بعینہ وہی روپیہ ہے جس کو چراکر یاڈاکہ ڈال کر لایا ہے،غرض ان سب کا لے لینا اور استعمال کرنا سب درست رہتاہے،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکم جواز کیوں ہے تو اس کی وجوہ متعدد ہیں،متعدد شرعی ضوابط اس کی بنیاد ہیں،مثلاً: (الف) تبدیل ملک سے حکما تبدل عین ہوجاتا ہے۔ یا (ب) الخلط استہلاک کا ضابطہ جو مسلم ہے۔ یا(ج) مثلاً یہ کفار ابتداءً صرف ایمان کے حدود وعقوبت مشروعہ کے مخاطب ہوتے ہیں،باقی معاملات وجزئی احکامات کے مخاطب بعد میں ہوتے ہیں،اس لیے ان کے آپس کے معاملات برقرار اور نافذ رکھے جاتے ہیں،جب تک کہ وہ حرام لعینہ،قبیح خداع،چوری،ڈاکہ وغیرہ کا ارتکاب نہ کریں (منتخبات نظام الفتاویٰ: ١،٢٠٩)۔

اس لئے اگر چہ کہ حکومت نے اس رقم کو سودی ذریعہ سے حاصل کیا ہے ، لیکن مستحق عوام تک وہ رقم حکومتی امداد کے طور پر پہنچتی ہے، اس لئےمسلمانوں کا اس اسکیم سے استفادہ کرنا درست ہے۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی حیثیت اور اس کے مسائل

قاضی محمد حسن ندوی•

سوال نمبر ۱ کا جواب :

اب یہاں تحقیق طلب بات یہ ہے کہ مستقرض مقرض کے قرض سے کب بری الذمہ ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث محدثین اور فقہاء کی توجیہات اس بات پر دال ہیں کہ اس کی دو شکلیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ مستقرض خود پوری رقم اور دین ادا کردے اور دوسری شکل یہ ہے کہ مقرض (صاحب دین) مدیون کو معاف کردے ، مذکورہ دونوں صورتوں میں اور اسی طرح کفیل اور محیل کے اداکرنے سے مستقرض دین کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقرض کو نہ صرف قرض کی ادائیگی میں مہلت دینے کی ترغیب دی ہے بلکہ پورے دیون سے بری اور معاف کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔

''و إن كان ذوعسرة فنظرة إلىٰ ميسرة وأ ن تصدقوا خير لكم'' (سورة بقره : ۲۸۰) (اگر تمہارا مدیون تنگدست ہو تمہارا قرض دینے پر قادر نہ ہو تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو فراخی اور آسودگی کے وقت تک مہلت دی جائے اور اگر تم اس کا قرض معاف ہی کردو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے)۔

حدیث شریف میں ہے : ''وعن حذيفة: قال سمعت النبى ﷺ يقول: مات رجل فقيل له: قال: كنت أبايع الناس فاتجاوز عن الموسرو أخفف عن المعسر فغفر له'' (بخاری شریف: رقم ۲۳۹۱)۔

(حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایاتم سے پہلے ایک شخص تھا جس کے پاس فرشتے روح نکالنے کے لئے آئے اور دریافت کیا گیا آپ کے پاس کوئی عمل صالح ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یاد نہیں ہے البتہ مجھے یاد ہے کہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا تو مالدار کو مہلت دیتا اور تنگدست کو دین سے بری کر دیتا تھا ، اس وجہ سے اس کی مغفرت کی گئی)۔

علامہ کاسانی نے بھی ھبہ اور صدقہ کو معافی اور چھوٹ کے معنی میں استعمال کیا ہے ''لأن الهبة والصدقة في معنى الإبراء''(بدائع الصنائع ۵ ،۱۳)۔

نیز اس سلسلہ میں ''ھدایہ '' کی ایک عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں :''وإذا أبرأ الطالب

• استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات۔

المکفول عنہ أو استوفی منہ برئی الکفیل؛ لأن براءۃ الأصیل توجب براء ۃ الکفیل؛ لأن الدین علیہ'' (ہدایہ۳ ،۱۰۲)اور جب صاحب مال نے مدیون کو بری کردیا یا اس سے دین وصول کرلیا تو کفیل بھی اس سے بری الذمہ ہو جائے گا ، کیوں کہ اصیل کی برائت کفیل کی برائت کے موجب ہے چوں کہ دین اسی پر ہے۔ اس کی نظیر یہ قاعدہ بھی ہے ''یسقط الفرع إذا سقط الاصیل '' (الاشاہ مطبع دیوبند ،۴۰۴)۔

شبہ ربا اور اس کا ازالہ :

قرآن کریم کی آیت ، حدیث شریف اور صاحب ھدایہ کی اس عبارت سے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ مقرض (صاحب مال) مدیون (مستقرض)کو دین سے بری کردے تو وہ اس سے بری الذمہ ہوجاتا ہے، لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں جو معافی اور چھوٹ ہوتی ہے وہ در اصل حکومت اور سرکاری اسکیم کی طرف ہوتی ہے توکیا ربا (سود) کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا؟ جو مسلمان کے لئے حرام ہے۔

اس سلسلہ میں سوال نامہ کے شروع میں جو تمہیدی بات ہے وہ بہت ہی اہم ہے اسی سے اس شبہ کا ازالہ ہوجاتا ہے کہ حکومت عوام کی معاشی ومعاشرتی ضرورت کی تکمیل اور پسماندہ شہریوں کو اونچا اٹھا نے کے لئے دیتی ہے جس کی ہندوستان کے تمام مفتیان کرام نے گنجائش دی ہیں ۔

یہاں حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) کی رائے ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا ، لکھتے ہیں کبھی بے روزگاروں کو باروزگار بنانے کے لئے حکومت کچھ رقم قرض کے طور پر دیتی ہے اور اس میں کچھ چھوٹ بھی دیتی ہے ...کچھ سود کے نام سے زیادہ کر کے باقساط وصول کرتی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک یہ کل ادائیگی رقم باقی رقم کے اندررہے گی وہ شرعاً سود شمار نہ ہوگی اور کسی غیر مسلم خواہ حکومت ہی کیوں نہ ہو اس کے سود کہنے سے اس کا سود ہونا لازم نہ ہوگا (نظام الفتاوی۷ ،۵۰)۔

الغرض اگر کسی مسلمان نے بدرجہ مجبوری ضرورت کی وجہ سے سرکاری اسکیم سے قرض لیا اور اس اسکیم کی طرف سے پورا یا آدھا معاف کر دیا گیاہے نیز لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑا رہا ہے تو اس صورت میں مستقرض کل دین سے بری الذمہ ہوجائے گا اور حکومت یا سرکاری اسکیم سے جو چھوٹ مل رہی ہے وہ شرعاً سود میں شمار نہیں ہوگی۔ جیسا کہ در مختار میں ہے ''وکان علیہ مثل ماقبض''(۲۱۸،۳)۔

سوال نمبر ۲ کا جواب :

چونکہ قرض کا معاملہ ایک اعتبار سے تبرع ہے تو دوسرے اعتبار سے بیع صرف (درھم کی بیع درھم کے عوض) ہے، اس لئے ''ربا النسیئۃ ''سے بچنے کے لئے جمہور فقہاء کے یہاں تأجیل کی شرط لگانا درست نہیں، چنانچہ احناف کے یہاں اگر کوئی تأجیل

کی شرط پر مقرض سے قرض لیتا ہے پھر بھی مقرض کو فی الفور قرض کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہوگا ، یعنی قرض دہندہ اس مدت کا پابند نہیں۔

صاحب ھدایہ لکھتے ہیں :''ولا یثبت الأجل فی القروض عندنا'' (ھدایہ ۵ ،۳۶۸) قرض میں ہمارے یہاں تاجیل ثابت نہیں ہے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اس بات کو مزید واضح کر کے لکھا ہے:''ولایجوز عند جمہور الفقہاء اشتراط الأجل في القرض، فإن أجل القرض إلى أجل مسمى معلوم لم يتأجل، وكان حالا؛ لأنه فی معنى بيع الدرهم بالدرهم'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ۴، ۵۱۱)(قرض میں جمہور فقہاء کے نقطہ نظر سے تاجیل کی شرط درست نہیں ہے اگر کسی نے اس میں تاجیل کی شرط لگا ئی ہے لیکن وہ عقد معجل ہوگا اس لئے کہ وہ بیع صرف کے معنی میں ہے)۔

البتہ امام مالک اس مسئلہ میں جمہورفقہاء کی رائے سے صرف نظر کرکے قول رسول ﷺ ''المسلمون عند شروطهم '' پر عمل کرنے کے لئے تاجیل کی شرط کے وجوب کے قائل ہیں، یعنی مالکیہ کے یہاں فریقین اس مدت کے پابند ہونگے اس سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا(حوالہ سابق ج۴ص۵۱۲)، اسی طرح وصیت ، جحود ، قضاء کے باب میں اور حوالہ کی صورت میں احناف نے بھی تاجیل کی شرط کو ضروری قراردیا ہے۔ اس سے پہلے قرض کا مطالبہ مقرض اور اس کے وارثان کی طرف سے درست نہیں ہے (حوالہ سابق ج۴ ،۵۱۶)۔

الغرض قرض میں مدت کی شرط کا لحاظ کس حد تک ہے ؟اوپرمسالک ائمہ ذکر کئے گئے مگر راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ مالکیہ کا نقطہ نظر تاجیل کے مسئلہ میں زیادہ راجح ہے ، وجہ ترجیح درجہ ذیل ہیں۔

۱- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قرض دہندہ کو ترغیب اور تحریض کی ہے کہ معسر تنگدست مستقرض کو ادائیگی قرض میں مہلت دے، ''وإن كان ذوعسرة فنظرة إلى ميسرة'' (بقرہ : ۲۸) (اگر مدیون تنگدست ہو تو اس کو فراخی اور آسودگی کے وقت تک مہلت دو)۔

۲-دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی روایات میں ایسے مقرض کے حق میں مغفرت کی بشارت دی ہے جو دیون کی وصولیابی میں مستقرض کو مہلت دیتے ہیں، جیسا کہ اوپر حضرت حذیفہ کی روایت ذکر کی جاچکی ہے یہاں صرف ایک حدیث قلمبند کرتا ہوں۔

''وعن أبی الیسر رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ ﷺ:من أنظر معسرا أو وضع عنہ أظلہ اللہ في ظلہ'' (اخرجہ مسلم رقم (۳۰۰۶) (حضرت ابی الیسرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے گا یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) اپنے سایہ میں پناہ دیں گے)۔

۳-تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیانۃً ایفائے عہد واجب ہے ، نیز علامہ ابن تیمیہ ؒ کا رجحان بھی یہی ہے کہ قرض میں تاجیل کی شرط درست ہے (الاختیار ات الفقہیہ ۱۳۲، بحوالہ قاموس الفقہ ۴،۴۹۳) ۔

۴-فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی مالکیہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے،مولانا اپنی کتاب ''قاموس الفقہ '' میں رقم طرازہیں،واقعہ ہے کہ مالکیہ کا قول اس مسئلہ میں زیادہ قرین صواب نظر آتا ہے(قاموس الفقہ ۴ ، ۴۹۲ مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات منقح ہو گئی کہ قرض میں مقرض (قرض دہندہ) کی طرف سے ادائیگی قرض میں مہلت کا ملنا جائز ہی نہیں ہے بلکہ مستحسن اور باعث رحمت ہے۔

تاہم یہاں تحقیق طلب بات یہ ہے کہ مقررہ مدت کے اندر قرض کی واپسی پر پورے دیون کی معافی کی جو شرط ہے شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

اس سلسلہ میں فرمان رسول ﷺ: ''المسلمون عندشروطھم '' سے بڑی رہنمائی ملتی ہے کہ مقرض اور مستقرض دونوں وہ قید وشرط لگا سکتے ہیں جس میں دونوں کی مصلحت پوری ہونے کی امید ہو ، چونکہ مستقرض کی غرض ادائیگی دین میں مہلت مل جائے یا د ین کا پورا حصہ یا آدھا معاف ہوجائے اور مقرض کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ادائیگی دین جلد ہو، الغرض دونوں کی غرض پوری ہوری ہے ، اس لئے اس صورت کے جواز میں کوئی قباحت نہیں،

صاحب ''موسوعۃالفقہ الاسلامی '' لکھتے ہیں: ''یجوز الحط من الدین المؤجل من أجل تعجیلہ سواء کان بطلب من طلب صاحب الدین أوالمدین لما فیہ من مصلحۃ الطرفین'' (مطبع الافکار الدولیہ ۳ ،۵۰۲) دین مؤجل میں فی الفور ادا کرنے کی صورت میں دین کا کچھ چھوڑ دینا (معاف کردینا) درست ہے چاہے اس کی طلب مقرض کی طرف سے ہو یا مدیون کی طرف سے وجہ یہ ہے کہ اس میں دونوں کی ضرورت پوری ہورہی ہے۔

صورت مسئلہ کی شکلیں :

بہرحال سوال نمبر ۲ کی یہاں دو شکلیں ہوتی ہیں ، ایک صورت یہ ہے کہ قرض دہندہ مستقرض کو پورے دیون یا آدھے دیون سے بری کردے اور اس سے معافی اور چھوٹ کو کسی عمل پر معلق نہ کرے تو یہ بالاتفاق درست ہے۔ چونکہ فی الفورایک ہی مجلس میں دین مؤجل کو نقد وکیش کی شکل میندے دیا اور اس پر دائن نے دین کا کچھ حصہ معاف کیا ہے۔جیساکہ فرمان ربانی ہے:

''وإن کان ذو عسرۃ فنظرۃ إلی میسرۃ وأن تصدقوا خیر لکم'' (بقرہ: ۲۸۰) (اگر مدیون تنگدست ہو تو اس کو فراخی اور آسودگی کے وقت تک مہلت دو، اور یہ کہ معافی ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے)۔

۲ : -دوسری شق یہ ہے کہ کل دیون یا نصف کی معافی کو مقرض مستقرض کے

ادائیگی دین پر معلق کرے، جیسا کہ مذکورہ صورت میں ذکر ہے دین کے نصف حصہ کی معافی ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر ہوتی ہے۔

اس شق کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک روایت ہے وہ ملاحظہ کریں ، فقال النبي ﷺ : ''ضعوا وتعجلوا'' (رواہ الحاکم : ۲۳۲۵) ۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کو دین فی الحال وصول کرنے کے لئے اس کا کچھ حصہ وضع اور معاف کرنے کی اجازت دی ۔

سوال نمبر ۳ کا جواب :

قرض کی صحت کے لئے فقہاء نے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قرض کا تعلق اس مال سے ہو جس کو قرض میں لیا جاتا ہو، مثلاً وہ مال مثلی ہو ، موزونات ہو ،مکیلات ہو، مذروعات ہو اور عددیات متقاربہ ہو یہ سب مثلی ہیں ان میں قرض کے طور پر لین دین درست ہے، کیوں ؟ اس لئے کہ ان کابدل تفاوت کے بغیر اداکیا جاسکتا ہے،

''فقال الحنفیۃ:یصح القرض في المثلی ... کالمکیل والموزون والمعدود المتقارب''(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ ،۵۱۲ مکتبہ دیوبند)علماء احناف کا نظریہ ہے کہ قرض کا معاملہ مثلی چیزوں میں درست ہے چاہے وہ کیلی ہو ، وزنی ہو ، یاعددی ہو۔

لیکن ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر اس چیز میں درست ہے جس میں بیع سلم درست ہے (حوالہ سابق ۴، ۵۱۲)۔

قرض کے باب میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ قرض کے بدلہ میں نہ زیادتی کی شرط ہو اور نہ مقرض کی طرف سے قرض کے علاوہ ھدیہ کی پیشکس ہو، کیوں ؟ اس لئے کہ زیادتی اور ھدیہ وہ مال ہے جو بدل سے خالی ہے اور شریعت کی اصطلاح میں ایک مال کا تبادلہ اسی مال کے جنس سے اسی وقت درست ہے، جبکہ برابری میں ہو اور نقداً ہو، ورنہ وہ سود میں شامل ہوگا ۔

علامہ شامی سود کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں،

''(ھو) شرعا (فضل) ولو حکما خال عن عوض بمعیار شرعی مشروط لأحد المتعاقدین ...قال:ویدخل فیہ إذ شرط الانتفاع بالرھن کالاستخدام والرکوب والزراعۃ ... فإ ن الکل ربوا حرام'' (شامی۴ ،۲۴۵) ۔

(ربا شرعاً لین دین کے سلسلہ میں فریقین میں سے کسی ایک کے لئے ایسے اضافہ کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو ، چاہے یہ اضافہ متعاقدین کی طرف سے حکما ہو ،مثلا مرتہن مال مرہون سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگا دے، جیسے خدمت لینا ، سوار ہونا ، کاشتکاری وغیرہ بلا شبہ یہ سب سود او ر حرام ہیں)۔

علامہ شامیؒ کی اس جامع عبارت سے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ قرض کے معاملہ میں دائن (مقرض) کی طرف سے قرض کی رقم کے علاوہ زیادتی کی شرط اور مستقرض سے منفعت اٹھانے کی شرط رکھنا ربا (سود) ہوگا اور حرام ہے۔

ارشاد ربانی ہے :''أحل الله البيع وحرم الربوا'' (بقرہ: ۲۷۵) (اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

حدیث شریف میں سات چیزوں کو موبقات میں شمار کیا ہے ان میں ایک ''اکل الربا '' (سود کھانا) کوبھی شمار کیا ہے (متفق علیہ بخاری شریف رقم ۲۷۶۶)۔

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مقرض کی طرف سے منفعت کی شرط (جو عوض سے خالی ہو) کو سود میں شامل کیا ہے،

''كل قرض جر منفعة فهو حرام إ ذا كان مشروطاً (رواہ البیہقی بحوالہ الفقہ الاسلامی ج۔۴ ص۷۲۶)جو قرض نفع کے لئے بنایا جائے وہ ربا ہے۔

اسی طرح ''عمدة القاری شرح صحیح البخاری '' میں تھوڑے فرق کے ساتھ ذکرہے،''كل قرض جر منفعة فهوربا'' (كتاب عمدة القاری الاجارة)۔

اور ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے بھی قرض میں مذکورہ زیادتی کی نفی کی ہے ۔

''أن لا يجر نفعا، فإ ن كانت المنفعة للدافع منع اتفاقا'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ۴،۵۱۸) (قرض کو نفع کا ذریعہ نہ بنائے اگر یہ منفعت دائن (مقرض) کے لئے ہے تو بالاتفاق ممنوع ہے)۔

مذکورہ بالا بحث کے تحت سوال نمبر ۳میں (دائن) کی طرف سے مقررہ مدت کے بعد قرض اداکرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنے کی شرط درجہ ذیل وجوہ سے شرعاً درست نہیں۔

۱- ایک وجہ یہ ہے کہ قول رسول ﷺ اور قول صحابہ '' كل قرض جر منفعةفهو ربا'' کے تحت سود ہے۔

۲ - یہ شکل دور جاھلیت میں اور ابھی بھی ''ربا النسیئۃ '' میں داخل ہے اور یہ حرام ہے چونکہ ربا کے حکم مینہے اور ربا (سود) کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے چاہے ''ربا النسیئہ ''ہو یا ''ربا الفضل ''۔

چنانچہ مفتی عبیداللہ اسعدی لکھتے ہیں ،علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ''ربا النسیئہ ''(یعنی ربا الدیون کی حرمت کا انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی (الرباء ۴۸، فقہ اکیڈمی دھلی) ۔

حالت اختیاری اور حالت اضطراری کا اثر اور دونونکے حکم میں فرق :

اسلام کے دین کامل اورعالمی دین ہونے میں ایک نمایاں وجہ یہ ہے کہ اس کے

احکام میں راہ اعتدال کا جتنا لحاظ ہے وہ اسی دین متین کا طرہ امتیاز ہے، اسی وجہ سے دین کے ہر شعبہ میں حالت اختیاری اور حالت اضطراری دونوں کا اعتبار ہے دونوں کے حکم میں واضح فرق ہے، یعنی حالت اختیاری میں ایک چیز کا حکم عدم جواز کا ہوتا ہے تو اسی امر کا حکم حالت اضطراری میں جواز کا۔

اسی بنا پر سوال نمبر ۳ کے تحت اوپر یہ حکم لکھا گیا کہ اگر مقرر مدت کے بعد قرض اداکرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم دینا سود ہے اور ایک مسلمان کے لئے جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی، لہٰذا سود پر قرض لینا ایک مسلمان کے لئے شرعاًدرست نہیں۔

یہ حکم اختیاری حالت میں ہے، لیکن اگر کوئی بہت زیادہ مالی تنگدستی میں ہے، غربت و بدحالی سے دو چار ہے ، بلا سودی قرض ملنے کی کوئی راہ نہیں ہے تو یہ اضطراری حالت ہے، اس صورت میں ‘‘الضرورات تبیح المحظورات ’’ کے تحت ممنوع اعمال بھی مباح ہوجاتے ہیں،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ‘‘فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ’’ (بقرہ ۱۷۳) ۔

پھر جو شخص بیتاب ہوجائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوزکرنے والاہوتو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا ،

علامہ ابن نجیم نے بھی حاجت کو ضرورت کے قائم مقام قرار دے کر سود پر قرض لینے کی رخصت دی ہے ‘‘وفي القنیۃ والبغیۃ، یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ ۱۴۵)قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ حاجت مند کے لئے نفع کی شرط پر قرض لینا درست ہے ۔

دوسری جگہ پر قاعدہ ‘‘ماحرم أخذہ حرم اعطاء ہ ’’کے ضمن میں ‘‘الرشوۃلخوف علی مالہ’’ کا استثنا کرتے ہیں ‘‘إلا في مسائل الرشوۃ لخوف علی مالہ او نفسہ (قولہ الرشوۃ لخوف علی مالہ) علی في جانب الدافع ... وینبغی أن یستثنی الأخذ بالربا للمحتاج، فإنہ لا یحرم’’ (اشباہ مع حموی ۱۷۶)۔

مگر مال یا جان کے خوف سے رشوت دینے کے مسائل ہیں، لیکن یہ جواز دینے والے کے حق میں ہے اس شخص کے حق میں جس کو دیا گیا ہے حرام ہے، اسی طرح مناسب ہے کہ اس سے یہ صورت بھی مستثنی ہو کہ کوئی محتاج سود پر قرض حاصل کرے یہ بھی حرام نہیں ہے ۔

بحث بالا سے جب یہ مسئلہ واضح ہوا کہ نیجی اور ذاتی مال (ذاتی حق) کی تحصیل اور وصولیابی میں رشوت دے سکتا ہے تو اسی طرح اگر کوئی شخص اس طرح تنگدست اور لا چار ہے، جس کی تلافی کے لئے مذکورہ صورت کے علاوہ کوئی جائز متبادل راہ نہیں ہے تو ایسی صورت مینمذکورہ مضطر مسلمان کے لئے سرکاری اسکیم سے سود کی شرط پر قرض لینے کی گنجائش ہوگی۔

سوال نمبر ۴ کا جواب :

اس صورت کا حکم لکھنے سے پہلے یہاں اس اعتبار سے غور کرنا ضروری ہے کہ غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل رقم کے علاوہ جو زائد رقم کی واپسی کا مطالبہ ہوتا ہے اور اس کی شرح بہت کم ہوتی ہے کیا اس کو سروس چارج میں شمار کرکے اس کی رخصت دے سکتے ہیں یا اس پر سود کا حکم عائد ہوگا؟

اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء نے سود کی جو تعریف کی ہے ‘‘ ھوشرعاً فضل خال عن عوض بمعیار شرعی مشروط لاحدالمتعاقدین’’ (شامی ۲۴۵،۴) (وہ مال جوعوض سے خالی ہو اورمتعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے ہو) وہ اس صورت پر پورے طور پر صادق آرہی ہے، یعنی زائد رقم بھی ہے ، جو عوض سے خالی ہے، جن کی واپسی کا مطالبہ شرط کے طور پر ہے چنانچہ اس کے بارے میں یہاں چند فقہاء کی رائے پیش کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

‘‘عن أنس قال:قال رسول اللہﷺ:إذا قرض أحدکم قرضا فأھدی إلیہ طبقافلا یقبلہ أو حملہ علی دابۃفلا یرکبھا’’ (البیہقی السنن،۳۵) اگر تم میں سے کسی شخص نے کسی کو قرض دیا اور مقرض اس کو ایک طبق پیش کرے تو اسے نہیں قبول کرے یا مقرض کو مستقرض جانور سواری کے لئے دے تو اس پر سواری نہیں کرنی چاہیے ۔

دوسری روایت میں اس سے زیادہ سخت حکم آیا ہے کہ مقرض کا مستقرض کو قرض دے کر کسی طرح کا اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز اور حرام ہے۔ گرچہ اس حدیث کے بارے میں سنداً کلام کیا گیاہے، مگر اس کا معنی اقوال صحابہ سے ثابت ہے۔ ‘‘کل قرض جر منفعۃ فھو ربا’’ (مطالب: ۱۳۷۳۔ در منثور ۳۵۰،۵ کنزالعمال، ۱۵۵۱۶) ۔

چنانچہ اس حدیث کے حکم کے بارے میں علامہ ابن بازؒ رقمطراز ہیں:

‘‘الحدیث المذکور ضعیف عن أھل العلم لیس بصحیح، ولکن معناہ صحیح عن العلماء معناہ أن القروض التی تجر نفعا بممنوعۃ بالإجماع’’ (تطبیقات الشیخ ابن بازؒ وفتاوی ابن باز) ۔

گرچہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے لیکن اس کے معنی کی علماء نے تصویب کی ہے یعنی قرض پر نفع کمانا بالاجماع ناجائز ہے،

‘‘وقد نقل ابن المنذر إجماع العلماء علی ذلک فقال:أجمعوا علی أن المسلف إذا اشترط علی المستسلف زیادۃ أو ھدیۃ فأسلف علی ذلک إن أخذ الزیادۃ علی ذلک ربا’’ (احکام القرض)۔

علامہ منذر نے اس پر علماء کا اجماع لکھاہے کہ مقرض کا زیادتی اور ھدیہ کی شرط پر مقترض کو قرض دینا اور زیادتی کا لینا ربا (سود) ہے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں،

‘‘فإن کانت الزیادۃ بشرط أو وعد أو عادۃ منعت مطلقا’’(الفقہ الاسلامی وادلتہ۴،

۵۱۶)اگر قرض کے علاوہ زیادتی کی شرط ہو یا وعدہ یا عادت کے طور پر ہو وہ مطلقا ناجائز ہے ۔

حدیث بالا اور محدثین وفقہاء کے اقوال کے نتیجے میں راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ جس قرض میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ شرط اور وعدہ اور عادت کے طور پر ہو وہ ربا (سود) کے حکم میں ہے، لہٰذا اسے سروس چارج کے قائم مقام قرار دے کر نہ مقرض کا لینا درست ہوگا اور نہ مستقرض کادینا۔

البتہ اگر مستقرض مضطر ہے تو بقدر ضرورت ہے علامہ حموی کے قول ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' کے مطابق وہ زائد رقم دے کر قرض لے سکتا ہے، بشرطیکہ جان یا عزت پر آفت آنے کا امکان ہو اور سود پر قرض لئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔

اصل سے زائد رقم کو سروس چارج میں شمار کی ایک صورت :

دین اسلام ہی کا امتیاز ہے کہ جہاں ایک صورت میں ایک معاملہ میں عدم جواز کا حکم دیا ہے تو وہیں دوسری طرف دوسری صورت میں جواز کا بہر حال پہلے یہاں چند صورتیں ملاحظہ کریں ۔

ایک صورت :

اگر اس کی نوعیت و شکل میں تبدیل کر دیجائے مثلاً زائد رقم کو علی الاطلاق کرنے کے بجائے بینک اور دفتری تمام مصارف کا جائزہ لے کر ابتداء وقت مینایک متعین رقم تمام مستقرضین پر لازم کیجائے جسکی ادائیگی قسط وار ہو تو اس کو سروس چارج کہہ سکتے ہیں ، شرعاً یہ جواز کے حکم میں ہوگا ۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں ، قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آتے ہیں(فقہی مقالات۱، ۲۷۰)۔

جواز کی دوسری صورت :

اس کے جو ازکی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص سرکاری اسکیم کے تحت قرض لے اس میں سے بعض رقم کو دوسرے بینک میں جمع کرے جس میں جمع کی ہوئی رقم کا سالانہ سود اصل قرض لی ہوئی رقم سے بڑھ جاتی ہوپھر اسے نکال کر سرکاری اسکیم میں بطور سروس چارج جمع کردے، اس کے سلسلہ میں مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں:

مجبور و غریب کا حکومت سے قرض لینا کہ اس میں سے کچھ رقم بینک کے کسی ایسے کھاتے میں جمع کردی جائے جس سے ملنے پر سود پورے قرضہ کے سود کی ادائیگی کے لئے کافی ہو اور بقیہ رقم اپنے کاروبار میں لگا دی جائے جس کو الگ سے ادا

نہ کرنا پڑتا ہوتو شرعاً یہ حیلہ درست ہے۔

''من أراد بالحيلة الهرب من الحرام فلا بأس'' (سراج علی الخانیہ ۴۷۵،۴، بحوالہ تعلیم کے لئے قرض کا حصول ،۱۳۰) ۔

بینک میں اور اداروں کے مصارف کی بجا آوری کی متبادل راہ :

رہا یہ مسئلہ سرکاری اسکیم اور اداروں سے متعلق جو مصارف ہیں وہ کس طرح پورے ہونگے؟ تو اس سلسلہ میں تیسرے فقہی سیمنار میں درجہ ذیل صورت میں راہ نکالی گئی ہے ۔

ایک شکل:

(الف) کچھ اصحاب خیر ایک ملی قومی ضرورت سمجھ کر رضاء الہی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں

(ب) سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی اداروں کو ہر طریقہ پر کوشش کرنی چاہیئے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداوار میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کی جائے ...جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے،۱۳۵- ۱۳۴)۔

دوسری شکل :

اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ ہر قرض دار بذات خود ''هل جزاء الإحسان إلا الإحسان'' کی بنیاد پر قرض کی واپسی بہتر صورت میں کرے یا اپنی طرف سے کچھ زائد رقم دے بشرطیکہ ادارہ کی طرف سے نہ شرط ہو اور نہ اس سے وعدہ ہو تو شرعاًؔاس کی گنجائش ہوگی، جیساکہ اللہ کے رسول ﷺکے نے فرمایا ہے۔

''إ ن خياركم أحسنكم قضاءاً''(بخاری شریف رقم۳۳۰۵) (تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہینجو قرض کی ادائیگی میں اچھا معاملہ کرنے والے ہوں)۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے بھی تفصیل سے اس شق پر روشنی ڈالی ہے :''فإ ن أقرض شخص غيره مطلقا من غير شرط فقضاء خيراً منه فی الصفة أو زاد ه في القدر جاز ولا يكره للمقر أخذه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ ،۵۱۷) ۔

اگر کسی شخص نے بغیر کسی شرط کے دوسرے کو قرض دیا اور قرض دار نے اس کی ادائیگی بہتر صورت میں کی یا مقدار میں زیادتی کردی تو یہ درست ہے اور مقرض کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح ''فتاوی عالمگیری ''میں بھی اس کی رخصت دی گئی ہے،''فإن لم تكن المنفعة مشروطة في العقد فاعطاه المستقرض أجود مما عليه فلا بأس به'' (۲۰۲،۳) (اگرمقرض نے قرض دیتے وقت منفعت کی کوئی شرط نہیں رکھی اور قرض دار نے بہتر صورت میں ادا کیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں) ۔

الغرض قول رسول ﷺ اور عمل رسول ﷺ اور اقوال فقہاء اس بات پر دال ہیں کہ ادارے کے مطالبہ اور شرط کے بغیر قرض دار اپنی صوابدید سے اصل رقم سے کچھ زائد رقم مقرض یا ادارے کو ادا کرے تو شرعاً اس کی گنجائش ہو گی، لیکن شرط کی صورت میں زائد رقم دینا سود میں شامل ہوگا۔

سوال نمبر ۵ کاجواب:

چونکہ یہ صورت سوال نمبر ۴ کے بعینہ مشابہ ہے ، اور اس کے جواب کے تحت دو اعتبار سے حدیث شریف اور فقہاء کے اقوال کے آئینہ میں سیر حاصل کلام کیا گیا ہے اس لئے بحث بالا پر قیاس کرتے ہوئے صرف یہاں مذکورہ دونوں شقوں اور دونوں کے حکم کو لکھنے پر اکتفا کرونگا۔

۱۔ پہلی شق:یہ ہے کہ معافی یا غیر معافی والے والے قرضوں میں اگر مقرض (دائن) یا سرکاری ادارے کی طرف سے زائد رقم کی ادائیگی کا مطالبہ ہے یا اس ادارے میں اس کا رواج ہے تو وہ زائد رقم سود میں شمار ہوگی چاہے اس کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، چاہے اس زائد رقم کو سروس چارج یا انتظامی خرچ میں شمار کریں یا کوئی اور نام سے اسے تعبیر کریں،''فإن كان مشروطا فهو ربا محرم'' (موسوعۃ الفقہ الاسلامی۳ ،۴۹۹) ۔

۲ ۔ دوسری شق : اگر ہر قرض دار ''هل جزاء الإحسان إلا الإحسان'' کے تحت اپنی خوشی سے دائن (یا سرکاری اسکیم) کو اصل رقم کے علاوہ کچھ زائد رقم ادا کرے بشرطیکہ دائن کی طرف سے کوئی شرط نہ ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی، کیونکہ یہ مکارم اخلاق میں داخل ہے۔

صاحب موسوعہ رقمطراز ہیں :الإحسان فی أداء القرض مستحب إن لم یکن شرطا؛ لأن ھٰذا من حسن القضاء ومکارم الاخلاق(موسوعۃ الفقۃ الاسلامیۃ ج۳ ،۴۹۹) ۔

البتہ قرضے کی وہ شکلیں جن میں جانوروں کو پالنے ، مکان کی تعمیر ، کاشتکاری و باغبانی کی ضرورت کے لئے سرکاری اسکیم کے تحت ہوتی ہیں تو اس کی بھی دو شکلیں ہوں گی:

۱- پہلی شق: اگر قرض لینے والا مجبو ر اور مضطر نہیں ہے تو سود پر قرض لینا درست نہیں ہوگا، بلکہ بلاسودی قرض سے بچنا ضروری ہوگا۔

۲ - دوسری شق: لیکن اگر وہ مجبور ہے مضطر ہے تو ان ضروریات کی بجاآوری کے لئے کوئی متبادل حلال سبیل نہیں ہے تو علامہ حموی کے قول '' ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (اشباہ مع حموی ،۱۴۵) کے مطابق بقدر ضرورت سرکاری اسکیم سے قرض لینے کی گنجائش ہوگی۔

''فمن اضطرغیر باغ ولاعاد فلا إثم علیہ'' (بقرہ: ۱۷۳)بھر جوشخص بیتاب ہوجائے بشرطیکہ نہ طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والاہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوگا ۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اضطراری حالت میں سرکاری اسکیم سے سود پر فائدہ اٹھانے کی گنجائش دی ہے لکھتے ہیں : لیکن دوسرے اشخاص یا بینکوں کے مقابلہ میں حکومت کو سودادا کرنے کامعاملہ نسبتاً خفیف ہے (کتاب الفتاوی ۲،۶۴)۔

سوال نمبر ۶کا جواب :

اس شق کا تعلق گورمنٹ کی طرف سے ملنے والی اس رقوم سے ہے جو ضرورت مند اور محتاج لوگوں کو مکان بنانے اور بیت الخلاء اور دوسری ضروریات کی تکمیل کے لئے بطور اعانت کے دیجاتی ہیں، لیکن ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی ہے اس لئے یہاں دو جہتوں سے بحث ضروری ہے۔

۱- گورمنٹ کی طرف سے جو رقم بطور اعانت کے ملتی ہے شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

۲- اس معاونت کے حقدار کون لوگ ہیں۔

پہلی شق کے تحت یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، لفظ جمہور ی سے یہ معنی واشگاف ہوتاہے کہ اس ملک کے خزانے کو مستحکم کرنے میں جس طرح عام شہری کے مال سے مختلف ٹیکس کے طور پر ایک حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح مسلمانوں کی جائداد اور املاک کا بڑاحصہ اس میں جمع ہوتا ہے، بلکہ مسلمانوں کی موقوفہ جائداد میں سے بڑی پروپٹی حکومت کے قبضہ میں ہے اس سے بڑی منفعت حاصل ہوتی ہے وہ اسی ملک کے خزانے میں جمع ہوتی ہے۔ اس لئے عام شہریوں کے مقابلہ میں اس ملک کے خزانے سے مسلمانوں کا حق زیادہ ہے۔

استاذ محترم قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ہندوستان جمہوری طرز حکومت ہے جو در اصل (Reperesentative system of Gonernment) نیابتی نظام حکومت ہے۔

(الف) اختیارات کا سرچشمہ عوام کو تسلیم کیاگیا ہے

(ب) پورے ملک کی بالغ آبادی کو رائے دہندگی کا حق ہے۔

آگے لکھتے ہیں کہ یہ حکومت جو دستور ہند کی رہنمائی کی پابند ہوتی ہے، عوامی مفادات کو سامنے رکھ کر وسائل آمدنی پر کنٹرول اور خرچ کی مدات کی تعین اور ہر دو کی پالیساں وضع کرنے اور نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے (مباحث فقہیہ ،۶۴۷) ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ملک کے مالیاتی نظام اور سرمایہ اندوزی کی بنیاد سود اور قمار پر ہے جو عام حالات میں ایک مسلمان کے لئے درست نہیں ہے، لیکن یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمان یہاں کے نظام اور طریقہ تجارت میں (جو ملک کے تحت ہء) تبدیلی اور سدھار کرنے پر قادر نہیں ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ اپنے طور پر ایسے سرمایہ داروں سے اور سرکاری اسکیموں سے اپنے دامن کو داغدار ہونے سے

بچائے، یہی تقوی کا تقاضہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے :''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب'' (طلاق: ۳) جو شخص اللہ سے ڈریگا تو وہ مشکل سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور اس کو بے گمان رزق عطا کریں گے ۔

دوسری شق:-لیکن اگر کسی مسلمان کے پاس ضرورت کے بقدر مکان نہیں ہے ۔ اور نہ اس کے پاس اتنی رقم ہے کہ مکان اور بیت الخلاء بنا سکے تو ایسی اضطراری حالت میں حکومت کی اسکیم اور گورنمینٹ کی طرف سے ملنے والی رقم کا لینا اور مکان بنانا شرعاً درست ہوگا ، اور وہی حقیقت میں سرکاری اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے حقدار ہیں، جیساکہ علامہ حموی نے لکھا ہے '' الضرورۃ بلوغہ حدا أن یتناول الممنوع ھلک وھدم یبیح تناول الحرام'' (حاشیہ الاشباہ ۱۰۸،) ۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکتے ہیں :

''اگر کسی کے پاس ضرورت کے بقدر رہائش کی سہولت نہ ہواور نہ اتنا پیسہ ہو کہ مکان بنا سکے ... تو اس کے لئے حکومت کی ان اسکیموں سے فائدہ اٹھا نا درست ہے ... کیونکہ ضرورت مندوں کو مکان فراہم کرنا اور بے روزگار وں کو روزگار کے مواقع مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے ''(کتاب الفتاوی ۱۰، ۶۴)۔

حضرت مولانا قاضی مجاھد الاسلام صاحب رحمۃاللہ علیہ قلمبند کرتے ہیں:

''اگرچہ یہ درست ہے کہ ہندوستان کا کوئی شہری اپنی انفرادی حیثیت میں پبلیک اکاؤنٹ (سرکاری خزانہ) کامالک نہیں ہے، لیکن دستور ہند کی روسے ہر شہری کو مقررہ ضوابط کے تحت انتفاع سرکاری خزانہ سے حاصل ہے ''۔

الغرض تفصیل بالااس بات پر دال ہے کہ یہاں کے ہر شہری کو سرکاری خزانہ سے حق انتفاع حاصل ہے تو ضرورت مند محتاج مسلمان کا گورنمنٹ کی امدادی رقم سے مکان بناناشرعاً جائز ہوگا ۔

سوال نمبر ۷ کا جواب:

یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ اس قت ہندوستان میں اپنی نجی کمائی ہوئی رقوم بینک سے حاصل کرنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ۸ نومبر ۲۰۱۶ء سے ۵۰۰ سو اورہزار کی نوٹ بندی کی وجہ سے کتنے لوگوں کواپنی قیمتی جان کی بھینٹ چڑھانی پڑی ہے، یعنی روپئے کیلئے قطاروں میں رہتے ہوئے جان بحق ہوگئی، لیکن وہ رقم نہیں ملی جس کو حاصل کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کیا تھا ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گورمینٹ کی امدادی رقوم کو حاصل کرنے میں کتنی دقتیں ہوتی ہیں، لہٰذا درمیان میں واسطے والوں کی مددہی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی بلکہ ان کے بغیر روپیہ وصول کرنا اور کوئی کام کرانا محال ہے۔

بہرحال سوال یہ ہے کہ واسطہ والے جو اپنا قیمیی وقت صرف کرتے ہیں ، دفاتر کے عملاء سے بار بار ملاقات کرتے ہیں ، قانونی اور کاغذاتی دشواریوں کو حل کرنے میناہم کردار اداکرتے ہیں کیا ان کو محنتانہ دینا اور لینا شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلہ مینہمیں قرآن مجید کی اس آیت سے بڑی رہنمائی ملتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضر ت موسی علیہ السلام کو کنویں سے پانی نکال کر دینے پر اجرت دی،

''قالت إنَّ أبی یدعوک لیجزیک أجر ما سقیت لنا'' (قصص ۲۵)کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں گے جوتم نے ہماری خاطر پانی پلادیا تھا۔

دوسری جگہ پر ارشاد ربانی ہے : ''فإن أرضعن لکم فآتو ھن أجورھن(طلاق ۶) پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے دودھ پلادیں تو تم انکو اجرت دو۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کو کیوں اجرت دینے کا وعدہ کیا گیا ؟ اس کا جواب یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام نے اس عمل پر اجرت اور معاوضہ دینے کے لئے طلب کیا کہ انہوں نے اپنا وقت لگایا تھا اور کنویں سے پانی نکال کر دیا تھا یہ ایک منفعت ہے جس پر معاوضہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح شیر خوار بچے کو دودھ پلانا ایک منفعت ہے، اس لئے دوسری آیت میں اللہ تعالی نے مرضعہ کو معاوضہ دینے کی تاکید کی ہے۔

جس طرح پانی کنویں سے نکال کر دینا اور بچے کو دودھ پلانا اجارہ کے قبیل سے ہے اور دونوں منفعت بھی ہے اور دونوں کا معاوضہ لینا درست ہے اسی طرح سرکاری امدادی رقوم حاصل کرنے کے لئے واسطہ بننا، محنت کرنا اور تگ و دو اور محنت کر کے روپیہ وصول کرنا اور مستحق لوگوں کے حوالہ کرنا بھی ایک منفعت ہے جس کی اجرت لینا اور دینا درست ہے،نیز وکالت ، دلالی کے قبیل سے بھی ہے اس لئے درست ہے۔

سوال نمبر ۸کا جواب:

یہ سوال عقد اجارہ کے قبیل سے ہے ، اس کی صحت کی شرطوں میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ اجیر کے عمل کے ایک حصہ کو اجرت نہ بنایا جائے ، بلکہ اس کے علاوہ کسی مال متقوم کو اجرت بنائیں ورنہ اجارہ فاسد ہوگا ، رسول اللہ ﷺ نے اجیر کے جزوعمل کو اجرت بنانے سے منع فرمایا ہے،

''عن أبی سعید الخدری قال:نھی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان'' (ابوداؤد رقم ۳۴۲۹) حضرت ابو سعید الخدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے منع فرمایا ہے۔

امام طحاوی کی توجیہ :

اس حدیث کے دوسرے جزء ''عن قفیز الطحان '' کے بابت امام طحاوی رحمۃاللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممانعت کی وجہ وہ آٹاہے جو موجود نہیں ہے اس کو اجرت میں طے کیا ہے، اور معدوم شئ کو اجرت میں پیش کرنا درست نہیں ہے (مشکل الآثار ۳۰۷،۱)۔

امام ابوحنیفہؒ نے بھی اس طرح کے عقد اجارہ کو موجب فساد قرار دیا ہے ۔

''تعین الأجر بما یعمل فیہ الأجیر مفسد للعقد'' (موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۵۴۰،۴) (جیرکے عمل کے ایک حصہ کو اجرت میں متعین کرنا فساد عقد کا سبب ہے)۔

مگر چونکہ ہمارے ہندوستان میں معاملات میں بڑی تبدیلی آگئی ہے بالخصوص اجارہ کے باب میں معقود علیہ کے جزو خاص کو اجرت بنانے کا عرف ہوگیا ہے بلکہ عموم بلویٰ کے درجہ میں ہے ، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو امت ضیق اور تنگی میں مبتلا ہو جائے گی،اس لئے ''الأمر إذا ضاق اتسع '' اور قاعدہ ''لوکان أحدھما أعظم ضررامن الآخر، فإن الأشد یزال بالأخف'' (اشباہ ۳۱۵،) کے تحت اور مذکورہ بالا فقہائے احناف، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کی روشنی میں راقم کی یہی رائے ہے کہ اجارہ کے باب میں عرف کی وجہ سے قیاس کا ترک کرنا درست ہے، لہٰذا اگر مستحق واسطہ والے کو حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ دیتے ہیں تو اس کا لینا اور دینا عرف کی وجہ سے درست ہے، بشرطیکہ اجرت کا حصہ پہلے سے متعین ہو۔

سوال نمبر ۹ کا جواب:

شرع میں جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح دینا بھی، لیکن اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے مسلمانوں کو رخصت حاصل ہے کہ بدرجہ مجبوری سود دے کر اپنا حق حاصل کر سکتے ہیں، اس کی نظیر موجود ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم ''قاعدہ '' ''ماحرم أخذہ حرم اعطاء ہ ''کے ضمن میں ''الرشوۃ لخوف علی مالہ أو نفسہ '' کا استثناء کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''إلا في مسائل الرشوۃ لخوف علی مالہ أو نفسہ ... ھٰذا فی جانب الدافع ''مگرمال یا جان کے خوف سے رشوت دینے کے مسائل ہیں، لیکن یہ جواز دینے والے کے حق میں ہے۔

بہرحال یہاں سوال یہ ہے کہ حکومت سے مستحقین اور غریب لوگوں کو جو امداد ی رقم ملتی ہے ۔

اس بارے میں اصولی بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے (سرکاری اسکیم) سے ملنے والی امدادی رقم اور قرضوں کی تحصیل کوئی اپنا جائز حق نہیں ہے جس کی تحصیل کے لئے رشوت دینے کی رخصت دیجائے اور جسکی اجازت علامہ ابن نجیم نے اپنے اس قول کے ذریعہ ''إلا في مسائل الرشوۃ لخوف علی مالہ أو نفسہ '' دی ہے، لہٰذا سرکاری اسکیم سے امدادی رقم اور قرضوں کی تحصیل کوئی اپنا حق نہیں ہے، اس لئے اس کے لئے

رشوت دینا عام حالت میں جائز نہیں ، اور نہ رشوت دے کر امدادی رقم اور قرض حاصل کرنا درست ہے۔

تاہم کوئی مسلمان بہت ہی نادار اور مضطر ہے اس کے علاوہ معاش کی ضرورت پوری کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے تو ‘‘فمن اضطر غیر باغ ولاعاد فلا إثم علیہ’’ (البقرۃ: ۱۷۳) اور ‘‘الضرورات تبیح المحظورات’’ کی بنیاد پر اور بقول علامہ حمویؒ ‘‘ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ رشوت کے ذریعہ بقدر ضرورت امدادی رقم اور قرض لینے کی شرعاً گنجائش ہوگی۔

سوال نمبر ۱۰ :

یہ دنیا جہاں ایک طرف انسان کے لئے عبادت گاہ ، اور امتحان گاہ ہے وہیں دوسری طرف اپنی معیشت درست اور بہتر بنانے کے لئے دارالاسباب بھی ہے گرچہ اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، لیکن اس کا مدار انسان کی محنت ومجاہدہ اور ذرائع واسباب کے اختیار کرنے پر رکھا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اپنی ضرورت اور اپنے ماتحتوں کی ضرورت کی کفالت کے لئے مخنت کرنا، ملازمت کرنا واجب ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں، بلکہ فریضہ کی ادائیگی کی نیت سے پر ہے مال جائز طریقہ پرمال حاصل کرنا صدقہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کی ترغیب دی ہے :

‘‘فإذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللہ’’ (جمعہ۱۰) (جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو)۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کئی روایات میں صحت مند اور بغیر ضرورت کے سوال کرنے والے کو سوال سے منع ہی نہیں کیا ہے بلکہ یہ فرمایا ایسے لوگ قیامت کے دن نہایت ذلت و بے آبروئی کی حالت میں پیش ہونگے، اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دست سوال دراز کرنے کے بجائے ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور سائل کو وعید سے متنبہ کیا۔

‘‘عن عبد اللہ بن عمر قال:قال:مایزال الرجل یسأل الناس حتی یأتی یوم القیامۃ لیس فی و جھہ مزعۃ لحم’’ (متفق علیہ) (حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے (سوال سے بازنہیں آتا (یہاں تک کہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے منھ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی)۔

اسی وجہ سے علماء نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں مصارف زکوٰۃ متعین کئے ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کس حال میں سوال کرنا درست ہے اور کس حال میں درست نہیں ۔

ظاہر ہے کہ قرآن میں اللہ نے جہاں آٹھ مصارف زکوٰۃ کومتعین کیا ہے وہیں سائل کی

حاجت کی بنیاد پر اس کی مدد اور نصرت کی ترغیب بھی دی ہے جیساکہ قرآن میں ہے ‘‘وأما السائل فلا تنهر’’ (ضحیٰ: ۱۰) ‘‘وفی أموالهم حق للسائل والمحروم’’ (سورہ الذاریات: ۱۹) ۔

‘‘توخذ من أغنیائهم وترد علی فقرائهم’’ (مستفاداز قاموس الفقہ۴ ،۷۹) (مالداروں سے لو اور محتاج پر خرچ کرو)۔

بحث بالا سے میں یہی سمجھتا ہوں کہ علماء نے استحقاق زکوٰۃ میں جو معیار متعین کیا ہے اسی کو (معیار کو) حکومت کی امدادی رقوم اور قرض کی تحصیل میں ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا ، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے ضرورت مندی اور فقرو محتاجگی کو معیار بنا کر سود پر قرض لینے کی گنجائش دی ہے۔ ‘‘ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (اشباہ مع حموی)۔

اس لئے جس طرح غیر مستحق کا زکوٰۃ لینا اور سوال کرنا درست نہیں اسی طرح غیر مستحق کا سرکاری اسکیم سے امدادی رقوم اور قرض سودپر لینا جائز نہیں ہوگا اس سلسلہ میں اس اسکیم کے قوانین اور اصول وضوابط کے خلاف ورزی کرنا اور غلط بیانی کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔ اور عنداللہ دوسرے مستحقین کے حقوق کی حق تلفی کی وجہ سے مستحق عقاب ہونگے ۔

سوال نمبر ۱۱ کا جواب :

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے ، اسلام نے ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی ہی نہیں کی ہے، بلکہ بقدر ضرورت اس کی تحصیل کو ضروری قرار دیا ہے ، اب رہا یہ مسئلہ کہ تعلیم لے لئے حکومت سے قرض لینا کیسا ہے؟ اس موضوع پر اکیڈمی کا اٹھارواں سمینار جامعۃ الریحان تملناڈو میں ۲۰۰۹ء میں منعقد ہوا ، اور اس وقت جو تجاویز پاس ہوئے وہ یہاں نقل کرتا ہوں ، اسی میں اس شق کا جواب ہے۔

ہمارے ملک میں تعلیم مہگی ہوچکی ہے کہ ملک کے غریب شہریوں خاص کر مسلمان کی اکثریت کے لئے معاشی پسماندگی کی وجہ سے اعلی تعلیم کا حصول مشکل ترین امر بن گیا ہے۔ یہ ملک مختلف مذہبوں ، زبانوں ، اور تہذیبوں کا گلدستہ ہے اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میناپنا موثر رول اداکرے، اعلی تعلیم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو بلاسودی قرض فراہم کرے نیز تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان بچوں کو معقول اسکالر شپ فراہم کرے اور اس کے حصول کی شرائط کو آسان کرے (تعلیم کے لئے قرض کا حصول اسلامی نقطۂ نظر) ایفا پبلیکیشنز)۔

رہا یہ مسئلہ کہ حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے وہ خود حکومت ادا کرتی ہے تو ایسی اسکیم سے استفادہ کا کیا حکم ہے ؟

اس سلسلہ میں ایک بات صاف ہوگئی حکومت پر جو ذمہ داری تھی (اعلی تعلیم کے

حصول کے لئے مسلمانوں کو بلا سودی قرض فراہم کرنا جیسا کہ اکیڈمی کے فیصلہ بالا سے واضح ہے) اس میں یہ حکومت ناکام ہے ،جہاں تک مسلمانوں کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ اس سلسلہ میں سوال نمبر ۵ اور ۹ کے تحت اوپر بحث آچکی ہے کہ جس طرح حکومت سے سود پر قرض لینا ایک مسلمان کے لئے معتدل حالت میں ناجائز ہے اسی طرح حکومت کے اس روپیہ کو امداد اور قرض کے طور پر لینا یا بلا سوردی قرض لینا جائز نہیں جو بینک سے انٹرسٹ دے کر حاصل کی جاتی ہے گرچہ حکومت کی نظر میں وہ درست ہے لیکن اسلام کی نظر میں اسی کو سود کہتے ہیں اور یہ کسی مسلمان کے لئے درست نہیں ، ارشاد ربانی ہے، احل اللہ البیع وحرم الربوا (سورہ بقرہ: ۲۷۵) دوسری جگہ ہے ‘‘وما آتیتم من ربا لیربوا في اموال الناس ولا یربوا عنداللہ’’ (روم: ۳۹) (اور جوچیز تم طرض سے دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا)۔

احتیاری اور اضطراری حالات اور دونوں کے حکم میں فرق :

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے احکام میں حالت اعتدال اور حالت اضطرار کا بڑا لحاظ کیا گیا ہے بلکہ یہ اسلام ہی کا طرہ امتیاز ہے کہ اس نے انسان کی وسعت واستطاعت کا لحاظ کیا ہے اور حالت اختیار حالت اضطرار کے اعتبار سے اعمال پر حکم عائد کیا ہے، اس لئے اوپر جو حکم بیان کیاگیا ہے وہ حالت اعتدال کے اعتبار سے ہے ، لیکن اگر کوئی مسلمان مالی اعتبار سے اتنا کمزور ہے کہ سودی قرض لئے بغیر اپنی اولاد کو تعلیم نہیں دلاسکتا، بلکہ مطلوبہ تعلیم سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے مسلمان والد اور طلبہ کو چاہیے کہ کسی معتبر مفتی کے سامنے اپنے حالات رکھ کر ان کے مشورہ پر عمل کرے ، اور اگر اجازت دے تو سرکاری اسکیم سے تعلیم کے لئے قرض لے سکتا ہے، ‘‘ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (اشباہ مع حموی) (مستفاد ایضا از تعلیم کے لئے قرض کا حصول ص ۱۵)۔

سوال نمبر ۱۲کا جوب :

یہاں ڈپازٹ کی صورت اور اس کا حکم لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس کے بعد صورت مسئلہ کا حکم ۔ جہاں تک کہ ڈپازٹ کا تعلق ہے تو یہ لفظ بڑے شہروں میں زیادہ مستعمل ہے، عرف میں اسے پگڑی بھی کہتے ہیں، جن کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی کسی سے مکان تجارت اور کاروبار کے لئے کرایہ پر لیتا ہے، تو کرایہ کے علاوہ عرف کے اعتبار سے مستاجر صاحب مکان کو موٹی رقم دیتا ہے، جو کبھی کرایہ میں وضع ہوتی ہے تو کبھی مکان خالی کرنے کے وقت واپس کرنی پڑتی ہے ، جس کو فقہاء نے کچھ شرطوں کے ساتھ گنجائش دی ہے، یعنی مکان کا کرایہ علٰحدہ ہو اور ڈپازٹ دینے کی وجہ سے کم نہ ہو تو زر ضمانت کے طور پر ڈپازٹ دینا اور لینا درست ہے، ورنہ قرض پر نفع

کمانے کی وجہ سے ناجائز ہے ‘‘کل قرض جر منفعۃ فھو من وجہ الربا ’’ (السنن الکبیر ج۵ ،ص۳۵۰) لیکن سوال میں ڈپازٹ کی ایک دوسری صورت ہے وہ یہ ہے کہ بعض اسکیمیں ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے جس کو بینک میں جمع کیا جاتا ہے، پھر اس سے انٹرسٹ کے طور پر رقم حاصل ہوتی ہے اسے حکومت حاصل کر کے استفادہ کرنے والے کو دیتی ہے بہر حال یہ صورت دو اعتبار سے محل تحقیق ہے ۔

۱- پہلی صورت میں بینک میں روپیہ جمع کرنے کی نیت انٹرسٹ (سود) حاصل کرنا ہے جو شریعت کی نظر میں سود ہے، اس لئے کہ وہ رقم عوض سے خالی ہے، جو رقم عوض سے خالی ہوتی ہے اسی کو شرعاً سود کہتے ہیں ، علامہ شامی سود کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

‘‘ھو شرعاً (فضل) ولوکان حکما خال عن عوض بمعیار شرعی مشروط لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ’’ (۲۴۵،۲) وہ زائد رقم شرعاً سود ہے جو متعاقدین کی شرط کے مطابق ہو اور عوض سے خالی ہو۔

سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر کئی آیات ہیں، بلکہ جمہور فقہا اور محدثین اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ سود حرام ہے، جیسا کہ اوپر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے گئے۔

۲- دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب حکومت ایک محفوظ فنڈ کو بینک میں ڈپازٹ کرتی ہے، اس پر بینک والا انٹرسٹ کو طور پر رقم دیتی ہے (جو شرعاً سود ہے) اسے حکومت کا ادارہ وصول کرتا ہے اور اس پر قبضہ کرتاہے اور حکومت کی ملکیت ہو جاتی ہے تو اس کے حکم میں فرق آجائے گا کیونکہ فقہاء کا اصول ہے جب ملکیت بدل تی تو حکم بدل جاتاہے، گرچہ یہاں کی حکومت کا پورا معاشی نظام سود پر ہے،لیکن جب وہ انٹرسٹ رقم حکومت کے قبضہ میں آگئی تو وہ عام مال کے درجہ میں ہوگئی، جس طرح مال زکوٰۃ مستحق کے قبضہ اور ملکیت میں آنے کے بعد مال طیب کے درجہ میں ہوجاتا ہے اور وہ خود بھی کھاسکتا ہے اور دوسرے غنی کو بھی کھلا سکتا ہے۔اس کی نظیر حضرت بریرہؓ والی روایت ہے :

‘‘وعن عائشۃ قالت ...ودخل رسول اللہ و البرمۃ تفور بلحم فقرب إلیہ خبز وأدم من أدم البیت فقال:الم أربرمۃ فیھا لحم! قالوا:بلی، ولکن ذلک لحم تصدق بہ علی بریرۃ وأنت لاتأکل، قال:ھو علیھا صدقۃ، ولنا ھدیۃ’’ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ۳ ،۱۶۱ کتاب الزکوٰۃ) ۔

(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے حالاں کہ ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا آپ کے پاس روٹی اور سالن پیش کئے گئے ، اس پرآپ ﷺ نے ہانڈی کے گوشت کا تذکرہ کیا، گھر کے لوگوں نے جواب دیا کہ وہ صدقہ کا گوشت ہے جو آپ

نہیں کھاتے ، آپ ﷺ نے کہا وہ اس کے لئے (بریرہ) صدقہ ہے اور ہمارے لئے ھدیہ ہے ۔اس حدیث کے ضمن میں علامہ طیبیؒ نے بھی صراحت کی ہے)۔

''قال الطیبی :إذاتصدق علی المحتاج بشی ملکہ فلہ أن یھدی بہ إلی غیرہ'' (مرقاۃ المفاتیح۴،۲۹۲)فرماتے ہیں جب کسی محتاج کو صدقہ کیا پھر انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ وہ دوسرے کو ھدیہ کرسکتا ہے ۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

چونکہ اقتدار علی غیر مسلم کا ہے، اس لئے اس کے احوال واحکام وہی ہوں گے جو عام غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے احوال واحکام ہوتے ہیں، غیر مسلم آپس میں سودی کاروبار کرتے ہیں ...جب تک کہ یہ یقین نہیں ہوتا کہ یہ چیز جس کو فروحت کر رہا ہے یہ بعینہ وہی چیز ہے جس کو چراکر یا ڈاکہ ڈال کر لایا ہے، ...غرض ان سب کا لے لینا اور استعمال کرلینا درست ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکم جواز کیوں ہے؟ اس کی وجوہ متدد شرعی ضوابط ہیں مثلاً

الف: تبدیل ملک سے حکماً رتبدیل عین ہوجاتا ہے

ب: الخلط استہلاک کا ضابطہ جو مسلم ہے (منتخبات نظام الفتاوی۳،۱۲۱)۔

حدیث بالااور علامہ طیبیؒ اور مفتی نظام الدین صاحبؒ کی توجیہ کی وجہ سے مذکورہ صورت میں انٹرسٹ والی رقم پر جب حکومت کا قبضہ ہوگیا تووہ رقم عام مال اور خزانہ کے مشابہ ہوگئی جو حالت اختیار میں مسلمان کے لئے درست نہیں، لیکن حالت اضطرار میں، جبکہ اس کے علاوہ کوئی متبادل حلال مال نہ ہو تو ضرورۃً بقدر ضرورت اس اسکیم سے مسلمان کا فائدہ اٹھانا شرعاً درست ہوگا۔

سرکار کی جانب سے جاری کردہ اسکیمیں اوران سے استفادہ

مولانا ابو المکارم معروفی•

ہندوستانی حکومت معاشرتی ومعاشی اور تعلیمی ترقی کے لئے مختلف اسکیمیں جاری کرتی ہے، ان اسکیمونمیں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا کہ وہ شریعت کے مزاج ومنشا کے مطابق ہوں، اس لئے ضرورت تھی کہ شریعت کی روشنی میں ان کے احکام کا علم ہوجائے۔ اس پس منظر میں ''اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا '' نے اپنے ۲۶ویں سمینار میں اجتماعی غور وخوض کے لئے ایک سوالنامہ جاری کیا۔ اکیڈمی کی طرف سے یہ ''سوالنامہ '' راقم کےپاس بھی بھیجا گیا۔ ذیل میں بالترتیب جوابات پیش کئے جاتے ہیں: ''اللہم الطف بی فی تیسیر کل عسیر فإن تیسیر کل عسیر علیک یسیر''۔

۱۔ ایسے سرکاری قرض کا حکم جس کا ایک حصہ معاف کردیا جائے:

حکومت کی طرف سے دیا جانے والا ایسا قرض جس کا کچھ حصہ معاف کردیا جائے اور قرض میں لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑے اس پر کچھ حرج نہیں ہے، معافی کے بقدر حصہ حکومت کا تبرع ہوگا، اور تبرع، خواہ مسلمان کی طرف سے ہو، یاغیر مسلم کی طرف سے اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر دینی اور سیاسی مصلحت کے خلاف ہو تو اس طرح کے قرضوں اور تبرعات سے احتراز لازم ہے۔

دلیل یہ ہے کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے کے بارے میں آپﷺ سے متعارض روایتیں وارد ہیں، کہ آپﷺ نے کسی کا ہدیہ قبول کیا ہے اور کسی کا نہیں، ان روایات کے مابین کئی طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے جن میں سے ایک تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے جہاں ضرورت ومصلحت کا خیال کیا وہاں ہدیہ قبول فرمایا، اور جہاں خلاف ضرورت ومصلحت سمجھا وہاں قبول کرنے سے احتراز کیا۔

''روی محمد فی السیر الکبیر أخباراً متعارضۃ فی بعضہا أن رسول اللہﷺ قبل ہدایا المشرکین، وفی بعضہا أنہ ﷺ لم یقبل، فلا بد من التوفیق، واختلف عبارۃ المشائخ فی وجہ التوفیق..... ومن المشائخ من وفق بوجہ آخر، فقال: لم یقبل من شخص علم أنہ لو قبل منہ یقلّ صلابتہ وعزتہ فی حقہ ویلین لہ بسبب قبول الہدیۃ، وقبل من شخص علم أنہ لا یقل صلابتہ وعزتہ فی حقہ ولا یلین بسبب قبول الہدیۃ، کذا فی المحیط'' (الفتاوی العالمگیریہ ۵،۳۴۷۔۳۴۸

• ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی۔

دار الکتاب دیوبند)۔

معلوم ہوا کہ کفار ومشرکین کے ہدایا وتبرعات کو قبول کرنا ضرورت ومصلحت کے ساتھ وابستہ ہے، چنانچہ افقہ الفقہاء حکیم الامت تھانویؒ مدارس دینیہ میں سرکاری اور حکومتی امداد حاصل کرنے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتےہیں:

''اگر سرکار وعدہ کرے کہ ہم اعانت کرکے دخل نہ دینگے تب اعانت لینا درست ہے'' (امداد الفتاوی ۷۹٫۴ ، ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)۔

تعجیل کی صورت میں دین کا کچھ حصہ چھوڑنا:

دین کے کچھ حصہ کو اس شرط پر چھوڑ دینا کہ مدیون باقی دین کو فی الحال ادا کردے، فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''ضع وتعجل '' کہا جاتا ہے (یعنی کچھ ساقط کردو اور جلدی حاصل کرلو)۔

جمہور علماء کے نزدیک ''ضع وتعجل'' کا معاملہ حرام ہے چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

''والأمر المکروہ الذی لا اختلاف فیہ عندنا أن یکون للرجل علی الرجل الدین إلی أجل، فیضع عنہ الطالب ویعجلہ المطلوب، قال مالک: وذلک عندنا بمنزلۃ الذی یؤخر دینہ بعد محلہ عن غریمہ، ویزید الغریم فی حقہ قال:فہذا الربوا بعینہ لاشک فیہ'' (مؤطا امام مالک ۲۷۹٫۱ مکتبہ تھانوی دیوبند)۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں:

''من وجب لہ دین علی إنسان إلی أجل، فسئل أن یضع عنہ ویعجل لہ ما بقی لم ینبغ ذلک؛ لأنہ یعجل قلیلاً بکثیر دینا، فکأنہ یبیع قلیلاً نقداً بکثیر دینا، وہو قول عمر بن خطاب وزید بن ثابت وعبد اللہ بن عمر، وہو قول أبی حنیفۃ'' (موطا امام محمد۳۳۴٫۱، اشرفی بکڈپو)۔

''ضع وتعجل '' کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دین کا جو حصہ ساقط ہوتا ہے وہ اجل کے مقابلہ میں ہے اس لئے دیون مؤجلہ میں '' ضع وتعجل '' حرام ہے، لیکن دیون معجلہ جس میں مدت منتفی ہوتی ہے اس میں یہ معاملہ جائز ہے بشرطیکہ دیون باقی دین فوراً ادا کردے، علماء مالکیہ کے نزدیک دیون معجلہ میں اس کے جواز کی تصریح ہے، چنانچہ المدونۃ الکبری (۳۸۵٫۱۱) میں ہے:

''قلت:أرأیت لو أن لی علی رجل مائۃ دینار ومائۃ درہم حالۃ فصالحتہ من ذلک علی مائۃ دینار ودرہم نقداً قال:لا بأس بذلک''۔

علماء مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے یہاں جواز کی تصریح نہیں ملتی ہے، لیکن دوسرے فقہاء نے جہاں کہیں ''ضع وتعجل '' کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے وہاں ''دیون '' کے ساتھ ''موجلہ '' کی قید ذکر کی ہے، جیسا کہ امام محمدؒ کی مذکورہ بالا عبارت میں ''إلی أجل '' کی قید مذکور ہے، اور کتب فقہ میں مفہوم مخالف حجت ہے جس سے

معلوم ہوا کہ ‘‘دیون معجلہ ’’ اور ‘‘د یون حالہ ’’ میں ‘‘ضع وتعجل ’’ کا معاملہ جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ ‘‘ضع وتعجل ’’ کا معاملہ دیون مؤجلہ میں اس لئے ناجائز ہے کہ دین کا جو حصہ معاف کیا جارہا ہے وہ ‘‘اجل ’’ کے عوض میں معاف کیا جارہا ہے، اور ‘‘اجل ’’ کے عوض میں دین کے کچھ حصہ کو ساقط کرنا حرام ہے (فقہی مقالات ۱،۱۰۰۔۱۱۴ ملخصا)۔

۲۔ مقررہ مدت کےا ندر قرض کی ادائیگی پر کچھ حصہ کی معافی:

یہ ساری بحث ‘‘دین ’’ سے متعلق ہے جس میں ‘‘اجل ’’ معتبر ہے، اور ‘‘قرض ’’ کو وقت مقررہ کے اندر ادا کرنے پر اس کا کچھ حصہ ساقط کرنا درست ہے کیونکہ ‘‘اعتیاض عن الاجل ’’ نہیں پایا جارہا ہے اس لئے کہ قرض میں ‘‘اجل ’’ کی قید شرعاً غیر معتبر ہے:

‘‘ولزم تأجیل کل دین إن قبل المدیون إلا القرض، فلایلزم تأجیلہ، التأجیل فی القرض باطل’’ (درمختار وشامی ۷،۲۸۸۔۲۹۰ دا ر الکتاب)۔

لہذا ایسے سرکاری قرضے جس میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر قرض کا کچھ حصہ معاف ہوتا ہے، ورنہ پوری رقم بغیر کسی زیادتی کے ادا کرنی پڑتی ہے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور جو حصہ معاف کردیاگیا وہ حکومت کا تبرع اور احسان ہے۔

۳۔ اصل رقم کے ساتھ زائد رقم ادا کرنے کا حکم:

مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کےساتھ زائد رقم کی ادائیگی کا سود ہونا بدیہی ہے اور اس شرط کے ساتھ قرض لینا کہ اگر مدت مقررہ میں عدم ادائیگی پر زائد رقم ادا کرنی پڑے گی شرط فاسد کی وجہ سے ناجائز ہے، علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

‘‘وفی البزازیۃ:وتعلیق القرض حرام والشرط لا یلزم، والذی فی الخلاصۃ عن کفالۃ الأصل:والقرض بالشرط حرام اھ ‘‘نہر ’’ أی فالمراد بالتعلیق الشرط، وفی صرف البزازیۃ:أقرضہ علی أن یوفیہ بالعراق فسد اھ أی فسد الشرط وإلا خالف ما ہنا تأمل’’ (شامی ۷،۳۹۴ دار الکتاب دیوبند، والشرط لغو درمختار ۷،۲۹۸)۔

اس لئے حتی الامکان اس طرح کا قرض لینے سے احتراز ضروری ہے البتہ اگر شدید ضرورت ہے اور قرض نہ لینے کی وجہ سے حرج، تنگی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا متبادل نہ ہو تو ایسی شدید مجبوری میں اس شرط کے ساتھ قرض لینے کی گنجائش ہے کہ قرض لینے والا اس بات کی نیت اور پورا اہتمام کرے کہ وہ معین مدت سے پہلے پہلے ادائیگی کردے گا، اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا امکان باقی نہ رکھے گا۔

نیز اس طرح کی شروط میں ابتلا عام ہے کہ بجلی، ٹیلی فون اور حکومتی ٹیکس

وغیرہ کی بل کی ادائیگی متعینہ مدت سے موخر کرنے پر کچھ اضافی رقم عائد کردی جاتی ہے، اس لئے عموم بلوی کی وجہ سے گنجائش ہوسکتی ہے، لیکن بہت سے علماء نے اس طرح کےمعاملہ کو مطلقاً حرام قرا ردیا ہے، اس لئے حتی الامکان اس طرح کا قرض لینے سے احتراز کیا جائے۔ برصغیر کے مشہور فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی ‘‘کریڈٹ کارڈ ’’ استعمال کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

‘‘فیجوز استخدام بطاقۃ الائتمان إن کان حاملہا علی یقین أنہ سیسدد الفاتورۃ قبل أن توضع علیہا فائدۃ، أما کون العقد مشتملاً علی شرط لزوم التعاقدات مثل عقود استخدام الکہرباء والتلیفون والجوال والضرائب الحکومیۃ وما إلی ذلک، فلا یمکن الیوم استخدام الکہرباء إلا بالتوقیع علی العقد الذی یشترط فوائد التاخیر، وتکن بما أن ہذہ شروط غیر معتبرۃ فی الشرع، فما دام الإنسان مطمئناً بأنہا لا تطبق، عملیاً، وذلک بالتزام السداد فی جینہ، فإنہ یمکن أن یتسامع فیہا العموم البلوی’’ (فتاوی عثمانی ۳٫۳۵۷)۔

‘‘فیہ خلاف للعلماء المعاصرین، فقال بعضہم: إن مجرد التوقیع علی ہذا الشرط دخول فی عقد محرم فلا یجوز، ولو کان بنیۃ عدم تطبیقہ فی الواقع، وقال آخرون:إن حامل البطاقۃ إن کان علی یقین بأن ہذا الشرط لا یطبق فعلاً لعزم أداءہ مبلغ الفاتورۃ خلال الفترۃ المحددۃ، فإنہ یجوز ۔ وفی صفحہ أخری۔ تمکن یشکل القول بأنہ لایجوز للإنسان أن یتعاقد مع ہذہ الشرکات للحصول علی الکہرباء والہاتف وغیر ذلک، بل جری التعامل علی أن الإنسان یتعاقد معہا من غیر نکیر بشرط أن یکون فی عزمہ أن یؤدی واجباتہ فی حینہا، وإنما أجیز ذلک لحاجہ عامۃ، فإن لم یتیسر الحصول علی بطاقۃ الحسم الفوری ولا التعاقد مع مصدر البطاقۃ، بأن یسحب مبلغ الفاتورۃ من حساب الحامل ، واشتدت الحاجۃ إلی مثل ہذہ البطاقۃ فالمرجوع أن حاملہ یعتبرمعذوراً فی الدخول فی ہذا العقد إن شاء اللہ تعالی بعد أخذ جمیع الاحتیاطات اللازمۃ؛ لأن لا یلجأ إلی دفع الفائدۃ الربویۃ، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم’’ (فقہ البیوع ۱٫۴۶۲۔۴۶۳ دار المعارف دیوبند)۔

۴۔ سروس چارج یا سود:

سرکاری قرض جس پر مختصر سی زائد رقم وصول کی جائے جو سود کی مروجہ مقدار سے کم ہو اور سروس چارج کی مقدار کے قریب قریب ہوتو اس اضافہ کو سروس چارج میں داخل کرنے کی اور اس کے ساتھ قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ خواہ حکومت اس کو سروس چارج کا نام دے یا سود کہے، سود کا نام رکھ دینے سے اس کو سود نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ حقیقت اور معنی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ کا نہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ بنی تغلب کے جزئیہ کے بارے میں فرمایا تھا: ‘‘ہذہ جزیتکم فسموہا جزیۃ أو صدقۃ’’ (تکملۃ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شر ح الوقایہ ۱٫۲۲۸)، ‘‘العبرۃ للمعانی’’ (شامی ۹٫)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ‘‘سروس چارج ’’ کے بارے میں فرماتے ہیں:

‘‘قرض حسن پر ‘‘سروس چارج ’’ وصول کرنے کے لئے اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ سروس چارج کی مقدار واقعی اجرت مثل کی نمائندگی کرتی ہو محض حیلہ نہ ہو (احسن الفتاوی ۱۲۴،۷)۔

مشہور ومعروف فقیہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

‘‘قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں بینک کے لئے اپنے قرضداروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فقہی مقالات ۱،۲۷۰-۲۷۷)۔

اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر مدعی اور مستفتی سے اجرت لینا جائز نہیں ہے لیکن مفتی کے لئے فتوی لکھنے اور قاضی کے لئے دستاویز لکھنے اور رجسٹر میں اندراج کرنے کی اجرت لینا جائز ہے شرط یہ ہے کہ یہ اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو۔

‘‘فی العلائیۃ:یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثاق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی فإنہ یستحق أجر المثل علی کتابۃ الفتوی؛ لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان الخ’’ (درمختار ۱۰۸،۹)۔

۵۔ قرض پر لی جانے والی زائد رقم کی مقدار غیر معمولی ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر سرکاری قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط اس قدر زیادہ ہو کہ اس کو سروس چارج پر محمول نہ کیا جاسکے، بلکہ سود کی مروجہ مقدار تک پہنچ جائے تو وہ ‘‘سود ’’ ہے۔

‘‘فمن الربوا ما ہو بیع ومنہ ما لیس ببیع، وہو ربوا جاہلیۃ وہو القرض المشروط فیہ الأجل وزیادۃ مال علی زیادۃ مال علی المستقرض’’ (احکام القرآن للجصاص،۵۶۹)۔

‘‘وکل قرض شرط فیہ الزیادۃ، فہو حرام بلا خلاف.... قال رسول اللہ ﷺ:کل قرض جرّ منفعۃ فہو ربوا ’’ (اعلاء السنن ۵۱۳،۱۴ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

سودی قرض لینابہت بڑا گناہ ہے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ایسا محتاج ہے کہ اس کے پاس گذر بسر اور ضروریات زندگی پوری ہونے کی کوئی شکل نہ ہو، اور غیرسودی قرض کہیں سے نہ مل رہا ہو تو اس کے لئے ضرورۃً سودی قرض بقدر ضرورت لینا جائز ہے۔

‘‘یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ والنظائر،۱۴۹ مکتبہ دار العلوم دیوبند)۔

حاصل یہ ہے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز استعمال نہ کرے تو ہلاک یا قریب الموت ہوجائے، اور حاجت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز استعمال نہ کرے تو ہلاک نہ ہوگا،

لیکن مشقت شدید لاحق ہوگی۔

''فالضرورة بلوغہ حداً إن لم یتناول الممنوع ہلک أو قارب، وہذا یبیح تناول الحرام، والحاجة کالجائع لو لم یجد ما یأکلہ لم یہلک غیر أنہ یکون جہد ومشقة'' (حاشیة الحموی علی الاشباہ والنظائر، القاعدة الخامسة،۱۴۰)۔

اور قول اصح کے مطابق حاجت کے وقت بھی حلال حرام ہوجاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کو آپ ﷺ نے سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی تھی (ابوداؤد،۵۸۱، ترمذی،۳۰۶، نسائی،۲۴۲)۔ حالانکہ مرد کے لئے سونا حرام ہے اور یہ حاجت کی حالت تھی اضطرار (ضرورت) کی کیفیت نہ تھی، نیز ''الاشباہ والنظائر '' میں ہے: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح '' (ص،۱۴۹ ، القاعدة الخامسة)۔

معلوم ہوا کہ اگر مجبوری ایسی ہو کہ حاجت یاضرورت کے دائرے میں آتی ہے تب تو سودی قرض بقدر ضرورت لینے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں، خواہ اس مجبوری کا تعلق مکان اور باغبانی سے ہو یا کسی اور چیز سے(مثلاً کاروبار اور جانور پالنے کے لئے)۔

۶۔ سرکاری امدادی رقم حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا حکم:

مکان، بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیر نیز دیگر ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے بطور امداد ملنے والی رقم کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا درست ہے (مطلوبہ شرائط ومعیارات کی رعایت کے ساتھ) کیونکہ اس طرح کی اسکیمیں عام طور سے شہریوں کی ضروریات مدنظر رکھتے ہوئے جاری کی جاتی ہیں، مذہب سے اس کا کوئی سروکا نہیں ہوتا ہے، البتہ اگر سیاسی، دینی مصلحت کے خلاف ہو تو اس طرح کی اسکیموں سے احتراز لازم ہے (دلیل کے لئے ملاحظہ ہو: سوال (۱) کا جواب)۔

۷، ۸۔ درمیان میں واسطہ بننے والوں کے محنتانہ کا حکم:

سرکاری امدادی رقم جس کا لیناجائز ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے جو لوگ درمیان میں واسطہ بنتے ہیں، اور جدوجہد کرتےہیں ان کو محنتانہ کے نام پر اجرت دینا اور ان کے لئے لینا درست ہے، اگرچہ وہ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ ہو، بشرطیکہ وہ کام ان کےذمہ واجب نہ ہو، کیونکہ اپنے اوپر واجب کام کی اجرت لینا جائز نہیں ہے، بلکہ رشوت ہے۔

''أما إعانتہ علی عمل معین (إلی قولہ) أو مباحاً فیہ تعب بحیث یجوز الاستیجار علیہ حل أخذہ وہو جعل'' (شرح الطریقة المحمدیہ بحوالہ امداد الفتاوی ۳،۳۶۳)۔

''ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب'' (شامی ۳۳،۸ دار الکتاب دیوبند)۔

''من أتی بعمل یستحق علیہ لا یستحق الأجرة'' (بدائع الصنائع۷،۶ مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

''بذل المال فیما ہو مستحق علیہ حد الرشوة'' (البحر الرائق ۴۴۱،۶ زکریا بک ڈپو دیوبند)۔

''الحاصل أن حد الرشوة ہو ما یؤخذ عما وجب علی الشخص سواء کان واجباً علی

العین أو علی الکفایۃ وسواء کان واجباً حقاً للشرع أو کان عقداً'' (اعلاء السنن ۶۱٫۱۵ کراچی)۔

دراصل سرکاری اسکیموں کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والوں کا کچھ رقم کی مقدار پر معاملہ ''جعالہ '' کی قبیل سے ہے اور ''جعالہ '' ذیل میں آنے والی تحقیق وتفصیل کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔

جعالہ کی تعریف:

متعین معلوم عمل یا ایسے مجہول عمل پر جس کا انضباط مشکل ہو متعین عوض کے التزام کا نام ''جعالہ '' ہے، اس میں نہ کوئی مدت مقرر ہوتی ہے اور نہ عمل، بلکہ عمل کے نتیجہ پر اجرت دی جاتی ہے:

''التزام عوض معلوم علی عمل معین معلوم أو مجہول یعسر ضبطہ'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۰۸٫۱۵)۔

بہرحال جس طرح سمسرہ مینحاجۃ الناس اور تعامل ہے جس کی وجہ سے اس کو متاخرین احناف نے جائز کہا ہے اسی طرح ''جعالہ '' میں حاجۃ الناس اور تعامل ہے، لہذا سمسرہ کی طرح ''جعالہ '' بھی جائز ہونا چاہئے، جعالہ کی ضرورت کو مولانا ظفر احمد تھانویؒ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''لأن الجعالۃ تدعو إلی ذلک، فإن العمل قد یکون مجہولاً کرد الضالۃ والآبق وشفاء المریض والوکالۃ بالخصومۃ، ونحو ذلک، ولا تنعقد الإجارۃ فیہ.... والحاجۃ داعیۃ إلی ردہما وقد لایجد من یتبرع بہ، فدعت الحاجۃ إلی إباحۃ بذل الجعل فیہ مع جہالۃ العمل؛ لأنہا غیر لازمۃ'' (اعلاء السنن ۳۸٫۱۳ ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)۔

۹۔ امدادی رقم اور قرض کے حصول کے لئے رشوت دینے کا حکم:

سرکاری امدادی رقوم یا غیر سودی قرض کے حصول کے لئے رشوت دینا چونکہ جلب منفعت کے لئے ہے اور جلب منفعت کے لئے رشوت دینا جائزہے اس لئے ایسی رقم کے حصول کے لئے رشوت دینا درست ہے اگرچہ رشوت لینا ناجائز ہے۔

''ثم الرشوۃ علی أربعۃ أقسام ..... الثالث أخذ المال لیسوی أمرہ عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع، وہو حرام علی الآخذ فقط'' (شامی ۳۳٫۸ دار الکتاب دیوبند)۔

''فإذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہ ظلماً، فلا بأس بہ'' (مرقاۃ المفاتیح ۲۹۵٫۷ فیصل بکڈپو دیوبند)۔

۱۰۔ امدادی رقم اورقرض کے حصول کے لئے غلط بیانی سے کام لینا:

فرض اور امدادی رقم کے لئے حکومت کی طرف سے جو شرائط ومعیارات متعین ہیں ان کی پابندی ضروری ہے اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور جھوٹ جیسے اکبر الکبائر کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے ، البتہ اگر کوئی شخص مطلوبہ شرائط ومعیارات کے مطابق امدادی رقم یا قرض کا واقعی مستحق ہے لیکن کچھ ایسی دشواریاں یا الجھنیں

ہیں جو رقم کے حصول میں رکاوٹ بن رہی ہیں تو ایسی صورت میں اسکیم کو حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی اور تعریض (یعنی ایسی بات جو بظاہر خلاف واقعہ ہو، لیکن اس کا کوئی صحیح مطلب نکلتا ہو) کی گنجائش ہے، مگر صریح جھوٹ بالکل جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ''اگر جائز اور پسندیدہ مقصد ہو اور اس کا حصول غلط بیانی کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس کے حصول کے لئے غلط بیانی مباح ہے '':

''إن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعاً فالكذب حرام، وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح أن أبيح تحصيل ذلك المقصود، المراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام، قال:وہو الحق'' (درمختار وشامی ۵۲۵،۹ دار الکتاب)۔

غلط بیانی کے ذریعہ حاصل کردہ رقم سے فائدہ اٹھانے کا حکم:

غلط بیانی اور کذب کے ذریعہ رقم حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور حاصل کرنے والا گنہ گار ہوگا، تاہم اگر کوئی شخص غلط بیانی اور کذب کے ذریعہ رقم حاصل کرلے تو وہ اس کا مالک ہوگا، اور اس سے حاصل شدہ منافع اس کے لئے حلال ہونگے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے رقم میں کچھ خبث پیدا نہیں ہوا ہے، اس کی نظیرمیں جعلی سرٹیفکٹ اور اس کی آمدنی کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص جعلی سرٹیفکٹ کی بنیاد پر ملازمت حاصل کرلے تو گو اس کی یہ جعل سازی گناہ کبیرہ ہے، مگر اس کی آمدنی حلال وجائز ہے یہ اس کی محنت کی اجرت ہے، ایسا ممکن ہے کہ ذریعہ جائز نہ ہو اور کمائی جائز ہو (جدید فقہی مسائل ۴۱۳،۱ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)۔

۱۱۔ حکومت کا انٹرسٹ کی رقم ادا کرنا سود نہیں:

ایسی اسکیمیں جن میں تعلیم یا اور کسی مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلائے اور اس پر عائد ہونے والے انٹرسٹ کو خود حکومت ادا کرے، مقروض کو اس کی ادائیگی سے کوئی واسطہ نہ ہو تو ایسی اسکیموں سے استفادہ درست ہے، رہا بینک کا قرض دینا اور اس پر حکومت کا انٹرسٹ ادا کرنا یہ شہریوں کے امداد کی صورت ہے، وہ ''ربوا '' کی ماہیت سے خارج ہے، کیونکہ بینک حکومت کا ہی ایک شعبہ ہے جس کی وجہ سے عقد معاوضہ کا تحقق نہیں ہوگا، ربوا عقد معاوضۃ میں ایسی زیادتی کا نام ہے جو خالی عن العوض ہو، اس کی نظیر یہ ہے کہ آقا ومملوک اور شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے شرکاء مال شرکت میں تفاضل کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں تو فقہاء اس پر ''ربوا '' کا اطلاق نہیں کرتے ہیں، اس لئے کہ ''ربوا '' کی ماہیت اور حقیقت نہیں پائی جاتی ہے۔

''ولا ربوا بين سيد وعبده ..... ولا ربوا بين متفاوضين وشريكي العنان، (قوله لا ربوا بين السيد وعبده) لأنه وما في يده لمولاه، فلا يتحقق الربوا لعدم تحقق البيع'' (درمختار شامی ۳۲۱،۷)۔

اور اگر انٹرسٹ کا وہ حصہ جو مقروض ادا کرتا ہے اس کی مقدار اتنی مختصر ہے کہ وہ رائج سود کی مقدار کو نہیں پہنچتا ہے تب تو اس کو سروس چارج پر محمول کرنے

کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لیکن اگر انٹرسٹ کا وہ حصہ جس کو مقروض ادا کرتا ہے اتنا ہے کہ سود کی رائج مقدار کو پہنچ جاتا ہے تب تو سود پر قرض لینے کے حکم میں ہے اور حرام ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سوال (۴، ۵) کا جواب)۔

۱۲۔ ایسی اسکیموں سے استفادہ کا حکم جن کاانٹرسٹ حکومت بینک سے وصول کرتی ہے:

ایسی اسکیمیں جن کے لئے حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کرکے بینک میں ڈپازٹ کردیا ہے اور اس کا حاصل ہونے والی انٹرسٹ کی رقم سےتعلیمی ورفاہی اداروں اور اشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے ان کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کی اسکیموں سے استفادہ درست ہے کیونکہ حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ کے نام پر جو رقم وصول کرتا ہے اس پر ربوا کی تعریف صادق نہیں آتی ہے اس لئے کہ بینک بھی حکومت کا ایک شعبہ ہے اور اپنے شعبہ میں تفاضل کے ساتھ تصرف کرنا ایسا ہے جیسے کہ آقا اپنے مملوک کے ساتھ کمی بیشی کا معاملہ کرتا ہے، اور یہ کمی بیشی فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق ربوا نہیں ہے۔ ‘‘ولا ربوا بین سید وعبدہ’’ (درمختار۷؍۳۲۱)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حکومت کفار کی ہے اور کفار کے وہ معاملات جو ان کے مذہب کے مطابق درست ہیں اس میں وہ آزاد ہیں اور ان معاملات سے حاصل شدہ مال کے وہ مالک ہوتےہیں، افقہ الفقہاء حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتےہیں کہ کفار جس کو اپنے دین کے موافق سمجھتے ہیں اس سے جو اموال حاصل ہوں وہ ان کے مملوک ہوتےہیں (امداد الفتاوی ۴؍۱۴۳، ادارہ تالیفات دیوبند)۔

محیط البرہان میں ہے:‘‘ولو أن حربیاً باع من حربی درہما بدرہمین ثم خرجا إلی دار الإسلام مسلمین أو ذمیین واختصما إلی القاضی، فإن کا ن ذلک بعد التقابض، فالقاضی لا یتعرض لذلک ولا یبطلہ’’ (المحیط البرہانی کتاب الصرف ۸؍۳۷۷ دار احیاء التراث العربی)۔

‘‘(وقد أمرنا بترکہم وما یدینون) کذا فی ‘‘الہدایۃ ’’ وقال:دل علیہ قول عمر:ولوہم بیعہا وخذوا العشر من أثمانہا اھ وأشار بہ إلی أن إعراضنا عنہم لیس لکونہا مباحۃ شرعاً فی حقہم، کما ہو قول البعض، بل الحرمۃ ثابتۃ فی حقہم فی الصحیح، لأنہم مخاطبون بہا کما قلنا، لکنہم لا یمنعون من بیعہا، لأنہم لا یعتقدون حرمتہا ویتمولونہا، وقد أمرنا بترکہم وما یدینون، کما فی البحر عن البدائع’’ (شامی ۷؍۳۷۱)۔

معلوم ہوا کہ کفار اپنے معاملات میں آزاد ہیں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور ان معاملات سے حاصل ہونے والے اموال ان کی ملک ہیں، لہذا اگر کوئی کافر وہ مال مسلمان کو عطا کرتا ہے وہ اپنے پاس سے عطا کرتا ہے جو لینے والے کے حق میں تبرع ہے چاہے اس تبرع کے حصول کے لئے اس نے ناجائز طریقہ اختیار کیا ہے۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور حکم شریعت

مولانا محمد قمر الزماں ندوی•

یہ حقیقت ہے کہ بینک جب کسی شخص کو قرض دیتا ہے تو اس کو اس شخص کے کاروبار کے مفاد اور اس کے نفع اور نقصان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس کا سالانہ سود مقرر ہوتا ہے۔ کاروبار نفع بخش ہو یا نقصان دہ، اس کا راس المال محفوظ رہے اور اسے سود ملتا رہے۔ ایک مسلمان کے لئے بینک سے بلا عذر شرعی قرض لینا اور بینک کو سود کی رقم ادا کرتے رہنا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر حکومت بینک کے ذریعہ طلباء اور معذور افراد کو امدادی رقوم اور اسکالرشپ بطور اعانت ہے اور کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی تو اس رقم کو ایسے افراد کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم سرکاری اسکیموں سے استفادہ کے متعلق سوالات کے جوابات علی الترتیب پیش کررہے ہیں:

۱۔ وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جائے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑے:

بینک سے حاصل کردہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، یہ صورت جائز ہے۔ بینک سے ایسے قرضوں کے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، یہ گویا حکومت کی طرف سے امداد واعانت ہے، کیونکہ یہ شکل ''کل قرض جر نفعاً'' کے ضمن میں نہیں آتی۔ سرکاری بینک پرچونکہ تمام جمہور کا حق ہے، اس لئے مسلمانو نکے لئے ان سرکاری بینکوں سے قرض حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے امام کو بیت المال سے قرض دینے کا حق دیا ہے۔

دلائل:(۱) سود کا تحقق اس وقت ہوتا ہے، جبکہ ایک طرف سے ایسا ''فضل '' ہو کہ دوسری طرف سے اس کا کوئی عوض نہ ہو، لہذا مذکورہ صورت سود میں داخل نہ ہوگی۔

(۲) یہ شکل ''کل قرض جر نفعاً''، ''فضل خال عن العوض'' وغیرہ کے ضمن میں داخل نہیں ہے کہ ربوا اور سود کی تعریف صادق آسکے۔

(۳) صاحب ''فتاوی رحیمیہ '' لکھتے ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایا کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے، اسی لئے حکومت کچھ رقم کی چھوٹ بھی دیتی ہے (جسے سبسڈی کہا جاتا ہے)، اس قسم کے پلان (اسکیم) سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں

• استاذ مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپ گڑھ، یوپی۔

ہے، اس لئے اگر کوئی شخص حکمت سے اس اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پرکچھ رقم چھوٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے اگر وہ سود چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سبسڈی) سے ادا ہوجاتی ہو، اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ ''حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی ''، مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سبسڈی) سے زیادہ دینی پڑی تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا۔

(۴) اسلامک فقہ اکیڈمی نے سود سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں جو تجاویز پیش کیاتھا اس میں سے ایک تجویز یہ بھی ہے:

ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (سبسڈی) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں ہے (ماہنامہ ''الرشاد '' جنوری ۱۹۹۰ء)۔

۲۔ معافی والے قرضہ کی ایک صورت جس میں زائد رقم نہ واپس کرنا پڑے:

معافی والے قرضوں کی وہ شکل جس میں مقررہ مدت کے اندر قرض واپس نہ کرنے کی صورت میں پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن صرف اصل رقم ہی واپس کرنی پڑتی ہے تو یہ صورت جائز ہے، لیکن اگر اس صورت میں لی ہوئی رقم سے زائد رقم واپس کرنا پڑے تو پھریہ سود میں داخل ہوگا، اور اگر اس شخص نے مقررہ مدت کے اندر رقم جمع کردیا اور حکومت نے اس رقم میں سے کچھ حصہ معاف کردیا تو یہ صورت بھی جائز ہے اور یہ سمجھا جائےگا کہ یہ حکومت کی طرف سے مدد تعاون اور سبسڈی ہے جمہوری ملکوں میں مسلمان اس طرح کی اسکیموں سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

مفتی احمد خانپوری ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں جس سے اس مسئلہ کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''سوال میں مذکورہ صورت شرعی طور پر سود کی تعریف میں نہیں آتی، مثلاً پروجیکٹ سے کسی نے چار ہزار روپے کنواں بنوانے یا مکان بنوانے کے لئے نقد لیے، محکمۂ پروجیکٹ نے اپنے قاعدے کے ماتحت ایک ہزار روپے بالکل صاف معاف کردیا اور فقط تین ہزار قائم رکھ کر دوسال کا موقع دیا، پھر دو سال کے بعد چھوٹی اور لمبی قسطیں ادائیگی کے لئے متعین کی اور اس میں ان قسطوں پر کچھ اضافہ کرکے وصول کیا، مگر کل وصولی چار ہزار سے زائد نہ ہوئی، تو اب قسطوں کے ساتھ جو زیادتی تھی وہ سود نہ ہوگی، اور معاملہ بھی جائز رہے گا، کیونکہ مجموعہ قرض چار ہزار تھا، چار ہزار پر زائد وصول نہیں کیا گیا کہ ''فضل خال عن العوض الخ'' یا ''کل قرض جر نفعاً'' وغیرہ

ربا کی تعریف صادق آسکے " (نظام الفتاوی ۲۶۹،۱ بحوالہ محمود الفتاوی ۵۰۲،۴) فقط واللہ اعلم۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے سود سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں جو تجاویز اعظم گڈھ کے سمینار میں پیش کیا تھا ان تجاویز میں ایک تجویز یہ تھی کہ:'' ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہوتے ہیں جن میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (سبسڈی) دی جاتی ہے او رسود کے نام سے اضافی رقوم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم (Subsidy) چھوٹ کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں ہے " (ماہنامہ ''الرشاد " جنوری ۱۹۹۰ء)۔

۳۔ اگر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنی پڑے تو کیا حکم ہے:

اگر مقررہ وقت کے بعد قرض ادا کرنے پر قرض لینے والے کو اصل رقم کی (کل قرم) واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنی پڑے تو یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ کل رقم کےسا تھ جو زائد رقم ادا کرنی پڑی ہے وہ زائد رقم سو داور ربا ہے اور یہ صورت ''کل قرض جر نفعاً '' میں داخل ہے۔

مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم ایک استفتاء کےجواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''لون کی واپس کی جانےو الی کل مقدار اس کے ملنے والی مقدار کے برابر یا اس سے کم ہے، تو اس کا لینا درست ہے، ورنہ سود ہے جو جائز نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب'' (محمود الفتاوی ۴۹۸،۴)۔

البتہ بےروزگار اور مفلس ومحتاج مسلمان جن کے پاس روزگار کےلئے روپے پیسے نہ ہوں اور اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے ان کے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے۔ سود لینا اور دینا یقینا دونوں ہی گناہ ہے، البتہ سرکار وسرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیوٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فر ق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں، تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگا رکے لئے قرض فراہم کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہمارا بحیثیت شہری اس پر حق ہے۔ لہذا جو مسلمان واقعی ان قرضوں اور اسکیموں کے محتاج ہیں ان کو اس طرح کے قرضوں اور اسکیموں سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔ البتہ خوش حال مسلمانو نکے لئے بلا ضرورت اس طرح کے اسکیموں سے فائدہ اٹھانا اور ایسے قرض لینا جائز نہیں ہوگا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عام حالات میں محض معیار زندگی کی بلندی خوب سے خوب تر کی تلاش کے پیش نظر سودی قرض لینا جائز نہیں۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے کہ حاجت مندوں کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔ ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر ۲۹۴،۱)۔

۴۔ سروس چارج کے نام پر یا انتظامی خرچ کے نام پر زائد رقم کا لینا کیسا ہے؟

اگر بینک یا غیر سرکاری ادارے غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سےزائدکا مطالبہ کرے، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو جس کو بینک (یا اس طرح کے ادارے جو سودی قرض دیتے ہوں) سروس چارج کانام دیتے ہوں یا اپنی مقدار کے اعتبا رسے سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم سود کے دائرے میں نہیں آئے گا اس کو انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئےاس میں وسعت وگنجائش دی جاسکتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جیسا کہ معلوم ہوا کہ ایسے ترقیاتی قرضوں میں اصل مقصود نفع کمانا نہیں ہوتا، بلکہ عوام کے لئے بنیادی ضروریات اور روزگار کی فراہمی مقصود ہوتی ہے، اس لئے اگر اس پر لیے جانے قرضے کو دفتری اخراجات اور ضروریات پر محمول کیا جائے تو مناسب محسوس ہوتا ہے، جیسا کہ مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ کا رجحان ہے ''۔ آگے مزید لکھتے ہیں: ''تاہم اس پر پورا اطمینان نہیں ہوتا کہ سودی قرضوں پر وصول کی جانے والی شرح قرض کی مقدار کے لحاظ سے اور اسی تناسب سے کم وبیش ہوتی ہے۔ اگر یہ دفتری اجرت ہوتی تو ضروری تھا کہ یہ فرق پایا جاتا، کیونکہ رقم پچاس ہزار ہو یا پانچ ہزار دفتری کاروائی میں وقت اور محنت یکساں لگتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کو رشوت والے مسئلہ پر ایک درجہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ رشوت دینے والا بھی اپنے حق جائز کوحاصل کرنے کے لئے رشوت دیتا ہے اور سودی قرض لینے والا بھی سرکاری خزانوں پر اپنے حق قرض کی وصولی کے لیے سود دینے پر مجبور ہے، تاہم چونکہ ان دونوں حقوق میں بہت تفاوت ہے، اس لئے کہ حکومت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ مرفہ الحال لوگوں کو مزید معاشی خوش حالی کے لئے قرض دیتی چلی جائے، اس لیے اس قرض کو بھی ایسی صورت کے ساتھ مشروط رکھا جانا چاہئے کہ کاروبار کا بقا اور تحفظ اس کے بغیر دشوار ہوجائے '' (جدید فقہی مسائل ۸۹،۴)۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ قرض دینے والے مالیاتی ادارے جو سروس چارج کے نام پر اور انتظامی اخراجات کے نام پر کچھ زائد روپے قرض خواہوں سے وصول کرتے ہیں) کہ بارے میں اس حوالے سے تحریر فرماتےہیں:

''البتہ اگر سروس چارج سے مراد وہ واقعی عادلانہ اخراجات ہیں جو اس نظام کو چلانے پر خرچ ہوتےہیں جیسے انتظامی اخراجات (Management Enpenses of Outlays) کہا جاسکتا ہے تو اس پر غور کیا جانا چاہئے کہ قرض خواہ جو اس نظام سے فائدہ اٹھارہے ہیں کیوں نہ وہی اس پر آنے والے خرچ کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں، ٹھیک جس طرح ایک قرض خواہ جو اپنے دوست سے کوئی قرض حاصل کرتا ہے تو درمیانی

قاصد کے آنے جانے کے اخراجات یا بذریعہ منی آرڈر قرض کی واپسی کے اخراجات اس کو ادا کرنا پڑتے ہیں، اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا، اور ظاہر ہے کہ جب حقیقی اخراجات ہی قرض خواہوں سے وصول کئے جائینگے تو یہاں کوئی ایسی اضافی آمدنی حاصل نہ ہوگی جس سے اصحاب سرمایہ سوسائٹیز کے لئے آمدنی ذریعہ تمول بنے۔ البتہ صرف ایک خطرہ رہ جاتا ہے کہ سوسائٹیز قائم کرنے والے افراد اگر خوف خدا سے خالی دل رکھتے ہوں تو ضروری اخراجات کی مد کو پھیلا کر وہا پنے تعیش اور تمول کا راستہ نکالینگے، لیکن اس طرح کے مالیاتی اداروں کا کوئی ایسا وفاقی بورڈ موجود ہو جو عادلانہ اخراجات کا تعین وقتا فوقتاً کرتا رہے تو اس شرعی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سد باب کیا جاسکتاہے " (مباحث فقہیہ ،۴۲۲ ، قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ)۔

۵۔ سروس چارج کے نام اوسط سےزیادہ رقم اگر بینک لے تو کیا حکم ہوگا؟

اگر حکومت اور سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی رقم جو حکومت سروس چارج کےنام پر لیتی ہے وہ اوسط سے زیادہ ہو اور اس کو انتظامی خرچ پر محمول نہ کیا جاسکےتو یقینا یہ فقہی ضابطہ ''کل قرض جر نفعاً'' کے تحت سود ہوگا اور سوائے محتاج، ضرورت مند اور پریشان حال مسلمانوں کےاور کسی دوسرے شخص کےلئے اس کی اجازت نہیں ہوگی جو مالی اعتبار سے خوش حال اور فارغ البال ہو محض معیار زندگی کو بڑھانے اور عیش وعشرت، نیز دوسرے کی ایس اور مقابلہ میں اس کے لئے اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا۔

چونکہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کے پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں اس لئے ایسے اشخاص جو محتاج اور ضرورت مند ہیں اور بغیر اسکیم لیے اور اس سے فائدہ اٹھائے ان کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی اور سود پر قرض لیے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں ہےتواس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوگی، لیکن اجازت بھی بقدر ضرورت کی ہی ہوگی ضرورت پوری ہوجانے پر یا خود کفیل ہوجانے کے بعد ایک مسلمان کو ایسے اسکیم سے بری الذمہ ہوجانا چاہئے یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ضرورت وحاجت کی شدت کا معیار ہر شخص کی قوت برداشت وغیرہ کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور فیصلہ کن عنصر ''رائے مبتلی بہ '' ہوگی۔

مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''پس میرے نزدیک سرکاری خزانہ ایک ایسی دولت ہے جس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، اس لئے ترقیاتی اسکیموں مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی اور صنعت وحرفت کی ہمت افزائی، نیز بیکاروں کو باکار بنانے کے لئے جس قدر رقم بھی حکومت اپنے بجٹ میں رکھتی ہے ان میں ایک

مسلمان شہری کا بھی اسی طرح حق ہے جس طرح دوسروں کا، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اپنے اس حق کی تحصیل کے لئے جب آگے آنا چاہتا ہے تو حکومت جس نے اپنے مالیاتی نظام کی بنیاد سود پر رکھی ہے (اور فی الحال اکثریت کے فقدان کے وجہ سے ہم اس کی تبدیلی پر قادر بھی نہیں اگرچہ اس نظام کی تبدیلی کی خواہش اور اس کے لئے ممکن حد تک عملی جدوجہد ہر مسلمان کا بہرحال فرق ہے کہ ''من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، وإن لم یستطع فبلسانہ،و إن لم یستطع فبقلبہ'' (متفق علیہ) اس کا یہ فیصلہ مسلمانوں کے لئے آڑے آتا ہے پس ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے بدرجہ مجبوری سود دینا اور سود دے کر اپنے حق کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میرے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے اور یہ کہنا درست ہے کہ اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے مسلمانوں کو رخصت حاصل ہے کہ وہ بدرجہ مجبوری سودے کر اپنا حق حاصل کریں '' (مباحث فقہیہ ،۴۶۸)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں میرے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے وہ یہ کہ مجبور اور محتاج مسلمان تجارت اور بزنس میں اپنے جائز حق کی تحصیل کے سروس چارج دے کر اس اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتا ہے اور بدرجہ مجبوری سود دے کر اپنا حق حاصل کرسکتا ہے۔

اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے، اس لئے کہ شریعت کا عام قاعدہ اور اصول تو یہ ہے کہ ''ما حرم أخذہ حرم إعطاءہ '' اس اصول کے تحت علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے، لیکن ایسی صورت میں جب کہ جائز حق کاحصول رشوت دیئے بغیر ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں رشوت دینا جائز ہے۔

صاحب ''الاشباہ ''علامہ ابن نجیم چودہویں قاعدہ ''ما حرم أخذہ حرم إعطاؤہ'' کے ذیل میں ''الرشوۃ لخوف علی مالہ أو نفسہ'' کا استثناء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''إلا فی مسائل الرشوۃ لخوف علی مالہ أو نفسہ (قولہ الرشوۃ لخوف علی مالہ) ہذا فی جانب الدافع، أما فی جانب المرفوع لہ، فحرام، ولم ینسبہ علیہ، وینبغی أن یستثنی الأخذ بالربا للمحتاج، فإنہ لا یحرم کما صرح بہ المضف فی البحر، ویحرم علی الدافع الإعطاء بالربا'' (حموی،۱۷۶ بحوالہ مباحث فقہیہ،۴۶۸)۔

''مگر مال یا جان کے خوف سے رشوت دینے کے مسائل ہیں، لیکن یہ جواز دینے والے کے حق میں ہے، اس شخص کے حق میں جس کو دیا گیا ہے حرام ہے، اور اس پر تنبیہ ہوسکا ہے، اسی طرح مناسب ہے کہ اس سے یہ صورت بھی مستثنی ہو کہ کوئی محتاج شخص سودی قرض حاصل کرے کہ یہ بھی حرام نہیں ہے، جیسا کہ اس کی ''البحر الرائق '' میں تصریح کردی گئی ہے، لیکن قرض دینے والے کے لئے سود کی شرط پر

قرض دینا حرام ہوگا ''۔

۶۔ حکومت کا عوام الناس کی اعانت کا شرعی حکم:

اگر حکومتِ وقت بعض ضروریات کے لئے عوام الناس اور رعایا کی مکمل امداد واعانت کرے، مثلاً مکان، بیت الخلاءو غیرہ کی تعمیر کرائے یا تعلیمی ضروریات کے لئے رقم دے اور اس کے لئے مخصوص شرائط وحدود ہو کہ کس معیار کے لوگ اس اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی بھی نہ ہوتی ہو اور یہ حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہو تو ایسے اسکیم سے مسلمان بھی فائدہ اٹھاسکتے ہیں، لیکن ان شرائط اور معیارات کا خیال رکھنا ضروری ہوگا جو حکومت نے بنائے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے اس کی خلاف ورزی درست نہیں ہے۔

مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صورت مسئولہ میں سرکار کی طرف سے جو رقم ملتی ہے وہ سرکاری امداد ہے وہ لی جاسکتی ہے، جس کو ضرورت نہ ہو وہ حاجت مند کو دے دے، اسی طرح مسجد ومدرسہ کی تعمیر میں لینا درست ہے، بہتر تو یہ ہے کہ بطور قرض رقم لے کر مسجد ومدرسہ میں خرچ کریں اور سرکاری امدادی رقم سے قرض ادا کردیا جائے ''(فتاوی رحیمیہ ۲۳۴،۱۰ مطبوعہ جدید)۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''پس میرے نزدیک سرکاری خزانہ ایک ایسی دولت ہے، جس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، اس لئے ترقیاقی اسکیموں، مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی اور صنعت وحرفت کی ہمت افزائی، نیز بیکاروں کو باکار بنانے کے لئے جس قدر رقم بھی حکومت اپنے بجٹ میں رکھتی ہے ان میں ایک مسلمان شہری کا بھی اسی طرح حق ہے جس طرح دوسروں کا، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا '' (مباحث فقہیہ،۴۶۷)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جب کہ حکومت بلا طلب بطور امداداور غم خواری کے رقم دیتی ہے تو لینے میں مضائقہ نہیں، خود استعمال کرے یا حاجت مندوں کو دے دے '' (فتاوی رحیمیہ ۲۲۵،۱۰ جدید ایڈیشن)۔

۷۔ واسطہ بننے والوں کے لئے محنتانہ کا حکم:

گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول میں چونکہ کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے اس رقم کو حاصل کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو واسطہ بننا پڑتا ہے، واسطہ بننے والے اپنی مطلوبہ محنتانہ لیتے ہیں اور اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے چونکہ ان کے محتاج ہوتے ہیں، اس لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دیتے

ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ واسطہ بننے والے اپنے اوقات کو صرف کرتے ہیں اور کاغذی کاروائی کرتےہیں اس لئے میری نظر میں چونکہ واسطہ بننے والوں کی حیثیت دلال کی ہے اور دلالی کی اجرت جائز ہے، لہذا صورت مسئلہ میں واسطہ بننے والوں کا اپنی مطلوبہ محنتانہ لینا جائز ہے۔

جن صورتوں میں حکومت عوام الناس کی مدد کرتی ہے اور ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے ان صورتوں میں تو واسطہ بننے والوں کا مطلوبہ محنتانہ لینا جائز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جن صورتوں میں حکومت عوام الناس کو سودی قرض دیتی ہے اور پورا معاملہ سودی ہوتا ہے ان صورتوں میں واسطہ بننے والوں کا مطلوبہ محنتانہ لینا درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حدیث شریف میں ہے:''لعن رسول اللہﷺ آکل الربواوموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء'' (مسلم شریف)۔

البتہ فی نفسہ واسطہ بن کر محنتانہ لینا غیر سودی شکل میں درست ہے، بشرطیکہ وہ اپنی محنت اور کام کے موافق لے البتہ اجرت اور محنتانہ پہلے طے کرے تاکہ بعد میں نزاع نہ ہو، معاملہ مبہم نہ رہنا چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''قال فی التاتارخانیۃ: وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیہ إن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل، وکثیر من ہذاغیر جائز، فجوزوا لحاجۃ الناس إلیہ الخ'' (شامی ۵،۵۳کتاب الاجارہ قبل فصل فی ضمان الاجیر)۔

جیسے سود پر قرض لینا حرام ہے اسی طرح سودی قرض کے لین دین میں واسطہ اور معاون بننا بھی جائز نہیں، ظاہر ہے کہ قرض دلانے کے لئے جو شخص واسطہ بن رہا ہے،و ہ ایک سودی کاروبار میں معاون بن رہا ہے، اورگو اس کو کمیشن یا اجرت اصل رقم میں سے ملے، لیکن بہرحال یہ اس تعاون ہی کا اجر وصلہ ہے، لہذا اس معاملہ میں معاون بننا اور اس کی اجرت لینا درست نہیں ، واللہ اعلم بالصواب (کتاب الفتاوی ۵،۳۷۰)۔

الغرض واسطہ بننے والا چونکہ سودی لین دین میں معاون بن رہا ہےاور قرآن مجید اس طرح کے تعاون سے منع کرتا ہے، ''ولا تعاونوا علی الاثم، والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) اس لئے واسطہ بن کر محنتانہ لینا درست اور جائز نہیں ہوگا۔

۸۔ واسطہ بننے والوں کا حاصل شدہ رقم میں فیصد یا حصہ طے کرکے لینے کا حکم:

واسطہ بننے والوں حاصل شدہ رقم میں فیصد یا حصہ طے کرنا اور اس کا لینا از روئےہ شرع جائز اور درست نہیں ہے، کیونکہ جس طرح سود پر قرض لینا دینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح سودی قرض کے لین دین میں ذریعہ واسطہ اور معاون بننا بھی جائز

نہیں، ظاہر ہے کہ قرض دلانے کے لئے جو شخص واسطہ اور ذریعہ ابن رہا ہے، وہ سودی کاروبار میں اورناجائز کام میں معاون بن رہا ہے، اور گو اس کو کمیشن یا اجرت اصل رقم میں سے ملے، لیکن بہرحال یہ اس تعاون ہی کا اجر وصلہ ہے، لہذا اس معاملہ میں معاون بننا اور اس کی اجرت لینا حاصل شدہ رقم میں فیصد یا حصہ طے کرکے اس کا لینا یہ تمام صورت بھی ناجائز اور نادرست ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ‘‘ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان’’ (المائدہ: ۲) دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ‘‘ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل’’ (سورہ البقرہ: ۱۸۸) اور حدیث شریف میں سودی کاروبار میں ذریعہ واسطہ اور معاون بننے والوں کو ملعون قرا ردیا گیا ہے خواہ گواہ کی شکل میں ہو یا کتابت کرنے والا ہو سود دینے والا ہو یا لینے والا ہو، بلکہ حدیث کے مفہوم کے مطابق اس میں کسی طرح کا ذریعہ بننے والا ہو۔

البتہ غیر سودی کاروبار اور تجارت کے بارے میں فقہاء نے دلالی کی اجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ فی نفسہ مباح ہے اور اپنی محنت اور کام کے موافق پہلے سےمناسب اجرت طے کرلے تو طے کردہ اجرت لے سکتا ہے، فتاوی دار العلوم میں ہے:

‘‘دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کرکے رضا سے لیا جائے، اور جو خفیہ طرفین سے لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں ’’ (فتاوی دار العلوم قدیم ۷، ۱۱۹،۸بحوالہ فتاوی رحیمیہ)۔

لہذا جن صورتوں میں حکومت عوام الناس کی مدد کرتی ہے اور ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے ان صورتوں میں واسطہ بننے والو نکا مطلوبہ محنتانہ لینا جائز معلوم ہوتا ہے، لیکن جن صورتوں میں حکومت عوام الناس کو سودی قرض دیتی ہے اور پورا معاملہ سودی ہوتا ہے ان صورتوں میں واسطہ بننے والوں مطلوبہ محنتانہ لینا درست معلوم نہیں ہوتا او رنہ ہی حاصل شدہ رقم میں فیصد یا حصہ طے کرکے لینا درست اور جائز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ‘‘لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء’’ (مسلم شریف) اور شریعت کا حکم ہے کہ گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون اور معاونت نہ کرو، ‘‘ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (سورہ مائدہ: ۲)۔

اور جن صورتوں میں واسطہ بن کر محنتانہ لینا درست ہے وہاں بھی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی محنت اور کام کے مطابق پہلےسے اجرت طے کردی جائے تاکہ بعد میں کوئی نزاع کی صورت پیدا نہ ہو ۔

۹۔ اگر امدادی رقوم اور قرضوں کے لئے اگر رشوت دینا پڑے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

امدادی رقوم اور سرکاری قرضوں کے حصول میں اگر رشوت دینی پڑے اور رشوت کے بغیر ان قرضوں کے حصول بالکل ممکن نہ ہو تو مجبوری کی صورت میں

رشوت دے سکتے ہیں۔ رشوت دینا تو اصلاً گناہ اور ناجائز ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنے کی کوشش کی جائے، لیکن اگر اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ ہو تو اس مقصد کے لئےرشوت دینے کی گنجائش ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ رشوت لینا تو ''حرام لعینہ '' ہے اور رشوت دینا ''حرام لغیرہ ''ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے دفع ظلم یا اپنے جائز حق کی وصولی کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے، مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، فرماتےہیں:

''الرشوة ما یعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل أما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو لیدفع بہ عن نفسہ ظلماً فلا بأس بہ'' (اعلاء السنن ۱۵،۶۰)۔

رشوت کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے: رشوت وہ مال ہے جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچانے یا حق شرعی کے بغیر کوئی چیز حاصل کرنے کی غرض سے دی جائے، ''ما یعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل'' (کتاب التعریفات للجرجانی،۱۴۸)۔

اس تعریف کی روشنی میں حکومت کے ملازمین اور کارکنان سے ناروا فائدہ اٹھانے کے لئے ان کو رشوت دینا قطعی حرام ہے لیکن اگر اپنے جائز حقوق بھی آپ ان کو رشوت دیئے بغیر نہ حاصل کرسکیں اور ان کا نقصان بھی آپ کے لئے قابل برداشت نہ ہو، نیز اس قسم کے رشوت خورملازموں کی شکایت ان کے افسروں سے کرنے کا بھی موقع نہ ہو یا اس سے کوئی نتیجہ نکلنے کی توقع نہ ہوتو مجبوراً ان کو رشوت دے سکتےہیں، لیکن ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے رہنا چاہئے کہ یہ حرام خوری ہے یہ انسانی شرافت اور مروت کے خلاف چیز ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنی کتاب حلال وحرام میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت میں کمائی کے جن طریقوں کی سخت مذمت کی گئی ہے ان میں ایک رشوت بھی ہے، رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے، ایک حدیث میں تو آپ ﷺ نے ان دونوں پر اپنی زبان مبارک سے لعنت بھیجی ہے۔ رشوت ظلم نہ کرنے کے لئے حاصل کی جانے والی رقم بھی ہے اور جائز حق دینے پر لی جانے والی رقم بھی، لینا تو بہرحال حرام ہے، البتہ اپنی جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ اور انصاف اور جائز حق کے حصول کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے۔ اسی طرح کسی دشمن اسلام کے شر سے حفاظت کے لئے اس کو رشوت دی جائےیہ بھی جائز ہے، جیسا کہ خود حضور ﷺ مفسد شعراء کی زبان بندی کے لئے دیا کرتے تھے '' (حلال وحرام،۳۷۵)۔

خلاصہ یہ کہ رشوت تو فی نفسہ قطعی حرام ہے خدا اور رسول نے راشی اور مرتشی دونوں پر لعنت کی ہے اور اس پر دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ لیکن اضطرار کی حالت میں مردار کی بھی اجازت دی گئی ہے کچھ یہی نوعیت رشوت دینے کی ہے فقہاء

نے لکھا ہے کہ دفع مضرت کے لئے رشوت دی جائے تو امید ہےکہ اللہ تعالی مواخذہ نہیں فرمائینگے۔

من مانا محنتانہ لینا یا مجبور کرکے حاصل شدہ رقم میں فیصد یا حصہ طے کرکے اپنی محنتانہ لینا از روئے شرع بہتر اور پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ یہ صورت کراہت کی ہوگی۔ اس مسئلہ کو نفع کے تناسب والے مسئلہ پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے مال میں کتنا فیصد نفع لے سکتا ہے؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

''شریعت میں نفع کے لئے کوئی تناسب متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ تاجرین کے عرف ورواج اور فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اتنا نفع لینا جو غبن فاحش کے دائرہ میں آجائے مکروہ ہے، غبن فاحش سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی بازار میں زیادہ سے زیادہ جو قیمت لگائی جاتی ہو اس سے بھی زیادہ قیمت لی جائے، جیسے ایک چیز پچاس سے پچتھر روپیہ میں فروخت کی جاتی ہو، اب کوئی شخص اسے اسی اور پیسہ فروخت کرتا ہے، تو یہ غبن فاحش ہے، خریدوفروخت درست ہوجائے گی، نفع بھی تاجر کے لئے حلال ہوگا، لیکن اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا اور اگر خریداریقین دہانی کرائی ہو کہ میں نے مناسب قیمت لگائی ہے تو ایسی صورت میں اس کو معاملے کے ختم کردینے کا حق بھی حاصل ہوگا '' (کتاب الفتاوی ۲۱۱،۵)۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خوب لکھا ہے کہ ''تاجرانہ نفع کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ محتاج کی ضرورت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے خوب گراں بیچا جائے، دوسرے یہ کہ معمولی نفع لیاجائے اور جلد جلد اس کو استعمال میں لایا جائے، نفع کی یہ دوسری شکل تمدنی تقاضوں کے مطابق بھی ہے اور برکت کا باعث بھی ''(حجۃ اللہ البالغہ۲،۲۷۱)۔

ایک قابل غور پہلو:

ایک مسلمان کے لئے سودی معاملات، سودی لین دین اور سودی کاروبار میں واسطہ بن کر اپنی محنتانہ لینا اور اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنانا ازروئے شرع جائز نہیں ہے، وقتی طور پر جب تک کہ دوسرا ذریعہ معاش نہ مل جائے اس سے اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے، لیکن دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنا جو جائز وحلال ہو اس کی ذمہ داری ہے۔ اس مسئلہ کو بینک کی ملازمت پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتےہیں:

''بینک کے کاروبار سود پر مبنی ہیں اور سودی کاروبار حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے دینے والے، لکھنے والے، اس کے گواہان اور اس کا واسطہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے، اس لئے یہ تمام لوگ سودی کاروبار میں تعاون کررہے ہیں، بینک وہ ملازمین جو حساب وکتاب، نوشت وخواند لین دین کا کام کرتے ہیں اس گروہ میں

داخل ہیں اور معصیت میں براہ راست معاون ہیں، اس لئے یہ ملازمت ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ البتہ نیچے درجہ کی ملازمت (مثلاً جاروب کش، چوکیدار، وغیرہ جن کا کاروبار اور معاملات سے تعلق نہیں نفس عمارت کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہیں) جائز ہے ''۔

۱۰۔ امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینے کا شرعی حکم:

امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے اگر حکومت وقت نے کچھ شرائط ومعیارات متعین کئے ہوں تو کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دخل وفریب اور غلط بیانی سے کام لے اور دھوکہ دے کر غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھائے قرآن وحدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے کہ آدمی جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر کسی چیز کو حاصل کرے اللہ کے رسولﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من غش فلیس منا'' (حدیث) جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ اس سلسلہ میں محتاط رہیں اور برادران وطن کے لئے ایک نمونہ بنیں۔

خاص کر ہم مسلمانوں کو تو قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم کسب معاش کی حرص میں ایسی نازیبا حرکتیں کریں، اس سے آخرت میں جو گناہ ہوگا وہ تو ہوگا ہی، دنیا میں بھی بے برکتی پیدا ہوتی، اور انسان آفتوں اور بلاؤں سے دوچار ہوتا ہے۔

مفتی احمد خانپوری مدظلہ العالی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایک طرح کی دھوکہ بازی ہے کہ اپنی آمدنی کم بتلا کر ناحق طریقہ سے اپنے آپ کو مستحق امداد ثابت کیا جائے، یہ حرام ہے، مزید برآں اپنے اس فریب اور دھوکہ بازی کو درست ظاہر کرنے کے لئے رشوت کا بھی ارتکاب کیا جارہا ہے، وہ بھی حرام ہے '' (محمود الفتاوی ۴،۸۰۳۔۸۰۴)۔

حکومت وقت نے جو شرائط ومعیارات امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے متعین کئے ہیں اس میں فراڈ اور دجل وفریب سےکام لے کر یا جعلی سرٹیفکٹ بنواکر حکومت سے رقم لینا یہ ایک طرح سے میری نظر میں لوٹ کھسوٹ کے درجہ میں ہے اور کسی شخص کےلئے یہ جائز نہیں کہ وہ لوٹ کھسوٹ کر مال حاصل کرے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من انتہب نہبۃ فلیس منا'' (ترمذی ۱،۲۸۹)۔

الغرض جھوٹ اور غلط بیانی کرکے امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنا از روئے شرع ناجائزا ور حرام ہے اور جھوٹ دغا بازی اور فریب دہی پر جتنی وعیدیں آئی ہیں ایسا شخص ان کا مستحق ہے، مثلاً جھوٹوں پر اللہ کی لعنت، ارشاد نبویﷺ ہے کہ دھوکہ کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے، اس لئے جعل سازی اور غلط بیانی کرکے امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہوگا۔

۱۱۔ اگر مقروض کی طرف سے سود حکومت ادا کرے تو کیا حکم ہوگا؟

حکومت وقت بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے بنک سے پبلک کو قرض دلاتی ہے اور اس پر بینک کا جو سودی انٹرسٹ ہوتا ہے وہ حکومت مقروض کی طرف سے خود ادا کرتی ہے خود مقروض کو ادا نہیں کرنا پڑتا یا بعض صورتوں میں اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور معمولی سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے یہ اسکیم اور اس سے استفادہ از روئے شرع جائز نہیں ہے کیونکہ یہ معاملہ بھی خالص سودی معاملہ ہے، کیونکہ جس طرح عام حالت میں سودی قرض لینا جائز نہیں ہے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ کوئی فرد یا ادارہ یا حکومت کسی مقروض کا کفیل اور وکیل بن جائے اور قرض خواہ کی طرف سے وہ سود ادا کرے جس طرح سودی قرض لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی کو اپنی کفالت اور ضمانت سے سودی قرض دلانا بھی جائز نہیں ہے۔ دوسری بات یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح زیادہ رقم کا سودی کاروبار اور لین دین جائز نہیں، اسی طرح معمولی سودی لین دین بھی جائز نہیں سود چاہے کم دینا پڑے یا زیادہ حرام دونوں ہیں۔

شریعت کی نظر میں جس طرح چوری ناجائز ہے اور چوری کا مال حرام ہے اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص یا ادارہ چوری کرکے کسی کو دے تو اس صورت میں بھی وہ مال حرام ہی ہوگا اور اس کا لینا جائز نہیں ہوگا، صورت مسئلہ میں بھی چاہے مقروض خود سود ادا کرے یا اس کی طرف سے حکومت ادا کرے دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

البتہ محتاج اور ضرورت مند مسلمان جو واقعی ان سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانےمیں محتاج ہیں اور ان کے پاس بینک کا انٹرسٹ بھرنے کا روپیہ نہیں ہے ان کے لئے سہولت اور گنجائش ہے کہ وہ ان اسکیموں سے فائدہ اٹھائے جن میں مقروض کی طرف سے سود حکومت ادا کرتی ہے، البتہ خوش مسلمانوں کے لئے محض عیش وعشرت کی زیادہ اور تجارت کے فروغ کے اس طرح کا سودی قرض لینا جائز نہ ہوگا۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ایک چشم کشا تحریر پیش خدمت ہے جس سے اس مسئلہ کو سمجھنا آسان ہوگا۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:

‘‘ہندوستان جیسے ملک میں جہاں زمام اقتدار ہمارے ہاتھوں میں نہیں اور خصوصیت سے معاشی نظام کی تشکیل اور قانون سازی میں اقلیت یا اکثریت کےمذہبی اصول کی رعایت کئے جانے کی کوئی ضمانت دستور میں نہیں دی گئی ہے، ضروری ہوگا کہ احکام پر غور کرتے ہوئے ہم شارع کی ان ہدایات اور فقہاء کے ان اصول واجتہاد کو سامنے رکھیں اور معاملہ کے دونوں پہلوؤں کوسامنے رکھ کر فیصلہ کرلیں، اس پہلو کوبھی کہ حرج اور مشقت سے بچانا شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے اور اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ شارع کی صریح محرمات کے دورازہ پر دستک دینے سے

بچا جائے'' (کتاب الفتاوی ۵؍۲۳۳)۔

۱۲۔ حکومت کا اپنے محفوظ سودی فنڈ سے افراد واشخاص کے تعاون کا شرعی حکم:

حکومت وقت کے یہاں بعض اسکیمیں ایسی بھی ہیں ، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، حکومت نے اس قسم کو بینک میں ڈپازٹ کردیا ہے اور حکومت کو اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے اسی سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے گویا حکومت براہ راست یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے صورت مسئلہ میں ظاہر سی بات ہے کہ حکومت خالص سود کے پیسے اور روپے سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کی مدد کرتی ہے، اس لئے اس اسکیم سے صاحب حیثیت مسلمانوں کا استفادہ کرنا از روئے شرع درست اور جائز نہیں ہوگا، البتہ جو مسلمان محتاج ونادرا ہیں نانِ شبینہ کے بھی محتاج ہیں اس اسکیم سے فائدہ نہ اٹھانے سے ان کو مالی اور معاشی دشواری کا سامنا کرنا یقینی ہو تو ایسے مسلمانوں کو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوگی، کیونکہ وہ محتاج اور ضرورت مند ہیں، البتہ غریب اور محتاج مسلمانو نکے لئے بھی سعادت مندی کی بات یہی ہے کہ اگر وہ صحت مند ہیں اور ان کے قوی مضبوط ہیں جسم میں طاقت وقوت ہے تو ایسے سودی رقم اور سودی اسکیم کے حصول سے پرہیز کرکے رزق حلال کی طلب میں رہے حلال اور پاکیزہ روزی پیٹ میں جاتی ہے تو اس سے قلب منور ہوتا ہے، اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی ہے عبادات میں دل لگتا ہے اور جب حرام ومشتبہ روزی پیٹ میں جاتی ہےتو قلب میں ظلمت ووحشت پیدا ہوتی ہے، عبادات میں دل نہیں لگتا نیک کاموں کی توفیق نہیں ہوتی، نیز حلال رزق میں برکت ہوتی ہے، اس لئے ایک مسلمان کو مشتبہ مال سے بہرحال اجتناب کرنا چاہئے اقبال مرحوم نے امت کو یہی پیغام دیا تھا:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حکومت کے محفوظ سودی فنڈ سے مسلمانوں کی مدد واعانت کا شرعی حکم کے سلسلہ میں احقر کا موقف وہی ہے جس کا اظہار اوپر کی سطروں میں کیاگیا ہے، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ حالات، حکومت کے ساتھ ان کا رویہ برادران وطن کا سلوک اور معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو قلاش بنانے کی نت نئی سازشیں ان تمام چیزوں کو اور پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں جہاں ہند ومسلم فسادا ت کی کثرت ہے اور ان فسادات کا اتفاقاً پیش نہ آنا، بلکہ بعض جماعتوں اور تحریکوں کی طرف سے مسلمانوں کی جان واملاک کی ہلاکت وبربادی کی منظم پلاننگ ہے بہ حالت موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایسے فنڈ سے اعانت اور مدد لینا جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ ہمارے اکابرین نے ہندوستان کے مخصوص فرقہ وارانہ

فسادات کی بنا پر انشورنس کی اجازت دی ہے باوجود اس کے کہ انشورنس کی تمام شکلوں میں ربوا اور جوا موجود ہے۔

ایک کلمہ گو کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہرحال میں ان تمام اسکیموں سے فائدہ اٹھانے میں احتیاط کرے جو سودی اور ربوی ہو اور بغیر شرعی ضرورت اور حاجت کے اس کو اپنے اوپر حرام سمجھے، لیکن جہاں مسلمانوں کے جان ومال کو نقصان ہو اس نقصان کی بھرپائی اگر حکومت ان اسکیموں سے کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح محتاج اور انتہائی مجبور مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سرکاری اسکیموں کے قرضوں سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا محمد ممتاز خان ندوی•

سوال (۱) قرض کے کچھ حصہ کی معافی:

سرکار اپنی ترقیاتی اسکیموں کے تحت لوگوں کو جو قرض دیتی ہے، اگر بغیر شرط کے اس کا کچھ حصہ معاف کردیتی ہے، تو راقم کے نزدیک ایسا قرض لینا دینا دونوں جائز ہے، اس کی تائید درج ذیل حدیثونسے بھی ہوتی ہے۔

(۱) ''سنن ابن ماجہ '' کی روایت ہے:''قال رسول اللہﷺ من أحب أن یظلہ اللہ فی ظلہ فلینظر معسراً أو لیضع '' (رواہ ابن ماجہ، کتاب الصدقات باب انظار المعسر، حدیث نمبر: ۲۴۱۹) (اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے سائے میں رہے تو وہ تنگ دست کو مہلت دے یا اس کے قرض کو معاف کردے)۔

(۲) مسلم شریف کی روایت ہے:''قال: من سرہ أن ینجیہ من کرب یوم القیامۃ فلینفس عن معسر أو یضع عنہ'' (رواہ مسلم، باب فضل انظار المعسر، حدیث: ۴۰۸۳) (اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالی قیامت کے ان مصیبتوں میں سے کسی مصیبت سے اسے نجات دے، تو چاہئے کہ وہ مفلس کو مہلت دے یا اسے معاف کردے)۔

(۳) مسلم شریف ہی کو روایت ہے:''من أنظر معسراً أو وضع عنہ أظلہ اللہ فی ظلہ'' (رواہ مسلم، کتاب الزہد والرقائق باب حدیث جابر الطویل وقصۃ أبی الیسر ، حدیث: ۳۰۰۶) (اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا جس نے محتاج وتنگ دست کو مہلت دی، یا اس سے اپنا حق معاف کردیا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے سائے میں رکھے گا)۔

اس کی تائید درج ذیل فقہی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

''کذلک یجوز للبائع أن یزید فی المبیع، ویجوز أن یحط الثمن ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذلک'' (الفقہ المیسر دوم،ص: ۱۱۰، ط: مجمع الامام احمد بن عرفان الشہیدؒ) (اسی طرح بائع کے لئے جائز ہے کہ وہ مبیع میں اضافہ کردے، اور جائز ہے کہ ثمن میں کسی کو دے، اور ان تمام چیزوں میں استحقاق متعلق ہے)۔

سوال (۲) مقررہ مدت سے پہلے قرض کی ادائیگی:

اگر مقروض مقررہ مدت سے پہلے قرض کی ادائیگی کردیتا ہے، اور اس کے نتیجہ

• مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

میں سرکاری اسکیم قرض کا کچھ حصہ معاف کردیتی ہے، تو راقم کے نزدیک اگریہ معافی تبرعاً ہے، یعنی مقروض اور سرکاری اسکیم میں وقت سے پہلے قرض کی ادائیگی میں قرض کا کچھ حصہ معاف کرنے میں آپس میں مصالحت نہ ہو، تو یہ جائز ہے۔

اس کی تائید درمختار کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''قال:أد إلی خمس ماۃ غدا من ألف لی علیک علیإنک یری من الباقی فقبل بری، وإن لم یؤد ذلک فی الغد عاد دینہ'' (قرض دینے والے نے مقروض سے کہا: تم میرے ایک ہزار میں سے جو تمہارے ذمہ ہیں، آئندہ کل پانچ سو ادا کردو، تو تم بقیہ سے بری ہوجاؤگے، تو اس نے قبول کرلیا تو وہ بقیہ سے بری ہوجائے گا، اور اگر اس نے آئندہ کل ادا نہیں کیا، تو اس کے ذمہ پورے قرض کی ادائیگی لازم ہوگی)۔

البتہ اگر جانبین یعنی قرض دینے والی اسکیم اور مقروض میں وقت سے پہلے قرض کی ادائیگی کرنے میں قرض کو کچھ حصہ کی معافی میں مصالحت ہوجائے، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ربا ہے۔

''تنویر الابصار ''میں ہے:''ولا یصح الصلح عن ألف درہم مؤجل علی نصفہ حالاً'' (رد المحتار علی الدر۵۳۴،۴) (ایک ہزار ادھار درہم میں فوراً نصف ادائیگی پر صلح صحیح نہیں ہے)۔

رد المحتار میں ہے:''والأصل إن الإحسان إن وجد من الدائن فإسقاط، وإن منہما فمعاوضۃ'' (رد المحتار علی الدر۵۳۴،۴) (اور اصل یہ ہے کہ بے شک احسان اگر دائن کی طرف سے ہو، تو یہ اسقاط ہے، اور اگر جانبین، یعنی دائن اور مدیون کی طرف سے ہو تو یہ معاوضہ ہے)۔

اسی طرح کی بات فقہاءشوافع نے بھی لکھی ہے:''صالح عن عشرۃ مؤجلۃ علی خمسۃ حالہ، لغی الصلح؛ لأنہ إنما ترک الخمسۃ فی مقابلۃ حلول الباقی وہو لا یحل'' (حواشی تحفۃ المحتاج ۱۵۲،۵) (دس ادھار کی پانچ نقد پر صلح کرلی، تو صلح غیر معتبر ہے، اس لئے کہ اس میں پانچ باقی کے نقد ہونے کے عوض چھوڑا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے)۔

امام مالکؒ نے خود مؤطا میں اس پر قدر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور اس میں ضع وتعجیل کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے، امام مالکؒ کا خیال ہے کہ اگر فریقین بطور خود تبرعاً ایسا کریں تو حرج نہیں، لیکن مشروط طور پر ایسا معاملہ کرنا جائز نہیں، فرماتے ہیں:

''من وجب علیہ دین إلی رجل فسئل أن یضع عنہ ویعجل لہ ما بقی لم یتبع لہ ذلک، لأنہ یعجل قلیلاً بکثیر دیناً'' (مؤطا للإمام مالکؒ) (جس شخص پر ایک مدت کے بعد قابل ادائیگی دین واجب ہو اس سے کہا جائے کہ وہ کچھ معاف کردے اور باقی نقد لے لے، تو یہ مناسب نہیں، اس لئے کہ وہ دین کثیر کے بدلہ نقد کی وجہ سے قلیل کو قبول کررہا ہے)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ کا بیان ہے: ‘‘إذا صالحہ علی المؤجل ببعضہ حالا لم یجز’’ (المغنی ۳۱۶،۴) (اگر دیر سے ادا طلب قرض میں کچھ کم کرکے نقد ادائیگی پر صلح کرلے، تو جائز نہیں)۔

اس کی تائید صاحب احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے ایک فتوی سے بھی ہوتی ہے استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

‘‘سوال: ایک شخص کا دوسرے پر دین مؤجل تھا، مدیون نے دائن سے کچھ حصہ دین معاف کرنے کی درخواست کی، دائن نے اس شرط پر قبول کرلیا کہ باقی دین بروقت ادا کرے، چنانچہ مدیون نے باقی دین اسی وقت ادا کردیا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب۔ یہ معاملہ جائز نہیں، اس میں اصل یہ ہے کہ اگر جانبین سے احسان ہے، جیسا کہ صورت مسئولہ میں دائن کی طرف سے ترک حصہ دین اور مدیون کی طرف سے اسقاط اجل، تو یہ معاوضہ ہے، اور موجب ربا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور اگر احسان صرف جانب واحد سے ہے تو یہ ایراد ہے، معاوضہ نہیں، اس لئے جائز ہے ’’ (احسن الفتاوی ۱۸۰،۷)۔

سوال نمبر (۳) مقررہ مدت کے بعد زائد رقم کی ادائیگی:

سرکاری اسکیم اور مقروض کے درمیان اس طرح کا معاملہ ہو، تاکہ مقررہ مدت میں قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں زائد رقم ادا کرنی ہوگی، مثال کے طور پر سرکاری اسکیم نے کسی کو ایک لاکھ روپے قرض دیئے، اور یہ شرط لگائی کہ مقررہ مدت میں قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں پانچ ہزار روپے زیادہ ادا کرنے ہونگے، تو یہ پانچ ہزار روپے کھلا ہوا سود ہے، اور یہ شکل جائز نہیں ہے، اور اس کی حرمت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں سود کی جو صورت رائج تھی، وہ یہی صورت ہے، حضرت امام مالکؒ تحریر فرماتے ہیں:

‘‘وکان ربا الجاہلیۃ فی الدیون أن یکون للرجل علی الرجل الدین، فإذا حل قال لہ:أتقضی أم تربی فإن قضاہ أخذہ، وإلا زادہ فی الحق، وزادہ فی الأجل’’ (المدونۃ الکبری۱۸،۵) (دیون میں زمانہ جاہلیت کا جو سود مروج تھا، وہ اس طرح کا تھا کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دین ہوتا، جب دین کی ادائیگی کا وقت آتا، تو صاحب دین دریافت کرتا کہ قرض ادا کروگے یا مہلت لوگے؟ اگر دین ادا کردیتا تو لے لیتا، ورنہ مقروض)۔

اس کی تائید حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے ایک فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

‘‘سوال: ایک مسلمان گاہک نے ایک مسلمان تاجر سے ماہ جنوری میں مبلغ دو ہزار روپے کا سامان ادھار خریدا، اور مارچ میں اس کی قیمت ادا کی، جب مارچ میں قیمت ادا

کرنے گیا، تو دوکاندار نے ماہ مارچ کے نرخ سے قیمت وصول کی، جو دو ہزار روپے سے زیادہ ہے، دوکاندار کا استدلال ہے کہ دوماہ تک میرے دو ہزار روپے رکے رہے، اگر یہی رقم بینک میں جمع رہتی، تو مجھے اتنا اور اتنا سود ملتا، دوکاندار کا اس طریقہ پر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب جنوری میں دوہزار روپے قیمت طے ہوچکی ہے، تو اب تاخیر کی وجہ سے مارچ میں، زیادہ قیمت وصول کرنا جائز نہیں، یہ سود ہے، اگرچہ دو ہزار روپے دوکاندار کے گھر میں رہتے تو کیا خود بخود ان روپیوں میں اضافہ ہوجاتا؟ ظاہر ہے کہ روپیوں میں خود بخود پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور اگر وہ اس رقم کو تجارت میں استعمال کرتا، جب بھی کیا اس پر زیادہ حاصل ہونا یقینی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ دوکاندار کا زیادہ پیسوں کا مطالبہ کرنا شرعاً نہ درست ہے اور نہ عقلاً صحیح ہے، یہ کھلا ہوا سود ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، ہاں اگرکوئی شخص شروع میں ہی طے کردے کہ میں دو مہینے کے بعد قیمت لونگا اور قیمت ہزار ہوگی، تو یہ صورت جائز ہے، کیونکہ ہر شخص کو اپنے سامان کے بارے میں اختیار ہے کہ وہ جو قیمت اس کی مناسب سمجھے متعین کردے، اور یہ بھی درست ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق رکھا جائے، اس لئے اگر ادھار معاملہ میں زیادہ لیتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ شروع ہی میں اس کا لحاظ کرتے ہوئے قیمت طے کردے " (کتاب الفتاوی ۵؍۲۲۱)۔

مقررہ مدت کے بعد قرض کی ادائیگی میں جو زائد رقم دی جائے، تو اگر اس کو مالی جرمانہ پر قیاس کیا جائے، تب بھی مالی جرمانہ کے طورپر یہ زائد رقم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اس لئے یہ کسی سبب شرعی کے بغیر ایک شخص کا مال لینا ہے: ''إذ لا یجوز أخذ مال مسلم'' (حاشیہ شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی علی)، البتہ امام ابویوسفؒ نے مالی تعزیر کی اجازت دی ہے، ''وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان یأخذ المال'' (فتح القدیر۴؍۱۱۲)تاہم امام ابویوسفؒ کے مسلک کی بعض حنفی مصنف نے توضیح کی ہے کہ یہ جرمانہ محض وقتی طور پر از راہ دھمکی لیا جائے گا، نہ خود سلطان لے گا اور نہ بیت المال میں داخل کردے گا، بلکہ ایک مدت کے بعد واپس کردے گا۔

البحر الرائق میں ہے:''إمساک شئی من مالہ عنہ مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم إلیہ لا أن یأخذہ الحاکم لنفسہ أو لبیت المال'' (البحر الرائق۵؍۴۱)۔

(اس کے مال میں سے اس کی طرف سے کچھ مال کا ایک مدت تک روکنا ہے، تاکہ حاکم اس کی تنبیہ کرے، پھر حاکم اس کو مال واپس کردے گا، نہ تو حاکم خود اپنے لے گا اور نہ بیت المال کے لئے لے گا)۔

بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ اما م مالک کا خیال ہے کہ مالی جرمانہ لینا

جائز ہے، ‘‘وبہ قال مالک’’ (فقہ السنہ۳،۵۹۲ ہامش الشرح الصغیر ۴،۵۰۴-۵۰۵)۔

اور قضا کے موضوع پر معین الحکام کے فاضل مصنف قاضی علاء الدین طرابلسیؒ بھی تعزیر مالی کے قائل ہیں، علامہ ابن قیمؒ بھی تعزیر مالی کے قائل ہیں۔

اگر ان حضرات کی بات جو کہ مالی جرمانہ کے قائل ہیں، صحیح مان بھی لی جائے، تب بھی تاخیر سے قرض کی ادائیگی میں زیادہ وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں سود بھی ہے، اور فقہی قاعدہ ہے، جب حلال وحرام ایک ساتھ جمع ہوجائیں تو حرمت والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی، قاعدہ ہے: ‘‘إذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام’’ (رد المحتار علی الدر ۱،۳۱۹ کتاب الطہارۃ، ط: بیروت، لبنان) (جب حلال وحرام ایک ساتھ جمع ہوجائیں، تو حرمت والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی)۔

سوال (۴) قرض سے زیادہ لینے کو سروس چارج پر محمول کرنا:

قرض سے زائد رقم کا مطالبہ اگرچہ کہ یہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، اس کو سروس چارج پر محمول کرنے اور نہ کرنے میں راقم کے نزدیک کچھ تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگر یہ زائد رقم متعین نہ ہو، بلکہ اس میں سالانہ اضافہ ہوتا رہے، خواہ اضافہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، اس کو سروس چارج پر محمول کرنا درست نہیں ہے، بلکہ یہ سود ہے، اس لئے کہ اس میں سود کی تعریف صادق آرہی ہے، سود کی تعریف علامہ شامی نے بایں الفاظ کی ہے، ‘‘وشرعاً فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال’’ (رد المحتار علی الدر۴،۱۹۶) (مال کے مال سے معاوضہ کے وقت بلا عوض زائد مال)۔

البتہ اگر بینک دفتری مصارف اور دیگر مصارف کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھاک حساب کرکے ان کو ایک لخت مقرر کردے، وصولی خواہ قسط وار ہی کی جائے، تو اس کو سروس چارج پر محمول کیا جاسکتا ہے، اور شرعاً جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

قرض جاری کرنے والے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں، بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے زیادہ نہ ہو (فقہی مقالات۱،۲۷۰)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند کا رجحان بھی اس طرف ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

جو رقم سامان وغیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جائے ، اس میں تاویل چل سکے گی اور اس کو کام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کرکے اس معاملہ پر سودی معاملہ کا حکم نہ لگائینگے، اور اس زائد رقم کو سود نہ کہینگے، بلکہ انتظام کی درستگی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جاسکے گا اور اس پر معاملہ جائز رہے گا (منتخبات نظام الفتاوی ۲،۴۴۴)۔

سوال (۵) الف: سروس چارج سے زیادہ لینا:

اگر سرکاری اسکیم کی طرف سے دیئے جانے والے قرض میں قرض کی واپسی کے وقت اتنی زائد رقم لی جائے کہ وہ سروس چارج سے زیادہ ہوجائے، جس کو سروس چارج پر محمول نہ کیا جاسکے، تو اس بابت راقم کی رائے یہ ہے کہ جتنی رقم انتظامی خرچ سے زائد ہوگی، وہ سود میں داخل ہوگی، کیونکہ اس پر سود کی تعریف صادق آرہی ہے، شامی میں ہے:''ہو فضل خال عن العوض لأحد المتعاقدین'' (رد المحتار علی الدر۴،۱۹۶)۔

حدیث شریف میں ہے:

''کل قرض جر نفعاً فہو ربا'' (مصنف ابن ابی شیبہ۱۰،۶۴۸ کتاب البیوع والاقضیہ، حدیث: ۲۱۰۷۸) (ہر وہ قرض جو نفع کا سبب ہو، تو وہ ربا ہے)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی عبارت ابھی گذری ہے، جس میں تحریر فرماتے ہیں:

''بینک کے لئے قرض داروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے زیادہ نہ ہو ''۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ سابق صدر مفتی دا ر العلوم دیوبند بھی سروس چارج سے زائد رقم لینے کو سود قرار دیتے ہیں۔

''اگر محض نقد روپیہ قرض کے لیا جائے، اور اس پر نفع دینے کا معاملہ کیا جائے یا سامان وغیرہ کے ساتھ نقد بھی لیا جائے، مگر نقد کی وہ مقدار سامانوں سے کام چلانے کی مقدار سے بہت زیادہ ہو، اور اس پر نفع دینے کا معاملہ کیاجائے، اور واپسی کی کل رقم یا پچاس فیصد رقم سے زیادہ ہوجائے، تو سود کی تعریف ''ہو فضل خال عن العوض لأحد المتعاقدین'' صادق آئے گی '' (منتخبات نظام الفتاوی۲،۴۴۴)۔

(ب) مکان کی تعمیر، کاشتکاری اور دیگر کاروبار کے لئے سودی قرض کا حکم:

سرکاری قرض اسی وقت لیا جاسکتا ہے کہ جب کہ اضطرار، حد درجہ کی احتیاج، اور شدید مجبوری ہو، اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ جس کے بغیر زندگی گزارنا ناممکن ہوجائے، اور احتیاج شدید کا مطلب یہ ہے کہ زندگی گزر تو جائے، لیکن شدید دشواری ہونے کا یقین ہوجائے۔

اس تناظر میں اگر جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی اور دیگر کاروبار کے لئے سودی قرض لینے میں احتیاج شدید ہوجائے، جس کے بغیر زندگی گذارنا دشوار ہوجائے، تو ایسے وقت میں ان تمام چیزوں میں سودی قرض لینے کا حکم یکساں رہے گا۔

''الاشباہ والنظائر ''میں ہے:''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر،۱۴۹)

(ضرورت مند کے لئے نفع کے ساتھ قرض حاصل کرنا درست ہے)۔

البتہ اگر محض مکان کی وسعت، کاروبار کو بڑھانے کے لئے سودی قرض لیا جائے، تو ایسا قرض لینا جائز نہیں ہوگا (فتاوی رحیمیہ۹؍۲۷۰ ، کتاب الفتاوی۵؍۳۶۶)۔

سوال (۶) سرکاری امداد:

گورنمنٹ لوگوں کی جو امداد کرتی ہے، خواہ وہ کسی چیز کے لئے ہی ہو، اگر یہ امداد حکومت کی طرف سے ہر ایک کے لئے ہو، تو اس امدادکو کوئی بھی خواہ امیر ہو یا غریب، ہر ایک حاصل کرسکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ مالدار ایسی رقم لے کر کسی غریب کو دے دے، تاکہ اس کا بھلا ہوجائے، اور اگر حکومت کی طرف سے اعلان ہو کہ ایسی امداد غریب ہی شخص حاصل کرسکتا ہے، اور اس کے لئے حکومت کی طرف سے علامتیں متعین ہوں، تو پھر ایسی امداد کو غریب ہی شخص حاصل کرسکتا ہے، مالدار کے لئے ایسی امداد حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱) ‘‘ترمذی شریف ’’ کی روایت ہے:‘‘عن سماک قال:سمعت علقمۃ بن وائل یحدث عن أبیہ أن النبیﷺ أقطع أرضا بحضرموت، قال محمد: حدثنا النصر بن شعبۃ وزاد فیہ:وبعث معہ معاویۃ لیقطعہا إیاہ’’ (رواہ الترمذی، کتاب الاحکام باب ما جاء فی القطائع، ح: ۱۳۸۰)۔

سماک سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے علقمہ بن وائل سے سنا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولﷺ نے حضرموت میں زمین الاٹ کی، محمد نے کہا: ہم سے نضر نے شعبہ کے حوالہ سے بیان کیا، جس میں انہوں نے اس ٹکڑے کا اضافہ کیا ، اور ان کے ساتھ معاویہ کو بھیجا، تاکہ وہ ان کے لئے زمین کو الاٹ کریں۔

اس کی تائید حضرت مولانا مفتی عبدا لرحیم لاجپوریؒ کے دوفتوں سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال (۱۰۴۹) ضلع بھروچ میں زلزلہ آنے سے مکان اور مسجد ومدرسہ کو ناقابل برداشت نقصان ہوا ہے، گورنمنٹ کی طرف سے امداد مل رہی ہے، تو کیا مالدار اس کو لے سکتا ہے؟

الجواب، صورت مسئولہ میں سرکار کی طرف سے جو رقم ملتی ہے، وہ سرکاری امداد ہے، وہ لی جاسکتی ہے جس کو ضرورت نہ ہو، وہ حاجت مند کو دےدے (فتاوی رحیمیہ۳؍۳۰۵)۔

سوال (۱۸۵۱) ایک شخص انگلینڈ میں مقیم ہے، ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے، کچھ روز بعد لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، وہاں کی حکومت ایسے موقع پر بطور امداد اپنی خوشی سے بچہ کے ماں باپ کو کچھ رقم دیتی ہے، تو وہ رقم لینا کیسا ہے، خود استعمال کرسکتا ہے یا لے کر کسی غریب کو دے دے۔

الجواب، جبکہ بلا طلب بطور امداد اور غم خواری کے لئے رقم دیتی ہے، تو لینے میں کوئی حرج نہیں، خود استعمال کرے، یا حاجت مند کودے (فتاوی رحیمیہ۶،۳۱۶-۳۱۷)۔

خلاصہ بحث:

حکومت لوگوں کی جو امداد کرتی ہے وہ کسی قسم کے لئے بھی ہو، وہ ایک انعام اور ہدیہ کے طور پر ہے، مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس کو لیا جاسکتا ہے، اس کے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال (۷) محنتانہ دینا اور لینا:

سرکاری امداد حاصل کرنے یا سرکاری قرض کے حصول کے لئے جو لوگ واسطہ بنتے ہیں، اگر یہ سرکاری ملازم ہیں اور ان کو اسی کام کے لئے رکھا گیا ہے، تو ان کے لئے محنتانہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کو محنتانہ خود سرکار دے رہی ہے، ایسی صورت میں محنتانہ لینا دینا رشوت لینے اور دینے کے حکم میں ہوگا، رشوت کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''الراشی والمرتشی کلاہما فی النار'' (مسند۶،۲۱۶) رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں ہی گناہ گار ہیں، اور اگر واسطہ بننے والا شخص سرکاری ملازم نہیں ہے، تو اگر اس کا محنتانہ پہلے طے کرلیا جائے، مثال کے طور پر پچاس ہزار روپے سرکاری امداد یا قرض کے ملنے ہیں اور اس پر پانچ ہزار روپے محنتانہ طے ہوجائیں، تو اس کا لینا دینا دونوں جائز ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اس کی تائید درمختار کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

''قال فی التاتارخانیۃ:وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیہ إن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، وفی الحاوی سئل محمدبن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال:أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً بکثرۃ التعامل وکثیر من ہذا غیر جائز، فجوزوا لحاجۃ الناس'' (رد المحتار علی الدر، کتاب الاجارۃ فصل فی ضمان الاجیر۵،۵۳)۔

(تاتارخانیہ میں فرمایا: اور دلال کی اسی کے مثل اجرت واجب ہوگی، جو اجرت ان کے درمیان طے ہوتی ہے، بے شک دس درہم میں اتنی اجرت، تو یہ معاملہ ان پر حرام ہوگا، اور حاوی میں محمدبن سلمہ سے دلال کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کثرت تعامل کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ کہ اصل میں یہ فاسد ہے، اور ان میں سے بہت سی چیزیں نہیں ہیں، پس فقہاء کرام نے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے)۔

اس کی تائید مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: میری ایک سہیلی جو کہ لوگوں کو کڑھائی کروا کر دینی ہے، کڑھائی سستی بنواتی ہے، اور پیسے زیادہ لیتی ہے، جن سے کڑھائی کرواتی ہے، اس کے پورے

پیسے دیتی ہے، اور باقی خود کو لیتی ہے، دوکاندار بھی یوں کرتے ہیں، یہ پیسے اس کے لئے جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب: اگر دونوں طرف کے پیسے طے کرلیے جائیں، تو جائز ہے " (آپ کے مسائل اور ان کا حل۶؍۲۸۵)۔

سوال (۸) امداد یا قرض میں سے محنتانہ لینا:

جو لوگ سرکاری قرض یا سرکاری امداد لانے میں واسطہ بنتے ہیں ، اور یہ طے کرلیتے ہیں کہ حاصل شدہ رقم میں وہ متعین حصہ لینگے، تو اس صورت میں بھی راقم کے نزدیک وہی حکم ہوگا، جو اوپر والی صورت کا حکم گزرا ہے، یعنی اگر یہ لوگ حکومت کی طرف سے ملازم ہیں، او ران کو اسی کام کے لئے رکھا گیا ہے، اور حکومت اس کی تنخواہ دیتی ہے، تو حاصل شدہ رقم میں سے متعین حصہ نہ ان کے لئے لینا جائز ہوگا اور نہ ہی دینا جائز ہوگا، کیونکہ یہ رشوت کے حکم میں ہے، اور اگر واسطہ بننے والے لوگ سرکاری ملازم نہ ہوں، تو اور یہ لوگ سرکاری امداد یا سرکاری قرض دلانے میں بھاگ دوڑ کررہے ہیں اور اپنا وقت صرف کررہے ہیں تو اگر پہلے سے محنتانہ طے ہوجائے، تو اس کی اجازت ہوگی۔

''رد المحتار'' میں ہے:''قال فی التاتارخانیۃ:وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیہ إن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعا مل، وکثیر من ہذا غیر جائز تجوزوا لحاجۃ الناس إلیہ'' (رد المحتار علی الدر، کتاب الاجارۃ فی ضمان الاجیر۳؍۵۳)۔

(تاتارخانیہ میں فرمایا: اور دلال کی اسی کے مثل اجرت ہوگی، جو اجرت ان کے درمیان طے ہوئی ہے، بے شک دس درہم میں اتنی اجرت،تو یہ معاملہ پر حرام ہوگا، اور حاوی میں محمدبن سلمہ سے دلالی کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کثرت تعامل کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ کہ اصل میں یہ فاسد ہے اور ان میں سے بہت ساری چیزیں جائز نہیں ہیں، پس فقہاء کرام نے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے)۔

اس کی تائید مفتی رشید احمد لدھیانوی کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: بڑی بڑی کمپنیوں والے حضرات ان کی کس چیز کی فروختگی کے بعد کمیشن ادا کرنے میں مجھے کبھی دو، ایک مرتبہ واسطہ ہوا ہے، کہ میں نے ایک کمپنی کی چیز فروخت کرائی تھی، جس کے صلہ میں مالکان بھی کمیشن عنایت کیا تھا، آپ اس سوال کا جواب مطابق شرعی قوانین دیجئے کہ یہ کمیشن جائز ہے یاناجائز ہے؟

جواب، جائز ہے ''(آپ کے مسائل اور ان کا حل۶،۲۸۱)۔

''کفایت المفتی'' میں ہے: ''دلال کے یہاں کھانا کیسا ہے، شریعت کی رو سے یہ پیشہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب، دلال کی دعوت کھانا مباح ہے، اور دلال کا پیشہ کرنا مباح ہے ''(کفایت المفتی ۷،۳۷۷)۔

سوال (۹) رشوت دینا:

حکومت لوگوں کی جو امداد کرتی ہے اگر یہ مطلق ہے، یعنی امیر وغریب ہر ایک کےلئے ہو تو یہ لوگوں کا ایک حق ہے، اس کے حصول کے لئے خواہ امیر ہو یا غریب اگر رشوت دینی پڑ جائے تو راقم کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، اور اگر حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ یہ امداد صرف غریبوں کے لئے ہے، مالداروں کے لئے نہیں ہے، جو یہ صرف غریبوں کا حق ہے، اگر رشوت کے بغیر ان کو حق نہ ملے، تو رشوت دینے کی گنجائش ہے، چونکہ یہ مالداروں کا حق نہیں ہے، لہذا ایسی امداد نہ مالداروں کو لینا جائز ہے، اور نہ اس کے لئے رشوت دینی جائز ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور ومعتمد علیہ کتاب ''درمختار '' میں ہے:

''دفع المال للسطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ فی حق الدافع'' (رد المحتار علی الدر۹،۶۰۷)۔

ظالم بادشاہ کو اپنی ذات سے ظلم کے دفاع کے لئے اور اپنے مال کی حفاظت کے لئے اور اپنے حق کو وصول کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے، اور یہ رشوت دینے والے کے حق میں رشوت نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد کی مشہور شرح بذل المجہود میں ہے:

''فإذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہ ظلماً، فإنہ غیر داخل فی ہذا الوعید'' (بذل المجہود شرح ابی داؤد۴،۲۱۱)۔

تو جب کسی نے رشوت دی، تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے حق تک پہنچے، یا اپنے سے ظلم کو دور کرے، تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

رہا مسئلہ فرض کے حصول میں رشوت دینا، تو اس بابت راقم کی رائے یہ ہے کہ اگر قرض لینا ناگزیر ہو جائے تو ایسی صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہوگی۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی، اور مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت ہے '' (کتاب الفتاوی ۵،۳۷۸)۔

اس کی تائید حضرت مولانا رشید احمدلدھیانویؒ کے ان فتوی سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

‘‘کوئی کام تو غیر قانونی تو حتی الوسع نہ کیاجائے اس کے باوجود اگر رشوت دینی پڑجائے، تو رشوت لینے والے اپنے جہنم کا سامان کرتے ہیں دینے والا بہرحال مجبور ہے، امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر غیر قانونی کام کے لئے رشوت دی جائے، تو دونوں فریق لعنت کے مستحق ہونگے ’’ (آپ کے مسائل اور ان کا حل۶؍۱۸۷)۔

سوال (۱۰) جھوٹ اور غلط بیانی کرکے سرکاری امداد اور سرکاری قرضے حاصل کرنا:

سرکاری اسکیم کی طرف سے سرکاری امداد اور سرکاری قرضونکے لئے جو اصول ومعیارات متعین ہیں، انہیں حدود میں رہ کر سرکاری امدادیا سرکاری قرضے حاصل کئےجاسکتے ہیں، جھوٹ اور غلط بیانی کرکےسرکاری امدادیا سرکاری قرضےحاصل کرنا ایک مسلمان کےلئے جائز نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ اور غلط بیانی کی قراءت وحدیث میں بڑی مذمت آئی ہے، اور بڑی سختی سےمنع کیاگیا ہے۔

سورہ حج کی آیت ہے:

‘‘فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين’’ (سورہ حج: ۳۰)۔

(تو بتوں کی پلیدی سے بچو، اور جھوٹی بات سےاجتناب کرو ، صرف ایک خدا کے ہو کر رہ جاؤ، اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ)۔

(۲) ‘‘بخاری شریف ’’ کی روایت ہے:

‘‘وإن الكذب ليهدى إلى الفجور وإن الفجور يهدى إلى النار’’ (بخاری، کتاب الادب، باب قول الله تعالى، يا أيها الذين آمنوا وكونوا مع الصادقين، ح: ۶۰۹۴)۔

اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا: جھوٹ انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے، اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

(۳) مسلم شریف ہی کی روایت ہے:

‘‘آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا اؤتمن خان وإذا وعد أخلف’’ (رواہ مسلم، کتاب الایمان باب بیان الکبائر، ح: ۱۴۳)۔

(منافق کی تین نشانیاں ہیں،جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب امانت رکھائی جائے، تو خیانت کرے اور جب وعدہ کرے، تو اس کی خلاف ورزی کرے)۔

(۴) بخاری ومسلم کی روایت میں غلط بیانی کی کتنی مذمت کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

‘‘عن أم سلمة أن رسول اللهﷺ قال:أيما أنا بشر وإنكم تختصمون إلى ولعل بعضكم أن يكون الحق بحجته من بعض فاقضى له ما فهو ما أسمع منه فمن قضيت له شئى من حق أخيه، فلا يأخذنه، فإنما أقطع له قطعة من النار’’ (رواہ بخاری، کتاب الاحکام باب موعظۃ

الإمام للخصومۃ، ح: ۷۱۶۹)۔

(حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں انسان ہوں، اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات اور مقدمات لاتے ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولتے والا ہو اور بہترانداز میں تقریر کرکے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے، اور پھر میں اس کی بات سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کردوں، تو اس طرح میں جس کے لئے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کروں، تو وہ اس کو ہرگز نہ لے، (اس کے جھوٹے دعوی یا جھوٹی قسم کے نتیجہ میں) اس کو جو دیتا ہوں وہ (انجام کے لحاظ سے) اس کے واسطے دوزخ کا ایک حصہ ہے)۔

حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ جھوٹ اور جعل کے ذریعہ کسی چیز کےحاصل کرنے کے تعلق سے فرماتےہیں:

‘‘جھوٹ اور جعل سازی کے ذریعہ کوئی عہدہ ومنصب حاصل کرنا یہ تو ظاہر ہے کہ حرام ہے، اور جھوٹ دغا بازی اور فریب دہی پر جتنی وعیدیں آئی ہیں، یہ شخص ان کا مستحق ہے، مثلاً جھوٹ پر اللہ تعالی کی لعنت، ارشاد نبوی ہے کہ دھوکہ کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے، اس جعل سازی خواہ چھوٹی یا بڑی ایسے شخص کے بدکار گناہ گار ہونےمیں کوئی شبہ نہیں، اللہ تعالی سے توبہ کرنی چاہئے ’’ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲۸۹،۶)۔

سوال (۱۱) قرض لینا اور معمولی سود دینا:

حکومت تعلیم یا بے روزگار کے لئے روزگار فراہم کرنے کے لئے بینک سے قرض دلاتی ہے، اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے، اگر انٹرسٹ کی ادائیگی خود حکومت کردیتی ہے، تو راقم کے نزدیک ایسا قرض لینا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اور اگر سود کا بڑا حصہ خود حکومت ادا کرتی ہے، اور بہت تھوڑی مند اور مقروض کو ادا کرنی پڑتی ہے، توراقم کے نزدیک اس تھوڑے سود کو سروس چارج پر محمول کرکے ایسے قرض لینے کی گنجائش رہے گی۔

اس کی تائید حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

‘‘سوال: بینکوں کی جانب سے بے روزگار مسلم نوجوانوں کو کم میں قرض دیا جاتا ہے، لیکن میری پنچایت میں بہت ہی کم شرح سود پر بے روزگار اور معاشی اعتبار سے پسماندہ مسلمانوں اور نوجوانوں کو گورنمنٹ کےذریعہ یہ سہولت فراہم کی جارہی ہے، اور ان قرضوں کے سبب نوجوان اپنے کاروبار شروع کررہے ہیں، تو کیا بے روز مفلس اور پس ماندہ مسلمانوں کو انتہائی معمولی شرح پر قرض دلانا یا خود قرض لینا درست ہوگا؟

جواب، سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ ہے، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیوٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری

ہیں، تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار فراہم کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہمارا بحیثیت ہندی اس پر حق ہے، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے، ا ن کے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے، اور جو زائد رقم سود کے نام لی جاتی ہے، اسے انتظامی اخراجات قرار دیاجاسکتا ہے، ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی، اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے " (کتاب الفتاوی ۳۷۸،۵)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ سابق صدر مفتی دار العلوم کا رجحان بھی اسی طرف ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''جو نقد رقم سامان وغیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جائے، اس میں تاویل چل سکے گی اور اس کو کام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کرکے اس معاملات پر سودی معاملہ کا حکم نہ لگائینگے، اور اس زائد رقم کو سود نہ کہینگے، بلکہ انتظامی درستگی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیاجاسکے گا، اور ہر معاملہ جائز رہے گا " (منتخبات نظام الفتاوی۲،۴۴۴)۔

سوال (۱۲) حکومت کا بینک میں فنڈ ڈپوزٹ کرنا اور اس کے انٹرسٹ کے ذریعہ امداد کرنا:

حکومت کا بینک میں فنڈ ڈپازٹ کرکے اس کے انٹرسٹ کے ذریعہ تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص میں تعاون کرنا، اس سلسلہ میں راقم کی رائے یہ ہے کہ اگر حکومت کافرہ ہے، اور وہ انٹرسٹ کے ذریعہ تعلیمی اداروں، رفاہی کاموں اور افراد واشخاص میں تعاون کرتی ہے، تو یہ جائز ہے کیونکہ کافر حکومت شرعی احکام کی مکلف نہیں ہے۔

البتہ اگر مسلم حکومت یا مسلم کمیٹی یہ طریقہ اختیار کرے، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لئے سودی معاملہ حرام اور ناجائز ہے، بلکہ دیت میں سود کے شبہ سے بھی بچنے کی تاکید کی گئی ہے، سنن ابی داؤدکی روایت ہے: ''دعوا الربا والریبۃ'' (رواہ ابوداؤد، کتاب التجارات، باب التغلیظ، ح: ۲۲۷۶) (تم لوگ سود اور سود کے شبہ کو بھی چھوڑ دو)۔

اس بابت دو فتوی نقل کئے جاتے ہیں، جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کی صورت شرعی لحاظ سے جائز نہیں ہوگی، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال (۲۴۹۸): ایک شخص مقروض ہے، اور قرض بھی بہت بڑا ہے، اس کو قرض ادا کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، ایسے مقروض کو مدد کرنے کی نیت سے کسی شخص کا بینک میں فکس ڈپوزٹ میں رقم جمع کرنا کیسا ہے؟

الجواب، صورت مسئولہ میں مقروض کی مدد کرنے کی نیت سے فکس ڈپوزٹ میں رقم رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی شخص نے جہل اورناواقفیت کی وجہ سے ڈپوزٹ میں رقم جمع کردی ہو، اور اس کاسود ملا ہو، تو ایسے ضرورت مند مقروض کو تو اب کی نیت کئے بغیر دیاجاسکتا ہے (فتاوی رحیمیہ ۹؍۲۸۰)۔

سوال: (۲۵۰۰) ایک کمیٹی جو عام مسلمانوں کی خدمت کرتی ہے، اس نے کچھ رقم بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کی ہے، جس میں سود نہیں ملتا، مگر کمیٹی کے ممبران چاہتے ہیں کہ یہ رقم سیونگ اکاؤنٹ میں جمع کی جائے، تاکہ اس کا سود ملے، اور اسے مصیبت زدہ مسلمانوں پر خرچ کریں، کیا کمیٹی کا یہ اقدام از روئے شرع درست ہوگا؟ اور سود میں ملی ہوئی رقم مسلمانوں پر خرچ کرنا درست ہوگا؟

الجواب، بینک میں حفاظت یا قانونی دشواری کی وجہ سے رقم رکھی جاسکتی ہے، سود حاصل کرنے کی نیت سے رقم رکھنا درست نہیں ہوگا، اگرچہ یہ نیت ہو کہ سود کی رقم محتاجوں کو دیدی جائے (فتاوی رحیمیہ ۹؍۲۸۰)۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کرنے کے احکام

مفتی حیدر علی قاسمی•

۱۔ اللہ رب العزت کے یہاں معتبر اور مستند دین، دینِ اسلام ہے، یہ دین قیامت تک باقی رہنے والا ہے، اس دین میں ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا حکم موجود ہے، یہاں تک کہ قرضے کا حکم بھی موجود ہے، قرضے کا ثبوت قرآن سے: ارشاد باری تعالی ہے: ''یاأیہا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ'' (سورہ بقرہ: ۲۸۲)۔

قرضے کا ثبوت حدیث سے: ''عن ابن مسعودؓ أن النبیﷺ قال: ما من مسلم یقرض مسلماً قرضاً مرتین إلا کان لہ کصدقتہا'' (ابن ماجہ۲،۱۷۵)۔

قرضے کا ثبوت اجماع ہے: امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرضہ جائز ہے، ''وأجمع المسلمون علی جواز القرض'' (مغنی۴،۳۴۷)۔

شریعت اسلامیہ میں آسانی اور سہولت ہے، ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورہ بقرہ: ۱۸۵) انسان مختلف حالات سے گذرتے ہیں، کسی کے پاس ایک ہی وقت میں تمام اسباب ووسائل کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے ایک دوسرے کا محتاج ہونا اور امر بدیہی ہے، ایسی صورت میں ضرورت کی تکمیل کے لئے قرضے کا ثبوت ضروری ہے۔

البتہ قرضے کے لئے ضروری ہے کہ شرعی طور پر قباحتوں سے پاک ہوں، سودی لین دین اور دیگر خلاف شرع کوئی بات نہ ہو۔

اس دنیا میں ہر آدمی اپنی اپنی ملکیت میں اپنی اپنی مرضی سے تصرف کرسکتا ہے، کسی کو روکنے کی اجازت نہیں ہے، اگر کسی کو قرضہ دے کر معاف کردے تو اس کا بھی اختیار ہے۔

پاکیزہ شریعت میں تعاون کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے: ''تعاونوا علی البر والتقوی'' (سورہ مائدہ: ۲) اور حدیث میں ہے: ''واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون أخیہ''۔

قرضے کی معافی کا تذکرہ حدیث میں بھی ہے: ''إن جابر بن عبد اللہ أخبرہ أن أباہ قتل یوم أحد شہیداً، وعلیہ دین فاشتد الغرماء فی حقوقہم فأتیت النبیﷺ فسألہم أن یقبلوا تمر حائطی ویحللوا أبی فأبوا فلم یعطہم النبیﷺ حائطی، وقال:سنغد، وعلیک فغداً علینا حین

• خادم حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی، آسام۔

أصبح فطاف بالنخل ودعا فی تمرہا بالبرکۃ فجددتہا فقضیتہم، وبقی لنا من تمرہا" (بخاری شریف ۳۲۲،۱)۔

(حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ان کے ابا جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے اور ان پر قرضہ تھا، پس قرض خواہوں نے اپنے حقوق کا شدت سے مطالبہ کیا، حضرت جابرؓ نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضورﷺ نے قرض خواہوں سے درخواست کی کہ وہ جابر کے باغ کے پھل لے لیں اور باقی قرضہ معاف کردیں، مگر انہوں نے نہیں مانا، حضورﷺ نے ان کے باغ کے پھل ان کو نہیں دیئے، اور فرمایا صبح میں تمہارے باغ میں آؤنگا، آپﷺ تشریف لے گئے اور کھجور کے باغ میں چکر لگایا اور پھلوں میں برکت کی دعا فرمائی، پس حضرت جابرؓ پھل توڑے اور ان کا پورا حق ادا کردیا، پھر بھی کچھ بچ گیا (حضورﷺ نے باقی قرضہ چھوڑنے کی درخواست کی ہے)۔

اس سلسلہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:''أی إذا قضی المدیون أقل من حق الدائن ورضی بہ الدائن أو لم یود إلیہ شیئا، ولکنہ حللہ عن الدائن، فأحل لہ فہو جائز" (فیض الباری ۳۱۱،۳)۔

(یعنی جب مدیون دائن کے حق سے کم ادا کرے اور دائن اس پر راضی ہوجائے یا تو کچھ ادا نہ کرے، اور دائن سے معافی کی درخواست کرے اور دائن معاف کردے تو یہ جائز ہے)۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب تحریر فرماتےہیں:''ہزار روپے قرض لیے یا مبیع کا ثمن ہزار روپے باقی تھا پھر ساڑھے نو سو روپے دیئے اور کہا: پچاس روپے معاف کردیں، میرے پاس نہیں ہے، قرض خواہ نے معاف کردیئے یا سارا ہی قرضہ معاف کرالیا تو یہ جائز ہے " (تحفۃ القاری ۴۲۱،۵)۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''وکذا لو أبرأہ صح الإبراء " (حاشیہ ابن عابدین ۴۲۵،۸)۔

دار العلوم دیوبند کا فتوی ہے: ''دائن نے جن مدیون کا دین معاف کردیا اوربخش دیا وہ معاف ہوگیا، اور وہ مدیون بری الذمہ ہوگئے " (فتاوی دار العلوم ۷۰،۱۵)۔

صاحب فتاوی رحیمیہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ چھوٹ ملے، اور بقیہ رقم مع سود وصول کرے، اگر وہ سود یا چھوٹ میں ملی ہوئی رقم یعنی سبسڈی سے ادا ہوجاتی ہے، اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو، تو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی، اس شخص نے اسی تعاون والی رقم سے کچھ رقم واپس کردی، مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے " (فتاوی رحیمیہ

۲۶۵،۹)۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری حکومت عوام کی معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کی کفالت، تعلیمی ترقی، صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی اعتبار سے محروم وپسماندہ شہریوں کو اونچا اٹھانے اور ملک کی معیشت کو مضبوط کرنے کے لئے مختلف شکلوں میں رقوم دیتی ہے، جس سے چھوٹے بڑے پیمانے پر بہت سارے کام انجام دیئے جاتے ہیں اور معاشی وتعلیمی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں، عوام کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے، نیز ملک کے خزانہ پر جس طرح دوسرے لوگوں کا حق ہے، اسی طرح مسلمانوں کا بھی حق ہے، وہ بھی براہ راست یا بالواسطہ ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو ایسی فلاحی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کا موقع دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

قرضہ دینے کے بعد ایک حصہ یا پورا معاف کرنے میں سود کا شائبہ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ تعاون ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

مذکورہ امو راور دلائل کی بنا پر ایسے قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، جائز ہیں۔

۲۔ قرضے میں مدت لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے، امام مالکؒ کے نزدیک مدت لازم ہے، اگر قرضے کے وقت مدت متعین ہو، تو یہ لازم ہوجائے گی، اس سے پہلے قرض دینے والے قرضہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا، ''وقال مالک والليث: يتأجل الجميع بالتأجيل لقول النبیﷺ: المؤمنون عند شروطهم'' (مغنی۳۴۹،۴)۔

امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدت لازم نہیں ہوتی ہے، اور اگر مدت متعین ہو تو بھی قرض دینے والا جب چاہے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے، ''وإن أجل القرض لم يتأجل وكان حالا، وبهذا قال الحارث العكلی والأوزاعی وابن المنذر والشافعی.... وقال أبوحنيفة فی القرض..... كقولنا''(مغنی۳۴۹،۴)۔

''فتاوی عالمگیری '' میں ہے: ''لو أقرض مؤجلاً أو شرط التأجيل بعد القرض فالأجل باطل والمال حال'' (عالمگیری۲۰۲،۳)۔

واضح رہے اگرچہ مذکورہ مسئلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال مختلف ہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ مدت متعین ہونے کی صورت میں دیانۃً تمام ہی فقہاء کے نزدیک ایفاء عہد واجب ہے او رکتاب وسنت کی پیروی بھی ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''إن الأجل لازم فی القرض قضاءاً أيضاً وعندنا ديانة فقط'' (فیض الباری ۳۱۵،۳)۔

ایسی صورت میں مقررہ مدت کے اندر قرض ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی آدمی کسی وجہ سے مقررہ مدت کے اندر قرصہ ادا نہیں کرپارہا ہے اور مقررہ مدت ختم ہونے پر پوری رقم ادا کرنی پڑے، تو اس صورت میں لی ہوئی رقم سے زائد ادا کرنا نہیں پڑرہا ہے بلکہ اصل اور لی ہوئی رقم ہی ادا کرنی ہے، اس میں سود نہیں پایاجارہا

ہے اور نہ ہی شرعاً کوئی قباحت پائی جارہی ہے۔ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ‘‘ولو کان لہ علیہ ألف فقال:أو إلی من الألف خمس مئۃ غدا علی أنک بریٔ من الباقی ، فإن أدی إلیہ خمس مئۃ غدا یبرأ من الباقی إجماعاً، وإن لم یؤد إلیہ فعلیہ الألف عند أبی حنیفۃ ومحمدؒ، وعند أبی یوسفؒ لیس علیہ إلا خمس مئۃ’’ (بدائع الصنائع۵،۵۵)۔

(اور اگر کسی کا دوسرے پر ایک ہزار ہو اور وہ کہے کہ آئندہ کل مجھے ہزار میں سے پانچ سو دیدو، اور بقیہ سے بری ہوجاؤگے، پس اگر اس کو پانچ سو آئندہ کل دیدیتا ہے توبقیہ سے بالاتفاق بری ہوجائے گا، اور اگر ادا نہیں کرتا ہے، تو اس پر ایک ہزار ادا کرنا ضروری ہے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک، اور امام ابویوسف کے نزدیک اس پر صرف پانچ سو ادا کرنا ضروری ہے)۔

صاحب ‘‘درمختار ’’ تحریر فرماتے ہیں: ‘‘قال لغریمہ:أد إلی خمس مئۃ غداً من ألف لی علیک علی أنک بریٔ من النصف الباقی فقبل وأدی منہ بریٔ ... وإن لم یؤد ذلک فی الغد عاد دینہ’’ (درمختار مع رد المحتار ۳۶۵،۸)۔

(قرض خواہ نے قرض دار سے کہا کہ تمہارے ذمہ جو ایک ہزار ہے اس میں سے کل مجھے پانچ سو دیدو تم باقی نصف سے بری ہوجاؤگے، اس نے قبول کرلیا اور پانچ سو ادا کردیا تو وہ بری ہوگیا....اور اگر کل ادا نہ کرے تو اس کا دین لوٹ آئے گا)۔

اس سلسلہ میں دار العلوم کا فتوی ہے ‘‘اب وہ فیصلہ باقی نہ رہا، قرض خواہ کو اختیار ہے کہ کچھ چھوڑے یا نہ چھوڑے ، پانچ سو روپیہ لے، لیکن کچھ چھوڑ دینا اور حسب سابق تین سو روپیہ لینا اور باقی معاف کردینا بہتر ہے، مگر لازم نہیں ہے (فتاوی دار العلوم ۸۰،۱۵)۔

اگر معافی والے قرضوں میں ایسی صورت ہو کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہو ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑے تو یہ صورت مذکورہ عبارات وفقہاء کرام کے اقوال کی بنا پر جائز ہے۔

۳، ۴، ۵۔ شریعت اسلامیہ خیرخواہی وہمدردی، ایثار وقربانی اور ہر قسم کی بھلائیوں کی ترغیب دیتی ہے، آپس میں خونریزی، ظلم وستم اور لڑائی وجھگڑے سے روکتی ہے، اور ایسی چیزوں سے بھی روکتی ہے جو چیزیں معاشرہ میں فتنہ وفساد اور جدل وجدال کے ذرائع ہوں۔

سود بھی ایسی چیز ہے جس سے فتنہ وفساد، لڑائی وجھگڑا اور اختلاف پیدا ہوتا رہتا ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ میں اس سے بڑی تاکید کے ساتھ منع کیا گیا، نیز شبہ سود سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ربا وسود کی تعریف: ‘‘فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال’’ (ہندیہ ۱۱۷،۳)۔

مالی لین دین کے معاملہ میں ایسا مالی اضافہ جس کا دوسرے فریق کی طرف سے

کوئی عوض نہ ہو ربا کہلاتا ہے۔

ربا کی حرمت قرآن سے ثابت ہے، ارشاد باری ہے:''الذین یأکلون الربا لا یقومون إلا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بأنہم قالوا إنما البیع مثل الربوا وأحل اللہ البیع وحرم الربوا'' (بقرہ: ۲۷۵)۔

(جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح کھڑے ہونگے، جیسے شیطان نے کسی کو چھو کر بدحواس کردیا ہو، یہ اس لئے ہوگا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ خریدوفروخت سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے خریدوفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: ''یاأیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وإن تبتم فلکم رؤوس أموالکم لاتظلمون ولا تظلمون'' (بقرہ: ۷۹۔۲۷۸)۔

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہوتو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیا رہوجاؤ)، تیسری جگہ ارشاد الہی ہے: ''یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربو أضعافاً مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون'' (آل عمران: ۱۲۳)۔

(اے ایمان والو دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ)۔

احادیث نبویہ سے بھی ربا کی حرمت ثابت ہے، ارشاد نبوی ہے: ''لعن اللہ آکل الربا وموکلہ وشاہدہ وکاتبہ'' (ابوداؤد ۴۷۳،۲)۔

اللہ تعالی نے سود کھانے والے، کھلانے اس کی گواہی دینے والے اور لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے ۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپﷺ نے فرمایا: ''أربع حق علی اللہ أن لا یدخلہم الجنۃ ولا یذیقہم نعیمہا مدمن الخمر وأکل الربوا وأکل مال الیتیم بغیر حق والعاق لوالدیہ'' (مستدرک حاکم حدیث نمبر: ۲۳۶۰)۔

(اللہ تعالی پر حق ہے کہ وہ چار شخص کو جنت میں داخل نہ کریں اور جنت کی نعمت بھی نہ چکھائیں ہمیشہ شراب پینے والا، سود کھانے والا، ناحق یتیم کا مال کھانے والااور والدین کا نافرمان)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''لعن رسول اللہﷺ آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء'' (مشکوۃ شریف ۲۴۴،۱)۔

(حضرت رسول اللہﷺ نے سود کھانے والے پر، اس کے کھلانے والے پر، اس کے لکھنے والے پر اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے، اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں)۔

ایک اور روایت میں ہے: ‘‘لیأتین علی الناس زمان لا یبقی منہم أحد إلا آکل الربوا فمن لم یأکلہ أصابہ من غبارۃ’’ (ابوداؤد۳،۴۷۲)۔

(لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی سود کھانے سے بچ نہ سکے گا، اگر سود نہیں کھائے تب بھی اس کا غبار لگ کر رہے گا)۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے: ‘‘کل قرض جر نفعاً فہو ربوا’’ ۔

اسلام میں سود اور شبہ سود سے بھی بچنے کا حکم ہے، چنانچہ سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا: ‘‘إن آخر ما نزلت آیۃ الربوا، وإن رسول اللہ ﷺ قبض ولم یفسرہا لنا فعوا الربوا والریبۃ’’ (ابن ماجہ۲،۱۶۴)۔

آخر آخر میں نازل ہونے والی سود والی آیت ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، اور آپ ﷺ اس کی تفسیر نہیں فرماسکے، لہذا سود اور شبہ سود سے بچو۔

صحابہ کرامؓ اس باب میں بہت احتیاط کرتے تھے حتی کہ مقروض کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کی سواری سے وقتی استفادہ کرنے سے بھی اجتناب کرتے تھے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ‘‘إذا أقرض أحدکم أخاہ قرضاً فأہدی إلیہ طبقاً فلا یقبلہ أو حملہ علی دابۃ فلا یرکبہا إلا أن یکون جری بینہ وبینہ مثل ذلک’’ (ابن ماجہ۲،۱۶۱)۔

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قرض دے اور مقروض اسے کوئی طشت بھیجے یا اپنی سواری پر سوا ر کرے تو اسے قبول نہ کرے اور سوار نہ ہو، سوائے اس کے کہ پہلے بھی ان میں ایسا لین دین رہا ہو۔

نیز سود کی حرمت پر امت کا اجماع بھی ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴،۶۷۰)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سود حرام ہے اور یہ چاہے کم ہو یا زیادہ حکم برابر ہے جس طرح زیادہ مقدار میں سودی لین دین جائز نہیں ہے، حرام ہے، اسی طرح کم مقدار میں بھی سودی لین دین جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، ‘‘إن الربوا حرام مطلقاً ولا فرق بین قلیلہ وکثیرہ’’ (تکملۃ فتح الملہم۱،۶۷-۵۶۸)۔

اور اگر سروس چارج شمار کرکے معمولی وکم مقدار سودی لین دین جائز قرار دیا جائے تو آئندہ فتنہ کا دروازہ کھل سکتا ہے، اور غیر معمولی وزیادہ سودی لین دین کا ذریعہ بن سکتا ہے، جبکہ شریعت اسلامیہ میں ‘‘سدا للباب ’’ بہت ساری چیزوں کی ممانعت موجود ہے، ‘‘ما کان سببا لحرام فہو حرام’’ ، نیز ‘‘الشبہۃ کالحقیقۃ فی باب الربوا’’۔

مذکورہ امور اور وجوہ کی بنا پر بندہ کہتا ہے: اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو یہ سود ہے، ایسا قرض جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے۔

اگرغیر معافی والے قرضے با معانی والے قرضوں میں اصل سے زائد کا مطالبہ

ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو، یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتاہو تو ایسے قرضے بھی ناجائز ہیں اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا شمار سود میں ہوگا، کیوں کہ اس کے اور سروس چارج کے درمیان مختلف اعتبار سے فرق ہے۔

اسی طرح اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تویہ بدرجہ اولی جائز نہیں ہے، بلکہ سود کے دائرہ میں آکر حرام ہوگا۔

اگر یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے ہوں تو بھی حکم ایک ہی ہوگا، سود کے دائرہ میں آکر حرام ہوگا۔

البتہ اگر کوئی آدمی مجبور ہو اور اس جیسے قرض کے علاوہ ضرورت کی تکمیل کے لئے کوئی صورت نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ایسے قرض لے سکتا ہے، ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر بحوالہ کتاب الفتاوی ۳۱۱،۵۴)۔

۷۔ اسلامی تعلیمات میں دلالی، وکالت اور متعاقدین کے درمیان ثالثی کرنے کی اجرت کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

''ترمذی شریف '' میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں، مگر وہ شرط جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے، وہ جائز نہیں۔

مذکورہ حدیث شریف کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتےہیں: پس جب بائع اور مشتری کے درمیان ایک بات طے ہوگئی اور وہ شریعت کے خلاف بھی نہیں اور اجرت طے شدہ ہے تو اس حدیث کی روح سے کمیشن ایجنٹ بننا جائز ہے (تحفۃ القاری ۳۱۷،۵)۔

امام بخاریؒ نے ایک باب دلالی کی اجرت کے بارے میں قائم فرمایا، اس میں محمد بن سیرین، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی اور حسن بصریؒ کی رائیں نقل فرمایا کہ ان حضرات کے نزدیک دلالی کی اجرت کی گنجائش ہے، ''ولم یر ابن سیرین وعطاء وابراہیم والحسن بأجر السمسار بأساً'' (تحفۃ القاری۳۱۷،۵)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:''وأجرتہ حلال عندنا سواء کان من جہۃ البائع أو المشتری'' (فیض الباری۲۷۵،۳) ترجمہ: دلال کی اجرت ہمارےنزدیک جائز ہے خواہ بائع کی جانب سے ہو یا مشتری کی جانب سے۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتےہیں: ''وسئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسدا لکثرۃ التعامل'' (شامی ۷۵،۹)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحبؒ دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

ایجنٹ کی حیثیت اصل میں وکیل اور دلال کی ہوتی ہے اور وکالت کی اجرت لی جاسکتی ہے، تو اگر وہ بیچنے والے کا کام کررہا تھا تو صرف اس سے اجرت لے سکتا ہے، خریدار سے نہیں، ہاں اگر کوئی ایجنسی اس بات کے لئے قائم ہو کر وہ تاجر اور گاہک دونوں کے لئے کام کرتی ہو، تو دونوں ہی سے اجرت لے سکتی ہے، شامی فرماتے ہیں: ''فتجب الدلالۃ علی البائع أو المشتری أو علیہما بحسب العرف'' (شامی ۴۲٫۴ بحوالہ کتاب الفتاوی ۲۰۸٫۵، ۲۰۷)۔

مذکورہ عبارات وروایات کی بنا پر گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم- جس قسم کی بھی ہو - کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنے اور خرچ ہونے کی صورت میں جو لوگ واسطہ بنتے ہیں ان کی حیثیت وکیل، دلال اور ثالثی کرنے والی کی ہے، ان کو مطلوبہ محنتانہ دینا اور لینا جائز ہے بشرطیکہ مطلوبہ محنتانہ معلوم یا معلوم جیسا ہو اور اگر معلوم یا معلوم جیسا نہ ہو تو مفضی إلی النزاع کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۶۔ شریعت اسلامیہ معاشرہ میں منکر اور برائی کو مٹانے کا حکم کرتی ہے، اور معروف وبھلائی کی اشاعت ونیک کام میں تعاون کی ترغیب دیتی ہے، ''تعاونوا علی البر والتقوی'' (مائدہ: ۲)۔

رسول پاکﷺ نے نبوت سے پہلے ایک معاہدہ میں حصہ لیا جس کا نام حلف الفضول تھا، اس کا مقصد ظلم وستم کو روکنا تھا، نبوت کے بعد بھی آپﷺ اس معاہدہ کی تحسین فرماتے رہے، ایک روایت میں ہے: ''عن أبی ہریرۃؓ عن النبیﷺ قال: من نفس عن مسلم کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ ومن یسر علی معسر فی الدنیا یسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ ومن ستر علی مسلم فی الدنیا ستر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیہ'' (تحفۃ الالمعی ۲۷۱٫۵)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کی دنیا کے بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کی، تو اللہ تعالی اس سے قیامت کے دن کی بے چینیوں میں سے کوئی بڑی بے چینی دور فرمائینگے، اور جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا، اللہ تعالی اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائینگے (تنگ دست پر آسانی کرنا یہ ہے کہ اس کا قرضہ معاف کردے یا مہلت دے) اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائینگے، اور اللہ تعالی بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے)۔

ہرا یک کو بخوبی معلوم ہے کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اپنی رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کریں، تمام لوگوں کی ضروریات اور حاجات کی تکمیل

کریں، ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کریں، ہر ایک کی راحت وسکون اور آرام کا خیال کریں، پریشان حال اور مصیبت زدہ کی اعانت کریں۔

حکومت کے خزانہ پر ہر ایک کا حق ہے، خواہ مسلم ہو یا کافر، حکومت کی چیزوں سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے، بشرطیکہ شرعاً کوئی قباحت نہ ہو۔

ایسی صورت میں اگر بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرے، مثلاً مکان کی تعمیر، بیت الخلاء بنانے اور تعلیمی ضروریات کے لئے، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

۸۔ بندہ کی رائےکے مطابق اس سوال کا تعلق جزو عمل کو اجرت بنانے سے ہے، جزو عمل کو اجرت بنانے کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء اسلام اور علماء امت کے اقوال مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اوربعض اور فقہاء اس کی ممانعت کے قائل ہیں، امام احمد، اوزاعی، اور بعض اور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، امام مالکؒ سے دونوں طرح کے اقوال نقل کئے گئے ہیں (قاموس الفقہ ۱،۴۹۹)۔

جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں، ان حضرات کی دلیل قفیز طحان والی روایت ہے، اور ایک دلیل وہ روایت ہے جو بیہقی نے حضرت عوف بن مالکؓ سے نقل کیا ہے، کہ ہم نے سفر جہاد کیا، عمرو بن العاص ہمارے امیر تھے اور حضرت عمر اور ابوعبیدہ شریک سفر تھے، ہم سخت فاقہ کشی سے دوچار ہوگئے اور سامان زندگی کی تلاش میں لگ گئے، ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ ذبح کررہےہیں، ہم نے ان سے کہا کہ تم لوگ چاہو تو جانور کو ذبح کرنے اور گوشت وغیرہ کاٹنے کا کام ہم کئے دیتے ہیں اور تم گوشت میں کچھ دیدینا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، ان لوگوں نے جو کچھ دیا، میں نے پکایا، پھر حضرت عمر کے پاس لایا، انہوں نے دریافت کیا کہ کہاں سے لائے؟ میں نے بتایا تو فرمایا: تم نے اجرت لینے میں جلدی کی ہے، اور کھانے سے انکار کیا، پھر ابوعبیدہ کے پاس آئے تو ان کو بھی اطلاع دی، انہوں نے بھی اس طرح کا جواب دیا اور کھانے سے انکار کردیا، یہ دیکھ کر میں نے بھی چھوڑ دیا، تو میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا ، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اونٹ والے، اور کچھ نہ کہا۔

مذکورہ حدیث میں ہے حضرت عوف نے ذبح اور گوشت بنوائی کی اجرت خود اپنے جزوعمل کو بنایا تواکابر صحابہ نے اس پر نکیر کی اور گوشت چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی خاموشی اختیار فرمائی، تو معلوم ہوا کہ جزوعمل کو اجرت بنانا جائز نہیں ہے۔

جو حضرات جزوعمل کو اجرت بنانا جائز قرار دیتے ہیں، وہ حضرات مذکورہ دلائل کے جواب یہ دیتے ہیں کہ قفیز طحان والی روایت معلول اور متکلم فیہ ہے۔

ابن حجر نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، ''وفی إسناده ضعف'' (بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل)۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی نے ابن عقیل سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے، ''وہذا الحدیث لا نعرفہ ولا یثبت عندنا حجتہ'' (مغنی۵،۸)۔

اور عوف بن مالک کی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں اجر ت کی تعیین کا یہ طریقہ بالکل ہی غیر معتبر ہے، اس لئے صحابہ کرام نے اس سے اختلاف کیا۔

مجوزین حضرات درج ذیل باتوں سے استدلال کرتے ہیں، حدیث نبوی سے مزارعت کا جواز معلوم ہوتا ہے جو عامل کے جزو عمل کو اجرت بنانے کی نظیر ہے۔

فقہاء نے کھیتی ہی کی طرح پھلوں میں بھی بٹائی داری کی اجازت دی ہے جس کو فقہ کی زبان میں مساقاۃ کہا جاتا ہے، یہاں بھی جزو عمل کو اجرت بتایا جارہا ہے۔

مضاربت میں بھی جزوعمل اجرت بنتا ہے، (ملخص از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳۰،۳۲۹-۳۰)۔

نیز اسلام میں حرج اور تنگی نہیں ہے، ''وما جعل علیکم فی الدین من حرج'' (سورہ حج: ۷۸) یہ دین یسر وسہولت کا سبق سکھاتا ہے، ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورہ بقرہ: ۱۸۵)۔

نیز ضرورت کی بنا پر بہت ساری ممنوع چیزیں حلال اور مباح ہو جاتی ہیں ''الضرورات تبیح المحظورات''، ''المشقۃ تجلب التیسیر'' اور ''الضرر یزال''۔

عرف ورواج کی بنا پر بہت ساری چیزوں کے احکام میں تبدیلی ہوجاتی ہیں، ''مارآہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن''۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ قفیز طحان وغیرہ کی روایات میں جزوعمل کو اجرت بنانے سے منع کرنے کی وجہ اجرت مجہول ہونا اور مفضی الی النزاع ہونا ہے۔

لیکن ہمارے زمانہ میں ان جیسی صورتوں میں اس قسم کی جہالت عموماً مفضی الی النزاع نہیں ہے، او راس سلسلہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''والذی أراہ أن النہی عنہ لکونہ مفضیاً إلی النزاع، وکل أمر یکون النہی عنہ کذلک لا یشدد فیہ الشارع بنفسہ، بل ربما بغمض عنہ أیضا، فلا ینبغی التشدد فیہ، ویدل علیہ ما أخرجہ البخاری عن زید بن ثابت.... _أن الفساد کان بمعنی النزاع، وقد ارتفع بالتسلیم، ومقتضیاہ أن لا یکون الشیوع فی الہبۃ مفسدۃ'' (فیض الباری۳،۷۲-۳۷۱)۔

(اور میرا خیال یہ ہے کہ منہی عنہ مفضی الی النزاع کی وجہ سے ہے، اور ہر وہ امر جس میں منہی عنہ اس طرح ہو تو شارع اس میں خود تشدد اختیار نہیں کرتا ہے، بلکہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے، لہذا اس میں شدت اختیار نہیں کرنا چاہئے، اور اس پر بخاری شریف کی وہ روایت دال ہے، جو حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے ... فساد نزاع کی

وجہ سے تھا اور وہ حوالہ کردینے سے ختم ہوگیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہبہ میں شیوع مفسد ہبہ نہ ہو)۔

اور سوال نمبر (۷) کے جواب میں یہ بات آچکی ہے کہ دلالی، ثالثی اور واسطہ بننے والے کی اجرت جائز ہے۔

مذکورہ شواہد ودلائل کی وجہ سے واسطہ بننے والے لوگوں کا حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لینا یا دینے اور لینے کا معاملہ کرنا جائز ہونا چاہئے۔

۹۔ رشوت کی تعریف یہ کی جاتی ہے: ''ما یعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل'' (کتاب التعریفات،۱۲۵، قاموس الفقہ ۴۸۱،۳) جو کسی کے حق کو باطل کرنے کے لئے یا کسی باطل کو حاصل کرنے کے لئے دیا جائے)۔

رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے کی بھی ممانعت فرمائی ہے، اور رشوت دینے کی بھی، ''لعن رسول اللہ ﷺ علی الراشی والمرتشی والراش'' (مجمع الزوائد)، ''الراشی والمرتشی فی النار'' (مجمع الزوائد) (ترمذی شریف ۲۴۸،۱ معمولی ترمیم کے ساتھ) لہذا رشوت لینا تو کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر کسی کا مقصد اپنے آپ کو ظلم وستم اور ہلاکت وبربادی سے بچانا ہو یا انصاف حاصل کرنا اور اپنا حق وصول کرنا ہو تو ایسی صورت میں رشوت دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:''الرابع ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع حرام علی الآخذ'' (شامی ۳۳،۸)۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جان ومال کے خطرہ کی وجہ سے کسی کو دیا جائے، تو دینے والے کے لئے حلال ہے اور لینے والے کے لئے حرام ہے۔

صاحب ''البحر الرائق '' تحریر فرماتےہیں: ''ومنہا إذا دفع الرشوۃ خوفاً علی نفسہ أو مالہ، فہو حرام علی الآخذ غیر حرام علی الدافع'' (البحر الرائق ۲۸۵،۶)۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جان ومال کے خطرہ کی وجہ سے کسی کو دیا جائے، تو دینے والے کے لئے حلال ہے اور لینے والے کے لئے حرام ہے۔

صاحب ''البحر الرائق '' تحریر فرماتےہیں: ''ومنہا إدا دفع الرشوۃ خوفاً علی نفسہ أو مالہ، فہو حرام علی الآخذ غیر حرام علی الدافع'' (البحر الرائق۲۸۵،۶)۔

ان میں سے ایک یہ ہے جب اپنے نفس اور مال کے خوف سے رشوت دے، تو یہ لینے والے پر حرام ہے، دینے والے پر حرام نہیں ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''الرشوۃ ما یعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل، أما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو لیدفع بہ عن نفسہ ظلماً، فلا بأس بہ'' (اعلاء السنن

۶۰،۱۵ بحوالہ کتاب الفتاوی ۲۳۴،۵)۔

رشوت وہ ہے جو حق کو باطل کرنے یا باطل کو حاصل کرنے کے لئے دیاجائے، بہرحال جو حق کو حاصل کرنے یا اپنے سے ظلم کو دور کرنے کے لئے دیاجائے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:لیکن رشوت دینا اس وقت جائز ہے، جب اس کا مقصد اپنے آپ کو ظلم سے بچانا یا صرف انصاف کا حاصل کرنا ہو (قاموس الفقہ ۴۸۲،۳)۔

یہ بھی واضح ہے کہ ملک کے خزانہ پر سب کا حق ہے، مسلم ہو یا کافر، حکومت کی ذمہ داری بھی ہے کہ فلاحی اسکیموں سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیں۔

مذکورہ وجوہات کی بناء پر اپنے حق کے حصول اور انصاف حاصل کرنے کے لئے امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اسلام پاک صاف اور کامل ومکمل مذہب ہے، انسانوں کو کامیابی اور کامرانی کی راہ دکھاتا ہے، ہر قسم کی گندگی وآلودگی اور ظاہری وباطنی ناپاکیوں اور برائیوں سے دور رہنے کی تعلیم دیتا ہے ، جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے، کسی پر ظلم کرنے اور کسی کا مال ناحق طریقہ سے حاصل کرنے سے مکمل طور پر اجتناب کا حکم دیتا ہے۔

لہذا امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں اگر غلط بیانی سے کام لیا جائے یا غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھایا جائے تو بہت سی خرابیاں لازم آئینگی۔

نمبر (۱) کسی دوسرے کا مال بغیر حق کے کھانا اور حاصل کرنا، جبکہ ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل’’ (بقرہ: ۱۸۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: اس ارشاد خداوندی کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریقہ سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس میں کسی کا مال غصب کرلینا بھی داخل ہے، چوری اور ڈاکہ بھی جن میں دوسرے پر ظلم کرکے جبراً مال چھین لیا جاتا ہے، اور سود وقمار بھی، رشوت اور تمام بیوع فاسدہ اور معاملات فاسدہ بھی جو از روئے شرع جائز نہیں، اگرچہ فریقین کی رضامندی بھی متحقق ہو، جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کرلینا یا ایسی کمائی جس کو شریعت اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی ہو، وہ سب حرام اور باطل ہیں (معارف القرآن ۴۶۰،۱)۔

نمبر (۲) جھوٹ بولنا (لازم آرہا ہے) جو شریعت کی نگاہ میں سنگین جرم اور تمام فتنوں کی جڑ ہے، اسی لئے رب کائنات نے جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ‘‘واجتنبوا قول الزور’’ (القرآن)، ارشاد نبوی ہے: ‘‘المسلم أخو المسلم .... ولا يكذبه’’ (ترمذی۱۴،۲)۔

نمبر (۳) خیانت کرنا (لازم آئے گا) جبکہ اسلام اس سے زور دار انداز سے منع کرتا ہے، فرمان نبوی ہے: ''المسلم أخو المسلم لا یخونہ'' (ترمذی ۱۴،۲)۔

نمبر (۴) دھوکہ دینا (لازم آئے گا) حالانکہ یہ اسلام میں جائز نہیں ہے، ''من غشا فلیس منا''۔

نمبر (۵) دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر ظلماً تصرف کرنا، یہ پاکیزہ شریعت میں جائز نہیں ہے، حدیث نبور ہے: ''ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ'' (مشکوۃ ۲۵۵،۱) جان لو کسی پر ظلم نہ کرو، جان لو کسی کا مال اس کی مرضی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

صاحب ''الاشباہ والنظائر '' تحریر فرماتے ہیں: ''لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ أو وکالۃ منہ'' (الاشباہ والنظائر،۲۷۶) کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت یا اس کی طرف سے وکالت کے بغیر تصرف کرے۔

مذکورہ چیزوں کی بنا پر امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے متعینہ شرائط ومعیارات کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا یا غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

۱۱۔ سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ ہے، ''الذین یأکلون الربوا لا یقومون إلا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بأنہم قالوا إنما البیع مثل الربو وأحل اللہ البیع وحرم الربو'' (بقرہ: ۲۷۵)۔

ارشاد نبوی ہے: ''لعن اللہ آکل الربو وموکلہ وشاہدہ وکاتبہ'' (ابوداؤد ۴۷۳،۲) اور قاعدہ ہے: ''ما کان سببا لحرام حرام'' ۔

البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص وپرائیوٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے ہم اس ملک کے شہری ہیں، جس طرح حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار کے لئے قرض فراہم کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کے لئے بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہمارا بحییثت شہری اس پر حق ہے۔

اسلام میں آسانی اور یسر وسہولت ہے، ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورہ بقرہ: ۱۸۵)، اور ''وما جعل علیکم فی الدین من حرج'' (سورہ حج: ۷۸)۔

حدیث میں ہے: ''الدین یسر'' (بخاری شریف)۔

شریعت اسلامیہ میں ضروریات کا لحاظ کیا گیا ہے، ضرورت کے وقت حرام چیز بھی حلال ہوجاتی ہے، ''الضرورات تبیح المحظورات'' (قواعد الفقہ)، ''المشقۃ تجلب التیسیر''۔

اور اس قسم کی اسکیم سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں ہے بلکہ تعاون ہے، ''إنما الأعمال بالنیات'' ، ''الأمور بمقاصدہا''۔

موجودہ دور میں مسلمانوں پر ظلم وستم کیا جارہا ہے، ان کو حقوق سے محروم کیا

جارہا ہے، مختلف قسم کے الزامات عائد کئے جارہے ہیں، ان کو ہر قسم کی سہولیات سے محروم کرنےکی مذموم سازیش کی جارہی ہیں، ایسی صورت میں اگر حکومت سے قرض لینے یا حکومت کے واسطہ سے قرض لینے کی اجازت نہ دی جائے، تو اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اگر حکومت قرض دلانے کے بعد قرض پر عائد انٹرسٹ حکومت ادا کرے تو مقروض کا براہ راست سودی لین دین سے کوئی تعلق نہیں رہتا ہے۔

نیز ہمارا ملک سیکولر ملک ہے، اسلامی ملک نہیں ہے، اس لئے مکمل اسلامی اور شرعی احکام جاری نہیں کیئے جاسکتے، اور حکومت میں جو لوگ ہیں وہ عموماً غیر مسلم ہونے کی وجہ سے فروعات واحکام شرع کے مکلف نہیں ہیں۔

ایسی صورت میں اگر حکومت بعض اسکیم میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے بینک سے قرض دلائے اور قرض پر عائد انٹرسٹ مقروض کو بالکل ادا کرنا نہ پڑے، بلکہ حکومت اس کی طرف سے ادا کرے تو راقم السطور کی رائے کے مطابق ایسی اسکیم سے استفادہ جائز ہونا چاہئے۔

البتہ اگر حکومت مکمل انٹرسٹ وسود ادا نہ کرے، بلکہ بڑا حصہ ادا کرے تو بلا ضرورت شدیدہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اور ایسی اسکیم سے استفادہ کرنا درست نہیں ہے، درج ذیل وجوہات اور دلائل کی بنیاد پر۔

ارشاد ربانی ہے:''یا أیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربو إن کنتم مؤمنین فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وإن تبتم فلکم رؤوس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون'' (بقرہ: ۲۷۹-۲۷۸)۔

حدیث میں ہے:''لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (مشکوۃ۱،۲۴۴)۔

ایک اور روایت میں ہے:''لیأتین علی الناس زمان لا یبقی منہم أحداً إلا آکل الربو فمن لم یأکلہ أصابہ من غبارہ'' (ابوداؤد۲،۴۷۲)۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے: ''کل قرض جر نفعاً فہوربوا'' ۔

شریعت اسلامیہ میں سود اور شبہ سود سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا :''إن آخر ما نزلت آیۃ الربو، وإن رسول اللہ ﷺ قبض ولم یفسرہا لنا فدعوا الربو والریبۃ'' (ابن ماجہ۲،۱۶۴)۔

جو چیز زیادہ مقدار میں حرام ہے وہ کم مقدار میں بھی حرام ہے، ''ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام'' (نسائی)۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:''فإنہ یدل علی أن الربو حرام مطلقاً ولا

فرق بین قلیلہ وکثیرہ'' (تکملۃ فتح الملہم ۱،۶۷۰-۵۶۸)۔

قاعدہ بھی ہے: ''ما حرم کثیرہ حرم قلیلہ''۔

اور ایک قاعدہ ہے: ''ما کان سببا لحرام حرام'' ۔

نیز ''الشبہۃ کالحقیقۃ فی باب الربو''۔

۱۲۔ عصر حاضر میں مسلمان بہت سارے حالات اور مشکلات سے دوچار ہیں، کبھی مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں، کبھی ان پر الزامات عائد کئے جاتے ہیں کبھی ا ن کو اپنے حقوق اور ہر قسم کی سہولیات سے محروم کرنے کی مذموم سازشیں کی جاتی ہیں، اور ان کو ہر میدان میں کمزور اور پیچھے رکھنے کی منصوبہ بند کوششیں کی جاتی ہیں، ان صورتوں میں سرکاری سہولیات سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دینا مزید نقصان کا باعث ہوگا۔

مذہب اسلام میں سختی اور تنگی نہیں ہے، ہرزمانہ اور ہر ماحول کے اعتبار سے ضروریات کا لحاظ کیا گیا ہے، بوقت ضرورت ممنوع چیز مباح ہوجاتی ہے، ''الضرورات تبیح المحظورات'' ۔

حکومت غیر مسلم ہے، وہ سود کی قباحت کا اعتقاد بھی نہیں رکھتی ہے، نہ ہی احکام وفروعات کی مخاطب۔

اسلام نے تعاون کو صرف جائز ہی قرار نہیں دیا ہے، بلکہ تعاون کی ترغیب بھی دیا، قرآن میں ہے: ''تعاونوا علی البر والتقوی'' (مائدہ: ۲)۔

حدیث میں ہے: ''واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیہ'' (ترمذی)۔

اس قسم کی اسکیم سے حکومت کا مقصد تعاون ہوتا ہے، اور کسی بھی چیز کا حکم مقصد اور معنی کی بنا پر ہوتا ہے ''إنما الأعمال بالنیات'' (بخاری)۔

اور فقہی قاعدہ ہے:''الأمور بمقاصدہا''۔

جس طرح حکومت دوسرے شہریوں کا تعاون کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کا تعاون کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں کا بھی بحیثیت شہری حکومت پر حق ہے۔

ظاہری اعتبار سے ایسی اسکیم سے استفادہ کرنے والا سودی لین دین میں تعاون کرتا ہے۔

نیز اگر مسلمان ایسی اسکیم سے استفادہ نہیں کرینگے تو حکومت اس سے باز نہیں آئے گی، تو مسلمانوں کے لئے محرومی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا، اور غیر مسلم کے لئے زیادہ استفادہ کا موقع ملے گا۔

جو اسکیمیں ایسی ہوں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے، اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہو، ایسی اسکیموں سے استفادہ کی گنجائش ہونی چاہئے مذکورہ دلائل اور شواہد کی بناء پر۔

سرکار کی فلاحی اور قرضہ جاتی اسکیموں سے استفادہ

مولانا محمد صابر حسین ندوی•

*سوال نمبر ۱۔ قرض کا بعض حصہ معاف کردینا:

جواب نمبر ۱۔دین اسلام ہمدردی و رواداری اور نہ صرف مسلمانوں، بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ حسن سلوک کا مذہب ہے ،خوشی و غمی،حالات کی نازکی و فراہی، غربت ومسکینیت اور مالداری، نیز بلا کسی انسانی امتیاز و طبقات کے امداد و نصرت اس کا لازمی حصہ و جزو لا ینفک ہے۔معاشی و اقتصادی اعتبار سے اپنی حد تک دولت جمع کرنے،بخل و شح کا مظاہرہ کرنے ،فقرا کا خیال نہ کرنے اور انکی حاجت روائی نہ کر نے کا سخت مخالف، بلکہ ایسونکو اما فوق البشر گردانتاہے (صحیح مسلم: ۲۵۷۵) اور ساتھ ہی ساتھ ان بزرگوں کومژدہ بھی سناتا ہے جو دوسروں کی نصرت و اعانت کرتے ہیں (صحیح مسلم: ۲۶۹۹)۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرتی زندگی مینباہمی اعانت، قرض لینا و دینا ایک ناگزیر ضرورت ہے ،بالخصوص آج کی ترقی یافتہ دور میں بسا اوقات قرض ہی آخری سہارا ہوتاہے،لیکن چونکہ اسلام معتدل و متوسطانہ اور معتدلانہ تعلیمات کا حامی (بقرۃ: ۱۴۳)ہی نہیں، بلکہ اس کا مجموعہ ہے ''خیر الامور أوسطھا''(بدائع الصنائع۱،۲۳۳) لہذا اس نے روز اول سے ہی قرض لینے ،دینے کی اجازت اور واجبی تعلیمات کا پابند بنایا جیسا کہ اسوہء آخرالزماں ؐ کی حیات طیبہ سے معلوم ہوتا ہے ۔

دراصل ''قرض '' کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں، قینچی کو اسیلئے مقراض کہا جاتا ہے کہ ؛وہ کاٹنے کا ذریعہ ہے (الصحاح، القاموس المحیط ، مادہ، قرض)،اصطلاح میں بدل کی ادائیگی کی شرط پر نفع اٹھانے کیلئے مال دینا قرض کہلاتا ہے ''دفع المال ارفاقا لمن ینتفع بہ ویرد بدلہ''(درمختار وحاشیہ ابن عابدین ۴،۱۷۱، کفایۃ الطالب الربانی ۲،۱۵۰)،چونکہ قرض دینے والا اپنے مال کا کچھ حصہ علا حدہ کر کے یا دوسرے لفظوں میں کاٹ کر مقروض کو دیتا ہے اسی لئے اسے قرض کہتے ہیں،اسکی فضیلت کا اندازہ اس سے لگا یا جا سکتا ہے کہ :خود قرآن نے اللہ کے راستہ میں انفاق کو قرض حسن قرار دیا ہے ''من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ''(بقرۃ: ۲۴۵،نیز:مائدۃ: ۱۲،حدید :

• استاذ جامعہ ضیاء العلوم،کنڈلور، کرناٹک۔

۱۱،۱۸،تغابن: ۱۷،مزمل: ۲۰)، نیز متعدد روایتیں ہیں جن سے قرض کے جائز ہونے، بلکہ مستحب ہو نے کی طرف اشارہ ملتا ہے؛ عبداللہ بن مسعود ارشاد نبویؐ نقل کر تے ہیں کہ :کسی مسلمان کودو بار قرض دینا ایک بار صدقہ کرنے کے برابر ہے (سنن بیہقی ۳۵۳٫۵، ابن ماجہ ۶۰٫۲) ،حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپﷺ نے کسی چیز کو قرض دینا صدقہ دینے سے بہتر بتلا یا ''قرض الشئی خیر من صدقتہ ''(سنن بیہقی ۳۵۴٫۵)ابوالدرداء کہتے ہیں کہ یہ بات کہ میں دو دینار قرض دوں پھر وہ واپس آجائیں اور میں انکو کسی اور کو قرض دے دوں اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں انکو صدقہ دے دوں(سنن ابن ماجہ ۱۷۵٫۲) اسی کے پیش نظر لوگوں کی تنگی اور دشواری دور کرنااور فرمان الہی ''ما یریداللہ لیجعل علیکم حرج''(مائدۃ: ۶)کے تحت قرض کے جائزہونے پر امت کا اجماع ہے (نہایۃ المحتاج مع حاشیہ ۲۱۵٫۴، تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۳۶٫۵)۔

قرض دینا گو مستحب ہے، کیونکہ یہ نیکی اور بھلائی میں تعاون ہے (الشرح الصغیر ۲۹۲٫۳)لیکن قرض لینا بھی مباح ہے (المغنی ۲۰۷٫۴، فتاوی ہندیہ۳۶۶٫۵)خود آپ سے قرض لینا ثابت ہے(صحیح مسلم۳۰٫۲، سنن ترمذی۲۴۵٫۱)۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ جائزمقصد کے لئے قرض لیا جائے ،ابن ماجہ نے سند صحیح سے نقل کیا ہے کہ :اللہ تعالی قرض لینے والے کے ساتھ ہو تا ہے جب تک وہ ادا نہ کردے سوائے اس کے کہ وہ کسی ایسے مقصد کیلئے قرض حاصل کر ے جو اللہ کو ناپسند ہے (سنن ابن ماجہ۵۶٫۲ (۲۴۳۳)) یا اس ارادے سے قرض لیتا ہے کہ واپس نہیں کرنا ہے آپؐ نے فرمایا ایسا شخص اللہ کے یہاں چور شمار کیا جائے گا (حوالہ سابق) ایک اور روایت میں ہے کہ جو محض دوسرونکاپیسہ ڈوبا نے کے لئے قرض لے اللہ تعالی اسے ہلاک کردینگے (حوالہ سابق) حضرت میمونہؓ راوی ہیں کہ جو شخص اس ارادے سے دین لے کہ اسے ادا کریگا اللہ اسے ادا کر دینگے(حوالہ سابق) اسی طرح مقروض کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ قرض دینے کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور بہتر معاملہ رکھے ،باوجود استطاعت کے قرض کی ادائیگی میں کو تاہی اور ٹال مٹول کو آپؐ نے بہت ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ یہ چیز اسکی بے عزتی اور سزا کا جواز پیدا کردیتی ہے ''لی الواجد یحل عرضہ وعقوبتہ ''(سنن ابن ماجہ۶۰٫۲، ۲۴۵۲)یہاں تک کہ آپؐ نے متوفی کے مال میں سے پہلے اس کا دین ادا کرنے کا حکم دیا (حوالہ سابق) اور یہ بھی ارشادفر مایا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو دین کی ادائیگی میں بہتر ہو (حوالہ سابق) ایک حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی روح اس کے دین کے ساتھ معلق رہتی ہے، تاآنکہ اسکی طرف سے ادا کردیا جائے(حوالہ سابق)، مقروض کے ساتھ ساتھ قرض دہندہ، یعنی دینے والے کو بھی آپؐ نے یہ ہدایت فرمائی کہ قرض کی ادائیگی کا مطالبہ مناسب طریقہ پر کرنا چاہئے (ابن ماجہ۵۶٫۲، ۳۴۳۲) اسی طرح اگر مقروض تنگد ستی میں مبتلا ہو تو اس کو مزید مہلت دینی چاہئے

اور ممکن ہوتو کچھ معاف بھی کر دینا چاہئے آپؐ نے فرمایا :جو اللہ کے سایہ میں رہنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ تنگدست شخص کو مہلت دے یا اسکا کچھ حصہ معاف کردے (ابن ماجہ۳،۶۰، ۲۴۴۴)۔

مذکورہ تصریحات وتوضیحات کی روشنی میں بالخصوص آخرالذکر ابن ماجہ کی روایت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ :وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کر دیا جاتا ہو ؛لینا اور اس سے استفادہ کرنا جائز ہے ،بلکہ یہ شرعی اعتبار سے بھائی چارگی و انسان دوستی کے زمرے میں آئے گا خواہ یہ کام سرکاری سطح پر ہی کیوں نہ کیا جائے ۔

*سوال نمبر۲۔ مدت کے اندر زائد رقم ادا کرنے کا حکم:

جواب نمبر۲۔اسلام کسی قسم کے تفرقہ و انتشار کونہ تو پسند کرتا ہے اور نہ ہی اسکی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ آپسی معاملات میں ہر قسم کی نزاعتوں کی بیخ کنی کے ساتھ اس تک جا نے والی ہر شاہراہ کا سد باب کرتا ہے ،چنانچہ فقہاء اسلام کا مسلم اصول ہے کہ ہر مفضی الی النزاع شئی معاملات میں قابل قبول نہیں (فتاوی ہندیہ۳،۳)بلکہ ''تابع تبع'' (الاشباہ للسیوطی،۱۵۳) کے تحت حرام قرار پائی ہے ،ایسے میں اگرکوئی معاملہ اس صورت کا ہو کہ :مقررہ وقت پر (قرض و دین وغیرہ) ادائیگی سے قبل کی صورت میں نصف یا کم اور وقت پر ادائیگی کی صورت میں پوراپورا ادا کرنا پڑے ایسے میں معاملہ مجہول کہلائے گا اور یہی وہ صوت ہے جسے قرآن نے ''قمار(جوا)'' کے لفظ سے تعبیرکرتے ہوئے حرام قرار دیا ہے (مائدہ: ۹۰)۔

چنانچہ قمار ایسے مقابلہ کو کہتے ہیں جس میں دونوں فریق کی جانب سے بازی لگائی جاتی ہو کہ ہارنے والا جیتنے والے کو حسب معاہدہ مقررہ چیز ادا کریگا ''هو أن يأخذ من صاحبه شيئا فشيئا فى لعب، القمار فلعب زماننا :كل لعب يشترط فيه غالبا من المتغالبين شئى من المغلوب''(التعریفات،۱۸۱) اسی طرح علامہ شامی لکھتے ہیں قما (قمر) چاند سے مشتق ہے جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے ،چونکہ قمار کے حصہ بھی گھٹتے بڑھتے ہیناسلئے اسکو قمار کہاجاہے ''القمار:من القمر يزداد تارة وينقص أخرى وسمى القمار قمار، لأن كل واحد من القمامير يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه''(رد المحتار۹،۵۷۸) اسکی حرمت نہ صرف قرآن سے ہے(مائدۃ: ۹۰)بلکہ احادیث میں بھی بڑی مذمت آئی ہے ،حضورؐ نے فر مایا :من قال لصاحبه :تعال أقامرک فليتصدق (صحیح بخاری۲،۸۶۰، ۲۰۱۷، ۲۳۰۱، ۶۶۵)یعنی جو اپنے ساتھی سے کہے کہ آو! تمہارے ساتھ جوا کھیلوں تو اسے صدقہ کرنا چاہئے ،عبداللہ بن عمر حضورؐ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ: نهى(النبیؐ) عن الخمر والميسر(مسند احمد۲،۲۱۲، ۲۴۷۵) یعنی آپؐ نے جوا اور شراب سے منع فرما یا ،انہی آیات و احادیث کی بنا پر صحابہ کرام اور فقہاء محدثین اس پر متفق ہیں کہ قمار (جوا) کی تمام صورتیں حرام ہیں ''لاخلاف بين أهل العلم فى تحريم القمار،

وإن المخاطرة من القمار" یعنی جوئے کے حرام ہونے اور مخاطرہ کے جوئے ہونے کے درمیان اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے (احکام القرآن۱؍۶، ۳۹۹)، علامہ ابوالحیان اندلسی اور علامہ قرطبی لکھتے ہیں :الإجماع منعقد علی تحریمہ (تفسیر المحیط۳؍۱۵۷) ''إجماع العلماء أن القمار کلہ حرام" ،قمار کے حرام ہو نے پر امت کا اجماع ہوچکا ہے (احکام القرآن للقرطبی۲؍۳؍۳۵)۔

حقیقت یہ ہے کہ قمار ایک مفضی الی النزاع اور غرر کا معاملہ ہے جو کہ حرام ہے لیکن فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہیکہ غرر یعنی ''ما یکون مجھولۃ العاقبۃ لا یدری أیکون أم لا''کہ جس میں وجود اور عدم وجود کا پہلو مشکوک ہو (تبیین الحقائق۱۰؍۴۳۶)مگر اس میں اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہیکہ اگر غرر؛ قلیل ہو نہ کہ کثیر تو وہ معاملات کہ درستگی میں رکاوٹ نہیں (زاد المعاد۵؍۸۰۲-۲۱) لیکن غرر کثیر اور قلیل کے مابین فرق کا سمجھنا بھی ضروری ہے ''فأما إن کان أحدھما مجھولا جھالۃ مفضیۃالمنازعۃ فسد البیع، وإن کان مجھولا جھالۃ لا تفضی إلی المنازعۃ لا یفسد الخ''(بدائع الصنائع۲؍۵، ۳۶۶)یعنی (حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی زبانی) ''---جو غرر نزاع کا باعث بن سکتا ہو یا دوسرے فریق کیلئے ناقابل تحمل ہو اسکو غرر کثیر شمار کیا جائے گا اور جو غرر عام طور پر باعث نزاع نہ ہو؛ سمجھنا چاہئے کہ وہ غرر قلیل ہے جو صحت عقد کیلئے مانع نہیں ہے " (جدید فقہی مسائل۴؍۲۱۱)حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب ''غرر یسیر " کے متعلق لکھتے ہیں :''جس قدر غرر مفضی الی النزاع نہ ہو اور عام حالات میں اس سے بچنا دشوار ہو تو ایسا غرر صحت عقد کیلئے مانع نہیں ''(تکملۃ فتح القدیر۱؍۳۳۰)،غالبا انہی تفصیلات و تشریحات کی بنا پراور فقہی تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے دوسرے سیمینار منعقدہ ۶تا ۱۱ ؍۱۹۸۹ء؁ بموضوع 'بینک انٹرسٹ کا مسئلہ ہندوستان کی شرعی حیثیت سے'،حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس سلسلہ میں ایک مفصل تحریر لکھنے کے بعد منظور شدہ تجاویز کے تحت یہ نقل کیا ہے کہ ''ہندوستان میں سرکاری قرضے ایسے ہیں جن میں سرکار کی طرف سے چھوٹ subsidyدی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے ،اگر سود کے نام سے لی جا نے والی یہ اضافی رقم چھوٹ subsidyکے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعا سود نہیں ''(جدید فقہی مسائل۴؍۹۲)۔

بالخصوص ہمارے ملک ہندوستان اور مسلمون کی اقلیتی حیثیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت سے استفادہ کی گنجائش ہو ،کیونکہ یہ معاملہ بھی غرر یسیر میں شمار ہوگا ،اس لئے کہ یہ فریقین کو معلوم ہے کہ ان پر ادائیگی کی رقم اور حصول کی رقم کیا ہوگی جو مفضی الی النزاع نہیں، نیز اصل رقم سے زائد بھی نہیں کہ سود کا حکم لگایا جا سکے۔

*سوال نمبر۳۔ مقررہ مدت کے بعد زائد رقم ادا کرنا:

جواب نمبر۳۔ تاریخ انسانی گواہ ہیکہ انسانیت چھٹی صدی عیسویں میں گمراہی وضلالت ،قرض وٹیکس اور سود کی بڑھتی شرح سے پراگندگی کا شکار تھی ،گردنیں جھکی ہوئیں اور طوق و سلاسل سے دبی ہوئی تھی،سانسیں آقاؤں کی محتاج اور عزتیں سرداروں کی جاگیر ہوگئی تھیں، ایسے میں بعثت نبوی نے انسانیت پر جام حیات کی بوچھار کی، اور اپنی شفقتوں اور محبتوں کے سائے میں ڈھانپ لیا، زنجیروں اور بیڑیوں سے نجات ملی ،جاگیروں کی جاگیری کو کچلا گیا اور انسان سوز و انسانیت سوز مروجہ سودی معمار کو مسما ر کیا گیا ،قرآن نے صاف اعلان کیا ''أحل الله البيع وحرم الربا''(بقرۃ: ۲۵۷)۔

چونکہ جاہلیت کھار کھائے بیٹھی تھی، لہذا آپؐ کی وفات، مسلمانوں کی آپسی غلط پالیسیاں، تفرقہ وانتشارنے پھر سے اسے موقع دیا، اور اس نے ایڑیوں کے بل قلع اسلام پر حملہ کیا اور اسمیں رخنہ ڈالنے وتاراج کر نے کی کوشش کی، دولتمندوں، سرمایہ داروں اور جاگیروں نے پھر سے اپنی دکان آب وتاب کے ساتھ شروع کی ،حرص و طمع کا شکار کیا اور امداد و نصرت کے نام پر تو کہیں رفاہی کاموں کے نام پر سودی نظام کا جال پورے عالم میں پھیلا دیا ،آج حال یہ ہیکہ ہر بندہ خواہی نہ خواہی اس غلاظت سے متا ثر ہے،ایسے میں ایمان کی بقا،حرمت سے حفاظت ایک چیلنج بن گیا اور یہ سوال اٹھا کہ قرضوں میں زائد رقم کی واپسی کا کیا حکم ہوگا ؟۔

حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں نظامہائے حکومت کے متنوع ہونے اور مسلموں کی اقلیت ہونے کی وجہ سے بہت سے احکام میں سہولت پیدا ہوگئی ہے ،جیسا کہ علامہ ابن نجیم کی تصریح سے پتہ چلتا ہےکہ ''يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ مع الغمز۱۴،۱) مگر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ''حاجت ''سے کیا مراد ہے، اصولیین کی اصطلاح میں حاجت اسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ(حفظ دین،حفظ نفس،حفظ نسل،حفظ عقل،حفظ مال) میں سے کسی مقصد کا وجود موقوف تو نہ ہو لیکن اگر اسکی اجازت نہ دی جائے تو مشقت اور حرج پیدا ہوجائے ''وأما الحاجيات معناها أنها مفتقر إليها من حيث التوسع ورفع الضيق المودى فى الغالب إلى الحرج والمشقة اللا حقة بفوت المطلوب'' (الموافقات للشاطبی۵،۳)یہ حاجات بعض اوقات ''ضرورت ''کے حق میں تسلیم کی جاتی ہیں؛علامہ سیوطی کا بیان ہے ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أوخاصة'' (الاشباہ للسیوطی،۱۸۰) اور جیسے ضرورت کی بنا پر ناجائز بقدر ضرورت جائز ہوتا ہے ''وما أبيح للضرورة يقدر بقدرها'' (ابن عابدین ۲۳۷،۵، روضۃ الطالبین ۱۰۴،۹، المغنی ۱۴۵،۹) اسی طرح حاجت کی بنا پر فقہاء احکام میں آسانی پیدا کرتے ہیں ،قاعدہ مشہور ہے ''المشقة تجلب التيسير''(موسوعۃ الفقہ الاسلامی قاعدہ نمبر: ۴) اسی طرح یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ افراد واشخاص کے لئے بھی حاجت اور مشقت کا کوئی ایسا

بے لچک پیمانہ نہیں رکھا جا سکتا جو سب کے لئے مسا وی ہو، بلکہ لوگوں کے حالات ،عادات اور مختلف علاقوں کے عرف اور رواجات و ضروریات کو سامنے رکھ کر ہی حاجت اور مشقت کا تعین کرنا ہوگا ،فقہاء کے یہاں اسکی نظیر موجود ہے مثلا:حجاج کیلئے زاد و راحلہ کا مسئلہ ہے ؛ابن ہمام نے لکھا ہے''یعتبر فی حق کل إنسان ما یصح معہ بدنہ''' (فتح القدیر، کتاب الحج)اسی طرح کی بات نفقہ وغیرہ کے متعلق فقہاء نے لکھی ہے ،پس اس سے اصولی طور پر یہ بات منقح ہوتی ہے :-

الف:عام حالات میں محض معیار زندگی کی بلندی اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے پیش نظر سودی قرض لینا جائز نہیں ۔

ب:ضرورت ؛یعنی ایسے حالات جن میں کھانے،کپڑے ،علاج وغیر ہ کی بنیادی ضروریات کی فراہی کیلئے سودی قرض کے سوا چارہ نہ رہے اور فاقہ مستی کی نوبت ہو تو سودی قرض لینا جائز ہے۔

ج۔ حاجت کے تحت بھی یعنی جب سودی قرض نہ لینے کی شکل میں شدید مشقت یا ضرر کا اندیشہ ہو تو بھی سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی جیسے غیر شادی شدہ لڑکیوں کی شادی کیلئے اس پر مجبور ہو یا انکم ٹیکس وغیرہ کے ناواجبی قانون سے بچنے کیلئے ایک قانونی ضرورت بن گئی ہو ۔

د۔ مشقتوں کے معاملہ میں ایسی صورتوں میں جو اجتماعی بن گئی ہو ؛نسبتا زیادہ تخفیف برتی جا سکتی ہے ۔

ہ۔ افراد واشخاص کیلئے سودی قرض کب حاجت بن جاتا ہے اور کب نہیں ؟ اس کا اندازہ ان کے شخصی حالات او ر ان کے علاقے اور خاندان کے معیار زندگی سے کیا جائے گا(جدید فقہی مسائل ۴،۸۷۔۸۸)۔

مذکورہ تمام تنقیحات و توضیحات کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرض کی ادائیگی میں کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ''کل قرض جر نفعا فہو الربا'' کے تحت سود ہے۔کیونکہ زائد رقم بلا عوض ہے، البتہ اگر کوئی حاجت و ضرورت کے زمرے میں شامل ہو؛ تو ہی ایسے سودی قرضوں سے استفادے کی گنجائش ہوگی ،بدیگر صورت عام حالات یا مرفہ الحالی میں استفادہ مناسب نہیں۔

*سوال نمبر۴۔ کم شرح سود کو سروس چارج قرار دینا:

جواب نمبر۴۔عصر حاضر میں جن شعبوں نے ترقی کے جھنڈے گاڑے ان میں بینک کا نظام سر فہرست ہے ۔اس کے بہت سارے ناگزیر فوائد سے قطع نظر اسلامی روح و تعلیمات سے بیگانگی کی وجہ سے بہیترے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں بالخصو ص تجارت اور اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے ‘ندی کے دو کنارے نظر آتے ہیں ’ ،لیکن چونکہ فقہاء کا قاعدہ کلیہ ہے کہ ''إذا ضاق الأمر اتسع'' یعنی جب کسی معاملہ کی ناگزیری کے باوجود

سخت دشواری پیش آجائے تو قدر ضرورت تخفیف کر دی جاتی ہے (الاشباہ لابن نجیم،۱۸۴، السیوطی،۸۳، الوجیز،۱۷۱)، اس تخفیف میں اس وقت اور آسانی ہو سکتی ہے، جبکہ معاملہ کی صورت و کیفیت کا کوئی دوسرا ناحیہ بھی پیدا ہو جائے، مثلا: قرض لینا ناگزیر ہو، لیکن بطور سروس چارج ادائیگی کی رقم میں مطلوب ہو ؟ معاملہ گوبظاہر ''کل قرض جر نفعا فھو الربا'' کے تحت سود ی نظرآتا ہو،،مگر ایک پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ مطلوبہ رقم دفتری اخراجات کیلئے ہو ؛کیونکہ فریق آخر (بینک)کا نظام اس کا سسٹم اور عملہ کی مزدوری و تنخواہ وغیرہ کی ذمہ داری جو کہ بینک پر لازم ہے ایسے میں وہ قرض بھی دے اور اخراجات کو اپنے سر مول لے یہ مناسب نہیں ،کیونکہ اسلامی نقطئہ نظر ہے کہ ''لا ضرر ولا ضرار''(الاشباہ للسیوطی،۷۵،۷۶) ''الضرر یزال'' (الاشباہ لابن نجیم،۸۳) ''الضرر یدفع بقدر الإمکان'' (الوجیز،۱۹۸) یعنی اسلامی قانون میں سے ہے کہ نہ تو نقصان برداشت کرنے اور نہ ہی نقصان میں مبتلاکر نے کی اجازت ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو حتی المقدور اسے دفع کرنے کی کوشش کی جا ئے گی ،یہی وجہ ہے کہ علامہ مودودیؒ اپنی معرکۃالآراء کتاب ''معاشیات اسلام ''میں بینکوں کے لئے سروس چارج کی اجازت دی ہے ،وہ لکھتے ہیں ''-----تو اس میں (حساب کتا ب و دفترداری)کوئی مضائقہ نہیں کہ بینک اپنی اس طرح کی خدمات کے لئے ایک ماہوار یا ششماہی فیس اپنے تمام تجارت پیشہ کھاتہ داری پر عائد کر دے جو اس مد کے مصارف پورے کرنے کے لئے کافی ہوں------'' (معاشیات اسلام،۲۸۶،سود مولانا مودودی)۔

اس صراحت سے معلوم ہو تا ہے کہ حکومتی و سرکاری اسکیموں کے تحت قرض کی ادائیگی پر سروس چارج کو جسے سروس چارج کہا جا سکتا ہو ؛انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے وسعت کی گجائش ہو اور یہ سود کے دائرے میں نہ آئے۔

*سوال نمبر۵۔اگر سرکار کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جا نے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہوکہ جسکو انتظامی خرچ پر محمول کیا جا سکے تو اس کاکیا حکم ہوگا؟ واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پا لنے ،مکان کی تعمیر ، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کیلئے بھی ہوتے ہیں ،تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جا سکتا ہے ؟

جواب نمبر ۵۔حدیث اور اصول فقہ کے تناظر میں ''الغنم بالغرم'' (نہایۃ المحتاج ۱۲۴،۵، کشاف القناع۷۳،۴) کا قاعدہ مسلم ہے،یعنی یہ کہ نقصان کے بقدر ہی تاوان لازم آئے گا ،یہی وجہ ہیکہ بینکوں کے دفتری اخراجات کو سود نہ شمار کرتے ہوئے سروس چارج کے طور پر جائز سمجھا گیا ہے،لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خواہ رقم بیس ہزار کی ہو یا بیس لاکھ کی اندراج میں تقریبا ًیکساں وقت ومحنت درکارہوتے ہیں، اب ایسے میں اگر قرض پر لی جانے والی رقم اوسط یا معمولی نہ ہو کر غیر معمولی ہوں تو وہ اخراجات

میں کیسے شمار ہونگے؟ بلکہ اس صورت میں سروس چارج کے نام پر استہزاء شریعت کا گمان ہوتا ہے ! بالخصوص، جبکہ یہ قرضے مرفہ الحالی اور بزنیس کی وسعت کے نام پر لئے جائیں ؛ شریعت حرام ذرائع سے مفر فہ الحالی کی قطعا اجازت نہیں دیتی،کیونکہ جنت ہر ایسے جسم کیلئے حرام ہے جو حرام کے ذریعہ پرورش پائے (مسند بزار،۱۰۳۷، مجمع الزوائد۴،۱۱۹، طبرانی اوسط ۲،۲۹۶، ۲۰۲۶)۔

البتہ یہ کہ قرضے بنیادی ضرورت کی تکمیل اور ذرائع معاش جیسے:۔جانوروں کو پالنے،مکان و کاشتکاری یا باغبانی اور دیگربنیادی کارو بار کیلئے لئے جائیں ؛معاملہ کی اس صورت کو اپنے حق کے حصول کی خاطر رشوت دینے کے جواز پر محمول کرتے ہوئے اور لوگوں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے فرق کیا جاسکتا ہے ؛جیسیا کہ استاذگرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی رقم طراز ہیں ''ہاں یہ ضرور ہے کہ اسکو (بنیادی ضروریات)رشوت والے مسئلہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رشوت والا بھی اپنے ایک حق جائز کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دیتا ہے اور سودی قرض لینے والا بھی سرکاری خزانوں پر اپنے حق فرض کی وصولی کیلئے سود دینے پرمجبورہے، تاہم چونکہ ان دونوں حقوق میں بہت تفاوت ہے (ترقیاتی قرضے اور بنیادی ضروریات کے قرضے)اس لئے حکومت کے لئے یہ ضروری نہینکہ وہ مرفہ الحال کو کوئی مزید خوشحالی کے لئے قرض دیتی چلی جائے ،اس لئے اس(ترقیاتی) قرض کو ایسی صورت کے ساتھ مشرو ط رکھا جانا چاہئے کہ کاروبار کا بقا اور تحفظ اس کے بغیر دشوار ہو ''(جدید فقہی مسائل۲،۸۹)۔

چنانچہ صورت مسئلہ میں ظاہر ہے کہ انتظامی خرچ پر لی جانے والی رقم معمول سے زائد ہے ایسے میں اسے انتظامی خرچ پر محمول کرنا درست نہ ہوگا ،اب اگر یہ قرضے مر فہ الحالی ،یا کاروبار کی توسیع کے لئے نہ ہوں، بلکہ بنیادی ضرورتوں جیسے: بچیوں کی شادی،مکان کی تعمیر،یا دیگر روزی روٹی کے ذرائع حاصل کر نے کیلئے لئے جائیں تو اجازت دی جا سکتی ہے ،نیز بہتر یہ ہے کہ مبتلی بہ کسی معتمد بہ مفتی کے فتوے (صلاح و مشورہ)کے بعد ہی بینکوں سے اس طرح کے قرضے لیں، تاکہ ترقیاتی اور ضروریاتی قرضوں کی تفریق ہوسکے، کیونکہ ضروریات و حاجات کا کوئی متعین پیمانہ نہیں۔

*سوال نمبر۶۔ایسابھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ،مثلا: مکان بنانے ،بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ،تو ایسی رقوم کو حاصل کر نے اور استعمال کر نے کا کیاحکم ہے ؟جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہو تی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے ۔

جواب نمبر۶۔انسانی ضروریات بروئے کار لانے اور تکالیف و مشقت سے حفاظت

کے طور پر قرض لینا دینا ایک مستحسن عمل ہے ،لیکن حدیث کے ایک قاعدہ کلیہ کے اعتبار سے دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے زیادہ بہتر تصور کیا گیا ہے ''الید العلیا خیر من الید السفلی''(صحیح بخاری،۱۴۲۷، مسلم،۱۰۳۳) یعنی یہ کہ امت مسلمہ ہر ممکن کوشش کرے کہ وہ یدالعلیا (دینے والا) کی تصویر پیش کرے اور یدالسفلی(لینے والے) و گداگری سے ہر ممکن پر ہیز کرے۔نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ قرض کی فراہمی کرانا اور عوام الناس کی حاجت روائی کی فکر کرنا بھی من عز الامور ہے ،جسے بسا اوقات ذاتی ایجینسیاں اور انتظامی کمیٹیان طے کرتی ہیں تو کبھی حکومتی سطح پر بھی یہ کام انجام دیا جاتا ہے ؛بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے دی جانے والی رقم قرض نہیں، بلکہ بطور اعانت ہوتی ہے تاکہ عام شہری اپنی ضروریات پوری کر سکے ۔

فقہی نقطہ نظرسے اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی رقوم کا (جبکہ اس کے حقدار ہوں)حاصل کرنے اور استعما ل کرنے مینکوئی مضائقہ نہیں ،چونکہ ھکومتی سطح پر کئے جانے کام مینہر عام شہری کا کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہوتا ہے جو سامان و تجارت اور دوسرے طرق سے ازراہے ٹیکس پہونچتا ہے ،ایسے میں ان حکومتی اسکیموں سے مستحق کو مستفید ہونے کا پورا پورا حق ہوگا،اسی طرح حکومتی سطح پر جمع شدہ مال کی حیثیت ''بیت المال '' کی ہوتی ہے اور فقہاء نے نقل کیا ہے کہ ''امام کو بیت المال سے قرض دینے کا حق ہے ''(تبیین الحقائق۳،۲۰۷) اور حضور اکرم ؐ نے ایسے صاحب ثروت اور قرض دہندہ کی تعریف وتحسین فرمائی ہے جو مقروض کے قرض میں واپسی کے وقت رقم میں تخفیف کر دے (سنن ابن ماجہ۲،۵۶، ۲۴۳۲) ایسے میں گنجائش ہوگی کہ امدادی واعانتی رقوم سے استفادہ کیا جائے اور تعلیمی وتعمیری کامونکے ذریعہ پیش رفتگی اختیار کی جائے ،تاکہ نہ صرف اعلی بلکہ ادنی ،حاکم ومحکوم ہر ایک عمدہ معیار زندگی پائے اور ملک گیر ترقی کا حصہ دار ہو۔

*سوال نمبر۷۔گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم (جس قسم کی بھی ہوں)ان کے حصول کے لئے کا فی جدو جہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے ،کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ،واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب نمبر۷۔شرعی نقطہ نظر سے کسی بھی خیر کے کا م میں تعاون مطلوب و ممدوح ہے،قرآن اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں گویا ہے ''تعا ونوا علی البر والتقوی۔۔۔''(بقرۃ: ۲)،بسا اوقات عام شہریوں کو خاص شہریوں یا خود حکومت سے خواہ انکی اسکیموں سے استفادہ ہی کیوں نہ ہو کسی بچولئے،درمیانی اشخاص کی ضرورت پڑتی ہے ،تا کہ وہ مطلوبہ شئی آسانی و سہولت کے ساتھ حاصل کر سکے ،جس کا تذکرہ حدیث کے ایک لفظ ''الرائش '' مینبھی موجود ہے،چنانچہ راوی نے اسکی خود وضاحت یوں

کی ہے ‘‘الذی یسعی بینھما’’ یعنی جو فریقین کے درمیان کا کردار ادا کرے اور جو لوگ صاحب جاہ و اقتدار ہوں ان کے اور ضرورتمندوں کے درمیان سفارش کے لئے دوڑدھوپ کرے اور انکی ضرورتوں کی تکمیل اور حاجت روائی کے لئے سفارشی بن جائے (المستدرک ۴،۱۹۵، ۷۰۶۸) واسطہ یا سفارشی بننے کی دوصورتیں ہیں :-

۱-ممدوح ثالث:-یہ وہ ثالث ہے جسکی تعریف قرآن و حدیث نے بھی کی ہے ‘‘من یشفع شفاعۃ حسنۃیکن لہ نصیب منھا’’(نساء: ۸۵) حضور اکرمؐ نے بھی فرمایا :‘‘اشفعوا فلتوجروا، ولیقض اللہ علی لسان نبیہ ماشاء’’(سنن ابی داؤد۱۵۱۳) یعنی سفارش کرو اور عند اللہ ماجور ہو۔

۲-مذموم ثالث:-یہ وہ ثالث یا سفارشی ہے جسکی تذمیم خود قرآن کریم نے کی ہے: ‘‘من یشفع شفاعۃ سیئۃیکن لہ کفل منھا’’(نساء: ۸۵)۔

ثالث یا بچو لیااور واسطہ بننے والوں کی اول الذکر قسم کی محنتانہ دینے یا لینے میں اس شرط کے ساتھ کہ ایک دوسرے کا ناجائز استحصال نہ ہو اور مقصود جائز حق کی حصول یابی ہو تواجازت دی جا سکتی ہے،بدیگر صورت محنتانہ لینا و دینا ‘‘ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان’’(بقرۃ: ۲) کے تحت اجازت نہ ہو گی۔بلکہ کسی مزدور کی مزدوری اور محنتی کا محنتانہ دینا عین شرعی ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مزدوروں کوانکی مزدوری پسینہ سوکھنے سے پہلے دیدو ‘‘اعطوا الأجیر أجرہ قبل أن یجف عرقہ’’(ابن ماجہ فی الرھون من سننہ) ‘‘من استاجر أجیراًفلیعلمہ أجرہ’’(رواہ البیھقی) اور اس کا لینا بھی عین جائز ودرست ہے کیونکہ حضورؐ نے ایسے مزدوروں کی جانب سے خصامت (جھگڑے)کا اعلان کیا ہے جنکی مزدوری نہ دی جائے ‘‘ثلاثۃ أنا أخصمھم یوم القیامۃ وعد منھم رجلاً استاجر اجیراً فاستوفی منہ ولمیعطہ أجرہ’’(صحیح بخاری کتاب البیوع، الاجارہ)۔

*سوال نمبر۸-بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں،یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کاکیاحکم ہے؟

جواب نمبر۸-مزدور کو مزدوری دینا اور محنتی کا محنتانہ لینا ان دونوں میں کوئی قباحت نہیں ہے ،بلکہ باہم راست بازی وصداقت وایمانداری کے ساتھ ایک دوسرے کا خیال رکھنا باعث اجر عظیم ہے (صحیح بخاری۴،۳۶۹۰۷۰)، لیکن جہاں تک سوال اس بات کا ہے کہ واسطہ بننے والے حاصل شدہ رقم میں سے دینے یا لینے کا معاملہ کریں تو کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں بعض جہتوں کا واضح ہونا ضروری ہے، --- اولا:قبضہ:-حضور اکرمؐ سے متعدد صحابہ کرام نے رایت کیا ہے کہ قبضہ سے پہلے کسی چیز کی بیع کرنا جائز نہیں عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں ‘‘أن رسول اللہ ﷺ نھی أن یبیع الرجل طعاما حتی یستوفیہ، قلت لابن عباس :کیف ذلک؟ ذلک درھم بدرھم والطعام مرجاء’’(رسول اللہﷺ نے

اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کھانے کی چیزیں اصول کر نے سے پہلے فروخت کردے میں نے عبداللہ بن عباس سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ درہم کا درہم سے فروخت ہے اور کھانا تو میعاد پر دیا جائے گا)(صحیح بخاری۲۱۹،۱) اسی طرح عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ّپ نے فرمایا ''من اشتری طعاما بکیل أو وزن فلا یبعہ حتی یقبضہ''یعنی جو کیل یا وزن سے کھانا خریدے وہ قبضہ میں لئے بغیر اسکو فروخت نہ کرے (مسند احمد۱۱۱،۲) اسی طرح ابوہریرہؓ(مسلم۵،۲)و جابر بن عبداللہ (مسلم۶،۲)اور حکیم بن حزام (مسند احمد۴۰۲،۳) کی رویتیں بھی قابل نظر ہیں ۔

لیکن یہ کہ قبضہ سے قبل بیع کی کیا حقیقت ہے ؟اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں ،شوافع :کہتے ہینکوئی شئی جو خریدکی گئی ہو خواہ وہ مال منقول ہو یا غیر منقول ،خوردنی ہو یا کچھ اور ،بیچنے والے کی اجازت سے تصرف کرے یا بلااجازت،قیمت ادا کی ہو یا نہ کی ہو بہر صورت قبضہ سے پہلے اسے بیچنا جائز نہیں ، ''لا یجوز البیع المبیع قبل قبضہ عقارا کان أو منقولا ،لا بإذن البائع ولا بغیر إذنہ، ولا قبل أداء الثمن ولا بعدہ''(شرح مہذب۲۹۴،۹)۔ حنابلہ: کے نزدیک غیر خوردنی اشیاء میں قبضہ سے پہلے فروختگی جائز ہے اور زیادہ صحیح قول کے مطابق خوردنی شئی کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں (المغنی۸۸،۴)،مالکیہ: کے یہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے جیسے کہ؛غیر خوردنی اشیاء قبضہ سے قبل بھی فروخت کی جا سکتی ہیں،جبکہ خوردنی اشیاء اگر پیمانے سے خریدنہ کی گئی ہوں ؛بلا تعیین مقدار مجموعہ (جزافا) تو قبضہ سے پہلے فروخت کیا جا سکتا ہے ،اسی طرح اگر اموال ربویہ نہ ہوں کہ اس کا ذخیرہ کیا جا سکے تو قول مشہور یہ ہے کہ ان کوبھی قبضہ سے پہلے فروخت کیا جا سکتا ہے ---وغیرہ، (بدایۃ المجتہد۱۴۴،۲، الثمر الدانی۴۱۹)، حنفیہ: کے نزدیک غیرمنقول اشیا جیسے؛زمین و مکان وغیرہ قبضہ سے پہلے فروخت کی جا سکتی ہیں ،منقول اشیاء قنضہ سے پہلے فروخت نہیں کی جا سکتی(البحر الرائق۱۱۶،۲)۔

دراصل فقہاء کے مختلف آراء کی وجہ روایات کے پیش نظرعلت کی تعیین ہے ، یوں تو اہل علم نے متعدد علتیں بیان کی ہیں ،لیکن حقیقتا دو چیزوں کو عموما علت قرار دیا گیا ہے اولا: غرر(دھوکہ)،دوم: ربا(سود)،چونکہ سود کے علاوہ غرر کی تعیین عرف و عادت کے اعتبار سے کی جاتی ہے ،غالبا یہی وجہ ہے کہ ؛کتب فتاوی میں منقول ہے اگر معاملہ میں نزاع جو عموما غرر سے پیدا ہوتا ہے نہ پا یا جا ئے تو اس عرف کے قنبضہ کو قبضہ مانا جائے گا اور اسکی بیع درست ہوگی،فتاوی ہندیہ میں ہے ''کسی چیز کا عرف و رواج بھی انسان کے لئے اسکو قابل قبول بنادیتا ہے ،اوریہ باہم تنازع کو روکنے کا باعث بن جاتی ہے،چنانچہ فقہاء نے ایسی شرط فاسد کو معاملہ خرید و فروخت کے درست ہونے میں مانع نہیں سمجھا جو سماج میں رواج کا درجہ حاصل کر لے ''(فتاوی ہندیہ۱۳۳،۳)، ان

تصریحات کی روشنی میں معلوم ہو تا ہے کہ اسکیم کے ذریعہ ملنے والی رقم کا صاحب حق (مستحق) نکالنے سے پہلے ہی قابض ہو جاتا ہے کیونکہ عرف میں ایسوں کو قابض مانا جاتا ہے،بس دیر اس بات کی ہوتی ہے کہ ان صیغوں سے اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرلے(جدید فقہی مسائل ۴،۲۱۱)۔

دوم:صورت مسئلہ میں قابل غور امر یہ ہے بھی ہے کہ کیا یہ مال کے بدلے مال کی بیع نہ ہو گی جسمیں قبضہ بالفور ضروری ہے؟چونکہ بظاہر ایسامعلوم ہوتا ہے کہ ملی ہوئی رقم میں سے رقم متعین کرنا بیع المثل ہے ! جبکہ ایسا نہیں ؛کیونکہ اس صورت میں مالک اپنے مقبوضہ (عرفا)مال سے ازرا ہے مزدوری صرف ایک جانب سے مال دے رہا ہے اسے ؛جواسکی جانب سے ثالث یا سفارشی کا کام انجام دے رہا ہے،ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ فقہاء نے ہر شخص کو اپنی ملکیت میں ؛کمی و زیادتی کے ساتھ معاملہ کر نے کی اجازت دی ہے جبکہ مشتری بھی راضی ہو ''إذا كان الثمن موجلا وزاد البائع من أجل التاجيل جاز؛ لأن للأجل حصة من الثمن وإلى هذا ذهب الأحناف والشافعية وزيدبن على والموید باللّٰہ وجمهور الفقهاء لعموم الأدلة القاضية لجوازه'' (فقہ السنہ۳،۷۲) ''لاجل شبهة المبيع ألاترى أن الثمن قد يزاد لمكان الأجل''(بدائع الصنائع۵،۱۸۷)۔

مذکورہ مباحث کے مد نظر مناسب معلوم ہوتا ہیکہ اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے اور رقم پانے والے اشخصاص کے لئے اختیار ہوکہ وہ آئندہ ہو نے والے محصول رقم میں سے واسطہ بننے والوں کا حصہ متعین کردے، لیکن اس صورت پر عمل کرنے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ بیع و شراء کے چند اصول کا خیال رکھا جائے،مثلا:

۱۔معاملہ بالتراضی ہو۔''یا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل'' (نسا: ۲۹)۔

۲۔عوضین معلوم اور متعین ہوں؛ایسی جہالت نہ ہو جو باہم جھگڑے کا سبب بنے(حوالہ سابق۵،۱۵۸، فتاوی ہندیہ۳،۳)۔

۳۔ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت متعین ہو ؛مفضی الی النزاع کوئی چیز نہ ہو؛ معمولی جہالت نقصان دہ نہیں(حوالہ سابق۳،۳)۔

۴۔ثمن اموال ربویہ(نمک،گیہوں،سونا،چاندی،کھجور،جو)میں سے نہ ہو جن پر قبضہ مجلس عقد میں ہی ضروری ہوتا ہے(صحیح مسلم،۸۲، حدیث: ۱۵۸۴)۔

۵۔بدلین مال متقوم ہو؛یعنی ایسا مال ہوکہ اسے خرید و فروخت کیا جا سکے (فتاوی ہندیہ۴،۲)۔

۶۔اس میں غرر یا دھوکہ نہ ہو جیسے کہ کوئی ناجائز شرط لگا دی (ہدایہ۳،۴ھ)۔

*سوال نمبر۹۔اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں۔

جواب نمبر۹۔رشوت کی عربی ''رشا،ارشیۃ '' آتی ہے یعنی ڈول کی رسی؛ابن سیدہ

کہتے ہیں :رشا کو رسی اس لئے کہا گیا ہے کیانکہ جس طرح اس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اسی طرح رشوت کے ذریعہ انسان اپنے مطلوب کو حاصل کرتا ہے(تاج العروس ۱۰،۱۵۰، لسان العرب۵،۲۳)، اصطلاح میں رشوت ''مایعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل''(التعریفات،۱۱۳)،یعنی وہ مال جو حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کیلئے دیاجائے ،یہ ملکی اور معاشرتی اعتبار سے ایک ناسوز مرض ہے جسکی حرمت کا اعلان شریعت اسلامیہ نے پر زور طریقے سے کی ہے ،حضور اکرم ؐ سے متعدد روایتیں اس ضمن میں وارد ہیں جن میں آپؐ نے رشوت لینے، دینے والوں پراللہ کی لعنت اور ملعون قرار دیا ہے ''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی''(سنن ترمذی۲،۲۱۴، مسند احمد۵،۲۷۹)، ''لعنۃاللہ علی الراشی والمرتشی''(سنن ابن ماجہ،۲۳۲۳، مجمع الزوائد،۱۳۵۵)، لیکن گندی سیاست و حکمرانی، مادیت پرستی اور حرص و طمع کے عام ہو نے کی وجہ سے اس سے بھی انکار نہینکہ ؛بسا اوقات انسان حق پر ہونے اور حق کا مستحق ہونے کے باوجود اس سے محروم کر دیا جاتا ہے یا اس کے ساتھ ظلم و جور کا معاملہ کیا جاتا ہے ،ایسے میں میں قاعدہ فقہیہ ''إذا ضاق الأمر اتسع''(الاشباہ للسیوطی) کے تحت فقہاء نے جان و مال کی حفاظت یا ظالم و جابر بادشاہ کے پاس معاملہ درست کر نے کے لئے رشوت دینے کہ اجازت دی ہے اور اس کا گناہ لینے والے کے سر رکھا ہے ''إذا دفع الرشوة خوفا علی نفسہ أو مالہ، فھو حرام علی الآخذ غیر حرام علی الدافع''(رد علی الدر ۵،۸، ۴۳) ''إذا دفع الرشوة لیسوی أمرہ عند السلطان حل لہ الدفع ولا یحل للآخذ أن یأ خذ''(حوالہ سابق)۔

علامہ شامیؒ کی اس وضاحت سے کہا جاسکتا ہے کہ جب کوئی امدادی رقوم اور قرضوں کا محتاج ہو اور حکومت کسی اسکیم کے تحت مدد بھی کرنا چاہتی ہو،لیکن بعض عناصر اس سلسلہ میں رکاٹ بنتے ہوں ،تو رشوت دے کر اپنا کام نکالاجا سکتا ہے اور ایسے میں گنہگار لینے والا ہی سمجھا جائے گا ''إنما الإثم علی القابض دون الدافع''(الجامع لاحکام القرآن۳،۱۲۰)،البتہ اس میں قابل غور امر یہ ہے کہ کیا قرض لینے والا اور امدادی رقوم حاصل کرنے والا واقعی اتنا ضرورتمند ہے کہ حرام طریقے سے بھی اپنی حاجت پوری کرنے کی اجازت دی جائے ؟راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر امدادی رقوم اور قرض رشوت کے ذریعہ لینی پڑے تو ایمانی تقاضہ ہے کہ حتی الامکان اس سے بچا جائے اور کوئی مناسب راہ تلاش کی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو تو کراہیت (دل میں نا پسندیدگی کے جذبہ)کے ساتھ اپنا حق رشوت کے ذریعہ حاصل کر لے ؛صورت مسئلہ میں ایک اہم اقتباس نقل کیا جاجاہے جس سے یہ بخوبی اندازہ ہوگا کہ کب رشوت دینے کی اجازت ہوگی ، ''میری نظر میں حق کو حاصل کر نے اور ظلم و ضرر کو دفع کر نے کے لئے رشوت دینا اسی وقت جائز ہو گا ،جبکہ انسا ن اپنا حق اصول کرنے یاظلم و ضرر کو دفع کرنے سے قطعی عاجز ہو ،یہاں تک کہ اسے حق حاصل کر نے کے لئے حکومتی یا

غیر حکومتی سطح پر کسی قسم کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو ،نہ ہی ایسا کوئی سہارا اسے مہیا ہو جو اس پر ہونے والے مظالم کے خلاف انصاف دلاسکے یا اگر کوئی سہارا بھی ہوتو اسے ڈر ہے کہ اگر اس نے اس سے تعاون چاہا تو پہلے سے زیادہ خطرہ اور مشکلات اسے لاحق ہونگی، ایسے وقت میں رشوت دے کر کام نکالنے کی اسے اجازت ہوگی ''(رشوت ایک سماجی ناسور،۷۳)۔

اس اقتباس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ ؛آج معمولی ،معمولی کاموں کے لئے شارٹ کٹ کا راستہ اختیارکیا جاتا ہے ،اور اولین مرحلہ ہی میں رشوت سے بات کی جاتی ہے ،یہ بھی ایک طرح سے ''تعاونوا علی الإثم والعدوان''(سورہ مائدہ: ۲) ہی ہے، اور فقہی نقطہ نظر کا غلط استعمال ،اور ملکی نظام میں کرپشن کا ایک ذریعہ ہے ،اسی لئے حتی المقدور راست بازی سے کام لینا چاہئے، واللہ المستعان۔

*سوال نمبر۱۰۔امدادی رقوم یا قرض حاصل کر نے کیلئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقے پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب نمبر۱۰۔شریعت مطہرہ نے ہر اچھی اور بری چیز کی نشاندہی فرمائی ،ساتھ ہی وہ اصول مرتب فرمائے ؛جس کے ذریعہ خیر و شر کی تفریق اور ان میں شمولیت کا امتیاز پا سکے قرآن کہتا ہے؛''تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان''(بقرۃ: ۲) غالبا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے فقہ الاقلیہ کے تحت وہ مسلمان جو غیر مسلم ممالک یا جمہوری یا دارالعہد و امن میں اقلیتی حیثیت سے پناہ گزیں ہیں؛پابند کیا کہ وہاں کے قوانین و ضوابط کی پابندی کریں اور ملک کی ترقی و بہبودی میں حصہ دار بنیں، لیکن اس بات کا بھی اشد خیال رکھیں کہ وہ قوانین؛ اسلامی اصول و ضوابط سے متصادم نہ ہوں ،چنانچہ ڈاکٹر صلاح الدین سلطان لکھتے ہیں:''ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کے واجب ہو نے میں تو کوئی اشکال نہیں بشرطیکہ وہاں کے باشندوں کا ہم سے تعلق مصالحانہ ہو ،اسی طرح قوانین کی پابندی اور نظم و نسق کی تعمیل بھی ہر قسم کے اشکال سے پاک ہے شرط یہ ہے کہ وہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہوں ''(فقہ الاقلیات، تعارف، اصول،۳۷)۔

ایسے میں حکومتی سطح پر جاری ہو نے والے اسکیم اور اس سے استفادے کیلئے جو کچھ شرائط و معیارات متعین کئے جائیں ان میں غلط بیانی سے کام لینا دو جہتوں سے درست نہ ہوگا۔اولا: اس لئے کہ ہمارا ملک دارالعہد وامن ہے ،یہاں کے مصالحانہ قوانین کی پابندی ہم پر لازم ہے،اور ملک کی ترقی میں حصہ لینا بھی ہمارا اخلاقی فریضہ ہے ،چنانچہ کسی قانون کی خلاف ورزی اور معیارات وشرائط کا نقض :نقض عہد مانا جائے گا جو اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز نہیں،''لا إیمان لمن لا أمانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد

لہ''(المعجم الکبیر۱۰؍۲۲۷، ۱۰۵۵۳)، دوم: اس لئے کہ حضور اکرمؐ نے بلا کسی تمیز و تفریق کے جھوٹی گواہی دینے یا جھوٹ بولنے کو گناہ کبیرہ میں سے شمار کیا ہے ''قالﷺ:أكبر الكبائر :الإشراک باللّٰہ وعقوق الوالدين وشهادة الزور- ثلاثاً - أو قول الزور'' (صحیح بخاری۱؍۱۳-۶۹۱۹،صحیح مسلم۱؍۹۱-۱۴۳) بلکہ ایسوں کو اسلامی مزاج سے منحرف سمجھا گیا ''من غش فليس منی'' (صحیح مسلم۱؍۹۹-۱۰۲، ابن ماجہ؍۲۲۲۴، ابوداؤد؍۳۴۵۲، طبرانی؍۵۲۱)، ظاہر ہے حکومتی سطح پر بھی غلط بیانی جھوٹ اور دھوکہ ہی میں شامل ہوگا۔

نوٹ:

لیکن حالات حاضرہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ؛حکومت نے امدادی رقوم یا قرض کی فراہمی کے لئے جو معیارات یا طبقات اور شرائط متعین کئے ہیں ان میں بڑی حد تک ناانصافی سے کام لیا گیا ہے، نتیجتا ضرورتمند محروم اور غیر ضرورتمند یا غیر مستحق ناجائز مستفید ہورہے ہیں ایسے میں Rich are richest poor are poorst یعنی امیر؛ امیر تر اور غریب؛غریب تر ہوتا جارہا ہے، چنانچہ معمولی معیارات و طبقات نیز ضرورتمند لوگوں کواپنی حاجت روائی کے لئے نہ کہ ترقیاتی طور پر غلط بیانی سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے کی اجازت دی جاسکتی ہے ''الضرورات تبيح المحظورات''(الاشباہ للسیوطی؍۷۷، الاشباہ للمصری؍۹۵)، ساتھ ہی مسلمانوں کیلئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ مرکزی حکومت سے متحدہ طور پر رجوع کریں اور یہ مطالبہ کریں کہ امدادی رقوم یا قرض کی تقسیم معیارات کی بنیاد پرنہیں، بلکہ حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کی ضررت کے اعتبار سے ہو؛تا کہ ہر ایک کو اس کا حق مل سکے نیز ملک و معاشرے سے معیاراتی تصور وتفریق کا خاتمہ ہو سکے،''الناس كلهم بنی آدم وخلق الله آدم من تراب''(شعب الایمان ۷؍۱۳۷، ۴۷۶۷)۔

*سوال نمبر۱۱۔بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کیلئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اوراس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتاہے وہ خود مقروض کو اداکرنا نہینہوتا ہے؛بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ،یا اس کا بڑا حصہ حکومت اداکرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے ،کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب نمبر۱۱۔سودی قرض خواہ تجارتی ہو یا تعلیمی یا کسی اور مقصد کے لئے؛ اسکی شرح ادائیگی تھوڑی ہویا زیادہ بہر صورت سود ہی ہے، قرآن وحدیث نے سود کی حرمت بیان کرتے ہوئے مطلق فرمایا ہے ''احل الله البيع و حرم الربا'' (بقرۃ: ۲۵۷)، نیزتعلیمی مقصد کا سنہرا پن یہ ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے کہ حرمت اس کے لئے حلت میں تبدیل ہو جائے گی ،اگرچہ فقہاء نے رشوت پر قیاس کرتے ہوئے سود دینے کی اجازت دی ہے، مگر جب جبکہ حالت ناگزیر اور بقا اسی پر محمول ہو ؛اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام اتنی

تعلیم کو کافی سمجھتا ہے کہ جس سے معرفت الہی حاصل ہو سکے اور آخرت و دنیا کی کچھ سمجھ ہوسکے،چنانچہ قرآن جیسی اعلی وافضل کتاب ۔کلام اللہ،خلاصہ اسلام کے سیکھنے سکھانے کو اتنا کافی سمجھا گیا کہ اس سے نماز درست ہو جائے (البحرالرائق کتاب القرآن)جو دراصل قرآن ہی کے ایک حکم کا چربہ ہے ''فا قرئوا ما تیسر منہ''(مزمل: ۲۰)۔

نیزاسلامک فقہ اکیڈمی ہی کی جانب سے منعقدہ دوسرا سیمینار(۱۹۸۹ء) میں یہ بات طے پائی تھی کہ ''سودکی حرمت کا پراس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ مناسب حد تک کم ہے یا مناسب حد تک زیادہ شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ شرح سود اگر مناب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نا مناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز ؛دلائل شر عیہ اس طرح کے کسی تفریق کی اجات نہیں دیتی ''(نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے)۔

*سوال نمبر۱۲۔بعض ایسی اسکیمبھی ہیں ،جن میں حکومت نے ایک فنڈ قائم کر دیا ہے ،جسکو بینک میں ڈپوزٹ کر دیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جا تا ہے ،گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ اصول کرتا ہے ،اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیاصورت درست ہوگی؟

جواب نمبر۱۲۔شب وروز کی ترقی یافتہ دنیانے ہر میدان میں نئے نئے شگوفے کھلائے اور بیل بوٹے پھیلائے ہیں بالخصوص تجارتی دنیا نے رنگہا رنگ کے طوروطرق اور قسمہا قسم کی منفعتی تصورات وتعبیرات ایجاد کئے ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پوری دنیا ایک تجارت گاہ اور منڈی بن چکی ہے،لیکن شومئی نصیب یہ کہ ؛ان میں وہ پہلو زیادہ رائج و مروج ہیں جو شرعی تضاد کے شکار ہیں ،سود،غرر،کالی،ضرروغیرہ اس کا خاصہ بن چکے ہیں ،تجارتی کمپنیاں اور بینک سنہرے نام و اشتہارات کے ساتھ تعلیمی، ترقیاتی، تعمیری اور رفاہی کاموں کی چمک میں سود کی گرم بازاری ہے؛انہی صورتوں میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ حکومتی پیمانے پر ایک محفوظ فنڈ قائم کر کے بینکوں میں ڈپازٹ کر دیتے ہیناور اس سے ملنے والے سود کو اپنی ملکیت میں لے کر تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کرتے ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی اسکیموں سے بحیثیت مسلمان استفادہ درست نہیں،جبکہ مستفید کو صراحتا معلوم ہے کہ رقم سود کے فنڈ سے حاصل ہوئی ہے ،اس لئے کہ سود مطلقا حرام ہے(بقرۃ: ۲۵۷)۔اسی طرح فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اسکی کمائی حرام کی ہے ؛ایسوں کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں(کتاب الفتاوی۴؍۲۰۰)، کیونکہ کسی مسلمان کیلئے روا نہیں کہ اپنے جسم میں ایک لقمہ بھی حرام کا جا نے دے ورنہ وہ جہنم کا حصہ ہوگا(مجمع الزوائد۴؍۱۹۹، مسند

بزار،۱۰۳۷، طبرانی اوسط،۲۰۲۶)، نیز علماء اصول فقہ نے بھی یہ قواعد نقل کئے ہیں ''التابع تبع''(الاشباہ للسیوطی،۱۵۳، الاشباہ للمصری،۱۲۰، ۲۲۶، المنثور فی القواعد۲،۱۶۔۲۱۵) ''الأصل بقاء ما کان علی ماکان'' ''الربا لا تصح إباحتہ فی الشرع تبعا''(الموسوعۃ الفقہیہ، القواعد)،یعنی یہ کہ جو حکم اصل کاہوگا وہی اس کے تابع کا ہوگا اگرچہ کہ وہ اپنا نام ہی کیوں نہ بدل لیں۔سود ایک حرام مال ہے اب حکومت فنڈ کے نام سے دے یا نفع و تجارت کے نام سے تعلیمی و رفاہی ضرورتوں ہی کے لئے کیوں نہ ہو اگر اسکی بقا وتحفظ اسی پر منحصر نہ ہو تو بہرصورت حرام ہی سمجھا جائے گا۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ضرورت و حاجت کے دائرے میں شمار کرتا ہو تو پھر ایسونے لئے بدرجہا مجبوری ایسے فنڈ سے استفادے کی اجازت دی جا سکتی ہے ''فمن اضطر غیر باغ فلا اثم علیہ'' (بقرۃ: ۱۷۳،مائدۃ: ۳،انعام: ۱۴۵،نحل: ۱۱۵)۔

نوٹ:

صوت مسئلہ میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ کیامالک کے بد لنے سے ملکیت کی حیثیت بدل سکتی ہے ؟کیونکہ حیات طیبہ کے صفحات پر ہمیں ایک واقعہ کچھ اس طرح بھی ملتا ہے؛حضرت عائشہؓ ی ایک لونڈی تھی جس کا نام بریرۃؓ تھا انہیں کسی نے بکری کا گوشت یا بکری صدقہ کی آپ نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کیا ،چونکہ اہل ہاشم پر صدقہ حرام ہے لہذا حضرت عائشہ نے تذبذب کااظہار کیا اور اپنی کیفیت حضورﷺسے بیان کی ،آپﷺ نے فرمایا کہ؛عائشہ ! بریرۃ کے لئے وہ صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے(صحیح بخاری،۱۴۹۵، ہو صدقہ لبریۃ وہدیۃ لنا)۔

اب محل نظر یہ ہے کہ جس طرح اہل ہاشم کیلئے حرام مال ملکیت کے بدلنے کی وجہ سے حلت یا ہدیہ میں تبدیل ہو گیا ؛کیا اسی طرح محفوظ فنڈ سے جو حکومت یا ادارہ انٹرسٹ اصول کرتا ہے اور مالک بننے کے بعد حرام مال دوسروں کے تعاون یا رفاہی کاموں کے لئے اگر دے تو کیا اسے لینے والے کے حق میں ہدیہ سمجھا جائے؟

سرکاری اسکیم اور معمولی شرح سود پر فراہم کردہ قرض سے استفادہ

مولانا محمد عرفان•

شریعت اسلامیہ نے باطل اور ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کے مالو نکو کھانے کی ممانعت فرمائی ہے اور حلال وجائز طریقوں سے کھانے کی اجازت دی ہے۔

اللہ رب العزت کا پاک ارشادہے:

''ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم'' (سورہ البقرہ: ۱۸۸) (اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو (تو مضائقہ نہیں)) (بیان القرآن)۔

علامہ جلال لدین سیوطیؒ نے بالباطل کی تفسیر کی ہے:

''بالحرام فی الشرع كالربوا والغصب'' (تفسیر جلالین ۷۵،۱) (یعنی جو طریقہ شریعت میں حرام ہے جیسے ربوا، اور غصب)۔

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''أحل الله البيع وحرم الربوا'' (سورہ بقرہ: ۲۷۵) (یعنی اللہ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے) (بیان القرآن)۔

ربوا کی دوقسمیں ہینربو الفضل اور ربو النسیئۃ۔

ربا کی پہلی قسم کی حرمت تو احادیث رسولﷺ سے ثابت ہے جس میں فقہاء مجتہدین کا زبردست اختلاف ہے کہ کن اشیاء میں اس ربوا کاتحقق ہوگا اور کن میں نہیں۔

لیکن ربا کی دوسری قسم کی حرمت امت مسلمہ کااجماعی مسئلہ ہے اور قرآن کریم نے جس ربا کی حرمت واضح طور پر بیان کیا ہے وہ یہی ربا ہے جس کو ربا القرآن اور ربا القرض بھی کہا جاتا ہے یعنی قرض ادھار پر بحساب میعاد نفع لینا اس کی حرمت کے سلسلہ میں پوری امت محمدیہ کا اتفاق شروع سے آج تک رہا ہے۔

امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں ربا کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں:

''ہو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض'' (احکام القرآن۴۶۹،۱) (یعنی وہ قرض جس کو ایک وقت مقررہ کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ مقروض مال قرض پر کچھ رقم زائد ادا کرے گا)۔

اور حدیث شریف میں رسول اکرمﷺ نے ربا کی تعریف یہ فرمائی ہے:

• خادم التدریس جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، آسام۔

''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا'' (یعنی جو قرض نفع حاصل کرلے وہ رباہے)۔
یہ حدیث جامع صغیر میں ہے اور عزیزی نے اسے حسن کہا ہے (معارف القرآن۱،۶۶۴) ۔
حضرت مفتی شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان نے اپنی معروف تفسیر ''معارف القرآن '' میں تفسیر کی مختلف کتابوں کے حوالہ سے اس ربا کی وضاحت فرمائی ہے جسے قرآن کریم میں حرام قرار دیا گیا ہے، فرماتے ہیں:
''اب سنئے عرب کا مروجہ ربا کیا تھا امام تفسیر ابن جریرؒ نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ جو ربا جاہلیت میں جاری تھا اور قرآن نے اسے منع کیا تھا اور یہ تھا کہ کسی کو ایک میعاد معین کے لئے قرض دے کر اس پر اصل رأس المال سے زائد مقررہ زیادتی لیتے تھے اور اگر میعاد مقررہ پر وہ قرض ادا نہ کرسکتا تو مزید میعاد اس شرط پر بڑھا دیتے تھے کہ سود میں اضافہ کیا جائے، یہی مضمون حضرت قتادہ اور دوسرے ائمہ تفسیر سے نقل کیا گیا ہے (تفسیر ابن جریر ۳،۶۲)۔
اندلس کے مشہور امام تفسیر ابوحیان غرناطی کی تفسیر ''بحر محیط '' میں بھی جاہلیت کے ربا کی یہی صورت لکھی ہے کہ ادھار دے کر اس پر نفع لیتے اور جتنی مدت ادھار کی بڑھ جائے اتنا ہی سود اس پر بڑھا دینے کا نام ربا تھا، اسی جاہلیت عرب کے لوگ یہ کہتے تھے کہ جیسے بیع وشراء میں نفع لینا جائز ہے اسی طرح اپنا روپیہ ادھار دے کر نفع لینا بھی جائز ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا، اور بیع وربا کے احکام کا مختلف ہونا واضح فرمایا۔
یہی مضمون تمام مستند کتب تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر اور روح المعانی وغیرہ میں معتبر روایات کے ساتھ منقول ہے (معارف القرآن ۱،۶۶۴)۔
امام طحطاوی نے ''شرح معانی الآثار '' میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے کلام کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ قرآن میں جو ربا مذکور ہے اس سے جلی اور واضح طور پر وہ ربا مراد ہے جو قرض ادھار پر لیا جاتا ہے اور اسی کو زمانۂ جاہلیت میں ربا کہا جاتا تھا (معارف القرآن۱،۶۶۷)۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ '' میں رباء کی تعریف یہ بیان فرمائی ہے:
''الربا ہو القرض علی أن یؤدی إلیہ أکثر أو أفضل مما أخذ'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲،۱۰۶)۔
یعنی ربا وہ قرض ہے جو اس شرط پر دیا جائے کہ مستقرض اس سے زیادہ یا اس سے بہتر ہے جو اس نے لیا ہے۔
پھر شاہ صاحبؒ نے ربا کی تقسیم فرمائی ہے اور ربا الجاہلیت کی قباحت کو اس میں واضح فرمایا ہے:

‘‘واعلم أن الربا علی وجہین حقیقی ومحمول علیہ’’۔

‘‘أما الحقیقی فہو فی الدیون وقد ذکرنا:أن فیہ قلبا لموضوع المعاملات، وأن الناس کانوا منہمکین فیہ فی الجاہلیۃ أشد إنہماک، وکان حدیث لأجلہ محاربات مستطیرۃ، وکان قلیلہ یدعو إلی کثیرہ، فوجب أن یسد بابہ بالکلیۃ، ولذلک نزل فی القرآن فی شأنہ ما نزل’’ (حجۃ اللہ البالغہ ۱۰۶،۲) (اور جان لیں کہ سود کی دو قسمیں ہیں: حقیقی (اصلی) ربا اور حقیقی پر محمول، یعنی اسکے ساتھ ملحق کیا ہوا ربا حقیقی، تو وہ قرضوں میں ہے۔

اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کو الٹ دینا ہے اور یہ کہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں اس میں بری طرح منہمک تھے اور اس کی وجہ سے پھیلنے والی لڑائیاں پیدا ہوئی تھیں اور اس کا تھوڑا اس کے زیادہ کی طرف بلاتا ہے، پس ضروری ہوا کہ اس کا دروازہ بالکلیہ بند کردیا جائے، اور اس وجہ سے قرآن میں اس کے بارے میں نازل ہوا جو نازل ہوا) (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵۴۸،۴)۔

ربا القرض یعنی سود کی حرمت سے متعلق مذکورہ تفصیلات کے بعد اب سوالنامہ کے جوابات بالترتیب ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے او رمقدار قرض سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ایسے قرضوں کا لین دین شرعاً جائز ہوگا بشرطیکہ مقرض نے خود اپنی رضامندی سے قرض کی وہ مقدار معاف کردی ہو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وأن تصدقوا خیر لکم إن کنتم تعلمون’’ (البقرہ: ۲۸۰) (یعنی اور یہ کہ معاف ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو خبر ہو) (بیان القرآن)۔

علامہ سیوطیؒ نے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی ہے: ‘‘أی تتصدقوا علی المعسر بالإبراء (من کل الدین أو بعضہ) (تفسیر جلالین مع ہامشہ۴۴،۱) (یعنی محتاج اور تنگدست سے پورا دین یا اس کا بعض حصہ معاف کردو (یہ تمہارے لئے بہتر ہے)۔

‘‘فیض الباری ’’ میں حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

‘‘إذا قضی المدیون أقل من حق الدائن ورضی بہ الدائن أو لم یؤد المدیون شیئاً، ولکنہ حللہ عن الدائن فأحل لہ فہو جائز’’ (فیض الباری ۳۱۱،۳کتاب الاستقراض) (یعنی جب مقروض قرض خواہ کی رضامندی سے مقدار قرض سےکم ادا کرے یا مقروض قرض خواہ سے سارا قرض معاف کرالے اور وہ خوشی سے معاف کردے تو یہ جائز ہے)۔

لیکن اگر قرض لیتے وقت مستقرض یہ شرط لگائے کہ میں مقدار قرض سے کم واپس کرونگا اور مال قرض اموال ربویہ میں سے ہو تو جائز نہ ہوگا۔

‘‘وإن شرط فی القرض أن یوفیہ أنقص مما أقرضہ، وکان ذلک مما یجری فیہ الربوا لم یجز’’ (المغنی۳۵۷،۴) (اور اگر قرض میں مستقرض یہ شرط لگائے کہ وہ مقدار قرض سے کم ادا کرے گا اور مال قرض اموال ربویہ میں سے ہو تو یہ جائز نہ ہوگا)۔

(۲) قرضوں کی اس صورت کو فقہاء کرام نے جائز قرا ردی ہے۔

صاحب ''بدائع الصنائع '' علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''ولو کان لہ علیہ ألف فقال: أد إلیّ من الألف خمس مائۃ غدا علی أنک بریٔ من الباقی، فإن أدی إلیہ خمس مائۃ غدا یبرأ من الباقی إجماعاً، وإن لم یؤد فعلیہ الألف عند أبی حنیفۃ ومحمد، وعند أبی یوسف لیس علیہ إلا خمسمائۃ'' (بدائع الصنائع۵،۵۵) (یعنی اگر کسی شخص پر کسی کا (مثلاً) ایک ہزار روپیہ قرض ہو اور مقرض مستقرض سے یوں کہے کہ اگر ایک ہزار میں سے آئندہ کل تک پانچ سو ادا کردو تو بقیہ پانچ سو سے تم بری ہوجاؤگے، تو اگر مستقرض آئندہ کل تک پانچ سو ادا کردے تو بقیہ قرض سے بالاتفاق بری ہوجائے گا اور اگر ادا نہ کرے تو حضرات طرفین فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ پورا ایک ہزار قرض باقی رہے گا اور حضرت امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ پانچ سو ہی مستقرض کے ذمہ میں باقی رہے گا)۔

علامہ ابن عابدین اور صاحب ''ہدایہ '' کی رائے بھی یہی ہے اور ''فتاوی عالمگیری '' میں بھی یہ جزئیہ عبارت کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ مذکور ہے۔

''قال لغریمہ (أدّ إلی خمس مائۃغدا من ألف لی علیک علی أنک بریٔ من) النصف (الباقی فقبل) وأدی فیہ (برئ، وإن لم یؤد ذلک فی الغد عاد دینہ) کمان کان لفوات التقیید بالشرط'' (درمختار۸،۳۶۵ فصل فی دعوی الدین) (یعنی کسی شخص نے اپنے قرضدار سے کہا کہ میرے ایک ہزار قرض میں سے آئندہ کل تک پانچ سو ادا کردو تو بقیہ پانچ سو سے بری ہوجاؤگے اور مستقرض نے ادا بھی کردیا تو وہ بری ہوجائے گا اور اگر آئندہ کل تک ادا نہ کرسکے تو مکمل دین اس پر علی حالہ باقی رہے گا شرط مذکور کے مفقود ہوجانے کی وجہ سے)۔

عالمگیری میں یہ جزئیہ (۴، ۲۳۴) پر اور ہدایہ میں (۳، ۲۵۲) پر مذکور ہے۔

فقہاء مجتہدین کی مذکورہ آراء کے پیش نظر بندہ کے نزدیک بھی اس صورت کے جائز ہونے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔

(۳) اگر وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقدار قرض سے زائد رقم ادا کرنی پڑے تو ایسے قرض کا حاصل کرنا اورایسا قرض دینا سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہوگا، اور سود کی یہی صورت زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی جس کو قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:''أحل اللہ البیع وحرم الربوا'' (البقرہ: ۲۷۵) (اللہ تعالی نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا'' (یعنی جو قرض نفع حاصل کرے وہ ربا ہے)۔

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی نے تفسیر کبیر میں ربا کی وضاحت کرتے ہوئے آیت کریمہ مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا ہے:

''أما ربا النسیئۃ فھو الأمر الذی کان مشھوراً متعارفاً فی الجاہلیۃ، وذلک أنھم کانوا یدفعون المال علی أن یأخذوا کل شھر قدراً معیناً ویکون رأس المال باقیاً، ثم إذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال، فإن تعذر علیہ الأداء زادوا فی الحق والأجل، فھذا ھو الربا الذی کانوا فی الجاہلیۃ یتعاملون بہ'' (تفسیر کبیر۷،۲۷۵) (یعنی ربا النسیئہ ہی زمانہ جاہلیت میں مشہور ومتعارف تھا، اور اس کا طریق یہ تھا کہ وہ لوگ اس شرط پر کسی کو قرض دیا کرتے تھےکہ مقدار قرض کو چھوڑ کر مستقرض مقرض کو ایک متعین مقدار زائد ادا کرے گا، پھر جب دین کی ادائیگی کا وقت آجاتا اور مستقرض کے لئے دین کی ادائیگی مشکل ہوتی تو وہ مدت کو بڑھا دیتے تھے اور مقدار قرض پر ایک مقررہ زیادتی وصول کرتے تھے پس یہی وہ ربا ہے جس کا زمانہ جاہلیت میں چلن اور رواج تھا۔

علامہ ابن جعفر بن جریر الطبری نے اپنی مشہورتفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے:

''عن مجاہد قال فی الربا الذی نہی اللہ عنہ کانوا فی الجاہلیۃ:یکون للرجل علی الرجل الدین، فیقول لک کذا وکذا، وتؤخر عنی فیؤخر عنہ'' (جامع البیان فی تفسیر القرآن ۳،۶۷) (یعنی وہ ربا جو زمانہ جاہلیت میں جاری تھا اور اللہ تعالی نے اسے منع کیا وہ یہ تھاایک شخص کا دوسرے پر قرض ہوتا تھا پھر مستقرض قرض خواہ سے کہتا کہ میں تمہیں مقدار قرض سے اتنا اتنا بڑھا کر دونگا تم مجھے ادائیگی قرض کے لئے مزید مہلت دو لہذا قرض خواہ اس شرط پر مدت کو بڑھا دیتا تھا)۔

ان ائمہ تفسیر کی عبارتوں سے یہ با ت واضح ہوجاتی ہے کہ قرض کی یہ صورت قطعاً حرام ہے اور اس قسم کے قرض لینے کی گنجائش نہیں ہے، سوائے حالت اضطرار کے۔

(۴) مقروض سے اصل قرض پر کسی بھی قسم کی زیادتی وصول کرنا سود کہلائے گا جس کی حرمت قطعی الثبوت ہے، خواہ وہ زیادتی قلیل ہو یا کثیر۔

نبی پاکﷺ کا پاک ارشاد ہے:

''عن عبد اللہ بن حنظلۃؓ غسیل الملائکۃ قال:قال رسول اللہﷺ:درہم یأکلہ الرجل، وہو یعلم أشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ'' (الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمدبن حنبل الشیبانی ۱۵،۶۹) (حضرت حنظلہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر سود کا ایک درہم بھی کھاتا ہے تو وہ چتھیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے)۔

آپﷺ کے اس پاک ارشاد میں اس بات کو واضح کیاگیا ہے کہ سود کی ادنی سے

ادنی مقدار بھی حرام ہے، لہذا اس سے کلی طور پر اجتناب ضروری ہے اور مقدار قرض پر جو بھی زائد رقم لی جائے اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو ربا کی تعریف فرمائی ہے اس میں بھی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مقدار کی زیادتی تو ربا ہے ہی وصف کی زیادتی بھی اگر مطلوب ہو تو یہ بھی ربا ہے۔

فرماتے ہیں: ''الربا وہو القرض علی أن یؤدی إلیہ أکثر أو أفضل مما أخذ''۔

آگے فرماتے ہیں:''وکان قلیلہ یدعو إلی کثیرہ فوجب أن یسد بابہ بالکلیۃ ولذلک نزل فی القرآن فی شأنہ ما نزل'' (حجۃ اللہ البالغہ ۱۰۶،۲) (یعنی سود کا قلیل کثیر کی طرف لے جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کا دروازہ مکمل طور پر بند کردیا جائے، اسی وجہ سے سود کے بارے میں قرآن میں نازل ہوا جو نازل ہوا)۔

''المغنی '' میں ابن قدامہ حنبلیؒ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ:''کل قرض شرط فیہ أن یزیدہ، فہو حرام بغیر خلاف'' (یعنی ہر وہ قرض جس میں مقروض پر زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو وہ بلا اختلاف حرام ہے)۔

ابن منذر نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے اور ابی بن کعب، ابن عباس اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہو ننے ہر ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس سے نفع حاصل کیا جائے (المغنی لابن قدامہ ۳۵۴،۴)۔

الغرض نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، لہذا سود کا نام سروس چارج رکھنے سے سود سود ہی رہے گا۔

حضرت عمرؓ نے بنی تغلب پر جب جزیہ مقرر کرنا چاہا تو بنی تغلب چونکہ عرب تھے، اس لئے جزیہ مقرر کیاجانا انہو ننے اپنی شان کے خلاف سمجھا، البتہ وہ اس بات پر تیار ہوگئے کہ مسلمانوں سے جو کچھ زکوۃ کے نام پر لیتے ہو ہم سے بھی اسی نام کےساتھ لے لو چاہے مقدار دوگنی وصول کرلو، صحابہ کرامؓ نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دے کر ان سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ان سے زکوۃ کےنام سے ہی وصول کرو۔ لیکن صحابہ ؓسے فرمایا:''ہذہ جزیۃ سموہا ماشئتم'' (البنایہ شرح الہدایہ۳۶۰،۳) (یعنی یہ تو جزیہ ہی ہے چاہے تو اس کا نام جو چاہو رکھ دو)۔

اسی طرح جس کو سروس چارج کےنام سے وصول کیا جاتا ہے چونکہ وہ مقدار قرض پر ایک خاص مقدار کی زیادتی ہے تو اگر ربا نہ بھی ہو، لیکن شبہ ربوا تو ہے اور حضرت عمرؓ کا فرمان ہے:

''فدعوا الربا والریبۃ'' (یعنی ربا اور شبہ ربا دونوں سے بچو)۔

صاحب ''بدائع الصنائع '' علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وأما الذی یرجع إلی نفس القرض فہو أن لا یکون فیہ جرّ منفعۃ، فإن کان لم یجر نحو

ما إذا أقرضہ دراہم غلۃ علی أن یرد علیہ صحاحاً، أو أقرضہ وشرط شرطا لہ فیہ منفعۃ، لما روی عن رسول اللہ ﷺ ‘‘أنہ نہی عن قرض جر نفعا’’ ولأن الزیادۃ المشروطۃ تشبہ الربا، لأنہا فضل لا یقابلہ عوض، والتحرز عن حقیقۃ الربا، وعن شبہۃ الربا واجب’’ (بدائع الصنائع ۵۱۹،۶) ۔

علامہ کاسانی کی عبارت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ قرض میں مقدار قرض پر کسی بھی قسم کی زیادتی کی شرط جائز نہیں، خواہ وہ زیادتی وصف کی ہو یا کسی بھی منفعت کی اور جس طرح ربا سے اجتناب کلی ضروری ہے، اسی طرح شبہ ربا سے بھی اجتناب کلی ضروری ہے۔

نیز اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ قرب قیامت میں ربا، زنا، اور شراب عام ہوجائینگے آج اس کا ظہور پورے طور پر ہورہا ہے، باطل طاقتیں حرام چیزوں کے نام اور شکلیں بدل بدل کر امت مسلمہ کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتی ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو مشتبہ کمائیوں سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔

‘‘عن ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ قال بین یدی الساعۃ یظہر الربوا والزنا والخمر رواہ الطبرانی’’ (جواہر الفقہ۳،۹۴)۔

اس مقام پر عام طور پر ایک سوال پیدا کیاجاتا ہے کہ اگر ہم اسی طرح امت مسلمہ کے سامنے ہر ایک چیز کو حرام بتاتے رہینگے اور سرکاری بہت ساری اسکیموں سے استفادہ حاصل کرنے سے منع کرتے رہینگے تو یہ امت غربت وافلاس کا شکار ہوکر بڑی مشقت میں پڑجائے گی، جبکہ ضابطہ فقہیہ ہے: ‘‘الحرج مدفوع، الضرورات تبیح المحظورات ’’۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس وقت آیت کریمہ ‘‘أحل اللہ البیع وحرم الربوا’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۵) نازل ہوئی اور جن حالات میں قرض ادھار پر سود کے لین دین کے معاملہ کو حرام قرار دیا گیا ہے اور سودی معاملات کو ترک نہ کرنے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا ہے، اس وقت صحابہ کی غربت وافلاس آج کے مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تھی صحابہ کرام کو غربت کی وجہ سے کئی کئی وقت فاقہ کی نوبت آتی تھی اور بہت سارے صحابہؓ قرض لے کر ہی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں کا انتظام فرمایا کرتے تھے، ایسے نازک حالات میں بھی قرآن کریم صاف طور پر اعلان کرتا ہے:

‘‘یا أیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۹) (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کروگے تو

اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے) (بیان القرآن)۔

(۵) سودی قرضہ سے متعلق مذکورہ دلائل کی بنیاد پر یہ صورت بھی ناجائز اور حرام ہوگی، خواہ وہ سودی قرض مستقرض کی کسی بھی ضرورت کے پیش نظر دیا گیا ہو۔

البتہ اگر کوئی مسلمان واقعی اتنا مفلس اور تنگدست ہے کہ اس کے لئے اپنا اور اپنے بال بچو نکے کھانے پینے کا خرچ بھی کسی حلال طریقے سے حاصل نہیں ہوپارہا ہے جس کی بنا پر وہ کافی پریشانی میں ہے تو ایسے شخص کے لئے سودی قرضوں کی صرف اتنی مقدار لینے کی اجازت ہوگی جس سے وہ کوئی ایسا کاروبار کرلے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے نان ونفقہ کا وسیلہ بن جائے۔

''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر) (یعنی محتاج کے لئے مقدار قرض پر زیادتی کی شرط کے ساتھ قرض لینا جائز ہے)۔

(۶) گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی اس امداد کو حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ حکومت نے اس کے لئے جو شرائط مقرر کی ہو امداد حاصل کرنے والوں میں موجود ہو اور دھوکہ دے کر غیر مستحق نے حاصل نہ کی ہو۔

(۷) جو شخص حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کو حاصل کرکے مستحقین تک پہنچانے میں محنت کرتے ہیں اور واسطہ بنتے ہیں اور اس محنت کے اوپر محنتانہ وصول کرتے ہیں تو ان کو مطلوبہ محنتانہ دینا اور اس شخص کا لینا جائز ہوگا، اس لئے کہ ان کی حیثیت اجیر کی ہے اور اجیر کے لئے کام کرنے کے بعد اپنے کام کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ اس نے اجرت متعین کردی ہو، ورنہ اجرت کے مجہول ہونے کی صورت میں اجارہ فاسد ہوجائے گا اور وہ شخص اجرت مثل کا مستحق ہوگا۔

''ولا یصح حتی تکون المنافع معلومۃ والأجرۃ معلومۃ'' (ہدایہ۳،۲۹۳) (یعنی اجارہ صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو)۔

اسی واسطہ بننے والے شخص کو دلال بھی کہتے ہیں اور دلال کی اجرت کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اجرت متعین ہو جیسا کہ صاحب ''ہدایہ '' کی تحریر سے معلوم ہوا۔

علامہ بدر الدین عینیؒ نے اپنی کتاب ''عمدۃ القاری فی شرح البخاری '' میں فرمایا ہے کہ محمدبن سیرینؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، ابراہیم نخعیؒ، اور حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک دلالی کی اجرت مباح ہے ۔ ''لم یر محمد بن سیرینؒ وعطاء بن أبی رباحؒ وإبراہیم النخعیؒ والحسن البصریؒ بأجر السمسار بأسا'' (عمدۃ القاری۱۲،۹۳)۔

علامہ شامی کی عبارت سے بھی جواز کا علم ہوتا ہے:

''قال فی التاتارخانیۃ: وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل، وفی الحاوی سئل عن ابن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال:أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل،

وکثیر من ہذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ'' (رد المحتار ۶۳٫۶ کتاب الاجارہ)۔

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''إجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فی الوقت ولا العمل تجوز لما کان بہ حاجۃ '' (رد المحتار ۴۷٫۶)۔

فقہاء کرام کی ان عبارتوں سے صورت مسئولہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۸) واسطہ بننے والے لوگوں کی حیثیت اجیر کی ہے اور اجیر کے عمل کے ذریعہ حاصل ہونے والی چیز کے بعض حصول کوہی اجیر کی اجرت بنانا یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں فقہاء ومجتہدین کی دورائیں ہیں، حنفیہ، امام شافعی، امام مالک، اور لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ اجیر کے عمل کے نتیجہ میں جو چیز حاصل ہو اسی کے بعض حصے کو اس اجیر کی اجرت بنانا جائز نہیں ہے۔

ان کا مستدل دارقطنی کی ایک حدیث ہے:

''عن أبی سعید الخدریؓ قال:نہی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان'' (اعلاء السنن۱۶٫۱۷۵) (حضت ابوسعیدخدریؓ سےر وایت ہے کہ نرکو مادہ پر چڑھانے کی اجرت سے اور قفیز طحان سے منع کیا گیا ہے)۔

صاحب ''اعلاء السنن '' مولانا ظفر صاحب تھانویؒ اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''أقول:الحدیث احتج بہ الحنفیۃ والشافعی ومالک واللیث علی عدم جواز أن تکون الأجرۃ بعض المعمول بعد العمل'' (اعلاء السنن ۱۷۵٫۱۶) (یعنی حنفیہ، امام شافعی، امام مالک اور لیث بن سعد رحمہم اللہ نے اس حدیث سے اس بات کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے کہ اجیر کی اجرت عمل کے بعد اس کے معمول کے بعض حصے کو بنایا جائے۔

صاحب ''ہدایہ '' نے بھی یہ اجارۂ فاسدہ کے باب میں اس صورت کے عدم جواز کو بیان کیا ہے۔

''قال:ومن دفع إلی حائک غزلا لینسجہ بالنصف فلہ أجر مثلہ، وکذا إذا استاجر حمارا یحمل علیہ طعاماً بقفیز منہ فالإجارۃ فاسدۃ؛ لأنہ جعل الأجر بعض ما یخرج من عملہ، فیصیر فی معنی قفیز الطحان وقد نہی النبیﷺ عنہ، وہو أن یستاجر ثورا لیطحن لہ حنطۃ بقفیز من دقیقہ'' (ہدایہ ۳۰۵٫۳) (اگر کسی نے ایک جولاہے کو سوت دیا تاکہ وہ اس کو آدھے پر بن دے (یعنی بنائی کی اجرت بنے ہوئے کپڑے کے نصف کو قرار دیا) تو جولاہے کو اس کا اجر مثل ملے گا، اور اسی طرح اگر ایک گدھا اس واسطے اجارہ پر لیا کہ اس پر غلہ لادے جس کی اجرت اس غلہ میں سے ایک قفیز ہوگی تو اجارہ فاسد ہے کیونکہ جو چیز اس کےکام سےحاصل ہو اسی کےایک جزء کو اس نے اجرت بنایا تو یہ قفیز الطحان

کے معنی میں ہوگیا، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے قفیز الطحان سے منع فرمایا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک بیل اس واسطے اجارہ پر لیا کہ چکی میں جوت کر اس کے ذریعہ سے گیہوں پیسے بعوض اس کے کہ اس سے جو آٹا حاصل ہو اس میں سے ایک قفیز دے گا (عین الہدایہ)۔

دوسری رائے جواز کی ہے جس کو امام احمد بن حنبلؒ اور حنفیہ میں سے بعض مشائخ بلخ نے اسی طرح قاضی امام ابوعلی نسفیؒ نے اختیار کی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی ''ہدایہ '' کی شرح ''البنایہ '' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وقالوا فی شرح ''الجامع '' وکذا إذا استاجر حماراً ورجلاً یحمل طعاماً بقفیز منہ محمولا فالإجارۃ فاسدۃ ویجب أجر المثل، وقال الفقیہ أبو اللیث: ہذا قول المتقدمین، ولأن مشائخ بلخ یجیزون ذلک مثل نصر بن یحییٰ ومحمد بن مسلمۃ '' (٢٩٦،١٠) (یعنی شرح الجامع میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے ایک گدھا یا آدمی غلہ کی باربرداری کے لئے اجارہ پر لیا اور اس کی اجرت اسی غلہ محمولہ میں سے ایک قفیز کو مقرر کیا تو اجارہ فاسد ہے اور بوجھ اٹھانے والے کو اس کی اجر مثل دی جائے گی)۔

فقیہ ابواللیث فرماتےہیں کہ یہ متقدمین فقہاء کا قول ہے اس لئے کہ مشائخ بلخ میں نصر بن یحییٰ اور محمد بن مسلمہ وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اور علامہ عینیؒ آگے تحریر فرماتےہیں:

''وفی المبسوط:حکی الحلوانی عن أستاذہ أبی علی النسفی أنہ کان یفتی بجواز دفع الثوب إلی الحائک لینسجہ بالنصف؛ لأن فیہ عرفاً ظاہراً، وکذا مشائخ بلخ یفتون بجواز ہذہ الإجارۃ من الثیاب للتعامل، والقیاس قد یترک بالتعامل کما فی الاستصناع'' (یعنی مبسوط میں ہے کہ امام حلوانی نے اپنے استاذ ابو علی نسفی کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ اس بات کے جواز کا فتوی دیتےتھے کہ جولاہے کو سوت دیا جائے کپڑا بننےکےلئے اور اجرت اسی بنے ہوئے کپڑے کےنصف کو قرار دیا جائے اور دلیل عرف عام کو قرار دیا ہے اسی طرح مشائخ بلخ تعامل ناس کی بنیاد پر اس صورت کےجواز کا فتوی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تعامل ناس کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسا کہ آرڈر کی بیع میں)۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''صحیح البخاری '' میں بعض تابعین ابراہیم نخعیؒ، ابن سیرینؒ، عطاءؒ، حاکمؒ، امام زہریؒ اور حضرت قتادہؒ کی طرف اس اجارہ کے جواز کے قائل ہونے کی نسبت کی ہے۔

صاحب ''بنایہ '' علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

''وفی صحیح البخاری:قال إبراہیم، وابن سیرین، وعطاء والحاکم والزہری وقتادۃ رحمہم اللہ:لا بأس أن یعطی الثوب بالثلث والربع ونحوہ'' (البنایہ شرح الہدایہ ٢٩٦،١٠)۔

اور صاحب ''بنایہ '' نے ابن قدامہ حنبلیؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ امام احمدؒ نے

حضرت جابرؓ کی حدیث سے اس صورت اجارہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

''واحتج أحمد بحدیث جابر أن النبیﷺ أعطی خیبر علی الشطر'' ۔

اور علامہ عینی کا رجحان بھی اس صورت اجارہ کے جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

''والمصنف لم یقم دلیلاً علی ما ادعاہ من الفساد سوی أن المستاجر عاجز عن تسلیم الأجر، وہو بعض المنسوج أو المحمول، وحصول بفعل الأجیر فلا یعد ہو قادر بفعل غیرہ، وہذا لا یعول، فإن المزارع یأخذ جزءاً من الخارج، والمضارب جزءاً من الربح والمعنی المذکور موجود فی کل منہما، بل ہذا أولی بالجواز من المضاربۃ والمزارعۃ، فإن الذی یأخذ منہ الجزء ہنا محقق الوجود وہناک معدوم علی خطر الوجود لم یکن ہذا لمعنی مانعاً من جواز المزارعۃ والمضاربۃ، فہنا أحق وأولی أن لا یمنع'' (البنایہ ۲۹۷،۱۰)۔

علامہ عینی کی اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے اس قسم کے اجارہ کے فساد کی جو علت ذکر کی ہے کہ مستاجر وقت عقد میں اجرت کے سپرد کرنے سے عاجز ہے بعینہ یہی علت عقد مضاربت اور مزارعت میں بھی پائی جاتی ہے، اس لئے کہ مضارب نفع کا ایک حصہ لیتا ہے اور مزارع پیداوار کا جب کہ عقد کے وقت نہ تو نفع موجود ہوتا ہے اور نہ ہی پیداوار، لہذا جب یہ دونوں عقد جائز ہیں تو عقد اجارہ کی مذکورہ صورت بھی جائز ہوگی۔

الغرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور آج عموم بلوی اس بات میں ہے کہ امت مسلمہ اجیر کے عمل کے نتیجے میں جو چیز حاصل ہوتی اسی کے بعض حصے کو اس اجیر کی اجرت قرار دیتی ہے۔

لہذا اس وقت اگر قول اول پر فتوی دے کر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو امت کے اکثر افراد گنہ گار قرار پائینگے۔

اور اگر دوسری رائے کو اختیار کیاجائے تو اس میں امت کے لئے سہولت اور آسانی کا سامان پیدا ہوجائے گا۔

مذہب احناف میں عموم بلوی کی بنیاد پر خفت والے قول کو اختیار کرنے کی نظیریں موجود ہیں۔

مثلاً خفین میں اگر ایسی نجاست لگ جائے جس میں جرم ہوتا ہے اور پھر وہ نجاست سوکھ جائے تو اس کو زمین سے رگڑ کر صاف کردینے سے خفین پاک ہوجاتا ہے، لیکن حضرت امام محمدؒ ایک زمانہ تک اس بات کے قائل تھے کہ خفین پاک نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو دھویا نہ جائے لیکن جب مقام ''ری '' میں تشریف لے گئے او روہاں گوبر کی کثرت دیکھی تو قول اول سے رجوع فرمالیا، بلکہ اس مسئلہ میں اتنی وسعت فرمادی کہ اگر ربع ثوب سے زیادہ بھی گوبر لگ جائے تو بھی اس کے ساتھ نماز درست ہوجائے گی اور

پھر بعد کے فقہاء نے امام محمدؒ کے اسی قول پر بخاری کی مٹیوں کو بھی قیاس کیا اور اس کی مقدار کثیر کوبھی عفو قرار دیا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''وإذا أصاب الخف نجاسۃ لہا جرم کالروث والعذرۃ والدم والمنی فجفت فدلکہ بالأرض جاز، وہذا استحسان، وقال محمدؒ :لا یجوز، وہو القیاس، إلا فی المنی خاصۃ'' (ہدایہ۱،۷۲)۔

پھر آگے (صفحہ ۷۶) پر تحریر فرماتے ہیں:

''وعن محمدؒ أنہ لما دخل الریّ، ورأی البلوی أفتی أن الکثیر الفاحش لا یمنع أیضاً (أی لا یمنع جواز الصلوۃ ، بنایہ) وقاسوا علیہا طین بخارا وعند ذلک رجوعہ فی الخف یروی''۔

لہذا واسطہ بننے والے لوگ اگر حاصل شدہ رقم کے ایک حصہ کو بطور اجرت کے لینے کا معاملہ کریں تو عموم بلوی کی بنیاد پر بندہ کے نزدیک بھی یہ معاملہ جائز ہوگا۔

لیکن اگر وہ پہلے سے اجرت طے نہ کریں اور حکومت کی طرف سے رقم مل جانے کے بعد اپنی مرضی سے اسکے ایک حصہ کو لے لیں تو یہ جائز نہ ہوگا، بلکہ وہ اس وقت اجرت مثل کے مستحق ہونگے چونکہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

(۹) رشوت لینا اور دینا دونوں گناہ کبیرہ ہے۔

''ابوداؤد شریف '' کی حدیث ہے:

''لعن رسول اللہﷺ الراشی والمرتشی'' (ابوداؤد۲،۱۴۸ باب فی کراہیۃ الرشوۃ)

(یعنی رسول اللہﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے)۔

اس لئے حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم یا قرضوں کی حصولیابی کے لئے رشوت دینے سے بچنا ضروری ہے۔

لیکن اگر رشوت دیئے بغیر ان کی حصولیابی انتہائی دشوار ہو تو ایسی صور ت میں فقہاء رشوت دینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین تحریر فرماتےہیں:

''ولا بأس بالرشوۃ إذا خاف علی دینہ، قال الشامی:عبارۃ المجتبی لمن یخاف، وفیہ أیضاً:دفع المال للسلطان لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ وللاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (رد المحتار ۶،۴۲۶ الحظر والاباحۃ)۔

صاحب بلوغ الامانی فرماتے ہیں:

''فأما ما یعطی توصلا إلی أخذ حق أو دفع ظلم فغیر داخل فیہ'' (بلوغ الامانی علی الفتح الربانی ۱۵،۷۰) (یعنی جو کچھ اپنے حق کو حاصل کرنے یا ظلم کو دفع کرنے کے لئے دیا جاتا ہے وہ رشوت دینے میں داخل نہیں ہے)۔

صاحب ''البحر الرائق ''فرماتے ہیں:

‘‘ومنہا إذا دفع الرشوۃ خوفاً علی نفسہ أو مالہ فہو حرام علی الآخذ غیر حرام علی الدافع، وکذا إذا طمح فی مالہ فرشاہ ببعض المال’’ (البحر الرائق ۳۸۵،۶)۔

فقہاء کرام کی ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہے کہ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، بلکہ علامہ شامی اور صاحب بلوغ الامانی کی عبارتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رشوت کے تحت آتا ہی نہیں ہے۔

(۱۰) حکومت کی طرف سے امدادی رقوم یا قرض کے حاصل کرنے کے لئے جو شرائط ومعیارات متعین ہوں اس میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقے سے امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا درست نہ ہوگا امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ ‘‘إنما أنا بشر وأنتم تختصمون إلیّ ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجتہ من بعض فأقضی لہ علی نحو ما أسمع منہ فمن قضیت لہ بشئی من حق أخیہ، فلا یأخذنّہ، فإنما أقطع لہ قطعۃ من النار’’ (رواہ البخاری ومسلم)۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اس ارشاد میں واضح فرمادیا کہ اگر امام یا قاضی یا امام المسلمین کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کردے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو تو عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوجاتا (معارف القرآن ۴۶۱،۱)۔

نیز ارشاد خداوندی ہے: ‘‘فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنوا قول الزور’’ (سورۃ الحج: ۱۴) (یعنی بچو بت پرستی کی نجاست سے اور بچو جھوٹ بولنے سے)۔

لیکن اگر حکومت کی طرف سے جو شرائط اور معیارات لگائے گئے ہوں وہ مبنی پر تعصب اور خلاف شرع ہوں تو پھر اس کا ذکر کسی معتبر عالم دین سے کرکے ان کے بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کیا جائے۔

(۱۱) اگر تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے، او ر اس پر عائد ہونے والے انٹرسٹ کو مستقرض پر نہیں لادتی، بلکہ مکمل انٹرسٹ کو حکومت خود اپنی طرف سے ادا کرتی ہے تو اس اسکیم کے تحت قرض حاصل کرنا جائز ہوگا اور اگر انٹرسٹ کا کچھ حصہ حکومت مستقرض سے بھی ادا کراتی ہے تو اس صورت کے سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس قسم کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہوگا، دوسری قرض کی حرمت کے دلائل تفصیل کےساتھ گذر چکے ہیں۔

(۱۲) اس اسکیم سے فائدہ حاصل کرنا مستحقین کے لئے جائز ہوگا، اس لئے کہ غیرمسلم حکومت فروعات کی مکلف نہیں ہے۔

سرکاری قرضوں پر لیا جانے والا معمولی سود اور سروس چارج

مفتی محمد فلاحی•

(۲-۱)معافی والے قرضے:

مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے فتاوی میں اس کی صراحت کی ہے کہ حکومت کی تر قیاتی اسکیموں کے متعلق قرضوں کی حیثیت عام ضرورتوں کے تحت لئے جانے والے قرضوں سے مختلف ہے، جیساکہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے ترقیاتی قرضو ں میں حکومت کا اصل مقصود کمانا نہیں ہوتا، بلکہ عوام کےلئے بنیادی ضرورتوں اور روزگارکی فراہمی اور معاشرہ کی فلاح و صلاح مقصود ہوتی ہے ،اس لئے اگر حکومت کسی قرض پر چھوٹ دیتی ہے ،اور اس پر سودبھی عائد کرتی ہے ، اور اس چھوٹ کا تناسب سود میں اداکی جانے والی رقم سے کم یا اس کے مساوی سے تو قرض کی یہ شکل شرعاً جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں قرض میں لی ہوئی رقم سے زیادہ دینا نہیں پڑتا ، گویا یہ حکومت کی طرف سے ایک قسم کی امداد ہے،نیز اس پر سود اور ربوا کی تعریف بھی صادق نہیں آتی، کیونکہ سود کا تحقق اس وقت ہو گا جب ایک طرف سے ایسی زیادتی ہو کہ دوسری طرف اس کا کوئی عوض نہ ، اس لئے یہ صورت سود میں داخل نہ ہوگی ۔

''لأن الربا ہو الفضل الخالی عن العوض ، وحقیقۃ الشروط الفاسدۃ ہی زیادۃ مالا یقتضیہ العقد ولایلائمہ ، فیکون فیہ فضل خال عن العوض وہوالربا بعینہ'' (رد المحتار: ۳۹۹/۷ ، باب الربا ، ط: دار المکتب العمیۃ بیروت)۔

''وہو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال'' (الفتاوی الہندیۃ: ۱۱۷/۳، الفصل السادس فی تفسیر الربا ط: دارالکفر)۔

''الربا ہو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضہ الخالی عن عوض شرط فیہ'' (الہدایۃ۶۱/۳،باب الربا،ط:دار احیاء التراث العربی)۔

''وفی الشرع فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال'' (البنایۃ: ۲۶۰/۸ ، باب الربا، ط ؛ دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

(۳)معافی والی قرضے جس میں زیادتی کاطالبہ ہو:

سودی معاملہ اور سودی لین دین پر قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں ، اس لئے جیسے سود لینا گناہ ہے ، اسی طرح سود دینا بھی، یعنی سودی قرض حاصل کرنا بھی

• خادم دار الافتاء والارشاد جامع مسجد ممبئی۔

گناہ ہے، اصل اہمیت شرح سود کے کم اور زیادہ ہونے کی نہیں ہے ، بلکہ فی نفسہ سود کے لین دین کی ہے ، نیزشریعت نے مالی لین دین کے معاملہ میں ایسی زیادتی جس کے مقابلہ میں کو ئی عوض نہ ہو ، ربا قراردیا ہے ، اس لئےعام حالات میں سودی قرض کی صورت مینکل رقم کی واپسی کے ساتھ زیادہ رقم ادا کرنی پڑے ، تو یہ زیادہ رقم سود میں شامل ہو کر حرام ہوگی ، ارشادِ خداوندی ہے:

''وأحل الله البيع وحرم الربا'' (البقرة: ۲۷۵) اور اللہ نے تجارت کو حلال قراردیا ہے اور سود کو حرام۔

حدیثِ رسول ﷺ میں ہے:

''عن جابرؓ قال:لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء'' (صحيح مسلم ، باب لعن آكل الربا و موكله ، حديث نمبر: ۱۵۹۸)۔

''فمن الربا ماهو بيع ، ومنه ماليس بيع وهو ربا أهل الجاهلية وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض'' (احكام القرآن للجصاص: ۵۶۹/۱، تحت آیۃ ''وحرم الربا'' ط: دار الكتب العلمية)۔

''كل قرض جر نفعا حرام أى إذا كان مشروطا'' (رد المحتا ر: ۳۹۵/۷، كتاب البيوع ، باب المرابحة و التولية، ط: دار الكتب العلمية)۔

''وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر:أجمعو ا على أن المسلف إذا شرط على المستلف زيادة أو هدية، فأسلف على ذلک أن أخذ الزيادة على ذلک ربا، قال رسول الله ﷺ:كل قرض جر منفعة فهو ربا'' (اعلاء السنن: ۴۹۶/۱۴،كتاب الحوالة ، باب كل قرض جر منفعة، ط: ادارة القرآن كراچی)۔

''كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف...الفضل المشروط فى القرض ربا محرم لايجوز للمسلم من أخيه المسم أبدا، لإجماع المجتهدين على حرمته'' (اعلاء السنن: ۵۱۸/۱۴،رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا،ط: ادارة القرآن كراچی)۔

جیسا کہ معلوم ہوا کہ عام حالات میں تو سودی قرض لینا شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جس طرح سود لینا حرام ہے ، اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے ، البتہ اگر حالات ایسے ہیں،جن کو شریعت حاجت و ضرورت سے تعبیر کرتی ہے ،جن حالات میں حرام اشیاء کے استعمال کی شرعاً اجازت ہوتی ہے یاجن میں احکام کے اند ر تخفیف ہو جاتی ہے تو پھر ایسی اضطراری اور حد درجہ کی مجبوری کی صورت میں بقدرِمجبوری اور بدر جۂ مجبوری سودی قرض لینے کی اجازت ہو سکتی ہے ، اور ضرورت سے زیادہ لینا درست نہ ہوگا،''الاشبا ہ والنظائر '' میں ہے:

وفى القنية والبغية:يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، وفى الحموى قوله:يجوز للمحتاج

الاستقراض بالربح، وذلک نحو أن یقترض عشرة دنانیر مثلا ویجعل لربها شیئا معلوما فی کل یوم ربحا " (الاشباہ والنظائر مع الحموی، ص: ۳۲۷، الفن الاول ...القاعدۃ الخامسۃ، الضر یزال، ط: مکتب فقیہ الامت دیوبند،نیز دیکھئے:فتاوی رحیمیہ ۶/۱۳۵،۱۳۶، ط:مکتبہ اردو بازار لاہور، کتاب الفتاوی:۵/۳۱۱،ط:کتب خانہ نعیمیہ دیوبند) ۔

نیز دوسری جگہ علامہ ا بن نجیم مصریؒ قاعدۂ فقہیہ ''ماحرم أخذہ حرم اعطاءہ'' کے ذیل میں ''الرشوۃ لخوف علی مالہ أو نفسہ ''کا استثناء کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''لیکن یہ جواز دینے والے کے حق میں ہے ، رشوت لینے والے کے حق میں ہر حال میں حرام ہے ، بعض لو گوں کو اس فرق پر تنبہ نہ ہو سکا ، اسی طرح منا سب ہے کہ اس سے یہ صورت بھی مستثنی ہو کہ کوئی محتاج شخص سود پر قرض حاصل کر ے کہ یہ بھی حرام نہیں ہے ، جیسا کہ ''البحر الرائق " میں اس کی تشریح کردی گئی ہے ، لیکن قرض دینےوالے کے لئے سودی کی شرط پر قرض دینا حرام ہوگا۔" (الاشباہ والنظائر مع الحموی ، ص: ۴۸۶،۴۸۷، الفن الاول ...النوع الثانی من القواعد ،القاعدۃ الرابعۃ عشرۃ ، ''ماحرم اخذہ حرم اعطاءہ'' ،ط: مکتب فقیہ الامت دیوبند)۔

(۴)غیر معافی والے قرضے جس میں معمولی زیادتی ہو:

جیساکہ معلوم ہوا کہ سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ اور حرام ہے، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پر اؤیٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے ، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار کے لئے قرض فراہم کرتی ہے ،ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے ،اور ہمارابحیثیت شہری ہونے کا اس پر حق ہے ،لہذا جو مسلمان واقعی ضرورت مند ہوں اور کوئی دوسرا شخص بغیر سودی قرض دینے کو تیار نہ ہو ، یا اس کے پاس ایسی کوئی جائداد نہ ہو جسے فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرسکے ، تو ایسی مجبوری اور اضطراری کیفیت میں بقدر مجبوری سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے ، اور جو زائد رقم سود کے نام سے وصول کی جاتی ہے، اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیاجاسکتاہے ، کیونکہ ظاہر ہے کہ بینک یا اس جیسا کوئی ادارہ جو سودی قرض فراہم کرتا ہے ، اسے اپنے نظام چلانے اور عوام کی ایسی ضرورتوں کے پوراکرنے کے لئے وسیع عملہ اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے ،اگر چہ اس کی حیثیت ضمناً ہی ہوتی ہے ، اس لئے یہ زائد رقم انتظامی اخراجات کےلئے بطور اجرت و فیس کہی جاسکتی ہے ،نیز سرکار کامقصد اس طرح کی اسکیم اور مراعات سے سود حاصل کرنا نہیں ہوتا ،بلکہ بے روزگاری دور کرنا مقصود ہوتا ہے ، اسی لئے تو بعض اوقات قرض کا کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے ، حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمی ، مولانا برہان الدین سنبھلی ، مولان خالد سیف اللہ رحمانی مولانا عبید اللہ الاسعدی

وغیرہ حضرات کا رجحان اسی طرف ہے ۔

نیز دوسری طرف موجودہ زمانہ میں اسلامی بیت المال ، زکوۃ و صدقات اور غیر سودی قرضوں کا منظم نظام نہیں ہے ، اور نہ ہی کوئی شخص غیر سودی قرض دینے کو تیار ہوتا ہے ،اور سرکاری اسکیموں اور مراعات سے استفادہ میں دیگر قوموں کی طرح مسلمان بھی برابر کے شریک ہیں ، اور ظاہر ہے کہ سرکاری اسکیموں اور مراعات کے حصوں میں سوددینا ہی وسیلہ ہے ، تو ایسی صورتِ حال اور مجبوری کے درجہ میں زائد رقم کو اس رشوت کی حیثیت دی جائے جو اپنا حق وصول کرنے کے لئے دی جاتی ہے (دیکھئے:منتخبا ت نظام الفتاوی:۱/۲۱۸ ، بنک انشورنس اور سرکاری قرضے ،ص: ۲۱۲، ط: دارالکتاب دیوبند ، کتا ب الفتاوی: ۵/۳۷۸ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ، جدید فقہی تحقیقات: ۲/۵۰۰ ، ط: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)۔

(۵) غیر معافی والے قرضے جس میں زیادتی کا مطالبہ ہو:

اس کا جواب سوال نمبر ۳ میں گذرچکا ہے کہ سود کی حرمت منصوص اور قطعی ہے اور سودی لین دین پر نصوص میں سخت وعیدیں بھی وارد ہوئی ہے ، نیز جیسے سود لینا گناہ ہے اسی طرح سود دینا بھی یعنی سودی قرض حاصل کرنا بھی گناہ ہے ، اصل اہمیت سود کے کم اور زیادہ ہونے کی نہیں ہے ، بلکہ فی نفسہ سودکے لین دین دی ہے ، اس لئے سودی قرض کی صورت مینکل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم اداکرنی پڑے تو یہ زیادہ رقم بھی سود میں شامل ہو کر حرام ہوگی ، البتہ مجبوری میں سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے ، اس لئے اگر کسی کے پاس ضروریاتِ زندگی کی چیزیں نہ ہو اور بقدرِضرورت ان چیزوں کے حصول کےلئے رقم بھی موجود نہ اور نہ ہی غیر سودی قرض حاصل ہوسکتا ہو ، تو اسی قدر سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے ،کہ ضروریاتِ زندگی سے محروم بے روزگار شخص اپنی ضرورت کے بقدر ضرورت پوری کر سکے ۔

البتہ اگر کسی شخص کےپاس اپنی ضرورت کے بقدر رہائش کی سہولت نہ ہو اور اتنا پیشہ بھی نہ ہو کہ مکان بنا سکے ، یا کوئی نوجوان بے روزگار ہو اورضروری حد تک روزگار کےلئے اس کو وسائل مہیا نہ ہو ،یا کسی کو کاشتکاری وباغبانی کی ضرورت در پیش ہو ،اور اس کے لئے آلاتِ زراعت مثلا ٹیرکٹر، ٹیوب ویل یا دیگر ضرورت کی چیزوں کےلئے پیسہ میسر نہ ہوتواس کےلئے حکومت کی ان اسکیموں سے فائدہ اٹھانےکی گنجائش ہوگی،اوراس پر جو سود اداکرنا پڑرہا ہےتوانشاء اللہ وہ عنداللہ اس سلسلہ میں معذورسمجھاجائے گا،اصلاًسودکامجبوری کے بغیر دینا بھی گناہ ہے،لیکن دوسرے اشخاص یابینکوں کے مقابلہ حکومت کوسود اداکرنے کامعاملہ نستباً خفیف ہے، کیونکہ بے مکانوں کومکان فراہم کرنااوربے روزگاروں کےلئے روزگارکے مواقع فراہم کرنااورکاشتکاروں

کوضروری سہولت فراہم کرناحکومت کی ذمہ داری ہے،لہٰذا ان مقاصد کے لئے حکومت جو قرض دے رہی ہے،اگرکوئی شخص قرض کی شرائط کوپوراکرتاہوتووہ واقعی اس کاحقدار ہے،اوراس پر سود اداکرنا اپنے جائز حق کو وصول کرنے کے لئے مجبوراً رشوت اداکرنے کے مماثل ہے جس کی اجازت دی گئی ہے۔

مذکورہ صورت میں یہ تاویل بھی کی جاسکتی ہے کہ ایسے قرضے جن میں حکومت نبیادی طورپر ضرورت مندوں کو نقدرقم فراہم کے بجائے ضرورت کے مطابق مکان کی تعمیر،بے روزگارونکوروزگاربنانے،کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات کی چیزیں فراہم کرتی ہے،اوراس کے ساتھ کام چلانے کے لئے کچھ رقم نقد بھی دیتی ہے،وہ عام سودی قرضوں کے تحت نہیں آئیں گے،اس لئے کہ واپسی میں جو زیادتی دی جائے گی اس میں دوباتیں ہیں:

ایک تویہ ہے ہم نے حکومت سے پیسہ لے کر چیزیں نہیں خریدی،بلکہ حکومت نے خرید کر دی،اب اگروہ اپنی دی ہوئی رقم پرزائد رقم لیتی ہےتوگویاوہ مشین کی قیمت لیتی ہےاورہر شخص کو اپنی خریدی ہوئی چیزوں کو نفع کے ساتھ بیچنے کاحق ہے،جسے بیع مرابحہ کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جو زائد رقم دی جائے گی توظاہر ہے کہ حکومت کواپنا نظام چلانےاورعوام کی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے وسیع عملہ اوردیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے ،اس لئے یہ زائد رقم انتظامی اخراجات کے لئے بطوراجرت وفیس کہی جاسکتی ہے،یہی رائے حضرت مولانامفتی نظام الدین اعظمی ،مولانابرہان الدین سنبھلی،مولاناابوالحسن علی(شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا)، مولانا خالد سیف اللہ رحما نی اورمو لانا عبیداللہ الاسعدی وغیرہ حضرات کی ہے (دیکھئے: نظام الفتاویٰ:۱/۴۷۲ ،بینک انشورنس اورسرکاری قرضے، ص:۱۲۱، ط:دارالکتاب دیوبند،کتاب الفتاویٰ:۱/۴۶،ط:کتب خانہ نعیمیہ دیوبند،جدیدفقہی تحقیقات:۲ /۲۳۳و ۵۰۰، ط:کتب خانہ نعیمہ دیوبند)۔

(۶)سرکاری امداد :

ترقیاتی منصوبوں کے پیشِ نظر حکومت سے مکمل امدادکے طوپر جورقم ملاکرتی ہے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ حکومت اپنےخزانے میں جورقم رکھتی ہے وہ بلاتفریقِ مذہب تمام شہریوں کے لئے ہوتی ہے،گویااس کے ساتھ جس طرح غیر مسلموں کاحق متعلق ہے اسی طرح مسلمانوں کابھی حق وابستہ ہے،نیز حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب ''گورنمنٹ کی امدادلینا کیساہے ''اس کے جواب میں تحریرفرماتے ہیں:

صورتِ مسئولہ میں سرکار کی طرف سے جو رقم ملتی ہے وہ سرکاری امدادہے، وہ لی جاسکتی ہے (فتاویٰ رحیمیہ:۳/۲۰۵، ط:مکتبہ رحیمیہ اردوبازار لاہور)۔

نیز حضرت مولانا سلمان منصور پوری صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ بچی کے پیدائش پر جو رقم حکومت کی طرف سے ملتی ہے ،وہ سب حکومت کی جانب سے عطیہ ہوگا اور یہ پوری رقم اس کے لئے حلال ہے (کتاب النوازل:۱۱/۲۹۳،ط:المرکزالعلمی للنشروالتحقیق لال باغ مرادآباد)۔

(۷،۸)سرکاری امداد میں محنتانہ لینادینا:

یہ ایک حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کاجوبھی کام ہوچاہے سرکاری مراعات ہو،یاقانونی پیپر،ان کوحاصل کرنے یابنانے کے لئے کافی جدوجہداور دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے،جس کےلئے کافی وقت بھی درکارہوتاہے،اوران کے حصول کے لئے ایک حد تک معلومات بھی ضروری ہوتی ہے،اورخرچہ بھی ہوتاہے، بعض افراد اس قسم کے امور انجام دیتے ہیں،وہ کبھی اپنی مطلوبہ محنتانہ کے لینے دینے کامعاملہ کرتے ہیں،یاپھر حاصل شدہ رقم کاایک حصہ لینے دینے کا معاملہ کرتےہیں،اس کی شرعاًگنجائش ہے،جیساکہ کمیشن کی اجازت ہے،البتہ اگرمعاملہ پہلے سے طے ہوجائے کہ میں آپ کایہ کام کروں گا،لیکن اتنا پیسہ یا اتنافیصد لوں گا،تویہ معاملہ اجرت کابن جائے گااورشرعاًبھی درست ہوگا،کیو نکہ یہ متعین عمل پر اجرت ہے،نیز حضرت تھانویؒ ''کسی کادین اس شرط کے ساتھ وصول کرناکہ اس کاثلث بطورمحنتانہ دیاجائے ''کے جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ شخص اجیر ہے،لہذا تنخواہ متعین ہوناچاہیے،خواہ ماہانہ خواہ یکمشت '' (امدادالفتاویٰ:۳/۳۹۲، ط،مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

نیزحضرت مولانا مفتی رشید صاحب نے ''ڈرائیونگ لائسنس بنوانے کی اجرت ''کو جائز قراردیاہے،کیونکہ وہ بھاگ دوڑ اورمحنت کی اجرت لیتاہے '' (فتاوی رشیدیہ: ۷/۳۳۳، ط:بنگلہ اسلامی اکیڈمی)۔

نیز حضرت مفتی سلمان صاحب منصورپوری دامت برکاتہم نے بھی گاڑی کارجسٹریشن کرانے پربطورمحنتانہ لینے کوجائز قرار دیاہے (کتاب النوازل: ۱۲/۳۶۹، ط:المرکزالعلمی للنشروالتحقیق لال باغ مرادآباد)۔

لہٰذامذکورہ دونونصورتوں(سوال نمبر:۷،۸)میں محنتانہ لینادینا ،یاپھرحاصل شدہ رقم کاایک حصہ بطورِ محنت لینادینا شرعاًدرست ہے اوریہ معاملہ اجارہ کا ہے ،اس لئے پہلے سے اجرت کامتعین اورمعلوم ہوناضروری ہے،تاکہ نزاع کااندیشہ نہ ہو،حدیثِ رسول ﷺ ہے:

''عن أبي سعيد الخدري أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره'' (مسند احمد:۱۸/۱۱۶)۔

اجارہ میں اجرت کامعلوم اورمتعین ہونے کوشرط میں ذکر کرتے ہوئے درمختار میں منقول ہے:

''وشرطها:کون الاجرة والمنفعة معلومتین لأن جهالتهما تفضی إلی المنازعة'' (الدرمع الرد:۹/۷،کتاب الاجارة،ط:دارالکتب العلمیة)۔

ہدایہ میں مذکورہے:

''الإجارة عقد یرد علی المنافع بعوض...ولا تصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة...وتارة تصیرالمنفعة معلومة بالتعیین'' (الهدایة مع البنایة:۲۲۱/۱۰،۲۲۶،۲۳۱،کتاب الاجارات ،ط:دار الکتب العلمیة)۔

علامہ شامی بزازیہ میں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''إجارة السمسار والمنادی والحمای والصکاک ومالایقدر فیہ الوقت ولاالعمل تجوز لماکان للناس بہ حاجة ویطیب الأجرالمأخوذ لو قدر أجر المثل''(ردالمحتار:۹/۶۴،کتاب الاجارة،باب الاجرة الفاسدة ط:دارالکتب العلمیة)۔

نیز علامہ شامی تاتار خانیہ کے حوالہ سے دلال سے متعلق نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وفی الدلال والسمساریجب أجر المثل وما تواضعوا علیہ أن فی کل عشرة دنانیر کذا فذاک حرام علیهم، وفی الحاوی،سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار ،فقال:أرجو أنہ لابأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسد الکثرة التعامل وکثیرمن هذا غیرجائز فجوزه لحاجة الناس إلیہ کدخول الحمام'' (ردالمحتار:۹/۸۷،کتاب الاجارة،باب ضمان الاجیر،ط:دارالکتب العلمیة)۔

(۸)رشوت :

آج کل رشوت کاچلن بڑی شدت سے رائج اورجاری وساری ہے،حالانکہ رشوت ایک خطرناک جرم ہے جو معاشرہ میں ہزارہابرائیوں اورمشکلات کوجنم دیتی ہے،قوم کوکھوکھلاکردیتی ہے ،اخلاقی قدروں کوپامال کردیتی ہے، اورزندگی سے برکت کوختم کردیتی ہے، اسلئے اسلام نے رشوت خوری کو بہت شدت سے منع کیاہے،اسی لئےرشوت کالینا دینا دونوں حرام ہے،نصوصِ صریحہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

باری تعالیٰ کاارشاد ہے: سمعون للکذب أکلون السحت(المائدة: ۴۲)۔

مذکورہ آیت میں ''السحت''سے مراد رشوت ہےجیساکہ حضرت حسن ،مقاتل، قتادہ، ضحاک اورابن مسعود کاقول ہے،تفسیر بغوی میں منقول ہے:

''فالسحت هو الرشوة فی الحکم علی قول الحسن ومقاتل وقتادة والضحاک وقال ابن مسعود:هو الرشوة فی کل شیء'' (التفسیر البغوی:۳۱/۲،المائدة:۴۳،ط:دارالکتب العلمیة)۔

حدیثِ رسول ﷺ ہے:

''لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی'' (ابودائود، کتاب القضاء، باب فی کراہیة الرشوة: ۳۵۸۰)۔

نیزرشوت کاسب سے زیادہ چلن سرکاری ونیم سرکاری دفاتر ،محکموں اورصنعتی

وتعلیمی ترقی وغیرہ جگہوں میں عام ہے ،اوریہ جگہ ایسی ہے جہاں ایک نیک ، دیندار اورصلاحیت کے حامل شخص کو بھی اپنا حق حاصل کرنے کے لئےرشوت کاسہارالینا پڑتاہے، کیونکہ اگروہ رشوت نہیں دیتے ہیں تو وہ اپنے حق سے محروم رہ جائینگے توایسے معاملات میں جہاں اپناحق حاصل کرنے کے لئے بہ جبرواکراہ رشوت دینی پڑتی ہے،اس لئےفقہاء نے دفعِ ظلم اوراپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے بحا لتِ مجبوری رشوت دینے کی اجازت دی ہے،لیکن رشوت لیناتوبہرحال حرام ہےکیونکہ رشوت کالیناورنہ لیناپنے اختیار کی چیز ہے، چنانچہ ابودائود کی مذکورہ حدیث کے ذیل میں صاحبِ ''بذل المجھود'' فرماتےہیں:

''فأما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہ ظلما، فإنہ غیر داخل فی ھذا الوعید'' (بذل المجھود:۱۴۵/۱۵،کتاب القضاء،باب فی کراھیۃ الرشوۃ ،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

''أنہ یجوز أن یرشی من کان یتوصل بالرشوۃ إلی نیل حق أودفع باطل'' (نیل الاوطار:۱۷۳/۹،کتاب الاقضیۃ والاحکام،باب نھی الحاکم عن الرشوۃ،ط:دارالحدیث مصر)۔

علامہ شامی فرماتےہیں:

''ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع، حرام علی الآخذ'' (ردالمحتار:۳۵/۷،کتاب القضاء،مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والھدیۃ،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (ردالمحتار:۶۰۷/۹،کتاب الحظر والاباحۃ،فصل فی البیع،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

علامہ ابن نجیم مصری ''البحرالرائق ''میں رقمطراز ہیں:

''...ومنھا إذا دفع الرشوۃ خوفا علی نفسہ أو مالہ، فھو حرام علی الآخذ، غیر حرام علی الدافع'' (البحرالرائق:۲۸۵/۶، کتاب القضاء، اخذالقضاء بالرشوۃ،ط:دارالکتاب الاسلامی)۔

صاحبِ ہدایہ فراماتےہیں:

''دفع الرشوۃ لدفع الظلم أمر جائز'' (الھدایۃ مع البنایۃ۱۰/۵، کتاب الصلح، الصلح مع الاقرار،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

(۱۰)امدادی رقوم کے حصول میں غلط بیانی سے کام لینا:

امدادی رقوم یاقرض گورنمنٹ نے غربت کی ایک خاص سطح پر زندگی بسر کر نے والوں کے لئے جاری کیاہے،لہٰذا گورنمنٹ جن شرائط کے ساتھ امدادی رقوم یاقرض دے رہی ہے اگرکسی شخص کے اندر وہ شرطیں مفقود ہوں تو اس کے لئے اس طرح امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنااوراس سے فائدہ اٹھانادرست نہیں ہے،کیونکہ انہیں جو سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں،اس کابوجھ عوامی خزانہ پرڈالاجاتاہے،توگویایہ نہ صرف

گورنمنٹ سے جھوٹ اوردھوکہ کامعاملہ ہے، بلکہ عام لوگوں کی کمائی ہوئی گاڑھے پیسے کی رقم کواپنے استعمال میں لینا ہے،اوراس کے لئے جھوٹ اوردھوکہ کاسہارا لیا جارہا ہے، اورجھوٹ بولنا اوردھوکہ دینا کبیرہ گناہوں میں ہے،رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایاکہ جھوٹ انسان کو برائی کی طرف لے جاتاہے ،اوربرائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی جھوٹ بولتاچلاجاتاہے ،یہاں تکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو ''کذاب ''(بہت جھوٹا) لکھ دیاجاتاہے (صحیح البخاری،باب قول اللہ تعالی: یا أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ.وما ینھی، عن الکذب:۶۰۹۴)۔

نیز جھوٹ میں معنوی بد بوبھی ہے،جس سے فرشتہ ایک پل کے فاصلہ تک دورہوجاتے ہیں(سنن الترمذی،باب ما جاء في الصدق والکذب:۱۹۷۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسو ل اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں کو شمار کرتے ہوئے شرک،والدین کی نافرمانی اورقتل کےبعد جھوٹ کاذکر فرمایا (سنن الترمذی،باب ما جاء في التغلیظ في الکذب والزور ونحوہ: ۱۲۰۷)۔

نیز دھوکہ کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایاکہ جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے (سنن الترمذی،باب ما جاء في کراھیة الغش في البیوع: ۱۳۱۵)۔

(۱۱)حکومت کا مقروض کا سود ادا کرنا:

تعلیم انفرادی ضرور ت بھی ہے اوراجتماعی اورعوامی ضرورت بھی ،خاص طورپر مسلمانوں کو موجودہ حالات میں تعلیم پر توجہ دینے کی بہت زیادہ ضرورت ہے،لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دن بدن تعلیم کاحصول گراں بہا اورمہنگاہوتاجارہاہے ،جس کے سبب نہ صرف خطِ غربت سے نیچے زندگی بسرکرنے والوں، بلکہ درمیانی معاشی معیار کے حامل لوگوں کے لئے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کاحصول دشوار ہوتاجارہاہے،اس پس منظرمیں اگر کوئی طالبِ علم کسی خاص نوعیت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کااہل ہواورخود اس کے پاس اتنی رقم نہ ہوتوایسی مجبوری اور اضطراری صورت میں حکومت کی مذکورہ اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے،جیساکہ جواب نمبر ۳؍میں گزرچکا۔

(۱۲)سود کی رقم سے امداد کرنا:

کسی بھی عمل کے درست ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں:ایک یہ کہ اس کی نیت درست ہودوسرے اس کاطریقہ بھی درست ہواورشریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو،تعلیمی ورفاہی اداروں اورافرادواشخاص کے تعاون کی نیت بہت اچھی ہے ،لیکن رقم ڈپازٹ کرکے اس کاانٹرسٹ حاصل کرنا اوراس کے ذریعہ تعاون کرنا اصلاً حرام وناجائز ہے ، لیکن چونکہ ہماری (ہندوستانی)حکومت اسلامی احکامات کے پابند نہیںہے اس لئے

اسلامی احکام ان پر جاری نہیں ہوسکتے ، لیکن حکومت کی مذکورہ اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے حضرات واقعی غریب ،ضرورت مند اورمجبور ہےتوبدرجۂ مجبوری اوربقدرِ مجبوری حکومت کی مذکورہ اسکیم سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے ۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ''کفار جو مال حرام طریقے سے حاصل کریں ''اس کے جواب کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

جواب کاحاصل یہ ہےکہ کفار مخاطب بالعقوبات ومعاملات اگرچہ ہے، لیکن حکم بالحرمۃ والفساد کے لئے خطابِ عام کافی نہیں بلکہ التزام بھی شرط ہے ، اہلِ حرب نے تواحکامِ اسلام کاالتزام بالکل نہیں کیا، نہ اپنے معتقد کے موافق میں اورنہ مخالف میں ،لہٰذا وہ تو جس طرح بھی روپیہ کمائیں خواہ رباسے ، خواہ غصب سے ،خواہ بیوعِ باطلہ وفاسدہ سے ،خواہ اپنے مذہب کےموافق، خواہ مخالف طریق سے بہر صورت وہ روپیہ وغیرہ ان کی ملک میں داخل ہوجائے گا اورمسلمان کو تنخواہ میں لینا اس کاجائز ہے (امدادالاحکام ۴/۳۹۰، ط:دارالعلوم کراچی)۔

نیز مولانااشرف علی تھانویؒ ''تقسیمِ انعام از رقم سود در بعضے اسکول ''کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس آمدنی سے انعام وغیرہ جودیاجاتاہے لینا جائز ہے ...(امداد الفتاویٰ۳/۱۶۴، ط:دارالعلوم کراچی)۔

سرکاری اسکیموں سے استفا دہ کی چند شکلیں اور احکام

مولانا رحمت اللہ ندوی•

سرکاری خزانہ سے حق انتفاع:

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اصولاً جمہوری حکومتوں کی آمدنی سے اس ملک کے عوام ہی منتفع ہوتے ہیں اور جو ذمہ داریاں جمہوری حکومت پر (قرض کی ادائیگی سود وغیرہ) عائد ہوتی ہیں، بالواسطہ ان کی ادائیگی بھی عوام پر ہی آتی ہے۔

حکومت کا خزانہ ''عوام کا خزانہ '' ہے، اس لئے پبلک اکاؤنٹ میں ہی ساری رقم جمع ہوتی ہے، البتہ سرکاری خزانہ کا مالک وہ اکائی ہے جو ہندوستان کے شہریوں پر مشتمل ہے، یعنی بہ حیثیت مجموعی قوم (Nation) اس کی مالک ہے، لیکن انفرادی حیثیت میں کوئی فرد اس کا مالک نہیں، لہذا دستور کی رو سے انتظامیہ کو اس کے تصرف کا مجاز بنایا گیا ہے، البتہ ''انفرادی ملکیت '' کے حقوق ''اجتماعی ملکیت '' کے ساتھ اس ملک پر تسلیم شدہ ہیں، اسی طرح اجتماعی کاروبار (Public Sector) کے ساتھ انفرادی کاروبار کی اجازت موجود ہے، اور بعض اوقات اس کی ہمت افزائی بھی کی جاتی ہے۔

دستور ہند کی رو سے ہر شہری کو مقررہ ضوابط کے تحت حق انتفاع سرکاری خزانہ سے حاصل ہے، یہ صورت کہ آدمی کسی چیز کا مالک نہ ہو، لیکن حق متعلق ہوجائے اس کی نظیر مورث کے مرض الموت میں مبتلا ہونے پر اس کے دوتہائی مال میں وارثوں کا حق متعلق ہوجاتا ہے، دوسری نظیر ''وقف علی الاولاد '' ہے کہ کوئی خاص فرد انفرادی طور پر مالکانہ تصرف تو نہیں کرسکتا، لیکن واقف کی تصریحات کے مطابق ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے، اسی طرح مساجد، سڑکیں، نہریں، وغیرہ فلاح عامہ کی چیزیں، شرعی نقطہ نظر سے کسی کی ملک تو نہیں ہوتیں، لیکن حق انتفاع، عوام کا اس سے متعلق ہوجاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ سرکاری خزانہ میں عام شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حق انتفاع حاصل ہے، اس لئے ترقیاتی اسکیموں، مکانات کی تعمیر، تجارتی فروغ، صنعتی ترقی، حرفت کی ہمت افزائی، نیز بے کارو نکو باکار بنانے کے لئے جس قدر حکومت اپنے بجٹ میں رقم رکھتی ہے، ان میں ایک مسلمان شہری کا بھی حق دوسروں کی طرح ہے۔

لیکن حکومت نے اپنے مالیاتی نظام کی بنیاد سود پررکھی ہے، اس لئے مسلمان اپنے

• استاذ دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ۔

حق کی تحصیل کے لئے پیچھے ہٹ جاتا ہے، فاسد نظام کی تبدیلی کی خواہش اور ممکن حد تک عملی جدوجہد ہر مسلمان کا فرض ہے، اگرچہ موجودہ نظام میں ابھی تک اس تبدیلی کا امکان نہیں، لہذا مسلمانوں کے لئے اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے بدرجہ مجبوری سود دینا اور اپنا حق حاصل کرنا، رخصت کے درجہ میں درست ہے، جس طرح علماء نے رشوت لینا اور دینا، دونوں حرام مانا ہے، لیکن ایسی صورت میں، جبکہ جائز حق کا حصول بغیر رشوت دیئے ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں رشوت دینا جائز ہے (مباحث فقہیہ ملخصاً ۴۶۶تا۴۶۸)۔

''سرکاری بینک پر ایک لحاظ سے تمام جمہور کا حق ہے، اور ایک درجہ میں قرض حاصل کرنے کا بھی حق ہے، اس لئے اس سے سودی قرض حاصل کرنے کا معاملہ دوسرے بینکوں کے مقابلہ میں نسبتاً، خفیف اور کمتر ہے '' (جدید فقہی مسائل ۴/۹۰-۹۱)۔

حکومت کی مالیاتی اسکیموں سے استفادہ:

''اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضرورت کے بقدر رہائش کی سہولت نہ ہو، اور اتنا پیسہ بھی نہ ہو کہ مکان بناسکے، یا کوئی نوجوان بے روزگار ہو اور ضروری حد تک روزگار کے لئے اس کو وسائل مہیا نہ ہوں، تو اس کے لئے حکومت کی ان اسکیموں سےفائدہ اٹھانا درست ہے، اور اس پر جو سود ادا کرنا پڑے گا، انشاء اللہ وہ عند اللہ اس سلسلہ میں معذور سمجھا جائے گا، سود کی مجبوری کے بغیر دینا بھی گناہ ہے، لیکن دوسرے اشخاص یا بینکوں کے مقابلہ میں حکومت کو سود ادا کرنے کا معاملہ نسبتاً خفیف ہے، کیونکہ بےمکانوں کو مکان فراہم کرنا اور بے روزگاروں کے لئے روزگار کے مواقع مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے '' (کتاب الفتاوی۱۰/۶۴)۔

دلائل ونصوص شرعی سے مؤید اور قلب وضمیر کے لئے باعث طمانیت رائے یہی ہے کہ سود دلینا اور دینا، اگرچہ دونوں حرام ہیں، مگر حرمت اور قبح پہلے (سود لینے) میں لعینہ (بذات خود) ہے، جبکہ دوسرے (دینے میں) لغیرہ ہے، پہلی صورت میں دراصل مال غیر ناحق کھانا ہے:''ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل'' (بقرہ: ۱۸۸)۔ تو دوسری صورت میں پوری سوسائٹی میں قساوت، سنگ دلی، اور معاشی لوٹ کھسوٹ ہے، ''ثم قست قلوبكم من بعد ذلک فہی کالحجارة أو أشد قسوة'' (سورہ بقرہ: ۷۴) کا مصداق بنانا ہے (مباحث فقہیہ۴۶۲ ملخصاً)۔

ضرورت اور مشقت کا اعتبار کب؟

واضح رہے کہ ''المشقة تجلب التيسير'' قاعدہ فقہیہ کے تحت مشقت وحرج انہیں مواقع پر معتبر ہے، جہاں کوئی حکم منصوص موجود نہ ہو، موضع نص میں عموم بلوی کا اعتبار شرعاً نہیں کیا گیا ہے (ایضاً۴۶۳)۔ ''المشقة والحرج إنما يعتبر فی موضع لا نص فيہ'' (الاشباہ والنظائر لابن نجیم، قاعدہ رابعہ، فائدہ ثالثہ، ص ۲۴۸)۔

اسی طرح فقہی قاعدہ ‘‘الضرر یزال ’’ جس کی بنیاد حدیث نبویﷺ ‘‘لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام’’ ہے اور اس قاعدہ کلیہ سے مختلف ضمنی قواعد متعلق ہیں، مثلاً: ‘‘الضرورات تبیح المحظورات’’ اور ضرورت کی تفصیل کرتے ہوئے حموی نے یہ لکھا ہے کہ یہاں پانچ مدارج ہیں: (۱) ضرورت، (۲) حاجت، (۳) منفعت، (۴) زینت، (۵) فضول (ایضاً، ۲۵۱-۲۵۲، قاعدہ خامسہ، ۵۶۸)۔

ضرورت سے مراد کسی شخص کی احتیاج کا اس حد تک بڑھ جانا ہے کہ اگر اس شئی حرام کا استعمال نہ کرے تو ہلاک یا قریب الہلاک ہوجائے گا، اگر احتیاج اس درجہ کو پہنچ جائے تو شئی حرام کا استعمال مباح ہوجائے گا (ایضاً، حاشیہ ۳، ص، ۲۵۲، مباحث فقہیہ، ص، ۴۶۳)۔

حاجت علی العموم حرام کو مباح تو نہیں کرتی، لیکن کبھی کبھی حاجت چاہے عام ہو یا خاص، ضرورت کے درجہ میں تسلیم کرلی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایسے حاجت مند لوگ جن کے لئے اپنی ضرورت کی تکمیل کا کوئی اور راستہ نہ ہو اور ضروریات بھی ایسی ہیں کہ ئاگر وہ انہیں پورا نہ کریں تو بڑی دشواری میں پڑجائینگے، ان کے لئے فقہاء نے سودی قرض لینا جائز قرار دیا ہے (مباحث فقہیہ، ۴۶۴ بحوالہ الاشباہ وبحر الرائق ۶، ۱۳۷)۔

ضرورت یعنی ایسے حالات میں جب کہ کھانے، کپڑے، علاج وغیرہ کی بنیادی ضرورت کی فراہمی کے لئے سودی قرض کے سوا کوئی چارہ نہ رہے اور فاقہ مستی کی نوبت ہو تو سودی قرض لیناجائزہے۔

حاجت کے تحت بھی یعنی جب سودی قرض نہ لینے کی شکل میں شدید مشقت یا ضرر کا اندیشہ ہوتو بھی سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، جیسے غیرشادی شدہ لڑکیوں کی شادی کے لئے اس پر مجبور ہو، مشقت کی ایسی صورتوں میں جو اجتماعی بن گئی ہوں، حکم نسبتاً زیادہ خفیف ہے، اشخاص وافراد کے لئے سودی قرض کب حاجت بن جاتا ہے اور کب نہیں؟ اس کا اندازہ ان کے شخصی حالات، ان کے علاقے اور خاندان کے معیار زندگی سے کیا جائے گا (حلال وحرام، ۳۷۱-۳۷۲، ضرورت وحاجت کی رعایت اور حدود کے لئے دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص، ۲۸تا۳۵)۔

ضرورت کے استثناء کا مقصد، دفع مضرت:

فقہاء کے یہاں عام قاعدہ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کا لینا جائز نہیں، ان کا دینا بھی جائز نہیں، ‘‘ما حرم أخذہ حرم إعطاءہ’’ البتہ اگر اپنے آپ سے کسی مضرت کے دفع کرنے یا اپنے کسی جائز حق کے حاصل کرنے کے لئے کبھی ضرورت دامن گیر ہو، تو فقہاء نے اس کو اس قاعدہ سے مستثنی کیا ہے، مثلاً: جان ومال کی حفاظت اور سلطان وامیر کو عدل وبرابری پر آمادہ کرنے کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی گئی ہے، چنانچہ فقہاء نے اس

کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے:''الرشوة لخوف علی مالہ أو نفسہ أو لیسوی أمرہ عند سلطان أو أمیر'' اور اسی اصل پر ابن نجیمؒ نے سود لینے اور دینے میں فرق کیا ہے کہ سود لینا کسی طرح جائز نہیں، لیکن حاجت مندوں کے لئے سود دینا جائز ہے، ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' موجودہ حالات میں واقعی بعض دفعہ ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں کہ سودی قرض کا حصول ایک ضرورت بن جاتا ہے (جدید فقہی مسائل۴،۸۵-۸۶، الاشباہ: ۳۹۱، قاعدہ: ۱۴، نیز قاعدہ خامسہ: الضرر یزال)۔

حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ نے یہ دریافت کرنے پر کہ وہ کونسی ضرورت ہے جس میں سودی قرض لینا جائز ہے؟ کے جواب میں لکھا ہے:''ناقابل برداشت مجبوری کے وقت سود لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے، ہکذا حکم سائر المحرمات '' (فتاوی محمودیہ۲۴،۴۴۸، فتاوی قاسمیہ۲۱،۳۲)۔

سرکاری سودی قرض لینے کے متعلق ایک سوال کا جواب حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے کس قدر احتیاط کے ساتھ دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''مجبوری کے بغیر قرض لینا حرام ہے، البتہ بہت زیادہ مجبوری ہو کہ اپنے پاس کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو بیچ کر مکان بنا سکے، اور قرض بھی نہ ملتا ہو تو سرکاری سودی قرض لینے کی گنجائش ہے '' (کفایت المفتی۸،۴۸، منقول از فتاوی عبدالغنی،۴۳۳)۔

ڈاکٹر احمد علی ندوی نے اپنی کتاب ''القواعد الفقہیہ '' میں قاعدہ: ''المشقة تجلب التیسیر'' کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے، وہ یہ ہے:

جاء فی حدیث أسامة بن شریک التغلبیؓ قال:''أتیت النبیﷺ وأصحابہ کأنما علی رؤوسہم الطیر، فجاءتہ الأعراب من جوانب تسألہ عن أشیاء، فقالوا:ہل علینا حرج من کذا؟ فقال:عباد اللہ! وضع اللہ الحرج إلا امرءاً اقترض امرءاً ظلماً، فذلک یحرج ویہلک'' (ابوداؤد الطیالسی؛ القواعد الفقہیہ،۳۰۴)۔

(حضرت اسامہ بن شریک تغلبیؓ کی حدیث میں ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں حضورﷺ کی خدمت میں حاضرہوا، اس حال میں کہ گویا خاموشی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، تو اعراب (بدولوگ) مختلف اطراف سے کچھ چیزوں کے بارے میں دریافت کرنے آئے، انہوں نے پوچھا: کیا اس طرح کرنے میں کوئی حرج ہے؟ آپﷺ نے (اصولی بات فرمائی) فرمایا: اللہ کے بندو! اللہ تعالی نے حرج ختم کردیا ہے، مگر وہ شخص جو کسی آدمی سے ظالمانہ قرض لے، تو وہ حرج اور تباہی میں ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظالمانہ قرض میں مشقت اور حرج کی رعایت نہیں ہے، اور سودی قرض بھی ظالمانہ ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی تیسیر وتخفیف کو تعسیر وتشدید پر ترجیح دینے کے تعلق

سے لکھتے ہیں:

''من التیسیر المطلوب ہنا: الاعتراف بالضرورات التی تطرأ فی حیاۃ الناس، سواء أکانت ضرورات فردیۃ أم جماعیۃ، فقد جعلت الشریعۃ لہذہ الضرورات أحکامہا الخاصۃ وأباحت بہا ما کان محظوراً فی حالۃ الاختیار من الأطعمۃ والأشربۃ والملبوسات والعقود والمعاملات، وأکثر من ذلک أنہا نزّلت الحاجۃ فی بعض الأحیان۔ خاصۃ أو عامۃ منزلتنا الضرورۃ أیضاً، تیسیراً علی الأمۃ ودفعاً للحرج عنہا'' (فی فقہ الاولویات،۷۶) (یہاں مطلوبہ سہولت میں یہ بھی ہے کہ ان ضروریات کا اعتراف کیا جائے جو انسانی زندگی کو پیش آتی ہیں، خواہ وہ ضرورتیں انفرادی ہوں یا اجتماعی، اس لئے کہ شریعت نے ان ضروریات کے مخصوص احکام رکھے ہیں، اور ماکولات، مشروبات، ملبوسات، عقود اور معاملات میں سے حالت اختیار میں جو چیزیں حرام ہیں، ان کو ضرورت واضطرار میں مباح قرار دیا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ حاجت کو بسااوقات، خواہ خصوصی ہوں یا عمومی، ضرورت کا درجہ بھی دیا ہے، اور ایسا امت پر سہولت اور دفع حرج کے لئے کیا ہے)۔

دلالی کی اجرت:

دلالی کا عام رواج ہے، کثرت سے اس پر لوگوں کا عمل ہے، اس لئے کثرت تعامل کی بنیاد پر اس کی اجرت جائز قرار پائے گی، اگرچہ اصل کے اعتبار سے دلالی پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں: ''تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ دلال کے لئے اجرت مثل یا وہ رقم جس پر اصحاب معاملہ کا اتفاق ہوجائے واجب ہوگی، مثلاً یہ کہ دس دینار میں اتنی رقم واجب ہوگی تو یہ حرام ہے اور حاوی میں ہے کہ محمد بن سلمہ سے دلال کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ دلال کی اجرت اپنی اصل کے لحاظ سے فاسد ہے، مگر کثرت تعامل کی وجہ سے اس کی اجازت ہونی چاہئے، بہت سی چیزیں جو ناجائز ہیں، مگر بربنائے حاجت انہیں جائز قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حمام وغیرہ میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے (فتاوی قاضی،۱۰۸ بحوالہ رد المحتار۷۸،۹ طبع بیروت)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے ایجنٹ کے کمیشن کے بارے میں کہا ہے کہ امام بخاری نے اس پر مستقل باب قائم کیا ہے اور نقل کیا ہے کہ ابن سیرین، عطاء، ابراہیم نخعی اور حسن بصری جیسے بلند پایہ علماء ایجنٹ کے کمیشن کو جائز قرار دیا ہے، حضرت ابن عباس سے بھی جواز منقول ہے، غالباً امام بخاری کا رجحان بھی یہی ہے، ''المؤمنون عند شروطہم'' سے استدلالی ایجنٹ اور مالک کے درمیان ہونے والے باتوں پر، دونوں کا قائم رہنے پر ہے۔

ائمہ اربعہ کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے، امام مالک کے یہاں سامان کے فروخت کرنے پر اجرت متعین کرنا جائز ہے لیکن فروخت کی مدت متعین کرنا بھی شرط ہے، یہی

رائے امام احمدؒ کی ہے۔

موصوف نے آگے لکھا ہے: ‘‘راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ گوامام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر کمیشن ایجنٹ کے کاروبار کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو جوازکے دائرہ سے باہر ہیں، لیکن فی زمانہ اس کی کثرت اور ایک حد تک کاروباری دنیا میں اس کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقہاء مالکیہ کی رائے کو قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ’’ (حلال وحرام،۳۵۸۔۳۵۹)۔

رشوت کا حکم:

رشوت ‘‘رشأ’’ سے ماخوذ ہے، رشأ کے معنی اس رسی کے ہیں جس کے ذریعہ پانی تک پہنچا جائے، چونکہ رشوت کے ذریعہ انسان ناحق کو حاصل کرتا ہے، اس لئے اس کو رشوت کہتے ہیں۔

فقہ کی اصطلاح میں رشوت وہ مال ہے جو کسی کے حق کو باطل کرنے یا کسی باطل کو حاصل کرنےکے لئے دیا جائے، ‘‘ما یعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل’’ (قاموس الفقہ،۳،۴۸۱)۔

رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے، اور حدیث میں لعنت بھیجی گئی ہے، یہی حال رشوت کے لئے واسطہ بننے والے کا ہے، ‘‘لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی’’ (ترمذی: ۱۳۸۷) بعض روایات میں ‘‘الرائش ’’ بھی ہے ‘‘لینا تو بہرحال حرام ہے، البتہ اپنی جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ اور انصاف اور جائز حق کے حصول کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے ’’ (حلال وحرام،۳۷۵، مزید تفصیل قاموس الفقہ میں دیکھیں)۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ رشوت کا نام بدل جانے سے حکم نہیں بدلتا (تبصرۃ الحکام ،۲۲،۲۳، آداب قضاء،۶۴، ایضاً فتاوی قاسمیہ ۲۰،۵۲۲)۔

حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ نے مسلمانان افریقہ کی طرف سے ترقیاتی اسکیموں سے استفادہ اور حکومت کے سودی قرضوں کے بارے میں کے ہونے والے سوال پر جو مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباس اختصار کے ساتھ پیش کرنا، مفید اور موزوں معلوم ہوتا ہے:

‘‘مسلمانان افریقہ کے حالات کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات زیادہ دردانگیز تھے، جن کو خطاب کرکے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور سخت وعید سنائی گئی ہے، وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتی کہ حضرت بلالؓ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی، جس سے انہوں نے پریشان ہوکر مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لئے، مدینہ سے باہر چلے جانے کا ارادہ کرلیا تھا، وہ حضرات پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھاکر گرجاتے تھے، دو دو تین تین ماہ تک گھر میں

آگ نہیں سلگتی تھی، پوری تن پوشی کے لئے کپڑا بھی موجود نہیں تھا، نکاح میں مہر دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہ تھی، بچوں کو بھوکا، روتا، بلکتا دیکھ کرتین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لئے یہود کی مزدوری کرناپڑی۔ خود آنحضرتﷺکو ازواج مطہرات کے نفقہ کے لئے اپنی جہاد والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اور اسی حال میں وصال ہوا، ان تمام حالات کے باوجود ان حضرات کو کفار کے مال ودولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا۔

سودی کاروبار کے ذریعہ سے نہ مسلمان کا مال ترقی کرسکتا ہے، نہ ہی محفوظ رہ سکتا ہے، لہذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں، بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔

جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو، غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لئے بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتوی دے دیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضاء خداوندی اور ابدی انعامات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کے ساتھ پیش کریں، متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی سناویں، بگڑے ہوئے معاشرے اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متاثر ہوکر مسلمان کے لئے حرام کی راہیں کھولنا بہت خطرناک ہے، علماء بنی اسرائیل پر اسی وجہ سے پھٹکار لگائی گئی ہے، ورنہ تعمیرات وتجارت، عذاب الہی سے روکنے کی قوت نہیں رکھتیں۔

موسم کی خرابی سے اگر امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفظان صحت کے ماہرین حدود میونسپلٹی میں بھی امرود داخل نہیں ہونے دیتے، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھارہے ہیں اور ان کو ہیضہ کس وجہ سے نہیں ہوتا، کہ ان کی حرص میں انسانوں کو بھی اجازت دے دی جائے " (تفصیل کےلئے ملاحظہ کریں فتاوی محمودیہ ٣٤٨،٢٤تا٣٦٥)۔

خلاصہ بحث:

ضرورت مند کا تعاون کار خیر اور باعث اجر ہے، قرض دینا بھی نیکی اور امداد ہے، یہ کام انفرادی اور اجتماعی دونوں طور پر کیا جاسکتا ہے، رفاہی ادارے اور امدادی تنظیمیں بھی یہ کام کررہی ہیں، اور حکومت بھی عوام اور رعایا کی معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کی کفالت کرتی ہے، تعلیمی ترقی اور صنعتی فروغ نیز بنیادی ضرورتوں سے

محروم افراد کے لئے تعاون کی مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے اور صحت وعلاج، رہائش وزراعت کے لئے متعدد اسکیموں کے ذریعہ معیشت کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے منصوبے بناتی اور متنوع طریقے اپناتی ہے، بنیادی طور پر سرکاری اسکیموں کی دوقسمیں ہیں: (۱) امداد، (۲) قرض۔ امداد کی واپسی نہیں ہوتی اور اس کے جواز میں کوئی کلام بھی نہیں، البتہ قرض کی بنیادی طور پر دوقسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ قرض جس کی واپسی بلا سود ہو، یا کچھ حصہ معاف کرکے ہو، اس قرض سے استفادہ میں بھی کوئی حرج نہیں، دوسری قسم اس قرض کی ہے جس کی واپسی سود کے ساتھ ہوتی ہے خواہ سود کی مقدار بہت معمولی ہو یا زیادہ۔ تو یہ مسئلہ اہمیت کا حامل ہے، سود لینا اور دینا نص صریح قطعی سے حرام ہے، قلیل وکثیر مقدار کی صورت میں حکم نہیں بدلتا، نجاست، نجاست ہے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ، یہ بھی واضح رہے کہ حکومت کے سودی قرضوں اور عام قرضوں میں فرق ہے، اسی طرح حالت مجبوری میں سودی قرض کی گنجائش ہے۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ - شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی•

سوال(١): وہ قرضے، جن کاایک حصہ معاف کردیاجاتاہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرناپڑتاہے، ایسے قرضونکا کیاحکم ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب کے لئے دو باتونکاجاننا ضروری ہے:

١- بینک کی حیثیت کیاہے؟

٢- بینک مینجمع کی جانے والی رقوم کی حیثیت کیاہے؟

پہلی بات کاجواب یہ ہے کہ بینک ایک ایسے ادارے کانام ہے، جوافراد وتنظیم کی امانتینایک متعین یاغیرمتعین مدت کے لئے قبول کرتاہے، پھر دوسروں (ضرورت مندوں)کوقرض فراہم کرنے مینان کااستعمال کرتاہے، رضوان منیر ماردینی نے ڈاکٹرمحمداسماعیل ہاشم کی کتاب ''مذکرات فی النقود والبنوک '' سے اس کی تعریف یوں نقل کی ہے:

''أنہ المنشأة التی تقبل الودائع من الأفرادوالہیئات تحت الطلب أولأجل، ثم تستخدم ہذہ الودائع فی منح القروض والسلفیات'' (البنک الاسلامی ومجالات عملہ لرضوان منیر المار دینی، ص: ٣)۔

بینک کی ا س تعریف سے معلوم ہواکہ بینک بھی بنیادی طورپر ''جوائنٹ اسٹاک کمپنی '' ہے اورکمپنی کی حیثیت ایک ''قانونی شحض '' کی ہوتی ہے۔

دوسری بات کاجواب یہ ہے کہ بینک مینجمع کی جانے والی رقوم : کی حیثیت ''امانت'' کی ہے، جو فقہی طورپرقرض ہوتا ہے(نظریۃ القرض فی الفقہ الاسلامی لأحمد أسعد، ص: ٣٣٢،اسلام اورجدید معیشت وتجارت از: مفتی تقی عثمانی صاحب، ص: ١١٥)، اورقرض کا حکم یہ ہے کہ مستقرض(قرض دار)کی ملکیت اس میں ثابت ہوجاتی ہے، لہٰذا وہ اس میں تصرف کامالک ہوتاہے، ملک العلماء علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''وأماحکم القرض: فہوثبوت الملک للمستقرض فی المقرَض للحال'' (بدائع الصنائع: ٧،٣٩٦)۔

مذکورہ دونونباتونکی وضاحت سے ہمینمعلوم ہوا کہ بینک ایک ایسا ''قانونی شخص'' ہے، جو اپنی ملکیت مینتصرف کرنے کااختیاررکھتاہے، لہٰذا وہ دوسرے کوقرض دے سکتا

• جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، ضلع اڈپی، کرناٹک۔

ہے، اورجب وہ قرض دے سکتاہے تواپنے دئے ہوئے قرض کاایک حصہ معاف بھی کرسکتاہے، اس مینکسی قسم کا کوئی حرج نہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''والدائن إذاقبض دینہ، ثم أبرأ المدین عنہ صح'' (ردالمحتار، مطلب فی التملیک: ۵۰۲،۸)۔

قرض خواہ قرض پرقبضہ کے بعدمعاف کردے تویہ درست ہے۔

جب کل قرض کومعاف کرنے کی اجازت ہے توقرض کاایک حصہ معاف کرنے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت ہوگی؛ چنانچہ علی حیدرؒ فرماتے ہیں:

''الوجہ الرابع:أن یقول الدائن:أعطنی نصف دینی علی أن تکون بریئاً من الصف الآخر ولماکان لم یذکروقتاً لأداء النصف، أصبح الإبراء فی النصف صحیحا،وکان ہذا الإبراء ابراء مطلقاً '' (دررالحکام، المادۃ: ۱۵۶۲، إذاأبرأ أحد آخر من حق یسقط حقہ...: ۷۰،۴)۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ قرض خواہ کہے: مجھے میرے قرض کانصف ، نصف آخر کی معافی کے ساتھ دے دو، اورنصف آخر کی ادائے گی کاوقت غیرمذکورہو تونصف میں معافی صحیح ہے اوریہ معافی مطلق ہوگی۔

لہٰذا بینک کے وہ قرضے، جن کاایک حصہ معاف کردیاجاتاہے اورلی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ دوباتیں ملحوظ رہنی چاہئیں:

۱- قرض لینا ایک ضرورت ہے، جوپہاڑکے بوجھ سے بڑھ کرہوتاہے؛ اس لئے اس ''ضرورت '' سے استفادہ بقدر ضرورت ہی ہوناچاہئے؛ کیونکہ اصول ہے: ماأبیح للضرورۃ یقدربقدرہا (الأشباہ والنظائر: ۹۵،۱)۔

۲- بینک کااکثرکاروبارسودپرمشتمل ہوتاہے، لہٰذا ''شدید قسم کی ضرورت '' پرہی بینک سے قرض لینے کی کوشش کی جائے۔

سوال (۲): معافی والے قرضونمینبعض صورتونمینیہ بھی ہوتاہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندرواپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم اداکرنی پڑتی ہے، اس صورت کاکیاحکم ہے، جب کہ لی ہوئی رقم سے زائدواپس نہ کرناپڑے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب(جس مینیہ بات بتلائی جاچکی ہے بینک قرض دینے کااختیاررکھتاہے، لہٰذا وہ اپنے دئے ہوئے قرض کومعاف بھی کرسکتاہے) کوسامنے رکھتے ہوئے اس کاجواب یہ ہے کہ ایسے قرضوں کے لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ ''فتاوی ہندیہ '' میں ہے:

''ومن لہ علی آخر ألف درہم ، فقال:ادفع إلي غدا منہاخمس مأۃ علی أنک بریٔ من الفضل، ففعل، فہوبریٔ، فإن لم یدفع إلیہ خمس مأۃ غدا، عادت الألف عند أبی حنیفۃ ومحمد رحمہماالله'' (الفتاوی الہندیۃ، الباب الثانی فی الصلح فی الدین...: ۲۳۴،۴،العنایۃمع شرح فتح

القدیر، باب الصلح فی الدین: ۴۴۷،۸)۔

جس شخص کادوسرے پرہزارروپے ہوں، وہ کہے: مجھے پانچ سوروپے کی معافی کے ساتھ کل صبح ہزار میں سے پانچ سوروپے دیدو،(اگر)وہ دیدے تووہ (بقیہ کی ادائے گی) سے بری ہے؛ لیکن اگرصبح پانچ سوادانہ کرے توامام ابوحنیفہ اورامام محمدرحمہماالله کے نزدیک ہزارکی ادائے گی لوٹ آئے گی۔

معلوم ہواکہ وہ قرضہ ،جس میں ایک مقررہ مدت کے اندرواپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم اداکرنی پڑتی ہے، بھی جائز ہے۔

سوال (۳): اگرمقررہ مدت کے بعدقرض اداکرنے پرکل کی واپسی کے ساتھ زائدرقم بھی اداکرنی پڑے تواس صورت کا کیاحکم ہوگا؟

جواب: زائدرقم اداکرنے کی دوصورتینہیں:

۱- زائدرقم کی واپسی کے ساتھ قرض کی ادائے گی غیرمشروط ہو۔

۲- زائدرقم کی واپسی کے ساتھ قرض کی ادائے گی مشروط ہو۔

پہلی صورت مینزائدرقم کی واپسی کے ساتھ قرض کی ادائے گی جائزہی نہیں؛ بل کہ مستحسن بھی ہے، خود آنحضرت ا نے صحابہ کرام رضوان الله تعالیٰ علیہم اجمعین کواس کی ترغیب دی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ، وہ فرماتے ہیں:

''کان لرجل علی النبی ﷺ سن من الإبل، فجاء ہ یتقاضاہ، فقال ﷺ:أعطوہ، فطلبوا سنہ، فلم یجدوالہ إلاسناً فوقہا، فقال:أعطوہ ، فقال:أوفیتنی، وفی الله بک، قال النبی ﷺ: إن خیارکم أحسنکم قضاءاً'' (بخاری، باب حسن القضاء، حدیث نمبر: ۲۳۹۳)۔

(رسول الله ا کے ذمہ ایک شخص کاخاص عمرکااونٹ تھا، وہ آپ کے پاس تقاضہ کرنے آیاتوآپ انے(صحابہ کرام کومخاطب کرکے) فرمایا: اسے دیدو، لوگوننے اس عمرکااونٹ تلاش کیا تواس سے زیادہ عمرکااونٹ ملا، آپ انے فرمایا: وہی اس کودیدو، اس نے کہا: آپ نے مجھے پوراپورادیاہے، الله تعالیٰ آپ کوپوراجردے، آنحضرت ا نے فرمایا: تم مینبہتروہ شخص ہے، جوقرض اچھی طرح اداکرے)۔

اس حدیث مینآپ ا نے ''تم مینبہتروہ شخص ہے، جوقرض اچھی طرح اداکرے '' کہہ کرصحابہ کویہ ترغیب دی ہے کہ قرض کی واپسی مینکچھ زائد دیاجائے، آپ انے خودبھی دیاہے، حضرت جابربن عبدالله ؓ فرماتے ہیں:

''أتیت النبی ﷺ، وہوفی المسجد، قال مسعر: أراہ قال: ضحیً، فقال: صل رکعتین، وکان لی علیہ دین، فقضانی وزادنی '' (بخاری، باب حسن القضاء، حدیث نمبر: ۲۳۹۴)۔

(میں حضوراکرم اکی خدمت میناس وقت حاضرہوا، جب آپ مسجدمینتشریف فرماتھے، مسعرکہتے ہیں: میراخیال ہے کہ یہ چاشت کاوقت تھا، آپ انے فرمایا: دورکعت

نماز پڑھو، اورمیراآپ اپرقرض تھا، آپ نے وہ اداکیا اور بڑھا کردیا)۔

اس حدیث مینصاف طورپرمذکورہے کہ قرض کی واپسی کے وقت قرض سے زائدرقم کی ادائے گی بہترہے، علامہ صنعانیؒ لکھتے ہیں:

''والحدیث دلیل علی جوازہ، وأنہ یستحب لمن علیہ دین من قرض أوغیرہ أن یرد أجودمن الذی علیہ، وأن ذلک من مکارم الأخلاق المحمودۃ عرفاً وشرعاً، ولایدخل فی القرض الذی یجرنفعاً؛ لأنہ لم یکن مشروطاً من المقرض، وإنماذلک تبرع من المستقرض'' (سبل السلام، ابواب السلم والقرض والرہن: ۳،۱۲۶)۔

(حدیث اس کے جائز ہونے پردلیل ہے، اوراس پردلیل ہے کہ قرض داروغیرہ کے لئے مستحب ہے کہ ذمہ مینواجب سے بہترلوٹائے، اوریہ عرفاوشرعااخلاق محمودہ کے مکارم مینسے ہے اوریہ اس قرض کے تحت داخل نہیں، جونفع کوکھینچتاہے؛ اس لئے کہ وہ قرض خواہ کی طرف سے مشروط نہیں؛ بل کہ قرض دارکی طرف سے تبرع ہے)۔

جہاں تک دوسری صورت کاتعلق ہے ، یعنی قرض کی واپسی کے ساتھ زائدرقم کی شرط لگائی جائے تواس سلسلہ میندوامرقابل تنقیح ہیں:

۱- قرض خواہ کازیادتی کے ساتھ واپسی کی شرط لگانا درست ہے یا نہیں؟

۲- ایسے قرض سے استفادہ درست ہے یا نہیں؟

امراول کسی کے نزدیک درست نہیں،اس سلسلہ مینصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار، نیز بعض ضعیف روایتیندلیل ہیں؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسی شرط لگانے سے منع فرمایاہے، انھوننے فرمایا:

''من أسلف سلَفاً فلایشترط إلاقضاءہ'' (مؤطا مالک، باب مالایجوز من سلف، حدیث نمبر: ۲۵۱۲)۔

(جو قرض کامعاملہ کرے، وہ شرط نہ لگائے ، مگراسی(قرض) کی ادائیگی کا)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کاقول اورزیادہ واضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

''من أسلف سلَفاً، فلایشترط أفضل منہ، وإن کانت قبضۃ من علَف، فہوربا'' (مؤطا مالک، باب مالایجوز من سلف، حدیث نمبر: ۲۵۱۳)۔

(جس نے قرض کامعاملہ کیا، وہ اس سے بہتر کی شرنہ لگائے، اگرچہ کہ ایک مٹھی چارہ ہو، توسود ہے)۔

اس سلسلہ مینسندی اعتبارسے ایک ضعیف روایت بھی ہے، حضرت علیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''کل قرض جر منفعۃ فہورباً'' (بلوغ المرام من أدلۃ الأحکام، ابواب السلم، والقرض والرہن، حدیث نمبر: ۸۶۱)۔

(ہروہ قرض، جومنفعت لائے، وہ سودہے)۔

علامہ عینیؒ نے اس پرمسلمانونکااجماع نقل کیاہے، وہ رقم طراز ہیں:

‘‘وقد أجمع المسلمون بالنقل عن النبی ﷺ أن اشتراط الزیادة فی السلف حرام’’ (عمدة القاری، باب بیع العبیدوالحیوان بالحیوان: ۱۲،۶۴)۔

(آپ سے منقول ہونے کی بناپرقرض مینزیادتی کی شرط باجماع مسلمان حرام ہے)۔

علامہ ابن بطالؒ لکھتے ہیں:

‘‘ولاخلاف بین العلماء أن اشتراط الزیادة فی ذلک رباً لایحل’’ (شرح صحیح البخاری، باب استقراض الابل ۶،۵۱۷)۔

(علماء کے درمیان اختلاف نہینہے کہ اس (قرض) مینزیادتی کی شرط سودہے، جوجائز نہیں)۔

لہٰذا زیادتی کے ساتھ واپسی کی شرط پرقرض دینادرست نہینکہ یہ سودہے، جوحرام لذاتہ ہے۔

جہانتک دوسرے امرکاتعلق ہے تواس سلسلہ مینیہ بات گزرچکی ہے کہ قرض ایک ضرورت ہے، جوایسے وقت مینلیناجائزہے، جس مینانسان محتاج ہواورقرض نہ لینے کی صورت مینضررکااندیشہ ہو؛ کیونکہ شریعت انسانی ضررکودورکرنے کاحکم دیتی ہے، آپ اکاارشاد ہے: لاضرر ولاضرار (مؤطا امام مالک، باب القضاء فی المرفق، حدیث نمبر: ۱۴۲۹) ‘‘نہ نقصان اٹھاناہے نہ نقصان پہنچانا ’’، اسی وجہ سے ‘‘الضرریزال’’ اور ‘‘الضرورات تبیح المحظورات ’’کے اصول بنائے گئے ہیں۔

لہذا سودی قرض کے علاوہ کوئی اورشکل مسئلہ کے حل کی نہ نکلتی ہوتوسودی قرض لینادرست ہے۔

سوال(۴): غیرمعافی قرضے یامعافی والے قرضونمیناصل سے زائدرقم کامطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح سودبہت کم ہو، جس کو سروس چارج کہاجاتاہویا اپنی مقدارکے اعتبارسے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہوتوایسے قرضے اوران پراداکی جانے والی زائدرقم کاکیا حکم ہوگا؟ یہ سودکے دائرہ مینآئے گا یاانتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی؟

جواب: سروس چارج کوہم دوصورتونمینتقسیم کرسکتے ہیں:

۱- وہ سروس چارج، جو پیسے رکھنے والونسے وصول کیاجائے۔

۲- وہ سروس چارج، جو اپنے قرض دارونسے وصول کیاجائے۔

پہلی صورت کے جواز مینکوئی شک نہیں؛ کیونکہ بینک ایک ایسی کمپنی ہے، جس کے پاس لوگ روپے پیسے قرض کی شکل مینودیعت رکھتے ہیں، ظاہرہے کہ ان روپیونکی حفاظت کے لئے افرادکی ضرورت پڑتی ہے، پھراسی کے ساتھ ساتھ روپیونکے حساب وکتاب کے لئے رجسٹربھی تیارکرناہوتا ہے اوران میناخراجات ایک لازمی شئ ہے، کمپنی

اپنی طرف سے روپیونکی حفاظت پرمامورافراداورحساب وکتاب کے لئے تیاررجسٹروں کے لئے خرچہ برداشت نہینکر سکتی؛ اس لئے بینک ہرکھاتہ دارسے کچھ رقم سروس چارج کے نام سے لیتی ہے، جودراصل روپیونکی حفاظت کے لئے اور ''الأجرة إنما تکون فی مقابلة العمل '' (ردالمحتار، مطلب دعوی الأب أن الجهاز عاریة: ۱۵۶،۳)کے طورپر ہوتی ہے؛ چنانچہ ''الجوہرة النیرة '' میں ہے:

''...بخلاف الودیعة إذاشرط المودِع للمودَع أجراً علی حفظها، فله الأجر'' (الجوہرة النیرة، کتاب الرہن: ۴۰۱،۲)۔

(ودیعت کے برخلاف، جب صاحبِ ودیعت ودیعت کی حفاظت کے لئے ودیعت رکھنے والے کے لئے اجرت کی شرط لگائے تواس کے لئے اجرت ہوگی)۔

ڈاکٹراحمداسعدرقم طراز ہیں:

''والحکم الشرعی لهذه الصورة یتلخص فی أن المصرف یتقاضی أجراً مقابل الخدمات التی یقدمها للمودع، وہذاجائز شرعاً، ولامجال للشبهة فی اختلاط الأجربالربا، أوالمنفعة المحرمة'' (نظریة القرض فی الفقه الاسلامی،ص: ۳۳۴، بحوالہ: تطویرالأعمال المصرفیة، ص: ۳۶۸، مشکلة الاستثمار فی البنوک الإسلامیة وکیف عالجها الاسلام،ص: ۵۵۵)۔

(اس صورت کے حکم شرعی کاخلاصہ یہ ہے کہ بینک اپنی ان خدمات کے لئے اجرت کا تقاضی کرتاہے، جووہ مودع کے لئے انجام دیتاہے، یہ شرعاً جائز ہے اور اس میں سود اور منفعت محرمہ کے ساتھ اختلاط کاکوئی شبہ نہینہے)۔

جہاں تک دوسری صورت کاتعلق ہے تواس کی بھی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- قرض کسی شخص سے لیا جائے اوروہ سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لے۔

۲- قرض کسی ادارہ سے لیاجائے اوروہ ادارہ سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لے۔

پہلی صورت مینسروس چارج کے نام سے قرض کے علاوہ کچھ رقم لیناعام حالت میں درست نہیں؛ کیونکہ یہاں کسی عمل کے مقابلہ مینیہ ''رقم '' نہیں ہے، لہٰذا یہ ''الأجرة إنما تکون فی مقابلة العمل'' کے دائرہ میںنہینہوگا؛ البتہ خاص حالت مینمثلاً: اس کے پیسے دوسرے شہرمینہواورقرض لینے والے کوسخت ضرورت ہو، ظاہرہے کہ ایسی صورت میں پیسے لانے کے لئے دوسرے شہرجانے کاخرچ لینا درست ہوگا؛ کیونکہ یہ ''الأجرة إنماتکون فی مقابلة العمل'' کے تحت داخل ہے۔

دوسری صورت مینسروس چارج کے نام سے کچھ رقم لینادرست ہے کہ یہ ''اجرة العمل '' ہے؛ البتہ اس کے لئے اس بات کولازم قراردیاجائے کہ یہ زائدرقم قرض کامعاملہ کرتے وقت ہی لیاجائے، قرض کی واپسی کے وقت نہ لیاجائے، قرض کی واپسی کے وقت لینے مینسودکے شبہ کاامکان ہے، جس سے بچنابھی ضروری ہے؛ کیونکہ اللہ کے رسول انے فرمایا:

''...فمن اتقی المشتبہات استبرأعرضہ ودینہ ، ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام'' (ابوداود، باب فی اجتناب الشبہات، حدیث نمبر: ۳۳۳۲)۔

(جوشبہات سے بچا، اس نے اپنے دین وآبروکو(طعن وتشنیع سے) بچالیااورجوشبہات میں پڑگیا، وہ حرام مینجاپڑا)۔

یہ توبات اس وقت کی ہے، جب سروس چارج کے نام سے کچھ زائدرقم لی جائے؛ لیکن زائدرقم کانام سروس چارج نہ ہو، تاہم اس کی مقداراتنی ہی ہو، جتنی سروس چارج کی ہوتی ہے، توکیااسے بھی سروس چارج سمجھاجائے یانہیں؟

اس سلسلہ میں دوباتیں ہیں:

۱- سروس چارج کی مقداروالی رقم اگرچہ سروس چارج نہ کہلاتاہو؛ لیکن عرف میناسے سروس چارج ہی سمجھاجاتاہوتواسے سروس چارج ہی سمجھاجائے(جس کے احکام گزرچکے ہیں)؛ کیونکہ فقہی اصول ہے: ''الثابت بالعرف کالثابت بدلیل شرعی'' (عرف سے ثابت ہونے والی چیز دلیل شرعی سے ثابت شدہ حکم کی طرح ہے)، ایسی صورت میناسے سود نہیں سمجھاجائے گا۔

۲- اگرعرف مینسروس چارج نہ سمجھاجاتاہوتواسے سروس چارج نہ سمجھاجائے اگرچہ کے مقدارکے اعتبارسے سروس چارج کے برابرہو؛ کیونکہ عرفی اوروضعی دونوں اعتبارسے اسے سروس چارج نہیں سمجھا جاتا اورجب سروس چارج نہیں سمجھا جاتا تو پھراس کاحکم بھی ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ فقہ کاایک اصول ہے:''اختصاص العقد باسم لاختصاصہ بحکم یدل علیہ معنی ذلک الاسم'' (حکم کے ساتھ مختص ہونے کے لئے عقد کاکسی نام کے ساتھ مختص ہونااسی نام پر دلالت کرتاہے، جس پروہ نام دلالت کرے)، جیسے کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلانکے گھرنہینجائے گا، اس شخص کے قسم کھانے کے بعد وہ فلاں اپنے گھرکوباغ یا مسجد میں تبدیل کردے، پھرقسم کھانے والا اس باغ یا مسجد میں داخل ہوتووہ شخص حانث نہیں ہوگا؛ کیونکہ:

''عقد الیمین باسم الدار، والبستان والمسجد والحمام غیرالدار، فإذالم یبق ذلک الاسم لایبق الیمین'' (الجامع الصغیر، باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والرکوب: ۱ر ۲۵۹، نیز دیکھئے: المبسوط للسرخسی، باب المہایأۃ: ۲۰ر۱۴۷)۔

(قسم کامعاملہ گھرکے نام کے ساتھ پیش آیا، جب کہ باغ، مسجد اورحمام نام زد گھرنہیں، پس جب نام باقی نہیں رہا توقسم بھی باقی نہیں رہی)۔

لہٰذا ایسی صورت میناسے سودسمجھا جائے گا۔

سوال(۵): اگرسرکارکی طرف سے دئے جانے قرض پرلی جانے والی زائدرقم کااوسط معمولی نہ ہو، جس کوانتظامی خرچ پرمحمول کیا جاسکے تو اس کاکیاحکم ہے؟

جواب: سوال نمبر(۴) کے جواب سے یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ قرض پرلی

جانے والی زائد رقم کااوسط اگرمعمولی نہ ہو، جس کوانتظامی خرچ پر محمول کیاجاسکے تواس زائد رقم کا شمار سود میں ہوگا؛ کیونکہ شریعت میں ‘‘سود ایسے لین دین میں فریقین میں سے کسی ایک کے لئے اضافہ کوکہتے ہیں، جوعوض سے خالی ہو’’ ، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

‘‘(ہو) شرعاً (فضل) ولو حکما خال عن عوض بمعیار بمعیار شرعی مشروط لأحد المتعاقدین’’ (الدرالمختار: ۲۴۵،۴)۔

لہٰذا یہ بھی سود ہوگا؛ البتہ اگریہ قرضے جانورونکے پالنے، مکان کی تعمیر اور کاشت کاری وباغبانی وغیرہ یاپھرکاروبارکے لئے دئے جارہے ہینتوایسی صورت مینمسئلہ کی دوصورتیں ہونگی:

۱- ان قرضوں میں کسی قسم کی کوئی چھوٹ نہ دی جائے؛ بلکہ پوری رقم کی واپسی کے ساتھ ساتھ زائدرقم بھی لی جائے، ظاہرہے کہ ایسا معاملہ سودی کہلائے گا، جس کے احکام پیچھے گزرچکے ہیں۔

۲- ان قرضوں میں کچھ چھوٹ بھی دی جائے (جسے عرف میں سب سی ڈی کہا جاتا ہے)، ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ:

(الف) چھوٹ کی رقم زائدرقم سے زیادہ یااس کے برابرہے، ایسی صورت مینیہ سود نہیں کہلائے گا، اس سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی تجویز موجودہے، اس میں کہا گیا ہے کہ:

ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں، جس مینسرکارکی طرف سے چھوٹ (Subsidy)دی جاتی ہے اورسودکے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگرسودکے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (Subsidy)کے مساوی ہویااس سے کم ہوتو یہ اضافی رقم شرعاً سودنہینہے (نئے مسائل اوراسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے،ص: ۱۶۸)۔

(ب) چھوٹ کی رقم زائدرقم سے کم ہے، ایسی صورت میں یہ سود ہوگا، جس کے احکام پیچھے گزرچکے ہیں، مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ رقم طراز ہیں:

‘‘...اوراگرسودکی رقم چھوٹ مینملی ہوئی رقم(یعنی سب سیڈی)سے زیادہ دینی پڑیں توپھریہ معاملہ سودی کہلائے گا اورجائز نہ ہوگا ’’ (فتاوی رحیمیہ: ۳۳۲،۹)۔

سوال نمبر(۶): ایسابھی ہوتاہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امدادکے طورپررقم ملاکرتی ہے، مثلاً: مکان بنانے،بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے، توایسی رقوم کوحاصل کرنے اوراستعمال کرنے کاکیاحکم ہے؟ جب کہ ان رقوم مینسے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریونکی اعانت ہوتی ہے۔

جواب: ایسی رقوم کاحصول اوران کااستعمال دونوںجائزہینکہ یہ حکومت کی طرف

سے اپنی رعایاکی امدادوتعاون ہے، جوحکومت کی ذمہ داری ہے، آپ اکاارشادہے:

'' کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، الإمام راع ومسئول عن رعیتہ...''(بخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن، حدیث نمبر(۸۹۳)۔

(تم سب ذمہ دارہو اورتم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی، امام (حاکم) ذمہ دارہے اوراس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی)۔

اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قال العلماء:الراعی ہوالحافظ المؤتمن الملتزم صلاح ماقام علیہ وماہوتحت نظرہ، ففیہ أن کل من تحت نظرہ شئ فہومطالب بالعدل فیہ والقیام بمصالحہ فی دینہ ودنیاہ ومتعلقاتہ'' (شرح النووی علی مسلم، باب فضیلۃ الأمیر العادل وعقوبۃ الجائر: ۱۲ /۲۱۳)۔

(علماء فرماتے ہیں کہ 'راعی 'اس امانت دارنگرانکوکہتے ہیں، جواپنی ذمہ داری اوراپنے ماتحت کی درستگی اورسلامتی کا التزام کرتاہو؛ چنانچہ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہرشخص اپنے ماتحت کے ساتھ عدل وانصاف کامعاملہ کرے اوراس کے دینی ودنیوی مصلحتوں کو انجام دے)۔

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

''قال بعض أہل العلم: یجب علی الإمام أن یقضی من بیت المال دین الفقراء ... کماأن علی الإمام أن یسد رمقہ، ویراعی مصلحتہ الدنیویۃ '' (عمدۃ القاری، باب إذاأحال دین المیت علی رجل جاز، حدیث نمبر: ۲۲۸۹)۔

(بعض اہل علم کاکہناہے کہ امام (حاکم) پرلازم ہے کہ وہ فقراء کاقرض بیت المال سے اداکریں...جیساکہ ان پران کی دنیاوی مصالح کی رعایت اوربقدرکفاف روزی مہیا کرنا ضروری ہے)۔

معلوم ہوا کہ اپنی رعایاکی اعانت حکومت کی ذمہ داری ہے اوریہ اسی قبیل سے ہے؛ اس لئے ایسی رقوم کاحصول اوران کااستعمال دونوناجائز ہیں۔

سوال نمبر(۷): گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم - جس قسم کی بھی ہوں - ان کے حصول کے لئے کافی جد وجہدکرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتاہے، کچھ لوگ اس مینواسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والونکے لئے ان کومحنتانہ دینے اورلینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جولوگ واسطہ بنتے ہیں، انھینتجارتی اصطلاح میں ''دلال '' کہتے ہیں، دلالی کاپیشہ مباح ہے؛ اس لئے ان کومحنتانہ دیناورخودان کااس کام کے لئے پیسے لینادونوناجائز اوردرست ہیں؛ البتہ اس کے لئے ایک شرط ہے، وہ یہ کہ اجرت متعین ہونی چاہئے، مجہول اجرت طے کرنادرست نہیں؛ چنانچہ فتاوی بزازیہ مینہے:

''وفی الدلال والسمسارأجرالمثل، وماتواضعوا أن من کل عشرۃ کذاحرام علیہم''

(الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ: ۴۹،۵)۔

(دلال اورسمسارمیں اجرت مثل ہے، اورجو اس طرح طے کریں کہ ہردس میں اتنا ہے تویہ ان پرحرام ہے)۔

دلالی کی اجرت کے جوازکی وجہ کوبتلاتے ہوئے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''وفی الحاوی:سئل محمدبن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال:أرجوأنہ لابأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل، وکثیرمن ہذاغیرجائز، فجوزوہ لحاجۃ إلیہ کدخول الحمام'' (حاشیۃ ابن عابدین، باب الاجارۃ، مطلب فی أجرۃ الدلال ۸۷،۹)۔

(''حاوی'' میں ہے کہ محمدبن سلمہ سے سمسار(دلال) کی اجرت کے بارے مینسوال کیاگیاتوانھوننے جواب دیا: مجھے امیدہے کہ اس مینکثرتِ تعامل کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ کہ اصل مینیہ فاسد ہے، اس طرح کے بہت سارے امورناجائز ہیں؛ لیکن لوگونکی ضرورت کی وجہ سے علماء نے اسے جائز قراردیاہے جیسے حمام میں جانا)۔

''فتاوی محمودیہ'' میں پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ:

دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایاجائے، اس مینبائع ومشتری دونوں کوثمن (قیمت)معلوم ہوتی ہے اوردلال کواس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت مینمتعین ہو، خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپے یافی روپیہ ایک آنہ اجرت مقررکی جائے، وہ اجرت درست ہے، جس قدر بھی ہو، فقط، واللہ سبحانہ أعلم (فتاوی محمودیہ: ۷۰،۴)۔

ان تمام عبارتونسے معلوم ہواکہ واسطہ بننے والے لوگوں کو محنتانہ دینا اوران کاروپے لینا دونوں جائز ہیں۔

سوال نمبر(۸): بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کاایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یادینے اورلینے کامعاملہ کرتے ہیں تواس کاکیاحکم ہوگا؟

جواب: اس سوال کے جواب کے لئے دوباتونپر بحث ضروری معلوم ہوتی ہے:

۱- کسی چیزکے ملکیت مینآنے سے پہلے اس مینتصرف کااختیارہوتاہے یانہیں؟

۲- جزء عمل کواجرت بنایا جاسکتا ہے یانہیں؟

پہلی بات کے سلسلہ میں یہ جان لینکہ سرکاری اسکیمونکی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، ان میں سے ایک شکل یہ ہے کہ:

۱- وہ اسکیم عام ہو، جسے ہروہ شخص حاصل کرسکتاہے، جواس اسکیم کے سلسلہ میں مقررہ شرائط کے دائرہ مینآتاہو، مثلاً: بی پی ایل کارڈ ہولڈرس تمام کے تمام فی روپیہ کلوچاول خرید سکتے ہیناوراس اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

۲- اس اسکیم سے فائدہ صرف وہی اٹھاسکتاہے، جس کے نام کااندراج اس اسکیم کے لئے ہوچکاہو، جیسے: گھر اور بیت الخلاء وغیرہ کے لئے حکومتی اعانت کی اسکیم،

ظاہرہے کہ یہ بھی بی پی ایل کارڈ ہولڈرس کے لئے ہی ہے؛ لیکن اس اسکیم سے فائدہ صرف وہی اٹھاسکتاہے، جس کے نام کااندراج ہوچکاہو، اس کے علاوہ دوسرے بی پی ایل کارڈ ہولڈرس فائدہ نہیناٹھاسکتے۔

پہلی صورت مینزیادہ دشواری پیش نہیناآتی؛ اس لئے اس کے سلسلہ میں درمیانی شخص کی ضرورت بھی نہینپڑتی؛ البتہ دوسری صورت میندشواری پیش آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاندرمیانی شخص کی ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لئے یہاناسی سے متعلق بات کی جائے گی۔

اس سلسلہ مینسب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسکیم کے لئے کسی کے ''نام کے اندراج'' کی حیثیت کیاہے؟ آیانام کے اندراج کویہ سمجھاجائے کہ وہ چیز اس کے لئے ہوچکی ہے یا نہیں؟

اس کاجواب یہ ہے کہ سرکاری اسکیمونمیننام کے اندراج سے عموماً یہی سمجھا جاتاہے کہ وہ چیز اس کی ہوچکی ہے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ کی ایک عبارت سے اس کی طرف اشارہ بھی ملتاہے، وہ لکھتے ہیں:

''(لوغیرمسجل) أی محکوم بہ، فأطلق التسجیل، وہوالکتابۃفی السجل، وأراد ملزومہ، وہوالحکم؛ لأنہ فی العرف إذاحکم بشئی کتب فی السجل'' (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی وقف المریض: ۵۳۳،۶)۔

((اگرغیرمسجل) یعنی غیرمحکوم بہ ہو؛ چنانچہ تسجیل کومطلق رکھا، جس کے معنی رجسٹرمینلکھنے کے آتے ہیناورمراد لازم ہونے والی شئی یعنی حکم ہے؛ کیونکہ عرف مینجب کسی چیزکا حکم دیاجاتاہے تورجسٹرمینلکھ دیاجاتاہے)۔

یہ اوربات ہے کہ ابھی تک اس کے ہاتھ میننہینآیاہے، اب سوال یہ ہے کہ ہاتھ آئے بغیرکسی چیز مینتصرف جائز ہے یانہیں؟

اس کاجواب یہ ہے کہ چیزونکی قسمینہیں، جن مینسے بعض قسمونمینقبل القبض تصرف جائز نہیں،جیسے بیع قبل القبض تصرف جائز ہے، علامہ کشمیری ''بیع قبل القبض'' کےبارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''واعلم أن الاختلاف المذکور إنما ہو فی البیع خاصۃ، لا فی سائرالتصرفات؛ لأنہم جوزوا الہبۃ والتصدق قبل القبض کما فی النہایۃ والبحر عن محمد'' (فیض الباری، باب بیع الطعام قبل أن یقبض وبیع مالیس عندک، حدیث نمبر: ۲۱۳۵)۔

(جاننا چاہئے کہ مذکورہ اختلاف یہ خصوصیت کے ساتھ بیع مینہے، تمام تصرفات میں نہیں؛ کیونکہ فقہائے کرام ہبہ اور صدقہ مینقبل القبض تصرف کوجائز قرار دیاہے، جیسا کہ بحراورنہایہ مینامام محمدؒ سے منقول ہے)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ سرکاری اسکیمونکاتعلق چونکہ بیع سے نہینہے،

نیز نام کے اندراج کی وجہ سے یک گونہ ملکیت حاصل ہوجاتی ہے؛ اس لئے اس مینتصرف کرنے کااختیارہے۔

جہانتک دوسری بات کاتعلق ہے ، یعنی جزء عمل کواجرت بنانا، آیایہ جائز ہے یانہیں؟ اس کاجواب یہ ہے کہ ایساکرناجائز ہے اورشریعت میں اس طرح کی کئی مثالیں ہمیں ملتی ہیں؛ چنانچہ اس کی سب سے بڑی مثال ‘‘مضاربت ’’ ہے، جس مینجزء عمل کوہی اجرت بنایاجاتاہے، عقد مضاربت کے وقت مضارب سے کہاجاتاہے:

‘‘خذ هذا المال، واعمل به على أن لک من الربح نصفه أو ثلثه’’ (البحرالرائق، کتاب المضاربۃ: ۴۴۸،۷)۔

(اس مال کولواورنفع مینسے نصف یاثلث پرعمل کرو)۔

اس سے معلوم ہواکہ واسطہ بننے والے لوگونکا حاصل شدہ رقم کاایک حصہ لینا، یادینے اورلینے کامعاملہ کرنادرست ہے۔

سوال نمبر(۹): اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضونکے حصول کے لئے اگررشوت دینی پڑے تورشوت دینے کاکیاحکم ہوگا؟

جواب: رشوت اس شئی کوکہاجاتاہے، جوابطالِ حق یااحقاقِ باطل کے لئے دیاجائے،یہ باجماع امت حرام ہے، آپ ا نے رشوت لینے اوردینے والے دونوں پرلعنت بھیجی ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ‘‘لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی’’ (ابوداود، باب فی کراہیۃ الرشوۃ، حدیث نمبر: ۳۵۸۲، ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۳۶)۔

لیکن اس حرمت سے اس شخص کومستثنیٰ قراردیاگیاہے، جواپنے حق کے حصول کے لئے رشوت دے، علامہ بغویؒ لکھتے ہیں:

‘‘فأما إذا أعطى المعطى ليتوصل به إلى حق، أو يدفع عن نفسه ظلماً، فلابأس’’ (شرح السنۃ، باب الرشوۃ والہدیۃ للقضاۃ والعمال، حدیث نمبر: ۲۴۹۳)۔

جہانتک اس کاتعلق ہے کہ معطی اپنے حق تک پہنچنے یاظلم سے اپنے کوبچانے کے لئے رشوت دے تواس مینکوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن ہمامؒ رشوت کی قسمینتحریرکرتے ہوئے لکھتے ہیں:

‘‘الرابع: مايدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه وماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولايجوز أخذالمال ليفعل الواجب ’’ (شرح فتح القدیر، کتاب أدب القاضی: ۲۳۶،۷، ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والہدیۃ: ۳۴،۸)۔

(چوتھی قسم: جو مدفوع الیہ سے جان ومال پرخوف کودورکرنے کے لئے دے، یہ دینے والے کے لئے جائزہے ، لینے والے کے لئے ؛ کیونکہ مسلمان سے ضررکو

دورکرنا واجب ہے، اورواجب کی ادائے گی کے لئے مال لینا جائز نہیں(اس لئے رشوت لینادرست نہیں)۔

''فتاوی ہندیہ '' میں ہے:

''إذادفع الرشوة لدفع الجورعن نفسہ، أو أحد من أہل بیتہ، لم یأثم'' (الفتاوی الہندیۃ، کتاب الہبۃ، الباب الحادی عشر فی المتفرقات: ۴۰۳،۴)۔

(جب رشوت اپنے آپ یااپنے گھروالونسے ظلم کودفع کرنے کے لئے دے تووہ(دینے والا) گنہ گار نہیں ہوگا)۔

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ دفع ظلم اورحق کی وصولی کے لئے رشوت دینا جائز ہے، اب دیکھنا یہ ہوگا کہ جن امدادی رقوم اورقرضونکے حصول کے لئے رشوت دی جارہی ہے، وہ حق کے حصول کے لئے ہے یا نہیں؟ اگرحق کے حصول کے لئے ہے تودرست، ورنہ نادرست ہوگا، مثلاً: ایک شخص حکومتی امدادکامستحق یاایساضرورت مندہے، جس کے لئے قرض لیناجائز ہے؛ لیکن بغیرکچھ دئے نہ وہ امدادی رقم مل پارہی ہے اورناہی قرض ہی حاصل ہورہاہے، ایسی صورت مینکچھ دے دلاکرامدادی رقم اورقرض حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سوال نمبر(۱۰): امدادی رقم یاقرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ مینغلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پرامدادیاقرض سے فائدہ اٹھانے کاکیاحکم ہے؟

جواب: امدادی رقم یاقرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لیناورغلط طریقہ پرامدادیاقرض سے فائدہ اٹھانانادرست ہے؛ کیونکہ یہ دھوکہ دیناہے، جس سے اسلام نے ممنوع قراردیاہے، حضور اکرم اکاارشاد ہے:

''من حمل علیناالسلاح، فلیس منا، ومن غشنا، فلیس منا'' (صحیح مسلم، باب قول النبی ﷺ: من غشنا فلیس منا، حدیث نمبر: ۱۰۱)۔

(جس نے ہم پرہتھیاراٹھایا، وہ ہم مینسے نہیں اورجس نے ہمیندھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''لیس منامن غش'' (جامع الأصول فی أحادیث الرسول، فیمالایجوزفعلہ فی الخداع، الفرع الأول: فی مطلق الخداع حدیث نمبر: ۳۲۸)۔

غلط بیانی کرناان اعمال مینسے ہے، جن پراللہ کی لعنت ہوتی ہے، ارشادِ تعالیٰ ہے: ''لعنت اللہ علی الکاذبین'' (آل عمران: ۶۱)۔

نیزیہ باطل طریقہ سے مال کھاناہے، جس سے قرآن سے سختی کے ساتھ منع کیاہے، ارشاد باری ہے:

''وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيْقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ

بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ" {البقرۃ: ۱۸۸}

(اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال نا روا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آ گے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصّہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جا ئے)۔

دروغ گوئی مؤمن کی شان کے خلاف ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا:

"کل خلۃ یطبع علیہا المؤمن؛ إلاالخیانۃ والکذب" (مسندابی یعلی، حدیث نمبر: ۷۱۱، مسنداحمد، حدیث نمبر: ۲۲۱۷۰، مصنف ابن ابی شیبۃ، حدیث نمبر: ۳۰۹۷۵)۔

خیانت اوردروغ گوئی کے علاوہ ہرعادت مؤمن کے اندرہوسکتی ہے۔

ان تمام آیات واحادیث سے یہ بات واضح طورپرمعلوم ہوتی ہے کہ غلط بیانی سے کام لینادرست نہیں، "الموسوعۃ الفقہیۃ کویت " مینہے:

"اتفق العلماء علی أن الغش حرام، سواء أکان بالقول، أم بالفعل، وسواء أکان بکتمان العیب فی المعقود علیہ، أوالثمن، أم بالکذب والخدیعۃ، وسواء أکان فی المعاملات، أم فی غیرہا من المشورۃ والنصیحۃ" (الموسوعۃ الفقہیۃ، لفظ: غش: ۲۱۹،۳۱)۔

علماء کااس بات پراتفاق ہے کہ دھوکہ حرام ہے، خواہ قول کے ذریعہ سے ہویافعل کے ذریعہ سے، یامعقود علیہ یاثمن مینعیب کوچھپاکرہو، یا جھوٹ یادھوکہ کے ذریعہ سے ہواورخواہ یہ معاملات مینہویااس کے علاوہ مشورہ یانصیحت وغیرہ میں۔

البتہ بعض دفعہ حق کوحاصل کرنے کے لئے جھوٹ کاسہارالینابھی ایک مجبوری بن جاتاہے، جیسے: کوئی شخص حکومت کے متعینہ معیارات پرمکمل اتر رہا ہواوروہ محتاج بھی ہو؛ لیکن کرپٹیڈعناصرکے ہاتھونمینامدادی رقوم رہنے کی وجہ سے جھوٹ کاسہارالئے بغیرحاصل کرناممکن نہ ہوایسی صورت غلط بیانی سے کام لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، اس کی تائیداس بات سے ہوتی ہے کہ حق کوحاصل کرنے کرنے کے لئے رشوت دیناجائز ہے، نیز مجبوری مینسودی قرض لیناجائز ہے، یہانبھی غلط بیانی ایک مجبوری ہے؛ اس لئے جائز ہونی چاہئے۔

سوال(۱۱): بعض اسکیمونمینتعلیم یاکسی اورمقصدکے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اوراس پرجوانٹرسٹ عائد ہوتا ہے، وہ خود مقروض کواداکرنا نہیں ہوتاہے؛ بل کہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے، یا اس کابڑاحصہ حکومت اداکرتی ہے اوربہت تھوڑا سا حصہ خودمقروض کواداکرناہوتاہے، کیاایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اس سوال کوچارمختلف اجزاء مینتقسیم کیاجاسکتاہے:

۱- تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے۔

۲- تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت اداکرے۔

۳- تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت ادا کرے۔

۴- تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت ادا کرے۔

پہلی صورت(تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے) کاجواب یہ ہے کہ اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانابالکل جائز ودرست ہے؛ کیونکہ حکومت جوزائدرقم ہماری طرف سے اداکررہی ہے، وہ ہمارے لئے اعانت ہے، جس سے فائدہ اٹھانا ایک جائز عمل ہے، جیساکہ سوال نمبر(۶)کے جواب میں گزر چکا ہے۔

دوسری صورت (تعلیم کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرے) کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس میں سود ادا کرنا پڑتا ہے، خواہ جس مقدارمینہو؛ اس لئے ایسے قرض کے سلسلہ میں دوباتوں میں غور کرنے کی ضرورت ہے:

۱- جس تعلیم کے لئے قرض لیاجارہاہے، وہ فرض کفایہ مینسے ہے اورقرض لینے والے شخص کے علاقہ مینفرض کفایہ کی ادائے گی کرنے والا کوئی نہیں۔

۲- وہ تعلیم ، جس کے لئے قرض لیاجارہاہے، ہوتوفرض کفایہ توہے؛ لیکن اس کی ادئے گی کرنے والے موجود ہوں۔

ان دونوں صورتوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے ہمینیہ جان لیناچاہئے کہ فرض کفایہ علوم کونسے ہیں؛ تاکہ حکم لگانے مینسہولت بہم ہوسکے، مشہوراسلامی فلاسفر امام غزالیؒنے ‘فرض کفایہ علوم’ کاذکر کرتے ہوئے فرمایا:

‘‘أمافرض الكفاية، فهوعلم لايستغنى عنه فى قوام أمورالدنياكالطب، إذهوضرورى فى حاجة بقاء الأبدان، وكالحساب، فإنه ضرورى فى المعاملات، وقسمة الوصايا، والمواريث وغيرهما، وهذه هى اعلوم التى لوخلاالبلدعمن يقوم بهاحرج أهل البلد، وإذاقام بها واحدكفى وسقط الفرض عن الآخرين’’ (إحياء علوم الدين، كتاب العلم، الباب الثانى: بيان العلم الذى هوفرض كفاية: ۱،۲۸)۔

(جہانتک فرض کفایۃ کاتعلق ہے تووہ علم ہے، جس سے دنیاوی معاملات کی درستگی میں چھٹکارہ نہیں، جیسے: ڈاکٹری کہ جسمانی بقا کی حاجت کے لئے یہ ضروری ہے، اورجیسے: حساب کہ میراث ووصیت کی تقسیم اورمعاملات کے لئے ضروری ہے، اوریہ وہ علوم ہیں کہ اگرشہران کے جاننے والے سے خالی ہو تواہل شہر حرج ومشقت مینپڑجائیں اور اگر ایک شخص بھی ان اموركوانجام دینے والاہوتوکافی ہوگا اوردوسروں سے فرض ساقط ہو جائے گا)۔

امام غزالیؒ کی وضاحت سے ہمینمعلوم ہوتاہے کہ پہلی صورت مینقرض لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، بالخصوص موجودہ زمانہ میناورہمارے ملک میں، جہانفرقہ پرستی کاعفریت راج کرتاہے، گنجائش کی یہ بات اس مسئلہ کی روشنی مینبھی کہی جاسکتی ہے، جس میں ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح '' کے ذریعہ محتاج کے لئے سودی قرض لینے کی بات کہی گئی ہے ، فرض کفایہ کی تعلیم، جب کہ پوراعلاقہ خالی ہو، ایک دینی اور قومی ضرورت ہے، جوذاتی ضرورت سے کہینبڑھاہواہے؛ اس لئے اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

جہاں تک دوسری صورت کاتعلق ہے تواس مینگنجائش نہیں ہونی چاہئے کہ یہاں نہ دینی ضرورت ہے اورناہی قومی ضرورت۔

تیسری صورت (تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ خود حکومت اداکرے)کاجواب بھی اثبات مینہے کہ یہ حکومت کی طرف سے ہماری اعانت ہے، جوحکومت پرضروری ہے؛ اس لئے اس صورت مینحکومت کی اعانت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اب رہی چوتھی صورت (تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کاکسی کوبینک سے قرض دلاکربینک انٹرسٹ کابڑا حصہ حکومت اداکرے)کی بات، تواس سلسلہ میں ہمیں یہ دیکھناہوگا کہ:

۱- اگروہ مقصد ایک ''ضرورت '' ہے تو ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' کی روشنی میناس طرح کے قرض سے فائدہ اٹھاناجائزہے۔

۲- لیکن اگروہ مقصد ''ضرورت '' نہینتواس کے لئے اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھاناجائز نہیں۔

سوال نمبر(۱۲): بعض اسکیمینایسی بھی ہیں، جن مینحکومت نے ایک محفوظ فنڈقائم کردیاہے، جس کوبینک مینڈپازٹ کردیاگیاہے اورانٹرسٹ سے جورقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اورافرادواشخاص کاتعاون کیاجاتاہے، گویاحکومت یاحکومت کااداراہ انٹرسٹ وصول کرتاہے، اس کامالک ہوتاہے اور پھروہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مددکرتاہے توکیایہ صورت درست ہوگی؟

جواب: اس طرح کی اسکیمونسے استفادہ کرناجائزہے؛ کیونکہ ایساہوسکتاہے کہ ایک چیز کے اندردوچیزونکی صلاحیت اوراس کی دومختلف حیثیتیں ہوں، جیسے: ولایتِ نکاح کا ایک مسئلہ بیان کیاجاتاہے کہ اگرکسی صغیرہ لڑکی کاولی اس کاچچازادبھائی ہواوروہ چچازادبھائی اپنی چچازادبہن سے نکاح کرلے توجائز ہے، یہاناس کی دوحیثیتیں بتلائی گئی ہیں:

''فیکون أصیلاً من جانب، ولیامن جانب أخر'' (اللباب فی شرح الکتاب، کتاب النکاح: ۱،۲۵۹)۔

(وہ ایک جانب سے اصیل(بذاتِ خود) ہوتاہے، جب کہ دوسرے جانب(لڑکی کی

جانب) سے وکیل)۔

اس طرح کی واضح مثال حدیث شریف مینوارد ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

‘‘أتی النبی ﷺ بلحم، فقیل:تصدق علی بریرۃ، قال:ہولہا صدقۃ، ولنا ہدیۃ (بخاری، باب قبول الہدیۃ، حدیث نمبر: ۲۵۷۷، نسائی، باب خیار الأمۃ، حدیث نمبر: ۳۴۴۷)۔

(آں حضرت اکے پاس گوشت لایاگیااوربتلایاگیاکہ یہ بریرہ کوصدقہ کیاگیاہے، آپ ا نے فرمایا: وہ اس کے لئے صدقہ اورہمارے لئے ہدیہ ہے)۔

اس حدیث کے ضمن میں علامہ نورالدین سندیؒ لکھتے ہیں:

‘‘(ولناہدیۃ) فبین أن العین الواحدۃ یختلف حکمہا باختلاف جہات الملک’’ (حاشیۃ السندی علی النسائی: ۱۶۲،۶)۔

(اورہمارے لئے ہدیہ ہے) اس مینواضح کیا کہ عینِ واحدکاحکم جہت ِملک کے اختلاف سے مختلف ہوتاہے۔

آپ اپرصدقہ حرام تھا، اسی لئے آپ صدقہ قبول نہینکرتے تھے، حضرت بریرہؓ پرحرام نہیں تھا، اس لئے ان کے پاس صدقہ بھیجاگیاتھا، آنحضرت اکے گوشت کے اس صدقہ والے تحفہ کوپیش کیاگیا، جواصل کے اعتبارسے آپ کے درست نہیں تھا؛ لیکن آپ انے جہت ِملک کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کی بات بتلائی اورفرمایاکہ یہ ہمارے حق میں(حضرت بریرہؓ کی طرف سے)ہدیہ ہے، علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

‘‘المتصدق علیہ زال عنہا وصف الصدقۃ، وحلت لکل واحدممن کانت الصدقۃ محرمۃ علیہ’’ (شرح أبی داود، باب فی فقیریہدی إلی غنی من الصدقۃ، (حدیث نمبر: ۱۷۷۵): ۴۰۸،۶)۔

متصدق علیہ سے صدقہ کی صفت ختم ہوگئی اورہراس شخص کے لئے جائز ہوگیاجس پرصدقہ حرام تھا۔

مذکورہ مسئلہ کی مزیدوضاحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایک فتوے سے ہورہی ہے:

‘‘عن ابن مسعودأنہ سئل عمن لہ جاریأکل الرباعلانیۃ، ولایتحرج من مال خبیث یأخذہ یدعوہ إلی طعام، قال: أجیبوہ ، فإنما المہنألکم، والوزرعلیہ ’’ (جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی،ص: ۷۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھاگیاکہ جس کاپڑوسی علانیہ سودکھاتاہو اورمال خبیث لینے میں ہچکچاتا نہ ہو، وہ (اگر) کھانے کی دعوت کرے(توکیاکرنا چاہئے)انھوں نے جواب مینفرمایا: اسے جواب دو کہ تمہارے لئے خوش گوارہے اورگناہ اُس پرہے۔

مذکورہ عبارات سے یہ بات آشکارہوگئی کہ اس طرح کی حکومتی اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہے۔

سرکاری اسکیموں اور معمولی شرح سود کا حکم

مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی بہرائچی•

ترتیب وار سوالنامہ میں مذکور جزئیات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱۔ وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے او رلی ہوئی رقم سےکم واپس کرنا پڑتا ہے تو ایسے قرض سے مسلمانوں کو استفادہ جائز ہے، شرعا یہ تبرع کے حکم میں ہے قرض لینے والا اس کا مالک ہوجاتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے، ''ویکون متبرعاً علی المدعی علیہ، کما لو تبرع بقضاء الدین'' (الہدایہ ۲۵۰٫۳ باب التبرع بالصلح ویتوکل کتاب الصلح)، ''العفو إنما یسقط ماکان مستحقا للمعافی خاصۃ'' (قواعدالفقہ٫۹۳، رقم: ۱۹۱)، ''وہبۃ الدین ممن علیہ إبراء'' (الہدایہ ۲۹۲٫۳ باب ما یصح رجوع وما لا یصح کتاب الہبۃ) ''ہبۃ الدین ممن علیہ الدین جائز قیاساً واستحساناً، کذا فی التاتارخانیۃ'' (الفتاوی الہندیہ ۳۸۴٫۴، الباب الرابع فی ہبۃ الدین)۔ فتاوی قاسمیہ (۲۲۱٫۱۷) میں ہے: اگر حکومت نصف معاف کردیتی ہے تو اس کا حکم شرعاً تبرع کے ہے، شرعی طور پر خود مالک ہوجاتا ہے وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے، اس کے صرف کرنے میں من جانب شرع کوئی پابند نہیں ہے (فتاوی قاسمیہ ۲۲۱٫۱۷ کتاب الامارۃ والسیاسۃ)۔

۲۔ اس صورت میں جبکہ مقررہ مدت میں قرض کو واپس کرنے کی حالت قرض کا ایک حصہ حکومت معاف کرتی ہےتو یہ بھی پہلی صورت کی طرح شرعاً تبرع میں داخل ہوکر جائز ہے، ''ویکون متبرعاً علی المدعی علیہ کما لو تبرع بقضاء الدین '' (الہدایہ ۲۵۰٫۳ کتاب الصلح)، ''العفو إنما یسقط إما کان مستحقاً للعافی خاصۃ'' (قواعد الفقہ٫۹۳، رقم: ۱۹۱) اور بصورت دیگر مقررہ مدت کے بعد اگر ادا کیا تو پورا قرض ادا کرنا ہوتا ہے یہ بھی شرعاً جائز ودرست ہے، کیونکہ اس قرض میں سے زائد کوئی رقم دینی نہیں پڑتی ہے بلکہ جتنا قرض ہے اتنا ہی دینا ہوتا ہے، لہذا ''الدیون تقضی بأمثالہا'' کے تحت شرعاً جائز ودرست ہے، فتاوی شامی میں ہے:''الدیون تقضی بأمثالہا'' (شامی زکریا ۶۷۵٫۷ کتاب الایمان مطلب الدیون تقضی بامثالہا، کذا فی الاشباہ والنظائر ۳۴۹٫۲، الفن الثانی کتاب المداینات) ''ہو عقد مخصوص یرد علی دفع مثلی لیرد مثلہ'' (تنویر الابصار ۳۸۸٫۷ باب المرابحۃ والتولیۃ فصل فی القرض) خلاصہ یہ کہ دونوں صورتیں شرعاً جائز ودرست ہیں۔

۳۔ مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی

• خادم التدریس والافتاء معراج العلوم، چیتا کیمپ، ممبئی۔

ادا کرنی پڑتی ہے تو یہ زیادتی سود کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور سود کی حرمت کتاب وسنت اور کتب فقہ میں مصرح ہے ، ارشاد خداوندی ہے: ‘‘أحل الله البيع وحرم الربا’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۵) (اللہ تعالی نے حلال کیا ہے سودا گری کو اور حرام کیا ہے سود کو) (ترجمہ شیخ الہند،۱۶۵ تفسیر عثمانی)، ارشاد نبویﷺ ہے: ‘‘عن جابرؓ قال لعن رسول اللهﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: وهم سواء’’، حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے روایت ہے آپﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے والے سود دینے والے سودی دستاویز لکھنے والے او راس کے گواہوں پر اور ارشاد فرمایا کہ لعنت میں سب برابر ہیں (صحیح مسلم ۲۷،۲، رقم: ۱۵۹۸ باب لعن اكل الربا، ترمذی۲۲۹،۱، رقم: ۱۲۰۶ باب ما جاء فی اكل الربا، ابوداؤد۴۷۳،۲، ابن ماجہ ۱۶۵،۲، مسند احمد بن حنبل ۸۳،۱، رقم: ۶۳)۔

(۱) ‘‘لأن الربا هو الفضل إلى عن العوض’’ (شامی زکریا ۳۹۹،۷ باب الربا، البحر الرائق ۱۲۴،۶ باب الربا)، ربا (سود) وہی وہ زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہو (الہدایہ۸۰،۳)۔

(۲) ‘‘أما فی اصطلاح الفقهاء فهو زياده أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل بذه الزيادة عوض’’ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲۲۷،۲)، فقہا ء کرام کی اصطلاح میں ربا (سود) وہ م ہم جنس بدلیں میں سے ایک کا زیادہ ہونا کہ اس زیادتی کا مقابل کوئی عوض نہ ہو۔

(۳) ‘‘الربا لغة مطلق الزيادة وشرعاً فضل خال عن عوض بميعاد شرعی مشروط لأحد المتعاقدين’’۔ ربا کے لغوی معنی مطلق زیادتی کے ہیں اور شرعاً ہ زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہو (اللباب فی شرح الکتاب ۲۲۱،۱ باب الربا)۔

‘‘فی المعاوضة الربا فی اللغة ہو الزيادة، وفی الشرع عقد فاسد بصفة سواء كان ہناک زيادة أولی، والربا حرام بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى وحرّم الربا، وأما السنة فقوله ﷺ أكل درہم واحد من ربا أشد من ثلث وثلثين زينة يزينہا الرجل، ومن بنت لحمه من حرام فالنار أولی بہ، وقال ابن مسعود:آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه إذا علموا بہ ملعونون على لسان محمدﷺ إلى يوم القيامة ’’ (كذا فی النہاية، الجوہر ۲۵۸،۱ باب الربا)۔

خلاصہ یہ کہ سود کے تحقق کی وجہ سے یہ صور ت ناجائز وحرام ہے۔

۴۔ غیر معافی والےیا معافی والے قرضوں میں جو اصل رقم سے زائد کا مطالبہ مشروط ہوتا ہے تو یہ زائد رقم اس کی شرح خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو سود کے دائرہ میں داخل ہوکر حرام ہوگی چونکہ یہ زیادتی مشروط ہے اور خالی عن العوض ہے اور یہ زیادتی صلب عقد میں داخل ہے لہذا اس پر سود کا تحقق ہوگا، ‘‘الربا لغة مطلق الزيادة وشرعاً فضل خال عن عوض بمعيار شرعی مشروط لأحد المتعاقدين فی المعاوضة ’’ (اللباب فی شرح الکتاب ۲۲۱،۱ باب الربا) ‘‘قال ابن عبد البر:وكل زيادة فی سلف أو منفعة ينتفع بہا

السلف فہی ربا، ولو کانت قبضۃ من علف وذلک حرام إن کان بشرط" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳۰٫۳۳، الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۲۵۹٫۲) موسوعہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ تھوڑی سی مشروط زیادتی سود کے دائرہ میں داخل ہوکر حرام ہوگی سروس چارج یا انتظامی خرچ میں شمار کرنا درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ سرکاری کی طرف سے دیئے جانے والے قرض جن پر قرض سے زائد رقم وصول کی جاتی ہے یہ صاف اور واضح سود ہے جو کہ ناجائز وحرام ہے، ''عن جابرؓ قال:لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء" (صحیح مسلم شریف ۲۷٫۲ باب لعن آکل الربا، مسند احمد بن حنبل ۸۳٫۱، ۶۳) ''عن فضالۃبن عبیدؓ صاحب النبی ﷺ إنہ قال:کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ من وجوہ الربا" (سنن کبری بیہقی ۲۷۶٫۸، ۹۲۔۱۱۰)، ''کل قرض جر نفعاً إحرام" (شامی زکریا ۳۹۵٫۷ کتاب البیوع)۔

خلاصہ یہ کہ قرض پر زیادہ رقم کی واپسی جو کہ مشروط ہوتی ہے اس پر سود کا اطلاق کیا جانا بالکل واضح ہے ایسا قرض لینا شرعاً جائز ودرست نہیں ہے۔

۵ ب۔ مذکورہ قرضے جو مختلف عنوانات سے دیئے جاتے ہیں ان کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا اگر یہ سود پر مشتمل ہوگا تو ممنوع ہوگا ورنہ جائز ہوگا، البتہ اگر کسی شخص کو واقعی ضرورت درپیش ہو تو اس کے لئے جواز کی گنجائش ہوگی بات ضرورت کی آئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کی وضاحت ہوجائے اور اس کے درجات کی نشاہدہی ہوجائے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نے ''جواہر الفقہ " میں ضرورت واحتیاج کے پانچ درجات ذکر فرمائے ہیں، (۱) ضرورت، (۲) حاجت، (۳) منفعت، (۴) زینت، (۵) فضول ۔

(۱) ضرورت طبعی اضطرار، اس کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک یا قریب المرگ ہوجائے گا یہی صورت اضطرار کی ہے اس صورت میں حرام وممنوع چیز کا استعمال (یہ چند شرائط) جائز ہوتا ہے۔

(۲) حاجت، کے معنی یہ ہے کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا، مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے، اس لئے اس کے واسطے روزے نماز طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت اور سہولتیں تو دی گئی ہیں مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوگی۔

(۳) منفعت، یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا، لیکن نہ کرنے سے تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں، جیسے عمدہ قسم کے کھانے اورمقوی غذائیں اس حالت کے لئے نہ کوئی حرام حلال ہوتا ہے نہ روزہ کا افطار جائز ہوتا ہے مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہوسکیں تو استعمال کرے اور نہ حاصل

کرسکیں تو صبر کریں۔

(۴) زینت، جس سے بدن کی کوئی خاص تقویت بھی نہیں محض تفریح خواہش ہے ظاہر ہے اس کام کے لئے کسی ناجائز چیز کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) فضول، وہ ہے جو زینت مباح کے دائرہ سے بھی آگے محض ہوس ہو اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے احکام میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے اس فضولی کی مخالفت احادیث صحیحہ میں وارد ہے (فتاوی رحیمیہ جدیدہ ۲۸۰٫۵ مکتبہ الاحسان دیوبند، بحوالہ جواہر الفقہ ۲۹٫۲۸)۔

ضرورت کی ان پانچ قسموں ودرجات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) ضرورت طبعی اضطرار جس کی وجہ سے حرام چیزوں (شراب اور میتہ وغیرہ) کا استعمال جائز ہوتا ہے۔

(۲) ضرورت بمعنی حاجت جس کی وجہ سے حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں ہوتا، البتہ عبادات میں تخفیف آجاتی ہے، جیسا کہ حالت عذر وسفر وغیرہ میں روزہ افطار اور ترک جماعت وغیرہ۔

(۳) ضرورت بمعنی منفعت جیسا کہ قوت حاصل کرنے کے لئے عمدہ غذا وغیرہ تناول کرنا۔

(۴) ضرورت بمعنی زینت، جیسا کہ میلان طبیعت کی وجہ سے حلوہ ومٹھائی وغیرہ کھانا۔

(۵) ضرور ت بمعنی فضول، جیسا کہ خواہش نفس کی وجہ سے حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانا (ایضاح النوادر ۱۶۱٫۲۔۱۶۲)۔

''وفی فتح القدیر ہہنا خمس مراتب:ضرورۃ وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول، فالضرورۃ بلوغہ حداً إن لم یتناول الممنوع ہلک أو قارب، وہذا یبیح تناول الحرام والحاجۃ کالجائع لو لم یجد ما یأکلہ لم یہلک غیر أنہ یکون فی ومشقۃ، وہذا لا یبیح الحرام، ویبیح الفطر فی الصوم والمنفعۃ کالذی یشتہی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزینۃ المشتہی بحلوی والسکر والفضول التوسع بأکل الحرام والشبہۃ'' (حموی علی ہا الاشباہ والنظائر ۱۴۰٫)۔

مندرجہ بالا ضرورت وحاجت وغیرہ کی تعریف سے یہ ثابت ہوا کہ حرام چیز ضرورت واضطرار ہی کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوتی ہے، لہذا سود جو یہ نص قطعی سے حرام ہے اضطرار اور مجبوری کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوگا (مستفاد فتاوی رحیمیہ۲۸۰٫۵)۔

اسی طرح فقہاء کرام نے اضطرار اور حد درجہ کی شدید احتیاج ومجبوری کی صور ت میں، جبکہ بلا سودی قرض ملنے کی امید نہ ہو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں ہوگی، الاشباہ والنظائر میں ہے:

‘‘وفی القنیۃ والبغیۃ:یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ والنظائر۱،۲۶۷ الفن الاول فی القواعد الکلیۃ القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال، البحر الرائق ۶،۱۲۶ باب الربا، فتاوی رحیمیہ ۵،۲۸۰)۔ خلاصہ یہ کہ مختلف ضروریات کے لئے سودی قرضے صرف شدید احتیاج واضطرار کی صورت میں لئے جاسکتے ہیں اور کسی بھی عنوان سے قرض لیا جائے باہم کوئی فرق نہیں۔

۶۔ حکومت کی طرف سے جو رقومات مکمل طور پر اعانت کے مدنظر دی جاتی ہے خواہ وہ مکان بنانے اور بیت الخلاء بنانے کے لئے یا تعلیمی ضروریات کے لئے یا بچوں کی پیدائش پر یا کسی اور مقصد کے لئے اس کا حکم شرعاً تبرع کا ہے یہ حکومت کی طرف سے تبرع وہدیہ ہے اس کا استعمال سبھی کئے جائز ودرست ہے اور بلاتردد جائز اور حلال ہے۔ ‘‘أخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضہم:ما لم یعلم أنہ یعطیہ من حرام قال محمدؒ، وبہ نأخذ ما لم نعرف شیئاً حرام بعینہ وہو قول أبی حنیفۃ وأصحابہ إن الشیخ أبا القاسم کان یأخذ جائزۃ السلطان ’’ (الفتاوی العالمگیری زکریا قدیم ۵،۳۴۲، الباب الثانی عشر فی الہدایۃ والضیافات کتاب الکراہیۃ)۔

اور حکومت کا یہ تعاون امیر وغریب سب کے لئے حلال ہے ‘‘ما کان علی وجہ التبرع یستوی فیہ الغنی والفقیر’’ (قواعد الفقہ۱۱۶، رقم: ۲۹۷، مستفاد فتاوی قاسمیہ ۱۷،۲۲۳)۔

خلاصہ یہ کہ حکومت کی طرف سے امداد کے طور پر دی جانے والی رقومات کا حکم شرعاً تبرع کا ہے جس کو امیر وغریب سب استعمال کرسکتے ہیں۔

دلالی کی اجرت:

۷۔ جو لوگ سرکاری امداد کے حصول کے لئے واسطہ بنتے ہیں اور اس کے لئے جد وجہد کرتےہیں اپنا وقت صرف کرتے ہیں ان کی حیثیت دلال کی ہے پھر جو لیتے ہیں اگر وہ طےشدہ لیتے ہیں تو یہ دلالی کی اجرت ہے جس کے لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ دلال اجیر مشترک ہوتا ہے جو بہت سے لوگوں کے کام بیک وقت انجام دیتا ہے اور اگر دلالی میں باقاعدہ معاملہ طے نہ ہو، بلکہ مجہول ہو تو مذہب حنفیہ میں اس کو فاسد قرا ردیا گیا ہے اور کام پورا ہونے پر اجر مثل کی بات کہی گئی ہے نہ کہ اجرت مقررہ کی۔

‘‘وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل’’ (شامی زکریا ۹،۸۰)، مذکورہ عبارت کا محمل یہی صورت ہے لیکن اگر جہالت معمولی ہو یا کثر ت تعامل کی وجہ سے موجب نزاع نہ رہی ہو تو اس کو متاخرین فقہاء نے ضرورۃً جائز قرا ردیا ہے (مستفاد کتاب النوازل ۱۲،۳۱۷)، ‘‘والسمسار فی الأصل ہو القیم بالتمر والحافظ لہ ثم استعمل فی قولی البیع والشراء لغیرہ’’ (تکملۃ فتح الملہم ۱،۲۳۶ باب تحریم الحاضر للبادی)، ‘‘والسمسرۃ اصطلاحاً ہی التوسط بین البائع والمشتری والمسمار ہو الذی یدخل بین البائع والمشتری متوسطۃ لامضاء البیع وہ والمسن الدلال؛ لأنہ یدل المشتری علی السلع، ویدل البائع علی الأثمان’’ (الموسوعۃ

الفقہیہ۱۰؍۱۵۱، ۱۵۱)، ‘‘والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالأجر بیعاً وشراء’’ (المبسوط ۱۵؍۱۱۵، کتاب النوازل ۱۲؍۲۶۸)۔ متعاقدین کے درمیان جو واسطہ بنتا ہے اس کو دلال اور سمسار کہتے ہیں یہ تعریف سرکاری امداد سے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والے پر صادر آتی ہے لہذا اس کے لئے اپنے مطلوبہ محنتانہ لینے اور دوسرے لوگوں کو اس کے دینے کا جواز شرعاً۔

‘‘قال فی الدر المختار نقلاً عن البزازیۃ إجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاک ما لا یقدر فیہ الوقت ولا العمل تجوز لما کان الناس بہ حاجۃ ویطیب الأجر الماخوذ لو قدر أجر المثل’’ (شامی زکریا ۹؍۸۷ باب الاجارۃ الفاسدہ، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۴؍۴۵۰ الفصل الرابع فی الاجارۃ الفاسدۃ، المبسوط للسرخسی ۱۵؍۱۱۵، خلاصۃ الفتاوی ۳؍۱۱۶، الاشباہ والنظائر قدیم ۱۴۸، امداد الفتاوی ۳؍۳۶۶، کتاب النوازل ۱۲؍۳۴۶، فتاوی شامی زکریا ۹؍۸۷ باب اجرۃ الفاسد مطلب فی اجرۃ الدلال، الکافی فی فقہ أہل المدینہ ۲؍۷۵۶، اعلاء السنن ۶؍۲۴۶، کذا فی فتح الباری ۴؍۴۵۱ باب اجرۃ السمسرۃ، عمدۃ القاری ۱۲؍۹۳ باب اجرۃ السمسرۃ)۔

ان عبارتوں سے دلالی کی اجرت کے جواز پر روشنی پڑتی ہے یہ دلالی اگر طے شدہ ہے تو بلا شبہ جائز ہے اور اگر قدرے جہالت ہے یا کثرت تعامل کی وجہ سے موجب نزاع نہیں ہے تو اس کو متاخرین فقہاء نے صرف جائز قرار دیا ہے۔

‘‘عن حماد أنہ کرہ أجر السمسار إلا بأجر معلوم’’ (مصنف ابن شیبہ ۴؍۴۵۷، ۲۲۰۵۷)، ‘‘قلت: والحاصل أن الجہالۃ الیسیرۃ عفو فیما جری بہ التعامل لکونہا لا تفضی إلی النزاع عادۃ’’ (اعلاء السنن ۱۶؍۲۴۵ باب اجر السمسرۃ)۔

خلاصہ یہ کہ سرکاری امدادکے حصول کے لئے جو لوگ جدوجہد کرتے ہیں ان کی حیثیت دلال کی ہے ان کا محنتانہ دلالی کے اجرت کے عدد پر ہے، لہذا اس کا لینا اور دینا دونوں شرعاً جائز ہے۔

۸۔ سرکاری امداد کے مستحق شخص کے امدادی رقوم کے حصول میں واسطہ بننے والے شخص کا از خود اس میں کا ایک حصہ رکھ لینا تو شرعاً درست نہیں ہوگا حدیث شریف ہے: ‘‘لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منہ ’’ (مسند احمد ۷۲؍، شعب الایمان للبیہقی ۷؍۷۶۹، مشکوۃ شریف۲۵۵، مرقاۃ ۳؍۳۵۰)، البتہ اگر یہ شخص اس رقم کے حصول کے متعلق کاغذات کی تیاری اور دوڑ دھوپ پر اپنے محنتانہ کا اجرت مقرر کے معاملہ کرے تو یہ درست ہوگا اس وقت دلالی اور سمسرہ میں داخل ہوکر شرعاً جائز ہوگا، جیسا کہ ۷ میں متعدد عبارات مع حوالہ ذکر کی جاچکی ہیں، ‘‘وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال:أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل’’ (شامی زکریا ۹؍۸۷ باب الاجارۃ الفاسدۃ، مستفاد کتاب النوازل ۱۱؍۳۲۶)۔

اصل یہ ہے کہ واسطہ بننے والے شخص کا از خود رقم کا ایک حصہ رکھ لینا درست نہ ہوگا، البتہ معاملہ کرکے لینا ..... دلائی سمسرہ کم میں داخل ہوکر جائز ہوگا۔

۹۔ رشوت کالینا اور دینا دونوں از روئے حدیث حرام ہے موجب لعنت ہے روایت

ہے، ''عن عبد اللہ بن عمرؓ قال لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی''، آپ نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے (ترمذی ۲۴۸،۱، ۱۳۳۷، ابوداؤد۵۰۴،۲ کتاب القضاء)۔

''عن عبد الرحمن بن عوفؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ:الراشی والمرتشی فی النار'' یعنی رشوت لینے دینے والے دونوں دوزخ میں ہونگے (مجمع الزوائد ۱۹۹،۴)۔

''عن أبی سلمۃ بن عبد اللہ عن أبیہ قال:قال رسول اللہ ﷺ:الراشی والمرتشی فی النار'' (مسند بزار ۲۴۷،۳، ۱۰۳۷، المعجم الاوسط ۵۵۰،۱، ۲۰۰۲۶)، البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے اس صورت میں صرف رشوت لینے والا گنہگار ہوگا، جیسا کہ حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے۔

(۱) ''الرابع ما یدفع لدفع الخوف عن المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع حرام علی الآخذ'' (شامی ۳۵،۸ کتاب القضاء مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والہدیۃ)۔

(۲) ''ومنہا إذا دفع الرشوۃ خوفاً علی نفسہ أو مالہ، فہو حرام علی آخذ غیر حرام علی الدافع'' (البحر الرائق ۲۶۲،۶، فتاوی ہندیہ ۴۰۳،۴ کتاب الہدیہ)۔

(۳) ''دفع المال للسطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (شامی ۱۶۰۷،۹ الخطر والاباحہ فصل فی البیع)۔

(۴) ''أما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو لیدفع عن نفسہ ظلماً فلا بأس بہ'' (مرقاۃ ۲۴۷،۷ کتاب الامارۃ والقضاء)۔

ان تمام عبارات فقہیہ سے واضح ہوا کہ اپنے حق کے وصولیابی کے لئے بدرجہ مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، لہذا جو مستحق شخص سرکاری امداد بغیر رشوت دیئے حاصل نہ کرسکتا ہو اس کے لئے گنجائش ہے ان کو رشوت دینے کا گناہ نہ ہوگا، البتہ لینے والا ہر حال میں گنہگار ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ سرکاری امداد ورقوم اور قرضوں کے حصول میں مجبوراً رشوت دینے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ جو لوگ حکومت کے امدادی رقوم یا قرض کے استحقاق کے معیار وشرط پر پورے نہیناترتے اور جھوٹ وکذب بیانی سے اس کو حاصل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے ایسی سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانا حرام ہے یہ کذب وخیانت ہے جو کہ حرام ہے، ''قال اللہ تعالی لعنۃ اللہ علی الکاذبین'' (آل عمران: ۶۱)، ''وقال اللہ تعالی:''واجتنبوا قول الزور'' (سورۃ الحج: ۳۰)، حدیث شریف میں ہے:''عن أبی ہریرۃؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ:آیۃ المنافق ثلاث إذا حدث کذب'' (مشکوۃ۱۷)، ''قال الملا علی قاری:إذا حدث کذب وہو أقبح الثلثۃ'' (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۲۲۶،۱)۔

اس طریقہ سے حاصل کی جانے والی امدادی رقوم کو اپنے استعمال میں لانا باطل

طریقہ سے استعمال میں لانا ہے جس سے قرآن کریم نے روکا ومنع کیا ہے، قال اللہ تعالی:''یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (النساء: ۲۹)، قال اللہ تعالی:''ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (البقرہ: ۱۸۸)، ''قال الإمام القرطبی:من أخذ مال غیرہ لا علی وجہ أذن الشرع فقد أکل بالباطل'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳۲۸،۲)، ''قال العلامۃ البغوی:بالباطل الحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقۃ والخیانۃ ونحوہا'' (معالم التنزیل ۵۰،۲)، ''لا یأکل بعضکم أموال بعض بالوجہ الذی لم یبحہ'' (تفسیر ابی السعود ۳۱۸،۱، کذا فی احکام القرآن للجصاص ۲۵۰،۱)، ''أو بغیر عقد کالسرقۃ والغصب والخیانۃ والغلول ففی جمیع الأموال المال الحاصل حرام علیہ'' (بذل المجہود ۳۷،۱)۔

ان تمام آیات وعبارات کا خلاصہ یہی ہے کہ بغیر شرط ومعیار پورا کئے ہوئے امدادی رقوم وقرض حاصل کرنا غیر شرعی طریقہ سے حاصل کیا جانے والا مال ہے جس سے اجتناب لازم ہے اس بارے میں غلط بیانی سے کام لینا جھوٹ ہے جو کہ حرام ہے۔

حکومت کی ایسی اسکیم کہ حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس کا انٹرسٹ خود ہی بینک کو ادا کرتی ہے تو یہ سودی قرض کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، لہذا ایسے قرض سے استفادہ جائز ہے اور یہ قرض حسنہ کے درجہ میں ہوگا، البتہ جس صورت میں ایک بڑا حصہ انٹرسٹ کا حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ مقروض کو ادا کرنا پڑتا ہے تو ایسی اسکیم سے استفادہ کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سود تو بہرحال سود ہے کم ہو یا زیادہ حرام ہے اور موجب لعنت ہے۔ ''عن علیؓ مرفوعاً کل قرض جر منفعۃ فہو ربا'' (اعلاء السنن ۴۹۸،۱۴)۔

خلاصہ یہ کہ جس صورت میں حکومت از خود انٹرسٹ کی رقم ادا کرتی ہے اس صورت میں تو اس قرض سے استفادہ جائز ودرست ہے، اور جس صورت میں مقروض کو بھی تھوڑا سا حصہ ادا کرنا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں سود دینے کی وجہ سے استفادہ کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

اگر واقعی حکومت یا اس کا ادارہ وصول کرتا ہےپھر اس کا مالک بن کر اس اسکیم سے استفادہ کرنے والے لوگوں کی امداد کرتا ہےتو ایسی اسکیم سے استفادہ شرعاً ناجائز ہوگا انٹرسٹ کے اس طرح مالک ہونے سے اس کی حرمت ختم نہیں ہوتی، ''الحرام ینتقل أی تنتقل حرمتہ وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک'' (شامی ۳۰۰،۷ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطلب فی تعیین الدراہم فی القصد الفاسد، مستفاد فتاوی قاسمیہ ۲۸۰،۲۰)۔

خلاصہ یہ کہ ایسی اسکیم سے استفادہ درست نہیں جو خاص انٹرسٹ سے اسکیم چلتی ہے۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور معمولی شرح سود پر قرض کا حصول

مولانا محمد زبیر ندوی•

۱۔ شریعت میں ایسے قرض کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جس پر زائد رقم لی جاتی ہو، اسی کو ''ربا '' یعنی سود سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ یہ فقہی قاعدہ عام اور نہایت متداول ہے: ''کل قرض جر منفعۃ فہو ربا'' (فیض القدیر ۴۴۸۷،۹)۔

اور اسی مناسبت سے ''فتاوی عالمگیری '' میں ہے کہ ہر وہ مال جس کے عوض میں کوئی مال نہ ہو یعنی سود ہے۔

''وہو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال'' (الفتاوی الہندیہ ۱۱۷،۳)۔

لیکن زیر بحث مسئلہ میں حکومت جو قرضے اپنی رعایا کو دیتی ہے اس پر کوئی زائد رقم کا مطالبہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ حکومت اس کا ایک حصہ معاف بھی کردیتی ہے، جو حکومتی قانون اور عرف عام میں حکومت کی رعایا کے لئے امداد ہوتی ہے، اور جیسا کہ ظاہر کہ رعایا کی دیکھ بھال کرنا اور معاشی ومادی اعتبار سے انہیں ترقی دینا اور اس کی فکر کرنا اور حسب ضرورت وبقدر قوت امداد واعانت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور اسی احساس وجہ داری کے تئیں سرکار قرضے کا ایک حصہ معاف کرتی ہے، لہذا یسے قرض لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ بلا ضرورت لینے میں احتیاط برتنا چاہئے کہ قرض خوری کی عادت بن جانے کا اندیشہ ہے، چنانچہ اسی قسم کے ایک سوال کا جواب حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوری تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اگر یہ صحیح ہے کہ بطور امدا دوہ رقم دی جاتی ہے او راس پر کوئی سود نہیں لیا جاتا تو یہ سودی معاملہ نہیں ہے، اس لئے درست ہے '' (فتاوی رحیمیہ ۱۳۵،۶)۔

۲۔ جوا ب نمبر ۱ سے واضح ہوچکا ہے کہ سود اسے کہتے ہیں جو قرض پر زائد رقم ہو اور اس زائد رقم کے مقابلہ میں کوئی مال نہ ہو، زیر بحث صورت میں چونکہ حکومت اپنے دیئے ہوئے قرض سے زائد رقم نہیں لیتی ہے؛ بلکہ مدت سے پہلے یا وقت پر ادا کرنے سے حکومت اپنی امداد دے گی، اور تاخیر کرنے پر حکومت اپنی امداد سے محروم کردے گی، اور جتنی رقم حکومت نے دی تھی صرف اتنی ہی وصول کرے گی، لہذا ایسا سرکاری قرض لینا بھی درست ہے، کہ اس میں کوئی سودی معاملہ نہیں ہے۔

• دار العلوم اسلامیہ، گلشن نگر، اوشیوری، جوگیشوری، ممبئی۔

''قال محمدؒ فی کتاب الصرف:إن أبا حنیفۃؒ کان یکرہ کل قرض جر منفعۃ، قال الکرخی: ہذا إذا کانت المنفعۃ مشروطۃ فی العقد'' (الفتاوی الہندیہ ۲۰۲،۳)۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ کی ایک نظیر بھی ہندیہ میں یوں منقول ہے:

''رجل لہ علی رجل ألف درہم قرضاً فصالحہ علی مائۃ منہا إلی الأجل صح الحط والمائۃ حالۃ'' (الفتاوی الہندیہ ۲۰۵،۳)۔

۳۔ اگر مقررہ مدت کے بعد کچھ رقم زائد ادا کرنا پڑے اور وہ ادائیگی حکومت کی جانب سے بصور ت تاخیر واجب نہ ہو اور عقد قرض کے وقت اس کی شرط بھی نہ لگائی گئی ہو، بلکہ مستقرض اپنی خوشی سے بغیر سرکار کے مطالبہ کے ادا کرے تو یہ درست ہے، کیونکہ اس میں ربا کی شرط نہیں پائی جارہی ہے، بلکہ اسے حدیث میں حسن القضاء سے تعبیر کیا گیا ہے، اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

''فإن لم تکن المنفعۃ مشروطۃ فی العقد فأعطاہ المستقرض أجود مما علیہ فلا بأس بہ'' (الفتاوی الہندیہ ۲۰۲،۳)۔

لیکن اگر تاخیر کی صورت میں زیادہ رقم کی ادائیگی حکومت کا مطالبہ ہو، اور مستقرض کے لئے دینا لازم ہو، تو یہ صریح ربا اور سود ہے، جو جائز نہیں ہے، کیونکہ قرض میں مستقرض کو اتنا ہی لوٹانا ہے جتنا اس نے لیا ہے، اگر زائد لوٹاتا ہے تو سود ہوگا۔

''لا یجوز أن یرد المقترض إلی المقرض إلا ما اقترضہ منہ أو مثلہ تبعاً للقاعدۃ الفقہیۃ القائلۃ: کل قرض جر نفعاً فہو ربا'' (فقہ السنہ ۱۴۸،۳)۔

۴۔ شریعت اسلامیہ نے قرض پر نفع کے سلسلہ میں کم نفع یا زیادہ نفع کی کوئی قید نہیں لگائی ہے، نفع مقرض بہت کم لے یا بہت زیادہ یا متوسط بہرحال ناجائز اور حرام ہے، علامہ علاء الدین کاسانی لکھتے ہیں:

''أما الذی یرجع إلی نفس القرض فہو أن لا یکون فیہ جر منفعۃ'' (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵۱۸،۶)۔

''فتاوی محمودیہ '' میں بصراحت منقول ہے:

''سودی معاملہ کرنا جائز نہیں، سود قلیل ہو یا کثیر'' (فتاوی محمودیہ ۳۰۴،۱۶ باب الربا)۔

لیکن چونکہ موجودہ دور میں حکومت کا قرضی معاملہ کافی وسیع او ربڑے پیمانہ پر ہوتا ہے، او راس کو عوام تک پہنچانے او راسکیم سے بسہولت فائدہ اٹھانے کے لئے دفاتر یا دیگر ذرائع جیسے بینک وغیرہ اپنائے جاتے ہیں، جس میں خاصی رقم خرچ ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت ایک طرف اسکیم کے مطابق معافی یا غیر معافی والے قرضے دے رہی ہے، او راس پر مستفاد یہ کہ اس پورے عمل میں لگنے والی لاگت بھی بھرے تو یہ ایک مشکل کام ہے، یہی وجہ ہے کہ سرکار کچھ رقم لیتی ہے، اب اگر یہ زائد رقم سود کے نام پر لیتی ہے یا فیصد کے اعتبار سے انٹرسٹ کی صراحت کردیتی ہے تو

بلاشبہ یہ سود ہوگا، او راس ایسا سودی قرض لینا بلاوجہ شدید مجبوری کے درست نہ ہوگا، چنانچہ مشہور ومتداول کتاب ہدایہ میں ہے:

''لأن الربا ہو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض وشرط فیہ'' (الہدایہ ۳،۸۰ باب الربا)۔

لیکن یہی قلیل زیادتی اگر اس قدر کم ہو کہ واقعی اسے سروس چارج کہا جاسکتا ہو، اور عرفاً اسے سروس چارج ہی سمجھا جاتا ہو اور حکومت سود کے نام سے مطالبہ کرے، بلکہ اجرت الخدمت کے نام سے مطالبہ کرے اور قرضی دستاویزات یا فارم وغیرہ میں اسے سروس چارج ہی درج کیا جاتا ہو اور اس کا مقصد بھی اس عمل میں آنے والی لاگت کی بھرپائی ہو، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ اسے سود نہ سمجھا جائے، کیونکہ ایسا ہونا کبھی ناگزیر ہوجاتا ہے، اور مقصد بھی چونکہ سود وصول کرنا نہیں ہے، تو اس زائد مطالبہ کا شمار سود میں نہ ہوگا، اس سلسلہ میں ان قواعد سے بھی روشنی پڑتی ہے جن میں اعمال کو نیت کے تابع قرار دیا گیا ہے اور مشقت کو دور کرنے اور ضرر کو ختم کرنے کی وضاحت ہے، جیسے:

''الأمور بمقاصدہا، إنما الأعمال بالنیات، الحکم الذی یترتب علی أمر یکون علی مقتضی ما ہو المقصود من ذلک الأمر، المشقۃ تجلب التیسیر یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام'' (انظر شرح المجلۃ ۱،۱۹۔۳۹)۔

۵۔ سرکار کی جانب سے دیئے جانے والے قرض پر جو زائد رقم کا مطالبہ ہے اگر وہ اس قدر زیادہ ہو کہ سروس چارج یاانتظامی خرچ پر محمول نہ کیا جاسکتا ہو تو بلاشبہ یہ سود ہے اور شریعت اسلامی میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

''وہو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال، وہو محرم فی کل مکیل وموزون بیع مع جنسہ'' (الفتاوی العالمگیریہ ۳،۱۱۷، الفصل السادس)۔

حکومتی سودی قرضے خواہ کسی بھی کام کے لئے دیئے جاتے ہوں عام حالات میں ان کا سود پر لینا درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص محتاج ہو تو اس سودی قرض اس حد تک لینے کی گنجائش ہے جتنے میں اس کی ضرورت پوری ہوسکے۔

''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (البحر الرائق ۶،۱۲۶ باب الربا)۔

''الضرورات تقدر بقدرہا، ما جاز بعذر بطل بزوالہ'' (مجلۃ الاحکام ۱،۳۷، ۳۹)۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ محتاج ہوگا کیوں؟ اور کس قسم کے لوگ اس میں آئینگے، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصولیین کی اصطلاح میں حاجت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ میں سے کسی مقصد کا وجود موقوف نہ ہو، لیکن اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت اور حرج پیدا ہوجائے۔

علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

‘‘وأما الحاجیات:معناہا أنہا مفتقرۃ إلیہا من حیث التوسع ورفع الضیق المؤدی فی الغالب إلی الحرج والمشقۃ اللاحقۃ بفوت المطلوب’’ (الموافقات للشاطبی ۵،۳)۔

لہذا اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے حالات سازگار نہ ہوں او ر اس کی اس کے بغیر گزر اوقات مشکل ہو تو ایسے شخص کا سودی قرض لینا درست ہوگا، چنانچہ علامہ یوسف القرضاوی دامت فیوضہم نے ایسے شخص کو سودی قرض لینے کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

‘‘وإذا کانت ہناک ضرورۃ أو حاجۃ ملحۃ اقتضت معطی الفائدۃ أن یلجأ إلی ہذا الأمر، فإن الإثم فی ہذا الحال یکون علی آخذ الربا وحدہ، وہذا بشرط أن تکون ہناک ضرورۃ أو حاجۃ حقہ’’ لا مجرد توسع فی الکمالیات أو أمور یستغنی عنہا’’ (الحلال والحرام فی الاسلام،۳۱۹)۔

اسی سلسلہ میں ‘‘فتاوی محمودیہ ’’میں ایک سوال کا جواب ان الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے:

‘‘سود لینا اور دینا حرام ہے، اگر گزارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے ’’ (فتاوی محمودیہ ۳۰۲،۱۶ باب الربا)۔

ہندوستان کے معروف صاحب فتاوی حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ اپنے فتاوی میں رقمطراز ہیں:

‘‘بینک سے سودی معاملہ کرنا درست نہیں، اگر اضطراری اور حد درجہ کی مجبوری ہو تو جتنی رقم سے ضرورت پوری ہوجائے اتنی ہی مقدار سودی قرض لینے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ لینا درست نہیں ہے ’’ (فتاوی رحیمیہ ۱۳۶،۶ کتاب الربا)۔

ان تمام علماء کے فتاوی اور فقہی عبارات سے یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ شدید ضرورت مند اورمحتاج کے لئے بقدر ضرورت حکومتی سودی قرض لینا جائز ہے، اس بابت حضرت الاستاذ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا ایک اقتباس مفید معلوم ہوتا ہے، حضرت الاستاذ اپنی مشہور، بے نظیر تصنیف میں تحریر فرماتے ہیں:

الف: عام حالات میں محض معیار زندگی کی بلندی اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے پیش نظر سودی قرض لینا جائز نہیں۔

ب: ضرورت یعنی ایسے حالات میں، جبکہ کھانے پینے، کپڑے، علاج وغیرہ کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لئے سودی قرض کے سوا چارہ نہ رہے اور فاقہ مستی کی نوبت ہو تو سودی قرض لینا جائز ہے۔

د: مشقت کے معاملہ میں ایسی صورتوں میں جو اجتماعی بن گئی ہو نسبتاً زیادہ تخفیف برتی جاسکتی ہے۔

ہ: اشخاص وافراد کے لئے سودی قرض کب حاجت بن جاتا ہے اور کب نہیں؟ اس کااندازہ ان کے شخصی حالات اور علاقے اور خاندان کے معیار زندگی سے کیا جائے گا

(جدید فقہی مسائل ۵۶،۴)۔

۶۔ گورنمنٹ اپنے باشندوں کو مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر یا دیگر ضروریات کے لئے جو رقم دیتی ہے او راس کو واپس نہیں لیتی اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی شرط یا سود ہوتا ہے شرعی نقطہ نظر سے وہ امداد ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی غریب رعایا بھی خوشحال ہو اور اس کے لئے وہ کوشش بھی کرتی ہے، اور اس کا ایک طریقہ رعایا کو مالی امداد فراہم کرنا بھی ہے، اور جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کا مالی تعاون کرسکتا ہے حکومت بھی کرسکتی ہے، بلکہ اسے کرنا چاہئے، لہذا ایسی امدادی رقم لینا اور استعمال کرنا درست ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے ایسی امداد کو ہبہ بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ ہبہ کہتے ہیں کسی شخص کو کسی چیز کا بغیر عوض کے مالک بنانا اور یہاں یہی صورت پائی جارہی ہے۔

''الہبۃ تملیک مال لآخر بلا عوض'' (شرح المجلۃ، رقم الماده: ۸۳۳)۔

''تملیک العین بلا عوض وہی الہبۃ'' (التعریفات الفقہیہ،۲۳۷)۔

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری ؒ نے اپنے ایک فتوی میں ایسی رقم لینے کی صراحت کی ہے۔

''صورت مسئولہ میں سرکار کی طرف سے جو رقم ملتی ہے وہ سرکاری امداد ہے وہ لی جاسکتی ہے '' (فتاوی رحیمیہ ۲۰۵،۳ کتاب المتفرقات)۔

نیز ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حکومت بلا طلب بطور امداد اور غمخواری کے جو رقم دیتی ہے تو لینے میں مضائقہ نہیں '' (فتاوی رحیمیہ ۳۱۷،۶، مسائل شتی)۔

۷۔ گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والی رقوم کے حصول کے لئے یقینا کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اور بسااوقات خود دفتر یا بینک تک رسائی نہیں ہوپاتی، یا مستحق خود معذور اور اس قابل نہیں ہوتا کہ خود حاصل کرسکے، ایسے موقع پر ضرورت ہوتی ہے کہ انسان کسی آدمی سے مدد لے جو اس کے اس کام کو آسان کردےعرف میں عموماً یہ دلال ہوتے ہیں جو اس کام کو بسہولت کروا دیتے ہیں، اور اس پر وہ اپنی محنتانہ یا اجرت الخدمت لیتے ہیں، شرعی نقطہ نظر سے یہ معاملہ درست ہے، اور انہیں مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کی اجازت ہے، شرعاً کوئی قباحت نہیں، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''إجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فیہ الوقت ولا العمل تجوز لما کان بہ حاجۃ، ویطیب الأجر المأخوذ'' (رد المحتار ۳۳،۵ باب الاجارہ)۔

اور ''فتاوی ہندیہ '' میں ہے: ''وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل'' (الفتاوی الہندیہ ۴۵۰،۴ الفصل الرابع)۔

۸ ۔ اس سوال کا تعلق دراصل قفیز طحان والی روایت سے ہے، اس روایت سے

معلوم ہوتا ہے کہ خود اجیر کے جزء عمل کو اجرت بنانا درست نہیں ہے، اور اس پر بہت سے مسائل فقہاء احناف نے متفرع کئے ہیں اور اس روایت کو ایک مستقل اصل کی حیثیت دی ہے، اسی لئے صاحب ہدایہ تحریر فرماتےہیں:

''ہذا أصل کبیر یعرف بہ فساد کثیر من الإجابات، لا سیما فی دیارنا''۔

لیکن تحقیق سےثابت ہے کہ حدیث ''نہی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان'' والی روایت متکلم فیہ اور موقوف ہے، اس حدیث کا لیلا جزء اگرچہ بہت ساری روایات میں موجود ہے، لیکن حدیث کا دوسرا جزء حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق صرف دار قطنی، ابو یعلی اور بیہقی میں نقل کیا گیا ہے۔

نیز امام طحاویؒ اور دیگر محدثین نے اس پر بحث کی ہے کہ اس ممانعت کی علت کیا ہے؟ ان کی بحث کا خلاصہ ہے کہ اس میں اجیر یعنی آٹا پیسنے والا آٹا کو اجرت بناتا ہے جو فی الحال یعنی عمل سے پہلے اس کے پاس موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے پیسنے کے بعد ہی اس کا وجود ہوگا پس ایک معدوم اور غیر موجود شئی کو اس نے اجرت بنایا ہے اور اس طرح کی معدوم غیر موجود شئی کو اجرت بنانا درست نہیں ہے، اس لئے یہ معاملہ اور اس طرح کے دیگر معاملات درست نہیں ہونگے (تفصیل کے لئے دیکھئے مشکل الآثار ۲۹۷،۱، جدید فقہی مسائل ۱۸۸،۴-۱۹۸)۔

اوپر کی توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں پر علت پائی جائے گی وہ معاملہ ناجائز ہوگا، اور فقہی اصطلاحات وشرعی اصولوں میں دیکھا جائے تو اسی کا نام قیاس ہے، کہ ایک علت کو دوسری جگہ پر جہاں رہ علت موجود ہو وہی حکم دیا جائے تو پہلی صورت کا ہے، اب دیکھئے کہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جو احکام قیاس کے ذریعہ ثابت ہوں اگر عرف وعادت اس کے خلاف ہو تو قیاس کو ترک کیا جائے گا اور عرف پر عمل کیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں رقم ہو ردوم اور غیر موجود نہیں ہے، بلکہ اس پر صرف قبضہ نہیں ہوا ہے، اور اسی قبضہ کے لئے ساری تگ ودو ہورہی ہے، لہذا یہ مسئلہ قفیز طحان کی علت سے خارج ہے، اور پھر چونکہ عرف میں ایسے معاملات میں ایک حصہ دینے کا ہے لہذا عرف کی بنا پر بھی یہ معاملہ لین دین کا درست معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی ضروری ہے کہ کتنا دیا ہے وہ پہلے سے متعین ہو، وگرنہ عدم تعیین کی صورت میں اجرت مجہول اور مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے معاملہ درست ہوگا۔

اس بابت ایک اور بات ذہن میں آتی ہے کہ رقوم جو کہ دراہم ودینار یا کرنسی نوٹ کی شکل میں ہوتی ہیں، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ دراہم ودنانیر پر اور نوٹ وغیرہ متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے ہیں۔

''الفلوس بمنزلۃ الدراہم إذا جعلت ثمناً لا تتعین فی العقد وإن عینت'' (الفتاوی الہندیہ

۱۰۷،۳)۔

اور اسی عدم تعیین کی بنا پر وصول کرنے والا چاہے تو ان نوٹوں کو بدل کر دوسرے نوٹ دیدے تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا، اور جب وہ متعین ہی نہیں ہوئے اور دلالی کی اجرت دینے والے کو بالآخر دلال کی رقم ہی کی شکل میں اجرت دینی ہے تو چاہے اسی میں سے لے لے یا الگ سے لے، بات ایک ہی ہے، لہذا یہ معاملہ ہر اعتبا رسے درست معلوم ہوتا ہے اور دلال اسی سرکاری رقم سے اپنی دلالی کی اجرت لے سکتا ہے۔

۹۔ حکومت جو امدادی رقم یا امدادی قرض لوگوں کو دیتی ہے وہ اس کے مستحق لوگوں کے لئے لینا جائز ہے، بلکہ بسااوقات ان رقوم کا حاصل کرنا واجب ہوجاتا ہے، اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ ناجائز استعمال ہوگی یا غیر مستحق لوگ اس پر قابض ہوجائینگے اور اہل حاجت محروم رہ جائینگے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت کہ ہندوستان جیسے ملک میں ان رقوم کا حصول بغیر رشوت نہایت مشکل ہے، عام طور سے اس قسم کی رقوم کے حصول کے لئے لوگ دو طرح کا .....معاملہ کرتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ رقم ملنا متعین ہوتا ہے، اور دیر سویر ضرور وہ رقم مستحق کو مل جائے گی، لیکن جلد حاصل کرنے کے لئے لوگ رشوت دیتے ہیں کہ پہلے انہیں مل جائے گا، ظاہر ہے کہ صرف تاخیر سے بچنے اور جلد حصول کے لئے، جبکہ رقم ملنا متیقن ہو رشوت دینا درست نہیں ہے، ہاں اگر بہت زیادہ تاخیر کا امکان ہو اور اس کے بغیر کام نہ چل سکتا ہو، تو رشوت دے کر اپنی مجبوری دور کرنے کےلئے جلد حاصل کرنا درست ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر شوت نہ دے تو سرے سے اپنے حق ہی سے محروم ہوجائے گا، اور جو واقعی اس کا حق تھا اسے نہیں مل سکے گا، تو ایسی صورت میں بھی چونکہ بغیر رشوت دینا جائز حق اور استحقاقی رقم نہیں مل سکتی تو فقہاء کے بیان کے مطابق اپنے حق کو حاصل کرنے یا ظلم کو دور کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہوگا، البتہ سامنے والے کا رشوت لینا کسی طرح درست نہ ہوگا، چنانچہ فتاوی رحیمیہ میں ایک جگہ یوں مرقوم ہے:

‘‘دفع ظلم اور اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینی پڑے تو گنجائش ہے ’’ (فتاوی رحیمیہ ۱۱۸،۳ کتاب الحج)۔

۱۰۔ وہ امدادی رقوم یا قرض جو سرکار کی طرف سے ہوں، اور ان کے لئے حکومت نے کچھ شرائط ومعیارات متعین کئے ہوں، صرف انہیں کے لئے ہیں، اور وہی شرعاً اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے اندر وہ شرائط اور معیارات پائے جائیں، اورجو لوگ اس معیار یا شرط پر پورے نہ اتریں ان کے لئے ان رقوم کا حاصل کرنا اور غلط بیانی سے کام لینا یا غلط طریقے سے حاصل کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں

غیر مستحق اور معیاری سے خالی شخص کئی قسم کے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔

(۱) غلط بیانی سے کام لینا یعنی جھوٹ بولنا یا جھوٹے اور جعلی دستاویزات اور پروف دکھانا اور ان کی بنا پر اپنے کو مستحق ثابت کرنا بجائے خود بڑا گناہ ہے، اور اس گناہ کے بارے میں بڑی وعیدیں احادیث میں واردہوئی ہیں۔

(۲) اسی طرح اس میں دھوکہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان جان بوجھ کر حکومت کو دھوکہ دیتا ہے اور اپنی اہلیت کو چھپا کر اپنے کو اہل ثابت کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دھوکہ دینا شریعت میں بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے۔

(۳) اسی طرح اس میں حق تلفی بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ جب حکومت امدادی رقم یا قرض کی اسکیم تیار کرتی ہے تو اس کے سامنے خاص تعداد ہوتی ہے او ریہ تعداد حکومت کی نظر میں ان لوگوں کی ہوتی ہے جو واقعی امداد یا قرض کے مستحق ہوتے ہیں، اور جب غیر مستحق اس رقم کو لے گا تو ظاہر ہے کہ اس لسٹ میں سے ایک شخص جو مستحق تھا اسی کا حق لیا ہے، لہذا یہ اس کی حق تلفی ہوئی جو ناجائز ہے۔

(۴) پھر غور کیا جائے تو ایسا شخص اس صورت میں حکومت کے معاہدہ اور قانون شکنی کا مرتکب بھی ہوتا ہے ، جبکہ جائز امور میں حکومت کے قانون واحکام کی اطاعت وپابندی لازم ہے۔

ان تمام وجوہات کے پیش نظر شراط سے عاری اور معیارات سے خالی شخص کے لئے ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

۱۱۔ ربا یعنی سود کے بارے میں جو اصول ہے کہ ‘‘کل قرض جر نفعاً فہو ربا’’ کہ یہ وہ قرض جو نفع لائے وہ سود ہے، ظاہر ہے کہ اس میں عموم ہے اور عموم کا تقاضا ہےکہ وہ اپنے ہر فرد کو شامل ہو، پس قرض لینے والا سود کی رقم خواہ خود ادا کرے یا کوئی شخص یا تنظیم یا ادارہ ادا کرے، یا خود مستقرض کچھ ادا کرکے اور زیادہ حصہ کوئی اور بہرصورت یہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، اور بغیر کسی شدید ضرورت اور حاجت کے ایسی اسکیم سے سود پر قرض لینا اور فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے بیان کے مطابق سود پر لی گئی رقم کے اندر فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ معاملہ جو سود پر مبنی ہوتا ہے اوروہ نفع جو قرض دہندہ کو حاصل ہوتا ہے وہ درست نہیں ہوتا، اور شرع میں اصلاً وہی حرام ہے، اب ہم زیر بحث مسئلہ میں دیکھتے ہیں کہ سودی معاملہ نہی ہے اور قرض دہندہ کو سود دینا اور اس کا اس سے فائدہ اٹھانا بھی پایا جارہا ہے، لہذا یہ صورت ناجائز ہوگی، فتاوی محمودیہ کے محشی نے ایک مقام پر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

‘‘سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے، بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے بعد مقرض کو حاصل ہونے والا نفع ہے ’’ (حاشیہ بر

فتاوی محمودیہ ۳۰۵،۱۶ باب الربا)۔

۱۲۔ اس سوال میں جو شکل لکھی گئی ہے وہ بالکل سود کی شکل ہے، اور حکومت جو سود حاصل کررہی ہے ظاہراً کسی سامان کے لئے اس کا استعمال کرنا درست نہیں، کیونکہ سود کی رقم جو ناجائز ہے، البتہ وہ لوگ جو شرعی نصاب زکوۃ کے مالک نہ ہوں اور ان کو معیار زندگی اس قدر بلند ہو کہ اپنی صحیح معاشی زندگی گزار سکیں اور وہ اسکیم ان کے مناسب ہو تو وہ لے سکتے ہیں ، اسی طرح وہ تنظیمیں یا ادارے جو غریب ونادار بچوں کی کفالت اور یتیموں کی تعلیم وتربیت کا نظم کرتے ہیں وہ بھی اسے لے سکتے ہیں، اور خود ان کی ذات پر یا ان کے لئے بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرسکتے ہیں، البتہ مدارس ومساجد کی تنظیم وتعمیر اور تعلیم علم دین میں بھی اس قسم کی رقم لگانا مناسب نہیں ہے، کیونکہ مدارس دینیہ اور مساجد کے لئے طیب اور عمدہ مال ہی زیب دیتا ہے۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور اس کا شرعی حکم

مفتی لطیف الرحمن فلاحی•

حکومت ہند معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کی کفالت، نیز تعلیمی ترقی اور صنعتوں کے فروغ کے لئے مختلف شکلوں میں رقوم دیتی ہے (کبھی تو رقمیں بطور قرض دے کر سود کے ساتھ وصول کرتی ہے اور کبھی صرف بطور امداد واعانت کے دیاکرتی ہے) جس سے معاشی ومعاشرتی ضرورتیں پوری ہوتی ہے اور عوام اپنی صحت وعلاج، رہائش وزراعت میں اس رقم سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

تو آیاایک مسلمان اس طرح کی رقوم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی اقتصادی اور معاشی ضرورت پورا کرسکتا ہے یا نہیں؟ او راس رقم کا لینا شرعی قباحتوں سے پاک ہے یا نہیں؟ اور اس طرح مسلمان سرکاری اسکیموں سےفائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں سودی قرض کے وبال میں تو شامل نہیں ہوتا، اور اس طرح کی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے تعلق سے اسلام اپنے ماننے والوں کو کیا تعلیم دیتا ہے؟ اور اسلام کا اس بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے؟ آئندہ کی سطروں میں ایسی اسکیموں سے استفادہ کا شرعی حکم تحریر کیاجاتا ہے:

(۱) وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرض کا کیا حکم ہے؟

(۱) حکومت اس طرح کے جو قرضے اپنی عوام کو دیتی ہے، اور پھر اس کا ایک حصہ معاف کردیتی ہے، اور قرضدار کو لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے تو اس طرح کے قرض لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جائز اور درست ہے اس پر ربٰو کی تعریف شرعاً صادق نہیں آتی۔

شامی میں ہے:''لأن الربو ہو الفضل الخالی عن العوض، وحقیقۃ الشروط الفاسدہ ہی زیادۃ مالا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ، فیکون فیہ فضل خال عن العوض وہو الربا بعینہ'' (۱۶۹،۵)۔

''کنز الدقائق '' میں ہے:''ہو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال'' (۲۴۸) (بحوالہ کتاب النوازل ۳۱۹،۱۱)۔

''اعلاء السنن '' میں ہے:''عن علیؓ مرفوعاً: کل قرض جر منفعۃ فہو ربا، وکل قرض شرط فیہ الزیادۃ فہو حرام بلا خلاف'' (۴۹۹،۱۴)۔

(۲-۳) معافی والے قرض میں مقررہ مدت کے بعد اگر زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے

• نیلٹن ہاؤس، نیسٹر کمپاؤنڈ بلڈنگ نمبر۷، روم نمبر۵، اپوزٹ ایئر انڈیا کالونی، کلینا، سنٹکروز، ممبئی۔

تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

اگر قرض میں لی ہوئی رقم سے زائد رواپس نہ کرنا پڑے اور برابر کا معاملہ رہے تو یہ سود کے دائرہ میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے، اور اگر لی ہوئی رقم زائد ہوگی تو سودی لین دین میں شامل ہوکر ناجائز ہے (مستفاد کتاب النوازل ۱۱،۲۲۷)۔

عالمگیری میں ہے: ''وہو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال'' (۳،۱۱۷)۔

''عن جابر بن عبد اللہ ؓقال:لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال: ہم سواء '' (صحیح مسلم۲،۷۲)۔

(۴) کم شرح سود کو سروس چارج یا انتظامی خرچ شمار کیا جاسکتا ہے؟

قرض دار نے جو رقم لی ہے اگر اس سے زائد رقم کا مطالبہ ہے اگرچہ اس کی شرح بہت کم ہے تو بھی یہ سودی لین دین ہوکر ناجائز رہے گا۔ اس بارے میں ''فقہ اکیڈمی '' کا ایک فیصلہ ملاحظہ ہو:

''سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم رہے یا مناسب حد تک زیادہ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے '' (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے،۲۶)۔

لیکن اس بارے میں حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ (سابق مفتی دار العلوم دیوبند) کا نقطہ نظر دوسرا ہے او راس معاملہ کی توجیہ دوسرے انداز سے فرماتےہیں اور اس مختصر رقم کو جو سود کے نام سے وصول کی جاتی ہے، سروس چارج پر محمول کرتے ہوئے اور انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے سودی لین دین سے خارج قرار دیتے ہیں، اور اگر شرح سود کم ہے تو ان کے یہاں اس معاملہ کی گنجائش ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر ملاحظہ ہو:

''پس اس معاملہ کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اس جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے، بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت ہے اور جو سامان وغیرہ اس پر خرچ ہوتے ہیں یادرکار ہوتے ہیں ان کی قیمت لی جاتی ہے جس سے انتظام میں سہولت رہتی ہے اور اعانت لینے والوں اور دینے والوں دونوں کا معاملہ صاف رہتا ہے اور یہ محض ایک قومی ومشترکہ نظام کی صورت ونوعیت ہے کوئی سودی کاروبار نہیں، بلکہ قوم کا سرمایہ ہے اور قوم ہی کے کام میں صرف کیا جاتا ہے اس کے منتظمین وکارکنان قوم کے اجیر ووکیل ہوسکتے ہیں اور غریبوں کی اعانت اور پسماندوں کو آگے بڑھانے اور ان کے لئے اسباب معیشت فراہم کرنے کی راہیں کھولنے کا

ایک انتظام کیاجاسکتا ہے، نیز اس طریقۂ کار ومحکمہ میں نفع وسہولت بھی دونوں جانب کو قریب قریب یکساں حاصل ہوتی ہے سود تو نام ہے اس نفع وزیادتی کا جو محض ایک جانب کو حاصل ہواو ر عوض سے خالی ہو ''۔ ''کما صرح بہ الفقہاء الربا ہو فضل خال عن العوض لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ'' (مستفاد نظام الفتاوی ۲؍۴۴۰)۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر کی روشنی میں اس سروس چارج کو مطلق اجرت اور انتظامی فیس پر محمول نہیں کیا جاسکتا، بلکہ کچھ اس میں تبدیلی کرنی پوگی، وہ اس طرح کہ سالانہ یا ماہانہ اضافہ کرنے کے بجائے دفتری مصارف کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک حساب کرکے ان کو ایک لخت مقرر کردیاجائے، وصولی خواہ قسط وار میں کی جائے تو اس کو سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے، اور شرعاً جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے اس صورت میں یہ گنجائش بھی رہے گی کہ اس سروس چارج کو قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے مربوط کردیا جائے، یا ہر قرض پر یکساں چارج لگایا جائے، یعنی سروس چارج وصول کرنا بھی جائز ہے اور اس کو فیصد سے مربوط کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت فقیہ العصر مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں بینک کے لے اپنے قرضداروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آتے ہیں '' (فقہی مقالات ۱؍۲۷۰)۔

حضرت موصوف نے اس سروس چارج کو فیصد سے مربوط کرنے کی بھی اجازت دی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرض کی مقدار کی مناسبت سے سروس چارج میں بھی کمی بیشی ہو اور اس پر استدلال مختلف کتب فقہیہ کے حوالہ سے دلال کی اجرت سے کیا ہے کہ اس کو فیصد سے مربوط کرنے کی اجازت فقہاء نے دی ہے، اخیر میں لکھتے ہیں:

لہذا دلال کے کمیشن پر قیاس کرتےہوئے زیر بحث مسئلہ میں قرض کے اجراء پر آنے والے دفتری اخراجات کو قرض کی مقدار پر فیصد کے لئے مقرر کرنے کو جائز قرار دیا جائے گا (فقہی مقالات ۱؍۲۷۶)۔

(۵) اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی رقم جو زائد ہے اس کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر کا شتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں، تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جاسکتا ہے؟

وہ قرضہ جو حکومت کی طرف سے اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ قرض دار اس

قرضہ کو سود کی ایک خاص مقدار کے ساتھ (اس کا وسط معمولی نہ ہو کہ سروس چارج پر محمول کیا جاسکے) ادا کرے گاتو شریعت مطہرہ میں یہ ایک خالص سودی معاملہ ہے، جو موبقات میں شمار ہوتا ہے، بہ معاملہ ناجائز اور حرام ہے اس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم اور ضروری ہے، قرآن وحدیث میں سودی لین دین کرنے والوں پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لہذا عام حالات میں اس طرح کے معاملات سے سخت پرہیز کرنا چاہئے۔

''عن جابر بن عبد اللہ ؓ لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (مسلم ٢،٧٢)۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ قرضے اپنی مختلف ضروریات (مثلاً باغبانی، کاشتکاری اور کسی کاروبار کو شروع کرنے کے لئے سخت مجبوری میں لیتا ہے اور اس کے پاس نہ تو کوئی جائیداد ہے اور نہ سونا، جس کو بیچ کر اپنی ضروریات پوری کرے اور نہ قرض حسن ملنے کی یامید ہے، تو پھر اس طرح کے قرض لینے کی گنجائش ہوگی۔

''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

سود لینا اور دینا دونوں حرام ہے، اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے (١٦،٣٠٢)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

''سود دینا حرام ہے ایسے شخص پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے حرام کا ارتکاب اضطرار کی حالت میں معاف ہے، پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اور کوئی صورت اس سےبچنے کی نہیں، مثلاً نہ جائیداد فروخت ہوسکتی ہے، نہ روپیہ بغیر سد کے مل سکتا ہے تو ایسی صورت میں زید شرعاً معذور ہے اور اگر ایسی ضرورت نہیں، بلکہ کسی اور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے یا جائیداد فروخت ہوسکتی ہے تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں کبیرہ گناہ ہے '' (١٦،٣٠٥)۔

''تعمیر مکان '' ضرورت میں داخل نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ ایک مسلمان اپنی زندگی کرایہ کے مکان میں گذارنے کی سکت وطاقت رکھتا ہے، اسے حاجت شدیدہ کا درجہ نہیں دیا جانا چاہئے۔

''جدید فقہی مسائل ''میں ہے:

''سود لینا اور دینا دونوں ہی معصیت ہے، اس لئے اصولی طور پر ظاہر ہے کہ سودی قرض لینا درست نہ ہوگا، مگر کبھی کبھی ایسے قرض لینا ضرورت بن جاتی ہے اور تجارت، کاشتکار کے لئے ایسےقرض لینا ناگزیر ہوجاتا ہے، ان حالات میں بدرجہ ضرورت ایسے قرض لینے کی اجازت ہوگی، البتہ یہ اجازت اسی وقت ہوگی کہ آدمی اس

کے لینے پر اس طرح مجبور ہوجائے کہ نہ لے تو کوئی ذریعہ معاش فراہم نہ ہو، اور بنیادی ضرورتوں، کھانا، کپڑا، مکان، کی تکمیل بھی ممکن نہ رہ سکے، نہ کہ محض تعیش، آرام طلبی اور معاشی معیار بلند کرنے کے لئے ایسا کریں " (۲۴۸،۱)۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

''وفی القنیۃ والبغیۃ: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر ۲۶۷،۱)۔

علامہ حموی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وذلک نحوہ أن یقترض عشرۃ دنانیر مثلاً ویجعل مربہاً شیئاً معلوماً فی کل یوم ربحاً'' (حاشیۃ الحموی علی الاشباہ ۲۶۷،۱ القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سودی قرض کی گنجائش فقط ضرورت اور مجبوری کی حالت میں ہے جس وقت حرام بھی حلال ہوجاتا ہے عام حالات میں اس کی گنجائش نہیں (مستفاد فتاوی زکریا ۳۷۰،۵)۔

(۶) ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضرویات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ..... تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

حکومت سے اس طرح کی رقوم کو حاصل کرنے پھر اسے اپنی ضروریات کے استعمال کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلا تکلف استعمال کی جاسکتی ہے، یہ رقوم خالص امداد واعانت کے طور پر دی گئی ہے، سودی معاملہ ہرگز نہیں ہے۔

(۸.۷) گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم-جس قسم کی بھی ہو- ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والو نکے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

یہ پورا معاملہ دلالی کا ہے اور دلال کی اجرت کو فقہاء کرام نے تعامل ناس کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ بوقت عقد اجرت کی تعیین کرلی جائے، ورنہ کام ہونے پر دلال اجرت مثل کا حقدار ہوگا۔

اب یہاں مذکورہ سوال میں اس امدادی رقوم کے حصول میں اگر درمیان میں واسطہ بننے والے کو واقعی جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اور دوڑ دھوپ کے بغیر وہ رقم صاحب حق کے ہاتھ نہیں پہنچتی تو عاقدین کے مابین حاصل شدہ رقم کا ایک یا دو فیصدی حصہ پہلے سے اگر طے کرلیا جائے تو یہ معاملہ لوگوں کی حاجت اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز ہوگا، اور اس طرح دلال کو اپنی اجرت لینے کا حق حاصل ہوگا۔

‘‘کتاب النوازل ’’میں ہے:

عاقدین یا بائع اور مشتری کے درمیان معاملات طے کرانے میں جو شخص اپنا کردار ادا کرتا ہے اس کو ‘‘سمسار ’’، یا دلال کہا جاتا ہے، اب اگر یہ دلال ایسے معاملات میں ہو جس میں کسی دوسرے فرد یا معاشرہ کا نقصان لازم نہ آتا ہو تو باتفاق ائمہ اس کی گنجائش ہے، البتہ اگر اس سے عوام کو نقصان ہو یا لوگوں کے لئے تنگی پیش آئے تو بتقاضائے حدیث: ‘‘لا بیع حاضر لباد’’ ایسی دلالی مکروہ ضرور ہوگی۔

بہرحال اگر دلالی میں باقاعدہ معاملہ طے ہو اور کسی قسم کی جہالت نہ ہو تو فی نفسہ اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور اگر معاملہ مجہول ہو تو مذہب حنفیہ میں اس کو فاسد قرار دیا گیا ہے اور کام پورا ہونے پر اجر مثل کی بات کہی گئی ہے، نہ کہ مقررہ اجرت کی۔

لیکن اگر جہالت معمولی ہو باکثرت تعامل کی وجہ سے موجب نزاع نہ رہی ہو تو اس کو متاخرین فقہاء نے ضرورۃً جائز قرار دیا ہے (۳۸۰،۱۲)۔

‘‘قال فی التاتارخانیۃ: وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وماتوا منعوا علیہ أن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، وفی الحاوی سئل محمدبن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل، وکثیر من ہذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ کدخول الحمام’’ (رد المحتار ۴۴،۵)۔

‘‘أجرۃ السمسار والمناوی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فی الوقت ولا العمل تجوز لی کان للناس بہ حاجۃ’’ (رد المحتار۳۲،۵، احسن الفتاوی۲۷۳،۷)۔

(۹) اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں؟

اولاً رشوت کی تعریف ملاحظہ فرمائی جائے:

رشوت بکسر را وہ مال جو اپنے موافق فیصلہ کروانے کے لئے دیا جائے۔

حضرت ابن عطیہ نے رشوت کی جامع تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ‘‘أخذ المال علی فعل ما یجب علی الآخذ فعلہ، أو فعل ما یجب علیہ ترکہ’’ (تفسیر بحر محیط ۵۳۳،۴)۔

یعنی جس کام کا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا یا جس کام کا چھوڑنا اس کے ذمہ لازم ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا رشوت ہے (مستفاد جدید معاملات کے شرعی احکام ۱۷۸،۱)۔

اب دوموقع ایسے ہیں جہاں پر فقہا ء کرام ایک مسلمان کو رشوت دینے کی گنجائش دی ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ، اللہ پاک اس سے مواخذہ نہیں فرمائینگے۔

(۱) جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اسے رشوت دینا جائز ہے، اس کے لئے لینا حرام ہے۔

(۲) دفع مضرت یا جلب منفعت کے لئے درمیان میں واسطہ بننے والے یعنی صرف

سفارش کرنے والے کو رشوت دینا جائز ہے، آخذ کے لئے لینا جائز نہیں، البتہ اگر درمیانی واسطہ کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو اس کے لئے اس کام کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ یہ کام کرنے پر بنفس خود قادر ہو قادر بقدرت غیر کا اعتبار نہیں (حوالہ بالا،۱۷۸)۔

اب مذکورہ سوال میں اگر یہ شخص گورنمنٹ کی اس امداد کا واقعی مستحق ہے یا اس قرض کی اسکیم کا واقعی حاجت مند ہے، اور اس طرح کی رقم عموماً افسران کو رشوت دیئے بغیر ہاتھ نہیں آتی، لہذا اپنے حق کی وصولیابی اور دفع ظلم کی خاطر اگر اس نے رشوت دے دی تو امید ہے کہ انشاء اللہ آخرت میں مواخذہ سے بچ جائے گا۔ لیکن ان افسران کو لینا کسی صورت میں جائز نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: ''ودفع الرشوة لدفع الظلم أمر جائز'' (۲۴۵،۳)۔

صاحب بحر الرائق تحریر فرماتے ہیں:''ومنہا:إذا دفع الرشوة خوفاً علی نفسہ أو مالہ، فہو حرام علی الآخذ غیر حرام علی الدافع، وکذا إذا طمع فی مالہ فرشاہ ببعض المال، ومنہا:إذا دفع الرشوة لیسوّی أمرہ عند السطان حلّ لہ الدفع ولا یحل للآخذ أن یأخذ'' (البحر الرائق۶،۲۶۲)۔

''فتاوی محمودیہ '' میں ہے:

رشوت کا لینا دینا حرام ہے، البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینےوالا گنہگار ہوگا (بحوالہ فتاوی زکریا ۵،۴۸۲)۔

(۱۰) امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

اگر سرکار نے اس رقم کی وصولیابی کے لئے کچھ شرائط متعین کئے ہیں، تو اس سلسلہ میں کسی بھی طریقہ سے غلط بیانی سے کام لینا حرام اور سخت گناہ ہوگا، اور اس طرح رقم حاصل کرنا ''أکل بالباطل '' ہوگا، اور یہ شخص بیک وقت جھوٹ، دھوکہ اور حرام مال تینوں گناہ کا مرتکب ہے، اس لئے کہ امورمباحہ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے اور امور مباح میں شرائط کی پاسداری لازم اور ضروری ہے۔

قرآن میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (سورة النساء : ۲۹)۔

''عن أبی جرّة الرقاشی عن عمہؓ قال: قال رسول اللہﷺ: ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرأ إلا بطیب نفس منہ'' (مشکوة المصابیح ۲۵۵)۔

''عن أبی ہریرةؓ:''آیة المنافق ثلاث'' زاد مسلم، وإن صام وصلی، وزعم أنہ مسلم ثم اتفقا إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا ائتمن خان'' (متفق علیہ)۔

شامی میں ہے: ‘‘لا یجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ ولا ولایتہ’’ (در مختار کتاب الغضب ۹؍۳۹۱)۔

(۱۱) بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے، یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیاجاسکتا ہے؟

قرض کا انٹرسٹ مقروض کی جانب سے حکومت پورا پورا ادا کرے یا بڑا حصہ تو حکومت ادا کرے، لیکن مقروض کو بھی تھوڑا بہت حصہ ادا کرنا پڑے، بہرصورت اگر بینک سے لی ہوئی رقم سے ادائیگی کی رقم سے زائد نہ ہو تو یہ سودی لین کے دائرہ میں شامل نہیں ہوگا اور اس اسکیم سے استفادہ شرعاً جائز ہوگا، اور ادائیگی کی رقم اصل لی ہوئی رقم سے تجاوز کرجاتی ہے تو چاہے حکومت ادا کرے یا مقروض کو ادا کرنا پڑے بہرصورت حرام ہوگا، اور اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش نہیں ہوگی، سود بہرحال سود ہے، کمی زیادتی سے حد جواز میں داخل نہیں ہوگا اور گنجائش نہیں ہوگی۔

‘‘اعلاء السنن ’’ میں ہے:

‘‘وکل قرض شرط فیہ الزیادۃ فہو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا علی أن السلف إذا شرط علی المستسلف زیادۃ أو ہدیۃ، فأسلف علی ذلک أن آخذ الزیادۃ علی ذلک ربا، قال رسول اللہ ﷺ: کل قرض جرّ منفعۃ فہو ربوا’’ (۱۴؍۴۹۹، کتاب النوازل ۱۱؍۳۳۳)۔

(۱۲) بعض اسکیمیں ایسی بھی ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا صورت درست ہوگی؟

سود اور ربو ایک شرعی لفظ ہے اور شریعت مطہرہ میں اس کا شرعی مفہوم متعین ہے جب تک وہ مفہوم صادق نہ آئے اس وقت تک کسی کے سود کہہ دینے سے وہ سود نہ ہوگا۔ احکام القرآن میں ہے: ‘‘الربوا فی اللغۃ الزیادۃ، والمراد فی الآیۃ کل زیادۃ لا تقابلہا عوض’’ (قواعد الفقہ۱۱۵، منتخبات نظام الفتاوی ۳؍۱۴۰)۔

اب یہاں مذکورہ سوال میں حکومت کا مقصد ان افراد واشخاص کا تعاون کرنا جو بے روزگار اور معاشی الجھنوں میں گرفتار اور ان اداروں کا تعاون کرنا ہے جو کسمپرسی میں چل رہے ہیں، یہاں پر حکومت ان افراد کو بطور رقم قرض دے کر زیادتی وصول نہیں کررہی ہے، بلکہ بلا کسی رقم کے اپنی اس رقم سے جو اس نے سود پر حاصل کی ہے ان

افراد کا خالص تعاون کررہی ہے، لہذا بلا کسی شرعی قباحت کے ان افراد کو تعاون لینا جائز رہے گا اور حکومت کی جانب سے یہ رقم خالص عطیہ کہلائے گی۔

علاوہ ازیں اگر یہ افراد واشخاص پریشان حال اور بے روزگار رہے تب تو اس اعانت سے یہ حضرات بلاتکلف استفادہ کرسکتےہیں اور اس اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں، اس لئے کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جو سودی رقم کے مصرف ہے۔

(یہ ایک الگ اور جدا بحث ہے کہ حکومت یہ پورا تعاون خاص بینک کی انٹرسٹ کی رقم سے کرتی ہے اور بینک میں ڈپازٹ میں اس نے انٹرسٹ کی رقم پانے کے لئے کیا ہے او رپھر وہ مدد کررہی ہے، تو حکومت کے لئے ربوی اور سودی معاملہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور کفار فروع کے مخاطب ہے یا نہیں؟ او رمعاملات میں اسلامی احکام کے پابند ہیں یا نہیں؟ اصول فقہ میں یہ بحث اپنی جگہ مرقوم ہے، علامہ شامی نے جزیہ کی بحث میں اس بحث کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، اور ‘‘المنار ’’ سے عبارت نقل فرمائی ہے، اور معاملات میں بالکلیہ انہیں مخاطب نہیں تسلیم فرمایا ہے، مثلاً حدود وقصاص میں کافر ذمی سے مواخذہ ہوگا، لیکن حدّ شرب کا مکلف نہیں ہوگا، نیز اسی طرح ذمی کے مذہب میں بلامہر اور بلا گواہوں کے نکاح ہوتا ہے، تو اس نکاح کو باقی رکھا جائے گا، لیکن معاملات میں سودی لین سے احتراز کا وہ بھی پابند ہوگا، یہ کفار ویہود کے مذہب میں بھی حرام ہے) (تفصیل ملاحظہ ہو: مستفاد رد المحتار علی درالمختار ١٥٨،٦ دار الکتاب) بعض علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ سود اور ربو ہر شریعت وملت میں حرام رہا ہے (جواہر الفقہ٨٣،٣)۔

شامی میں ہے:

‘‘الربا ہو فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ فلیس الفضل فی الہبۃ بربا’’ (٣٩٨،٧)۔

‘‘ویردونہا علی أربابہا إن عرفوہم وإلا تصدقوا بہا، لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تقدر الرد علی صاحبہ’’ (شامی٣٦٥،٦، کتاب النوازل ٢٧٧،١١)۔

سرکاری اسکیمیں ..... فقہِ اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد رمضان سعادتی•

(۱) وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، اور اس میں کسی قسم کی کوئی شرط نہیں ہوتی ہے، قرض لینے والے کو کبھی پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے فی صد سبسڈی ملے گی، اور کبھی بعد میں علم ہوتا ہے، معافی کا علم قبل القرض ہو یا بعد القرض، اس سے اصل صورت مسئلہ پر فرق نہیں پڑے گا اور یہ صورت جواز کے دائرے میں آئے گی، کیوں کہ یہ ''ابرا'' ہے، صاحبِ حق کو اپنا پورا یا بعض حق ساقط کرنے کا اختیار ہے۔ صاحب ہدایہ علامہ علی المرغینانیؒ فرماتے ہیں: ''ألا یری أنہ یملک إبرائہ مطلقا'' (ہدایہ۳،۷۶) امام ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ آیت مداہنت کے ذیل میں فرماتے ہیں:''کما لایوعظ الطالب فی نقصان مالہ، إذ لو أبرأہ من جمیعہ لصحت برائتہ'' (احکام القرآن للجصاص الرازی ۱،۵۸۹)۔

(۲) معافی والے قرضوں میں بعض اوقات طے کردہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ نہیں، تاہم لی ہوئی رقم سے زائدواپس نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اس صورت کا حکم ''ضع وتعجل '' والے مسئلے سے معلوم ہوتا ہے، اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ دائن مدیون سے کہے:''قرضے میں کمی کر اور جلدی ادا کر یا مدیون دائن سے کہے کہ اپنے قرضے میں کمی کر اور جلدی وصول کر ''۔ اس پر قدیم فقہاء نے تفصیلی گفتگو کی ہے، ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک اگر قبل از وقت ادائیگی کے لئے اس کمی کو شرط قرار دیا تو جائز نہیں ہے، عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ جب دین کی تاخیر کی صورت میں دین میں زیادتی کرنا سود میں داخل ہے تو دین کی تعجیل کی صورت میں دین کے اندر کمی کرنا بھی سود میں داخل ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

''قال مالک:والأمر المکروہ الذی لا اختلاف فیہ عندنا أن یکون للرجل علی الرجل الدین إلی أجل، فیضع عنہ الطالب، ویعجلہ المطلوب ..... قال مالک: وذلکل عندنا بمنزلۃ الذی یؤخر دینہ بعد محلہ عن غریمہ، ویزید الغریم فی حقہ قال:فہذا الربا بعینہ لاشک فیہ'' (موطا امام مالک ۱،۶۰۶ کتاب البیوع، باب ما جاء فی الربا فی الدین، بحوالہ بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ للعلامۃ المفتی محمد تقی العثمانی ۱،۲۸)۔

• جامعہ سعادت العلوم دیش والی کالونی مکرانہ، ناگور، راجستھان۔

امام محمدؒ موطا امام محمد میں فرماتے ہیں:

''قال محمد:وبہذا نأخذ، من وجب لہ دین علی إنسان إلی أجل، فسأل أن یضع عنہ ویعجل لہ ما بقی، لم ینبغ ذلک، لأنہ یعجل قلیلاً بکثیر دینا، فکأنہ یبیع قلیلاً نقداً بکثیر دینا، وہو قول عمربن الخطاب، وزید بن ثابت، وعبد اللہ بن عمر، وہو قول أبی حنیفۃؒ'' (موطا امام محمد۱،۳۲۲ باب الرجل یبتاع المتاع أو غیرہ نسیئۃ ثم یقول أنقدنی واضع عنک، بحوالۂ بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ ۱،۲۸)۔

اسی بنا پر صاحب ''ہدایہ '' فرماتے ہیں:

''ولو کانت لہ ألف مؤجلۃ فصالحہ علی خمس مائۃ حالۃ لم یجز، لأن المعجز خیر من المؤجل، وہو غیر مستحق بالعقد، فیکون بإزاء ما حطہ عنہ، وذلک اعتیاض عن الأجل وہو حرام'' (ہدایہ ۳،۲۵۱)۔

مذکورہ بالا سطروں سے معلوم ہوا کہ ''ضع وتعجل '' والے مسئلے کی حرمت کی بنیاد اجل کا عوض ہے، اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کی زیادتی یا کمی نہیں ہوتی ہے، اگر اجل کے مقابلے میں ثمن میں کمی کی جاتی ہے تو یہ ویسا ہی ربا ہوگا، جیسا ثمن میں زیادتی کی صورت میں ہوتا ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہ دیون مؤجلہ میں ضع وتعجل کا معاملہ حرام ہے۔ رہی بات دیون حالہ اور قرض کی، سو اس میں یہ معاملہ جائز ہے، کیونکہ احناف کے نزدیک قرض تاجیل کو قبول نہیں کرتا ہے، مؤخر کرنے سے مؤخر نہیں ہوتا ہے۔ ''ہدایہ ''میں ہے:

''وکل دین حال إذا أجّلہ صاحبہ صار مؤجلا لما ذکرنا إلا القرض، فإن تأجیلہ لا یصح'' (ہدایہ۳،۷۶)۔

علامہ ابن عابدین شامی ''ولزم تأجیل کل دین إلا القرض'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''أی أنہ یصح تأجیلہ مع کونہ غیر لازم، فللمقرض الرجوع عنہ'' (فتاوی شامیہ، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ ۷،۳۸۴) جب قرض میں اجل ہے ہی نہیں، تو اس کے مقابلے میں ثمن ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا، اس لئے اگر ثمن میں کمی کی جاتی ہے تو اس کمی کو اجل کے مقابل نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ لہذا اگر قرض خواہ بعجلت ادائیگی کی شرط پر اپنے قرض کا کچھ حصہ ساقط کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، صاحب ''ہدایہ '' ذرا الگ پیرائے میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''وکل شئی وقع علیہ الصلح، وہو مستحق بعقد المداینۃ لم یحمل علی المعاوضۃ، وإنما یحمل علی أنہ استوفی بعض حقہ وأسقط باقیہ، کمن لہ علی آخر ألف درہم فصالحہ علی خمس مائۃ ..... جاز، فکأنہ أبرأہ عن بعض حقہ''۔

کچھ سطروں کے بعد ایک اور مسئلہ لکھتے ہیں:

''ومن لہ علی آخر الف درہم، فقال: أد إلي غدا منہا خمس مائۃ علی أنک بریٔ من

الفضل فہو بریٔ، فإن لم یدفع إلیہ خمس مائۃ غدا عاد علیہ الألف، وہو قول أبی حنیفۃ ومحمد، وقال أبویوسف: فلا یعود علیہ'' (ہدایہ ۳،۲۵۱، ۲۵۲)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے بھی اسی نوع کا ایک مسئلہ خانیہ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:

''رجل لہ علی رجل ألف درہم قرض، فصالحہ علی مائۃ إلی أجل، صح الحط والمائۃ حالۃ'' (رد المحتار ۷،۳۸۵ کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ)۔

''جامع صغیر میں امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی کہ دائن مدیون کو بشرط ادائے نصف بری کردے تو مدیون نصف ادا کرنے سے بری ہوجاتاہے۔ '' (غیر سودی بینکاری، شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی: ۱۵۴ مطبوعہ اریب پبلیکیشنز، دیوبند)۔

اس باب میں مالکیہ کا رجحان بھی احناف کے ساتھ ہے، دیون مؤجلہ میں امام مالکؒ کی تصریح اوپر گذر چکی ہے، دیون حالہ کے باب میں امام مالک فرماتےہیں:

''قلت:أرأیت لو أن لی علی رجل ألف درہم قد حلت، فقلت:اشہدوا إن أعطانی مائۃ درہم عند رأس الشہر، فالتسع مائۃ درہم لہ، وإن لم یعطنی فالألف کلہا علیہ، قال:قال مالک:لا بأس بہذا، وإن أعطاہ رأس الشہر فہو کما قال، وتوضع عنہ التسع مائۃ، فإن لم یعطہ رأس الہلال، فالمال کلہ علیہ'' (المدونۃ الکبری ۱۱،۲۷ آخر کتاب الصلح، بحوالۂ بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ۱،۳۰)۔

مندرجہ بالا معروضات سے معلوم ہوا کہ یہ صورت جائز ہے، کیونکہ یہ قرض ہے اور قرض میں کمی کرنا درست ہے، جیساکہ اوپر گذرا۔ معاصر علماء میں مفتی سلمان صاحب منصورپوری دامت برکاتہم نائب مفتی دار الافتاء شاہی مراد آباد نے اس قسم کی صورت کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: (۲۶۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین، ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گورنمنٹ کسی بھی آدمی کو قرض کے نام سے رقم دیتی ہے، اس میں یہ شرط مقرر ہوتی ہے کہ سات سال سے پہلےپہلے اگر مقروض بینک کا قرض ادا کردے تو اس کو یہ رعایت دی جاتی ہے کہ متعین رقم سے کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے، مثلاً ۱۵ہزار روپے کسی نے لیے تو ۱۱ہزار روپے ادا کرنے ہونگے، اور اگر سات سال سے مدت تجاوز کرگئی تو پھر ہر ماہ سود بڑھتا رہے گا، یعنی مقروض کو متعین رقم سے زیادہ دینا ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں مذکورہ شرط پر نفس قرض کا معاملہ تو صحیح ہے، لیکن اس میں سات سال کے بعد سود دینے کی جو شرط لگی ہے وہ لغو ہے، لہذا اگر مقروض قرض لے کر سات سال کے اندر اندر قرض ادا کردے تو وہ گنہگارنہ ہوگا، اور حکومت کی طرف سے جو قرض میں کمی ہوگی وہ ''ابرا '' یعنی قرض کی معافی کی ایک شکل ہوگی، اور اگر سات سال میں قرض ادا نہ کرسکا اور اسے سود دینا پڑا تو اب سود دینے کا اسے گناہ ہوگا۔

''عن علی أمیر المؤمنین رضی اللہ عنہ مرفوعاً: کل قرض جر منفعۃ فہو ربا، وکل قرض شرط فیہ الزیادۃ فہو حرام بلا خلاف '' (اعلاء السنن ۴۹۹،۱۴ ادارۃ القرآن کراچی کتاب الحوالہ، باب کل قرض جر منفعۃ فہو ربا)، ''قولہ علیہ السلام: کل قرض جر منفعۃ فہو ربا، أی فی حکم الربا، فیکون عقد القرض باطلاً، فإذا شرط فی عقدہ ما یجلب نفعاً إلی المقرض من نحو زیادۃ قدر أو صفۃ، بطل'' (فیض القدیر ۴۴۸۷،۹ رقم: ۶۳۳۶ مصطفی الباز ریاض) ''وفی الخلاصۃ: القرض بالشرط حرام والشرط لغو'' (الدر المختار مع الشامی، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ ۱۶۶،۵ کراچی ۳۹۵،۷زکریا) فقط واللہ تعالی اعلم (کتاب النوازل۵۱۵،۱۱-۵۱۶)۔

(۳) اس صورت کا حکم اوپر کے اقتباس سے واضح ہوچکا ہے، ''فلا حاجۃ إلی إعادتہ''۔

(۴) معافی یا غیر معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن زیادتی کی شرح اتنی کم ہو کہ اس کو حق الخدمت (Service Charge) کے دائرے میں لایا جاسکے، تو ایسے قرضوں اور زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ اس پر غور کرنے سے قبل مناسب ہے کہ نفس حق الخدمت کو شریعت اسلامیہ کے آئینہ میں دیکھ لیا جائے، تاکہ اس کی حیثیت اور حکم کے تعین میں دشواری پیش نہ آئے۔

قرض ایک انسانی اور معاشرتی حاجت ہے، بوقتِ ضرورت خود سرکار دوعالم ﷺ نے لیا ہے۔ چونکہ اسلام دینِ رحمت ہے، اس کے احکام مبنی برانصاف اور اس کی تعلیمات مبنی بر رحمت ہیں، وہ لوگوں میں باہمی محبت ومودت، رحم دلی وہمدردی کے جذبات پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت سمجھنے کا مزاج انسان میں پروان چڑھے، اس لئے قرض کےباب میں اسلام نے یہ واضح اور دوٹوک فیصلہ دیا ہے کہ قرض پر نفع نہیں لیا جاسکتا؛ قرض پر نفع لینا ربا ہے جو قطعاً حرام ہے، دی ہوئی رقم سے زائد ایک کوڑی بھی لینا قرض خواہ کےلئے جائز نہیں ہے۔ ''عن علی أمیر المومنین مرفوعاً کل قرض جر منفعۃ فہو ربا'' (اعلاء السنن، کتاب الحوالہ، باب کل قرض جر منفعۃً فہو ربا ''، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۵۶۶،۱۴)۔

شریعت مطہرہ نے قرض کے معاملے پر مختلف انسانی مصالح کے پیش نظر ''لکھا پڑی'' اور اقامت شہادت کا حکم دیا ہے، ''یاأیہا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ..... ولا تسئموا أن تکتبوہ صغیراً أو کبیراً إلی أجلہ'' (البقرہ: ۲۸۲)۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: یہ آیت سلم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یعنی اہل مدینہ پھلوں میں جو دو، تین سالوں کے لئے سلم کا معاملہ کرتے تھے، اس آیت کے نزول کا سبب یہ معاملہ بنا، لیکن یہ آیت، مداینت کےسارے معاملات کو شامل ہے، علامہ قرطبی ابن خویز منداد کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہ تیس حکموں کو متضمن ہے، مالکیہ نے اس سے قرض میں تاجیل کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

''ثم ہی تتناول جمیع المداینات إجماعاً، وقال بن خویز منداد: ''إنہا تضمنت ثلاثین حکماً، وقد استدل بہا بعض علمائنا علی جواز التاجیل فی القروض ..... وحقیقۃ الدین:عبارۃ عن کل معاملۃ کان أحد العوضین فیہا نقداً والآخر فی الذمۃ نسیئۃ، فإن العین عند العرب ما کان حاضرا، والدین ما کان غائباً'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی۳،۲۴۳)۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''ذہب بعض الناس إلی أن کتب الدیون واجب علیہ أربابہا، فرض بہذہ الآیۃ، بیعاکان أو قرضاً، لئلا یقع فیہ نسیان أو جحود'' (الجامع لاحکام القرآن ۳،۲۴۷) امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتےہیں: ''ینتظم سائر عقود المداینات التی یصح فیہا الآجال'' (احکام القرآن للجصاص الرازی۱،۵۸۵)۔

قرض پر لکھا پڑھی کا یہ حکم جمہور کے نزدیک استحبابی ہے، جبکہ کچھ علماء کے نزدیک وجوبی ہے۔ ''ولا خلاف بین فقہاء الأمصار أن الأمر بالکتابۃ والإشہاد والرہن المذکور جمیعہ فی ہذہ الآیۃ ندب وإرشاد إلی ما لنا فیہ الحظ والصلاح والاحتیاط للدین والدنیا، وإن شیئاً منہ غیر واجب'' (احکام القرآن ۱،۵۸۴۔۵۸۵)۔

کتابت کا حکم وجوبی ہو یا استحبابی، اگر انجام پاتا ہے تو اس کی کتابت اور املاء کی ذمہ داری مدیون پر ہے:

''ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربہ ولا یبخس منہ شیئاً، فإن کان الذی علیہ الحق سفیہاً أو ضعیفاً أو لا یستطیع أن یمل ہو فلیملل ولیہ بالعدل'' (البقرہ: ۲۸۲)۔

اگر کتابتِ وثیقہ اور املاء پر اجرت اور معاوضہ دینے کی نوبت آتی ہے تو لکھنے والے کے لئے اس کی اجرت لینا جائز ہے، اور اجرت دینےکی ذمہ داری مدیون کے کاندھوں پر ہوگی۔ علامہ قرطبی مالکی فرماتےہیں:

''ولم یختلف العلماء فی جواز أخذ الأجرۃ علی کتب الوثیقۃ'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی۳،۲۴۸)۔

احناف میں سے علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

''فلما لم یختلف الفقہاء فی جواز أخذ الأجرۃ علی کتب کتاب الوثیقۃ دل ذلک علی أن کتبہ لیس بفرض، لا علی الکفایۃ ولا علی التعیین'' (احکام القرآن ۱،۵۸۸)۔

''ولیملل الذی علیہ الحق'' (البقرہ: ۲۸۲)۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مقرض قرض پر نفع نہیں لے سکتا ہے، اگر لیتا ہے تو یہ صریح ربا ہوگا۔ اور قرض کے دستاویز کی تیاری پر آنے والا خرچ مستقرض اٹھائے گا، مقرض نہیں، یہ بات تو صاف ہے، لیکن اگر ایک آدمی بینک سے قرض لیتا ہے اور بینک اس سے اتنی معمولی شرح پر سود ووصول کرتا ہے جو معاملۂ قرض کے دستاویز لکھوانے کے معاوضے کے برابر ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں یہ اپنی مقدار کے لحاظ سے

‘سروس چارج ’ یا ‘حق الخدمۃ ’ کہلا سکتا ہے، گویا وثیقہ قرض کی کتابت واملاء کی اجرت کا دوسرا نام سروس چارج ہے۔ کتابت وثیقہ کی اجرت کی طرح سروس چارج بھی فی نفسہ جائز ہے۔

یہ بات تو نفس سروس چارج کے بارے میں ہوئی۔ رہی بات ہمارےملک کے بینکوں کی جو بعض اوقات مخصوص طبقات یا سب کے لئے معمولی شرح سود پر قرض جاری کرتے ہیں، معمولی شرح پرادا کیاجانےوالا سود سروس چارج کے دائرے میں آکر جائز ٹھہرے گا یا نہیں؟ اس سود کو سروس چارج قرار دینے پر راقم السطور کو دووجہوں سے اشکال ہے: ایک یہ کہ اس قسم کے قرضوں سے بینک کا مقصد سود حاصل کرنا ہوتا ہے، فقط دفتری اخراجات کی تکمیل نہیں؛ اور فقہ کا قاعدہ ہے: ‘‘الأمور بمقاصدہا’’ (الاشباہ والنظائر ١١٣،١)، دوسرے یہ کہ اس سود کی وصول یابی کا طریقہ عین ربا کا طریقہ ہے، ‘‘إما أن تقضی وإما أن تربی’’ (قرض ادا کرو یا قرض میں اضافہ کرو) جیسا کہ جاہلیت میں ربا کا رائج طریقہ تھا۔ اس لئے بندے کے نزدیک تفصیل کا طریقہ مناسب ہے، وہ یہ کہ بینک اگر قرض پر فیصد کے حساب سے یا کسی اور حساب سے ایک متعین رقم عائد کرتا ہے۔ مثلاً ٥٠٠٠٠ہزار روپے پر ٢٠٠٠ ہزار روپے کی ادائیگی لازم ہوگی، وقت پر ادائیگی ہو یا نہ ہو، تاخیر کی صورت میں سود میں اضافہ نہیں ہوگا؛ یہ صور ت جائز ہے۔ اور اگر مستقرض پر بینک متعین رقم عائد نہیں کرتا ہے، بلکہ اجرائے قرض سے سود کا کاٹنا چلنا شروع ہوتا ہے اور ادائیگی پر ہی آکے رکتا ہے۔ تو یہ ‘‘إما أن تقضی وإما أن تربی’’ کی بنیاد پر ناجائز ہوگا۔

(٥) اگر قرض پر لی جانے والی رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ اس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے، تو پھر یہ ‘‘کل قرض جر نفعاً حرام’’ (درمختار مع رد المحتار، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ، زکریا ٣٩٥،٧) کے تحت داخل ہونے کی بنا پر حرام ہوگا۔ رہی بات کاروباری حاجات اور دیگر ضرورت کی، سو ان کےلئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ ضروریات ایسی نہیں ہیں جن پر زندگی کی بقا اور گذر ان کا انحصار ہو، اور جو حرام کو حلال قرا ردے۔

(٦) بعض اوقات حکومت کچھ ضروریات کے لئے مکمل امداد کےطور پر رقم دیتی ہے، اس کے کسی بھی حصے کی واپسی نہیں ہوتی ہے، یہ حکومت کی جانب سے تبرع اور عطیہ ہوتا ہے، فقہی نقطہ نظر سے اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہورہی ہے۔

(٧) آج جب کہ بدعنوانیوں کا دور دورہ ہے، گورنمنٹ کی جانب سے دی جانے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے کافی دوڑدھوپ کرنی پڑتی ہے، پیسے بھی خرچ کرنے پڑتےہیں، کچھ لوگ واسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والوں کے لئے مطلوبہ محنتانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

واسطہ بننے والے شخص کی دوحیثیتیں ہوسکتی ہیں: ایک حیثیت وکالت کی، دوسری اجارے کی، وکالت کا ہونا واضح ہے کہ واسطہ بننے والا رقم گیرندہ کی نمائندگی کے فرائض انجام دیتا ہے، وکالت ایک جائز عقد ہے، اور وکیل پر وکالت کرنا واجب نہیں ہے، اس لئے اگر اس پر معاوضہ لیا جاتا ہے تو درست ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''تصح الوکالۃ بأجر وبغیر أجر؛ لأن النبیﷺ کان یبعث عمالہ لقبض الصدقات، ویجعل لہم عمولۃ، ولہذا قالہ أبناء عمہ: لو بعثتنا علی ہذہ الصدقات فنؤدی ما یؤدی الناس ونصیب ما یصیبہ الناس، أی: العمولۃ، ولأن الوکالۃ عقد جائز لا یجب علی الوکیل القیام بہا، فیجوز أخذ الأجرۃ فیہا بخلاف الشہادۃ'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۴۵،۴ بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۶۸۹،۲۱)۔

اس میں دوسرا پہلو اجارے کا ہے، واسطہ بننے والا رقم گیرندہ کا اجیر عام ہوتا ہے، اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ صحت اجارہ کے لئے تعیین اجرت ضروری ہے اور یہاں اجرت مجہول ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی جہالت نہیں ہے، جو نزاع کا باعث ہو، لوگ ایجنٹ کو اس کی دوڑد ھوپ کے مطابق اجرت دیتے ہیں، اور ایجنٹ بخوشی قبول کرلیتا ہے، یا ایجنٹ اجرت طے کرتا ہے تو لوگ خوشی سے اتنی اجرت ادا کردیتے ہیں ، لوگوں میں اس کا تعامل چل پڑا ہے، اور تعامل میں معمولی جہالت سے چشم پوشی کا معاملہ برتا جاتا ہے، اس لئے اس پہلو سے بھی یہ معاملہ جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درج ذیل تصریحات:

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے ابوطیبہ سے پچھنہ لگوایا پھر ایک صاع تمر اجرت دینے کا حکم فرمایا۔ ''عن أنس قال: حجم رسول اللہﷺ أبوطیبۃ، فأمر لہ رسول اللہ بصاع من تمر'' (رواہ البخاری وغیرہ)۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''فیہ أنہ ﷺ لم یشارط الحجام علی أجرتہ اعتماداً علی العرف فی مثلہ..... ولا تفسد الإجارۃ لجہالۃ الأجر ظاہراً، فإن المعروف کالمشروط'' (اعلاء السنن، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ من غیر مشارطۃ اعتماداً علی العرف ۲۵۸،۱۶۔۲۵۹)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''والحاصل أن الجہالۃ الیسیرۃ عفو فی ما جری بہ التعامل، لکونہا لا تفضی إلی النزاع عادۃ'' (اعلاء السنن، کتاب الاجارۃ، باب اجرۃ السمسرۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۴۵،۱۶)۔

''فتاوی بزازیہ '' میں ہے:

''السمسار والمنادی والحمامی والصکاک ومالا یقدر فیہ الوقت ولا مقدار العمل لما کان

للناس بہ حاجۃ جاز، ویطیب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل" (فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ، کتاب الاجارۃ، نوع فی المتفرقات ۴۰٫۵)۔

(۸) بعض دفعہ واسطہ بننے والے اشخاص حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ رکھ لیتے ہیں، یاد کرلینے کا معاملہ کرتے ہیں، بندے کے خیال میں بظاہر یہ صورت قفیز طحان کی خرابی کی وجہ سے محل استفسار ہے۔ قفیز طحان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض معمول کو عمل کا معاوضہ قرار دیا جائے، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ اللہ کے رسولﷺ نے قفیز طحان سے منع فرمایا ہے۔ ''عن أبی سعید الخدریؓ قال: نہی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان" (رواہ الدار قطنی۴۷٫۳ بحوالہ اعلاء السنن ۲۱۳٫۱۶)۔ مسئولہ صورت قفیز طحان سے قدرے مختلف ہے، قفیز طحان میں بطور اجرت معمول کا بعض حصہ ہونے کی شرط ہوتی ہے، مستاجر اجیر سے کہتا ہے: یہ گیہوں پیس دے، اجرت میں انہی پیسے ہوئے گیہوں کا آٹا ایک قفیز دونگا، یہ تو ناجائز ہے۔ اگر مستاجر انہی گیہوں کے آنے کی شرط نہ لگائے، بلکہ مطلق رکھے، پھر چاہے اجرت اسی میں سے ادا کردے تو یہ جائز ہے۔ ''فتاوی ہندیہ '' میں ہے:

''أو یستأجر إنساناً لیطحن لہ الحنطۃ بنصف دقیقہا أو ثلاثۃ أو ما أشبہ ذلک، فذلک فاسد، والحیلۃ فی ذلک لمن أراد الجواز أن یشترط صاحب الحنطۃ قفیزاً من الدقیق الجید ولم یقل من ہذہ الحنطۃ، أو یشترط ربع ہذہ الحنطۃ من الدقیق الجید، لأن الدقیق إذا لم یکن مضافاً إلی حنطۃ بیعینہا یجب فی الذمۃ، والأجر کما یجوز أن یکون مشاراً إلیہ یجوز أن یکون دینا فی الذمۃ، ثم إذا جاز یجوز أن یعطیہ ربع دقیق ہذہ الحنطۃ إن شاء، کذا فی المحیط" (فتاوی عالمگیری، کتاب الاجارۃ، الباب الخامس، الفصل الثالث ۴۴۴٫۴)۔

جب کہ یہاں اجرت من العمل ہونے کی شرط عرفاً نہیں ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ایجنٹ بسااوقات اسی رقم میں سے اپنا محنتانہ اور اجرت وصول کرلیتا ہے، اجرت من العمل کے شرط نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مستقرض اگر ایجنٹ کو اسی رقم میں سے نہ دینا چاہے، اپنی جیب سے ادا کرنا چاہے یا کچھ دنوں بعد دینے کا وعدہ کرے تو ایجنٹ اس پر راضی ہوجاتا ہے، اس لئے یہ شکل قفیز طحان میں شامل نہیں ہوگی۔ اگر کہیں ایسی صورت شرطاً یا عرفاً پائی جائے تو شرط فاسد ہوگی اور واسطہ بننے والا اجرت مثل کا مستحق ہوگا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

''رجل لہ غریم فی مصر آخر، فقال لآخر:اذہب إلیہ، وخذ المال منہ، فإذا قبضت ذلک منہ، فلک عشرۃ دراہم من تلک الدراہم، فذہب وأخذ یجب أجر المثل؛ واشتراط العشرۃ مما یقبض شرط فاسد؛ لأنہ فی معنی قفیز الطحان، کذا فی جواہر الفتاوی" (فتاوی ہندیہ، کتاب الاجارۃ، الباب الخامس، الفصل الثالث ۴۴۶٫۴)۔

(۹) اس قسم کی امدادی رقموں اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی

پڑے تو کیا اس کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ فقہاء کرام کی عبارات اور اکابر کے فتاوی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس ملک کے خزانے پر جس طرح برادران وطن کا حق ہے، اسی طرح مسلمانو نکا بھی حق ہے، فلاحی اور ترقیاتی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے میں ملک کے ہر شہری کا برابر کا حق ہے، اگرنچلے درجہ کے سرکاری افسران لوگوں کو حکومت کی جاری کردہ فلاحی اسکیموں سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، یا رکاوٹیں کھڑی کرکے اپنی جیبیں گرم کرنا چاہتے ہیں، تو وہ لوگوں کے ثابت شدہ حق پر ڈاکہ زنی کرتے ہیں، اور ظلم کرتے ہیں، اس لئے اس ظلم کو دفع کرنے کے لئے اگر رشوت دینے کی نوبت آجائے تو اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

''الرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع، حرام علی الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب'' (فتاوی شامی، کتاب القضاء ٣٥،٨)۔

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب البیع ٦٠٧،٩)۔

(١٠) امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کےلئے حکومت کی جانب سے کچھ طے کردہ شرائط ومعیارات ہیں، اس سلسلہ میں کذب بیانی سے کام لے کر سرکار کی ان اسکیموں سے مستفید ہونا شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ اور حرام ہے، شریعت کی نظر میں جھوٹ اور دھوکہ انتہائی مبغوض ہیں، قرآن اور احادیث میں بے شمار وعیدیں ان پر آئی ہیں؛ انتہائی درجے کے حرام، قابل مذمت فعل کی اجازت حکومت کی امدادی رقم یا قرض حاصل کرنے کے لئے ہرگز نہیں دی جاسکتی ہے۔ امانت داری سے کام لیا جائے، چاہے ظاہری محرومی نصیب میں آئے۔

''عن أبی ہریرۃؓ أن رسول اللہ ﷺ مر علی صبرۃ طعام، فأدخل یدہ فیہا، فنالت أصابعہ بللاً فقال: ماہذا یا صاحب الطعام!؟ قال أصابتہ السماء یا رسول اللہ! قال: أفلا جعلتہ فوق الطعام کی یراہ الناس، من غش فلیس منی'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان ٧٠،١)۔

''عن أنسؓ قال:قلما خطبنا رسول اللہ ﷺ إلا قال:لا إیمان لمن لا أمانۃ لہ، ولا دین لمن لا عہد لہ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان ١٥،١)۔

علماء کرام نے جن حاجتوں کی بنا پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے ان میں اس قسم کی دھوکا دھڑی والی حاجت نہیں ہے۔ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

''الکذب مباح لإحیاء حقہ، ودفع الظلم عن نفسہ، والمراد:التعریض، لأن عین الکذب حرام'' (در مختار مع الشامی ٦١٢،٩)۔

(١١) بعض اسکیموں میں حکومت تعلیم وغیرہ کسی مقصد کے لئے بینک سے

قرض دلاتی ہے، بینک قرض پر جو انٹرسٹ عائد کرتا ہے وہ سارا کا سارا حکومت ادا کرتی ہے یا بہت تھوڑا سا مقروض کو ادا کرنا پڑتا ہے، بقیہ حکومت ادا کردیتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر مقروض کو تھوڑا سا بھی سود ادا کرنا پڑتا ہے تو یہ ''کل قرض جر نفعاً حرام'' کی فہرست میں شامل ہے، اس معمولی سود کو سروس چارج پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر مقروض کو کچھ بھی ادا کرنا نہیں پڑتا ہے، سارا انٹرسٹ حکومت ادا کرتی ہے، تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ بینک اگر سرکاری ہے تو یہ ربا نہیں کہلائے گا، یہ ایسا ہوگا، جیسے کوئی آدمی کسی کو سودی قرض دے اور کہے کہ آپ کے ذمہ اصل رقم کی ادائیگی ہے، سود میں ادا کردونگا، ظاہر ہے کہ یہ صورت جائز ہے، اسی طرح مذکورہ بالا صورت بھی جائز ہے، کیونکہ بینک بھی حکومت کا ادارہ ہے، حکومت اور بینک شخص واحد کے حکم میں ہونگے۔ حکومت یہ کہتی ہے کہ سود سرکار چکائے گی، تو اس کا مطلب یہ ہواکہ حکومت نے نفع معاف کردیا۔ عقود ومعاملات میں حقائق ومقاصد کا اعتبار ہوتا ہے، ظاہری الفاظ کا نہیں، ''الأمور بمقاصدہا'' (الاشباہ والنظائر ١١٣،١)۔

اگر بینک سرکاری نہیں ہے، تو یہ صورت جائز ہوگی یا نہیں؟

فقہاء عظام کی عبارات میں عاجز کو کوتاہ دستی کے سبب مقدور بھرتلاش کے باوجود ایسا کوئی جزئیہ نہیں مل سکا جس میں قرض پر نفع مقروض کے علاوہ کسی تیسرے فریق کی جانب سے ادا کرنے کا ذکر ہو۔ ربا کی شناعت اور سنگینی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن جابرؓ کی روایت پیچھے گذر چکی ہے:''لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء'' (صحیح مسلم ٧٢،٢)۔

اس میں موکل عام ہے، بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ؛ مذکورہ صورت میں گرچہ مستقرض خود ربا نہیں کھلا رہا ہے، لیکن کھلانے کا سبب قر یب بن رہا ہے، اس لئے مآلاً یہ بھی موکل ٹھہرے گا۔ اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جو سراپا دین رحمت ہے، ہر اس پتلی گلی پر روک لگاتا ہے، جس سے سود کے درآنے کا امکان ہوتا ہے۔ اسی لئے کاتب ربا اور شاہدین کو آکل وموکل کی طرح ربا میں برابر کا شریک مانا، اور سب پر لعنت کی گئی۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ثالث بھی اثر لعنت سے محفوظ نہیں رہے گا۔ اس لئے بندے کی ناقص رائے کے مطابق صورت ثانی ناجائز ہوگی۔

(١٢) بعض اسکیمیں ایسی ہیں کہ جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کوبینک میں جمع کردیاگیا ہے، اور اس کے انٹرسٹ سے حاصل ہونے والی رقم سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور مختلف افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے۔

اس صورت میں جس رقم سے امداد کی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ وہ حرام طریقے سے کمائی گئی ہے، فی نفسہ اس کا لینا دینا مسلمان کے لئے مسلمان سے جائز نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن یہاں اولاً نقود متعین نہیں ہوتے ہیں، کہ خبث اس میں سرایت کرے۔ ثانیاً: یہ

غیر مسلم حکومت کی رقم ہے، کفار فروعات کے مکلف نہیں ہیں، اس لئے کفار اگر بیع فاسد یا بیع باطل (سودی قرض) سے نفع حاصل کرتےہیں تو ان کے لئے کوئی ممانعت نہیں، پھر اگر وہ اس نفع سے کسی مسلمان شخص یا مسلم ادارے کا ایسے طریقے سے تعاون کریں جس میں مسلمان کے لئے شرعی لحاظ سے کوئی خرابی نہ ہو تو یہ جائز ہوگا۔ مندرجہ ذیل جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

''وجاز أخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ، بخلاف دین علی المسلم لبطلانہ'' (درمختار مع رد المحتار۹؍۵۵۳ کتاب الکراہیہ، فصل فی البیع)۔

سرکاری اسکیم سے استفادہ کا حکم

مفتی محمد اسعد پالنپوری فلاحی•

سوال نمبر:-١ وہ قرضے جن کاایک حصہ معاف کردیاجاتاہےاورلی ہوئی رقم سے کم واپس کرناپڑتاہے،ایسے قرضوں کاکیاحکم ہے؟

جواب نمبر:-١صورت مسؤلہ میں اس طرح قرض لیناجائز ہے؛ کیونکہ اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا، غرباء اور ضرورت مندوں کو استفادے کا موقع فراہم کرناہے،اسی لئے حکومت اپنی جانب سے دی ہوئی رقم کے ایک حصے کو معاف بھی کر دیتی ہے،جسے "سب سیڈی" کہاجاتاہے؛اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد سودخوری نہینہے،اس لئے اگرکوئی شخص حکومت سے اس طرح کی اسکیم کے تحت قرض لے اورحکومت کی جانب سے اس پر اگر کچھ رقم کی معافی ملے اور مابقیہ رقم حکومت خواہ سودکے ساتھ ہی کیوننہ وصول کرے، جبکہ اس کی کل مقداراصل رقم سے زائدنہ ہوتو جائز ہے، یعنی وہ سودسب سیڈی میں ملی ہوئی رقم سے اداہوجاتاہے ،اپنی طرف سے کچھ زائدنہ دینا پڑتاہوتوجائزہے ،اس تاویل کے سے"کہ حکومت نے جورقم بطورتعاون اسے دی تھی اس مینسےکچھ رقم اس نے حکومت کوواپس کردی"مذکورہ اسیکم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہےاوراگرسودکی رقم سب سیڈی کی رقم سے زیادہ ہو،تویہ معاملہ سودی کہلائے گااورجائزنہ ہوگا (فتاوی رحیمیہ، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی٩/٢٣٣؛کذافی محمودالفتاوی،مطبوعۃمکتبہ انور ڈابھیل ٤/٥٠٢؛کتاب النوازل ،مطبوعۃالمرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد١١/٣١٠) ۔

"خلاصۃ الفتاوی" میں ہے:"وفي الأصل إذا كان لرجل على آخر ألف درہم، فقال لہ: أبرأتك عن خمس مأة أو حططت عنك خمس مأة على أن تعطيني الباقي، ولم يوقت وقتاً، فأعطاه الباقي في ہٰذا اليوم، أولم تعطہ برئ عن خمس مأةٍ" (خلاصۃ الفتاوی،مطبوعۃ المکتبۃ الأشرفیۃ، دیوبند ٤،١٧٧)۔

خلاصۃ الفتاوی کی مذکورہ بالاعبارت سےبھی ذکرکردہ مسئلےکی تائیدہوتی ہے۔

اور "فتاوی شامی " میں ہے:"الربا ہو الفضل الخالي عن العوض" (ردالمحتار المعروف بالشامیۃ، کتاب البیوع،باب الربا، مطبوعۃ کراچي٥، ١٦٩)۔

اور "فتاوی ہندیہ" میں ہے: "ہو في الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض في

• خادم الحدیث والافتاء دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات۔

معاوضۃ مال بمال" (الفتاوی الہندیۃ ،الباب التاسع، الفصل السادس ،مطبوعۃ زکریا:۳/ ۱۱۷)۔

اور ''مبسوط سرخسی" میں ہے:''وفی الشریعۃ :الربا:ہوالفضل الخالی عن العوض المشروط فی البیع''۔

مذکورہ بالاتمام عبارات سےبھی یہ بات واضح ہورہی ہےکہ سوال میں مذکورصورت رباميندا خل نہینہے؛ کیونکہ ربا کی جوتعریف مذکورہ عبارات مینکی گئی ہے،وہ سوال میں مذکور صورت پرصادق نہیں آتی ہے۔

سوال نمبر:-۲ معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتاہےکہ ایک مقررہ مدت کے اندرواپس کرنے پر معافی ہوتی ہے،ورنہ پوری رقم اداکرنی پڑتی ہے،اس صورت کاکیاحکم ہےجبکہ لی ہوئی رقم سے زائدواپس نہ کرناپڑے؟

جواب نمبر:-۲صورت مسؤلہ مینبھی اس طرح قرض طلب کرناجائزہے،کوئی حرج نہیں۔

جیساکہ ''خلاصۃ الفتاوی " میں ''جامع صغیر "کی اس عبارت سے ثابت ہورہاہے: ''إن قال:أد إلَيَّ غداً خمس مأة علٰی أنك برئ من الباقي،علٰی أنك لو لم تعطني غداً خمس مأة،فالألف عليك علٰی حالہ، فالأمركماقال" (خلاصۃ الفتاوی،مطبوعۃ المکتبۃ الأشرفیۃ،دیوبند : ۴/ ۱۷۷)۔

سوال نمبر:-۳ اگرمقررہ مدت کے بعدقرض اداکرنے پرکل رقم کی واپسی کے ساتھ زائدرقم بھی اداکرنی پڑے،تواس صورت کاکیاحکم ہوگا؟

جواب نمبر:-۳ مذکورہ صورت سودمیں داخل ہے،اس لئے یہ صورت حرام اورناجائز ہوگی،اس سےبچناضروری ہے؛ کیونکہ زائد رقم حکومت کی طرف سےجولی جارہی ہے،وہ خالی عن العوض ہےاورجس قرض کی زائدرقم خالی عن العوض ہو،اس کو سود کہا جاتا ہے؛ چنانچہ مبسوط سرخسی میں سودکی تعریف ان الفاظ مینکی ہے :''الرِّبَا:هُوَ الْفَضْلُ الْخَالِي عَنْ الْعِوَضِ الْمَشْرُوطِ فِي الْبَيْعِ''۔

اور ''تبیین الحقائق " مینسودکی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''ہُوَ فَضْلُ مَالٍ بِلَا عِوَضٍ فِي مُعَاوَضَةِ مَالٍ بِمَالٍ، هَذَا فِي الشَّرْعِ''۔

اور ایک حدیث مینحضرت علیؓسے مرفوعا منقول ہے:''کل قرض جر منفعۃ فہو ربا''۔ ایک اورحدیث میں حضرت فضالہ بن عبیدؓسے منقول ہے:''کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ من وجوہ الربا" (فتح الملہم شرح المسلم ،مطبوعۃ فیصل پبلیکیشنز۷/ ۵۳۰)۔

(ہروہ قرض جوکسی طرح کےبھی نفع کوکھینچ کرلےآئے،وہ رباہے)۔

اورڈاکٹرعبدالحمیدمحمودطہمازاپنی کتاب "الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید" میں تحریر فرماتے ہیں:

''کل قرض جر نفعًا للمقرض إذا كان مشروطًا، فهو حرام للحديث الشريف"كل قرض

جر نفعًا فہو حرام" [الفقہ الحنفی فٰی ثوبہ الجدید ،مطبوعۃ دارالایمان سہارن پور:۴/ ۲۲۰]۔

لہذامذکورہ صورت سودمیںداخل ہوگی،جس سےخودبھی بچنااوردوسرونکوبھی بچنے کی تلقین کرناضروری ہے۔

سوال نمبر:-۴ کیا کم شرح سود کو سروس چارج کا نام دیا جاسکتا ہے؟

جواب نمبر:-۴ مذکورہ صورت میناس طرح قرض لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اصل قرض پراداکی جانے والی زائد رقم سودکے دائرے میں نہیں آئےگی؛ بل کہ بندےکی ناقص رائےکےمطابق یہ سروس چارج اورانتظامی خرچ مینشمارہوگی اوراس پراجارے کے احکام جاری ہونگے؛گویاقرض لینےوالے کی طرف سےقرض حاصل کرنے کے لئے حکومت کویہ ایک طرح کی اجرت دی جارہی ہے؛لہذااجارے کی صحت کےلئےجن شرائط کاپایاجاناضروری ہے،ان مینایک شرط اجرت کی مقدارکاپہلےسےمعلوم ہونابھی ہے؛جیساکہ دیگراجارتی معاملات میں اجرت کاپہلےسےمعلوم ہوناضروری ہوتاہے۔

چنانچہ ''بدائع الصنائع '' مینحضرت ابوسعیدخدریؓاورحضرت ابوہریرہؓسے آنحضرت ﷺ کاایک فرمان منقول ہے:

''عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا - عَنْ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ:----------وَمَنْ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُعْلِمْهُ أَجْرَهُ.وَهَذَا مِنْهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - تَعْلِيمُ شَرْطِ جَوَازِ الْإِجَارَةِ وَهُوَ إعْلَامُ الْأَجْرِ فَيَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ''۔

ایک اورجگہ اس طرح منقول ہے:

''وَالْأَصْلُ فِي شَرْطِ الْعِلْمِ بِالْأُجْرَةِ قَوْلُ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «مَنْ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُعْلِمْهُ أَجْرَهُ» وَالْعِلْمُ بِالْأُجْرَةِ لَا يَحْصُلُ إلَّا بِالْإِشَارَةِ وَالتَّعْيِينِ أَوْ بِالْبَيَانِ ''۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سےمعلوم ہواکہ اجارے میں اجرت کی مقدارکامعلوم ہونا ضروری ہے؛ خواہ اس کاعلم کسی طرح سےبھی ہو؛لہذا صورت مسؤلہ میں اصل قرض پر ادا کی جانے والی زائدرقم بندے کی ناقص رائےمیں سروس چارج اورانتظامی خرچ میں شمار ہوگی، دینےمیں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اس کی مقدار کا پہلے سےمعلوم ہونا ضروری ہوگا۔

سوال نمبر:-۵ اگرسرکارکی طرف سےدیئے جانے والےقرض پرلی جانےوالی زائدرقم کااوسط معمولی نہ ہوکہ جس کو انتظامی خرچ پرمحمول کیاجاسکےتوا س کاکیاحکم ہوگا؟

واضح رہےکہ یہ قرضےمختلف قسم کےجانورونکوپالنے،مکان کی تعمیر،کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئےبھی ہوتےہیں توکیاضرورت کودیکھتے ہوئےحکم میں کچھ فرق کیاجاسلتاہے؟

جواب نمبر:-۵ مذکورہ صورت سودمیں داخل ہے؛کیونکہ رباکی حرمت منصوص

ہے،اس میں کم اورزیادہ کی کوئی قید نہیں ہے؛لہذااصل رقم پرلی جانےوالی زائدرقم خواہ کم ہویازیادہ سودکےدائرےمینآئےگی؛اللہ رب العزت نے قرآن مجیدمینارشادفرمایاہے: ''أحل الله البيع وحرم الربوا'' (سورہ بقرہ: ٢٧٥) (اللہ تعالی نے بیع کوحلال کیاہےاورربواکوحرام)۔

مذکورہ آیت مینربواکی حرمت مطلق ہے؛ کم اورزیادہ کی کوئی قیدنہیں ہے؛ لہذایہ صورت ربامیں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز اورحرام ہوگی۔

اور ڈاکٹرعبدالحمید محمود طہمازاپنی کتاب''الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید'' میں اللہ رب العزت کےفرمان:''لا تَظلمون ولاتُظلمون'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''أی:لاتظلمون بأخذ أیِّ زیادة علٰی أموالکم،ولاتُظلَمون بأن تردوا إلی الدائن أقل مما أخذ منہ''۔

یعنی تم اپنےاموال پرایک کوڑی بھی زیادہ لےکرسامنےوالے(مدیون)پرظلم مت کرواورتم پربھی ظلم نہیں کیا جائےگا باینطور کہ تم دائن کواس کے پاس سےلئےمال سےکم مال لوٹاؤ۔

آگےتحریرفرماتےہیں:

''فالربا حرام فی کل صورہ وأشکالہ،سواء کانت الزیادة کثیرة أم قلیلة،وسواء کان الاستقراض للاستثمار أم للاستہلاك؛ فالاٰیة ترد علَی الذین یستحلون قلیل الربا،ویستحلون الربا الذی یکون فی قرض للاستہلاك؛فکل صور الرباحرام؛لأن اللہ تعالٰی شرع لأصحاب الأموال أن یستردوا أموالہم فقط دون أی زیادة علیہا؛وقد نادی النبیﷺ بتحریمہ علی الإطلاق فی خطبة حجة الوداع عندماقال فیہا:"ألا إن کل ربا من ربا الجاہلیة موضوع، لکم رؤوس أموالکم، لاتَظلِمون ولاتُظلَمون" [الفقہ الحنفی فٰی ثوبہ الجدید،مطبوعة دارالایمان سہارن پور: ۴/ ۲۲۹،۲۲۸]۔

مذکورہ بالاپوری عبارت سےبطورخلاصہ یہ بات ثابت ہوئی کہ رباکی ساری صورتینخواہ رباکم ہویازیادہ،خواہ ربا استثمار کےلئے ہو یااستہلاک کےلئے،حرام ہے؛کیونکہ حجة الوداع کےموقع پرآنحضرتﷺنےجوعام خطبہ دیاتھا ،اس مینبھی آپﷺ نےرباکومطلقا حرام قراردیاتھا،کم زیادہ کی کوئی تفصیل بیان نہینفرمائی تھی۔

الغرض!حضرات فقہاءنےشدیدضرورت اوراضطرارکی حالت مینسودلینےکی اجازت دی ہےجس طرح اضطرارکی حالت مینجبکہ جان جانےکاخطرہ ہو اورکوئی ایسی حلال چیزنہ ملےجسےکھاپی کروہ اپنی جان بچاسکے،توبقدرضرورت خنزیرکےگوشت اورشراب کےاستعمال کی شریعت نےاجازت دی ہے؛لیکن صورت مسؤلہ مینکوئی ایسا اضطرار نہیں ہےکہ جس کی وجہ سےسودلینے کی اجازت دی جائے؛اس لئے بندےکی رائے مینصورت مسؤلہ میناس طرح سودلیناجائز نہینہوگا،یہ صورت بھی حرمت

کےدائرےمیںآئےگی۔

سوال نمبر:-۶ ایسا بھی ہوتاہےکہ بعض ضروریات کےلئےگورنمنٹ کی طرف سے مکمل رقم امداد کے طور پر ملا کرتی ہے؛ مثلاً: مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ؛ نیز تعلیمی ضروریات کےلئے،توایسی رقم کوحاصل کرنےاوراستعمال کرنے کاکیاحکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سےکسی حصےکی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

جواب نمبر:-۶ صورت مسؤلہ مینحکومت کی جانب سے اپنے شہریوں اور باشندوں کو جورقم اپناذاتی مکان بنانے یا ذاتی بیت الخلاءوغیرہ کی تعمیرکےلئےازراہ امداددی جاتی ہے،اس کالیناجائزہے، کوئی حرج نہینہے؛حکومت خواہ اسلامی ہو یا غیراسلامی؛ کیونکہ اس میں حکومت کی جانب سے اپنےشہریوناورباشندگانکے لئےامدادکاپہلوہوتا ہے؛لیکن جہانتک تعلیمی ضروریات اوراس کی ترقی کےلئےحکومت کی جانب سے پیش کی جانےوالی رقم کےلینے کاتعلق ہے،تواس سلسلےمینعرض ہےکہ اگرحکومت اسلامی ہواوراس کی جانب سے مساجدکی تعمیراوردینی اداروںکی تعلیمی وتعمیری ترقی کےلئےاگررقومات فراہم کی جاتی ہینتوان کےلینےمینکوئی حرج نہینہے ،جیساکہ آج کل سعودی حکومت کی جانب سےوہانکے بعض اداروںمینرقومات وافرمقدارمینفراہم کی جاتی ہیں؛لیکن اگرکسی غیراسلامی حکومت کی جانب سےکوئی رقم دینی داروںمینبطورامدادپیش کی جائے، تو اس کالیناجائز نہیں؛کیونکہ حکومت اس رقم کی آڑمیں رہ کر مسلمانوں کو اپنے احسان تلےدباکران کےدینی اداروںمینمداخلت شروع کردےگی، اپنا نصاب تعلیم داخل کرےگی،اپنےخیالات کےٹیچراوراساتذہ کاتقرر کرےگی،مدرسےکےنظام الاوقات کوتبدیل کردےگی ،نتیجتًہ خالص اسلامی اور دینی ادارہ ایک دنیوی اسکول اورکالج بن کررہ جائےگا؛جیساکہ ہمارےاسی ملک کےبعض علاقونکےمدارس کےمتعلق یہ بات پختہ ذرائع سے سنی گئی ہے کہ انہوننےحکومت کی جانب سےپیش کی جانےوالی امدادکوقبول کیا، جس کاتنیجہ ان لوگونکوبہت خطرناک انداز میں بھگتنا پڑاکہ ان کےیہ خالص دینی ادارے دنیوی تعلیم گاہونمیں بدل گئے،ان دینی اداروںمینحکومت نےاپنانصاب تعلیم داخل کردیا،اپنےخیالات کے اساتذہ کا تقرر کردیا، جن کےمزاج اورطبیعتونکااثران کے طلبہ پربھی پڑا،نتیجۃ وہی طلبہ جومستقبل مینامت کےقائد اوردین متین کےمخلص خادم بننے والے تھے، وہ خالص دنیوی ملازم بن کررہ گئے،جن کےپیش نظرہمہ وقت دنیاطلبی ہی رہتی ہےاوردین کی خدمت صرف برائےنام ہوتی ہے؛اس لئے حکومت کی جانب سے پیش کی جانےوالی امداددینی اداروںمیں لیناجائز نہیناوران کااستعمال کرنامفاسد سے خالی نہیں ہے،جس سے احترازلازم ہے۔

جس کی تائید ‘‘فتاوی محمودیہ ’’ کے ایک فتوی سے بھی ہوتی ہے، جس کے سوال

وجواب دونوںکو بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

دینی مدارس میں سرکاری امداد:

سوال: جس گاؤں میں مدرسۂ اسلامیہ قائم ہو، مگرگاؤں والے امداد نہیں کرتے؛ بلکہ لڑکے بھی بڑی مشکل سے اکھٹے ہوتے ہیں، تو اگر ڈسٹرکٹ بورڈ، سب ڈپٹی یاڈپٹی انسپکٹر سے مدرسۂ اسلامیہ کی امداد کی درخواست کی جائے اور وہ درخواست امداد منظور بھی ہوجائے، توجائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

گاؤں والوں کو مدرسۂ اسلامیہ کی ضرور امداد کرنی چاہئے، ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد لینے میں اگر یہ خیال ہوکہ مدرسے کوسرکاراپنے قبضے میں کرکےاپنی تعلیم اس میں جاری کرےگی اوردینی تعلیم یابالکل بندکردےگی یامختصرکرکےبرائےنام جاری رکھےگی، توسرکار سے امداد نہیں لینی چاہئے؛ اوراگراطمینان ہوکہ دینی تعلیم بدستورجاری رہےگی اوربھی کسی قسم کاشرعی نقصان نہیں ہوگا،تودرست ہےاوراس کاکام میں لانا بھی درست ہے (فتاوی محمودیہ،مطبوعۃ اشرفی بک ڈپودیوبند۱۵/۶۰۴)۔

نوٹ: لیکن ہمارے اس زمانے میں تودینی مدارس اورتعلیم گاہوں کےلئےسرکاری امداد لینا بالکل جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ امداد پیش کرنے میں حکومت کی نیت ہی خالص نہیں ہوتی ہے،اس کےپیچھے ان کے فاسد اغراض ومقاصد پنہا ہوتے ہیں، جو کبھی نہ کبھی ظاہرہوکررہتےہیں۔

اسی وجہ سےجب دارالعلوم دیوبندکی بنیادڈالی گئی ،اس وقت ہمارے ملک میں دین اسلام کوختم کرنےکےلئےکئی منظم اورمتحرک تحریکات چلائی جارہی تھیں ،بظاہربقائے اسلام کی کوئی ممکنہ شکل وصورت نظرنہیں آرہی تھی، اسی لئے قیام دارالعلوم کا ایک انقلابی فیصلہ کیاگیا، دارالعلوم کےسارے اخراجات کا دارومدار چونکہ عوام کےعطیات پر رکھا گیا تھا، اس لئے ضرورت تھی کہ اس کےکچھ اصول وضوابط اورطریقۂ کارکالائحۂ عمل مرتب کیاجائے، چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانامحمدقاسم صاحب نانوتویؒ نےسب سےپہلےاسی لائحۂ عمل کی جانب توجہ فرمائی اورآٹھ دفعات پرمشتمل ایک دستور العمل مرتب کردیا، دارلعلوم دیوبند کی تاریخ میں جنہیں اصول ہشتگانہ کہاجاتاہے؛وہ آٹھوں اصول لکھے ہوئے موجود ہیں،یہاں ان میں سےہرایک کو لکھناطوالت سےخالی نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ عوامی چندےاورعطیات سے مدارس اسلامیہ کوچلنااوراس کومدارس کےلئےلازم قراردیناحضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی فراست ایمانی تھی اور دفعہ نمبرسات میں شرکتِ سرکارسے روکاگیاہےاورعوامی چندے اورعوامی عطیات پران مدارس کےمدارکی تلقین کی گئی ہے۔

سوال نمبر:-۷ گورنمنٹ کی طرف سےملنے والی امدادی رقوم -جس قسم کی بھی

ہوں-ان کےحصول کےلئےکافی جدو جہدکرنی ہوتی ہےاورخرچ بھی ہوتاہے،کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتےہیں، واسطہ بننے والونکےلئےان کومطلوبہ محنتانہ دینے اورلینے کاکیاحکم ہوگا؟

جواب نمبر:-۷ صورت مسؤلہ میں رقم حاصل کرنےکےلئےدرمیان مینواسطہ بننے والوں کو ان کی محنت کااجروصلہ اور محنتانہ دینےمینکوئی حرج نہینہے،جائز ہے، بشرطیکہ اجرت کی تعیین پہلےسےکردی گئی ہو؛کیونکہ اجارےکی صحت کےمن جملہ شرائط میں سےایک شرط اجرت کاپہلےسےمتعین ہونابھی ہے ۔واللہ اعلم بالصواب

سوال نمبر:-۸ بعض مرتبہ واسطہ بننےوالےلوگ حاصل شدہ رقم کاایک حصہ لےلیاکرتےہیں، یادینےاور لینےکا معاملہ کرتے ہیں، تواس کاکیاحکم ہوگا؟

جواب نمبر:-۸ صورت مسؤلہ میں جوازوعدم جوازکی بات توایک طرف رہی؛لیکن واسطہ بننے والےکااس رقم کےایک بڑےحصےکواپنےقبضےمینلےلینامروت وانسانیت کےبھی خلاف ہے؛کیونکہ اصل مالک نےمذکوررقم حکومت سےاپنےکام کےلئےمنظور کروائی ہے؛ لہذا اس کے لئے اس رقم کے ایک معتدبہ حصےکولے لینا کس طرح جائز اور درست ہوسکتا ہے؟؟ ہاں! اگر اس کو اپنی محنت کی اجرت دی جائے یا وہ اپنی محنت کی اجرت طلب کرے، بشرطیکہ اجرت پہلےسےمتعین ہو، تو لینا دینا دونوں جائز ہے، جیساکہ اوپرمعلوم ہوا۔

سوال نمبر:-۹اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضونکےحصول کےلئےاگررشوت دینی پڑے،تورشوت دینے کا کیا حکم ہو گا؟ لیناتوظاہرہےکہ درست نہیں۔

جواب نمبر:-۹ اس سلسلےمینصاحب منتخبات نظام الفتاوی حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ تحریرفرماتےہیں:

راشی اورمرتشی یعنی رشوت دینے والااوررشوت لینے والادونوںجہنم میں جلیں گے اور ساتھ ساتھ جس کاحق اس سلسلےمینتلف ہوگا اس کا وبال بھی ان پرپڑےگا، دنیا میں بھی بےبرکتی، ذلت ورسوائی اٹھانی پڑےگی، ایسےلوگ خسرالدنیاوالاخرۃ کامصداق ہوجاتےہیں؛ اب انسان خود دیکھ لے، ایک پلےمینآخرت کانقصان رکھےاوردوسرےپلےمیندنیاکی چند روزہ پریشانیاں رکھ لے،پھرخودموازنہ کرے،دیکھ لےکہ کس کواختیارکرناچاہئے،دنیاکی پڑیشانی یاآخرت کی پریشانی؟؟ظاہرہےکہ آخرت کی تھوڑی پریشانی بھی دنیاکی ساری پریشانیوں سے بڑھ کراورسخت ہے؛باقی اگراپناجائز حق لینابغیر رشوت دیئےممکن نہ ہو، تورشوت دے دے، دینے والاگنہ گارنہ ہوگا(البتہ لینے والاضرورگنہ گارہوگا)(منتخبات نظام الفتاوی، مطبوعۃ ایفا پبلیکیشنز:۳/۲۰۳،۲۰۴)۔

اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمودصاحب گنگوہیؒ فتاوی محمودیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

رشوت کا لینا دینا حرام ہے؛البتہ دفع ظلم اوراپناحق وصول کرنے کےلئےبحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے،اس صورت میں فقط رشوت لینے والاگنہ گارہوگا (فتاوی محمودیہ،مطبوعۃ اشرفی بک ڈپودیوبند:۱۸/۴۵۵) ۔

اورحضرت مولاناخالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ایک جگہ تحریرفرماتےہیں:

اگرکام کرنے والےپرآپ کاحق ہوکہ وہ کام کردےاوروہ کام فی نفسہ جائز بھی ہواور اس کامقصد دوسرونکےساتھ زیادتی بھی نہ ہو،تواپناجائز حق حاصل کرنےاورظلم وناانصافی سے بچنےکےلئےکراہت خاطرکےساتھ رشوت دینےکی گنجائش ہے؛ لیکن رشوت لینابہرصورت حرام ہے (کتاب الفتاوی،مطبوعۃ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند: ۶/۲۴۵)۔

شامی میں لکھاہے:''ثم الرشوة أربعة أقسام:۔۔۔''الثالث:أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعًا للضرر،أوجلبًا لنفع،وہو حرام على الآخذ.الرابع:مايدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه علٰى نفسه أو ماله حلال للدافع ،حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب" (الشامية مطبوعۃ مکتبۃ زکریا دیوبندکتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة :۸/۳۵)۔

اورشارح ابوداؤدصاحب ''بذل المجهود ''تحریر فرماتےہیں:

''فأما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق ،أو يدفع عن نفسه ظلما؛فانه غيرداخل فى ہٰذا الوعيد'' [بذل المجهود مركزالشيخ أبى الحسن ۱۱/ ۲۰۶]۔

اورصاحب ''تکملہ ردالمحتار ''تحریرفرماتےہیں:''قال الرحمتی:والرشوة إذا كانت لدفع الضررعن نفسه وعن رب المال، كانت جائزة للدافع، مأذونًا فيهاعادة للمالك، وإن حرمت على الآخذ'' (تكملة ردالمحتار، دارالفكربيروت۸/ ۴۶۰)۔

اور ''صاحب اعلاءالسنن '' تحریرفرماتےہیں:وأما اذا دفع الرشوة ليسوى أمره عندالسلطان حل للدافع ،ولايحل للآخذ [اعلاء السنن ، مطبوعۃ کراچی:۱۵/ ۶۲]۔

اور ''تلخیص الحبیر ''کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہاسے آپ ﷺ کا فرمان منقول ہے:(الراشى والمرتشى فى النار) (رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنم میں جائینگے)۔

مذکورہ بالاتمام فتاوی ،فقہی عبارات اورحدیث کی روشنی مینیہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ رشوت کالینادیناسخت گناہ کاباعث ہے،دونوں کوجہنم کی وعیدسنائی گئی ہے؛تاہم اپنےاوپرسے ظلم کودورکرنےیااپناکوئی جائز حق وصول کرنے کے لئے جبکہ بغیرکچھ مال دیئے اپناحق وصول نہ ہوتاہو، تو بدرجۂ مجبوری کراہت خاطرکےساتھ رشوت کادینا تو جائز ہے؛ البتہ لینے والے کے لئے اس کا لیناجائز نہیں؛لہذاصورت مسؤلہ مینسرکاری امدادی رقوم اورقرضونکاوصول بغیررشوت دیئے ممکن نہ ہو،تومذکورہ بالا اکابرین کےفتاوی کی روشنی میں اس ناچیزکےنزدیک بھی رشوت دینےکی گنجائش ہے ، کوئی

حرج نہیں ہے۔

سوال نمبر:-١٠ امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنےکےلیےکچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلے میں غلط بیانی سے کام لینااورغلط طریقےپرامدادیاقرض سے فائدہ اٹھانےکاکیاحکم ہے؟

جواب نمبر:-١٠ مذکورہ بالاطریقےسےامدادی رقم یاقرض سےفائدہ اٹھاناحکومت یامتعلقہ محکمےکےساتھ واضح طورپر دھوکہ دہی ہے،جس سے بچناہرمسلمان کےلئےلازم ہے؛کیونکہ حکومت نے مذکورہ رقوم سےفائدہ اٹھانےکاحق صرف انہی لوگونکودیاجواس کی مقرر کردہ شرائط اورمعیارات پرپورےپورےاترتےہوں؛ظاہرسی بات ہےکہ غلط بیانی کرکےحق حاصل کرنے کی صورت مینمستحقین کاحق بھی ہڑپ کرنالازم آئےگااورحکومت یامتعلقہ محکمےکےساتھ دھوکہ دہی بھی ہوگی اورظلمًاکسی کاحق ہڑپ کرنااورکسی کودھوکہ دینادونونگناہ کبیرہ ہے ۔

چنانچہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتےہیں:

''ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل''(سورہ بقرہ: ١٨٨) (تم لوگ اپنے اموال کواپنے درمیان ناحق طریقےسے مت کھاؤ)۔

اورایک حدیث میں آنحضرتﷺنےارشادفرمایا:''من غشنا فليس منا'' (جس کسی نےہمیں دھوکہ دیاوہ ہم میں سےنہیں)۔

لہذا مذکور طریقے سے امدادی رقوم یاقرض سےفائدہ اٹھانا مذکورہ بالا دونوں وجوہات کی بنیادپرحرام اورناجائزہوگا۔

سوال نمبر:-١١ تعلیم کے لئے دی جانےوالی قرضہ جاتی اسکیم سے استفادہ؟

جواب نمبر:-١١ مذکوراسکیم سےفائدہ اٹھانا(خواہ انٹرسٹ کی رقم اس کی طرف سےحکومت اداکرےیاخودمقرض ادا کرے)جائز نہیں؛کیونکہ دونونصورتونمینبالواسطہ یابلاواسطہ خودقرض طلب کرنےوالےکاسودکی رقم سےاستفادہ کرنالازم آرہاہے اور سودکا ایک دیناربھی جہنم مینلےجانےوالاہے،اس کاایک دینابھی حرام ہے ،حرمت مینمقدارقلیل اور مقدار کثیر دونوں برابرہے؛چنانچہ ڈاکٹرعبدالحمید محمودطہمازاپنی کتاب''الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''فالربا حرام فی كل صوره وأشكاله،سواء كانت الزيادة كثيرة أم قليلة،وسواء كان الاستقراض للاستثمار أم للاستهلاك'' [الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید،مطبوعة دارالایمان سهارن پور: ٤/ ٢٢٨،٢٢٩]۔

سوال نمبر:-١٢ امدادکے لئے مختص کی گئی سودی رقم سے استفادہ:

جواب نمبر:-١٢ مذکورہ صورت میناس اسکیم سے فائدہ اٹھاناجائز ہے؛کیونکہ اس کی نوعیت اوپرذکرکردہ نوعیت سے بالکل الگ ہے،یہانحکومت یاحکومت کاامدادی ادارہ

پہلےاس انٹرسٹ کامالک بنتاہے،اس کےبعد وہ لوگونکی امداد کرتا ہے، اس لئے لوگوں کےلئے یہ مال حلال ہوگا،ا ن کےلئے یہ سودکےدائرےمیں نہیں آئےگا؛کیونکہ تبدل ملک سےحکمًاتبدل عین ہوجاتاہے؛یعنی ملکیت کےبدلنے سے حکمًاچیزبھی بدل جاتی ہے؛جیساکہ ایک مرتبہ آپ ﷺحضرت بریرہ رضی اللہ تعالی عنہاکےمکان پرتشریف لےگئے،تواس نے آپ ﷺ کوکچھ کھجوریں پیش کیناورگھرمینچولہےپررکھی ہوئی ایک ہانڈی مینکچھ گوشت بھی پک رہاتھا،توآپ ﷺنےاس ہانڈی کی طرف اشارہ کرکے پوچھاکہ اس مینکیاہےاور کیااس مینہماراحصہ نہینلگاؤگی؟تو اس نے جواب دیا:کہ وہ گوشت ہےجومجھے صدقہ کیاگیاہےاورآپ توصدقے کا مال تناول نہیں فرماتے ہیں؛ اس پر آپ ﷺ نےجواباًعرض فرمایا:''لك صدقة ولناہدیۃ'' یعنی یہ مال تمہارےلئےصدقہ ہےاورتم مجھےعنایت کروگی تو میرےلئےہدیہ بن جائےگا۔

پس جس طرح یہانملکیت کےبدلنےسےحکماًچیزبھی بدل گئی کہ جب تک وہ گوشت حضرت بریرہ کے قبضے میں تھا وہاں تک تووہ صدقہ تھا؛ لیکن جب وہ آپ ﷺ کوپیش کرےگی، تووہ ہدیہ بن جائےگا؛لہذاصدقےکےمال سےآپ ﷺ کافائدہ اٹھانالازم نہینآئےگا،معلوم ہواکہ ملکیت کےبدلنےسےحکماچیزبھی بدل جاتی ہے؛ٹھیک اسی طرح سےصورت مسؤلہ مینبھی جب تک انٹرسٹ کی وہ رقم حکومت یاحکومت کےامدادی ادارے کے قبضےمینہوگی،تب تک وہ سودی رقم کہلائےگی؛لیکن وہی رقم جب کسی دوسرےکودےدی جائےگی تووہ اس کےلئے سودکےحکم میننہینہوگی؛ کیونکہ ملکیت کاتبدل ہوگیا ہے؛ لہذا اس کےلئےوہ رقم حلال ہوگی۔

سرکاری اسکیموں اورترقیاتی قرضوں سے وابستہ چند امور

مولانا محمد اکرم اسلم رشید•

قرض کے بعض حصہ کی معافی:

سوال:(۱) وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کر دیا جاتا ہے،اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ،ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

جواب:(۲) صورتِ مسئولہ میں ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا مقرض مستقرض سے قرض کا بعض حصہ معاف کر رہا ہے ،اور اس میں شرعاًکسی قسم کی کراہت نہیں ہے،چنانچہ علامہ زیلعی رقم فرماتے ہیں:

''(قولہ ففعل صح)ای أخر رب الدین أو حط بعض الدین بأن ابرأ المدیون عن بعض الدین''(تبیین الحقائق ۴۴٫۵، ط: المطبعۃ الکبری،قاہرۃ، زاد المستقنع فی اختصار المقنع۱۱۸٫۱،ط:دار الوطن للنشر،ریاض، الفروع۴۲۳٫۶،ط:مؤسسۃ الرسالہ، الانصاف ۲۳۵٫۵،ط:دار احیاء التراث العربی، الروض المربع۳۷۹٫۱،ط:دار المؤید،مؤسسۃ الرسالہ، الفقہ المیسر ۲۵۵٫۱،ط:مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف)۔

نیز ''القواعد الفقہیۃ '' کی عبارت ملاحظہ ہو:

''أما إذاکان النفع عائداً علی المقترض فلیس حراماً؛ لأنہ تبرع من المقرض للمستقرض'' (القواعد الفقہیۃ۶۵۴٫۱،ط:دار الفکر، دمشق)۔

پس مذکورہ صورت کے جواز میں کسی قسم کا کوئی تردد نہیں ہے۔

سبسیڈی والے قرض کا حکم:

سوال:(۲) معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے،ورنہ سود کے نام سے پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے،اس صورت کا کیا حکم ہے جب کہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس کرنا نہ پڑے؟

جواب:(۲)سوال مذکور کا شرعی حکم معلوم کرنے سے قبل اس بات کا جان لینا ضروری ہے کہ ''ربا ''ایک شرعی لفظ ہے،اور اس کا ایک شرعی مفہوم ہے،اس لئے ربا کا مفہوم شرعی جس رقم پر صادق آئے گا،اور جس معاملہ پر سودی معاملہ ہونا صادق آئے گا،وہ معاملہ، خواہ ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں ،مسلمانوں کے ساتھ یا غیر مسلموں کے ساتھ ناجائز اور حرام رہے گا،اور اس کا لینا دینا کچھ بھی درست نہ ہوگا،کسی

• خادم تدریس دار العلوم لوناواڑہ، گجرات۔

اور کے اس کو غیر ربا کہنے یا غیر سود سمجھنے سے یہ معاملہ حکم سود اور حرمت سود سے نہیں نکلے گا ،اسی طرح ربا کا مفہوم شرعی جس رقم پر صادق نہ آئے،اور جس معاملہ پر سودی معاملہ ہونا صادق نہ آئے،تو کسی کے اس رقم کو سودی رقم اور اس معاملہ کو سودی معاملہ کہنے کی وجہ سے وہ رقم سودی رقم اور وہ معاملہ سودی معاملہ نہ ہوگا۔

اس تمہید کے بعد سوال میں ذکر کردہ صور ت کا حکم یہ ہوگا کہ جب مقروض کو مقررہ مدت کے اندر قرض واپس نہ کرنے کی صورت میں قرض کی اصل رقم سے زائد ادا نہیں کرنا پڑتا ہے، اس لئے یہ صورت شرعاَ درست ہوگی ،گوکہ سرکار اس رقم کو سود کا نام دے،اس لئے کہ سود شرعاَ ایسی مشروط زیادتی کو کہا جاتا ہے جو کہ بلا عوض ہو (مبسوط: ١٠٩،١٢،ط: دار المعرفۃ،بیروت، ہدایہ: ٧٨،٣،ط: مکتبۂ تھانوی دیوبند، شامی: ٢٤١،٥،دار المعرفۃ،بیروت،تبیین الحقائق: ١٣١،٤،درر الحکام: ٢٠٠،٢،ط: دار احیاء الکتب العربیۃ، البحر الرائق: ١٣٦،٦،دار الکتاب الاسلامی)۔

قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا حکم :

سوال(٣): اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

سوال(٤): غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو،یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو،تو ایسے قرضے اور ان پر دی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟

سوال(٥): اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہوکہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جا سکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے ،مکان کی تعمیر ،کاشتکاری و باغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں ،تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جا سکتا ہے؟

جواب(٤)،(٥)،(٦):

کم شرح سود والے قرض کا حکم:

مذکورہ تینوں سوالوں کے جوابات اس طرہونگے کہ اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنی پڑے تو اس زائد رقم کی شرح کم ہوگی یا زیادہ ہوگی،اگر زائد رقم کی شرح کم ہے تو اس کا حکم درجِ ذیل ہے:

دار العلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی مفتی نظام الدین صاحبؒ مذکورہ سوال کا

جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جو نقد رقم سامان وغیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جاتی ہے،اس میں تاویل چل سکے گی،اور اس کوکام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کر کے اس معاملہ کو غیر سودی ہونے کا حکم لگائیں گے،اور اس زائد رقم کو سود نہ کہینگے، بلکہ انتظامات کی درستی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جا سکے گا،اور اس صورت میں یہ معاملہ جائز رہے گا '' (منتخباتِ نظام الفتاوی: ۱۶۴،۳)۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور اس معاملہ میں دی ہوئی رقم پر کچھ زائد رقم سود کے نام سے وصول کرتی ہے،اس زائد رقم کو ان کام کرنے والوں کی اجرت قرار دینے کے حیلہ سے شرعی سود کے حکم سے بچانے کی ایک تاویل کی جاتی ہے ''(منتخباتِ نظام الفتاوی: ۱۸۹،۳)۔

حضرت مفتی صاحب ؒکی مذکورہ عبارات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر سود کی شرح کم ہو تو اس کو انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت کی گنجائش ہوگی؛تا ہم حضرت مفتی صاحب کے کم شرح سود کو انتظامی خرچ قرار دیتے ہوئے اس میں وسعت کی گنجائش دینے پر بچند وجوہ پورا قلبی اطمینان نہیں ہوتا۔

(۱): قرضوں پر وصول کی جانے والی رقم قرض کی مقدار کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہے،اگر یہ انتظامی خرچ ہوتا تو یہ بات ضروری تھی کہ اس طرح کا فرق نہ کیا جاتا؛اس لئے کہ رقم چاہے ۵لاکھ ہو یا ۵ہزار دونوں میں محنت اور وقت یکساں لگتا ہے۔

(۲): کم شرح والی سودی رقم کو انتظامی خرچ قرار دینے میں گوکہ حقیقتِ ربا کا تحقق نہیں ہوتا ؛مگر شبۂ ربا کے تحقق سے کون انکار کر سکتا ہے،حالانکہ روایات میں حقیقتِ ربا اور شبۂ ربا دونوں سے احتراز کا حکم دیا گیا ہے ،چنانچہ وہ روایات جن میں شبۂ ربا سے بھی احتراز کا حکم دیا گیا ہے درجِ ذیل ہیں :

''سنن ابن ماجہ '' میں ہے:

''عن عمرؓ قال:انّ آخر ما نزلت آیۃ الربا، وأن رسول اللہ ﷺ قبض، و لم یفسرھا لنا، فدعوا الربا والریبۃ'' (سنن ابن ماجہ،باب التغلیظ فی الربا،حدیث: ۲۲۷۶)۔

''مسند احمد '' میں ہے:

''قال عمرؓ: انّ آخر ما نزل من القرآن آیۃ الربا، وأن رسول اللہ ﷺ قبض، و لم یفسرہا، فدعوا الربا والریبۃ'' (مسند احمد۱،۳۶۱،حدیث: ۲۴۵)۔

''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں ہے:

''عن الشعبی قال:خطب عمرؓ .....إنّ آخر ما عہد إلینا النبی ﷺ آیۃ الربا، فقبض النبی ﷺ و لم یبینہنّ لکم، إنّما ہو الربا و الریبۃ، فدعوا الربا و الریبات''(مصنف ابن

ابی شیبہ،باب اکل الربا وما جاء فیہ،۴۴۸،۴)۔

کنز العمال میں ہے:

''عن عمرؓ قال:إنّ آخر ما نزل من القرآن آیۃ الربا، وإنّ رسول اللہ ﷺ قبض، ولم یفسرہا لنا، فدعوا الربا و الریبۃ'' (کنز العمال،باب فی الربا و احکامہ،۴،۱۸۶)۔

ان تمام دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سود کی شرح کم ہو یا زیادہ دونوں میں حرمت کا حکم لاگو ہونا چاہئے۔

ہاں اگر واقعۃً جو اخراجات آئیں اس کے مطابق سروس چارج لیا جائے تو اسکی گنجائش ہوگی،چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب و کتاب رکھنے پر واقعی جو اخراجات آئیں ،بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطورِ سروس چارج کے ان کو وصول کرناجائز ہے،بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ کے قرض کے اجراء کے لئے پیش آئیں ہیں،البتہ اگر پوری احتیاط سے ان اخراجات کی تحدید ممکن ہوتو یہ صورت احکامِ شریعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا ''(فقہی مقالات: ۱،۳۷۰،ط: زمزم بکڈپو،دیوبند)۔

اگر قرض پر وصول کی جانے والی زائد رقم کی شرح زیادہ ہو تو اس میں تو بطریقِ اولیٰ حرمت کا حکم لاگو ہوگا۔

سرکاری امداد سے استفادہ:

سوال(۶): ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے،مثلاً مکان بنانے،بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے،تو ایسی رقوم حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟جب کہ ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی،اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

جواب(۶): سرکار کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،چنانچہ سرکار کی طرف سے ملنے والی امداد کے متعلق مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ رقم فرماتے ہیں:

''صورتِ مسئولہ میں سرکار کی طرف سے جو رقم ملتی ہے، وہ سرکاری امداد ہے،وہ لی جاسکتی ہے '' (فتاوی رحیمیہ: ۵،۴۳۸)۔

واسطہ بننے والوں کی اجرت:

سوال(۷): گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم -جس قسم کی بھی ہو-ان کے حصول کے لئے کافی جد و جہد کرنی ہوتی ہے،اور خرچ بھی ہوتا ہے،کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ،واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا

کیا حکم ہوگا؟

سوال (۸): بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں،یا لینے اور دینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب(۷)،(۸): مذکورہ دونوں سوالوں میں یہ صورت بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ درمیان میں واسطہ بننے والے شخص کو دلال کی حیثیت دی جائے،اور واسطہ بننے والے شخص اور استفادہ کرنے والے شخص کے درمیان باہمی رضامندی سے جو اجرت متعین ہو اس کو درست قرار دیا جائے جیساکہ مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم اس طرح کے ایک سوال کے جواب میناسی طرح تحریر فرماتے ہیں ،چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور اس کاجواب درج ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تھانہ ،بلاک،تحصیل،کورٹ وغیرہ میں ضرورت مندوں کا کام کروانا اور اس کے لئے رشوت دلانا ،دلالی کرنا اور اپنا حصہ بھی وصول کرنا بھی کیسا ہے؟

جواب: تھانہ ،بلاک، کورٹ وغیرہ میں حق داروں کو جائز حق دلانے کے لئے دلالی کرنا اور اس پر متعینہ اجرت لینا جائز ہے " (کتاب النوازل: ۳۶۴،۱۲)۔

یا پھر یہ صورت بھی درست ہے کہ درمیان میں واسطہ بننے والے شخص کو وکیل کی حیثیت دی جائے ،اور وکیل کی حیثیت دینے کی وجہ صاحبِ ہدایہ کی مندرجۂ ذیل عبارت سے خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے،چنانچہ وہ وکالت کے بیان کے شروع میں لکھتے ہیں:

''کل عقد جاز أن یعقدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یُوکلہ بہ غیرہ؛لأنّ الإنسان قد یعجز عن المباشرۃ بنفسہ علیٰ اعتبار بعض الأحوال، فیحتاج إلیٰ أن یُوکل بہ غیرہ، فیکون بسبیل منہ دفعاً للحاجۃ'' (ہدایہ: ۳/۱۷۷، ط: مکتبۂ حجاز دیوبند)۔

اور یہاں پر بھی جس شخص کو امداد مل رہی ہے ،وہ اس امدادی رقم کو وصول کرنے پر ا س طرح قدرت نہیں رکھتا ہے جس طرح کی قدرت درمیان میں واسطہ بننے والا شخص رکھتا ہے،لہذا اس کو وکیل کی حیثیت دینا درست ہوا،پس وکیل اور مؤکل کے درمیان باہمی معاہدہ کے مطابق جو اجرت طے ہو،وہ درست ہونی چاہئے،اس لئے کہ وکالت بالاجرت بھی صحیح ہے،چنانچہ عالامہ وہبہ زحیلیؒ رقم فرماتے ہیں: '' و تصح الوکالۃ بأجر و بغیر أجر''(الفقہ الاسلامی و ادلتہ: ۲۹۹۷،۴)۔

نیز مفتی شبیر صاحب قاسمی دامت برکاتہم اسی طرح کی ایک صورت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''کسی ایجنٹ کے ذریعہ سرکاری یا غیر سرکاری کام کرانا جائز ہے، اور اس کام میں آپس کے تراضی سے جو بھی پیسہ طے ہوجائے، اس پیسہ کالینا اوردینا بھی جائزہے''۔

مفتی صاحب نے استدلال کے طور پر درجِ ذیل عبارت کو پیش کیا ہے:

''تصح الوکالۃ بأجر و بغیر أجر''(فتاوی قاسمیہ: ٦٨٨،٢١)۔

البتہ اتنی بات ہے کہ واسطہ بننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مناسب اجرت متعین کرے ایسا نہ ہو کہ سرکاری اسکیم سے استفادہ کرنے والے شخص کو امداد میں ملنے والی رقم میں ۴۰ فیصد یا ۵۰ فیصد (استفادہ کرنے والے شخص کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے)واسطہ بننے والا شخص ہی وصول کر لے۔

جائز حق کے لئے رشوت:

سوال (۹): اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو کیا حکم ہوگا؟لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔

جواب(۹): فقہاءِکرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو ظلم سے بچانے کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ،اور چونکہ حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم مینحکومت کی طرف سے مقرر کردہ معیار پر پورے اترنے والے تمام عوام کا حق ہوتا ہے،اس لئے اگر ان کو اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینی پڑے تو اس کی گنجائش ہوگی ،چنانچہ اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینے کے جواز پر مندرجۂ ذیل عبارات دلالت کرتی ہیں:

خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامیؒ رقمطراز ہیں:

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (شامی ۴۲۴،۶،ط: دار الفکر، بیروت)۔

''بذل المجہود '' میں ہے:

''فإذا أعطیٰ لیتوصل بہ إلیٰ حق أو یدفع عن نفسہ ظلماً فإنّہ غیر داخل فی ہذا الوعید''(بذل المجہود ۳۰۶،۱۱، ط:دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت،لبنان)۔

''فیض القدیر '' میں ہے:

''أما ما وقع للتوصل لحق أو دفع ظلم فلیس برشوۃ''(فیض القدیر: ۲۶۸،۵،ط: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)۔

'' التیسیر '' میں ہے:

''فلو أعطیٰ للتوصل لحق أو دفع باطل فلا حرج'' (التیسیر بشرح جامع الصغیر: ۳۷،۲،ط: مکتبۃ الامام الشافعیۃ،ریاض)۔

''سبل السلام '' میں ہے:

''فعلیٰ ہذا بذل المال للتوصل إلیٰ الحق لا یکون رشوۃ''(سبل السلام: ۵۹،۲،ط: دارالحدیث)۔

''منتخبات نظام الفتاویٰ ''میں ہے:

''اپنا جائز حق اگر بغیر رشوت دیئے حاصل نہ ہو تو رشوت دے کر اپنا جائز حق حاصل کرنے کی گنجائش رہتی ہے '' (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۰۷،۳)۔

''فتاویٰ محمودیہ '' میں ہے:

''اپنا حق وصول کرنے کے لئے اگر مجبوراَ رشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے گا '' (فتاوی محمودیہ: ۴۵۶،۱۸،ط: ادارۂ صدیق ،ڈابھیل)۔

''کتاب الفتاویٰ '' میں ہے:

''رشوت لینا تو بہر صورت حرا م ہے،مجبوری کے بغیر رشوت دینا بھی حرام ہے،رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے، لیکن رشوت لینا تو بہر حال حرام ہے؛ کیونکہ رشوت کا لینا اور نہ لینادونوں اپنے اختیار کی چیز ہے،مگر رشوت دینے پر بعض دفعہ آدمی مجبور ہو جاتا ہے،اس لئے اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو ظلم سے بچانے کے لئے فقہاء نے رشوت کی اجازت دی ہے ''(کتاب الفتاوی: ۳۱۴،۱۰)۔

''محمود الفتاوی ''میں ہے:

''رشوت کا لینا دینا حرام ہے، البتہ رفعِ ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالتِ مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے'' (محمود الفتاوی: ۳۱۳،۳،ط: مکتبۂ انور، ڈابھیل)۔

سوال(۱۰): امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں،اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

معیارات میں غلط بیانی:

جواب(۱۰): حکومت کی طرف سے کسی بھی طرح کی امداد کے حاصل کرنے کے لئے جو شرائط و معیارات مقرر ہیں، ان میں غلط بیانی سے کام لینا شرعاَ درست نہیں ہے ،اس لئے کہ اس میں دھوکہ بھی ہے اور جھوٹ بھی،چنانچہ حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''اصولی طور یہ بات جان لیں کہ حکومت کی طرف سے بعض لوگوں کو بعض مخصوص شرائط کے ساتھ سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، کسی ایسے آدمی کا جو ان مخصوص شرائط پورا نہ اترتا ہوفائدہ اٹھانا شرعاَ نا جائز اور حرام ہے '' (محمود الفتاوی: ۵۸۶،۶،ط: مکتبۂ محمودیہ، ڈابھیل)۔

''فتاوی دینیہ '' میں ہے:

''حکومت سے جھوٹ بول کر ان کی طرف سے دی جانے والی امداد کو حاصل کرناشرعاَ بھی نا جائز اور اخلاقاَ بھی گری ہوی بات ہے '' (فتاوی دینیہ: ۳۰۷،۴،ط:

جامعہ حسینیہ،راندیر،گجرات)۔

گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والے سفید کارڈ کے سلسلہ میں جو شرائط ہیں ،ان میں غلط بیانی سے کام لے کر سفید کارڈ کو حاصل کرنے کے متعلق حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کا فتوی ملاحظہ ہو، جس سے صورتِ مسئولہ کے متعلق حکم پر بھی روشنی پڑتی ہے،چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''گورنمنٹ سفید کارڈ جن شرائط کے ساتھ کے ساتھ دے رہی ہے،اگر کسی کے اندر وہ شرطیں مفقود ہونتو اس کے لئے اس کا حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے،کیوں کہ انہیں جو سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں ،اس کا بوجھ عوامی خزانہ پر ڈالا جاتا ہے،تو گویا یہ نہ صرف گورنمنٹ کو دھوکہ دینا ہے،بلکہ عام لوگوں کی کمائی ہوئی گاڑھے پسینے کی رقم کو اپنے استعمال میں لانا ہے،اور اس کے لئے جھوٹ اور دھوکہ کا سہارا لیا جاتا ہے،اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہوگی ''(کتاب الفتاوی: ۳۱۶،۱۰) ۔

سوال(۱۱): بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے،اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے،وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے،یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے،اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے ،کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب(۱۱): جواب نمبر ۵کے تحت سودی قرض لینے کے جواز کے متعلق جو صورتیں ذکر کی گئی ،اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت پائی گئی تو سوال میں ذکر کی گئی اسکیم سے استفادہ درست ہے ،ورنہ نہیں۔

سودی رقم سے امداد:

سوال (۱۲): بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں،جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کیا ہے،جس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا گیا ہے،اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے،اس سے تعلیمی و رفاہی اداروں اور افرادو اشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے،گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے،اس کا مالک ہوتا ہے،اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے،تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

جواب(۱۲): سوال میں ذکر کردہ صورت کے حکم کو جاننے سے قبل اس بات کو جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تبدّلِ ملک کی وجہ سے مال حرام کی حیثیت وہی رہے گی کہ اس سے فائدہ اٹھانا درست نہ ہو یا پھر اس کی حیثیت بدل جائے گی کہ اس سے فائدہ اٹھانا درست ہو۔

کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مالِ حرام میں تبدّلِ ملک واقع ہو،پھر بھی اس کی حیثیت وہی باقی رہے گی،چنانچہ علامہ شامی رقم فرماتے ہیں:

''(قولہ الحرام ینتقل) أی تنتقل حرمتہ وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک''(شامی: ۹۸،۵،ط: دارالفکر، بیروت)۔

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

''الحرمۃ تتعدیٰ مع العلم بہا''(الاشباہ و النظائر: ۲۴۷،۱،ط: دار الکتب العلمیۃ ،بیروت ،لبنان)۔

علامہ شامی کی مندرجۂ ذیل عبارت سے بھی یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے:

''لو رأی المکاس مثلاً یأخذ من أحد شیئا من المکس ثم یعطیہ آخر ثم یأخذ من ذلک الآخر آخر فہو حرام'' (شامی: ۹۸،۵)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مال حرام میں اگر چہ ملکیت کی تبدیلی واقع ہو پھر بھی وہ مال حرام ہی رہے گا۔

صاحبِ ''البحر الرائق ''کی مندرجۂ ذیل عبارت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے:

''یعنی إذا کان لشخص مسلم دین علیٰ مسلم فباع الذی علیہ خمراً وأخذ ثمنہا، و قضی الدین لایحل للمدین أن یأخذ ذلک بدینہ'' (البحر الرائق: ۲۲۹،۸،ط: دار الکتاب الاسلامی)۔

نیز تبیین الحقائق میں ہے:

''معناہ إذا کان لشخص مسلم دین علیٰ مسلم فباع الذی علیہ الدین خمراً وأخذ ثمنہا وقضیٰ بہ الدین لا یحل للدائن أن یأخذ ثمن الخمر بدینہ''(تبیین الحقائق: ۲۷،۶،ط: المطبعۃ الکبریٰ ،مصر)۔

مذکورہ دونوں عبارتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مالِ حرام میںاگرچہ ملکیت کی تبدیلی واقع ہو پھر بھی وہ حرام ہی رہے گا اس لئے کہ اگر ملکیت کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی حیثیت بدل جاتی تو مسلمان کے لئے قرض میں اس مال کا لینا درست ہوتا۔

البتہ اگر کتبِ فقہ کی عبارات پر نظرڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں کافر اور مسلم کے درمیان میں فرق ہے،یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس بات کی اجازت دی ہے کے کافر سے قرض کی وصولی میں مال حرام کا لینا درست ہے،جب کہ مسلم سے قرض کی وصولی میں مالِ حرام کا لینا درست نہینہے،چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ رقم فرماتے ہیں:

''یعنی إذا کان لشخص مسلم دین علیٰ مسلم فباع الذی علیہ الدین خمراً وأخذ ثمنہا، وقضیٰ الدین لا یحل للمدین أن یأخذ ذلک بدینہ، و إن کان البائع کافراً جاز لہ أن یأخذ''(البحر الرائق۲۲۹،۸)۔

''تبیین الحقائق '' میں ہے:

''و کرہ لرب الدین أخذ ثمن خمر باعہا مسلم لا کافر''(تبیین الحقائق: ۲۷،۶)۔

''درر الحکام '' میں ہے:

''و جاز أخذ دین علیٰ کافر من ثمن خمر بخلاف المسلم''(درر الحکام: ۳۱۸،۱)۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''لو کان لمسلم علیٰ نصرانی دین فباع النصرانی خمراً وأخذ ثمنہا و قضاہ لمسلم جاز لہ أخذہ ..... ولوکان الدین لمسلم علیٰ مسلم فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنہا وقضاہ صاحب الدین کرہ لہ أن یقبض ذلک من دینہ''(فتاوی ہندیہ: ۳۶۷،۵)۔

فتاویٰ دار العلوم زکریا میں کافر اور مسلم سے سودی مال قرض میں وصول کرنے کے متعلق حکم ملاحظہ ہو۔:

''مسلمان سودی رقم کا مالک نہین ہوتا ،سود کی رقم فی الفور واجب التصدق ہے،لہذا کسی مسلمان کا قرض ادا کرنا بھی جائز نہیں ہے اورقرض خواہ کے لئے اپنے قرض میں سودی رقم رقم کا لینا بھی ناجائز ہے ''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی ملکیت اس مالِ حرام پر ثابت ہو جاتی ہے،اس لئے مسلمان اپنے قرض میں وصول کر سکتا ہے ''(فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۵۲۳،۵، ط: مجلس البحوث و الافتاء،بمبئی)۔

مذکورہ عبارات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مالِ حرام کے حکم میں کافر اور مسلمان کے درمیان فرق ہے،اس فرق کو مزید سمجھنے کے لئے حضرت مولانا ظفر عثمانی ؒ کی چشمکشا عبارت ملاحظہ ہو:

''کفار مخاطب بالفروع فی العقوبات والمعاملات اگرچہ ہیں،لیکن حکم بالحرمۃ و الفساد کے لئے خطابِ عام کافی نہیں،بلکہ التزام بھی شرط ہے،اہلِ حرب نے تو احکام اسلام کا التزام بالکل نہیں کیا ،نہ اپنے معتقد کے موافق میناور نہ مخالف میں، لہذا وہ تو جس طرح روپیہ کمائیں، خواہ ربا سے ،خواہ غصب سے، خواہ بیوعِ باطلہ وفاسدہ سے خواہ اپنے مذہب کے موافق خواہ مخالف طریق سے بہرصورت و ہ روپیہ و غیرہ ان کی ملک میں داخل ہوجائے گا، اور مسلمانوں کو تنخواہ میں لینا اس کا جائز ہے ''(امداد الاحکام: ۳۹۰،۴)۔

اسی طرح حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی بامت برکاتہم کی درجِ ذیل عبارت بھی لائقِ ملاحظہ ہے:

''اگر گورنمنٹ بینک میں کوئی رقم رکھتی ہے،اس کا سود حاصل کرتی ہے، اور اس سے اپنے بعض ملازمین کو تنخواہ کے طور پر دیتی ہے،تو ان ملازمین کو اس تنخواہ سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے،کیونکہ بینک میں رقم رکھنے اور ا س پر سود حاصل کرنے کی ذمہ داری گرنمنٹ سے متعلق ہے،نہ کہ ملازمین سے یا ان لوگوں سے جن کا تعاون کیا جائے، اور فقہ کا یہ اصول ہے کہ رقم متعین نہیں ہوتی،اور مالک کے بدلنے سے شئی کی حیثیت بدل جاتی ہے،یعنی اگربینک نے گورنمنٹ کو رقم دی تو یہ بعینہ وہ رقم نہیں سمجھی جائے گی، جو ملازمین کو تنخواہ میں ملی ہے؛البتہ اگر کوئی شخص بطور احتیاط اس سے

بھی پرہیز کرے تو یہ یقیناً اس کے لئے باعثِ اجر ہوگا " (کتاب الفتاوی: ۶۲،۱۰)۔

پس جس طرح مسلمان کے لئے کافر کے مالِ حرام کو تنخواہ میں لینا اور قرض میں وصول کرنا درست ہے ،اسی طرح کافر وہ مال مسلمان کو بطور ہدیہ دے،تومسلمان کے لئے اس ہدیہ کو قبول کرنا بھی درست ہے،چنانچہ فتاوی دار العلوم زکریا میں ہے:

''اگر کافر کے پاس سود کا مال آیا تو کافر اس کا مالک بن جائے گا اور اس سے ہدیہ قبول کرنا جائز درست ہوگا ''(فتاوی دارالعلوم زکریا: ۶۱۴،۵)۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہو ئے سوال میں ذکر کردہ صورت کا حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی اسکیموں سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اس لئے کہ جب حکومت کا ادارہ بینک سے ملنے والی سودی رقم کا مالک ہوتا ہے توپھر جس طرح کوئی کافر مسلمان کو مالِ حرام ہدیہ میں دے تو اس کو قبول کرنا جائز ہے،اسی طرح اگر وہ اس پیسہ سے کسی مسلمان کی مدد کرے تب بھی کوئی حرج نہ ہونا چاہئے؛البتہ اگر کوئی احتیاطاً اس سے بھی پرہیز کرے تویہ یقیناًاس کے لئے باعثِ اجر ہوگا جیسا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے سودی رقم سے تنخواہ وصول کرنے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

معمولی شرح سود کو سروس چارج قرار دینے کا مسئلہ

مولانا محمد حذیفہ داحودی•

عوام کی معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کی کفالت کرنا ،تعلیمی و صنعتی اعتبار سے فروغ دینا ،اقتصادی اعتبار سے پسماندہ شہریوں کو اونچا اٹھانا، صحت و علاج وغیرہ کی سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے ، اس لئے حکومت وقتا فوقتاً مختلف قسم کی فلاحی اسکیمیں جاری کرتی اور عوام کو اس سے فائدہ اٹھانے کاموقع دیتی ہے،لیکن چونکہ مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ ان اسکیموں سے فائدہ اٹھانے میں بھی احکام شریعت کا پاس ولحاظ رکھے، اس لئے اس قسم کی اسکیموں کے تعلق سے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں،جن میں سے چندسوالات و جوابات مختصر طورپرذیل میں درج کئے جاتے ہیں،واضح رہے کہ سرکاری اسکیموں میں عوام کو جو رقوم فراہم کی جاتی ہینوہ بنیادی طور پر دو قسم کی ہوتی ہیں ایک : امداد واعانت، دوسری: قرض ، پھر قرضے دوقسم کے ہوتے ہیں،ایک: وہ قرض جس کا ایک حصہ سبسڈی کے عنوان سے معاف کردیاجاتا ہے،دوسرا:وہ قرض جو پوراواپس کرناپڑتا ہے ،بلکہ کبھی اس کے ساتھ مزید کچھ ادا کرناہوتا ہے،جو کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی، پس:

سوال (۱):وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ایسے قرضوں کا کیاحکم ہے؟

جواب(ا):حکومت سے کسی شہری نے ایساقرض لیاہے جس کا ایک حصہ واپسی کے وقت سبسڈی کے عنوان سے معاف ہوجائیگاتو یہ معافی حکومت کی طرف سے قرضدار کا تعاون ہے اورایساقرض لینا شرعاً درست ہے،قرض دینے کے بعد اس کا کل یا بعض حصہ معاف کر دینے کی ترغیب خود قران کریم اور احادیث میں موجود ہے، ارشاد باری ہے :''وإن كان ذوعسرةفنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خيرلكم إن كنتم تعلمون''(البقرة: ۲۸۰) روایت مینہے :''من أنظر معسرا أو وضع عنہ أظلہ اللہ فی ظلہ''(اخرجہ مسلم عن کعب بن عمرو،رقم: ۳۰۰۶)۔

''فتاوی رحیمیہ '' میں ہے:

''اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایا کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے ، اسی لئے حکومت کچھ رقم چھوٹ بھی

• ندی روڈ،نزدجمعہ مسجد،گھانچی واڑہ داحود، گجرات۔

دیتی ہے ، جسے سبسڈی کہا جاتا ہے، اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قر ض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم چھوٹ ملے اوربقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے اگر وہ سودچھوٹ میں ملی ہوئی رقم، یعنی سبسڈی سے ادا ہوجاتی ہو ،اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو،تو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی، مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم، یعنی سبسڈی سے زیادہ دینی پڑے تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گااور جائز نہ ہوگا ''(۹/۲۶۵)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں میں ہے:

''ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے،اگر سود کے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ کے مساوی ہویااس سے کم ہوتویہ اضافی رقم شرعاًسود نہیں '' (۱۶۲)۔

سوال (۲):معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے،ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے،اس صورت کا کیا حکم ہے،جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

جواب(۲):اس صورت میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے،یہ حکومت کی طرف سے مشروط تعاون ہے، اس لئے درست ہے۔

سوال (۳):اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

جواب(۳):اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنے کی شرط ہوتو اس صورت میں بینک سے نفس قرض کا معاملہ تو صحیح ہے ،مگر زیادتی کی شرط لغو ہے اور یہ زیادتی سودہے جو شرعاً درست نہیں ہے،اس لئے وقت مقررہ کے اندر قرض واپس کرنے کی نیت سے قرض لے گااورپھر مقررہ مدت میں واپس کردیگاتوگنہگار نہ ہوگااور حکومت کی طرف سے قرض کی واپسی میں جو کمی ہوگی وہ ابراء یعنی قرض کی معافی اورتعاون ہوگا اور اگروقت مقررہ کے اندرقرض ادا نہ کیااوراسے سود دینا پڑاتو اب اسے سود دینے کا گناہ ہوگا۔ علامہ حصکفی نے لکھا ہے:''القرض بالشرط حرام، والشرط لغو''(الدرمع الرد:۷/۳۹۴)۔

سوال (۴):غیر معافی والے قرضے یامعافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہا جاتا ہویا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہوتو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد

رقم کا کیا حکم ہوگا؟یہ سود کے دائرے میں آئیگا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت اور گنجائش ہوگی؟

جواب(۴):غیر معافی والے قرضے یامعافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہوتوچاہے اس زیادتی کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج یا اجرۃ الخدمۃ کہا جاسکتا ہو،تب بھی عام اصول شرع کے مطابق قرض پر ادا کی جانے والی یہ زائد رقم سود کے دائرے میں آتی ہے،کیوں کہ شریعت اسلامی میں سود بہر صورت سودہے،اس کی شرح کم یا زیادہ ہونے سے اس کے سوداورپھرممنوع ہونے پر کوئی اثرنہیں پڑتا۔علامہ حصکفی نے لکھا ہے:''کل قرض جر نفعا حرام ''(الدرمع الرد،کتاب البیوع،باب المرابحۃ والتولیۃ:۷/۳۹۵)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں میں ہے:

''سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر دیاجائے یا تجارتی وکاروباری قرضوں پر،شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے، ... قران وسنت ،اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربو کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اورمحرک کیا ہے؟سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ ،مناسب حد تک کم ہے یا نامناسب حد تک زیادہ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور نامناسب حدتک زیادہ ہے تو ناجائز ، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔''(۱۵۴)

نیز لکھا ہے :''قرض خواہوں سے قرض میندی گئی رقم سے زائد وصول کرنا چاہے اس کا کوئی سابھی طریقہ اختیار کر لیاجائے ہر گز جائز نہیں اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاًسود ہے،لہذا ذاتی مفاد یا ادارہ کے مفاد یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں ، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فکس ڈپازٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔''(۱۶۹)

البتہ چونکہ بعض علماء نے مالیاتی ادارہ کے لئے اس بات کی گنجائش لکھی ہے کہ ادارہ قرض داروں سے اجراء قرض پر ہونے والے انتظامی اخراجات اور سروس چارج کے طورپر قرض جاری کرنے سے پہلے اوربعد میں کی جانے والی دفتری کاروائی کی اجرت وصول کر سکتا ہے،جبکہ دوشرطیں پائی جائیں:ایک:یہ کہ اجرت اس قسم کے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو، دوسری:یہ کہ اس اجرت کی وصولی کوقرض پر حصول نفع کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنا لیا جائے۔چنانچہ:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات

آئیں،بینک کے لئے اپنے قرضداروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے ، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئیں ہیں ،البتہ پوری احتیاط کے ساتھ ان اخراجات کی تحدید ممکن ہوتویہ صورت احکام شریعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگااور اگر ہر منصوبہ کے علاحدہ علاحدہ اخراجات کی تحدید ممکن نہ ہوتو اس صورت میں بینک کے لئے ان سے واقعی اخراجات طلب کرنے کے بجائے قرض جاری کرنے سے پہلے اوربعد میں کی جانیوالی دفتری کاروائی کی اجرت وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ اجرت اس قسم کے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو،اس لئے کہ قرض دینے کا عمل بذات خود ایک ایسا عمل ہے جس پر نفع کا مطالبہ کرنا یا اجرت کامطالبہ کرناشرعاً جائز نہیں ،لہذا قرض کاری کرنے پر آنے والے مصارف کوانداز ہ سے لم سم وصول کرنا جائز نہیں، لیکن اس قرض کے اجراء پرپیش آنے والے حقیقی دفتری اخراجات کا بلا معاوضہ ہونا شرعاً کوئی ضروری نہیں ،البتہ بینک کے لئے قرض لینے والوں سے قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے اجرت وصول کرنے کی گنجائش ہے جو قرض جاری کرنے پر آنے والے دفتری اخراجات کو پورا کرسکے بشرطیکہ اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھاجائے ، ایک یہ کہ یہ اجرت اس جیسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل کے برابر ہو، دوسرے یہ کہ اس اجرت کی وصولی کوقرض پر حصول نفع کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنا لیا جائے۔اس مسئلہ کی نظیر وہ مسئلہ ہے جو فقہاء نے بیان فرمایا ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر مدعی اور مستفتی سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں ، لیکن مفتی کے لئے فتوی تحریر میں لانے اور قاضی کے لئے دستاویز لکھنے اور رجسٹر میں اندراجات کرنے کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ اجرت ایسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو اور بشرطیکہ اس کو نفس فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر اجرت لینے کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنایاجائے، ... البتہ فیصد کے اعتبارسے وصول کئے جانے والے اخراجات کی مقدار بہت معمولی ہونی چاہئے تاکہ واقعۃ اس کے سروس چارج ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ ہواور یہ سروس چارج اجرت مثل سے زیادہ وصول کرناکسی حال میں جائز نہیں ، ورنہ ‘‘کل قرض جر نفعاً’’ کے تحت داخل ہوکر یقینی طور پر حرام ہوجائے گی’’ (فقہی مقالات : ۱/۲۷۰-۲۷۱)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

‘‘ترقیاتی قرضوں میں اصل مقصود نفع کمانا نہیں ہوتا، بلکہ عوام کے لئے بنیادی ضروریات اور روزگار کی فراہمی مقصود ہوتی ہے ،اس لئے اگراس پر لئے جانے والے قرضے کو دفتری اخراجات اورضروریات پر محمول کیا جائے تو مناسب محسوس

ہوتا ہے'' (۴/۸۹)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں میں ہے:''سیمینار کے شرکاء مینسے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجرۃ الخدمت یا انتظامی اخراجات اگر چہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہونقرض خواہوں سے نہیں لئے جاسکتے، بعض علماء کی رائے میں اگر چہ یہ اصلاً جائز ہیں ،لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے ، اس لئے اسے قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہئے،دیگر علماء کی رائے میناس طرح کے اداروں کا قیام مفیداور ضروری ہے اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگا کر بقدر ضرورت جائز آمدنی حاصل کرکے بھی ادارہ چلاناممکن نہیں ہوتو ادارہ کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات قر خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہینکہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعۂ آمدنی ہے ...۔''(۱۷۰)

اس لئے غیر معافی والے قرضے یامعافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح اتنی زیادہ کم ہوکہ وہ اخراجات کے بقدر یا دفتری کاروائی کی اجرت مثل کے برابر ہو،اس سے زیادہ نہینتو ایسے قرضے لینادرست ہوگا اور ان پر ادا کی جانے والی معمولی زائد رقم کو سود کے دائرے میں نہ مان کرانتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت اور گنجائش معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم۔

سوال (۵):اگر سرکار کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے ،مکان کی تعمیر ، کاشتکاری و باغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہینتو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جاسکتا ہے؟

جواب(۵): سرکار کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم جسکااوسط غیر معمولی ہے ظاہر ہے کہ وہ قرض پر لیا جانے والا نفع ہے اورحدیث نبوی:''کل قرض جرنفعا فھوربا۔''کے تحت سود کے دائرہ میں آتا ہے، اس لئے عام حالات میں نہ ایسا قرضہ لینا درست ہے اور نہ ہی زائدرقم یعنی سود دینا جائز ہے،ہاں البتہ اگررہائشی یا معاشی واقعی حاجت وضرورت ہو،جس کے انتظام کی اور کوئی صورت نہ ہو توایسا قرض لینے کی گنجائش ہوگی،کیونکہ کبھی حالات ایسے پیش آتے ہیں جن میں انسان سودی قرض لینے پر مجبور ہوجا تا ہے اور سودی قرض لئے بغیر بنیادی خوردونوش ورہائش کی تکمیل نہیں ہوپاتی اور نہ ہی اسے غیر سودی قرض ملتا ہے،جس سے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کرسکے،ایسے ضرورت مند اور محتاجوں کے لئے بقدر حاجت سودی قرض لینے کی فقہاء نے اجازت دی ہے،مشہور حنفی فقیہ ابن نجیم مصری

نے لکھا ہے:''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(الاشباہ،القاعدۃ الخامسۃ:الضرریزال :۹۲)۔
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں میں ہے:
''ربو(سود)قطعی حرام ہے اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے،سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں ،بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے،اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنا پر سود ادا کرکے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔''(۱۶۲)

سوال (۶):ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے، مثلاً مکان بنانے ، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟جبکہ ان رقوم کی واپسی نہیں ہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

جواب(۶):مکان بنانے ، بیت الخلاء کی تعمیریا تعلیمی ضروریات وغیرہ لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر جورقم ملا کرتی ہے ،جس کی واپسی نہیں ہوتی ،بلکہ اس کے ذریعہ حکومت اپنے شہریوں کی اعانت کرتی ہے ایسی رقوم کو حاصل کرنا اور استعمال کرنابلاتردد درست اور صحیح ہے۔

سوال (۷): گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم-جس قسم کی بھی ہو-ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے،اور خرچ بھی ہوتا ہے،کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والوں کے لئے ان کے مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہے؟

جواب(۷):گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہواور خرچ بھی ہوتا ہو،تو جولوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں،اور واقعی محنت کرتے ہینان کو مطلوبہ محنتانہ دینا اوران کا لینادرست ہے،بشرطیکہ وہ اجرت اور محنتانہ ان کاموں کی اجرت مثل کے مطابق ہو۔

سوال (۸):بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں ،یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہینتو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب(۸): واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کاجو حصہ لیتے ہیں اگر وہ واسطہ بننے والے کی محنت کے برابر ہے تو اس کا لینا درست ہے ،اور اگر زائد ہے تو یہ ظلم اور حق تلفی ہے ،جو درست نہیں ہے۔

سوال (۹):اس قسم کی امداد ی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔

جواب(۹):اگر قرض واقعی ضرورت کے لئے لیا جارہا ہے،نیز امدادی رقوم کا آدمی

واقعی حقدار ہے جو حق اس کو رشوت دئے بغیر نہیں مل رہا ہے تو اس صورت میناس قسم کی امداد ی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دیناجائز ہے،ظلم سے بچنے یا اپنے کسی جائزحق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

شامی میں ہے:'' دفع المال للسلطان الجائرلدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃیعنی فی حق الدافع''(شامی، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء، فصل فی البیع:۹/۶۰۷)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے :

رشوت دینے کی گنجائش کب ہوگی ؟اس سلسلہ میں فقہاء نے یہ اصول متعین کیا ہے کہ اگر رشوت نہ دے تو ناحق طریقہ پر اس کو جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہویا یہ اندیشہ ہو کہ جس ذمہ دار کے پاس اس کی درخواست زیر غور ہے وہ اس کے ساتھ انصاف سے کام نہ لے گااور اس کے اور دوسرے امیدواروں کے درمیان مساویانہ سلوک روا نہیں رکھے گا۔علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:''الرشوۃ لخوف علی نفسہ أومالہ أو لیسوی أمرہ عند السلطان أو أمیر''(الاشباہ : ۱۸۳، جدیدفقہی مسائل۱/۴۵۵)۔

اور اگر قرض کی کوئی واقعی ضرورت نہینہے،اسی طرح امدادی رقوم کا آدمی واقعی حقدار نہینہے،اس کے باوجود رشوت دے کربلا ضرورت اور ناحق طوروہ لیناچاہتا ہے تو اس صورت میناس قسم کی امداد ی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دیناجائز نہیں ہے اوررشوت لینا توکسی حال میں بھی درست نہیں ہے، رشوت لینے اور بلاوجہ رشوت دینے پر سخت وعیدیں وارد ہیں،حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والے اور دینے والے پر خدا کی لعنت ہے :''لعن رسول اللہ ا الراشی والمرتشی'' (رواہ الترمذی :کتاب الاحکام، باب ما جاء فی الراشی والمرتشی فی االحکم ،رقم: ۱۳۳۷)۔

سوال (۱۰): امداد ی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں ، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب(۱۰):امداد ی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانادرست نہیں ہے۔

''محمود الفتاوی'' میں ہے:''حکومت کی طرف سے بعض لوگوں کو بعض مخصوص شرائط کے ساتھ جو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، کسی ایسے آدمی کا جو ان مخصوص شرائط پر پورا نہ اترتا ہو،فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے ''(۳/۴۹)۔

سوال (۱۱):بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا

ہے،بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے،کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب(۱۱): تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت عوام کو بنک سے قرض دلائے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہووہ خود مقروض کو ادانہ کرناپڑے،بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کردے تو اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔کیوں کہ اس ْ صورت میں قرض دارکو لئے ہوئے قرض پر کوئی سودنہیں دینا پڑتا۔ہاں! جس اسکیم میں انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرے، مگرتھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا پڑتاہو ایسی اسکیم سے فائدہ نہیں اٹھایاجاسکتا ،کیونکہ اس صورت میں قرض دارکولئے ہوئے قرض پرسوددینا پڑتاہے، جو ممنوع ہے۔

سوال (۱۲):بعض اسکیمیں ایسی بھی ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے،جس کو بینک میں ڈپوزٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے،اس سے تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے،گویا حکومت یا حکومت کاادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے،اس اس کا مالک ہوجاتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے، تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

جواب(۱۲): جن اسکیموں میں حکومت نے محفوظ فنڈ قائم کرکے اس کو بینک میں ڈپوزٹ کردیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے حاصل شدہ رقم سے تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کرتی ہے،تو ظاہر ہے کہ یہ سود کی رقم ہے جس کا مصرف وہ لوگ ہیں جو مستحق زکوۃ ہیں، جو لوگ مستحق زکوۃ نہیں ہیں وہ سود کی رقم کا مصرف نہیں ہیں،اس لئے اگرحکومت بعینہ سود کی رقم ہی سے عوام کا تعاون کرتی ہے تو اس رقم سے مستحق زکوۃ لوگوں کا استفادہ کرنا جائز ہے ،غیر مستحق کے لئے ایسی سودی رقم سے استفادہ کرنا جائزنہیں ہے۔

ہاں ! اگر حکومت اپنی دوسری رقوم جواس کے علاوہ دیگرراستوں سے آئی ہیں اس سے اس رقم کو مخلوط کردیتی ہے اور پھر اس مجموعی اورمخلوط رقم سے تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کرتی ہے تواس صورت میں مستحق زکوۃ اورغیر مستحق زکوۃ سبھی لوگوں کا اس سے استفادہ کرنا جائز ہے۔فی الدر:''ولوخلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ ...لأن الخلط استہلاک۔ وفی الرد:قولہ:(لأن الخلط استہلاک) أی بمنزلتہ من حیث إن حق الغیر یتعلق بالذمۃ لا الأعیان'' (الدرالمختارورد المحتار، باب زکوۃ الغنم۳/۲۱۷)۔

سرکاری قرضوں پر وصول کیا جانے والا سود اور سروس چارج

مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی•

وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجائے؟

عوام کے فلاح وبہبود اور ان کی معاشی ومعاشرتی کفالت وغیرہ مقاصد کے لیے حکومت کی طرف سے جو مختلف قرضے جاری کئےجاتےہیں،ان میں سے وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے،اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، مسلمانوں کے لیے بوقت ضرورت قرض کی اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ رقم حکومت کی جانب سے مدد وتعاون کے طور پر دی جاتی ہے۔

مقررہ مدت کے اندر عدم واپسی پر پوری رقم کی ادائیگی؟

کچھ حصےکی معافی والے قرضوں کی وہ صورت جس میں یہ شرط رکھی گئی ہو کہ اگرمقررہ مدت کے اندر واپس کردیا جائے تواس معافی کا اطلاق ہوگا ،ورنہ پوری رقم ادا کرنی ہوگی،البتہ اس پر کوئی سود نہیں لیا جائے گا،قرض کی اس صورت سے بھی مسلمانوں کےلیے استفادہ کی مکمل گنجائش ہوگی ۔

بصورت تاخیر زائد رقم کی ادائیگی؟

اگر مقررہ مدت کے بعد قرض اداکرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم کی ادائے گی کو شرط قراردیا گیا ہو تو یہ صورت سود میں داخل ہوگی، زمانہ جاہلیت مینربا کا یہی طریقہ زیادہ مروج تھا جسے ‘‘ربا نسئیہ ’’ سے تعبیر کیا گیا ہے ،اسے شریعت اسلامیہ نے ناجائز وحرام قراردیا ہے۔

علامہ فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

‘‘ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به’’(تفسیر رازی:۷؍ ۷۲) پھر جب دین کی ادائے گی کا وقت آجاتاتو قرض دینے والے اصل رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتے، اب اگر اس کے لیے ادا کرنا مشکل ہوتا تو رقم میں بھی اضافہ کردیتے، یعنی زائد رقم کا مطالبہ کرتے اور مہلت بھی دےدیتے،ربا کی یہی صورت ہے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھی۔

‘‘فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ’’ میں بصورت تاخیر زائد رقم کی ادائے گی کو سود قرار دیا گیا ہے۔

‘‘س: كرت تسلمه بعض الشركات بقرض معلوم، يقدمه لأي بنك ويأخذ ما فيه والبنك يرجع به على الشركة التي قدمت الكرت، وتسلم له حقه، وهذا القرض مؤجل لأجل معلوم في

• مفتی واستاذ شعبہ تربیت افتاء، جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، مادنا پیٹ، حیدرآباد۔

الكرت، إذا سلم صاحبه ما عليه قبل الأجل فلا شيء عليه، وإن تأخر فعليه غرامة ١%، وبعض الشركات تعطي بعض النقود في مقابل هذه الخدمة في مقابل تسليم الكرت.

ج: إذا كان الواقع كما ذكر من الاتفاق على أن المقترض إن وفى بسداد القرض عند الأجل لا يغرم شيئا، وإن تأخر دفع زيادة عليه ١% من مقدار المبلغ فهو عقد ربوي، مدخول فيه على ربا الفضل، وهو تلك الزيادة، وربا النسأ وهو التأخير، وكذلك الحكم إذا دفعت الشركة النقود وأخذت زيادة عليها مقابل هذه الخدمة، بل الثاني أصرح من الأول في الربا" (فتاوى اللجنة الدائمة:١٣،٥٢٣).

اور یہ قرض دے کر نفع حاصل کرنا ہے جب کہ آ پ ﷺ نے قرض پرنفع حاصل کرنے سے منع فرمایا اور بعض روایتوں میں اسے سود قرار دیا گیا ہے،چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''کُل قرض جرّ منفعةً فهو ربًا''(المطالب العالية:١٤٤٠ ،تلخيص الحبير:١٢٢٧) اس لیے قرض کی اس صورت سے بلاشدید مجبوری کے مسلمانوں کے لیے استفادہ درست نہیں ہوگا۔

اصل سے زائد رقم پر سروس چارج کا اطلاق؟

معافی یا غیر معافی والے قرضوں کی صورت میں اگر اصل رقم سے زائد مطالبہ کی رقم کی شرح بہت معمولی ہو تو کیا اس کو سروس چرچ کہا جا سکتا ہے،یا اس کو انتظامی خرچ شمار کرتے ہو ئے اس کو لینے اور دینے کی اجازت دی جاسکتی ہے ؟

اگر قرض دینے والا ادارہ خواہ بینک ہو یا کوئی کمپنی ہو یا سرکارہو ان کی طرف سے یہ وضاحت ہو کہ اصل رقم سے زائد رقم بطور انٹرسٹ کے نہیں ،بلکہ سروس چارچ اور انتظامی اخراجات کے ہے،اور وہ اپنی مقدار کے اعتبار سے سروس چارچ کہلا سکتا ہو تو اس زائد رقم کو انتظامی خرچ میں شمار کرنے کی گنجائش ہوگی،اوراس ادارے،بینک یا سرکار کو اس زائد رقم لینے کی اورقرض لینے والے کودینے کی اجازت ہوگی۔

عصر حاضر کے مشہور ومعروف فقیہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

بینک اپنی جن خدمات پر اجرت وصول کرتا ہے، مثلا:لاکرز،لیٹر آف کریڈٹ،بینک ڈرافٹ،بیع وشراء کی دلالی وغیرہ ان کی اجرت لینا جائز ہے،البتہ سود کا کاروبار ناجائز ہے (ہمارا معاشی نظام:١١٥).

اوراگربینک، یاکمپنی اور سرکار اصل رقم سے زائد رقم انٹرسٹ کے نام سے ہی وصول کرتاہو تو اگرچہ کی اس کی مقدار کم ہو پھر بھی اس کو سروس چارچ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، ، بلکہ وہ زائد رقم سود ہی ہوگی۔ اور سود کی حرمت ،قباحت اور شناعت میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جانتے ہوئے سود کا ایک درہم بھی استعمال کرنا اپنی ماں سے چھتیس بار بدکاری کرنے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔

''درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية" (مسند احمد: ٢١٩٥٧،

مسند بزار: ٣٣٨١، سنن دارقطنی: ٢٨٤٣)۔

یہی حکم اس صورت کا بھی ہے کہ سرکار کی طرف سے دئیے جانے والے قرض پر لی جانے والی زئد رقم کا اوسط معمولی نہ ہوکہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے۔

ضرورت کے پیش نظر مختلف قرضوں کا حکم؟

سود لینا تو بہر حال حرام ہے اور کسی صورت اس کی اجازت نہیں مل سکتی ہے، اور عام حالات میں سودی قرض لینا بھی جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا''(البقرہ: ٢٧٥)۔

(جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھوکر پاگل بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ : بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ،فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ '' (البقرۃ: ٢٧٩)۔

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعہ مومن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو۔پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے)۔

رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے،دینے والے اور اس میں تعاون کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے:''لعن رسول اللہ ﷺ آكل الربا، وموكله، وشاهديه'' (ترمذی: ١٢٠٦، مسلم: ١٥٩٧، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ابوداؤد: ٣٣٣٣)۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں جن میں ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ ''الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه'' (سنن ابن ماجۃ: باب التغليظ في الربا: ٢٢٧٤)۔

ان نصوص کے پیش نظر عام حالات میں کسی بھی مقصد کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہے، البتہ ضروریات کی تکمیل، روزگار کی فراہمی کے لیے سودی قرض لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت مینبدرجہ مجبوری فقہائے کرام سودی قرض لینے کا اجازت دی ہے:

چنانچہ علامہ ابن نجیم ؒ لکھتے ہیں:

‘‘یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (البحر الرائق: ۶،۱۳۷) ضرورت مند کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے۔

حالات اور صلاحیت کے لحاظ ہر شخص کی ضرورت مختلف ہوتی ہے،اس لیے اس سلسلہ میں مبتلیٰ بہ شخص خود اپنا جائزہ لیتے ہوئے اس پر غور کرے کہ کیا اس کے لیے بظاہر اس کے بغیر روزگار اور ضروریات کی تکمیل کی کوئی اور جائز صورت نکل سکتی ہے یا نہیں، نیز اپنے علاقہ کے علماء اور مفتیان کرام سے اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مشورہ کرے اور ان کے مشورہ پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہعام حالات میں کسی بھی مقصد کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہے، البتہ ضروریات کی تکمیل، روزگار کی فراہمی کے لیے سودی قرض لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت مینبدرجہ مجبوری سودی قرض لینے کی اجازت ہے،ضرورت خواہ جانوروں کو پالنے،مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی یا دیگر کاروبارکا متقاضی ہو۔

عصر حاضر کے مشہور ومعروف فقیہ مفتی اعظم ہندوستان حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ایک سوال کاجواب دیتےہوئےلکھتے ہیں:

سود لینا تو کسی طرح جائز نہیں،البتہ مجبوری میں سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے کسی کے پاس مکان نہ ہو اور بقدر ضرورت مکان کی تعمیر کے لیے بھی رقم موجود نہ ہو اور نہ غیر سودی قرض حاصل ہوسکتا ہوتو اس قدر سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے کہ ضرورت کے بقدر مکان تعمیر کرلے،یہی حکم ضروریات زندگی سے محروم بے روزگار شخص کےلیے دوکان کی غرض سے قرض حاصل کرنے کا بھی ہے،اسی طرح جس شخص کے لیے سواری ضروری ہو،اور اس کے پاس پیسے موجود نہ ہوں،وہ ایسےقرض کے ذریعہ سواری خرید سکتا ہے،غرض مجبوراً ایسی ضروریات کے لیے سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، جو زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے لوازم حیات کا درجہ رکھتے ہوں(کتاب الفتاوی: ۵،۳۵۳)۔

گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی مکمل امدادی رقم کا حکم؟

مکان بنانے،بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ،نیز تعلیمی ضروریات کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے جو رقم دی جاتی ہے،یہ رقم مدد وتعاون کے طور پر ہوتی ہے،نیز یہ رقم حکومت کے خزانہ سے ملتی ہے،جو تمام شہریوں کے ٹیکس وغیرہ سے جمع ہوتی ہے،اور موجودہ دور میں ہر آدمی کسی نہ کسی عنوان سے ٹیکس ادا کرتا ہے،یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دکان سے ایک پانی کا بوتل بھی خریدتا ہے تو اس میں بھی ٹیکس کی رقم شامل ہوتی ہے،اس لیے اس طرح کی رقم بطور امداد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امدادی رقم کے حصول میں واسطہ بننے والےکے لیے محنتا نہ لینے کا حکم؟

عوام الناس کے لیےحکومت کے خزانہ سے رقم حاصل کرنا خواہ امدادی ہی کیوں نہ ہو آسان نہیں ہے،اس کے لیے کا فی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے،اورخاص طور پر

ناخواندہ افرادجو امداد کے حصول کے طریقے، شرائط وضوابط، اور محکمہ سے ناواقف ہوتے ان کے لیے تو سرکاری امداد حاصل کرنا تو کافی مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے،این حالات میںان تفصیلات سے واقف شخص سے رابطہ قائم کرنا لازم ہوتا ہے،اور اس واقف کار کے لیے بھی امداد کے حصول کی کاروائی بہت آسان نہیں ہوتی ہے، مختلف کاغذات کی تیاری،متعدد آفیسر سے ملاقات اور کئی بار کئی آفیسس کا چکر لگانے کے بعد ہی امدادی رقم کےحصول کے مراحل طے ہوتے ہیں،اور اس کے لیے کافی اوقات بھی درکار ہوتا ہے،اس لیے واسطہ بننے والوں کے لیے مناسب معاوضہ کا مطالبہ درست ہے،اورامداد حاصل کرنے والے کے لیے مناسب معاوضہ دینا بھی جائز ہے۔ ‘‘في الكبرى: أهل بلدة ثقلت عليهم مؤنات العمل فاستأجروا رجلا بأجرة معلومة ليذهب ويرفع أمرهم إلى السلطان الأعظم ليخفف عنهم بعض الحيف وأخذ الأجرة من عامتهم غنيهم وفقيرهم ذكر ههنا أنه إن كان بحال لو ذهب إلى بلد السلطان تهيأ له إصلاح الأمر يوما أو يومين جازت الإجارة، وإن كان بحال لا يحصل ذلك إلا بمدة فإن وقتوا للإجارة وقتا معلوما فالإجارة جائزة والأجر كله له وإن لم يوقتوا فهي فاسدة وله أجر مثله’’ (الہندیۃ: ۵۲۶،۴)۔

البتہ واسطہ بننے والوں کے لیے اپنی محنت سے زائد حاصل شدہ رقم کے بڑے حصہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے،وہ اس وجہ سے کہ عوام الناس کی ناواقفیت اور مجبوریوں کی وجہ سے ان کا استحصال کرناہے۔اوران کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کوشریعت اسلامیہ اجازت نہیں دے سکتی ہے۔

امدادی رقم یاقرضونکے حصول کےلیے رشوت؟

رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام،اورگناہ کبیرہ ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون} [البقرة: ۱۸۸]۔

(اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے اس سے غرض سے لے جاؤکہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو)۔

نبی اکرم ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ۔

‘‘لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي في الحكم’’ (سنن ترمذی : باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم ابوداؤد: باب في كراهية الرشوة ۳۵۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۳)۔

البتہ دفع ظلم وضرر اور اپنا حق وصول کرنے کےلیے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے۔چناں چہ علامہ ابن نجیم مصری حنفیؒ لکھتے ہیں:

‘‘ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع في ماله فرشاه ببعض المال، ومنها:إذا دفع الرشوة ليسوي أمره عند السلطان حل له الدفع، ولا يحل للآخذ أن يأخذ’’ (البحر الرائق: باب اخذ القضاء بالرشوة)۔

مشہور معروف فقہیہ علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

'' الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة۔

الثاني: ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق؛ لأنه واجب عليہ۔

الثالث:أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط۔

الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب'' (حاشیہ ابن عابدین: كتاب القضاء،مطلب في الكلام على الرشوة والهدية)۔

امدادی رقوم یا قرضوں کے حصول میں اگر رشوت دیئے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت میں بدرجہ مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہوگی،اور اس صورت میں صرف رشوت لینے والا گنہ گار ہو گا۔

''ومن كان لہ حق مضيع لم يجد طريقۃ للوصول اليہ الا بالرشوة،او وقع عليہ ظلم،فلم يستطع دفعہ عنہ الا بالرشوة فالأفضل لہ أن يصبر حتى يسر الله لہ أفضل السبل لرفع الظلم ونيل الحق، فإن سلک سبيل الرشوة من أجل ذلک،فالإثم على الآخذ المرتشى،وليس عليہ اثم الراشى فى ہذہ الحالۃ مادام قد جرب كل الوسائل الأخرى، فلم تات بجدوىٰ، ومادام يرفع عن نفسہ ظلما أو يأخذ حقا لہ دون عدوان على حقوق الآخرين''(الحلام والحرام فى الاسلام فى العلاقات الاجتماعيۃ،الرشوة لرفع الظلم: ٢٧٢)۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

رشوت کا دینا لینا حرام ہے،البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کےلیے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینے والا گنہ گار ہو گا (فتاوی محمودیہ مرتب : ١٨ ،٤٥٦)۔

امدادی رقم یاقرضوں کے حصول میں غلط بیانی سے کام لینا؟

امدادی رقوم یا قرضوں کو حاصل کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے جو شرائط ومعیارات متعین ہوں ،ان شرائط ومعیارات کے حامل افراد کے لیےہی ان اسکیمات سے استفادہ کرنا جائز ہوگا،جو لوگ ان شرائط ومعیارات پر پورے نہ اترتے ہوں،ان کے لیے اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے،غلط طریقہ پرامداد یاقرض حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں جھوٹ، دھوکہ اور مستحق کی حق تلفی ہے، جو کہ اسلام میں جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ''(آل عمران: ٦١) جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ خاص طور پرجھوٹی بات سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا ہے۔چنانچہ ارشاد باری ہے:

‘‘ واجتنبوا قول الزور’’ [الحج: ٣٠] اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔

اور رسول اللہ ﷺ نےجھوٹ کو فسق وفجور اور جھنم میں لے جانے والا عمل قرار دیتے ہوئےفرمایا کہ آدمی جھوٹ بولتے بولتے اللہ کے نزدیک جھوٹو ں میں شامل ہوجاتا ہے۔

‘‘وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذاب’’ (بخاری: باب قول الله تعالى:{يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين} [التوبہ: ١١٩] وما ينهى عن الكذب، مسلم: ٢٦٠٧)۔

نبی اکرم ﷺ نےفریب اور دھوکہ دینے والے کے بارے میں واضح طور پر اعلان فرمایا کہ وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

‘‘لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ’’(سنن ابن ماجہ: باب النهي عن الغش ،مسند احمد: ١٥٨٣٣)۔

مشہور ومعروف فقیہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان لکھتے ہیں:

جھوٹ بولناحرام ہے،البتہ چند صورتوں مینجھوٹ بولنے کی اجازت ہے،میدان جنگ میں دشمن کو چکمہ دینے کے لیے،دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے ،اپنے اہل وعیال کو راضی کرنے اور ظلم کو دفع کرنے کے لیے،اور ان مقامات پر بھی صریح جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ تعریض مراد ہے،اس لیے کہ صریح جھوٹ تو بہر حال حرام ہے۔

‘‘والكذب حرام الا فى الحرب للخدعة،وفى الصلح بين اثنين،وفى إرضاء الأہل، وفى دفع الظالم عن الظلم، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام، قال فى المجتبى:وہو الحق والمراد بہ التعريض؛ لأن عين الكذب حرام الا لحاجة الخ’’ (مجمع الانہر مع سكب الانہر، فصل فى المتفرقات، كتاب الكراهية ،مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں،الدر المختار مع رد المحتار: فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس،٦ ،٤٢٧)۔

جس قرض کا انٹرسٹ حکومت ادا کرے؟

اگر تعلیم یا کسی اور مقصد کے لیے ایسی اسکیم جس میں حکومت بنک سے قرض دلائے اور اس پر جو انٹرست عائدہوتا ہو وہ حکومت ادا کرے،خودمقروض کووہ انٹرست ادا نہ کرنا پڑے تو ایسی اسکیموں سے مسلمانوں کے لیے استفادہ میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بھی حکومت کی طرف سے ایک طرح کا امداد وتعاون ہے،البتہ اگر اس قرض پر عائد ہونے والی انٹرست رقم کا کچھ حصہ مقروض کو بھی ادا کرنا لازم وضروری ہوتوایسی صورت میں دیکھا جائے کہ کیا اس کی مقدار اتنی ہے کہ اس کو سروس چارج یا انتظامی خرچ قراردیا جاسکے، اگر ہاں تو پھر اس کی اجازت ہوگی،ورنہ پھر عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہوگی،اور مجبوری وضرورت کی صورت میں گنجائش ہوگی۔

بینک میں ڈپازٹ کردہ محفوظ فنڈ کے انٹرسٹ کی رقم سے استفادہ کا حکم

بعض ایسی اسکیمیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے،اور اس کے انٹرسٹ سےجو رقم حاصل ہوتی ہے،اس سے تعلیمی اور رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے،گویا حکومت یاحکومت

کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے، اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والےحضرات کی مدد کرتا ہے۔ گویا کہ اس اسکیم میں تعلیمی اور رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون بینک سے حاصل شدہ انٹرسٹ کی رقم سے کی جاتی ہے، ایسی اسکیم سے بھی مسلمانوں کے لیے استفادہ کی گنجائش ہوگی۔حضرت اقدس مفتی نظام الدین اعظمی نوراللہ مرقدہ مفتی دارالعلوم دیوبند ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محکمہ جس کے اصحاب حل وعقد خالص غیر مسلم ہوں یا مشترک ہوتے ہوں ،مگر اقتدار اعلی غیر مسلم کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنے طور پر سودی کاروبار نفع حاصل کرکے کوئی رقم جمع کرے ،اور بطور تبرع کسی مسلمان ملازم کو دے تو اس کا لینا جائز رہے گا اوربمد انعام داخل ہوکر طیب وحلال شمار ہوگا ''(منتخبات نظام الفتاویٰ : ۲۰۹،۱)۔

مزیدایک جگہ لکھتے ہیں:

''غیر مسلم آپس میں سودی کاروبار اور سودی لین دین بھی کرتے ہیں،بہت سی بیع باطل وفاسد بھی کرتے ہیں،شراب بھی بناتے اور بیچتے ہیں اور اس کی قیمت لیتے ہیں،خنزیر بھی بیچ کر اس کی قیمت لیتے ہیں، پھر مسلمانوں کو یہ پیسے مزدوری میں انعام وغیرہ میں دیتے ہیں،اور ان سب پیسوں کا حرام ہونا معلوم ہونے کے باوجود ان پیسوں کا لینا اس وقت تک شرعا جائز وغیر مکروہ شمار ہوتا ہے جب تک کہ یہ یقین نہیں ہوتا کہ یہ چیز جس کو فروخت کررہا ہے یہ بعینہ وہی چیز ہے جس کو چرا کر یا ڈاکہ ڈال کر لایا ہے، جو قیمت دے رہا ہے یہ بعینہ وہی روپیہ ہے جس کو چراکر یاڈاکہ ڈال کر لایا ہے،غرض ان سب کا لے لینا اور استعمال کرنا سب درست رہتا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکم جواز کیوں ہے تو اس کی وجوہ متعدد ہیں،متعدد شرعی ضوابط اس کی بنیاد ہیں،مثلاً:

(الف) تبدیل ملک سے حکما تبدل عین ہوجاتا ہے۔ یا

(ب) الخلط استہلاک کا ضابطہ جو مسلم ہے۔یا

(ج) مثلاً یہ کفار ابتداءً صرف ایمان کے حدود وعقوبت مشروعہ کے مخاطب ہوتے ہیں،باقی معاملات وجزئی احکامات کے مخاطب بعد میں ہوتے ہیں،اس لیے ان کے آپس کے معاملات برقرار اور نافذ رکھے جاتے ہیں،جب تک کہ وہ حرام لعینہ،قبیح خداع، چوری، ڈاکہ وغیرہ کا ارتکاب نہ کریں '' (منتخبات نظام الفتاویٰ : ۲۰۸،۱)۔

* * *

تیسرا باب

مختصرتحریریں

حکومت کی فلاحی اسکیموں سے استفادہ اور سروس چارج کا حکم

قاضی عبد الجلیل قاسمی•

۱- یہ جائز ہے۔

۲- یہ بھی جائز ہے، اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔

۳-اگر ضرورت و مجبوری کی وجہ سے قرض لیا گیا تو کوشش کی جائے کہ مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم واپس کردی جائے اگر کوشش کے باوجود مقررہ مدت میں واپس نہ ہوسکے، اضافی رقم دینے کی گنجائش ہے اگر مجبوری کے بغیر دولت بڑھانے کے لیے قرض لیا گیا ہو تو اضافی رقم سود ہے اور سود دینے کا گناہ ہوگا۔

۴-اگر اضافی رقم اتنی معمولی ہے کہ اس کو سروس چارج کہہ سکتے ہوں تو اس کو دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۵- اضافی رقم سود ہے ، اگر ضرورت و مجبوری کی حالت میں قرض لیا گیا ہو تو مجبوری میں سود دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے اور اگر محض دولت میں اضافہ کے لیے قرض لیا گیا ہو تو سود دینے کا گناہ ہوگا۔

۶- اس طرح کی امدادی رقم حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

۷- واسطہ بننے والوں کو ان کی محنت کا معاوضہ دینا جائز ہے، البتہ اجرت متعین کرلینا ضروری ہوگا، تاکہ کوئی نزاع نہ پیدا ہو۔

۸- یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے۔

۹- اگر اس قسم کی امدادی رقم اور قرض حاصل کرنا بحیثیت ایک شہری کے اس کا حق ہو اور رشوت دیئے بغیر حاصل نہ ہوسکے تو رشوت دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۱۰- امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لیے جو شرائط یا معیار حکومت کی طرف سے متعین ہیں ان میں غلط بیانی سے کام لینا اور اس طرح یہ رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۱- اضافی رقم سود ہے، اگر حکومت ادا کرتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر خود مقروض کو ادا کرنا پڑے تو اس میں تفصیل ہے اگر ضرورت و مجبوری کی وجہ سے قرض لیا گیا تو سود ادا کرنے کی گنجائش ہوگی اور اگر بلا مجبوری کے لیا گیا ہو تو سود دینے کا گناہ ہوگا۔

۱۲- اس طرح کی رقم سے استفادہ کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔

• قاضی امارت شرعیہ، پٹنہ۔

سرکاری قرضوں پر معمولی شرح سود کی ادائیگی

مولانا قاری ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی•

(۱،۲) پہلی دوسری صورت کے جواز میں کوئی کلام نہیں معلوم ہوتا، یہ حکومت کی طرف سے سبسڈی ہے اس سے انتفاع درست ہونا چاہئے۔

(۳) اگر معاملہ اس طرح ہو کہ مقررہ مدت پر قرض ادا نہ کرنےکی صورت میں قرض کے ساتھ کچھ زائد رقم ادا کرنی پڑے گی تو یہ سود کی صورت ہوگی ، ''کل قرض جر نفعاً فہو ربا''۔ خواہ معاملہ کرتے وقت اسی طرح کی شرط لگائی گئی ہو یا یہ کہ بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

مشہور محقق اور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم بحوالہ المدونۃ الکبری (۱۸،۵)، بقول امام مالک : ''وکان ربا الجاہلیۃ فی الدیون أن یکون للرجل علی الرجل الدین، فإذا حل قال لہ:أتقضی أم تربی، فإن قضاہ أخذہ وإلا زادہ فی الحق وزادہ فی الأجل'' تحریر فرما کر لکھتے ہیں: اس طرح معاملہ کرنا کہ وقت مقررہ پرقیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں دس کے بارہ ادا کرنے ہونگے کھلا ہوا ربا ہے(مجلہ بیع بالتقسیط ۳۱ نیز دیکھئے اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ کے فقہی فیصلے،۳۲۷)۔

(۴) زائد رقم کا مطالبہ سروس چارج کے نام سے درست ہے مولانا برہان الدین صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ''اخراجات کے نقد رقم کی وصولیابی اور چیز ہے اس کا جواز بالعموم مسلم ہے، لیکن پھر اخراجات سے بچ جانے والی کل رقم ان لوگوں کی طرف لوٹانا ضروری ہے جن سے یہ رقم لی گئی ہے ''۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ایک استفتاء ''قرض خواہونسے ٹیکسوں کی قیمت وصول کرنے کی بابت '' (جسے فارم پرچسپاں کرکے درخواست دینے پر بلاسودی تین ماہ کے لئے روپے دیئے جاتے ہیں) تحریر فرماتے ہیں: ''اس ٹیکس کی اباحت کی گنجائش ہے، کیونکہ یہ رقم دفتری مصارف کے کام آئے گی کسی شخص کے ذاتی مفاد کے لئے قرض پر کوئی سود نہیں ''۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ لکھتے ہیں: ''پس اگر یہ بات صحیح ہے تو اس زائد رقم کو سود کا نام دینا شرعاً ضروری نہ ہوگا، بلکہ انتظامی اخراجات کی فیس بھی قرار دیا جاسکتا ہے '' (منتخبات نظام الفتاوی۳،۱۳۹)۔

• سابق شیخ الحدیث وپرنسپل دار العلوم مئو۔

(۵) مکان انسان کی بنیادی ضرورت ہے اگر اس کےلئے بطور قرض رقم میسر نہ ہو سکے تو لون لیا جاسکتا ہے حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: ‘‘ایسی حالت میں اگر بغیر سود قرضہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ نے بوجہ ضرورت اورحسب ضرورت بینک سے سودی قرض بھی لے لینے کی اجازت دی ہے، ‘‘ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح ’’ (الاشباہ والنظائر،۱۱۵)،البتہ جہاں تک جلد ہوسکے ایسے قرض سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جب تک سبکدوشی حاصل نہ ہوجائے کچھ استغنا کرنے کا معمول بنالے (منتخبات نظام الفتاوی ۱۰۱،۳)۔ شریعت میں کاشتکاری وباغبانی کا حکم دیاگیا ہے: ‘‘من کانت لہ أرض فیزرعہا أو یمنحہا’’ (مشکوۃ باب المساقات والمزارعہ) نیز اس سے فضائی آلودگی (جو اجتماعی ضرر کا سبب ہے) کم ہوتی ہے ، اس لئے یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے۔

کاشت کے لئے بینک سے سودی قرض ناقابل تحمل تنگی کی صورت میں لینے کی مفتی نظام الدین صاحبؒ نے اجازت دی ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۱۷۵،۳۔۱۷۶)۔

لون لے کر کاروبار کرنے کی بابت احقرکو تامل ہے طلب کسب الحلال فریضہ بعد الفریضہ (مشکوۃ شریف،۲۴۲) ۔ ‘‘إن أطیب ما أکلتم من کسبکم’’ (مشکوۃ باب الکسب)، اس لئے اگراپنی محنت کی کمائی سے کاروبار کریں تو انشاء اللہ برکت ہوگی، بہرحال صورت مسئولہ میں زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو تو بھی جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

(۶) گورنمنٹ سے امداد لینے میں کوئی کلام نہیں، مولانا سید عبد الرحیم لاجپوریؒ تحریرفرماتے ہیں:‘‘جبکہ حکومت بلاطلب بطور امداد اور غم خواری کے رقم دیتی ہے تو لینے مینکوئی مضائقہ نہیں خود استعمال کرے یا حاجت مندوں کو دیدے ’’ (فتاوی رحیمیہ ۲۲۵،۱۰)۔

(۷،۸،۹) تینوں صورتیں رشوت کی ہیں اوررشوت کے سلسلہ میں یہ جزئیہ ہے کہ اگر اپنا جائز کام بدون رشوت نہ ہوسکے تو بدرجہ مجبوری دی جاسکتی ہے، ‘‘لو اضطر إلی دفع رشوۃ لإحیاء حقہ جاز لہ الدفع وحرم علی القابض’’ (الرد المحتار علی الدر ۲۶۵،۷، نیز دیکھئے : آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶۷،۷)۔

(۱۰) غلط بیانی سےکام لے کر قرض حاصل کرنا او راس سے فائدہ حاصل کرنا ناجائز ہے۔

(۱۱) اس تھوڑے حصہ کو سروس چارج شمار کرتے ہوئے استفادہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(۱۲) انتہائی لاچار اور مجبور حضرات اس اسکیم سے استفادہ کرسکتے ہیں، ‘‘الضرورات تبیح المحظورات’’ ۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور سودی قرضے

مولانا ابوسفیان مفتاحی•

۱۔ صورت مسئولہ میں سرکاری وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سےکم واپس کرنا پڑتا ہے، تو ایسے قرضوں سے مسلمانوں کو استفادہ جائز ہے۔

۲۔ معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے اور مقررہ مدت کے بعد واپس کرنے پر پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ پس وہ صورت جس میں لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے تو مسلمانوں کو لینا جائز ہے۔

۳۔اگر مقررہ کے بعد ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے، اور یہ زائد رقم قرضدار اپنی خوشی سے ادا کرے اور عقد قرض اس کی شرط نہ لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔

اس کے لئے احادیث سے استدلال کیا جائے حدیث (۱) جو صحیح مسلم مع التکملۃ (۱،۶۴۰تا۶۴۸) ''عن أبی رافع أن رسول اللہﷺ استسلف من رجل بکراً فقدمت علیہ إبل من إبل الصدقۃ، فأمر یا رافع أن یقضی الرجل بکرہ، فرجع إلیہ أبورافع فقال: لم أجد فیہا إلا خیاراً رباعیاً، فقال: أعطہ إیاہ، إن خیار الناس أحسنہم قضاء اً'' (رواہ مسلم)۔

علامہ تقی عثمانی حفظہ اللہ تکملۃ فتح الملہم (۱،۶۴۴) میں لکھتے ہیں:

''قولہ:إن خیار الناس أحسنہم قضاءاً، وفیہ دلیل علی أن رد الأجر فی القرض أو الدین من السنۃ ومکارم الأخلاق، ولیس ہو من قرض جر منفعۃ؛ لأن الممنوع منہ ما کان مشروطاً فی عقد القرض، وأما إذا لم یکن مشروطاً فی العقد وتبرع بہ المدیون، فلا بأس بأخذہ ولا بإعطاءہ''۔

اس حدیث میں دلیل ہے اس پر بہت عمدہ واپس کرنا قرض میں یا دین میں سنت ہے اور اخلاق حسنہ میں ہے اور عمدہ واپس کرنا اس قرض میں نہیں ہے جو نفع لائے، کیونکہ ممنوع وہ ہے جو عقد قرض میں شرط ہو، اور جس کی شرط عقد میں نہیں لگائی گئی ہے اور قرضدار اس سے اچھا یا اس سے زیادہ تبرع واحسان کیا ہے تو اس کے لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث (۲) ''عن أبی رافع مولی رسول اللہﷺ قال استسلف رسول اللہﷺ بکراً بمثلہ غیر أنہ قال: فإن خیر عباد اللہ أحسنہم قضاءاً'' (رواہ مسلم)۔

• جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

حدیث (۳) ‘‘عن ابی سلمۃ عن أبی ہریرۃ قال:کان لرجل علی رسول اللہﷺ حق فأغلظ لہ فہمّ بہ أصحاب النبیﷺ، فقال النبیﷺ:إن لصاحب الحق مقالاً، فقال لہم:اشتروا لہ سناً فأعطوہ إیاہ، فقالوا: إنا لا نجد إلا سناً ہو خیر من سنہ، قال:فاشتروہ، فأعطوہ إیاہ، فإن من خیرکم أو خیرکم أحسنکم قضاءاً ’’ (رواہ مسلم)۔

حدیث (۴) ‘‘عن أبی سلمۃ عن أبی ہریرۃ قال:استقرض رسول اللہ ﷺ سناً فأعطی سناً فوقہ، وقال:خیارکم محاسنکم قضاءاً’’ (رواہ مسلم)۔

حدیث (۵) ‘‘عن أبی سلمۃ عن أبی ہریرۃ قال:جاء رسول یتقاضی رسول اللہﷺ بعیراً، فقال:أعطوہ سناً فوق سنہ، وقال:خیرکم أحسنکم قضاءاً’’ (رواہ مسلم)۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں جو عمدہ وزائد رقم ادا کرے تو یہ جائز ہے، اور سنت ومکارم اخلاق میں ہے اس شرط سے کہ عقد قرض میں وہ زائد دینا مشروط نہ ہو، واللہ اعلم، اور اگر عقد قرض میں زائد دینا مشروط ہو تو وہ ناجائز ہے اور سود ہوگا۔

۴۔ غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو، تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم سود کے دائرے میں آئے گی، اور انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش نہ ہوگی۔

۵۔ اگر سرکار کی طرف سے دیے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے، تو اس کا حکم سود کا ہوگا۔

واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کےجانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری اور باغبانی کی ضروریات کو اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو ان ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے حکم سود میں کچھ فرق نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں سود کا حکم ہوگا، اور مذکورہ ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے حکم سود میں کچھ فرق نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے، مثلاً مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا جواز کا حکم ہے، جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

۷۔گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم جس قسم کی ہوں ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس مینواسطہ بنتے ہیں، تو واسطہ بننے والوں کو ان کو مطلوبہ محنتانہ دینا اور لینا دونوں جائز ہے۔

۸۔ بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں اپنے من سے لے لینا درست نہیں ہے، بلکہ واسطہ بننے والے لوگ امدادی رقوم پانے والوں سے دینے یا لینے کا معاملہ کرلیں تو درست ہے، ورنہ نہیں۔

۹۔ امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو ان رقوم کے حصول کے لئے رشوت دیناجائز ہے۔

۱۰۔ امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا حکم درست نہ ہونا ہے شرعاً۔

۱۱۔ بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئےحکومت بنک سےقرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

تو ایسی اسکیموں سے استفادہ ناجائز ہے، دیکھئے استدلال کے لئے ''تکملۃ فتح الملہم '' (۱،۵۷۴-۵۷۵) ''فکذلک رفع الظلم حکمۃ لحرمۃ الربا، ولکن حکم الحرمۃ لا یدور معہا، فلو سلمنا انتفاء الظلم فی صور الربا، فلا یستلزم ذلک جوازہ لبقاء علتہ وہی الزیادۃ المشروطۃ فی القرض، وقد قال رسول اللہ ﷺ: کل قرض جر منفعۃ فہو ربا، أخرجہ الحارث ابن أبی أسامۃ عن علیؓ مرفوعاً کما ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر (۱،۹۴ رقم ۶۳۳۶)، وضعفہ المناوی فی فیض القدیر (۵،۲۸) وجعلہ العزیزی فی السراج المنیر (۳،۸۶) حسناً لغیرہ لتعدد طرقہ، وأخرج البیہقی فی سننہ الکبری (۵،۳۵۰) من فضالۃ بن عبید موقوفاً کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ من وجوہ الربا، وإن ہذہ الأحادیث تبین علۃ حرمۃ الربا فالحکم یدار علیہا، وتکون کل زیادۃ علی القرض ربا سواء اتضح لنا وجہ الظلم أولم یتضح، ثم إن نظام البنوک الرائجۃ الذی یسیر علی أساس الربا لہ مفاسد لا تحصی، فإنہ یفسد نظام توزیع الثروۃ علی الناس۔

۱۲۔ بعض اسکیمیں ایسی بھی ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے جس کوبینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد اور اشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات مدد کرتا ہے تو یہ صورت تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص جو غرباء اور مساکین بغیر نیت ثواب کے تعاون کرنا درست ہے صرف۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں صرف تعلیمی ورفاہی اداروں اور غریب ومسکین افراد واشخاص بغیر نیت ثواب کے تعاون کرنا درست ہے۔

سرکاری ترقیاتی قرضوں سے فائدہ اٹھانا

مفتی محبوب علی وجیہی•

(۱) ضرورت کے لئے قرض لیاجاسکتا ہے اور قرض دینے والے کو اگر مال اس کی ملک ہے یا اسکو اختیار حاصل ہے تو کل یا جزء قرض معاف کردینا درست ہے اور اگر حکومت کی طرف سے قرضدار کو قرض میں معافی مل رہی ہو تو اس کے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) جو قرضدار کے لئے سہولت کا باعث ہو اس پر عمل کرے دونوں صورتیں درست ہیں۔

(۳) یقینا اس کا حکم سود کا حکم ہوگا۔

(۴) مذکورہ صورت میں وہ رقم سروس چارج سمجھی جائے گی اور انتظامی امور میں شمار کی جائے گی۔

(۵) اگر کوئی شخص ضرورت مند ہے اور اسے بلا سودی قرض نہیں ملتا تو پھر سرکاری اسکیم سے اس کےلئے فائدہ حاصل کرنا درست ہے، خواہ وہ استفادہ کسی بھی ضرورت کے لئے ہو، چاہے مکان کی تعمیر کے لئے ہو چاہے جانورو نکے لئے یاکاشت وغیرہ کے لئے۔

(۶) وہ رقوم جو گورنمنٹ کی طرف سے امداد کے طور پر ملتی ہیں ان کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے یہ حکومت کی طرف سے اپنےشہروں کی امداد واعانت ہے۔

(۷) اگر درمیان کے لوگوں کا وقت خرچ ہواور اس کاوہ معاوضہ لیں تو اس معاوضہ لیں تو اس معاوضہ کاا نکے لیے لینا جائز ہے او راس کے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر معاوضہ لینے والے گورنمنٹ کے ملازم ہیں اور وہ سرکار کی طرف سے اس کام کے کرنے کے لئے مکلف ہیں تو پھر ان کے لئے وہ معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا، بلکہ وہ رشوت ہوگی جو ان کے لئے حرام ہے، مگر دینے والے کے لئے ضرورتاً جائز ہے۔

(۸) جو صورت نمبر ۷ میں گزری اسی کے اعتبار سے معاوضہ لینے والے لوگ اگر حاصل شدہ رقم سے معاوضہ حاصل کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور باقی جواب نمبر ۷ میں گزر چکا ہے۔

(۹) ضرورتاً رشوت دینا جائز ہے لینا جائز نہیں ہے۔

• مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ مسٹن گنج، رامپوریوپی۔

(۱۰) امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط اورمعیارات قائم کئے جائیں اس سلسلہ میں غلط بیانی اوردھوکہ دے کر قرض لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر شرائط ومعیارات پورے کرنے کے بعد بھی امدادی رقم یا قرض حاصل نہ ہو اور سرکاری لوگ بلا وجہ رشوت لینے کے لئے پریشان کریں اور وہ شخص سخت ضرورت مند ہو توپھر کسی حیلۂ شرعی کے ساتھ اس رقم کو حاصل کرلے اس میں وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ اگر حیلہ شرعی نہ ہوسکے تب بھی دفع مضرت کے لئے وہ رشوت دے سکتا ہے۔

(۱۱) اگر وہ شخص ضرورت مند ہے خود پورا خرچ برداشت نہیں کرسکتا تو اسے مذکورہ اسکیم سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

(۱۲) اس صورت میں حکومت اس سود کی مالک ہوجاتی ہے پھر اسے خرچ کرتی ہے، لہذا اس سے بھی استفادہ کرنا درست ہے۔

سرکاری اسکیم کے تعلق سے جوجوابات دیئے گئے ہیں وہ ضرورت دنیا کے پیش نظر دیئےگئے ہیں اور ان جوابات میں اکثر جگہ ضرورت مند کا لفظ آیا ہے اس سلسلہ میں فقہی دلائل مندرجہ ذیل عبارات میں انہیں ملاحظہ کیا جائے ۔

الموسوعۃ الفقہیہ ۲۰۷،۲۸ پر ہے، ''والضرورات عند الاصولیین ہی الأمور التی لا بد منہا فی قیام مصالح الدین والدنیا بحیث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامۃ، بل علی فساد وتہارج وفوت حیاۃ، وفی الأخری فوت النجاۃ والنعیم والرجوع بالخسران المبین'' (الفتاوی الشرعیہ ۲۱۶،۱۹)، ''الشئون الاسلامیہ کویت '' مینہے:''ولا یجوز اللجوء إلیہ إلاعند الضرورۃ''، اور (صفحہ ۲۲۱) پر ہے:''فلا حرج علیک أن تأخذ بالضرر الأخف۔ونرجو أن لا تکون آثماً فی ذلک لحالۃ الضرورۃ أو الحاجۃ الماسۃ، ففی ہذہ الأحوال یجوز الاقتراض بمقدار ما تحتاجہ العملیۃ المشارإلیہا، دون زیادۃ للضرورۃ، ولایجوز بغیر ذلک۔ ولووجدطریقاً آخر لتحویل ہذا المبلغ، ولو کان بأجرۃ أکثر من البنک الربوی وہی فی حدود المعتاد، فلا یجوز لہ تحویلہا عن طریق البنک الربوی لمافیہ من مساعدۃ لہ علی أعمال الربا، أما إذا لم یوجدطریقاً لتحویل ہذا الحال لحری البنک الربوی، فلا مانع من ذلک بشرط أن یکون ذلک بدون فولتہ ربویۃ، ولا مانع عند الحاجۃ من دفع أجرۃمحددۃ لہ علی ذلک''۔

اور ''الفتاوی الشرعیہ ''(۱۷۳،۱۳)پر ہے:''ولاإباحۃ الربا إلا لضرورۃ، فإذا تقدر بقدرہا''۔ا ور صفحہ ۱۷۶ پر ہے: ''لا یجوز الاقتراض بالربا إلا للضرورۃ وہی خوف الہلاک''۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی قرض لینا اس وقت جائز ہوگاجس وقت ہلاکت کا خوف ہو اوراگر اس قدر ضرورت نہیں ہے تو پھر سودی قرض لینا درست نہیں ہے۔ ''الموسوعۃ الفقہیہ '' (۱۴۳،۲۲) پر ہے:'' لا یجوز للمسلم أن یقترض بالربا للسکن أوغیرہ''۔فقط

سرکاری اسکیموں میں حکومت کا اپنی طرف سے سود ادا کرنا

دکتور عبد اللہ جولم عمری مدنی•

١-وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ یہ قرض سود سے خالی ہے، اس لئے جائز ہے ۔

٢-معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں مینیہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے، جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

جواب۔ سود سے خالی ہے, اس لئے جائز ہے ۔

۴-غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضو ں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہاجاتا ہو،یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرہ میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت و گنجائش ہوگی؟

جواب۔ انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے وسعت وگنجائش ہوگی۔

۶-ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ،مثلا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریونکی اعانت ہوتی ہے۔

جواب۔ مسلمانوں کا حکومت کی اعانتی اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہے،کہ یہ بھی ملک کے رعایا ہیں، اور حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں، تو اس سے فائدہ اٹھانا بھی درست ہے۔

٩-اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہرہے کہ درست نہیں ہے ۔

جواب ۔اگر اس قسم کی امدادی رقم اور قرضے کا حقدار ہے تو اپنے حق کے

• شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام، عمرآباد۔

حصول کے لئے رشوت دینا، جبکہ رشوت کے بغیر حق حاصل نہ ہوتا ہوجائز ہے ۔

١٠- امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ ناجائز ہے ۔

سرکاری خزانے سے انتفاع کا حق

مولانا حفیظ الرحمن اعظمی مدنی خیرآبادی•

سوال (۱) وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

ایسے قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، ایسا قرضہ لینا جائز ہے۔

دلیل(۱): یہ سرکار کی طرف سے رعایا کے لیے امدادی اسکیمیں ہوتی ہیں، اور یہ قرضے سرکاری فنڈ سے ہوتے ہیں، جن کا حکم بیت المال کا ہوتا ہے، اور اس سے فائدہ حاصل کرنا ہر شہری کا حق ہے اور مسلمان بھی اس ملک کے شہری ہیں؛ لہذا جائز ہے۔

(۲) یہ قرض واپس لینے والے کی طرف سے کم کرنا، قرض کو معاف کرنے کے درجہ میں ہے، جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں سود کی ملاوٹ نہیں ہے، سود تو دی ہوئی رقم سے زیادہ لینے کا نام ہے شرط کے ساتھ۔ عالم گیری میں ہے: ''لا بأس بأن يستدين الرجل إذا كانت له حاجة لابد منها'' [فتاوی عالم گیری ۳۶۶٫۵کوئٹہ پاکستان کتاب الکراہیۃ] ''عن جابر بن عبد الله قال:لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال:هم سواء'' [صحيح مسلم الرقم ۱۵۹۸]۔

''أما في اصطلاح الفقهاء فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض'' [كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الربا ۲٫۲۲۱دار الكتب العلمية بيروت]۔

سوال (۲) معافی والے قرضوں میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے، جب کہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

مقررہ مدت کے اندر قرض واپس کرنے پر کچھ حصہ معاف ہوجانا حکومت کی طرف سے ایک امداد ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ قرض خواہ اپنے قرض کا پورا حصہ یا کچھ حصہ معاف کردے تو اسے اختیار ہے۔

اور اگر مقررہ مدت کے بعد پوری رقم ادا کرنی پڑے تو یہ بھی جائز ہے، اس شرط کے ساتھ کہ حکومت کی طرف سے دی گئی رقم سے ادا کی جانے والی رقم زائد نہ ہو، بلکہ برابر کا معاملہ ہو؛ کیونکہ یہ سود کے اندر داخل نہیں ہوتا، جیسا کہ ابتدا میں تعریف ربواسے واضح ہے۔ ہدایہ میں ہے: ''الربا ہو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة

• استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، مئو، یوپی۔

الخالی عن عوض شرط فیہ'' [الہدایۃ باب الربا ج:۳، زکریا کتب خانہ جیسور]، کیونکہ ربوا کی تعریف میں ایسی زیادتی ملحوظ ہے جس کی شرط لگائی گئی ہو۔

درحقیقت یہ سوال بھی پہلے سوال کے مثل ہے، جس کے دلائل اس سے قبل مذکور ہیں۔

سوال (۳) اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے، تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ قرض دیئے جانے کے وقت ہی سے یہ بات طے ہے جو شرط کے درجہ میں ہے کہ مقررہ مدت کے بعد زائد رقم دینی پڑے گی، لہذا یہ سود ہوگا جو ناجائز اور حرام ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: {أحل الله البيع وحرم الربوا} [البقرة: ۲۷۵] ربوا کی تعریف درمختار میں مذکور ہے: ''وشرعاً فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة''۔ [الدر المختار زکریا بکڈپو دیوبند وکذا فی البحر ص:۱۲۴، ج:۶ کوئٹہ پاکستان]۔

سوال (۴) غیر معافی والے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو، جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو، یا اپنی مقدار کے اعتبار سے سروس چارج کہلاسکتا ہو، تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ کیا یہ سود کے دائرہ میں آئے گا، یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی۔

اگر قرض دینے والی جانب سے، یعنی بینک سے قرض سے زائد رقم کا مطالبہ ہو تو ایسی صورت میں زیادہ دینا جائز نہیں، بلکہ یہ سود میں داخل ہے؛ کیونکہ اہمیت سود کے کم یا زیادہ کی نہیں ہے، بلکہ نفس سود کے لین دین کی اہمیت ہے؛ کیوں کہ آیت میں آیا ہے:{يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا، إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله، فإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم لاتظلمون ولاتظلمون} [البقرة: ۲۷۹] اور حدیث میں ہے کہ دیدہ دانستہ سود کا ایک درہم کھانا ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ [مشکوۃ ۲۴۶، باب الربا الفصل الثالث] لیکن '''الضرورات تبيح المحظورات'' [الأشباہ والنظائر۸۵] کے قاعدے سے ایسے مسلمان جن کے پاس کوئی معاشی ذریعہ نہ ہو تو ان کے لیے ایسے قرض حاصل کرنا جائز سمجھ میں آتا ہے اور معمولی شرح سود انتظامی خرچ شمار کی جائے گی، جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحبؒ کا رجحان بھی یہی ہے۔

جیسے موبائل وغیرہ کے بیلنس میں سروس چارج کے طور پر معمولی رقم کم کرکے دیا جاتا ہے، لیکن یہ ضرورت ہے، ورنہ بیشتر صارفین کا کام اس کے بغیر نہیں چلے گا، جبکہ آج کل موبائل ایک ضرورت زندگی بن چکا ہے۔

قرض کی تعریف یہ ہے: ''القرض ہو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر

لیرد مثلہ" [تنویر الأبصار مع رد المحتار ج۵،۱۶۷ فصل في القرض] "کل قرض جر نفعاً فہو حرام" [رد المحتار ۵،۱۶۶] ۔

سوال (۵) اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچہ پر محمول کیا جاسکے، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ جب کہ یہ قرضے جانور پالنے، تعمیر مکان، کاشت وباغبانی ودیگر کاروبار کے لیے ہوتے ہیں، تو ضرورتاً فرق ہوسکتا ہے؟

جس طرح سود لینا جائز نہیں، ایسے ہی سود دینا بھی جائز نہیں، سودی لین دین پر قرآن وحدیث میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور یہ بنص قطعی حرام ہے، چاہے مکان بنانے، تجارت کرنے، جانور پالنے یا دیگر معاشی ضروریات کے لیے ہوں۔

فقیہ الامت مفتی اعظم محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ نے "فتاوی محمودیہ کتاب الربا" میں لکھا ہے کہ سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں، بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ {وحرم الربا: ۲۷۵} اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اور جن کو خطاب کرکے سود کو حرام قرار دیا گیا اور سخت وعیدیں سنائی گئیں، وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتی کہ حضرت بلالؓ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی، جس سے پریشان ہوکر انھوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لیے باہر چلے جانے کا ارادہ کرلیا تھا، وہ حضرات پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھاکر گر جاتے تھے، دو دو تین تین مہینہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ [فتاویٰ محمودیہ ج:۲۴،۳۵۴ مکتبہ محمودیہ میرٹھ] ۔

{أحل الله البيع وحرم الربا} [سورة البقرة: ۲۷۵] ۔

"عن جابر بن عبد الله قال:لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء " [رواه مسلم الرقم ۱۵۹۸، مشكوة باب الربا ۲۴۴ كتب خانه نعيميه ديوبند]۔

"عن ابن مسعود قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الربا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل"۔ رواه ابن ماجة والبيهقي [مشكوة باب الربا ۲۴۶ كتب خانه نعيميه ديوبند] ۔

البتہ اگر کوئی شخص ایسا محتاج اور مجبور ہوجائے کہ اس کے لیے کھانے پینے اور ضروریات زندگی اختیار کرنے کی کوئی صورت نہ رہے، تو اس کے لیے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش فقہاء نے دی ہے، جیسا کہ فقہاء کا اصول ہے: الضرورات تبيح المحظورات [الأشباه والنظائر لابن نجيم۸۵] يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح [الأشباه والنظائر لابن نجيم۹۲ دار الكتب العلميه بيروت] ۔

سوال (۶) ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے

مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے، مثلاً مکان وبیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریا ت کے لیے، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے، جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی، اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے؟

ایسی رقوم کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا جائز اور حلال ہے، اس لیے کہ مسلمان اس ملک کے شہری ہیں تو جس طرح حکومت دوسرے شہریوں کی امداد کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کو بھی سہولت پہنچانا اور تعاون کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور مسلمانوں کا بحیثیت شہری اس پر حق ہے۔

اور گورنمنٹ کی آمدنی کا اکثر حصہ حلال ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ملکی وسائل سے حاصل ہوتا ہے، اس میں قدرتی صنعتیں، عوامی ٹیکس، ریلوے اور پوسٹ اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی ہے، اور اگر حکومت ورلڈ بینک سے قرض لیتی ہے تو اس میں سود دیتی ہے، لیتی نہیں اور دونوں کا حکم الگ ہے۔

''أہدی إلی رجل شیئا أو أضافہ، إن کان غالب مالہ من الحلال فلا بأس، إلا أن یعلم أنہ حرام، فإن کان الغالب ہو الحرام ینبغي أن لا یقبل الہدیۃ'' [فتاوی عالم گیری کتاب الکراہیۃ والاستحسان کوئٹہ پاکستان ۳۴۲،۵، فتاوی تاتار خانیہ زکریا ۱۷۵،۱۸]۔

سوال (۷) گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم جس قسم کی بھی ہوں ان کے حصول کے لیے کافی جد وجہد کرنی پڑتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ ا س میں واسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والوں کے لیے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

قرض پر نفع لینا جائز نہیں، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: ''کل قرض جر نفعاً فہو حرام'' [الأشباہ والنظائر الفن الثاني ۶۶۵مطبوعہ بیروت] ''کل قرض جر نفعا حرام أي إذا کان مشروطاً'' [شامی زکریا بکڈپو ۳۹۵،۷] ۔

لیکن یہ صورت خالص محنتانہ اور اجرت کی ہے، اس لیے اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، یہ قرض بھی نہیں اور سودی رقم بھی نہیں ہے، بلکہ امداد وصول کرنے والا خود نہ کرکے دوسرے سے کام لیتا ہے اور اس کی اجرت دیتا ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال (۸) بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

ایک حصہ لینا یا لینے دینے کا معاملہ کرنا یہ اجرت کی قبیل سے ہے، لہذا یہ جائز ہے، البتہ اگر اجرت مجہول ہو تو جائز نہیں، کیونکہ جس بیع میں اگر ثمن مجہول ہو تو بیع جائز نہیں، اسی طرح اگر اجرت مجہول ہو تب بھی جواز نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ نزاع کا

باعث ہے۔

سوال (۹) اگر امدادی رقوم یا قرضوں کے حصول کے لیے اگر رشوت دینی پڑے تو کیا حکم ہے؟

درحقیقت رشوت دینا لینا دونوں شریعت میں ناجائز ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون} [سورہ بقرہ: ۱۸۸]۔

حدیث میں ہے: ''عن عبد الله بن عمرو قال:لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي''۔ رواه أبوداؤد وابن ماجة ورواه الترمذي عنه [مشكوة ص: ۳۲۶ باب رزق الولاة وهداياهم الفصل الثاني] [موسوعہ فقہیہ کویت ۲۲۱،۲۲] ۔

لیکن فقہاء نے صراحت کیا ہے کہ دفع ظلم کے لیے اور اپنا حق لینے کے لیے رشوت دینا جائز ہے، لینا جائز نہیں، لینے والا گناہ گار ہوگا۔

مشکوۃ ص:۳۲۶ کے حاشیہ پر مرقاۃ کے حوالے سے لکھا ہے:

''أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه ظلماً فلا بأس به''۔

شامی میں ہے: ''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني فى حق الدافع'' [شامی كتاب الحظر والإباحة فصل في البيع كراچی ۴۲۳،۶، زكريا ۶۰۷،۹] ۔

سوال (۱۰) امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لیے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلے میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے میں دو خرابیاں ہیں: ایک کذب بیانی اور دوسری دغابازی (دھوکہ)۔

کذب گناہ کبیرہ ہے، حدیث پاک کی روشنی میں نفاق کی تین علامتوں میں سے ہے: ''إذا عهد غدر، إذا ائتمن خان، وإذا حدث كذب''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {لعنت الله على الكاذبين}[آل عمران : ۶۱]۔

دھوکہ کے بارے میں حدیث میں وارد ہے:''قال النبي صلى الله عليه وسلم:من غش فليس منا'' [ترمذی ۱۵۷،۱ باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع طبع قديم] ۔

اور اس کا مطلب یہ بھی ہے، شرائط و معیارات کے اعتبار سے ایسا کرنے والے کا استحقاق ثابت نہیں ہے، اور کوئی بھی امداد یا قرض بغیر استحقاق کے لینا جائز نہیں ہوگا۔

سوال (۱۱) بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لیے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے، اور اس پر انٹرسٹ عائد ہوتا ہے، اس کو مقروض کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے، یا زیادہ حکومت اور تھوڑا انٹرسٹ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا

ایسی اسکیم سے استفادہ ہوسکتا ہے؟

جس قرض پر انٹرسٹ عائد ہوتا ہے، وہ سودی قرض ہے اور قرض کے معاہدے کے اندر سود کی شرط پائی گئی، اب چاہے مقروض خود وہ انٹرسٹ کی رقم ادا کرے یا حکومت اس کی طرف سے ادا کرے، اور چاہے انٹرسٹ کا کچھ حصہ ادا کرے یا زیادہ ادا کرے؛ کیونکہ اس کی اہمیت نہیں ہے کہ کون ادا کرتا ہے، بلکہ اہمیت اس کی ہے کہ صلب عقد کے اندر شرط پائی گئی، لہذا ایسی امدادی اور قرض کی اسکیم سے استفادہ جائز نہیں ہوسکتا۔ ‘‘كل قرض جر نفعا حرام أي إذا كان مشروطاً’’ [شامی کراچی ١٦٦،٥، زکریا ٣٩٥،٧] (٢)‘‘كل قرض جر نفعاً حرام’’ [الأشباه والنظائر الفن الثاني ٦٦٥مطبوعہ بیروت] (٣) ‘‘فقد أجمعوا على فضل المجموع في القرض’’ [اعلاء السنن ٥١٩،١٤ ادارة القرآن کراچی] (٤) ‘‘عن جابر بن عبد الله قال:لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال:هم سواء ’’ [صحيح مسلم الرقم ١٥٩٨، مشكوة كتاب البيوع باب الربا ٢٤٤ نعیمیہ دیوبند]۔

سوال (١٢)بعض اسکیمیں بھی ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے، اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے، تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

حکومت کا محفوظ فنڈ قائم کرنا، ایک رفاہی فنڈ ہے، اور رفاہی ادارہ یا فنڈ اگر صرف حفاظت کے لیے مجبوراً بینک میں جمع کرے تو جائز ہے، البتہ اس کو ذاتی مصرف میں نہیں استعمال کیا جاسکتا۔

مگر فکس ڈپوزٹ کھاتے میں جمع کرنا بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کھاتے میں جمع کرنے کا مقصد سود حاصل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ‘‘عن جابر بن عبد الله قال:لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال:هم سواء’’۔ [صحيح مسلم الرقم ١٥٩٨، مشكوة كتاب البيوع باب الربا ٢٤٤ نعیمیہ دیوبند]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کے کھانے والے، کھلانے والے، اس معاملہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت ہے اور گناہ میں یہ سب برابر کے شریک ہیں۔

شریعت میں سودی معاملہ حرام ہے، خواہ بینک سے حاصل ہونے والا انٹرسٹ ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو، سود کی حرمت کی صراحت قرآن وحدیث میں بکثرت وارد ہوئی ہے اور سود خور کی بڑی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔

(١){الذين يأكلون الربا لايقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطن من المس ذلک بأنهم قالوا إنما البيع مثل الربا} [البقرة: ٢٧٥]۔

(٢){وأحل الله البيع وحرم الربا} [البقرة: ٢٧٥]۔
(٣){يمحق الله الربا ويربي الصدقات} [البقرة: ٢٧٦]۔
(٤){يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا، إن كنتم مؤمنين} [البقرة: ٢٧٨]۔
(٥)يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربا أضعافاً مضاعفة} [آل عمران: ١٣٠]۔
اور یہ زمانہ جاہلیت کے ربوا سے بالکل مشابہ ہے۔
''أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية وذلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل فهذا هو الربوا الذي كانوا فى الجاهلية يتعاملون به'' [تفسير كبير للامام الرازي :٧٥،٤ مكتبہ دار الباز]۔
فکس ڈپوزٹ کی سودی رقم کو کسی طرح بھی لینا مسلمان کے لیے قطعاً حرام ہے، اس لیے کہ یہ سودی رقم ہے اور حکومت کے امدادی فنڈ نے اس کو لوگوں کو دینے ہی کے لیے حاصل کیا، اور سود لینا قطعاً حرام ہے، لہذا اس سے اجتناب لازم ہے۔
دلیل:فتاویٰ شامی میں ہے:''ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه'' [شامی کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء زکریا ٥٥٣،٩] ۔

حکومت کی فلاحی اور رفاہی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کا حکم

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی•

سوال :١- وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

جواب :١-شرعاً قرض کا حکم یہ ہے کہ جتنا قرض لیا جائے، اتنا ہی ادا بھی کیا جائے (١)، لیکن اگر صاحبِ قرض اس میں سے کچھ حصہ مقروض سے ساقط ومعاف کردے، تو یہ جائز ہے(٢)، چنانچہ اگر حکومت کی طرف سے دیئے گئے قرضوں میں سے بطورِ امداد واعانت کے کچھ حصہ معاف کردیا جائے(٣)، تواس طرح کے قرضوں کا لینا جائز ہے۔

سوال :٢-معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے؟ جب کہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

جواب :٢- یہ صورت بھی جائز ہے (٤)۔

سوال :٣-اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے، تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

جواب :٣-قرض جتنا لیا اُتنا ہی واپس کرنا چاہیے (٥)، یہاں چونکہ کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑ رہی ہے، جو ربوا کی صورت ہے، اس لیے جائز نہیں ہے (٦)۔

سوال :٤-غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو، جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو، یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو، تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرے میں آئے گا؟ یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی؟

جواب :٤- انتظامی خرچ (سروس چارج)شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی۔یہ سود کے دائرے میں نہیں آئے گا (٧)۔

سوال :٥-[الف]اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی

• دار الافتاء جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر۔

زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو، کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

[ب] واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لیے بھی ہوتے ہیں، تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جاسکتا ہے؟

جواب :۵- [الف] یہ سود کے دائرے میں آتا ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے (۸)۔

[ب] اس میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی چاہے وہ قرض کسی بھی ضرورت سے لیا گیاہو، اگر اس پر سود ادا کرنا پڑے، تو وہ ربوامیں شامل ہے جو کہ حرام ہے (۹)۔

سوال :۶- ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل اِمداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے، مثلاً مکان بنانے، بیت الخلا کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لیے، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی، اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اِعانت ہوتی ہے۔

جواب :۶- گورنمنٹ کی طرف سے اس طرح کی رقوم (جن کو مع سود کے واپس کرنا نہیں پڑتا)لینا جائز ہے (۱۰)۔

سوال :۷- گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم- جس قوم کی بھی ہوں- ان کے حصول کے لیے کافی جد وجہد کرنی ہوتی ہے، اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والوں کے لیے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب :۷- شرعاً یہ دلالی اور سمسرہ ہے، اور حاجاتِ ناس کی بنا پر دلالی وسمسرہ کی اُجرت جائز ہے (۱۱)۔

سوال :۸- بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یادینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب :۸- یہ درست نہیں ہے (۱۲)۔

سوال :۹- اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لیے اگر رشوت دینی پڑے، تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔

جواب :۹- مجبوری میں رشوت دی جاسکتی ہے (۱۳)۔

سوال :۱۰- امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لیے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلے میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقے پر امداد یا قرض سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب :۱۰- کذب وخیانت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے (۱۴)۔

سوال :١١- بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لیے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے، اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے، وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے، یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے، اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب :١١- اگر پورا سود حکومت ادا کرتی ہے، تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں (١٥)۔

سوال :١٢- بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے، اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں او رافراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے، اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے، تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

جواب :١٢- اگر استفادہ کرنے والے حضرات واقعی مستحق ومحتاج ہیں، تو ان کے لیے اس طرح کی رقم لینا جائز ہونا چاہیے (١٦)۔

الحجة على ما قلنا :

(١) ‘‘ما في ‘‘رد المحتار’’:إن الديون تقضى بأمثالها على معنى أن المقبوض مضمون على القابض ؛ لأن قبضه بنفسه على وجه التملك ، ولرب الدين على المديون مثله ’’ (٥/٦٧٥)۔

‘‘ما في ‘‘ بحوث في قضايا فقهية معاصرة ’’:القرض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها ..... والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة، ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية ، دون المثلية في القيمة والمالية ’’ (ص/١٧٤)۔

‘‘ما في ‘‘الفتاوى الهندية’’:والقرض هو أن يقرض الدراهم والدنانير أو شيئًا مثليًا يأخذ مثله في ثاني الحال ’’ (٥/٣٦٦)۔

(٢) ‘‘ما في ‘‘ درر الحكام شرح مجلة الأحكام ’’ : يسقط حق المبرأ منه (١) إذا كان قابلا للإسقاط ـ (٢) إذا وقع الإبراء مشروعًا ـ (٣) إذا لم يكن لفظ الإبراء مقيدًا بقيد يفيد الشك ـ (٤) إذا كان الإبراء غير معلق بشرط ’’ (٤/٨٠ ، أحكام الإبراء)۔

(٣) ‘‘ما في ‘‘ تنوير الأبصار وشرحه’’ : الهبة : هي شرعًا تمليك العين مجانًا أي بلا عوض، وسببها إرادة الخير للواهب، وينوى كعوض ومحبة وحسن ثناء ’’ (٨/٤٢٣، كتاب الهبة، الدر المنتقى شرح الملتقى : ٣/٤٨٩، كتاب الهبة، البحر الرائق :٧/٤٨٣)۔

‘‘ما في ‘‘ الاختيار لتعليل المختار’’ :الهبة:وهي العطية الخالية عن تقدم الاستحقاق ، وهي أمر مندوب وضيع محمود محبوب وقبولها سنة فإنه قبل هدية العبد’’ (٢/٥٣٣، كتاب الهبة)۔

‘‘ما في ‘‘ فتح باب العناية ’’ :هي تمليك عين بلا عوض ومعناها إيصال ما ينفع مالا كان

أو غيره " (٢/٤٠٩ ، كتاب الهبة).

(٤) ''ما في '' درر الحكام شرح مجلة الأحكام '':لو قال الدائن لمدينه :أعطني غدًا نصف الألف درهم المطلوبة منك على أن تكون بريئًا من النصف الآخر فأعطى المدين في الغد النصف للدائن يبرأ من النصف الآخر " (٤/٦٩ ، ٧٠ ، المسائل المتعلقة بأحكام الإبراء).

''وفيه أيضًا: إذا قال أحد : ------ أبرأت فلانا من حقي ، أو جعلت حقي من فلان حلالا له، أو وهبت حقي من فلان له ، أو تركت دعواي مع فلان ---- أو تركت مطلوبي من فلان فيكون قد أبرأه ------- ويدخل في هذا الإبراء الأمانات والمضمونات التي بي من الحقوق المالية'' (٤/٦٧، الفصل الثاني - في المسائل المتعلقة بأحكام الإبراء) .

''فيه أيضًا :أما إذا لم يؤد المدين النصف غدًا فلا يبرأ المدين من النصف وللدائن مطالبته بالكل " (٤/٧٠).

(٥) ''ما في '' رد المحتار " : إن الديون تقضى بأمثالها على معنى أن المقبوض مضمون على القابض ؛ لأن قبضه بنفسه على وجه التملك ، ولرب الدين على المديون مثله" (٥/٦٧٥).

''ما في '' بحوث فقهية قضايا معاصرة '':القرض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها ------ والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة، ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية دون المثلية في القيمة والمالية " (ص/١٧٤).

(٦) ''ما في '' القرآن الكريم " : {أحل اللّٰه البيع وحرم الربوا} " (سورة البقرة :٢٧٥).

''ما في'' صحيح مسلم " : عن جابر قال : '' لعن رسول اللّٰه ﷺ اٰكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه ، وقال : هم سواء''(٢/٢٧، كتاب المساقات والمزارعة، باب لعن آكل الربا وموكله).

''ما في '' صحيح البخاري " : عن عون بن أبي جحيفة قال : رأيتُ أبي اشترى عبدًا حجامًا فأمر بمحاجمه فكُسرتْ فسألته ، فقال : '' نهي النبي ﷺ عن ثمن الكلب وثمن الدم ونهى عن الواشمة والموشومة ، وآكل الربا وموكله، ولعن المصور " (١/٢٨٠ ، كتاب البيوع ، باب موكل الربا ، رقم :٢٠٨٦ ، سنن ابن ماجه :ص/١٦٥، باب التغليظ في الربوا ، ط : قديمي).

''ما في '' سنن ابن ماجة " :عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: '' الربوا سبعون حوباً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه''(ص/١٦٤ ، باب التغليظ في الربوا).

''ما في '' التنوير وشرحه مع الشامية " : قال صاحب التنوير التمرتاشي : ''الربا شرعًا فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة'' (تنوير الأبصار) (٧/٣٩٨ - ٤٠١) (فتاوىٰ محموديه :١٦/٣٠٢،٣٠٤،٣٠٧، بينک سے سودى قرض لينا، ط: كراچى).

(٧) ''ما في '' المبسوط للسرخسي" : ''اعلم أن الإجارة عقد على المنفعة بعوض هو مال ـ اهـ" (١٥/٨٦ ، كتاب الاجارات ، ط : بيروت).

(٨) ‘‘ما في ’’ التنوير وشرحہ مع الشامیۃ ’’:قال صاحب التنوير التمرتاشي : الربا شرعًا فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضۃ’’ (تنوير الأبصار) ۔ (٧/٣٩٨ - ٤٠١) (فتاویٰ محمودیہ:١٦/٣٠٢، ٣٠٤،٣٠٧،٣٠٨، بینک سے سودی قرض لینا،ط: کراچی)۔

(٩) (التنوير وشرحہ مع الشامیۃ :٧/٣٩٨ - ٤٠١) (فتاویٰ محمودیہ: ١٦/٣٠٢،٣٠٤،٣٠٧، بینک سے سودی قرض لینا،ط: کراچی)۔

(١٠) ‘‘ما في ’’ الاختيار لتعليل المختار ’’ :الہبۃ: وہي العطيۃ الخالیۃ عن تقدم الاستحقاق، وہي أمر مندوب وضيع محمود محبوب وقبولہا سنۃ فإنہ قبل ہدیۃ العبد’’ (٢/٥٣٣، کتاب الہبۃ)۔

‘‘ما في ’’ فتح باب العنايۃ ’’:ہي تمليک عين بلا عوض ومعناہا إيصال ما ينفع مالا كان أو غيرہ’’ (٢/٤٠٩ ، کتاب الہبۃ)۔

(١١) ‘‘ما في ’’ صحيح البخاري ’’:باب أجرة السمسرة - ولم ير ابن سيرين وعطاء وابراہيم والحسن بأجر السمسار بأساً ، وقال ابن عباس :لا بأس أن يقول : بع ہذا الثوب فما زاد على كذا وكذا فہو لک ، وقال ابن سيرين : إذا قال : بعہ بكذا وكذا فما كان من ربح فہو لک أو بيني وبينک فلا بأس بہ’’ (١/٣٠٣ ، کتاب الإجارۃ ، باب أجر السمسار)۔

‘‘ما فی’’ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری’’ : قال ابن عباس : لا بأس أن يقول : بع ہذا الثوب فما زاد على كذا وكذا فہو لک ، علقہ البخاري ، ووصلہ ابن أبي شيبۃ عن ہشيم عن عمرو بن دينار عن ابن عباس نحوہ وہذا سند صحيح’’ (١١/٤٠٣)

‘‘ما فی ’’ اعلاء السنن’’ : وشرط جوازہا عند الجمہور أن تكون الأجرة معلومۃ ، قلت: والحاصل أن أجرة السمسار ضربان: إجارۃ وجعالۃ، فالأول يكون مدۃ معلومۃ يجتہد فيہا للبيع ، وہذا جائز بلا خلاف، فإن باع قبل ذلک أخذ بحسابہ، وإن انقضى الأجل أخذ كامل الأجرۃ’’(١٦/ ٢٤٤، ٢٤٥)۔

‘‘ما في ’’ خلاصۃ الفتاوى ’’ : وفي الأصل : أجرة السمسار والمنادي والحمامي والصكاک ، وما لا تقدير فيہ للوقت، ولا مقدار لما يستحق بالعقد ، لكن للناس فيہ حاجۃ جاز ، وإن كان في الأصل فاسدًا’’(٣/١١٦ ، کتاب الإجارات ، جنس آخر في المتفرقات)۔

‘‘ما في ’’ رد المحتار ’’ : قال في ’’ التاتر خانيۃ ’’ : وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليہ أن في كل عشرۃ دنانير كذا فذاک حرام عليہم ۔ وفي ’’ الحاوى ’’ : سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار ، فقال : أرجو أنہ لا بأس بہ وإن كان في الأصل فاسداً لكثرۃ التعامل ، وكثير من ہذا غير جائز فيجوزوہ لحاجۃ الناس إليہ كدخول الحمام ’’(٩/٧٥ ، کتاب الإجارۃ ، مطلب فی أجرۃ الدلال ، المبسوط للسرخسي : ٥/١٢٨، باب السمسار)۔

‘‘ما في ’’ الفتاوى البزازيۃ على ہامش الہندیۃ ’’ : إجارۃ السمسار والمنادي والحمامي

والصكاک وما لا يقدر فيہ الوقت ولا مقدار العمل لما كان للناس بہ حاجۃ جاز ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل" (٥/٤٠ ، نوع فی المتفرقات)۔

''ما فی ''رد المحتار علی الدر المختار '':قال في البزازية:إجارة السمسار والمنادي والحمامي والصكاک وما لا يقدر فيہ الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس بہ حاجۃ ، ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل" (٩/٦٤، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ، كذا في خلاصۃ الفتاوى : ٣/١١٦ ، وكذا فی الفتاوى الہندیۃ : ٤/٤٥٠) (فتاویٰ محمودیہ:١٦/٦١٧، ٦١٨،باب أجرة الدلال والسمسار، ط: كراچی)۔

(١٢) ''ما في '' سنن الدار قطني'':عن أبي سعيدٍ الخدري قال : '' نہی عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان " (٣/٤٢ ، رقم :٢٩٦٦ ، السنن الكبرىٰ للبيہقي :٥/٥٥٦ ، رقم :١٠٨٥٤، نصب الراية للزيلعي : ٤/٣٣٤)

''ما في '' الدر المختار مع الشامية " : ولو دفع غزلا لآخر لينسجہ لہ بنصفہ ، أي بنصف الغزل أو استأجر بغلا ليحمل طعامہ ببعضہ ، أو ثورًا ليطحن برہ ببعض دقيقہ فسدت في الكل ، لأنہ استأجرہ بجزء من عملہ ، والحاصل في ذلک نہيہ ﷺ عن قفيز الطحان" ۔ (در مختار) (٩/٧٨ ، ٧٩ ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، مجمع الأنہر شرح ملتقى الأبحر: ٣/٥٣٩ ، كتاب الإجارة ، تبيين الحقائق:٦/١٢٧ ، ١٢٨ ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، الفتاویٰ الہندیۃ :٤/٤٤٤ ، كتاب الإجارة ، الفصل الثالث في قفيز الطحان)

(١٣) ''ما في '' بذل المجہود " : فأما إذا أعطى ليتوصل بہ إلى الحق أو يدفع عن نفسہ ظلمًا ، فإنہ غير داخل فی ہذا الوعيد ''۔ (١١/٣٠٦ ، كتاب القضاء ، باب في كراہيۃ الرشوة ، رقم :٣٥٨٠)

''ما في '' رد المحتار " : ثم الرشوة أربعۃ أقسام : ------ الثالث : أخذ المال ليسوي أمرہ عند السلطان دفعًا للضرر أو جلبًا للنفع ، وہو حرام على الآخذ فقط -------- الرابع : ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليہ على نفسہ أو مالہ ، حلال للدافع حرام على الآ خذ" (٨/٣٤ ، ٣٥ ، كتاب القضاء ، مطلب في الكلام على الرشوة والہدية ، ط : بيروت)

(١٤) ''ما في '' صحيح مسلم " : عن أبي ہريرة رضي اللّٰہ تعالى عنہ ، أن رسول اللّٰہ ﷺ قال : ''من حمل علينا السلاح فليس منا ، ومن غشنا فليس منا " (٢/١٧٧، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ : من غشنا فليس منا)

''ما في '' جامع الترمذي " : عن أبي ہريرة رضي اللّٰہ تعالى عنہ ، أن رسول اللّٰہ ﷺ ----- قال : ''من غشّ فليس منا " ۔ قال أبو عيسى: والعمل على ہذا عند أہل العلم كرہوا الغشّ، وقالوا : الغش حرام" ۔ (١/٢٤٥)

''ما في ''الموسوعۃ الفقہيۃ'':اتفق العلماء على أن الغشّ حرام ، سواء أكان بكتمان العيب

فى المعقود عليہ أو الثمن ، أم بالكذب والخديعة، وسواء أكان في المعاملات أم في غيرہا من المشورة والنصيحة''۔ (٣١/٢١٩)

ما في ''رياض الصالحين'' : عن ابن مسعود رضي اللّٰہ عنہ ، عن النبي ﷺ قال : '' إن الصدق يہدي إلى البرّ ، وإن البرّ يہدي إلى الجنة ، وإن الرجل ليصدُق حتى يُكتب عند اللّٰہ صدّيقًا ، وإن الكذب يہدي إلى الفجور ، وإن الفجور يہدي إلى النار ، وإن الرجل ليكذِب حتى يُكتب عند اللّٰہ كذّابًا '' ۔ متفق عليہ ۔ (ص/٤٦ ، رقم :٥٤ ، باب الصدق ، ط : مكتبة الإحسان ديوبند)(١٥) (التنوير وشرحہ مع الشامية :٧/٣٩٨ - ٤٠١)

(١٦) ''ما في '' رد المحتار '': والحاصل أنہ إن علم أرباب الأموال وجب ردّہ عليہم ، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحلّ لہ ، ويتصدق بہ بينة صاحبہ'' ۔ (٧/٣٠١ ، كتاب البيوع ، مطلب فيمن ورث مالا حراما ، الموسوعة الفقہية : ٣٩/٤٠٧ ، الكسب الناشي عن الميسر ، الفتاوى الہندية : ٥/٣٤٩ ، كتاب الكراہية ، الباب الخامس عشر في الكسب)

''ما في '' بذل المجہود '' : صرح الفقہاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق ، فأما إذا كان عند رجل مال خبيث ، فأما إن ملكہ بعقد فاسد أو حصل لہ بغير عقد ولا يمكنہ أن يرده إلى مالكہ، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسہ ، فليس لہ حيلة إلا أن يدفعہ إلى الفقراء'' ۔ (١/٣٥٩ ، كتاب الطہارة)

سرکاری اسکیموں کے حصول میں واسطہ بننے والے کی اجرت

مفتی عبد التواب اناوی•

وہ قرضے جن کا کچھ حصہ واپسی کے وقت معاف کردیاجائے:

(۱) حکومت یا کسی مالیاتی ادارہ سے حاصل شدہ وہ قرضے جن کی واپسی میں کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس ہوتی ہے تو اس کےحکم میں شبہ ربوا کی وجہ سے کچھ تفصیل ہوگی:

الف: یہ معافی اور چھوٹ عام ہےمحکمہ اوراسکیم سےفائدہ اٹھانے والے ہر فرد کے ساتھ یکساں اصول ہے کوئی فرق نہیں تو یہ صورت سب کے لئے جائز اور درست ہوگی اور یہ کل قرض جر نفعاً فہو حرام کے تحت داخل نہ ہوگی۔

ب: یہ معافی خاص درجہ کے افراد کے لئے ہے باقی کے لئے نہیں، یعنی حکومت کے پاس پہنچنےوالی کاغذی کارروائی نیز اسکی جانچ پڑتال کےبعد ایک خاص درجہ کے لوگوں کے لئے حکومت کی طرف سے یہ معافی کا اعلان ہو تو اس خاص درجہ کے تحت آنےوالے لوگوں کے لئے جائز ہوگی بقیہ اس درجہ سے فائق لوگوں کے لے جائز نہ ہوگی، کیونکہ ان کے حق مینیہ قرض سے نفع اٹھانے کی صورت ہوگی جو جائز نہیں۔

ج:انسانی احوال کی بعض صورتوں میں حکومت کے یہانقرض کو معاف کرنے یا کچھ کم وصولنے کا ضابطہ تو ہو، مگر اعلان نہ ہو، پھر سفارشات کے ذریعہ ان مخفی ضابطونپر عمل کراکر قرض کی واپسی میں معافی یا کمی کرانا دو حکم رکھتا ہے، پہلا کل کی ادائیگی کی واقعۃً وسعت نہینہے تو معافی یا کمی کرانا جائز ہوگا اور قرض سے نفع اٹھانے کا حکم عائد نہیں ہوگا، دوسرا اگر کل قرض کی ادائیگی کی وسعت ہے، لیکن غیراعلان شدہ ضابطہ معلوم ہونے کی وجہ سے قرض کی واپسی میں معافی یا کمی چاہتاہےتو پھریہ ‘‘کل قر ض جر نفعاً ربوا’’ کے حکم میںداخل ہوکر ناجائز ہوجائے گا اور معافی اور کمی شرعاً معافی نہیں، بلکہ سود خوری کے زمرے میں داخل ہوکر ناجائز ہوگی، کیونکہ استقراض بالربح مقیدہے محتاج کے ساتھ اور یہاں فوت ہے۔

(۲) مقررہ تاریخ کےاندرقرض کی واپسی پر چھوٹ یہ معافی کا اعلان عام ہے اور جب کسی معافی یا چھوٹ کا اعلان عام ہوتا ہے تو اس اسکیم سےنفع اٹھانا ہر کسی کے لئے جائز اور درست ہوتا ہے، اس لئے اس صورت میں وقت مقررہ کے اندر جو لوگ لیے

• جامعہ اسلامیہ بانگر، ضلع اناؤ۔

ہوئے قرض سے کم واپس کررہے ہیں یہی وہ سود نہینکہلائے گا، بلکہ اسے حکومتی اعانت سے تعبیرکیا جائے گااور کل قرض جرنفعاً فہو ربوا کے تحت داخل نہ ہوگا، رہی وہ صورت جس میں کل رقم واپس ہورہی ہے، یعنی اعلان معافی کی مدت گذرنے کے بعد جولوگ اپنے قرض کی رقم واپس کررہے ہیناور حکومت ان سے قرض سے زیادہ واپس نہیں لے رہی، تو اس میں کوئی نادرست ہونے کی وجہ سےنہیں، کیونکہ قرض مثل کا مثل واپس ہورہا ہے، نہ یہ ربوا ہی ہوسکتا ہے اور نہ شبہ ربوا، البتہ اگرکوئی شخصی سفارشات کے ذریعہ وقت معین کے بعد کم واپس کرتا ہے یا حکومت دی ہوئی رقم سے زائد واپس لیتی ہے تو یہ زیادتی اوروہ کمی دونوں ''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا'' کے حکم میں داخل ہوکر ناجائزہونگی۔

(۳) وقت معین کے بعد قرض کی واپسی زائد رقم کےساتھ ہوا س کی دوصورتیں ہیں:

۱۔حکومت کے اعلان معافی میں یہ ضابطہ بھی شامل ہو کہ وقت معین نکلنے کے بعد قرض کی واپسی زائدرقم کے ساتھ ہوگی اوراس کی شرح بھی متعین ہو تویہ صورت تعزیر بأخذ المال کے ضابطے سےناجائز ہوگی،البتہ اگر واقعۃً کوئی شخص مجبورا وقت پر ادا نہ کر سکا تواسکےحق میں گنجائش ہوگی، کیونکہ قرض لینے کے وقت میں وقت معینہ گذارکردینے کی نیت کسی کی نہینہوتی بر بناء حالات اور مجبوری ایسی صورتیں پیش آتی ہیں اس لئے گنجائش کا پہلوہوگا۔

۲۔ حکومت وقت معینہ پر قرض کی واپسی نہ ہونے پر اصل رقم پرزیادتی کےساتھ واپسی کا اعلان توکرتی ہے، مگرزیادتی کی شرح متعین نہیں کرتی عین واپسی کے وقت پتہ چلتا ہےکہ کتنا زیادہ واپس کرناہے،اگر یہ واپسی اصل رقم پر معمولی ہے تو اسےاخراجاتی فیس، یعنی سروس ٹیکس چارج پر محمول کرکے معاملے کو جائز قراردیاجائے گا ورنہ تعزیر بأخذ المال کےضابطہ سےناجائز اوربڑھی ہوئی رقم کو سودکا حکم دے کر حرام قراردیا جائےگا، الا یہ کہ دینےوالا کسی آفت ناگہانی میں پھنس کر وقت معینہ پر ادا نہ کرسکا ہوتو اس کے حق میں الضرریزال کے تحت گنجائش کاپہلوروا رکھا جائے گا۔

(۴)قرض، خواہ معافی والا ہو یاغیر معافی والا اگردی ہوئی رقم سے زائدکا مطالبہ ہے تو وہ بظاہرتو سودہی ہے، لیکن اگر یہ مطالبہ بہت زیادہ مقدار میں نہیں ہے، بلکہ برائے نام ہے ، انتظامی امور کے اخراجات کے بقدر ہے یااس سے بھی کم ہے یا ا س سے کچھ زائد محسوس ہوتی ہے تو ان تینوں صورتوں مینقرض پر اس زیادتی کو اخراجات فیس پر محمول کیاجانا چاہئے، کیونکہ حکومت یا مالیاتی ادارہ جولوگوں کو قرض فراہم کرتےہیں ان کو افراد رکھ کر ان کی تنخواہوں کا انتظام کرنا ہوتا ہے، دفتری اخراجات بھی کم نہیں ہوتے تو ان اخراجات کواگر قرض حاصل کرنے کرنے والوں کے سر ڈال کر

قرض سے ہٹ کر وصول کیا جائے تو یہ قرض پرزیادتی شمار نہیں ہوگی، بلکہ اسے سروس چارج ٹیکس پر محمول کیا جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''آج کل حکومت نے اقتصادی ترقیات کے لئے جو مختلف محکمے کھول رکھے ہیں ان میں عموماً حکومت کامقصد سودی کاروبار کرنایا زراندوزی کرنا نہیں ہوتا، بلکہ محض عوام کا اقتصادی ومعاشی سدھار اورعوامی بے روزگاری اور پریشان حالی دور کرنے میں سعی کے درجہ کی چیز ہے، جیسے پروجیکٹ وغیرہ کے محکمے، اور اسی وجہ سے جب کوئی شخص محکمہ سے قرض طلب کرتاہے جب بسااوقات محکمہ نقدقرض نہیں دیتا، بلکہ اس کے کاروبار اور روزگار کی تحقیق وتفتیش کے بعد اس کےمناسب حال مشینیں ودیگرسامان وغیرہ بہت سستے داموں پر چھوٹی قسطوں پر ادھار دیتاہے اور نقد بہت تھوڑی مقدارکام چلانے کے لئے دیتاہے پھر اس شخص کے کاروبار کی نگرانی بھی خود محکمہ کرتا ہے پھر اس کو رہنمائی اور مفید مشورے بھی کاروبارکے سلسلہ میں دیتا رہتاہے پھرا ن کاموں کے لئے اور اپنیدی ہوئی رقم ٹھکانے لگانےلگتی ہے کہ نہیں اس کاانتظام درست رکھنے کے لئے بہت سے ملازمین کلرک، انسپکٹر وغیرہ بھی رکھنے پڑتےہیں، دفاتر بھی قائم کرنےپڑتے ہیں پھر ان اخراجات کو پورا کرنے اوردرست رکھنے کے لئے دیئے ہوئے ادھار سامان کی قسطوں کے ساتھ کچھ رقم سود کےنام سے وصول کرتی ہے، پس اس زائدرقم کو سود کا نام دینا شرعاً ضروری نہ ہوگا، بلکہ انتظامی اخراجات کی فیس بھی قرار دیاجاسکتا ہے، چونکہ محکمہ مسلم نہیں ہے، اس لئے وہ شرعی اصطلاحی الفاظ بولنے کا نہ تو پابند ہے اور نہ وہ اس کا پابند کیا جاسکتا ہے '' (منتخبات نظام الفتاوی ۳،۱۳۹، ۱۴۰، ایفا)۔

چونکہ سود کا لین دین شریعت اسلامیہ میں بہرصورت حرام اور ناجائز ہے اور صورت مسئولہ میں اگرچہ بظاہر قرض پر بڑھی ہوئی رقم کی واپسی سروس چارج پر محمول کرنے کی گنجائش ہے، لیکن پھر بھی شبہ ربوا ہونےکی شکل موجود ہونے کی وجہ سے اجازت عامہ نہ ہونی چاہئے، بلکہ روزگار اور پریشان حال مسلم افراد کے لئے ہی ایسے قرضوں سے استفادہ کی اجازت ہو اور دیگر متمول حضرات کےلئے ایسے قرضوں سے فائدہ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہ ہونی چاہئے۔

حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

''جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں، اور معاشی اعتبا رسے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے ان کے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے جو زائد رقم سودکے نام سے لی جاتی ہے اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جاسکتا ہے، اور نہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی، او رمجبوری

کی حالت میں اس کی گنجائش ہے " (کتاب الفتاوی ۳۷۸،۵ دیوبند)۔

(۵) غیر معمولی شرح سود پر حکومت سے یا کسی بھی مالیاتی ادارے سے قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ قرضے مکان کی تعمیر کے لئے لیےجائیں یا کاروبار اور تجارت کے لئے، سود کا لینا اور دینا دونوں شریعت میں حرام ہیں الا یہ کہ کوئی مجبور محض ہو، کسی بھی طرح اس کی زندگی کی گاڑی نہ چل رہی ہو اور بہرصورت وہ مجبور ہو سودی قرض کے لینے پر تو اسے ''الاستقراض بالربح یجوز للمحتاج'' کے ضابطے سے اجازت ہوسکتی ہے ہر عام وخاص کےلئے نہیں، خواہ یہ سہولیات حکومت دے رہی ہو یا پرائیوٹ مالیاتی ادارے، سود کی شرط کے ساتھ کسی سے بھی قرض لینا جائز نہیں ہے۔

عام مسلمانوں کو چاہئے کہ چھوٹی آمدنی پر قناعت کریں اور محنت کریں اخراجات کو کم کرکے تجارتوں اور دیگر معاشیاتی نظام کو فروغ دیں اللہ رب العزت اس کم میں وہ برکت عطا فرمائینگے کہ ہماری ضروریات کے لئے کافی ہوجائے گا، سود لینا تو بہت دور کی بات ہے سود دینے کی طرف بھی کسی حال میں نظر نہ کریں، ورنہ جتنی وسعت کی طرف نظر کی جائے گی حرام قریب ہوتا چلا جائے گا، اور پھر آہستہ آہستہ حرام کو حلال کرنے کی طرف بہت جلدنگاہیں اٹھنے لگینگی، اور پھر امت کو حرام خوری سے کسی بھی طرح سے بچانا امر مشکل ہی نہیں امر محال نظر آئے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان امور میں وسعت اور لچک کو تلاش نہ کریں، بلکہ جو ''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا'' کا حکم ہے اسے اپنے حال پر باقی رہنے دینا چاہئے۔

(۶) انسان دنیا کے جس ملک میں زندگی بسر کرتا ہے اسے اپنا وطن گردانتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اس کے جائز اصولوں پر عمل کرتا ہے، اپنی حیثیت کے مطابق اخراجات ادا کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ملک پر بھی اصولی طور پر یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عوام کی صورت حال پر نظر رکھے ان کی ضروریات کا مالی امداد کرے ان کی ذاتی ضروریات پر بھی نظر رکھے، بے گھروں کو گھر دے بے سہاروں کا سہارا بنے، پورے ملک میں خوشحالی لانے کی پیہم کوشش کرے۔

جس طرح ملک میں دیگر اقوام کی رہائش ہے مسلمانوں کی بھی ہے، او رجس طرح دیگر قومیں سرکاری معاونت کی مستحق ہیں مسلمان بھی مستحق ہیں، اس لئے ہرضرورت مند مسلمان کے لئے سرکاری تعاون سے استفادہ کرنا بہر صورت درست ہے، خواہ وہ تعمیر مکان کی شکل میں، تعمیر بیت الخلاء کی شکل میں ہو، اسکالرشپ کی شکل میں ہو، تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری برداشت کرنے کی شکل میں ہو، اناج اور غلہ تقسیم کرنے کی شکل میں ہو، تعلیمی ضروریات کی اشیاء کی تقسیم کی شکل میں ، بچیوں کی شادیوں میں امداد، حادثاتی اموات کے بعد کی امداد، ملازمت تمام ہونے کے بعد پنشن، فوت شدہ

شوہر کی اہلیہ کوونشرہ، دیگر عناوین کے تحت پنشن، تعلیمی اداروں کو برائے تعلیم دی جانے والی امداد، تعلیم میں اچھا نتیجہ حاصل کرنے والوں کو انعام وغیرہ کی شکل میں ہو سب درست اور جائز ہیں یہ حکومت کی طرف سے اپنی ضرورت مند رعایا کی اعانت ہے جس سے استفادہ ہر ضرورت مند مسلمانوں کےلئے بہرصورت درست اور جائز ہے، مسلمانونکو چاہئے کہ ایسی صورتوں سےفائدہ اٹھائیں اور ان صورتوں اور اسکیموں سے ناواقف ضرورت مند مسلمانونکو واقف کراکر انہیں بھی مستفید کرانے کی جدوجہد کریں۔

(۷) حکومت سے ملنے والی امداد کو از خود حاصل کرنا چاہئے، تاکہ حکومت سے جو کچھ بھی حاصل ہورہا ہے اس سے پورے طور پر فائدہ ہو اور حکومت جس مقصد کے لئے تعاون کررہی ہے وہ مقصد بھی پورا ہو، لیکن اگر ہر کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو، اور صورت حال یہی ہے کہ حکومت کی طرف جاری کردہ امدادی رقوم کا حصول ہر فرد مستحق کے لئے از خود ممکن نہیں ہے، بلکہ ایک بڑی تعداد افراد کے لئے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، اور جس سے سہارا لیا جاتا ہے ا س کا وقت بھی خراب ہوتا ہے اور پیسہ بھی، تو اگر مذکورہ شخص مستحقین امداد سےامداد حاصل کرانے کے عوض کچھ اجرت متعین کرتے ہیں اور یہ اجرت دونوں کے درمیان طے بھی ہوجاتی ہے یا معروف بہ ہوتی ہے، جس کا لینا اور دینا دونوں درست ہونا چاہئے، جیسے اجرت سمسار جو بہرصورت درست اور جائز ہے یہاں بھی کوئی قباحت کا پہلو نظر نہیں آتا، اور اسے قفیز طحان کےحوالے سے بھی ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ قفیز طحان میں اجرت عن العمل شرط ہے اور وہ یہاں موجود نہیں ہے، یہ اجرت مثل اجرت دلالہ ہے، اور اجرت دلالہ جائز ہے، لہذا اس محنتانہ کا لینا اور دینا دونوں جائز ہونا چاہئے۔

(۸) امدادی رقوم کے حصول میں وسطہ بننے والے حضرات مستحقین امداد سے جو معاملہ کرتے ہیں خواہ وہ فیصد کے درجہ میں ہو، یا کسی اور طرح، یہ اجرت عمل ہی ہوگی اور بحکم اجرت دلالہ موسوم ہوگی، لیکن اگر واسطہ بننے والے لوگ اکثر رقم پر غریب کو مجبور کرتے ہوئے کریں تو یہ غبن فاحش کے حکم میں ہوکر لینےوالے کے حق میں ناجائز ہوگی، البتہ دینے والا چونکہ مجبور محض ہے، اس لئے اس کے حق میں جواز کی گنجائش ہوگی اور اسےالضرورات تبیح المحظورات پر محمول کرینگے۔

''وفی الشامیۃ:قال:فتجب الدلالۃ علی البائع، أو المشتری أو علیہما بحسب العرف'' (فتاوی شامی ۴،۴۲)۔

مذکورہ عبارت سے مستفادہوتا ہے کہ اجرت دلالہ عرف پر مبنی ہوتی ہے، یعنی دلالی کی اجرت کےحصول کے لئے عرف ضابطہ ہوتا ہے اگر کوئی دلال عرف سے ہٹ کر اجرت دلالی متعین کرتاہے تو اسے غبن فاحش کا درجہ دیا جائے گا اور عرف سے زیادہ رقم کو اس کے حق میں ناجائز قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر امدادی رقوم کو

حاصل کرانے والے عرف سے بڑھ کر اپنی اجرت طے کرتے ہیں تو ان کو اس بڑھی ہوئی رقم کو لینا جائزنہ ہونا چاہئے۔

(۹) شریعت اسلامیہ میں رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں ، حدیث میں ہے: ''الراشی والمرتشی فی النار''، یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم کی آگ میں ڈالے جائینگے۔

فقہاء کرام نے یہ بھی صراحت فرمائی ہےکہ اپنا حق بغیر رشوت دیئے حاصل نہ ہورہا ہو، یا ظلم کا دفعیہ رشوت دیئے بغیر نہ ہورہا ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہوجاتی ہے، ''کما فی الشامیۃ، قال: دفع المال للسلطان الجائر، لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع'' (رد المحتار علی الدر المختار ۶۰۷،۱۰)۔

مذکورہ عبارت سے مفہوم ہوا کہ اپنا حق وصول کرنا جب بغیر رشوت کے نہ ہورہا ہو تو براہ مجبوری رشوت دے کر اپنا حق حاصل کرنا چاہئے، لہذا صورت مسئولہ میں اگر قرض یا امدادی رقوم کے حصول میں مستحقین کو بغیر رشوت دیئے حق موصول ہونے کی کوئی راہ نہ ہو تو ان کو حصول حق کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین ؒ مفتی دا ر العلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''اپنا جائز حق اگر بغیر رشوت دیئے نہ حاصل ہو تورشوت دے کر اپنا حق حاصل کرلینے کی گنجائش رہتی ہے ، البتہ رشوت لینے والا ہر حال میں گنہگار رہے گا '' (منتخبات نظام الفتاوی ۲۰۷،۳ ، ایفا)۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''فقہاء کرام تصریح کرتے ہیں کہ رشوت جس کا لینا دینا مثل سود کے دونوں حرام ہیں، مگر مجبوری کی صورت میں اپنا حق بغیر رشوت کے نہ ملتا ہو تو رشوت دینے میں صرف رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا، دینے والا معذور قرار دے کر انشاء اللہ تعالی گناہ سے محفوظ رہے گا '' (منتخبات نظام الفتاوی ۱۰۳،۳، ۱۰۴)۔

(۱۰) حکومت غریب عوام کی خستہ حالی دور کرنے کے لئے اور ایک بہتر سماج تشکیل دینے کے لئے کبھی قرض کی شکل میں مدد کرتی ہے کبھی نقد روپیہ بہم پہنچاتی ہے او رکبھی دیگر ضروری اشیاء مہیا کراکر غرباء کی مدد کرتی ہے، حکومت کی نظر میں اس طرح کی اسکیموں کا مقصد تو بہرحال غریب پروری ہی ہوتا ہے، لیکن بسااوقات قانون سازی اوراصولوں کی تعیین میں ارباب حکومت سے چوک ہوجاتی ہے جس سے غیر مستحق لوگ بھی امداد کے حقداروں کی فہرست میں شامل ہوجاتے ہیں اور ضابطہ کی کارروائی ہوجانے کے بعد حکومت ان غیر مستحق لوگوں کو بھی وہ رقوم دینے پر مجبور ہوتی ہے، چونکہ حکومت کی جانب سےملنے والی رقم کوئی زکوۃ کی رقم تو ہے نہیں کہ کسی شخص کے ضابطے میں آنے کے بعد محض اس وجہ سے اس کو رقم لینے سے منع

کیا جائے کہ تم صاحب نصاب اور اہل استطاعت ہو تم کو یہ رقم لینا جائز نہیں ہے، چونکہ یہ حکومت کا تبرع ہے اس لئے ضابطہ میں آنے والا ہر شخص مستفید ہوسکتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص حکومت کےبناتے ہوئے ضابطے اور معیار پر صحیح نہیں اترتا مگر کسی دوسری راہ سے وہ ان امدادی رقوم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کی دوصورتیں ہونگی:

١۔ ان اسکیموں کے پیچھے حکومت کی منشا اصلاً غریبوں کی مدد کرنا ہے اور کوئی غریب کسی عارضی وجہ مثلاً مطلوبہ کاغذات نہ ہونے یا تاخیر سے معلوم ہونے کی وجہ سے وقت معینہ تک کاغذات جمع نہ ہوپانے کی وجہ سے بے چارہ ایسی مدد سے محروم ہوجاتا ہے، پھر یہ شخص اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کوئی دوسری راہ اختیار کرتا ہے جس سے وہ حق اسے مل جاتا ہے تو شرعاً اس کا یہ عمل غیر جائز نہ ہوگا اگرچہ ایسا کرنے کی عام اجازت بھی نہ ہوگی۔

٢۔ ایک شخص حکومت کے جاری کردہ ضابطہ سے بھی باہر ہے اور واقعۃً وہ غریب بھی نہیں مگر غلط بیانی اور غلط راہیں اختیار کرکے حکومت سے امدادی رقوم حاصل کرلیتا ہے تو اس کے لئے یہ عمل بہرحال ناجائز ہوگا۔ اور حاصل شدہ رقم کا استعمال بھی اس کے لئے کسی طرح جائز نہ ہوگی، کیونکہ حکومت نے اسے اس شخص کے لئے جاری نہیں کی تھی اس نے دوسروں کا حق غلط بیانی اور غلط طریقے سے حاصل کیا ہے، اور دوسرے کا مال حق چھین کر استعمال کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے، اگرچہ اہل حقوق متعین نہیں ہیں۔

وفی الحدیث: ''لا یحل لامرء مال أخیہ إلا بطیب نفسہ'' (الحدیث)۔

اور قرآن کریم کا اعلان ہے:''یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (سورہ نساء: ٢٩)، یعنی غلط راہوں سے کسی کا مال حاصل کرنا اور پھر اسے استعمال کرنا کسی بھی طرح حلال نہیں۔

(١١) کسی بھی مقصد کے لئے جب حکومت کسی بھی مالیاتی ادارہ سے قرض دلاکر دیگر اخراجات کی ذمہ دار خود ہو، اور قرض کی واپسی زیادتی کے ساتھ نہ ہو تو چونکہ یہ معاملہ ربویہ نہیں ہوگا اس لئے اس طرح کی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے میں کچھ حرج نہیں ہے، نیز دوسری صورت کہ مالیاتی اداروں کے اخراجات کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور قرض کی واپسی کے ساتھ کچھ مزید قرض لینے والے کو بھی ادا کرنا پڑتا ہے، تو اگر قرض پر بڑھی ہوئی رقم کل اتنی مقدار میں ہو کہ اسے سروس چارج پر محمول کیا جاسکتا ہو تو کچھ حرج یہی نہیں ہے، لیکن اگر وہ تھوڑا سا حصہ بھی معمولا سروس چارچیز سے کہیں زیادہ ہے تو یہ اسکیم بھی سودی قرض میں داخل ہوجائے گی اور پھر وہی ضابطہ سامنے ہوگا، ''الاستقراض بالربح یجوز للمحتاج''، غیر ضرورت

مند کے لئے ایسی اسکیموں سے استفادہ کرنا ممنوع ہوگا۔

(۱۲) حکومت کے پاس جو رقوم ہوتی ہیں وہ ہر طرح کی ہوتی ہیں جس میں تجارت بھی ہوتی ہے ٹیکس اور اخراجات بھی ہوتے ہیں، انٹرسٹ بھی ہوتا ہے اور یہ تمام طرح کی آمدنی سرکاری خزانے میں جمع ہوتی ہیں پھر اس خزانے سے سرکاری تمام تر اخراجات پورے کئے جاتے ہیں عوام کی ضرورتوں کے لحاظ سے الگ الگ فنڈ قائم کئے جاتے ہیں اور ان کے واسطے سے عوام کی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے، جن سے استفادہ ہر کسی کے لئے درست قرار دیا جاتا ہے، حکومت کی ہر غیر واپسی امداد کو جائز قرار دیا جاتا ہے، جبکہ وہ بھی ملک کی طرح کی آمدنی کا مشترک حصہ ہوتا ہے کچھ فرق نہیں ہوتا۔ پھر اگر حکومت کچھ رقم مالیاتی اداروں کو دیدے او راس سے حاصل ہونے والے نفع سے ملکی ضرورت مند لوگوں اور رفاہی اداروں کی مدد کرے تو بظاہر اس صورت میں غیر جواز کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا کیونکہ مالیاتی اداروں سے حکومت کا جوبھی معاملہ ہو اس کی ذمہ دار حکومت ہے وہ معاملہ ہمارا نہیں ہے حکومت کا ہے، نیز حکومت چونکہ مسلم نہیں ہے وہ ہر نفع کو انٹرسٹ کا نام دیتی ہے بینک سے اس کا معاملہ مضاربت کا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ اسلامی اصطلاحات سے غیر واقف ہے اور پابند بھی نہیں، محض اس کے کہہ دینے کی وجہ سے کہ یہ امدادی سودی رقم سے ہی ہمیں تسلیم نہیں، ہم اسے حکومت کا محض تعاون سمجھتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے لئے اور تمام رفاہی اداروں کے لئے درست اور حلال ہے اسی طرح تعلیمی اداروں کے لئے بھی۔

سرکاری اسکیموں سے متعلق سوالات کے جوابات

مفتی جمیل احمد نذیری•

١۔ لینا جائز ہے، لعدم المانع۔
٢۔ اس صورت میں قرض لینا جائز ہے۔ لعدم المانع۔
٣۔ ایسا قرض جس میں مقررہ مدت کے بعد زائد رقم دینی پڑےسود اور جائز نہیں۔
۴۔ اس کے انتظامی خرچ میں شمار کرنے کی تاویل کی گنجائش ہے (دیکھئے: نظام الفتاوی ٣،١۶۴، ١۶۵، ١٨٩)۔
۵۔ ضرورت شدیدہ کے تحقق پر لیناجائز ہے۔ ''الاشباہ '' میں ہے: ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (ص: ١۴٩)، ''الضرورات تبیح المحظورات'' (القواعد الفقہیہ،٨٩)۔
۶۔ ایسی رقوم حاصل کرنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔ لعدم المانع۔
٧۔ واسطہ بننے والوں کا محنتانہ، دینا جائز ہے۔
٨۔ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ جو بطور محنتانہ لیتے ہیں، اگر واقعی محنت کے اعتبار سے، ان کی وہ اجرت ہوتی ہو تو بلاشک وشبہ جائز ہے، اور اگر محنتانہ سے زائد مانگ رہے ہوں تو بھی لینا دینا جائز ہے۔ اس کی دلیل جواب نمبر ٩ کے تحت آرہی ہے، وکذا الأخذ الخ۔
٩۔ اس صورت میں رشوت دینا جائز ہے، یہ صورۃً رشوت ہے، شرعاً اور حقیقتاً رشوت نہیں ہے، کیونکہ اپنا حق لینے کےلئے رشوت دینی پڑ رہی ہے، ''مرقاۃ المفاتیح '' میں ہے:''قیل:الرشوۃ ما یعطی لإبطال حق أو لإحقاق باطل، أما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو لیدفع بہ عن نفسہ ظلماً فلا بأس بہ، وکذا الأخذ إذا أخذ یسعی فی إصابۃ صاحب الحق فلا بأس بہ، لکن ہذاینبغی أن یکون فی غیر القضاۃ والولاۃ؛ لأن السعی فی إصابۃ الحق ودفع الظلم عن المظلوم واجب بینہم، فلا یجوز الأخذ علیہ (٧،٢۴٨) تحت حدیث الراشی والمرتشی کلاہما فی النار''۔
١٠۔ غلط بیانی کرکے امداد یا قرض وصول کرنا اور اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ ارشاد نبوی ہے: ''ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفسہ الخ''۔
١١۔ مقروض جو خود ادا نہ کرے، بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرے تب تو عدم جواز کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اور خود دیناپڑے اور وہ بھی معمولی رقم

• مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔

ہو تو سروس چارج میں شمار کئے جانے کی تاویل کی جاسکتی ہے۔ سوال ۴ کے جواب کی طرح۔

۱۲۔ حکومت فرد حقیقی نہیں ہے، فرد اعتباری ہے، اس لئے اسے جو سود کی رقم حاصل ہوگی وہ واجب التصدق نہ ہوگی۔ اگر وہ افراد واشخاص متعین ہوں جن سے سود لیا ہے توانہیں واپس کردینا چاہئے، ورنہ جہاں چاہے،خرچ کرے، لیکن سود، خواہ فرد حقیقی (افراد واشخاص) وصول کرے۔ یا فرد اعتباری (حکومت) عدم جواز دونوں کے لئے ہے۔

سرکاری اسکیم کے تحت فراہم کئے جانے والے سودی قرضے

مفتی عبد الرحیم بھوپال•

حکومت عوام کی معاشی و معاشرتی ضرورتوں کی کفالت، تعلیمی ترقی، صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی اعتبار سے محروم و پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے مختلف اسکیموں کے ذریعہ جو رقوم فراہم کرتی ہے اگر وہ امداد و اعانت کے طور پر ہے تو ان کو لینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ قرضوں کی شکل میں ہوئی رقم کی مختلف صورتیں ہیں جنکے احکام مندرجہ ذیل ہیں :

(١) جو رقمیں اس طرح فراہم کی جاتی ہیں کہ قرضہ کا ایک حصہ معاف کر دیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتی ہے، اس کو لینا جائز ہے، یہ حکومت کی طرف سے یہ امداد یا عطیہ اعانت ہے۔

(٢)جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایہ کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے، اسی لئے حکومت کچھ چھوٹ بھی دیتی ہے (جسے سبسڈی کہا جاتا ہے) اس قسم کے پلان اسکیم سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں، اسلئے اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم چھٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے اگر وہ سود چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سبسڈی) سے ادا ہو جاتی ہو اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کر دی مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ۔(فتاویٰ رحیمیہ٩ٖ ٢٦٥)۔

لون کی واپس کی جانے والی کل مقدار اسکے ملنے والی مقدار کے برابر یا اس سے کم ہے تو اسکا لینا درست ہے (محمود الفتاویٰ٣ٖ٥٩)۔

حکومت کی طرف سے بے روزگاری کو ختم کرنے کے لئے سبسڈی والی لون ملتی ہے یہ لون لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کیلئے جائز ہے، البتہ ایک بات کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ سود میں دیجانے والی رقم معافی کی رقم سے بڑھ نہ جائے (فتاویٰ دینیہ٤ٖ١٦٣)۔

• جامعہ خیر العلوم بھوپال۔

(٣،٤) جزوی معافی والے قرضے یا غیر معافی والے قبضوں میں اصل سے زائد معمولی رقم کا مطالبہ ہو جسکی شرح بہت کم ہو جو اپنی مقدار کے اعتبار سے سروس چارج کہلا سکتا ہو تو یہ ادا کی جانے والی زائد رقم پر سود کی تعریف صادق نہیں آئیگی حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں اس جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے، بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت میں سامان وغیرہ اس پر خرچ ہوتے ہیں یادرکار ہوتے ہیں انکی قیمت میں لی جاتی ہے جن میں انتظام میں سہولت رہتی ہے اور اعانت لینے والوں اور دینے والوں دونوں کا معاملہ صاف رہتا ہے اور یہ محض ایک قومی و مشترکہ نظام کی صورت و نوعیت ہے کوئی سودی کاروبار نہیں، بلکہ قوم کا سرمایہ ہے اور قوم ہی کے کام میں صرف کیا جاتا ہے ۔اسکے منتظمین اور کارکنان قوم کے اجیرو وکیل ہو سکتے ہیں اور غریبوں کی اعانت و پسماندوں کو آگے بڑھانے اور انکے لئے اسباب معاشیت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کھولنے کا انتظام کہا جا سکتا ہے، نیز اس طریقہ کا ر و محکمہ میں نفع و سہولت بھی دونوں جانب کو قریب قریب یکساں حاصل ہوتی ہے۔ سود تو نام ہے اس نفع و زیادتی کا جو محض ایک جانب کو حاصل ہو اور عوض سے خالی ہو، غرض یہ مفہوم سود کہ مفہوم سے جدا کہا جا سکتا ہے اور یہ توجیہہ قریب قریب ایسی ہی ہوگی جو اس رقم میں کی جاتی ہے جسکو حکومت اپنے ملازمین کو ختم ملازمت کے وقت اگر چہ سود کے نام پر دیتی ہے، مگر ہمارے فقہاء محققین اسکو سود نہیں کہتے، بلکہ اسکو انعام کہتے ہیں اور اسکو جائز فرماتے ہیں، نیز یہ توجیہہ ایسی ہوگی جیسی منی آرڈر کی فیس میں کی جاتی ہے فیس کو اجرت کتابت اور اجرت روانگی فارم کہا جاتا ہے جیسا کہ علامہ تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں ایک طویل سلسلہ کلام میں فرماتے ہیں (نظام الفتاویٰ ٢، ٤٣٦)۔

جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کر سکتے انکے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے جو زائد رقم سود کے نام سے لی جاتی ہے انہیں انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جا سکتا ہے (کتاب الفتاویٰ ٥، ٣٧٨)۔

اگر ابتلاء عام یا ضرورت صحیحہ معتبرہ واقع میں متحقق ہے جب تو اس تو جیہہ میں کوئی کلام ہی نہیں اور اگر ایسا نہ ہو جب بھی اگرچہ اس قسم کے نفس معاملہ کو ناجائز کہا جائے اور نفس معاملہ کرنا تو گناہ ہو، مگر مجبوری اور حاجت شدید ہ کے وقت جب کوئی دوسرا ذریعہ معاش ومعیشت سنبھالنے کا اور ضرورت رفع کرنے کا نہ رہے یا متعذر ہو جائے تو اس وقت اس قسم کا معاملہ کرنے کی گنجائش ہوگی (نظام الفتاویٰ ٢، ٤٣٩)۔

٥۔ اگر سرکار کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جانے والی رقم کا اوسط

معمولی نہ ہو کہ جسکو انتظامی خرچ پر محمول کیا جا سکے تو یہ زائد رقم کی ادائیگی سود مانی جائے گی ۔

'' فتاوی رحیمیہ '' میں ہے اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سبسڈی) سے زیادہ دینی پڑے تو پھر یہ معاملہ سود ہی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا (فتاوی رحیمیہ ۹؍۲۶۵)۔

سود میں دی جانے والی رقم معافی کی رقم سے بڑھ نہ جائے اگر زیادہ ہوگا تو سود کہلائے گا(فتاوی دینیہ ۴؍ ۱۳۸)۔

جیسے سود کا لینا حرام ہے اسی طرح شدید مجبوری کے بغیر سود دینا بھی حرام ہے، اس لئے محض کاروبار کو وسعت دینے اور کاروبار کو بڑھانے کے لئے کیلئے سودی قرض لینا جائز نہیں جو شخص بے روزگار ہو اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اسی طرح کسی اور ضرورت کے تحت بہت مجبور شخص کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے ۔(کتاب الفتاوی ۵؍ ۲۶۶)۔

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(الاشباہ ص۴۹)۔

یہ مختلف قرضے مکان کی تعمیر کاشتکاری و باغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے ہو تو یہ دیکھا جائے گا کس درجہ کی ضروریت کے لئے قرض لیا جا رہا ہے مثلا کرایہ کے مکان سے کام چل سکتا ہے تو مکان خریدنے یا بنانے کے لئے سودی قرضے کی اجازت نہیں ہوگی مکان بنانے کے لئے سرکار کی طرف سے لئے گئے لون کی، واپس کی جانے والی کل مقدار اسکے ملنے والی مقدار کے برابر یا اس سے کم ہے، تو اسکا لینا درست ہے، ورنہ سود ہے جو جائز نہیں (محمود الفتاوی ۳؍ ۵۹)۔

محکمہ ترقیات کے شعبہ سے چار ہزار روپئے کنواں کھدوانے یا مکان بنوانے یا کسی اور صنعت و حرفت کے لئے نقد لئے اور محکمہ ترقیات نے اسمیں سے اپنے قاعدے کے تحت ایک ہزار بالکل معاف کر دیئے اور فقط تین ہزار قائم رکھ کر دو سال کا موقع دیا، پھر دو سال کی تاخیر کے بعد چھوٹی چھوٹی اور لمبی قسطیں ادائیگی کے لئے متعین کیں اور اس میں ان قسطوں پر کچھ اضافہ کرکے وصول کیا، مگر کل رقم وصولی کی چار ہزار سے زائد نہ ہوئی تو اب ان قسطوں کے ساتھ جو زیادتی محکمہ نے وصول کی وہ سود نہ ہوگی اور یہ معاملہ جائز رہیگاچونکہ مجموعہ قرض چار ہزار تھا اور چار ہزار پر زائد وصول نہیں کیا گیا(نظام الفتاوی ۲؍ ۴۴۴)۔

اسی طرح حکومت کے کسی اعانتی محکمہ سے کھاد یا بیج و غیرہ ادھار لیا محکمہ نے چھ ماہ میں ہر ماہ دس روپئے کے حساب سے کل ساٹھ روپئے وصول کئے اور اپنے رجسٹر میں از خود اصل قیمت کے خانہ میں پچاس روپئے درج کئے تو اس دس روپئے کا سود ہونا ضروری نہیں، بلکہ جزو ثمن قرار پا سکتا ہے، اس لئے کہ سود نام ہے فضل خال

عن العوض کا جو اموال ربو یہ کہ اندر عقد معاوضہ کا معاملہ کرنے میں مشروط طریقہ پر طرفین متعین کریں اور یہاں ایسا نہیں ہوا ہے۔

خواہ مشتری خریدار کو اس اندراج کا علم ہو جائے یا نہ ہو بالخصوص ایسے ملک میں جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلمین کے ہاتھ میں ہومسلمانوں کو قانونا ایسا معاملہ کرنے سے روکنے کا یا اسکی اصلاح کا اکتیار نہ ہو اور خاص کر جب مجموعہ وصولی کی مقدار عام بازار کے نرخ کے اعتبار سے غبن فاحش کی مقدار سے زائد نہ ہو (منتخبات نظام الفتاوی ۲،۴۴۵)۔

جو نقد رقم سامان و غیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جائے اس میں تاویل چل سکے گی اور اسکو کام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کرکے اس معاملہ پر سودی معاملہ کا حکم نہ لگائیں گے اور اس زائد رقم کو سود نہ کہینگے، بلکہ انتظامات کی درستگی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جا سکے گا اور اس پر معاملہ جائز رہے گا(منتخبات نظام الفتاوی ۲، ۴۴۴)۔

اسی طرح وقت پر کسی ایک قسط یا متعدد یا تمام اقساط کے وصول نہ ہونے پر جو رقم زائد وصول ہوتی ہو اسکو بھی قاعدے کے مطابق انتظامات کی درستگی باقی رکھنے کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کرکے جائز کہا جاسکے گا (منتخبات نظام الفتاوی۲،۴۴۵)۔

۶۔ ضروریات کے لئے گورمینٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر جو رقم ملتی ہے مثلا مکان بنانے یا بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے اگر یہ صحیح ہے کہ بطور امداد و ہ رقم دیجا تی ہے اور اس پر کوئی سود نہیں لیا جاتا تو یہ سودی معاملہ نہیں اسلئے درست ہے (فتاوی رحیمیہ ۶، ۱۳۵)۔

۷۔ گورمینٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کو اگر بغیر رشوت کے حاصل نہ کیا جا سکتا ہو تو مجبورا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دے سکتے ہیں (کتاب الفتاوی ، ۳۰۸)۔

۷.۸۔ گورمینٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول میں واسطہ بننے والے اگر محنتانہ طلب کریں تو انسے اجرت طے کرکے دے سکتے ہیں۔''أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع، وهو حرام على الآخذ فقط، وحيلة حلها أن يستأجره يوما إلى الليل أو يومين فتصير منافعه مملوكة ثم يستعمله فى الذهاب إلى السلطان سمرقندى''(رد محتار۴،۳۰۳)۔

مال لینا تاکہ حاکم کے پاس اسکا معاملہ درست کر دے دفع کرنے کے لئے یا نفع حاصل کرنے کے لئے یہ صرف لینے والے پر حرام ہے اسکی حلت کا حیلہ یہ ہے کہ مزدوری طے کر لے ایک دن یا دو دن کی تو وہ منافع کا مالک ہو جائے گا پھر فلاں کام کے لئے حاکم کے پاس آنے جانے میں اسکو استعمال کرلے (شامی ۴، ۳۰۳)۔

۹۔ اپناحق وصول کرنے کے لئے اگر رشوت کے علاوہ کوئی ذریعہ نہ ہو تو مجبورا دے سکتے ہیں۔ ''وحرام علی الأ خذ فقط، وھو أن یھدی لیکف عنہ الظلم والحیلۃ أن یستأجرہ'' جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار کے لئے قرض فراہم کرتی ہے ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس پر اسی طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہمارا بحیثیت شہری اس پر حق ہے، لہٰذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کر سکتے انکے لئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے جو زائد رقم سود کے نام سے لیجاتی ہے اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جا سکتا ہے، ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی اور مجبوری کی حالت میں اسکی گنجائش ہے (کتاب الفتاوی ۳۷۸،۵)۔

اپنا حق تجارت یا ملازمت وگیرہ حاصل کرنے کے لئے دیجائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائیگا(جامع الفتاوی ۳، ۲۱۷)۔

۱۰۔ امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے جو شرائط و معیارات ہوں انکو مطابق جو شخص ہوں وہی لے سکتا ہے دوسرے شخص کے لئے غلط بیانی کرنے امداد یا رقم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے۔

۱۱۔جن اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اسپر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے مقروض کی طرف سے حکومت ہی ادا کرتی ہے تو یہ حکومت کی طرف سے اعانت و امداد ہے اس سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر حکومت کی طرف سے بینک کے ذریعہ دلائے ہوئے روپیوں کا کچھ انٹرسٹ مقروض کو دینا پڑے تو اسکو دینے کی گنجائش ہے۔ ''نظام الفتاوی '' میں ہے، اسی طرح ہر معاملہ جو اس قسم کے لین دین کا حکومت کے اعانتی محکموں سے ہو اسمیں غرض ومقصود سامنے رکھتے ہوئے اس زیادتی کی حیثیت پر غور کریں گے جب تک کوئی صحیح تاویل ملتی رہے گی ربوٰ سود کہنے سے اجتناب کرینگے (منتخبات نظام الفتاوی ۲، ۴۴۰)۔

پس اس معاملہ کی توجیہہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اس جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں، بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت میں اور جو سامان وغیرہ اسی پر خرچ ہوتے ہیں یا درکار ہوتے ہیں انکی قیمت میں لیجاتی ہے جس سے انتظام میں سہولت رہتی ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۲، ۴۳۶)۔

۱۲۔حکومت کی طرف سے تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کرنے کے لئے جو رقم دی جاتی ہے وہ لے سکتے ہیں اگر چہ حکومت یاا س کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرکے اسکیم سے استفادہ کرنے والوں کو دے تب بھی ان کے لئے یہ مدد لینے کی گنجائش ہے۔

سرکاری اسکیموں کے حصول کے لئے رشوت اور ایجنٹ کی اجرت

مفتی عبد المنان صاحب•

١۔ وہ قرضے جن کاایک حصہ معاف کردیا جاتاہے اور لی ہوئی رقم کم واپس کرنا پڑتا ہے ایسے سرکاری قرضوں کا لینا درست ہے۔

٢۔ معافی والے قرضوں میں جن صورتوں میں مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ قرض بھی جائز ہے، جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے۔

٣۔ اگر مقررہ مدت کے بعدقرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو یہ صورت سود کی وجہ سے ناجائز ہوگی۔ ایسی حالت میں قرض خواہ کو اس کوشش میں رہنا چاہئے کہ مدت کے اندر اندر قرض اداکردے، تاکہ سود سے بھی بچ جائے اور قرضہ سے بھی مستفید ہوسکے۔

٤۔ غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو جس کوسروس چارج کہا جاتاہے یااپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہا جاسکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم سود کے دائرہ میں آئے گا۔ انتظامی خرچ شمار کرتےہوئے اس میں وسعت کی گنجائش نہیں ہوگی۔

لیکن معافی والے قرضے میں سروس چارج کی گنجائش ہوگی۔ غیر معافی والے قرضے میں برابر سےزائدرقم اگرچہ بہت کم ہو لیکن یہ ''کل قرض جر نفعاً فہو ربوا '' کے تحت میں آکر سود کے دائرہ میں آئے گا اور ناجائزوحرام ہوگا۔ پھر بھی اضطرار کی حالت میں اسے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ''من اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ'' (سورہ بقرہ: ١٧٣)کی دلیل کی بنیاد پر جائز کہا جاسکتا ہے۔

٥۔ اگر سرکار کی طرف سےدیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کوانتظامی خرچ پرمحمول کیا جاسکے اس پر بھی سود کا لاگو ہوگا۔ حکم میں کچھ فرق نہیں ہوگا۔

٦۔ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے مثلاًمکان بنانے،بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ جبکہ ان رقوم میں سے کسی

• مفتی دار الحدیث، پرمائی پٹی،نوگاؤں، آسام۔

حصے کی بھی واپسی نہینہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے تو ایسی رقوم حاصل کرنا اور استعمال کرنا درست ہے۔ اصل مینیہ اعانت پبلک ورعایۃ کے لئے سرکار کی ذمہ داری بھی ہے جس کو وہ ادا کررہی ہے۔ لہذا ان رقوم سے استفادہ میں کچھ حرج نہیں ہے۔

۷۔گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم جس قسم کی بھی ہونان کےحصول کے لئے جدوجہد کرنی ہوتی ہےاور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ اس میں واسطہ بھی بنتےہیں، واسطہ بننے والوں کےلئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ دینے کے بارے میں تو دوصورتیں ہوسکتی ہیں، پہلی صورت اینکہ قرض لینے والے کوفرصت نہیں کہ آفس میں دوڑ بھاگ کریں وہ ایک شخص کومتعین کیا کہ وہ ضروری انتظامات کے لئے اپنا وقت خرچ کرے، اس کے بدلہ میں اس کاکچھ محنتانہ بھی متعین کرے۔ تو خرچہ اس کو جس طرح دینا جائز ہے اس کولینا بھی جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جدوجہد میں وہ خودلگا ہوا ہے، لیکن متعلق افسر کو رشوت دینا پڑتا ہے اس کےبغیر کام نہیں ہوتا یا ہوگا، لیکن چکرلگاتے لگاتے رشوت سے زیادہ خرچ بھی ہوگا تاخیربھی پریشانی بھی۔ ایسی صورت اپنا حق کی وصولیابی کے لئے رشوت دینے میں گناہ نہیں ہوگا۔ جیسے ''البحر الرائق '' میں ہے:''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(۶،۲۱۱)۔

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ ''الضرورات تبیح المحظورات'' (القاعدۃ الخامسۃ،۸۷) لیکن لینےو الے کے لئے جائزنہیں ہوگا، بلکہ حرام ہے۔

۸۔ بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں اس میں اگر اس کی محنتانہ کی شکل میں یا دلالی کی حیثیت سے ایک مناسب لیتے ہیں اور دینے والے بھی اپنی سہولیات کے پیش نظر خوش ہوکر اس کو دیتا ہے تواجرت یا محنتانہ یا دلالی کی حیثیت سے دینا ولینا ناجائز نہیں ہونا چاہئے، لیکن غیر مناسب تعداد یا حصہ کا دعوی کرنا ولینا جائز نہ ہوگا۔

۹۔ اس قسم کی امدادی رقم اور قرضوں کےحصول کے لئے اگر رشوت دینے کی ضرورت ہو، جبکہ وہ حاجت مند ہو اپنا حق وصول کرنے کےلئے رشوت دینا ناجائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ضابطہ ہے: ''الضرورات تبیح المحظورات''، لیکن لینے والے کے لئے جائز نہیں ہوگا بلکہ حرام ہوگا۔

۱۰۔ امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہوگا۔

۱۱۔ بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جوانٹرسٹ عائد ہوتا ہے وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا،

بلکہ اس کی طرف سےحکومت ادا کرتی ہے، یہ صورت جائز ہے۔

یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے یہ دوسری صورت ناجائز ہے۔ سود کی وجہ سے۔ اگر اضطرار کی حالت ہے تو جائز ہوگا۔ ‘‘الضرورات تبیح المحظورات’’ (الاشباہ والنظائر)۔

۱۲۔ بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں جن میں حکومت نےایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اوراس کےانٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے، جبکہ ڈپازٹ حکومت کی طر ف سے ہوتا ہے تو انٹرسٹ بھی حکومت کو ملے گی، حکومت اس کا مالک ہے۔ رعایا کا امداد وتعاون کرنا سرکار وحکومت کی ذمہ داری ہے وہ مالک بن کر پبلک کو دیتا ہے۔ حکومت کی طرف سے امداد وتعاون ہونے کی بنیاد پر لینا جائز ہے، لیکن اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے، لیکن غرباء ومساکین سے استفادہ کرسکتا ہے، بلکہ وہ غرباء ومساکین ہی اس کے مستحق ہیں یہ اس بنیاد پر کہ وہ بعینہ سود کے روپے ہیں، لیکن پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اسمیں سودی روپے حکومت لے رہی ہے۔ اور روپے میں عینیت بھی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے غیر غرباء کے لئے بھی۔

مختلف سرکاری اسکیموں سے استفادہ کا شرعی حکم

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی•

۱۔ ایسے قرضوں کا لینا جائز ہے۔
۲۔ایسے قرضوں کا لینا بھی جائز ہے۔
۳۔ اگر قرض لینے کو قرض لینے کی حاجت اور ضرورت ہو تویہ سودی قرض لینا اس کے لئے جائز ہے۔
۴۔ ایسا قرض جس میں سروس چارج کےن ام سے بہت تھوڑی مقدار میں کچھ زائد رقم لی جاتی ہو ایسا قرض لینا بھی جائزہے۔
۵۔ اگر قرض لینےوالا شخص حاجت مند اور ضرورت مند ہو تو اس کے لئے یہ سودی قرض لینا جائز ہے۔
۶۔ سرکاری امداد کی رقم حاصل کرنا اور استعمال میں لانا جائز ہے۔
۷۔ واسطہ بننے والے لوگوں کو ان کا محنتانہ دینا اور لینا دونوں جائز ہے۔
۸۔ ملنے والی رقم کا ایک خاص حصہ محنتانہ کے طور پر مقرر کرنا جائز ہے، لیکن بہتر ہے کہ متعین طریقہ پر ملنے والی رقم سے محنتانہ نہ مقرر کیا جائے، بلکہ صرف رقم کی ایک خاص مقدار متعین کی جائے، خواہ اس کی ادائیگی ایسی ملنے والی رقم سے کی جائے۔
۹۔ حکومت نے جب امداد کی پیشکش کی ہے تو امداد حاصل کرنا اس کا ایک حق ہوگیا، اب اس حق کی وصولی رشوت کے بغیر نہ ہوسکے تو رشوت دینا بھی جائز ہے۔
۱۰۔ امداد حاصل کرنے کےلئے غلط بیانی سے کام لینا اور امداد حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔
۱۱۔ سود ادا کرنے کی صورت میں ضرورت مند کواور سودادا نہ کرنے کی صورت میں ضرورت مند اور غیر ضرورت مند دونوں کو ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔
۱۲۔ اسکیم بھی حکومت ہی نے بنائی ہے او ربینک بھی حکومت ہی کے کنٹرول میں ہے اس لئے جس کو سود کہا گیا ہے وہ درحقیقت سود نہیں ہے، اس لئے ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانا ضرورت مند اور غیر ضرورت مند دونوں کے لئے جائز ہے۔

• جامعہ اسلامیہ دار العلوم ملیا، کھگڑیا، بہار۔

عوام کی ترقی کے لئے جاری کردہ سرکاری اسکیمیں

مولانا محمد سلمان منصورپوری•

(۱) حکومت کے وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم رقم ہی واپس کرنی ہوتی ہے، تو ایسے قرضوں کا لینا شرعاً درست ہے۔ اور یہ شرعی اصطلاح میں مقرض (حکومت) کی طرف سے ابراء اور تعاون کی ایک شکل ہے۔

''ومنہا لو أبرأ الدائن مدیونہ من الدین الذي علیہ سقطت الدین ولا تسمع الدعویٰ بہٖ'' (شرح المجلۃ ۴۰٫۱ رقم المادۃ: ۵۱ المکتبۃ الاتحاد دیوبند)۔

''إذا أبرأ واحدٌ آخر من حقّ، سقط ذٰلک الحق، ولا یبقیٰ لہ أن یدعي بہٖ - إلیٰ قولہ - ہٰذا إذا کان الحق مما یسقط بالإسقاط کالدین'' (شرح المجلۃ ۸۴۸٫۲ رقم المادۃ: ۱۵۶۲ المکتبۃ الاتحاد دیوبند)۔

(۲) اگر مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی کی شرط لگائی جائے، اور مقررہ مدت کے بعد صرف وصول کردہ رقم ہی واپس کرنی پڑے، زیادہ نہ دینا پڑے، تو یہ بھی جائز اور درست ہے، جس کی تائید اِس فقہی جزئیہ سے ہوتی ہے:

''ومن لہ علیٰ آخر ألف درہمٍ، فقال:أدِّ إلیَّ غدًا منہا خمس مائۃ علیٰ أنک بريء من الفضل ففعل، فہو بریئٌ، فإن لم یدفع إلیہ خمس مائۃ غدًا عاد علیہ الألفُ، وہو قولہ أبي حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ'' (الہدایۃ ۲۵۲٫۳)۔

''إذا قال صالحتک من الألف علیٰ خمس مائۃٍ تدفعہا إلي غدًا، وأنت بريء من الفضل علیٰ أنک إن لم تدفع إلي غدًا فالألف علیک علیٰ حالہٖ۔ وجوابہ أن الأمر علیٰ ما قال؛ لأنہ أتی بصریح التقیید فیُعمل بہٖ'' (الہدایۃ ۲۵۲٫۳)۔

(۳) قرض کے معاملہ میں کل رقم کی واپسی کے شرط کے ساتھ مزید رقم ادا کرنے کی شرط لگانا باطل ہے؛ لہٰذا اِس طرح قرض لے کر زائد رقم ادا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

''وبالجملۃ فحرمۃ الزیادۃ المشروطۃ في القرض مجمعٌ علیہا لا خلاف فیہا من أحدٍ لکونہا منفعۃً قد جرہا القرض '' (إعلاء السنن ۵۰۰٫۱۴ کراچی)۔

''وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعۃ - إلیٰ قولہٖ - قال الحنفیۃ: یبطل الشرط لکونہ منافیًا للعقد۔ ویبقی القرض صحیحًا۔ وقولہم: ببطلان الشرط لکونہ منافیًا للعقد، فیہ تصریحٌ بأن القرض إذا کان مشروطًا بالمنفعۃ یلزم منہ انقلابہ بیعًا۔ ولذا أبطلوا الشرط حفظًا للعقد عن

• خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، یوپی۔

الانقلاب - إلىٰ قولہ - ومرادہم بکون القرض صحیحًا والشرط باطلاً أن المستقرض إذا قبض الدراہم التي استقرضہا بالشرط یصیر دینًا علیہ، ولا تکون أمانۃً غیر مضمونۃ۔ وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائزٌ فکلاً" (إعلاء السنن ۵۳۴٫۱۴ کراچی)۔

(۵-۴) قرض میں اصل رقم سے زیادہ رقم کا مطالبہ خواہ قلیل ہو یا کثیر؛ سود ہی میں داخل ہے، اُس کو سروس چارج یا اور کوئی نام دے کر سود کے حکم سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اور سوال میں جس طرح کی ضروریات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اگر اضطرار کے درجہ میں نہ ہوں، تو اُن سے اصل حکم میں کوئی تخفیف نہیں ہوسکتی۔

قال اللہ تعالیٰ: {وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} [البقرہ:۲۷۵]۔

"عن جابر بن عبد اللہ قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء" (صحیح مسلم ۷۲٫۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹٫۱ رقم: ۱۲۰۶، مشکاۃ المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاۃ المفاتیح ۴۳٫۶ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

"فالضرورۃ بلوغہ حدًّا إن لم یتناول الممنوع ہلک أو قارب، وہذا یبیح تناول الحرام " (الأشباہ والنظائر ۲۵۲ زکریا جدید)۔

"الضرورات تبیح المحظورات، ومن ثم جاز أکل المیتۃ عند المخمصۃ " (الأشباہ والنظائر ۱۴۰ قدیم)۔

"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (البحر الرائق ۱۲۶٫۶ کوئٹہ)۔

(۶) حکومت کی طرف سے شرائط کے مطابق ضرورت مند شہریوں کو جو ناقابل واپسی امداد جاری کی جاتی ہے، یہ حکومت کی جانب سے اپنے شہریوں کے تعاون کی ایک صورت ہے، اور مستحق لوگوں کے لئے اُن سے اِستفادہ کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ جو لوگ امداد کے حکومتی معیار پر پورے نہ اترتے ہوں، اُن کے لئے اُس سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا۔

"عن سعید بن زیدؓعن النبي ﷺ قال:من أحیىٰ أرضًا میتۃ فہي لہ، ولیس لعرق ظالم حقٌ " (سنن أبي داؤد ۴۳۷٫۲)۔

"المستفاد:من أحیىٰ بإذن الإمام ملکہ، وإن أحیاہ بغیر إذنہ لم یملکہ عند أبي حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ" (الہدایۃ ۴۷۸٫۳ المکتبۃ الأشرفیۃ دیوبند)۔

"إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي " (شامي، کتاب الحدود / باب التعزیر، مطلب: في التعزیر باخذ المال ۱۰۶٫۶ زکریا، الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الغصب / الباب السابع، فصل في التعزیر ۱۶۷٫۲، البحر الرائق، کتاب الحدود / فصل في التعزیر ۶۸٫۵ زکریا، وہٰکذا في قواعد الفقہ ۱۱۰)۔

"عن ابن مسعود رضي اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:من غشنا فلیس

منا، والمكر والخداع في النار" (المعجم الكبير للطبراني ١٣٨،١٠ رقم: ١٠٢٣٤ مكتبة دار التراث العربي، الترغيب والترہيب مكمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٢ بيت الأفكار الدولية)۔

(٧) جو غیرسرکاری شخص حسب شرائط امدادی رقوم حکومت سے دلوانے میں واسطہ بن کر محنت کرے، تو وہ مستحق سے بطور اُجرتِ وکالت متعینہ محنتانہ لینے کا مجاز ہے۔

"قال في رد المحتار نقلاً عن البزازية: إجارة السمسار والمنادي والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة، ويطيب الأجر الماخوذ لو قدر أجر المثل" (شامي / باب الإجارة الفاسدة ٤٧،٦ دار الفكر بيروت، ٦٤،٩، ٨٧،٩ زكريا)۔

(٨) اگر یہ شرط لگادی جائے کہ جو امدادی رقم ملے گی، اُسی میں سے اتنا حصہ بطور اُجرت دیا جائے گا، تو یہ معاملہ قفیز طحان کے حکم میں ہوکر ناجائز ہوگا؛ لیکن اگر صرف رقم طے کرلی جائے اور یہ شرط نہ ہو کہ ملنے والی رقم ہی سے اُس کی ادائیگی ہوگی تو یہ معاملہ جائز قرار دیا جائے گا۔

"لو دفع غزلاً لاخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل أو استأجره بغلا ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله، والأصل في ذٰلک نهيه ﷺ عن قفيز الطحان " (الدر المختار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٧٨-٧٩،٩ زكريا، تبيين الحقائق / باب إجارة الفاسدة ١٢٧،٦ زكريا)۔

(٩) مستحق شخص کو اگر امدادی رقوم اور جائز قرض کے وصول کے لئے سرکاری افسروں کو مجبوراً رشوت دینی پڑے تو اِس کی گنجائش ہے؛ لیکن افسران کے لئے رشوت لینا بہرحال حرام ہے۔

"قال في الشامي:دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله أو لاستخراج حق له ليس برشوة، يعني في حق الدافع" (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦٤،٩ زكريا)۔

"ومنها:إذا دفع الرشوة خوفًا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع في ماله فرشاه ببعض المال، ومنها:إذا دفع الرشوة ليسوي أمره عند السلطان حل له الدفع ولا يحل للآخذ أن يأخذ" (البحر الرائق / كتاب القضاء ٢٦٢،٦ كراچی، ٤٤١،٦ زكريا)۔

"ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذٰلک، ولو القضاء بحق؛ لأنه واجب عليه " (شامي ٣٤-٣٥ زكريا)۔

(١٠) امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا اور غیرمستحق کو مستحق ثابت کرکے امداد یا قرض سے فائدہ اُٹھانا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ سراسر خیانت اوردھوکہ میں شامل ہے۔

''عن أبي حميد الساعديؓأن رسول الله قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذٰلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. وفي رواية: لا يحل للرجل أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه''. (المسند للامام أحمد ۷۲٫۵، شعب الايمان للبيهقي ۳۸۷٫۴ رقم: ۵۴۹۲، مجمع الزوائد ۱۷۲٫۴-۱۷۱ دار الكتب العلمية بيروت).

''عن جابرؓ قال:قال رسول الله ﷺ : لا يحل لمسلمٍ أن يأخذ مال أخيه بغير حقٍّ'' (مجمع الزوائد ۱۷۱٫۴ دار الكتب العلمية بيروت).

''عن ابن مسعودؓ قال:قال رسول الله ﷺ:من غشنا فليس منا، والمكر والخداع في النار '' (المعجم الكبير للطبراني ۱۳۸٫۱۰ رقم: ۱۰۲۳۴ مكتبة دار التراث العربي، الترغيب والترهيب مكمل ۴۰۰ رقم: ۲۷۴۲ بيت الافكار الدولية).

''عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال:آية المنافق ثلاث:إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان '' (صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب علامة المنافق ۱۰٫۱ رقم: ۳۳، مرقاة المفاتيح، باب الكبائر وعلامات النفاق ۲۱۱٫۱ رقم: ۵۵ دار الكتب العلمية بيروت).

(۱۱) مذکورہ اسکیموں میں اگر حکومت خود اپنی طرف سے سود ادا کرے اور مقروض کو اُس سے کچھ واسطہ نہ ہو، تو مقروض شرعاً اِس عمل کا ذمہ دار نہیں ہے؛ لیکن اگر مقروض کو تھوڑا یا زیادہ سود ادا کرنا پڑتا ہے تو اِس طرح کے سودی معاملہ سے اِستفادہ کرنا ناجائز اور گناہ ہوگا۔

''العبرةُ في العقود للمعاني لا للألفاظ والمباني'' (القواعد الفقهية المحمودة٫۳۳).

''والمعنى هو المعتبر في هٰذه العقود؛ ولهٰذا ينعقد بالتعاطي في النفيس والخسيس، هو الصحيح'' (الهداية ۲٫۳ المكتبة الأشرفية ديوبند).

''كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف'' (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ۵۱۸٫۱۴ إدارة القرآن كراچی).

''كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطاً'' (شامي ۱۶۶٫۵ كراچی، ۳۹۵٫۷ زكريا).

(۱۲) اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ حکومت کی اِمدادی رقومات کا تعلق عوام سے حاصل کردہ انٹرسٹ اور سود ہی سے ہے، تو ایسی اسکیموں سے استفادہ کرنا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اور اگر یقینی طور پر معلوم نہ ہو؛ بلکہ صرف شبہ اور اندیشہ ہو تو اِس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

''أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام الخ'' (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني عشر ۳۴۲٫۵).

سرکاری اسکیموں سے استفادہ - سوالات اور ان کے جوابات

دار الافتاء جامعہ سلفیہ بنارس

(۱) قرض خواہ کا کچھ حصہ یا پورا کا پورا معاف کردےدونوں ہی صورتیں جائز ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون’’ (سورہ بقرہ: ۲۸۰)، یعنی اگر کوئی تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہئے اور اگر صدقہ کردو تو تمہارے لئے یہ بہت بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘من أنظر معسراً أو وضع عنه أظله الله فی ظله’’ (مسند احمد محقق: ۱۵۵۱۲) یعنی جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے قرض معاف کردیا تو اللہ تعالی اسے اپنے سایے میں سایہ عطا فرمائے گا۔

مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ پورے قرض کا معاف کردینا بڑا کار ثواب ہے تو جب پورا قرض معاف کیا جاسکتا ہے تو اس سے کم تو بدرجۂ اولی معاف کیا جاسکتا ہے۔

(۲) یہ صورت بھی جائز ہے کیونکہ اس میں اصل رقم سے زائد نہیں لیا جاتا اور نہ ہی دیا جاتا ہے۔

(۳) اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں (۱) اگر قرض دار بلا کسی شرط ودباؤ کے زائد دے رہا ہو تو یہ صورت درست ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میں نبی کریمﷺ کی خدمت میں آیا، ‘‘وكان لی علیه دین فقضانی وزادنی’’ (بخاری: ۲۳۹۴) یعنی آپﷺ پر میرا کچھ قرض تھا، آپ نے مجھے وہ ادا کیا اور مجھے اس سے زائد بھی دیا۔ لیکن اگر یہ اضافہ باشرط ہو تو جائز نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ایک حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:‘‘وفیه جواز وفاء ما هو أفضل من المثل المقترض إذ لم تقع شرطیة ذلک فی العقد فیحرم ذلک اتفاقا، وبه قال الجمهور’’ (فتح الباری ۵؍۵۷) یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ قرض سے بہتر قرض کی ادائیگی ہو لیکن اضافہ کی شرط قرض میں پہلے سے نہ ہو ورنہ بالاتفاق حرام ہوگا، یہی جمہور کا موقف ہے۔

(۴) غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضے ہوں، مگر ان میں اصل سے زائد رقم کامطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو یہ سود میں داخل ہے خواہ اس کا کچھ بھی نام دے دیاجائے جیسے سروس چارج وغیرہ۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘كل قرض جر منفعة فهو ربا’’ یعنی ہر وہ قرض جو نفع لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

اگرچہ تمام طرق کے ساتھ ضعیف ہے جیسا کہ اس کی تمام سندوں پر علامہ البانی نے ارواء الغلیل میں (۱۳۹۸) میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، لیکن کچھ احادیث اس کی موید ہیں، ان میں سے ایک حدیث جس کامفہوم یہ ے کہ حضرت ابوبردہ بن ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں مدینہ منورہ آیا وہاں عبد اللہ بن سلام سے ملا، اس نے مجھ سے کہا توایسی جگہ سکونت پذیر ہے جہاں ادھار لینا عام ہے، پس جب کسی شخص پر حق ہو اور وہ تجھے بھوسا یا گھٹیا جو یا خشک گھاس رسی سے باندھ کر ہدیہ بھیجے تو تجھے چاہئے کہ اسے نہ لے یقینا وہ سود ہے (بخاری: ۳۸۱۴) اس پر اجماع ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے جواب میں حافظ ابن حجر کا کلام نقل کیا۔ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے (مجموع الفتاوی ۳۳۳،۲۹)۔

(۵) اگر سرکار (قرض خواہ) کی طرف سے دیئے گئے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی ہو یا غیر معمولی ہو تو اس کا لینا دینا دونوں ہی سود میں داخل ہے اور یہ حرام ہے، کتاب وسنت میں اس کی بہت ہی مذمت ہے۔

(الف) ارشاد الہی ہے:''وأحل الله البيع وحرم الربا'' (البقرہ: ۲۷۵) یعنی اللہ تعالی نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

یہاں مطلق سود کا ذکر ہے۔

(ب) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: سود لینے والے، دینے والے، اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ نیز فرمایا گناہ کے ارتکاب میں یہ سب مساوی اور برابر ہیں (بخاری: ۱۵۹۸)۔

(ج) سود کی حرمت پر اجماع ہے (موسوعۃ الاجماع ۴۲۹،۱)۔

(د) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک برابر اور نقد بنقد فروخت کی جائے، پھر جو زیادہ لے اور زیادہ دے تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ سود لینے اور دینے والے گناہ میں برابر ہیں (مسلم: ۱۵۸۴ بحوالہ فتاوی شیخ الحدیث ۳۶۵،۲)۔

(۶) ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے یہاں رہنے والے کے حقوق برابر ہیں اور حقوق کی برابری اس لئے ہے کہ یہاں کی ترقی وبام عروج تک پہنچانے کے لئے سبھی کوشاں ہیں، ہم یہاں کی ترقی کے لئے ہر طرح کا تعاون کرتے ہیں، ہم یہاں سیل ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، سڑک ٹیکس، پانی ٹیکس وغیرہ سرکار کے خزانہ میں جمع کرتے ہیں، اس لئے اگر ہمیں سرکار مکان، بیت الخلاء اور تعلیمی ضروریات کے لئے بلا سود تعاون ومدد دیتی ہے تو اس کے لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ آخر ہم سرکار کی بنائی ہوئی سڑک، ٹیوب

ویل اور کنووں وغیرہ سے فائدہ حاصل کرتے ہی ہیں، مکان، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے سرکاری تعاون لینا بہرحال جائز ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب حکومت دی ہوئی رقوم واپس نہیں لیتی ہے، اگر یہ شبہ ظاہر کیا جائے کہ سرکاری خزانہ مینحلال وحرام مخلوط مال جمع ہوتے ہیں تو اس کا استعمال کیسے جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں جو سرکار کی طرف سے تعاون مل رہا ہے جو ہمارے حقوق ہیں اور اپنے حقوق کو حاصل کرنا جائز ہے خواہ سرکار جس مال سے دے۔

(۷) سرکاری امدادی رقوم حاصل کرنے کے لئے جن کو واسطہ بنایا گیا ہے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘ من صنع إليكم معروفاً فكافئوه’’ (مسند احمد۲؍۶۸، ابوداؤد: ۶۷۲، نسائی، ابن حبان، حاکم وقال علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی) یعنی جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ چکاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے: ‘‘تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب’’ (المائدہ: ۲) اور اسی طرح نبیﷺ کا فرمان: ‘‘المسلمون على شروطهم فيما يحل’’ (الارواء: ۱۳۰۳)۔

(۸) جو واسطے بننے والے حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتےہیں یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں یہ عمل شریعت کی نظر میں درست نہیں ہے، کیونکہ یہ رشوت خوری کے درجہ میں ہے اور رشوت دینا اور لینا دونوں ہی شریعت میں ممنوع ہےنبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ‘‘لعن الله الراشي والمرتشي في الحكم’’ (صحیح الجامع الصغیر: ۵۰۹۳) رشوت لینے والے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ سرکار سے رقم حاصل کرنے کےلئے جو واسطہ بنا ہوا ہے وہ وکیل کے قائم مقام ہے اسے صرف اجرت مثل ملے گی اس سے زائد نہیں۔ علامہ محمد صالح العثیمین فرماتے ہیں: ‘‘قال أهل العلم:يعطى الأقل من أجرته أو كفايته والصحيح أنه يعطى قدر الأجرة مطلقاً؛ لأنه يعطى للحاجة إليه، فيحسن قدر الأجرة مطلقاً، فإن كان قدر كفايته فقد كفته، وإن كان أقل من كفايته أخذ العمولة وأعطى لفقره’’ (الشرح المتع ۶؍۲۲۵) اسے ایک قسم کی دلالی بھی قرار دی جاسکتی ہے اور یہ دالی اگر فریقین کی رضامندی سے ہو اور باہم دھوکہ اور کذب بیانی نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ مکروہ (دیکھئے فتاوی علمیہ، زبیر علی زئی ۲؍۲۲۲)۔

(۹) اسی طرح رقوم وقرض کے لئے رشوت لینا اور دینا دونو نہی حرم ہے الا یہ کہ ضرورت ملجئہ ہو اور فقہاء نے جو اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت کو جائز قرار دیا ہے اس کا مفہوم مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

‘‘إذا كان المدعى محقا يرى أن القاضي لا يحكم له بحقه ولا يدفع ظلم خصمه إلا بدفع الرشوة فلا بأس له في الدفع، وحرام على القاضي الأخذ، لأن الحكم بالحق ودفع الظلم وواجب

علیہ، لا یجوز لہ أن یأخذ علیہ شیئاً'' (التفسیر المظہری بحوالہ مجلہ فقہ اسلامی دوسرا فقہی سمینار ۱۹۸۹ء)۔

رشوت تو اس صورت میں لینا جائز ہے جب مال کسی مسلمان کی ملکیت میں آچکا ہو اور قبضہ بھی ہوچکا ہو اور اس کے متعلق ظلم کا خوف ہو یا اپنی آبرو یا جان کے متعلق ظلم کا خوف ہو جیسا کہ البحر الرائق میں مذکور ہے:''إذا دفع الرشوة خوفاً علی نفسہ أو مالہ فہو حرام علی الآخذ غیر حرام علی الدافع، وکذا إذا طمع فی مالہ فرشاہ ببعض المال'' (۷۶۸٫۷)۔

(۱۰) امدادی رقوم یا قرض کے حصول کے لئے دروغ گوئی، کذب بیانی سے کام لینا اور اسی طرح سے قرض یا امداد سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہے، اس لئے کہ اس میں دوسرے حق داروں کی حق تلفی ہے، ارشاد الہی ہے: ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچاؤ کہ کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپناکرلیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو (البقرہ: ۱۸۸) اور نبی کریمﷺ نے فرمایا: میں جس کسی کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دوں تو وہ اسے نہ لے کیونکہ میں اس کےلئے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں (بخاری: ۶۹۶۷)۔

(۱۱) (الف) جن اسکیموں میں تعلیم یا کسی بھی مقصد کےلئے حکومت قرض دلاتی ہے اور جو سود اس پر عائد ہوتا ہے وہ پورا کا پورا مقروض کی طرف سے خود حکومت ادا کرتی ہے یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت ہی تھوڑا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا پڑتا ہے، ایسی اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنا شرعاً درست نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں سود دینا اور دلوانا لازم آتا ہے اور سود دینا جس طرح حرام ہے اسی طرح دلوانا بھی خواہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد رسول ملاحظہ ہو: ''یأتی علی الناس زمان یأکلون فیہ الربا، قیل:الناس کلہم یا رسول اللہ!فقال علیہ الصلاۃ والسلام: من لم یأکلہ نالہ غبارہ'' (الفتح الربانی لترتیب مسند احمد۶۹٫۱۵) اس حدیث میں کم سے کم ربا کی حرمت کی طرف اشارہ ہے۔

(ب) ''قال القرطبی أجمع المسلمون نقلاً عن نبیہمﷺ أن اشتراط الزیادۃ فی السلف ربا ولو کان قبضۃ من علف کما قال ابن مسعود أو حبۃ واحدۃ'' (۲۱۴٫۳)۔

(ج) نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''ألا إن کل ربا من ربا الجاہلیۃ موضوع لکم رؤوس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون'' (سنن ابی داؤد)۔

(د) ''کل قرض جر نفعاً فہو ربا'' تقدم تخریجہ۔

حکومت کی طرف سے جو سود ادا کیا جاتا ہے وہ درحقیقت مقروض کو تعاون دینا ہے اور اس مقروض کا تعاون لینا ہے او ریہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔ ارشاد الہی

ہے:''وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲)۔

اسی لئے شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارک پوری ؒ لکھتے ہیں: حکومت وقت غریبوں کو قرض دے کر اوپر اٹھانے کی جو بھی اسکیم بناتی ہے وہ سودی لین دین سے خالی نہیں ہوتی اسی لئے ایسی اسکیم سے مسلمانوں کے لئے فائدہ اٹھانا ٹھیک نہیں ہے (فتاوی شیخ الحدیث ۳۶۸،۲)۔

(۱۲) حکومت وقت کا بعض اسکیموں کے تحت کوئی محفوظ فنڈ قائم کرنا پھر اس کوبینک میں ڈپازٹ کرنا اور اس کے انٹرسٹ سے رقمیں وصول کرنا اور اس سے مستفیدین کی مدد کرنا سرار غلط ہے۔ اس لئے کہ اس طریقۂ کار سے حرام مال (سود) کے ذریعہ تعلیمی ورفاہی اداروں اور اشخاص کی مدد کی جاتی ہے اور مدد لی جاتی ہے اور یہ تعاون عل الاثم والعدوان ہے حالانکہ اللہ تعالی نے تعاون علی البر والتقوی کا تو حکم دیا ہے مگر تعاون علی الاثم والعدوان کا نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ''وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) اور ایک حدیث حضرت ابوسعید وابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو خیبر میں عامل بناکر بھیجا، وہ نبی ﷺ کے پاس عمدہ کھجور لایا، نبی کریمﷺ نے پوچھا کہ خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ تو اس نے جواب دیا نہیں اے اللہ کے رسول مگر ہم نے اس میں سے ایک صاع کھجور دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے میں خریدا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس طرح نہ کرو، بلکہ ردی کھجور کو درہم سے بیچ لو پھر درہم کے ذریعہ عمدہ کھجور خرید لو (بخاری: ۲۲۰۱) ا س حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وکالہ کی صورت میں ظلم وعدوان پر تعاون دینا ولینا حرام ہے، غرضیکہ وکیل کو کسی کام کا انجام دینا درحقیقت موکل کا انجام دینا ہے، بہرحال اس صورت میں سود پر تعاون لینا اور دینا ہے اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے۔ نیز جو افراد واشخاص اسے استعمال کرتے ہیں وہ درحقیقت سود ہی استعمال کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں۔

سرکار کی فلاحی اسکیمیں اور ان سے انتفاع کی حیثیت

مولانا بدر احمد مجیبی•

(۱) وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ،ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے ؟

جب حکومت اپنے دیے ہوئے قرض کا ایک حصہ خود معاف کردیتی ہے اور مقروض کو قرضے کی رقم سے کم ہی واپس کرنا ہوتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے ۔ یہ وہی صورت ہے جس کو فقہ میں '' ابراء عن الدین '' کہتے ہیں ۔یہ جائز ہے ۔

''کذلک لو قال أحد:لیس لی قبل فلان دین أو أبرأت فلاناً من دینی أو ترکت دینی الذی علی فلان أوجعلت دینی علی فلان حلالاً لہ یکون إبراءاً عاماً من المطلوب، فلاتسمع دعوی ھذا الدین'' (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام۴،۶۲)۔

جس طرح پورے دین سے ابراء درست ہے، اسی طرح دین کے بعض حصے سے بھی ابراء درست ہے،باقی کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ اس لئے جب حکومت اس اسکیم میں قرض کا کچھ حصہ خود معاف کررہی ہے اور اس میں سودکی صورت بھی نہیں ہے تو ایسے قرض لینا جائز اور درست ہے۔ حکومت کی معافی کے بعد بقیہ قرض کی ادائیگی لازم ہوگی ۔

(۲)معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتاہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ورنہ پوری رقم اداکرنی پڑتی ہے۔ اس صورت کا کیا حکم ہے جب کہ لی ہوئی رقم سے زیادہ واپس نہ کرنا پڑے؟

یہ '' ضع وتعجل'' والا مسئلہ ہے ۔ یعنی دین مؤجل میں دائن مدیون سے کہے کہ اگرتم قرض جلدی اداکردوتو قرض میں سے اتنا حصہ کم کردوں گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک لاکھ کاقرض ہے اور قرض کی مدت تین مہینے کی ہے ۔ دائن مدیون سے کہتا ہے کہ اگر تم ایک مہینے میں قرض ادکردو تو اہم اس میں سے پچیس ہزار معاف کردیں گے ۔ ۷۵ ہزار ہی دینا ہوگا۔اس کو فقہاء کرام ناجائز قرار دیتے ہیں ۔ مبسوط میں ہے۔

'' قال:وإذا کان لرجل علی رجل دین إلی أجل وھو من ثمن مبیع فحط عنہ شیئاً علی أن یعجل لہ مابقی فلاخیر فیہ، ولکن یرد ما أخذ، والمال کلہ إلی أجلہ، وھو مذھب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما، وکان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یجوّز ذلک، ولسنا نأخذ بقولہ، لأن ھذ

• صدر مدرس المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ

امقابلۃ الأجل بالدراھم، ومقابلۃ الأجل بالدراھم ربا۔ألا تری أن فی الدین الحالّ لو زادہ فی المال لیؤجلہ لم یجز، فکذلک فی المؤجل إذا حط عنہ البعض لیعجل لہ ما بقی''۔ (المبسوط للسرخسی ۱۶،۷۵)۔

''ولا تجوز الوضیعۃ من الدین علی تعجیلہ علی المشھور، وتسمی ھذہ المسألۃ عند الفقھاء ''ضع وتعجل''۔ وصورتھا أن یکون لرجل علی آخر دین إلی أجل مثل أن یکون علیہ مائۃ درھم إلی شھر، فیقول لہ: رب الدین عجل لی خمسین وأنا أضع عنک خمسین'' (الثمرالدانی فی الفقہ المالکی ص۵۰۷)۔

لیکن چونکہ یہ معاملہ حکومت کی طرف سے عوام کو سہولت دینے کا ہے۔اس میں سودلینے یا دینے کا مقصد نہینہے ، اس لئے اس کا جواز ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے جب اس میں سوددینا اور لینا لازم نہیں ہوتا ،اس لئے یہ جائز ہے۔

(۳)اگر مقررہ مدت کے بعد قرض اداکرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی اداکرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

یہ صورت جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں سود دینا لازم ہوگا اور سود لینا دیناحرام ہے۔

'' أحل اللہ البیع وحرم الربا'' (البقرۃ : ۲۷۵)۔

'' کل قرض جر نفعاً فھو ربا '' (حدیث)۔

البتہ اگر لینے والے کو ظن غالب ہے کہ وقت مقررہ میں وہ قرض اداکردے گا تو وہ لے سکتا ہے ، وہ قرض لے کر مقررہ مدت میں ادائیگی کردےلیکن اگر اپنی پوری کوشش کے باوجود وہ وقت مقررہ پر قرض ادا نہیں کرسکا تو مجبوری میں زائد رقم دے سکتا ہے اوراس پر توبہ واستغفار کرے ۔اللہ تعالی سے اس کی معافی کی امید ہے ۔

(۴)غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلاسکتاہو تو ایسے قرضے اور ان پر اداکی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرے میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت کی گنجائش ہوگی ؟

اگر قرض کی واپسی میں اصل قرض سے زائد دینا پڑے، مگر وہ زائدرقم مقدار کے اعتبار سے بہت کم ہو جس کو سروس چارج پر محمول کیا جاتا ہو یا کیا جاسکتا ہو تو اس کو سود کے بجائے انتظامی اخراجات میں شمار کیا جاسکتا ہے اور اس کی اجازت ہوگی۔

(۵) اگر سرکار کی طرف سے دئیے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ واضح رہے کہ یہ قرض مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے ،مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریا ت اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا

ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جاسکتا ہے؟

یہ واضح طورسے سود ہے ۔ جس کی شناعت معلوم ہے ، اس کی کوئی گنجائش نہینہے۔ اس لئے شدید مجبوری کے بغیر ایسے قرض لینا جس میں سود دینا پڑتاہو حرام ہے۔

اگر ضرورت شدیدہ ہے تو اس کی اباحت ہوسکتی ہے۔وہ بھی بقدر ضرورت اباحت ہوگی۔

''فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لإثم فإن اللہ غفور رحیم'' (المائدۃ: ۳)۔

''الضرورات تبیح المحذورات۔ المشقۃ تجلب التیسیر۔ الضرر یزال۔ الضرورۃ یتقدر بقدرھا'' وغیرہ قواعد ۔

(۶)ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملتی ہے ۔مثلاً مکان بنانے ،بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

ایسی امدادجو عوام کو مکان بنانے ، بیت الخلاء کی تعمیر یا تعلیمی ضروریات کے لئے دی جاتی ہیں اور بطور اعانت ہوتی ہیں، ان کی واپسی بھی نہیں ہوتی ،ان کو حاصل کرنا اوران کو استعمال کرنا جائز اور درست ہے ۔اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

'' القاعدۃ : تصرف الإمام علی رعیتہ منوط بالمصلحۃ'' (الاشباہ والنظائرللسیوطی وابن نجیم المصری)۔

'' قال الفقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالی: اختلف الناس فی أخذالجائزۃ من السلطان قال بعضھم :یجوز مالم یعلم أنہ یعطیہ من الحرام۔ قال محمد رحمہ اللہ تعالی:وبہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ، وھو قول أبی حنیفۃ رحمہ اللہ وأصحابہ'' (الھندیۃ: ۳۴۲،۵) ۔

(۷)گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم جس قسم کی بھی ہوں ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے ۔کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں واسطہ بننے والوں کے لئے ان کے مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

یہ اجارہ کی صورت ہے۔ اس میں واسطہ بننے والے کی حیثیت اجیر مشترک کی ہوتی ہے۔کام کرنے پر اجیر مشترک اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔چونکہ واسطہ بننے والے نے اپنی محنت وکوشش سے اس کام کو مکمل کرادیا ہے، اس لئے کام کرانے والے کے لئے محنتانہ یعنی اجرت لینا جائز ہوگا۔اسی طرح اس کو اجرت دینا بھی جائز ہوگا۔البتہ اس میں اجرت متعین ہونی چاہیے تاکہ بعد میںنزاع کی صورت نہ پیدا ہو۔

'' قالت: إن أبی یدعوک لیجزیک أجر ماسقیت لنا'' (قصص: ۲۵)۔

‘‘ أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقہ’’ (حدیث نبوی : ابن ماجۃ ، باب أجرالاجراء)۔
‘‘ عن أبی هريرة وأبی سعيد قالا: من استأجر أجيرا فليعلمہ أجرہ’’ (مصنف ابن ابی شيبۃ : ٦،٣٠٣)۔
‘‘(الأجراء علی ضربين:مشترک وخاص، فالأول من يعمل لا لواحد) كالخياط ونحوہ (أويعمل لہ عملاً غيرموقت) كأن استأجرہ للخياطۃ فی بيتہ غير مقيد بمدۃ كان اجيراً مشتركا، وإن لم يعمل لغيرہ’’ (أوموقتاً بلاتخصيص) كأن استأجرہ ليرعی غنمہ شهراً بدرهم كان مشتركاً۔۔ ولايستحق المشترک الأجر حتی يعمل كالقصار ونحوہ’’ (الدرالمختار،باب ضمان الاجير)۔
(٨)بعض واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیاکرتے ہیں یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہینتو اس کا کیا حکم ہے؟
یہ حکومت کی طرف سے غریب کو ملنے والی امدادی رقم ہے۔ اس میں واسطہ بن کر کام کرانے والے کو اجرت مثل سے زیادہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ورنہ سرکاری افسران کی ملی بھگت سے ساری رقم ایسے ہی افراد لے لیں گے اور غریب بے چارہ کو بہت معمولی حصہ ملے گاجس سے حکومت کاامداد وتعاون کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔
البتہ اگر اس کا قوی اندیشہ ہو کہ اس رقم کا کچھ حصہ نہ دینے پر پوری امدادی رقم ہی نہیں ملے گی تو اس کے لئے کچھ حصہ چھوڑ کر باقی رقم لینے کی بات طے کرنا جائز ہوگا۔
(٩)اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا ؟ لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔
یہ رشوت ہے ،اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔ رشوت لینے اور دینے والوں پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ البتہ رشوت نہ دینے سے کسی کا حق مارا جارہا ہے ،رشوت کے بغیر اس کا صحیح کام بھی نہیں ہوسکتا ہے تو اس کے لئے مجبوری کے تحت فقہاء کرام نے اپناحق وصول کرنے کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے، لیکن اس وقت بھی لینے والے کے لئے اس کی حرمت باقی رہے گی۔ اس لئے اس صورت میں رشوت دے کر اپنی امدادی رقم نکلواسکتا ہے۔
‘‘عن عبداللہ بن عمرو قال: لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی’’ (ابوداؤد، ترمذی)۔
‘‘إذا دفع الرشوۃ خوفا علی نفسہ أو مالہ فهو حرام علی الآخذ، غير حرام علی الدافع’’ (البحر الرائق ،كتاب القضاء ٦،٢٨٥) ۔
‘‘ كما إذا اضطر إلی دفع الرشوۃ لإحياء حقہ جاز لہ الدفع وحرم علی القابض’’ (رد المحتار ٥،٧٢)۔
(١٠) امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہیں، اس سلسلے مینغلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقے پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا

کیا حکم ہے؟

امدادی رقوم حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقے سے امداد یا قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ غلط بیانی کرنا ویسے بھی گناہ کا کام ہے۔ دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے حکومت نے امدادی رقوم حاصل کرنے کے لئے جن شرائط ومعیار کولازم قراردیا ہے ان کو پوراکئے بغیر غلط بیانی کرکے امداد حاصل کرلینا جائز نہیں ہوگا۔

''لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ ولا ولایتہ '' (الدرالمختار،کتاب الغصب)۔

(۱۱)بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے ۔اور اس پر جو انٹرسٹ عائدہوتا ہے وہ خود مقروض کو ادا کرنانہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے یا اس کا بڑا حکومت حصہ اداکرتی ہے اور بہت تھوڑا حصہ خود مقروض کو اداکرنا ہوتا ہے ،کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

وہ صورت جس میں پورا انٹرسٹ خود حکومت ادا کرتی ہے اورقرض لینے والے کو صرف قرض کی رقم واپس کرنی ہوتی ہے یہ جائز ہے۔ یہ حکومت کی طرف سے تعاون اور امدادہے۔اس میں قرض لینے والے کو سود بھی دینا نہیں پڑتا ہے۔ اس لئے یہ جائز اور درست ہے۔

وہ صورت جس میں قرض لینے والے کو سود کا کچھ حصہ دینا پڑتا ہے یہ عام حالت میں جائز نہیں ہے ۔ البتہ مجبوری کی صورت میں ا س کی اجازت ہوسکتی ہے۔

(۱۲)بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے اس سے تعلیمی یا رفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے ۔گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مددکرتا ہے تو کیا ایسی صورت درست ہوگی؟

ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ۔ کیونکہ اس سے استفادہ کرنے والوں کو حکومت خود دے رہی ہے ،وہ خواہ اپنے خزانے سے دے یا بینک کے ذریعہ دے ، ایسے بینک بھی جس میں حکومت ڈپوزٹ کرتی ہے عام طور سے حکومت کے ہی ہوتے ہیں۔ ملکیت کی تبدیلی سے بھی حکم بدل جاتا ہے۔

''والأصل فی ذلک ماروی أن بریرۃ کانت تھدی إلی الرسول ﷺ وھی مکاتبۃ ماکان یتصدق بہ علیھا، وکان رسول اللہ ﷺ یقبل ھدیتھا، ویأکل وکان یقول:'' لھا ھی صدقۃ ولنا ھدیۃ'' فقد جعل تبدل الملک بمنزلۃ تبدل العین'' (المحیط البرھانی ۶۰۱،۴)۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی بابت اکیڈمی کا سوالنامہ اور جوابات

مدرسہ جامعہ عربیہ سلم العلوم کالٹیرہ،ضلع بناس کانٹھا

ربا ایک معاشرتی لعنت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ہمیشہ ہی سے غربت کے لہو سے سرمایہ داری کی آبیاری کی ہے اور غربت کے سسکتے وجود سے سرمایہ دار کی بوش کو غذا بخشی ہے، اسی وجہ سے خداوند قدوس نے بھی ایسوں کے دلوں کوہلادینے والا چیلنج کیا ہے، ‘‘فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۹) اور سرکار دوعالمﷺ کی کم وبیش چالیس حدیثیناس کی مذمت پرمشتمل ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ربا کو وجود پذیر ہوئے اتنا طویل زمانہ گزر چکا کہ اس کی جڑوں کو کھود کر پھینکنا اورمعاشرہ ومعیشت کواپنے احاطہ مینا س طرح لےلیاہےکہ اس سےنکلنا بہت ہی دشوار ہوگیاہے، اس کے باوجود ایسے دیندار ہر زمانہ میں رہے جنہوں نے اختیاری درجہ تک اس لعنت سے بچنے اور دور رہنے کی مکمل کوشش کی اور نتیجہ کے طور پر اگر کچھ لوگ ناکام رہے تو کچھ کامیاب بھی ہے اگرچہ عصرحاضرمیں ملکی اعتبار سےایمان والے بعض ایسی مشکلونکےشکار ہے جس نے اختیار کو اضطرارسے بدل دیا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ اہل افتاء پیدا ہونے والی نئی شکلوں کے سلسلہ میں متفقہ طورپر کوئی ایک راہ عمل متعین کرکے امت کو اس سے باخبر کریں۔

چنانچہ حکومت کی طرف سے دی جانے والی اسکیموں اور قرضوں میں عامۃ سود شامل ہوتا ہے،لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ سود کی مذمت کے بارے میں قرآن وحدیثاوراقوال فقہاء کی روشنی میں کچھ باتیں سپرد قرطاس کی جائیں۔

سودی معاملہ اورسودی لین دین یہ نص قطعی حرام ہے، قرآن واحادیث میں بہت وعیدیں آئی ہیں، ارشادخداوندی ہے: ‘‘أحل اللہ البیع وحرم الربو’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۵)۔ نیز ارشادفرمایا:‘‘یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۶)۔ تو جس چیز کواللہ مٹاتے ہے اس کو اختیار کرنا کیا یہ اللہ تعالی سےبغاوت ومقابلہ نہیں ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۹) جس کو اللہ اور اس کا رسول ‘‘جنگ کا اعلان ’’ دیں اور بازنہ آئے تو اس کا خاتمہ بخیر ہوسکتا ہے؟

احادیث میں بھی سودی لین دین پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں اختصار کے پیش نظر صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں جو بہت ہی سخت ہے، ‘‘عن أبی ہریرۃؓ قال:قال رسول اللہﷺ:الربوا سبعون جز ءاً أیسرہا أن ینکح الرجل أمہ’’۔

دوسری ایک حدیث موقع کے حساب سے کہ جس بستی میں زنا اور سودی لین دین پھیل جاتا ہے اس بستی والوں نے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دیدی یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے بحوالہ معارف القرآن۔

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ سودی معاملہ قطعاً حرام ہے، اس کا مرتکب سخت گنہ گار فاسق باغی سرکش ہے اور سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ان نصوص کے پیش نظر شرعاً سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، دار الحرب میں بھی امام ابویوسف اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذہب عدم جواز کا ہے اور علماء محققین اور محتاط حضرات نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، البتہ اضطرار اور حد درجہ کی حالت میں، جبکہ ہلاکت نفس کا خوف ہے جس طرح بقدر ضرورت مردار کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اسی طرح فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاج اور شدید مجبوری کی صورت میں، جبکہ قرض وغیرہ ملنے کی امید نہ ہو تو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت ہے، ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں ہے۔

''وفی القنیۃ والبغیۃ: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر، البحر الرائق)۔

اس موقع پر یہ بات مکمل پیش نظر رہنی چاہئے کہ سودی قرض لینے کی اجازت حد درجہ کی مجبوری اور شدید احتیاج کی صورت میں ہے، زیب وزینت محض کاروبار کی ترقی اور اپنی خواہش پوری کرنے کو ضرورت اور احتیاج کا عنوان دینا سخت دھوکہ دہی اور بے ہودہ تاویل ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت اور حاجت وغیرہ کی شرعی تعریف نقل کردی جائے۔

''جواہر الفقہ'' میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ ضرورت اور حاجت کی تعریف فرماتے ہیں:

(۱)ضرورت، (۲) حاجت۔

(۱) ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کریں تو یہ شخص ہلاک ہوجائے یا قریب الموت ہوجائے، یہی صورت اضطراری کی ہے، اسی حالت میں حرام اور ممنوع چیز کا استعمال حلال ہوجاتا ہے۔

(۲) حاجت کے معنی ہیں اگر وہ ممنوع چیز کا استعمال نہ کریں تو وہ ہلاک تو نہ ہو، البتہ مشقت اور تکلیف شدید ہوگی یہ صورت اضطراری کی نہیں ہے، اسی لئے اس کے واسطے نماز روزے طہارت وغیرہ میں احکام میں رعایت اور سہولتیں ہوگئی ہیں، مگر اسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوگی۔

مندرجہ بالا ضرورت اورحاجت کی تعریف سے یہ ثابت ہوا کہ حرام چیز ضرورت اور اضطرار ہی کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوتی ہے، لہذا سود جو بہ نص

قطعی حرام ہے اضطرار اور مجبوری یہی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوگا، اس لئے جو شخص اضطرار اور ضرورت میں مبتلاہو وہ اپنی حالت کسی مفتی یا ماہر عالم کے سامنے پیش کرے او راجازت ملنے پر بقدر ضرورت استعمال کرے۔

سودی معاملہ سے بچنے میں ہی مسلمانوں کی ترقی ہے گو بظاہر تنزلی ہو جو قوم بے ہودہ تاویلوں سے حرام کو حلال او رناجائز کو جائز کرنے میں کوشاں ہوں وہ کسی صورت میں ترقی نہیں کرسکتی مسلمانوں کی عزت وبلندی عمدہ معیار زندگی میں ہیں، بلکہ تقوی اور پرہیزگاری میں ہے (فتاوی رحیمیہ)۔

مندرجہ بالا تمہید سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں اور واضح ہوگئی کہ جن سرکاری اسکیموں میں سود ہے وہ اسکیمیں اور جن امدادی قرضوں میں سود ہے وہ تمام شکلیں بغیر کسی شدید مجبوری اور اضطراری حالت کے درست نہیں ہے، اگرچہ ظاہر میں مسلمانوں کی پستی اور انحطاطی نظر آرہی ہے، البتہ مسلمانوں کی بہبودی اور کامیابی اس میں مضمر ہے کہ ان کو شریعت کے احکام کا پابند رکھا جائے۔

اب ہر شکل کا جواب الگ لگا جارہا ہے:

(۱) جائز ہیں اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

(۲) یہ شکل بھی جائز ہے۔

(۳)اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنی پڑے تو یہ شکل سود میں داخل ہونے کیو جہ سے ناجائز ہے ہاں البتہ اگر کسی شخص کو پورا اعتماد اوریقین ہے کہ وہ رقم کی بھرپائی مقررہ مدت مینکردے گا تو اس کو اجازت ہوسکتی ہے۔

(۴،۵) سروس چارج، یعنی بینک کا عملہ جو حساب کتاب یا حفاظت وغیرہ کی ذمہ داری سنبھالتا ہے ان کی اجرت بینک ادا کرتا ہے اور پھر بینک میں رقم جمع کرنے والوں (قرض خواہ) یا بینک سے قرض لینے والے (قرض دار) پر تناسب سے تقسیم کرتا ہے تاکہ ہر ایک اس میں شریک ہوجائے اور سب مل کر اس عملہ کی اجرت ادا کردیں تو اصل مسئلہ احتیاج کا ہے جو اس عمل کا محتاج ہے اس کے ذمہ اجرت آئے گی اور بنظر غائر دیکھا جائے تو احتیاج دونوں طرف سے ہے بینک اس معنی میں محتاج ہے کہ لوگوں کی رقوم سے تجارت کرکے نفع حاصل کرتا ہے اور جمع کرنے والا بھی محتاج ہے کہ ان کے رقوم کی حفاظت ہورہی ہے، نیز وہ اپنی ضرورت کی وجہ سے بینک کے دروازوں پر حاضر ہوئے بینک نے دعوت پیش نہیں کی تھی، لہذا بینک کا سروس چارج بجاہے، فتاوی دارالعلوم زکریا کے اس جواب سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ غیر معافی والے اور معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ جو سروس چارج کہلا سکتا ہو لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے، ہاں البتہ سروس چارج جس کو انتظامی خرچ پر محمول نہ کی

جاسکے تو پھر یہ سود کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز ہوگا، چاہے یہ قرض مختلف جانورونکے پالنے یا مکان کی تعمیر کاشتکاری یا باغبانی کی ضروریات کے لئے ہو اور اس میں سودی شکل ہوتو کسی شدید مجبوری اور اضطراری حالت کے درست نہیں ہے۔

(۶) گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم جس میں کسی طرح کا غرر، دھوکہ سود شامل نہ ہو صرف اعانت کے طور پرہو تواس کے لینے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

(۷، ۸)گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم میں جو لوگ واسطہ بنتے ہیں اور وہ محنت کرتے ہیں تو وہ لوگ مطلوبہ محنتانہ لے سکتےہیں۔

(۹) اگر کوئی شخص واقعتاً مجبور ہو اور اس کو اس قسم کے امدادی قرضوں کے اصول کے لئے اگر رشوت دینے پڑے تو کراہت خاطر کے ساتھ اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (مختلف کتب فقہ)۔

(۱۰) اس قسم کی امدادی رقوم کے حصول کے لئے اگر حکومت کی طرف سے کچھ شرائط اور معیارات متعین ہو تو اس میں غلط بیانی سے کام لینا درست نہیں ہے۔

(۱۱) اس صورت مینظاہراً کوئی قباحت نظر نہیں آرہی ہے۔

(۱۲) اگر حکومت کسی بینک سےقرض دلاتی ہے اور اس میں بینک کی حیثیت توکل کی ہے اور قرض لینے والا وکیل ہے اور اس صور رت میں پورا انٹرسٹ حکومت پر عائد ہوتاہو تو کوئی حرج نہینہے، اور اگر حکومت کی حیثیت ضامن کی ہے تو یہ صورت درست نہیں ہے، اور اگر انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا حصہ خود کو ادا کرنا پڑتا ہے تو یہ دونوں صورتیں درست نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اوپر دی گئی تمام شکلوں میں سے جن شکلوں میں ربوا پایا جاتا ہے وہ صورتیں قطعاً درست نہیں ہے ہاں البتہ جن میں سود نہیں ہے وہ صورت بلا شبہ جائز ہے۔

سرکاری اسکیموں سے متعلق چند سوالات کے جوابات

مفتی اعجاز الحسن بانڈے القاسمی•

خالق ارض وسماء نے مخلوقات عالم میں اشرف المخلوقات حضرت انسان کو یہ امتیاز بخشا ہے کہ وہ دنیا کی اس مختصر زندگی میں نظام چلانے کے لئے عقل وخرد کابھرپور استعمال کرے جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے ہر دور کا انسان زمانۂ ماضی کے مقابلے میں ترقی یافتہ قرار پایا ہے، انسان نے تمام شعبۂ ہائے حیات کے لئے نت نئے راستے تلاش کئے ہیں خاص طور پر معیشت کو مضبوط تر بنانے کے لئے بے شمار وسائل معاش ڈھونڈ نکالے گئے یہ کوشش انفرادی سطح پر یقینا ہوئی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر اس جانب خاص توجہ دی گئی یہ بات تقریباً طے ہے کہ اگر حکومتی کارندے اہل اسلام سے تعلق رکھتے ہوں اور عوام کی اکثریت بھی قرآن وحدیث کو اپنا نمونہ مانتی ہو تو حکومت حلال وحرام کی رعایت رکھے گی، جائز وناجائز کا پیمانہ ضرور مد نظر ہوگا اور مسلمان ہونے کے ناطے ان کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے:

اور موجودہ حالات میں اکثر مسلم ملکوں کی یہی شبیہ سامنے آرہی ہے اب جبکہ اہل حکومت کافر ومشرک ہوں اور عوام کی اکثریت بھی غیر مسلم ہی ہو تو حلال وحرام کی تمیز کی جائے گی اس کی توقع رکھنا بھی عبث ہے۔

ملک ہندوستان جو اپنے دعوؤں کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ اس ملک میں رہنے والے کثیر المذاہب ہیں مذاہب کے تنوع میں حقیقت کے اعتبا رسے دو قسمیں نکل کر آتی ہیں ‘‘مسلمان ’’ یعنی قرآن وسنت کو اصل سرمایۂ حیات ماننے والے، ‘‘غیر مسلم ’’ یعنی منکرین قرآن وسنت۔

ہندوستان میں مسلمان دوسری بڑی اکثریت ہے جس کو ہم بڑی اقلیت کا نام بھی دے سکتے ہیں اور عوام کی اکثریت وہی غیر مسلم کہلاتی ہے، جہاں تک زمامِ اقتدار کا تعلق ہے تو وہ بھی غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہی ہے۔

اس بڑی جمہوریت کے غیر مسلم حکمراں ملک کی معیشت کو مضبوط تر بنانے کے لئے کسی بھی طبقے کو یکسر نظرانداز نہیں کرسکتے او رنہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا معاشی نظام اکثریتی طبقے کو نظر انداز کرکے صرف اقلیتی طبقے اہل ایمان کی ترقی کے لئے مرکوز کریں جب اکثریتی طبقہ غیر مسلم برادری کا ہے کہ جن کے نزدیک حلال

• صدر مفتی الجامعہ سبیل الہدی بمنہ سرینگر، کشمیر۔

وحرام کا کوئی قابل ذکر پیمانہ ہے ہی نہیں تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنا معاشی نظام قرآن وسنت کی روشنی میں مرتب کرینگے۔

غیر مسلم برادری کا یہ کردار تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ وہ ترقی کی راہوں میں حلال وجائز کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہتے ہیں زمانۂ نبوت میں بھی سود بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مروج تھا جس شدت کے ساتھ سودی نظام رائج تھا اسی شدت کے ساتھ قرآن وسنت نے اس پر تنبیہ فرمائی، ‘‘یا أیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ’’ (البقرہ: ۲۷۹۔۲۸۰) (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مؤمن ہو، اگر تم اس پر عمل نہ کرو (یعنی سود چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے)۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم کی سب سے خوفناک آیت وہ ہے جو سود خوروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس میں اہل ایمان کو اس آگ سے ڈرایا گیا جو خصوصیت کے ساتھ اہل کفر کے لئے تیار کی گئی ہے (تفسیر روح المعانی)۔

مشہور تابعی محدث وقت حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہی ہے جس میںاللہ نے سود خوروں کے خلاف اعلانِ جنگ فرمایا ہے، سیدنا حضرت سعید بن جبیرؒ، سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی سود خوروں سے فرمائینگے، میرا تمہارے خلاف اعلان جنگ تھا تو آج اپنے ہتھیار لے آؤ تاکہ تم سے جنگ ہو۔

حضورﷺ جس معاشرے میں تاج نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اس میں دیگر قسم قسم کی خرابیوں میں سے ایک بدترین خرابی سودی لین دین بھی تھا، چنانچہ عرب معاشرے کے تقریباً ہر قبیلے میں عام سودی قرضوں کے لین دین کے ساتھ تجارتی قرضوں میں بھی سودی لین دین کا سلسلہ قائم تھا انہی قبائل میں سے ایک قبیلہ بنو ثقیف تھا۔ اسی قبیلۂ بنو ثقیف کے ذمہ دار حضرت عباسؓ وحضرت خالدؓ کی کوئی سودی رقم باقی تھی۔ اسی طرح سے کچھ دوسرے قبائل وانسانوں کے ایسے سودی تقاضے سامنے آئے کہ اللہ تعالی نے ان معاملات کے پس منظر میں یہ حکم نازل فرمایا کہ اب تک جو کچھ ہوگیا، ہوگیا اب آئندہ اس کی اجازت نہیں ہے، لہذا یکسر یہ سودی معاملہ چھوڑ دو، ورنہ اعلان جنگ ہے اور بذات خود جناب رسول اکرمﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا، ‘‘إن أمور الجاہلیۃ موضوع تحت قدمی ہذا وأول رباً أضع ربا عباس فإنہ موضوع کل’’ (مسلم شریف) (خوب سمجھ لو جاہلیت کی تمام رسمیں میرے پاؤں کے نیچے روندی گئیں اور زمانۂ جاہلیت کا سود ختم کردیا گیا اور سب سے پہلا سود جو چھوڑ دیا گیا وہ ہمارے چاچا عباس

بن عبد المطلب کا ہے وہ معاف کردیا گیا)۔

قرآن مقدس کی سلسلہ وار نو آیات نے تو سود کی حرمت کا اعلان کرہی دیا ہے، جناب رسالتمآب ﷺ کی زبان مبارک سے چالیس احادیث وارد ہوئیں جن سے سود اور اس طرح کے معاملات کی حرمت وشناعت مزید مؤکد ہوئی جن کا فائدہ یہ نکلا کہ اس وقت کا پورا معاشرہ اور مکمل معاشی نظام سود سے پاک وصاف ہوگیا۔

سود جسے اسلام میں حرام قرار پایا ہے قوم یہود کے لئے بھی اس کی حرمت نازل ہوئی تھی قرآن فرماتا ہے: ''وأخذہم الربا وقد نہوا عنہ'' (النساء : ۱۶۱) (اوران یہودیوں کا سود لینا بھی ایک جرم تھا، حالانکہ ان کو اس سے روک دیا گیا تھا)۔

بنی اسرائیل کو بھی اس سے منع کیا گیا تھا، چنانچہ بائبل میں متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سود یہود ونصاری کے دین میں بھی ممنوع تھا، ملاحظہ ہو سود کے متعلق ''ایک تاریخی فیصلہ '' (از مولانا محمد تقی عثمانی صاحب،۵۲)۔

بلکہ سود تو درحقیقت ہندو مذہب میں بھی حرام رہا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اپنی محققانہ کتاب ''الربا '' میں لکھا ہے ۔ داراشکوہ نے ایک پنڈت سے پوچھا کیا اہل ہنود کے لئے سود حلال ہے؟ اس نے جواب میں کہا اہل ہنود کےلئے سود کا لینا حرام سے بھی زیادہ برا ہے، پھر سوال کیا کہ پھر وہ سود لیتے کیوں ہیں جواب میں اس نے کہا رواج پاگیا ہے اور یہ رواج بھی اس کے نقصان سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔

جن مذاہب کا اوپر ذکر کیاگیایہ وہ مذاہب ہیں جو تقریباً سب سے زیادہ مشہور ومعروف ہیں، یعنی اسلام، ہندو مت، یہودیت اور نصرانیت، اگر دیکھا جائے تو پوری دنیا کی غالب اکثریت انہی مذاہب کے ماننے والوں پر مشتمل ہے، لہذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس موجودہ دنیا کی غالب اکثریت اپنے نظریات اور مذہبی تعلیمات کی بنا پر سود کی حرمت کی ہی قائل ہے، مگر عملاً معاملہ اس کے برعکس ہے، اس وقت کا پورا معاشی نظام تقریباً بنک کاری کے ذریعہ رواں دواں ہے، یہودیت تو شروع سے ہی سودی نظام کی دلدادہ رہی ہے، بلکہ وہ پورے عالم کو اس کی لپیٹ میں لینا چاہتے ہیں نصاری کو انہوں نے اپنے قبضے میں لے ہی لیا ہے۔ اہل ہنود بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے میں عافیت محسوس کرنے لگے ہیں اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو سودی نظام کی مضرت سے قطعاً ناواقف اور دوسری طرف سے مغرب سے شدید حد تک متاثر، بلکہ مغرب سے آنے والی ہر صدا پر آمنّا وصدّقنا کی صدائے نیاز بلند کرنے والے ہیں ان ہی کی پیروی میں خوش وشادماں دِکھتے ہیں۔

فقہاء کی ذمہ داری:

اس صورتحال میں فقہاءکرام اور علماء کرام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ باریک بینی سے تمام نکات پر نظر رکھیں اور حرام وحلال کے درمیان ایک واضح حد فاصل

کھینچیں، ورنہ وہی زمانہ جاہلیت کی طرح ‘‘إنما البیع مثل الربا’’ (سورہ بقرہ: ۲۷۵) کا منظر دیکھنے کو ملے گا اور پوری امت مسلمہ جو پوری کائنات کے لئے سفینۂ نجات ہے سود کے دلدل میں غرقاب ہوجائے گی۔

محترم قارئین کرام! ملک ہندوستان کے ارباب اقتدار ہمیشہ سے اس کوشش میں رہے ہیں کہ پورا ملک معاشی اعتبار سے روز افزوں ترقی کی منزلوں کو طے کرتا جائے، اس سلسلہ میں ملک ہندوستان کا کمزور طبقہ کس طرح آگے بڑھ سکتا ہے کئی طرح کی اسکیمیں رائج کی گئی ہیں، مگر پریشانی وہی ہے کہ چونکہ ارباب اقتدار غیر مسلم ہینوہ صرف ترقی چاہتے ہیں، حلال وحرام کے جھنجھٹ میں پھنسے بغیر بس اور بس ترقی ہونی چاہئے، ان اسکیموں میں سے کچھ تو اقلیتی طبقات خاص کر مسلمانوں کے لئے مختص ہوتی ہیں، یہ اسکیمیں نقدی رقم کی صورت میں بھی مروج ہیں جنسی شکل میں بھی، یعنی صنعت وحرفت کی قبیل سے، ان اسکیموں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بعض اسکیمیں وہ ہیں جن کے ذریعہ سے امداد واعانت مقصود ہے، یعنی انسان کو نفع ملے گا بغیر کسی اجرت وعوض کے اور بعض اسکیمیں وہ ہیں جن میں رقم بطور قرض ملے گی اس میں بھی پھر یہ تقسیم ہے کہ بعض قرضہ کی رقوم مکمل مگر قسطوں میں واپس کرنی پڑتی ہیں اور بعض پر سبسڈی فراہم کی جاتی ہے جس میں قرض کا ایک حصہ یکسر معاف کردیا جاتا ہے اور بعض قرضے اس طرح کے ہوتےہیں کہ کثیر المیعاد ہونے کی بنا پر ان رقوم پر سود کے نام سےزائد رقم لی جاتی ہے، کبھی یہ رقم عام بنک کاری سودی نظام کے مثل ہوتی ہے اور کبھی اس میں تھوڑی بہت رعایت برتی جاتی ہے اور بنک کی بہ نسبت کم رقم بطور سود ادا کرنی پڑتی ہے بہرکیف ان اسکیموں اور قرضہ کی رقوم سے استفادہ کی کون سی شکلیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز، سوالوں کی ترتیب سے جواب پیش خدمت ہے:

سوال نمبر ۱ : وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

حکومت اگر کوئی رقم بطور قرض دے اور واپسی کے لئے اس لی ہوئی رقم میں سے کچھ کم ہی واپس ادا کرنی پڑے تو یہ قرض ہونے کے ساتھ ساتھ تعاون کی ایک شکل ہے جس میں بغیر کسی کراہت کے انتفاع جائز اور درست ہے اور آیت کریمہ ‘‘یا أیہا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ’’ (البقرہ: ۲۸۲) کے دائرہ میں داخل ہوکر ایسا معاملہ کرنا جائز اور درست ہے۔

سوال نمبر ۲: مقررہ مدت میں واپسی والے قرضے کا حکم جن میں زائد رقم نہ دینا پڑے؟

ظاہر سی بات ہے اگر قرضہ میں لی ہوئی رقم کے بقدر ہی ایک متعینہ مدت تک

واپس کرنا پڑ رہی ہے کچھ بھی زائد رقم نہیں دینی پڑرہی ہے تو یہ شکل بلا کراہت جائز ہے اور حقیقت میں یہ امداد وتعاون کی ہی ایک قسم ہے، ضرورت مند کو ایسا قرضہ دینے پر تو احادیث میں بشارتیں آئی ہیں، حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر وثواب دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا (معجم طبرانی کبیر بحوالہ معارف الحدیث ۴۹۵،۷)۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ میںنے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے تو جبرئیل نے بتایا کہ جس کو صدقہ دیا جاتا ہے وہ اس حالت میں بھی سوال کرتا ہے اور صدقہ لے لیتا ہے، جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا جب ہی قرض مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

''عن أبی أمامۃؓ قال:قال رسول اللہﷺ:دخل رجل الجنۃ، فرأی علی بابہا مکتوباً الصدقۃ بعشر أمثالہا والقرض بثمانیۃ عشر (رواہ الطبرانی فی الکبیر) فقلت یا جبرئیل ما بال القرض أفضل من الصدقۃ؟ قال لأن السائل یسئل وعندہ والمستقرض لا یستقرض إلا من حاجۃ'' (جمع الفوائد)۔

لہذا قرض کی یہ صورت بلا کسی کراہت کے درست اور جائز ہے۔

سوال نمبر ۳ : مقررہ مدت کے بعد ادائیگی والے قرضے جن زائد دینا پڑے:

اس سوال کا جواب تو بالکل واضح ہے کہ ''کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ من وجوہ الربا'' (السنن الکبری للبیہقی کتاب البیوع، باب کل قرض جر نفعاً : دار الفکر: ۱۱۰۹۲)۔

حدیث مبارک کی روشنی میں یہ زائد رقم سود ہے لینا بھی ناجائز ہے اور دینا بھی گناہ ہے، لہذا ایسے قرض سے احتیاط واجب ہے۔

سوال نمبر ۴ : قرض پر لی جانے والی زائد رقم کو سروس چارج ماننا:

حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو کسی بھی حالت میں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ سوددیا جائے یا سود لیا جائے۔ حضورﷺ نے سخت وعیدات کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

''لعن رسول اللہﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (مسلم شریف: ۵۱۰۸، ابوداؤد: ۳۳۳۳)۔

اگر ایک انسان اس درجہ مجبور ہوکہ ذرائع معاش بالکل مخدوش ہوں اور بنیادی ضروریات کھانا، کپڑا یہاں تک کہ رہائشی ضروریات کا بھی فقدان ہو اور ان کی تکمیل ناممکن نظر آتی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے کہ اس طرح کی رقم قرض لے لی جائے

جس میں بہت ہی کم زائد رقم ادا کرنی پڑے، صاحب ‘‘الاشباہ والنظائر ’’ علامہ ابن نجیم مصری رقمطراز ہیں:

‘‘ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ والنظائر،۱۱۵) (ضرورت مند کے لئے نفع کے ساتھ (یعنی سود دے کر) قرض حاصل کرنا جائز ہے)۔

یہ اجازت تو عام سودی قرضوں میں منقول ہے، لیکن مسئلہ ہذا میں جو صورت حال مذکور ہے وہ ہے تو مختصر سی زائد رقم سروس چارج کے نام سے وصول کی جاتی ہے یا سروس چارج کےنام کے بغیر سروس چارج کے ہی بقدر یہ زائد رقم ہے، اس صورت حال میں اس مختصر زائد رقم کے ہوتے ہوئے قرض لینا جائز ہونا چاہئے کہ یہ انتظامی خرچہ جات کی مد میں داخل ہوکر سود کے نام سےبچ سکتی ہیں ‘‘دار العلوم دیوبند ’’ کے سابق صدر مفتی حضرت مولانا نظام الدین صاحبؒ ‘‘نظام الفتاوی ’’ میں رقمطراز ہیں:

اس معاملہ کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جزوی رقم جو سود کے نام سے لی جاتی ہےحقیقت میں وہ سود نہیں ہے، بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت میں اور جو سامان وغیرہ اس پر خرچ ہوتے ہیں یا درکار ہوتےہیں ان کی قیمت میں لی جاتی ہیں جس سے انتظام میں سہولت ہوتی ہے (نظام الفتاوی ،۲۶۴)۔

لہذا اس جزوی زائد رقم کی شرط پر بوقت ضرورت شدیدہ قرض لینے کی اجازت ہوگی۔

سوال نمبر۵: قرض پر لی جانے والی زائد رقم جسے سروس نہ کہا جاسکے کاحکم:

ظاہر سی بات ہے کہ اس صورت میں یہ سیدھا سودی لین دین ہے جو کسی بھی حالت میں جائز اور درست نہیں ہے قرآن وحدیث کی رو سے یہ حرام ہے اگر آدمی شدید مجبور ہے معاشی لحاظ سے بے حد پریشان ہے کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں بھکمری کی حالت ہے بچے واہل عیال بلبلا رہے ہیں تو پھر علامہ ابن نجیم مصریؒ کی ذکر کردہ عبارت کی روشنی میں اس کی گنجائش ہے کہ سود دے کر رقم قرض پر لے لی جائے اور جائز ضروریات کی تکمیل کر لی جائے۔ ‘‘ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ والنظائر،۱۱۵) (بلا ضرورت اس کا سودی قرض لینا حرام اور ناجائز ہے)۔

سوال نمبر ۶ : حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم سے استفادہ:

سرکار کی طرف سے کی جانے والی معاونت کسی بھی ضرورت کے لئے ہو اس سے استفادہ شرعاً جائز اور درست ہے، البتہ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جس مد میں مدد کی جارہی ہے وہ رقم اسی مد میں صرف کی جائے۔

سوال نمبر ۸ : حکومتی قرض کے حصول میں واسطہ بننے والے کا کمیشن:

اگر انسان خود محنت وکوشش کرے تو قانوناً امداد کے حصول میں اپنی طرف سے رقم خرچ نہیں کرنی پڑتی ہے، لیکن اس وقت کا معاشرہ زہر آلود ہے گناہوں کی معصیت دلوں سے نکل چکی ہے اگر خود مشقت سے بچتے ہوئے کسی اور کے واسطہ سے

کاروائی کرائی جارہی ہے تو پھر محنتانہ اس کا حق بنتا ہے جو اس کے لئے لینا جائز ہے اور دینا بھی جائز ہے۔

سوال نمبر ۹ : قرض حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کا حکم:

اگران امدادی رقوم کی حصولیابی مستحق ہونے کے باجوود ناممکن الحصول ہو تو بدرجہ مجبوری کچھ خرچ کرکے اپنا حق حاصل کرنا جائز اور درست ہے، ظاہر ہے کہ لینے والا قطعاً گنہ گار نہ ہوگا۔ اس کے لئے کسی بھی طور اس کی گنجائش نہیں ہوگی کہ وہ یہ رشوت کی رقم لے، لیکن دینے والا چونکہ مجبور ہے اور اپنی ضروریات کو پوری کرنا اور حکومت کی امداد سے فائدہ اٹھانا رشوت دیے بغیر ممکن نہیں بن پارہا ہے، لہذا یہ دینا بدرجۂ ضرورت جائز ہوگا۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ پکڑ اور عذاب سے محفوظ رہے گا۔

سوال نمبر ۱۰ : امدادی رقوم یا قرض کے حصول کے لئے غلط بیانی کا حکم:

جس حاجت یا ضرورت کے لئے کوئی فرد درخواست کررہا ہے اگر وہ اس کی شرائط ومعیارات کو پورا نہیں کررہا ہے جھوٹ پر مبنی درخواست دے کر ان امدادی رقوم یا قرض سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس طرح سے امداد وصول کرنا یا قرض لینا درست نہیں ہوگا، رشوت تو دور تحفۃً کچھ دینا بھی حرام ہوگا، کہ اس طرز عمل سے ضرورت مندوں کے حقوق پامال ہونگے۔ بعض اوقات کٹر مسلم مخالف کچھ افراد جان بوجھ کر ایسی شرائط رکھ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے اس سے استفادہ ممکن نہ ہونے پائے، جبکہ جن مقاصد کے تحت یہ امداد یا قرضہ دیا جارہا ہے چند مسلم طبقوں میں وہ چیزیں وحاجات پائی جارہی ہیں تو ایسی صورت میں اگر حقیقتاً کسی مسلمان میں یہ کمزوریاں موجود ہیں جو ان قرضہ جات یا امداد کی بنیاد ہے تو پھر ان مسلمانوں کے لئے جائز حدود کا خیال کرتے ہوئے ان اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی کہ ظاہری شرائط کے مقابلے میں مقاصد ونتائج پر نظر رکھتے ہوئے یہ درست قرار پائے گا اور اس کے لئے کچھ رشوت بھی دینی پڑے تو گنجائش ہوگی، ورنہ مستقبل میں ایک وقت آئے گا کہ مسلمان سماج سے اس طرح پچھڑ جائے گاکہ وہ اس قابل نہیں ٹھہرے گا کہ اس کا نام بھی لیا جاسکے، ‘‘ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع حرام علی الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا یجوز أخذ المال’’ (شامی ۳۵،۸)۔

سوال نمبر ۱۱ : ایسی اسکیم سے استفادہ جس میں سود حکومت ادا کرے:

تعلیمی قرضہ جات کے نام سے اگر حکومت اس کے انٹرسٹ کو خود ادا کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ رقم درحقیقت قابل اور ذہین بچوں کے لئے حکومتی امداد کے حکم میں ہے جس سے مستحقین کےلئے استفادہ یقینا جائز ہے، لیکن اگر مقروض کو انٹرسٹ کے نام سے کچھ رقم خود بھی ادا کرنی پڑتی ہےتو شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہوگی۔ حرام وسائل

کو حلال کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ حلال وسائل کو تلاش کیا جائے یا حلال ذرائع کو پیدا کیا جائے۔

سوال نمبر ۱۲ : حکومت کی طرف سے محفوظ فنڈ پر لیے جانے والے سود سے استفادہ کاحکم:

حکومت کی طرف سے یہ امداد مستحقین کےلئے ہوتی ہے اگر مستحق کو یہ پتہ ہے کہ اس مد میں انٹرسٹ کی رقم سے مدد کی جارہی ہے تو بربناء مستحق اس کے لئے اس رقم سے استفادہ درست ہوگا، اگر حکومت مسلمانوں کی ہوتی تو پھر یہ مسئلہ قابل اعتراض بن سکتا تھا، مگر جب حکومت ہی غیر مسلموں کی ہے او ران کے لئے انٹرسٹ وغیر انٹرسٹ میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تو اس طرح کے فنڈس قائم کرنے کے بعد ان رقوم سے مستحقین کی مدد بھی جائز ہوگی اور مستحقین کے لئے استفادہ بھی درست ہوگا۔ ملک ہندوستان میں تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو ان اسکیموں سے متعارف کرایا جائے اور زیادہ سے زیادہ مسلمان ان سے مستفید ہوں، تاکہ پسماندگی کا کچھ مداوا ہوسکے۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی مختلف صورتوں کے احکام

مفتی محمد ابوبکر قاسمی•

مختلف قسم کی سرکاری اسکیموں کے ذریعہ عوام جو جو رقوم مہیا کرائی جاتی ہیں ان کا تعلق امداد واعانت کے قبیل سے ہو یا قرض سے متعلق ہو اگر کوئی ضرورت مند ان سے مستفید ہوتا ہے تو شرعاً ان سے استفادہ ضرورت مندوں کے لئے مطلقاً جائز ہے، رہا غیرضرورت مندوں کا ان سے مستفید ہونا تو اگر اس اسکیم میں کوئی غیر شرعی کام نہیں کرنا پڑتا تو جائز ہے ورنہ جائز نہ ہوگا۔

مذکورہ اصول کی روشنی میں فقہ اکیڈمی دہلی کے مرسلہ سوالوں کا جواب ذیل میں تفصیل سے لکھا جاتا ہے:

(۱) معافی والے قرض کا شرعی حکم:

قرض کی وہ صورت جس میں قرض کی رقم کاایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور قرض کی گئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرض کا لینا تمام لوگوں کے لئے جائز ہے، فقہاء نے قرض کی اس قسم کا ذکر ذیل میں لکھا ہے، چنانچہ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ '' کی نویں جلد میں ہے:

''الابراء إسقاط الدائن مالہ فی ذمۃ المدیون من دین کثمن مبیع أو دین قرض '' (ص ۳۷۷)۔

مشروعیۃ الإبراء ثابتۃ بالآیۃ الکریمۃ: ''وإن کان ذو عسرۃ فنظرۃ إلی میسرۃ وأن تصدقوا خیر لکم'' والتصدق ہہنا بمعنی الإبراء، وجاء فی الحدیث:''ضع الشطر من دینک'' (رواہ البخاری کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت فی المساجد حدیث ۴۴۱ وباب التقاضی والملازمۃ فی المسجد حدیث ۴۵۷)۔

(۲) مقررہ مدت میں قرض کی واپسی پر کچھ معافی کاحکم:

معافی والے قرض میں اگر یہ مشروط ہو کہ مقررہ مدت میں قرض کی واپسی پر ہی معافی ملے گیا تب بھی اس قسم کا قرض لینا بلاشبہ جائز ہے جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے، جیسا کہ حدیث نبوی ہے: ''ضع الشطر من دینک'' (بخاری کتا ب الصلوۃ حدیث ۴۵۷، ۴۷۱)۔

(۳) مقررہ مدت کے بعد قرض کی واپسی پر قرض سے زائد رقم دینا:

اگر قرض میں یہ مشروط ہو کہ مقررہ مدت کے بعد قرض کی واپسی کی صورت

• مہتمم جامعہ رحیمیہ اسلام آباد رحمت نگر برہم پور، دربھنگہ بہار۔

میں قرض میں لی ہوئی رقم سے زائد واپس کرنا ہوگا، تو زائد رقم شرعاً سود ہے اور حدیث نبوی ‘‘کل قرض جر نفعاً فہو ربوا ’’ میں داخل ہے تاہم اس صورت سود کھانے کا گناہ نہ ہوگا بلکہ سود دینے کا گناہ ہوگا، تاہم ضرورت مند کے لئے اس قسم کا قرض لینا شرعاً جائز ہوگا، جیسا کہ ‘‘الاشباہ والنظائر ’’ میں ہے: ‘‘یجوز بالاستقراض بالربح للمحتاج’’ (الاشباہ للحموی۹۲/۲) ، یہ جواز کا فتوی ‘‘الضرورات تبیح المحظورات ’’ کے قبیل سے ہے، اور ضرورت مند شخص کے لئے ہے، غیر ضرورت مند کے لئے نہیں۔

(۴) معافی یا غیر معافی والے قرض میں اصل سے زائد رقم کو سروس چارج قرار دے کر جائز کہنا:

قرض خواہ معافی والا ہو یا غیر معافی والا ہو، اگر اس میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو اور شرح سود کم رکھی گئی ہو اس کو سروس چارج قرار دیا جائے یا انتظامی خرچ قرار دیاجائے یا قرض کے فارم کی قیمت قرار دیاجائے تو اگر وہ فکس رقم ہو گھٹے بڑھے نہیں تب تو مذکورہ توجیہ درست ہوسکتی ہے، لیکن اگر قرض کی واپسی میں جلدی یا تاخیر کے سبب اس کی مقدار گھٹتی بڑھتی ہو تو پھر وہ زائد رقم شرعاً سود قرار دی جائے گی، ہاں اگر زائد رقم غرباء وفقراء پر خرچ کی شرط کے ساتھ وصول کی جائے اور مقروض نے قرض لیتے وقت اس شرط کو تسلیم کرلیا ہو تو مالکیہ کے مسلک کی رو سے ایسا کرنا شرعاً درست ہے،چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب نے فقہی مقالات کی پہلی جلد میں اس صورت کو جائز لکھا ہے، اور اسلامی بینکنگ کے نظام کو چست ودرست رکھنے کے لئے اس صورت کو اپنانے کا مشورہ دیا ہے، (ملاحظہ ہو بحث ‘‘ادائے دین میں ٹال مٹول کے نقصان کا عوض مقرر کرنا ’’ فقہی مقالات جلد اول ص ۱۲۰ تا ۱۳۳ رسالہ قسطوں میں خرید وفروخت)۔

‘‘وأما إذا التزم أنہ إن لم یوفہ حقہ فی وقت کذا فعلیہ کذا، وکذا لفلان أو صدقۃ لمساکین، فہذا ہو محل الخلاف المعقود لہ ہذا الباب، فالمشہور أنہ لا یقضی بہ، کما تقدم، وقال:ابن دینار یقضی بہ’’ (تحریر الکلام فی مسائل الالتزام ،۱۷۶بحوالہ فقہی مقالات ۱۳۱/۱)۔

(۵) دیئے گئے قرض کی واپسی میں زیادہ شرح سود مقرر کرنا:

بینک سے قرض کی رقم جو دی گئی ہے اس کی واپسی میں سروس چارج سے زیادہ رقم حصول کرنا اور واپسی میں جلدی یا تاخیر کے سبب رقم میں کمی زیادتی کرنا شرعاً سود ہے، اور حدیث نبوی‘‘کل قرض جر نفعاً فہو ربا’’ میں داخل ہے (معرفۃ السنن للبیہقی)۔

شیخ وہبہ زحیلی نے ‘‘الفقہ الاسلامی وادلتہ ’’ میں لکھا ہے:

‘‘القرض الذی جرّمنفعۃ، قال الحنفیۃ فی الراجح:عندہم کل قرض جر نفعاً حرام إذا کان مشروطاً، فإن لم یکن النفع مشروطاً أو متعارفاً علیہ فی القرض، فلا بأس بہ’’ (۵۱۵/۴)۔

اور حاشیہ میں حدیث ‘‘کل قرض جر نفعاً’’ کے متعلق لکھا ہے: ‘‘إسنادہ ساقط معناہ

صحیح تؤیدہ قواعد الشریعۃ'' (حوالہ بالا)۔

حکومت کی طرف سے جومختلف قسم کے قرضے جانوروں کے پالنے، مکان تعمیر کرنے کاشتکاری وباغبانی کرنےیا دیگر کاروبار کرنے کے لئے دیئے جاتےہیں، پریشان قسم کے لوگ اور قرض کے محتاج وضرورت مند لوگ اس قسم کے قرض سےمستفید ہوسکتےہیں جیسا کہ حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے ''یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج''۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں:

''وأجاز الحنفیۃ أیضاً للمحتاج الاستقراض بالربح، وذلک مثل أن یقترض شخص عشرۃ دنانیر مثلاً ویجعل لصاحبہا من الربح شیئاً معلوماً فی کل یوم ربحاًخاصاً بہ، ومن الواضح أن ہذا التعامل یختلف عن الاقتراض بفائدۃ محددۃ مشروطۃ لاتتاثر بالخسارۃ والربح'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹؍۵۹۲)۔

(۶) سرکار کی طرف سے دی گئی امدادی رقم کا شرعی حکم:

مکان بنانے یا بیت الخلاء تعمیر کرنے یا تعلیمی ضروریات کی تکمیل کےلئے جو امدادی رقم سرکار اپنے شہریوں کو بطور امداد واعانت کے دیتی ہے اور پھر اسے واپس نہیں لیتی ہے تو اس قسم کا عطیہ قبول کرنا بھی عوام کے لئے جائز ہے، خود حضور ﷺ نے بادشاہوں کا ہدیہ قبول کیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے ''کتاب الہبۃ باب قبول الہدیۃ '' کے تحت لکھا ہے: ''قال أبوحمید: أہدی ملک أیلۃ للنبی بغلۃ بیضاء '' (بخاری، حدیث نمبر: ۲۶۱۶ کتاب الہبہ باب ۲۸)۔

(۷) سرکار کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے لئے واسطہ بننے والے کو محنتانہ دینے کا حکم:

گورنمنٹ کی طرف سےجو امدادی رقوم بیت الخلاء بنانے یا مکان تعمیر کرنے کے لئے ملتی ہے جس کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے، آمد ورفت میں بھی صرفہ ہوتا ہے، اس لئے جو شخص رقوم دلانے میں واسطہ بنے ان کو ان کا مطلوبہ محنتانہ دینا اور واسطہ بننے والے کا محنتانہ قبول کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ وہ واسطہ خود اس سرکاری ادارہ کا با تنخواہ ملازم نہ ہو، کیونکہ سرکاری ملازم کا محنتانہ وصول کرنا رشوت میں داخل ہے، اور کسی دوسرے کا واسطہ بننا شرعاً دعلالی اور سمسرہ ہے جسے فقہاء نے جائز لکھا ہے، چنانچہ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ '' کی چوتھی جلد میں ہے:''السمسرۃ ہی الوساطۃ بین البائع والمشتری لإجراء البیع والسمسرۃ جائزہ والأجر الذی یأخذہ السمسار حلال؛ لأنہ أجر علی عمل وجہد معقول اھ'' (الفقہ الاسلامی ۴؍۱۲۹)۔

(۸) قرض یا سرکاری امداد دلانے والے کو حاصل شدہ رقم کا کچھ حصہ دینا:

سرکاری امداد یا قرض دلوانے والے کو حاصل شدہ قرض والی رقم یا امداد والی رقم سے اس کا ایک مخصوص حصہ یا طے شدہ حصہ دینےیا لینے کا معاملہ کرنا اس کی سعی

وکوشش کردینے کے سبب بطور محنتانہ کے شرعاً جائز ہے، چنانچہ فقہاء نے کفالت وکالت اور وساطت کی اجرت کو جائز لکھا ہے، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے ''الفقہ الاسلامی وادلتہ '' کی پانچوی جلد میں ''أخذ الأجر علی الکفالۃ فی الوقت الحاضر '' کے زیر عنوان لکھا ہے، ''إن شرط الکفیل تقدیم مقابل أو أجر علی کفالتہ، وتعذر علی المکفول عنہ تحقیق مصلحتہ من طریق المحسنین المتبرعین جاز دفع الأجر للضرورۃ أو الحاجۃ العامۃ لما یترتب علی عدم الدفع من تعطیل المصالح کالسفر للخارج للدراسۃ'' (۵،۵۰)، اسی طرح وکالت کی اجرت کے متعلق لکھا ہے:

''ومن المعلوم أنہ یجوز أخذ الأجر علی الوکالۃ'' (الفقہ الاسلامی ۵،۵۲)۔

اور دلالت ووساطت کی اجرت کےمتعلق اوپر حوالہ گذر چکا ہے، ''نقل الإمام البخاری فی صحیحہ فی کتاب الشفعۃ فی باب أجر السمسرۃ، ولم یر ابن سیرین وعطاء وإبراہیم والحسن بأجر السمسار بأساً'' (بخاری کتاب ۳۶ وباب ۱۴)۔

(۹) امدادی رقوم یا قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دینے کا حکم:

دفع ظلم یا حصول حق کےلئے فقہاء نے رشوت دینے کو جائز لکھا ہے، لیکن رشوت کا لینا کسی حال میں جائز نہیں ہے، رہا رشوت دینے کا عمل تو یہ بھی موجب لعنت ہے، لیکن اگر حصول حق کی بغیر رشوت دیےکوئی صورت نہ ہو اور رشوت دینے والا رشوت دینے پر مجبور ہوجائے تو مالکیہ اور حنابلہ نے جواز رشوت کا فتوی دیا ہے، چنانچہ الفقہ الاسلامی کی نویں جلد میں ہے: ''وأجاز ذلک کثیر من فقہاء المالکیۃ محتجین بقصۃ الملحقین الذین کانوا یسألون النبیﷺ من الصدقۃ، فیعطیہم وہم لا یستحقون، وہذہ الصدقۃ ہی:أن النبیﷺ قال:إن أحدکم لیخرج بصدقتہ من عندی متأبطہا (یعنی تکون تحت إبطہ)، وإنما ہی لہ ناراً، قال عمر:یا رسول اللہ کیف تعطیہ وقد علمت أنہا لہ نار! قال:فما اصنع یأبون إلا مسألتی، ویأبی اللہ عزوجل لی البخل'' (رواہ ابی یعلی فی الکبیر ورجالہ ثقات من حدیث عمر وروی البخاری وأحمد نحوہ ورجال احمد رجال الصحیح مجمع الزوائد ۳،۹۴، ۹۵) ہذا دلیل علی أنہ یجوز بذل المال مع اعتقاد الباذل عدم استحقاق المعطی لہ ویؤیدہ ما ذکرت سابقاً إن اللہ سبحانہ أباح أغلب المحرمات عند الضرورۃ'' (الفقہ الاسلامی ۹،۵۲۴)۔

(۱۰) قرض یا امدادی رقوم کی مقررہ شرائط کی خلاف ورزی کرکے استفادہ کا حکم:

امدادی رقم یا قرض دینے کے لئے حکومت کی طرف سے جو شرائط ومعیارات متعین ہیں ان کی خلاف ورزی کرکے اور غلط بیانی سےکام لے کر غلط طریقہ سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے، حدیث نبوی ہے: ''المسلمون عند شروطہم'' (رواہ الحاکم عن انس وعائشہ وہ وحدیث صحیح ورواہ الحاکم وابوداؤد عن أبی ہریرۃ بلفظ المسلمون علی شروطہم وأخرجہ الترمذی وابن ماجۃ من حدیث عمرو بن عوف باللفظ الأخیر، نصب الرایہ ۴،۱۱۲)۔

جھوٹ بولنے والے کو قرآن کریم نے مستحق لعنت قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ''لعنۃ اللہ علی الکاذبین'' (سورہ آل عمران: ۶۱)۔ نیز حدیث نبوی میں وارد ہے کہ جھوٹ بول کر کاروبار کرنے سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

''عن حکیم بن حزام عن النبیﷺ قال:البیعان بالخیار ما لم یتفرقا، فإن صدقا وبینا بورک لہما فی بیعہما وإن کتما وکذبا محقت برکۃ بیعہما'' (بخاری کتاب البیوع باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع حدیث ۲۰۸۲)۔

نیز حدیث نبوی میں سچائی کو موجب نجات اور کذب بیانی سبب ہلاکت کہا گیا ہے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الادب میں سچوں کے ساتھ رہنے اور جھوٹ بولنے کی ممانعت کا تذکرہ کرتے ہوئے کئی روایات نقل کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

''عن عبد اللہ عن النبیﷺ إن الصدق یہدی إلی البر وإن البر یہدی إلی الجنۃ، وإن الرجل لیصدق حتی یکون صدیقاً، وإن الکذب یہدی إلی الفجور وإن الفجور یہدی إلی النار، وإن الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذاباً'' (بخاری حدیث ۶۰۹۴)۔

''عن أبی ہریرۃ أن رسول اللہﷺ قال:آیۃ المنافق ثلاث:إذا حدث کذب، وکذا، وعد أخلف، وإذا ائتمن خان'' (بخاری حدیث ۳۳، ۲۶۸۲، ۲۷۳۹، ۶۰۹۵)۔

''عن سمرۃ بن جندب قال:قال النبیﷺ: رأیت اللیلۃ رجلین أتیانی قالا الذی رأیتہ یُشدّ شدقہ، فکذّاب یکذب بالکذبۃ تحمل عنہ حتی تبلغ الآفاق، فیصنع بہ إلی یوم القیامۃ'' (بخاری ۱۳۸۶، ۶۰۹۶، ۷۰۴۷ کتاب التعبیر)۔

''عن عبد اللہ بن عمرو أن النبیﷺ قال:أربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً ومن کانت فیہ خصلۃ منہن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعہا إذا ائتمن خان، وإذا حدث کذب، وإذا عاہد غدر وإذا خاصم فجر'' (بخاری ۳۴، کتاب الایمان باب علامۃ المنافق، کتاب المظالم باب ۱۸ حدیث ۲۴۵۹، کتاب الخیریہ۳۱۷۹)۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں جھوٹ بول کر تو کوئی سرکاری فنڈ سے مستفید ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر فنڈ حاصل کرنے والا غریب اورنادار ہے تو اس کے لئے ہر قسم کا مال استعمال کرنا شرعاً درست ہے۔

(۱۱) تعلیم یا کسی اور مقصد سے حکومت کا بینک سے قرض دلاکر خود سودا کرنا یا خود مقروض کا تھوڑا سا سود ادا کرنا:

اگر حکومت کی کوئی اسکیم ایسی ہو کہ تعلیم یا کسی اور مقصد سے حکومت ضرورت مند کو بینک کے ذریعہ قرض دلوادے اور پھر خود حکومت ہی اس کا انٹرسٹ ادا کردے یا انٹرسٹ کا تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو دینا پڑے تو اس قسم کا قرض ضرورت مند شخص کے لئے لینا تو شرعاً جائز ہے، جیساکہ حضرات فقہاء نے لکھا

ہے: ‘‘یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج’’، رہا غیر ضرورت مند شخص کا اس قسم کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بلا ضرورت مقروض بننا بھی شرعاً کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے، حدیث نبوی میں گناہ کی طرح حضور اکرمﷺ سے قرض لینےسے بھی پناہ مانگنا مذکور ہے، چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاستقراض باب من استعاذ من الدین کے تحت حضرت عائشہؓ کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے، ‘‘عن عروۃ أن عائشۃ رضی اللہ عنہا أخبرتہ أن رسول اللہﷺ کان یدعو فی الصلوۃ، ویقول: اللھم إنی أعوذ بک من المأثم والمغرم، فقال لہ قائل:ما أکثر ما تستعیذ یا رسول اللہ من المغرم، قال:إن الرجل إذا غرم حدث فکذب، ووعد فأخلف’’ (بخاری شریف ۲۳۹۷، ۸۳۲، کتاب الاذان باب الدعاء قبل السلام)۔

اس حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ جب انسان مقروض ہوتا ہے تو ادائیگی قرض وغیرہ سے متعلق کبھی جھوٹ بھی بولتا ہے اور کبھی وعدہ کرکے اس کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے گویا قرض لینا جھوٹ بولنے اور وعدہ خلاف کا پیش خیمہ ہے، لہذا نہ قرض لینے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے اور نہ ہی قرض لینے کے بعد ادائیگی کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے او رنہ ہی بلا ضرورت قرض حاصل کرنا کوئی پسندیدہ عمل ہے، اللہم احفظنا وأعذنا منہ، آمین۔

(۱۲) خود حکومت کا بینک میں رقم فکس کرکے سود حاصل کرنا اور ملک کے ضرورت مندوں کی اس رقم سے مدد کرنا:

حکومت ہو یا کوئی فرد بینک میں اس لئے رقم فکس رکھے کے اس سے انٹرسٹ (سود) حاصل کرکے اپنے ملک کے باشندوں کی مدد کرے، یا اپنے یہاں قائم تعلیمی ورفاہی اداروں کا تعاون کرے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، حضور اکرمﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے اس کے کاتب اور گواہ سب پر لعنت فرمائی ہے، اس لئے کوئی حکومت یا فرد کوئی ایسا کام کرے کہ جو شرعاً ناجائز ہو اور اس سے حاصل شدہ آمدنی اور سود سے لوگوں کا تعاون کرے تو شرعاً ایسا کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، رہا کسی غیر مسلم حکومت نے ایسا کام کرنا اور پھر ضرورت مند لوگوں کی اس سے مدد کی تو ضرورت مند لوگوں کا اس قسم کی رقم سے مستفید ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں ہے تو میرے نزدیک جواز کا پہلو راجح ہے، کیونکہ غیر مسلم فروع کا مکلف نہیں اصول کا مکلف ہے، ‘‘عن جابر: قال لعن رسول اللہﷺ: آکل الربا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال:ہم سواء’’ (رواہ مسلم کتاب المساقات باب الربا ۲،۲۷، بخاری کتاب البیوع باب مؤکل الربا، حدیث نمبر: ۲۰۸۶)۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی رخصتیں

ڈاکٹر محی الدین غازی•

تمہید:

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں مسلم آبادی کا ایک بڑا حصہ شدت کے ساتھ اس بات کا ضرورت مندہے کہ اسے اپنے مسائل کے دلدل سے نکلنے کے لئے کہیں سے مدد ملے۔

ایسے لوگوں کو سرکاری اسکیموں سے استفادہ کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نظر نہیں آتا، اور بحیثیت شہری ان اسکیموں سے استفادہ ان کا حق بھی ہے۔

لیکن مسئلہ کی سنگینی اس میں مضمر ہے کہ ایسی سرکاری اسکیمیں زیادہ تر سودی قرضوں کی صورت میں ہوتی ہیں، یہ ممکن ہے کہ ان سودی قرضوں میں سود کی شرحیں کم اور ادائیگی کی شرطیں آسان ہوں، لیکن کم شرح اور آسان شرطوں کے باوجود ان کے سودی قرض ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ایسی صورت میں تین راستے سامنے آتے ہیں :

ایک راستہ یہ ہے کہ سودی قرضے کی حرمت کی بنا پر ایسی اسکیموں سے استفادے کو ہر مسلمان کے لئے یکسر حرام قرار دے دیا جائے۔ لیکن یہ فتوی ان لوگوں کا مسئلہ حل نہیں کرتا جو ضرورت مند ہیں، اور ان کی حالت زارشرعی رخصت کی خواست گار ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ایسے سودی قرضوں کے سود کو سروس چارج وغیرہ جیسے نام دے کر حلال قرار دے دیا جائے، یہ راستہ اس وقت بہت سارے لوگوں کو بہت آسان اور قابل عمل نظر آتا ہے، لیکن یہ ایک خطرناک راستہ ہے، اس سے سود کے حلال کرنے کے دروازے کھلتے ہیں، اور چونکہ سروس چارج طے کرنے کا کوئی متعین ضابطہ نہیں بن سکا اور نہ ہی بن سکتا ہے، اس لئے وہ دروازہ دھیرے دھیرے اتنا بڑا ہوجاتا ہے کہ اس میں سے بڑے بڑے سودی دیو گزرنے لگتے ہیں۔ سود کو کوئی اور نام دینا بہت غلط راستے کا انتخاب ہے، جس پر سختی سے روک لگنی چاہئے، ہندوستان کی بہت ساری غیر سودی سوسائٹیاں اور انجمنیں اس راستے پر بے دھڑک چل رہی ہیں۔اوربیرونی ملکوں میں بہت سے اسلامی مالیاتی اداروں کے سروس چارج کے تعامل نے

• ممبر مجمع فقہاء الشریعۃ (امریکہ)، عمید کلیۃ القرآن الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم (کیرلا)۔

سود کی قباحتوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

تیسرا راستہ یہ ہے کہ سودی قرضوں کو حرام کہتے ہوئے، ضرورت مندوں کے لئے بقدر ضرورت رخصت کا راستہ نکالا جائے، یہی درست راستہ ہے، اور یہی قرآنی طریقہ ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ حرام کو پوری شدت کے ساتھ حرام کہا گیا ہے، اور اہل اضطرار کے لئے رخصت بھی ساتھ ہی ذکر کی گئی ہے۔ اس اسلوب کا اثر یہ رہا ہے کہ حرام حرام ہی رہا، اور رخصت رخصت ہی رہی، رخصت کی موجودگی کی وجہ سے کبھی حرام کی حرمت مسلمانوں کے دل سے نہیں نکلی۔ ہمیں زیر بحث مسئلہ میں بھی اسی راستے کو اختیار کرنا چاہئے۔

تیسرے راستے کو یہ کہہ کر بند نہیں کیا جاسکتا کہ بحالت ضرورت ومجبوری سودی قرض لینے کے بجائے مسلمان اللہ کی رازقیت پر توکل کرے، اور ان دروازونپر دستک دینے کے بجائے رازق سے حلال رزق مانگے۔ اور ایسا نہ کرنا توکل کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس رازق نے بندوں کو اس پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مانگنے کی تلقین کی ہے، اسی نے بحالت اضطرار اور بقدر اضطرار حرام چیزوں سے کام چلالینے کی رخصت بھی دی ہے۔

تیسرے راستے، یعنی رخصت بحالت ضرورت اور بقدر ضرورت کے سلسلے میں یہ بات بھی سامنے رہے کہ یہ سود لینے کے سلسلے میں نہیں ہے، کیونکہ سود لینے کی اضطراری حالت ہوتی ہی نہیں ہے، یہ صرف سود دینے کے لئے ہے، اور اس میں نرمی کی گنجائش یہاں سے بھی نکلتی ہے، کہ قرآن مجید نے سود کے سلسلے میں شدید وعیدوں کا مخاطب سود لینے والوں کو بنایا ہے، سود دینے والوں کے سلسلے میں قرآن مجید میں ایسی کوئی وعید نظر نہیں آتی ہے۔ البتہ احادیث میں دونوں کے لئے وعیدیں ہیں۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کی روشنی میں سود دینے کے لئے بحالت ضرورت اور بقدر ضرورت اجازت کا راستہ اختیار کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالوں کے مختصر جواب لکھے جاتے ہیں:

۱-وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

جواب:اگر کسی شرط کے بغیر قرض دینے والا اپنی طرف سے کچھ حصہ معاف کردے یا معاف کرنے کا معاہدہ کرلے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲-معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں مینیہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے ا ندر واپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے، جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

جواب: قرض دینے والے سے اگر یہ طے ہو کہ قرض کی واپسی متعین وقت پر

ہونے کی صورت میں کچھ رقم معاف کردی جائے گی، اور تاخیر ہونے کی صورت میں پوری رقم ادا کرنا ہوگی، تو ایسی صورت مینیہ معاہدہ قرض درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ صورت ضع وتعجل والے مسئلے کے تحت آئے گی، جس کے سلسلے میں جمہور فقہاء سے ممانعت منقول ہےلیکن بہرحال اس کے جواز کی گنجائش بھی موجود ہے، کیونکہ جواز کا قول بھی سلف سے منقول ہے۔ اس لئے اس معاملے میں نرم رویہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۳-اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: یہ صریح طور پر سودی قرضے کی صورت ہے۔البتہ یہ واضح رہے کہ اس صورت میں ہمارے فتوے کے مخاطب، یعنی ایسا قرض لینے والے کو سود لینا نہیں، بلکہ دینا ہے، اس لئے بحالت ضرورت اس کی گنجائش موجود ہے۔

۴-غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضو ں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہاجاتا ہو،یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرہ میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت و گنجائش ہوگی؟

جواب: سروس چارج کے سلسلے میں ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ خاص اس قرض پر ہونے والے انتظامی خرچ کے بقدر ہو، اور دوسری شرط یہ بھی ہے کہ وہ متعین رقم ہو، جس کا رقم اور زمانے سے تعلق نہ ہو، اور اگر قرض کی مقدار اور زمانے دونوں سے تعلق ہوجائے تب تو اس کا سود ہونا اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ اس میں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سود کی شرح کم ہے یا زیادہ۔ بلکہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس میں سود والا وصف ہے یا نہیں۔

یہ بات اس لئے بھی اہم ہے کہ اگر ایسی کسی زائدرقم کو جو دراصل سود ہی ہے، اگر سروس چارج قرار دے دیا جائے، تو وہ ہمیشہ کے لئے حلال قرار پاتی ہے۔ پھر یہ طے کرنا بھی بہت مشکل اور ایک طرح سے اضافی ہوجاتا ہے، کہ کتنی رقم کو سروس چارج کہا جائے، اور لوگ بڑی بڑی زائد از قرض رقمیں دھڑلے کے ساتھ سروس چارج کے نام پر وصول کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اگر سود کو سود ہی کہا جائے، اور قاعدہ ضرورت کے تحت مستحق افراد کے لئے رخصت رکھی جائے، تو اس کا سود ہونا بہرحال لوگوں کو محتاط رکھنے کے لئے معاون ہوتا ہے۔

سود کو سروس چارج کہہ کر مستقل طور پر حلال کردینا منکرات جاریہ میں شمار

ہوسکتا ہے، جس کا وبال قیامت تک ان لوگوں کے سر آئے جنہوں نے سود کو سروس چارج کا روپ دیا۔

البتہ یہاں بھی یہ بات قابل غور ہے کہ معاملہ کے دونوں فریقوں کو ایک ہی صف میں رکھا جائے، یا سود لینے کی حرمت پر سود دینے کی حرمت سے زیادہ زور رہے۔ قرآن مجید نے سود لینے کی حرمت پر اصل زور دیا ہے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بحالت ضرورت سود دینے کی گنجائش ہے، البتہ سود لینے کی گنجائش کبھی نہیں ہے۔

۵-اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پرمحمول کیاجاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: ایسی صورت میں تو اس کا سود ہونا بالکل واضح ہے۔ اور میرا وسیع مشاہدہ ہے کہ انتظامی خرچ پر اضافی رقم کو محمول کرنے کا دائرہ بڑھتے بڑھتے اتنا وسیع ہوجاتا ہے کہ اس میں بہت سارے سود سما جاتے ہیں۔ تاہم یہاں بھی سود دینے کا مسئلہ ہے جس میں بحالت ضرورت نرمی کی جاسکتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیاجاسکتا ہے؟

جواب: سودی قرض خواہ کسی بھی مقصد کے لئے ہو، اس سے اس کے سودی قرض ہونے کے وصف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔فرق اگر پڑسکتا ہے تو وہ صرف قرض لینے والے اور سود دینے والے کی اضطراری حالت سے پڑسکتا ہے۔

۶-ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے، مثلا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

جواب: جو رقوم حکومت کی طرف سے بطور قرض نہیں، بلکہ بطور امداد ملیں ان کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے۔اس سے قطع نظر کہ حکومت کن افراد پر مشتمل ہے، کن نظریات کی حامل ہے، اور اس کے ذرائع آمدنی کیا ہیں۔

۷-گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم- جس قسم کی بھی ہوں -ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ،واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: واسطہ بننے والوں کو ان کا مطلوبہ محنتانہ دینے اور ان کے لئے اسے لینے

میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس کی حیثیت عقد اجارہ کی ہوگی، بشرط یہ کہ وہ کسی ناجائز طریقے کو اختیار کرکے واسطہ کے عمل کو انجام نہ دیں۔ورنہ یہ عقد اجارہ باطل اورمحنتانہ دینا اور لینا حرام قرار پائے گا۔

۸- بعض مرتبہ و اسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب : اصولی طور پر تو جائز کاموں کا محنتانہ جائز ہے، خواہ وہ متعین رقم کی صورت میں ہو یا متعین رقم کے متعین حصہ کی صورت میں ہو۔

تاہم ملحوظ رکھنے کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے واسطہ بننے والوں کا ہجوم حق داروں کے حق میں مستقل طور پر ایک بڑی کٹوتی کا سبب بنتا ہے۔واسطے کے بغیر حق نہیں ملتا، اور واسطے حق میں سے اچھا خاصا کاٹ کھاتے ہیں۔ قاعدہ ضرورت کے تحت بطور رخصت وقتی طور سے اجازت تو دی جاسکتی ہے، لیکن اسے مطلق شرعی جواز فراہم کرنا بہت سارے مفاسد کو جنم دیتا ہے۔

سوال نمبر سات اور آٹھ کے سلسلے میں یہ بھی دیکھنا مناسب ہوگا کہ ملک کا قانون اس طرح کے واسطے اور محنتانے کی کس قدر اجازت دیتا ہے۔ خاص طور سے فتوی جاری کرتے ہوئے اس باب میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

۹- اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہرہے کہ درست نہیں ہے ۔

جواب: اگر دوسرے کو اس کے حق سے محروم کرنے کے بجائے صرف اپنے حق کے حصول کے لئے کوئی رقم دینا پڑے بشرط یہ کہ اس کے بغیر کوئی راستہ بھی نہیں ہو، تو یہ رقم شرعا رشوت کے دائرہ حرمت میں نہیں آئے گی۔ البتہ یہ واضح رہے کہ ہمارے ملک میں قانونا رشوت دینا بھی جرم قرار پاتا ہے، اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔

۱۰- امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: غلط بیانی سے اور غلط طریقہ پر امداد یا غیر سودی قرض لینا درست نہیں ہے، غلط بیانی خود ایک گناہ ہے، اور اس باب میں غلط بیانی سے اصل مستحقین کے محروم رہ جانے کا امکان ہے جو ظلم ہے، اور غیر مستحق کا غیر حق پر قابض ہوجانا ہے جو سرقہ اور غصب میں شمار ہوتا ہے۔

۱۱-بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے ،وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ،یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور

بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب:قرض کی جن اسکیموں میں سارا سود حکومت ادا کرتی ہے، ان اسکیموں سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا ہے، بشرط یہ کہ اس سود کی ادائیگی کی ساری قانونی ذمہ داری اول روز سے حکومت پر ہی عائد ہوتی ہو۔

۱۲-بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی و رفاہی اداروناور افراد و اشخاص کا تعاون کیاجاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا صورت درست ہوگی؟

جواب: ایسی اسکیم سے استفادے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ سود کی رقم سود لینے والے کے لئے حرام ہوتی ہے، دوسروں کے لئے حرام نہیں ہوتی ہے، اس میں یہ قاعدہ بھی معاون ہوتا ہے کہ ''النقود لا تتعین بالتعیین''۔

سرکاری اسکیموں کے حصول میں ایجنٹ کی اجرت

مفتی ظہیر احمد•

حکومت جو عوام کی فلاح وبہبود، تعلیمی ترقی، معاشی ومعاشرتی ضرورتوں، صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی طور پر پسماندہ وکمزور شہریوں کی امداد کےلئے رقم دیتی ہے وہ عموماً جائز ہیں الا ماشا ءاللہ۔

بالترتیب سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں:

۱۔ ایسے قرضےبلا شبہ جائز ہیں، یہ حکومت کی طرف سے امدادہے۔

۲۔ یہ شکل بھی بلاشبہ جائز ہے گویا مقررہ مدت پر ادا کرنے پر معاف کی ہوئی رقم انعام ہے، اور متعینہ مدت کے بعد ادا کرنے پر آپ انعام کے مستحق نہیں۔

۳۔ زائد رقم کا ادا کرنا سود ہے یہ عموما جائز نہیں، مگریہ کہ وہ شخص شدید ضرورت مند ومحتاج ہو تو ''الضرورة تبيح المحظورات، والضرورة تتقدر بقدرہا، ویجوز الاستقراض بالربح وغیرہ'' (نظام الفتاوی۲۱۹،۷) کی روشنی میں بقدر ضرورت عند الحاجة الشدیة اجازت دی جاسکتی ہے۔

۴۔ اس صورت میں زائد رقم جو سروس چارج کے درجہ میں قلیل ہو سودکے دائرہ میں نہیں آئے گی، یہ غیر اسلامی ملک ہے یہاں پر اگرچہ سروس چارج کے نام سے نہیں لیا جارہا، بلکہ (Interest)سود کے نام سے لیا جارہا ہو تب بھی جائز ہوگا ہم اس قلیل رقم کو سروس چارج ،انتظامی خرچ وغیرہ پر محمول کرسکتے ہیں۔

۵۔ اگر زائد رقم سروس چارج سے زائد ہو، لیکن بہت غیرمعمولی بھی نہ ہو، اس کا مقصد لوگونکی فلاح ہو، امداد کرنا ہو، اس کا (زائد رقم) ادا کرنا دشوار نہ ہو تو اس کی بھی اجازت ہوگی۔، اس کو بھی ہم انتظامی امور اور سروس چارج وغیرہ پر محمول کرسکتے ہیں، چونکہ یہ ملک سیکولر ہے شرعی اصطلاحات سے لوگ واقف نہیں۔ ''الأمور بمقاصدہا '' کے تحت داخل کرکے ہم ایسے قرضوں کے مقاصد کی تعیین کرسکتےہیں اور اس پر شرعی حکم منطبق کرسکتےہیں (نیز دیکھئے: نظام الفتاوی ۲۱۴،۷)۔

۶۔ یہ شکل بھی مکمل حکومتی امداد وتعاون کی ہے یہ بھی بلا شبہ جائز ہے۔

۷۔ اگر یہ محنتانہ واقعی محنتانہ کے درجہ میں ہو گورنمنٹ کی طرف سے مدد لینے والے کا استحصال نہ ہو، تو یہ بھی شرعاً جائز ہوگا، (دیکھئے: فتاوی محمودیہ۳۱۲،۲)۔

• مسجدحلوہ سوہن، رام نرائن بازار، کانپور۔

لیکن اگر مدد لینے والے کو برائے نام ہی رقم آئے خاص مقدار اس کو واسطہ درواسطہ ادا کرنی پڑے تو اس کی اجازت ہوگی، یعنی اتنا کثیر محنتانہ لینا جائز نہ ہوگا، دینے والا تو مظلوم ہے۔

۸۔ ایک معقول اور مناسب حصہ لیتے ہیں تو ا س کی گنجائش ہے۔

غیر معمولی اور غیر معمولی معاوضہ بطور محنتانہ کے لینے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔

۹۔ اگر بغیر رشوت کے امدادی رقوم اور قرضے میسر نہ ہوناپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کی بھی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ ان شرائط اور معیارات کے حکم پر شرعی حکم موقوف ہوگا، یعنی شرائط وغیرہ بھی اگر شرعی ہیں تو اس کی اجازت ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس کے بعد پھر صحیح طریقوں پر ہی امدادی قرض حاصل کیا ہو غلط بیانی یا غلط طریقہ سے اس طرح کی رقم کا حصول شرعاً درست نہ ہوگا۔

۱۱۔ جب مستفید کو بہت کم سود ادا کرنا ہوتا زیادہ حصہ حکومت ہی ادا کرتی ہے تو بھی جائز ہے یہ حکومتی مدد کی ایک شکل ہے (نظام الفتاوی ۷،۲۱۷۔۲۱۴)۔

۱۲۔ یہ شکل بھی ہندوستان جیسے ملک میں جائز ہونی چاہئے، چونکہ اس کا مکمل انتظام وانصرام حکومت کرتی ہے اس میں مسلم عوام کا کوئی کردار نہیں ہے۔

مختلف سرکاری اسکیموں سے استفادہ اور جائز حق حاصل کرنے کا طریقہ

مولانا محمد نثار عالم ندوی•

سوال نمبر (۱-۲) کا جواب:

قرض کا ایک حصہ یا زائد حصے کے معافی کی صورت میں اسکیم سے استفادہ؟

وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سےکم واپس کرنا پڑتا ہے تو ایسے قرضے سے استفادہ کرنا جائز قرار دیا جائے گا اور حکومت کی طرف سے تعلیمی قرض کے لئے مختص پروجکٹ واسکیموں سے استفادہ سمجھا جائے گا، جبکہ بینک قوم کے سرمایہ کو ہی تعلیم وترقی کے لئے قرض کی فراہمی کے راستے کھولتے ہیں پس یہ حکومتی ادارہ یانجی ادارہ کی طرف سے مدد سمجھی جائے گی اور تعلیم کی اہمیت اور مصارف تعلیم کی گرانی کےپیش نظر ایسے قرض کے اسکیموں سے قو وملت کو متعارف کرایا جانا چاہئے اور سراہا جانا چاہئے، تاکہ تعلیمی زبونحالی کسی قدر دور ہو اور قوم کے لئے خدمت گار میسر ہو۔

اسی طرح قرض چاہے قلیل المدت ہو، طویل المدت بہرصورت جائز ہوگا کہ اس میں سود کا پیسہ بھی بھرنا نہیں پڑتا ہے جتنا لیا ہے اتنا ہی واجب الاداء ہوتا ہے، لہذا بینک کے جائز اسکیموں سے استفادہ سمجھا جائے گا اور سودی بینک سے بغیر سود کے کاروبار کرنا ہندوستان کی موجودہ صورت حال میں ضرورت کے دائرہ میں ہے، بچند وجوہ:

(الف): تعلیم وترقی کی زبونحالی کو دور کرکے اعلی تعلیم حاصل کرکے کفار پر غلبہ حاصل کرکے قوم سے لاحق مصیبت کو دور کرنا یہ بھی ایک اہم ضرورت وحاجت کے دائرہ میں شمار ہوگا۔

(ب): نیز بغیر اعلی تعلیم وٹکنالوجی وہنر کے اس بے رحم معاشرہ میں کسی مرد یا قوم کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

(ج) : دنیاوی عصری تعلیم وٹکنالوجی کے تمام شعبہ میں مسلم قوم کی بھی نمائندگی ضروری اور فرض کفایہ ہے اور غیر کےشانہ بشانہ ہی نہیں، بلکہ اس سے بہتر رہنا چاہئے، ورنہ قوم کی ذلت ودرگت لازمی ہے، پس مخالفین دین وایمان پر غلبہ حاصل کرنا بغیر اعلی تعلیم کے ناممکن ہے اور اعلی تعلیم حاصل کرنا گرانی کے ماحول میں بغیر تعلیمی قرض وحکومتی اسکیموں سے استفادہ کے ناممکن ہے۔

• الجامعۃ الکوثریہ، اؤتلاالوای، کیرلا۔

(د) اعلی تعلیم وٹکنالوجی کے ذریعہ ہی اسلام دشمن طاقتیں اسلامی ممالک کے معدنیات وذخائر پر قابض ہیں اور اپنے ذخائر اپنے کام آنے کے بجائے اپنوں کی بیخ کنی میں استعمال کیا جارہا ہے، اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ اعلی تعلیم وٹکنالوجی کے علاوہ نظر نہیں آتا۔

(ہ) اسلام کا ماضی روشن اور تابناک ہے تمام علوم وفنون صناعت وٹکنالوجی کے ایجادات کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے، لیکن موجودہ دور میں امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے کسی سے مخفی نہیں ہے اس ناگفتہ بہ حال سے نکلنے کا واحد راستہ جدید تعلیم وٹکنالوجی کا حصول ہی ہے اور اس کے لئے ان اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

سوال نمبر (۴۔۳) کا جواب:

اصل سے زائد رقم کو سروس چارج میں شمار کرنا:

غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضے میں اصل سے زائد رقم کا اگر مطالبہ ہو اور اس کی شرح عام شرح سود کے مقابلہ میں کم ہو تو اس کو سروس چارج میں شمار کئے جانے کی گنجائش ہے، اور اس کو انتظامی مصارف شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش دی جانی چاہئے، بچند دلائل کے:

(الف) بعض ممالک میں سروس چارج کا مد اور سود کا مد دو الگ الگ شقیں ہوتی ہیں، ایسے ممالک میں سروس چارج کو سود اور سود کو سروس چارج قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لیکن جن ممالک میں یا جن بینکوں میں سروس چارج اور سود کے الگ الگ خانے نہیں ہیں الگ الگ شرحیں نہیں ہیں دونوں ہی خلط ملط یا دونوں میں فرق ہی نہیں ہے تو وہاں پر سود کوسروس چارج مانا جاسکتا ہے۔

(ب) اسلامی شریعت نے سود لینے کو جس طرح حرام قرار دیا ہے سود دینے کو بھی حرام ٹھہرایا ہے اور بینک کے سود کو بھی سود ہی قرار دیاہے، البتہ فقہاء نے بوقت ضرورت وحاجت سودی قرض کو جائز قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر،۱۱۵)۔

فقہاء کرام نے ضرورت مند کے لئے سود پر قرض لینے کی اجازت دی ہے اور ضرورت میں کھانا کپڑا مکان کو شمار کیا ہے۔

پس جب شخصی ضرورت کے لئے سود پر قرض لینے کی گنجائش ہے تو تعلیم جو ایک اجتماعی ضرورت ملی حاجت ہے اورایک دائمی دیر پا ضرورت ہے اس کے لئے تو بدرجہا گنجائش ہونی چاہئے۔

(ج) ملک کے تمام باشندوں کو تعلیم سے آراستہ اور اس کے لئے راہیں ہموار کرنا یہ حکومت کی اولین ذمہ داری ہے اور جیسا کہ بہت سارے ملکوں میں اس کا بندوبست ہے

اور اسی نظم ونسق کے امور میں ہے کہ حکومتیں بینکوں کے واسطے یہ کام کرواتی ہے اور ہر حکومت اس کو کبھی معاف بھی کردیتی ہے، جیسا کہ عام مشاہدہ ہے تو طالب علم اسے اپنا حق سمجھ کر لے سکتا ہے اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

موجودہ دور میں سودی نظام سے چھٹکارا مشکل ہے، جبکہ بغیر سودی تعلیمی قرض کا بندوبست سازونادر ہی ہے اور حصول بھی مشکل سے مشکل تر ہے، سود کو حرام قرار دینا مقاصد شریعت کا تقاضا ہے اور ضرورت کی بنا پر جواز کا فتوی دینا بھی تقاضۂ شریعت ہے۔

''الضرورات تبیح المحظورات '' (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ)۔

(د) ہندوستان کی حکومتوں کا اسلام مخالف رویہ اور موجودہ صورتحال جس کی تبدیلی کا دور دور تک امکان نظر نہیں آتا ہے اور دار الحرب کی اصطلاح صادق نظر آتی ہے، پس فقہاء احناف میں سے طرفین کے قول پر ''لا ربوا بین الحربی والمسلم'' کی بنا پر اس کو سروس چارج شمار کرکے استفادہ کی گنجائش دی جانی چاہئے۔

(ہ) موجودہ ناگفتہ بہ حالت غارت گری گنڈہ گردی کے ماحول میں بغیر اعلی تعلیم وٹکنالوجی کے حصول کے اسلام کا غلبہ نہیں، بلکہ اسلام کی حفاظت بھی مشکل نظر آتا ہے پس اعلی تعلیم بھی ایک حاجت وضرورت بن گئی ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے آج مسلمان عالم کی حالت ہمارے سامنے ہے۔

(و) حکومت کا دعوی ہے کہ تعلیمی لون جاری کرنے کا مقصد اعانت ہے نہ کہ سود سے نفع حاصل کرنا، ورنہ کم شرح سود نہ رکھا جاتا پس اصل حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو سروس چارج شمار کرکے استفادہ کی گنجائش ہونی چاہئے۔

سوال نمبر (٥) کا جواب:

کثیر شرح پر زائد رقم کا حکم:

(الف) بینک ایک نجی ادارہ ہوتا ہے، لیکن اب وہ حکومت کے نمائندہ ادارہ کے طور پر یہ کام کرتے ہیں اور حکومتیں اپنی تمام اسکیمیں تعلیمی، صنعتی، فنی وثقافتی، زراعتی ترقی کے لئے اسی کا سہارا لیتی ہے، چنانچہ مختلف بنکوں کے ذمہ مختلف اسکیمیں جاری کئے جاتے ہیں اور وہ مختص ہوتےہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اسکیم کے پیچھے حکومتی منشا وارادے ہیں اور حکومتیں یہ اسکیم عام انسانوں کی تعلیمی سماجی اقتصادی ترقی کے لئے بناتےہیں اور چلاتےہیں، لیکن وہ سود پر مبنی بھی ہوتےہیں جس سے ایک گونہ بحیثیت مسلم ایک مسلم ہولڈر کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔

لیکن جس طرح فقہاء نے روٹی مکان کپڑا کو ایک حاجت مانا ہے تو اعلی تعلیم وعلوم وفنون کوبدرجہا حاجت میں شمار ہونا چاہئے اور اسکے عمومی وخصوصی ضرورتوں کے پیش نظر شرعی ضرورت کا درجہ دیا جانا چاہئے۔

(ب) نیز ان اسکیموں سے مطالبہ شرائط کے ساتھ فائدہ حاصل کرنا ایک مفسدہ ہے اور اس سے بچتے ہوئے اعلی تعلیم وٹکنالوجی چھوڑنا بھی ایک مفسدہ ہے اور آخر الذکر کا مفسدہ ذاتی قومی وملی بھی ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے ایک چھوٹے مفسدہ کا ارتکاب درست ہوگا۔

''إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمہا ضرراً بارتکاب أخفہما'' (الاشباہ والنظائر،۱۴۵)۔

(ج)نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بڑے بڑے سیکٹرس اور صناعتی اہل کار اور ان اسکیموں سے سے بڑے بڑے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے صنعت کار کو ہضم کرتے جارہے ہیں، ان کے لئے اپنا بچاؤ بھی مشکل ہوتا ہے، پھر وہ صنعت کار اس سے حاصل شدہ مال میں سے ایک حصہ سے باقی صنعت کاروں کو کچلنے میں یا اسلام کی بیخ کنی میں خرچ کرتے ہیں، پس موجودہ صورت حال میں ایسے اسکیموں سے استفادہ کی گنجائش ہونی چاہئے بایں شرط کےحاصل کنندہ اس سے جلد ازجلد چھٹکارے کا راستہ حاصل کریں۔

واضح ہو کہ یہ حکم ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر حاجت کے دائرہ میں ہوگا عام حالات پر اس کا انطباق نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر (۶) کا جواب:

حکومت کے امدادی اسکیم کا حکم:

بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم دی جاتی ہے او رپھر حکومت اس کو واپس نہیں لیتی ہے جو بطور اعانت کے ہوا کرتی ہے، پس اس سے فائدہ حاصل کرنے میں چنداں حرج نہیں ہے، بلکہ مستحق شخص تک پہنچانے میں مدد ہونی چاہئے مسئلہ ہذا کے دلائل بھی ماقبل مذکور دلائل سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر (۷، ۸،۹) کا حکم:

درمیانی واسطہ ودلالی کا حکم؟

اعلان شدہ اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنے میں دلالی کا واسطہ بننا یا کسی کا سہارا حاصل کرنا اور سہارا بننے والے شخص کا اپنا مطلوبہ محنتانہ وصول کرنا یا حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ رکھ لینا اس میں دوپہلو نظر آتے ہیں:

ایک تو ہے واسطہ بنانا، ظاہر سی بات ہے حکومت کے اسکیم سے استفادہ کرنا اس قدر مشکل کام ہوتا ہے کہ بسااوقات بغیر واسطہ دوواسطہ کام بھی نہیں ہوتا ہے واسطہ بنانا یہ یہ مستفید شخص کے لئے مجبوری ہوتی ہے اس لئے واسطہ بننے والے شخص کو کچھ محنتانہ کے طور پر دینا یاان کا لینا جائز ہوگا، چنانچہ فقہاء کے اقوال میں دلالی کی اجرت جائز نہیں آتی ہے، چنانچہ مفتی مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ ''دلالی کی اجرت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اور فیصد کے حساب

سے بھی سمسرہ کی اجرت لینا جائز ہے (انعام الباری ۴۵۷،۶)۔

رشوت کا حکم:

لیکن رائج الوقت دلالی کا مسئلہ ماقبل کے دلالی کےاحوال سے مختلف ہے، آج کل جوحکومت کی طرف سے اسکیمیں لائی جاتی ہیں وہ بینک یا حکومت کے منتخب افراد نمائندہ افراد کے واسطے سے لائے جاتے ہیں اور یہ حضرات حکومت کے نمائندہ ہوتےہیں حکومتی اسکیموں کو تقسیم کرانے کےلئے یہ انکی ذمہ داری ہوتی ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو نمائندہ ظاہر کرنے کے بجائے دلال ظاہر کرکے اپنا محنتانہ وصول کرتےہیں جو دراصل رشوت کی تعریف میں داخل ہے، لہذا اس پر حکم بھی رشوت کا ہی لے گا، جو کہ حرام ہوگا رشوت کاطلب کرنا ناجائز ہے اس سے حاصل شدہ رقم حرام سمجھی جائے گی اور وہ حدیث کے بموجب جہنمی ہونے کا مصداق ہے۔

اب رہا رشوت دینےوالے کا مسئلہ تو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جلب منفعت یا دفع مضرت کے لئے یا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت کے وعید سے وہ خارج ہو پس اس میں گنجائش دی جانی چاہئے، چنانچہ یہ بات فقہاء کے قول سے بھی تائید ہوتی ہے مرقات میں ہے: ''أما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو لیدفع بہ عن نفسہ ظلماً، فلا بأس بہ'' (مرقاۃ۲۷۸،۲)۔

اسی طرح فقہاء کرام نے اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے یا ظلم وضرر کو دور کرنے کے لئے رشوت دینے کو جائز قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: رد المحتار ۳۵،۸، نہایۃ المحتاج للرملی ۲۳۸،۸)۔

سوال نمبر (۱۰) کا جواب:

اس سوال کے جواب کو بھی دو جزء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) امدادی رقوم یا لون واسکیم سے استفادہ کرنے کےلئے کچھ شرائط ومعیارات متعین ہے اور حاصل کرنے والے شخص کے پاس وہ مطلوبہ شرائط ومعیارات کاغذات مکمل دستیاب نہیں ہے، لیکن وہ شخص فی نفسہ اس امداد واسکیم کا مستحق ہے توایسی صورت میں غلط بیانی سے ڈبلی کیٹ (Duplicate) کاغذات کا سہارا لیتا ہے تواس کے اس عمل کی گنجائش ہونی چاہئے کہ وہ اسکیمیں مستحق اشخاص کے لئے ہی مختص ہوتے ہیں اور مستحق اشخاص کے پاس مطلوبہ شرائط وکاغذات نہیں ہے پس اصل کا اعتبار ہوگا نہ کہ کاغذات وشرائط کا۔

نیز کاغذات بنانے کی ذمہ داری اس شخص پر خود عائد ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف بنانے کی ایک ذمہ داری حکومت کی بھی ہوتی ہے ۔ مشاہدہ ہے کہ بہت سارے کاغذات حکومت کے عدم توجہی سے نہیں بن پاتے ہیں او ربہت سارے، بلکہ اکثر وبیشتر کاغذات حکومت کے اہل کار کی غفلت وکاہلی، عدم توجہی یا جہالت کے سبب غلط بن

جاتے ہیں اس میں اس شخص سے زیادہ حکومت کی بے توجہی کو دخل ہے پھر غلط کاغذات کی وجہ سے خمیازہ اس شخص کو بھگتنا پڑتا ہے۔

نیز حکومت کی طرف سے بعض اسکیم علی الاعلان ہوتے ہیں، لیکن کچھ کاغذات کی وجہ سے بہانہ بناکر وہ رقم واپس چلی جاتی ہے حالانکہ حکومت کے پاس ان افراد کی لسٹ ہوتی ہےوہ اس کے مطابق تقسیم کرسکتےہیں، لیکن بعض دفعہ بیجا شرائط لگا کر اس سے محروم کردیا جاتا ہے ، گاؤں دیہات میں عام مشاہدہ ہے، پس حکومت کے اس حیلے تراشے سے بچنے کے لئے نقلی دستاویزات سے حاصل شدہ رقم کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہئے۔

پس اگر مطلوبہ دستاویزات وکاغذات امید وار کے پاس نہیں ہے اور واقعۃً وہ اس اسکیم کا مستحق ہے وہ اپنے Duplicate کاغذات وغلط بیانی کے سہارے اس اسکیم سے فائدہ حاصل کرنے کا مجاز سمجھا جاسکتا ہے۔

(ب) اسکیم سے استفادہ ےکے کچھ شرائط ومعیارات ہیں اور امیدوار شخص اس کا مستحق بھی نہیں ہے اس کے باوجود وہ غلط بیانی سے یا Duplicate کاغذات کے سہارے حکومت کی مختلف امدادی اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہندوستان کی موجودہ صورتحال جس میں اسلام ومسلمان، بلکہ عامۃ الناس غریب کی بیخ کنی کی منظم سازشی پلاننگ پر درآمد جو دن بدن کم تر ہونے کے بجائے فروتر ہوتا جارہا ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے ایسی صورتحال میں اس کی گنجائش ہونی چاہئے بچند وجوہ:

(الف): حکومت کی طرف سے مختلف پروجیکٹ کے لئے مختلف ترجیحات کے لئے ہی اسکیمیں بنائی جاتی ہیں اور لوگوں کو عدم واقفیت کی وجہ سے بہت ساری اسکیمیں رکھی رہ جاتی ہے اور وہ واپس ہوجاتی ہے وہ یا تو نمائندہ افراد کے جیب میں چلی جاتی ہے یا پھر وہ کسی سرمایہ دار کے ہاتھ میں لگ جاتے ہیں جو بالکلیہ ہی غیر مستحق ہوتے ہیں۔

(ب) مستحق شخص یا عام افراد کے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے وہ رقم نمائندہ افراد یا سرمایہ دار شخص کے پاس جانے کی صورت میں وہ مال عیش وعشرت یا اسلام دشمنی میں خرچ ہونے کا قوی امکان ہے۔

ابھی حال ہی میں بات واضح ہوگی کہ کس طرح عوا م کےپیسے کو جبراً بینک میں رکھوا جارہا ہے او رررکھے ہوئے مال سے سرمایہ دار سیکٹرس افراد کو مالا مال کرکے حکومت اپنی مرضی حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔

پس ‘‘أہون البلیتین’’ کے تحت غلط بیانی سے حاصل شدہ رقم کے جواز کی راہ نکالی جاسکتی ہے۔

(ج) ہندوستان کی موجودہ صورتحال کی وجہ سے قدیم ومعاصر فقہاء کرام نے

بربنائے حاجت سود ورشوت جیسی حرام وقبیح چیز کو بعض صورتوں میں جائز قرار دیا ہے ملاحظہ ہو مسائل سود از مولانا حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی صفحہ ۱۹۰ تا صفحہ ۲۰۰ تک۔

جب بربنائے حاجت وضرورت سود ورشوت جیسی چیز کو بعض صورتوں میں جائز قرار دیا جاسکتا ہے تو صورت مسئلہ میں بدرجہ اولی گنجائش ہونی چاہئے، ''الضرورات تبیح المحظورات '' کی بنا پر۔

(د) ہندوستان کی موجودہ ناگفتہ بہ صورتحال میں جبکہ علی الاعلان حکومت کے نمائندوں کی طر ف سے مسلمانوں کو دیش بدر کردینے کی سازش اور سیاسی وسماجی علمی واقتصادی ہر اعتبا رسے تہ دست کردینے کی ایک منظم سازش وعمل ہورہا ہے ایسی صورت حال میں اقتصادی بدحالی وزبونحالی کو دور کرنے کے لئے اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔

(ہ) مذکورہ صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان کو دار الحرب مان کر امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے اور غلط بیانی سے حاصل شدہ مال کے جواز کی گنجائش دی جانی چاہئے۔

''ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لأبی یوسف ولأئمۃ الثلاثۃ'' (الدر المنتقی ۳،۹۹۲)۔

سوال نمبر (۱۱) کا حکم:

سبسڈی کا حکم:

بعض اسکیموں میں مثلاً تعلیم یا دیگر کسی شعبہ میں حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ یعنی سود عائد ہوتا ہے حکومت اپنی طرف سے ادا کرتی ہے اس کو اصطلاح میں سبسڈی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اسکیم کے تحت قرض لے اور سود کی رقم حکومت کی طرف سے ادا ہوتی ہے تو اس کو ایسے اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔ اور حکومت کی طرف سے ادا شدہ رقم اعانت سمجھی جائے گی ہولڈر کے حق میں اور بینک کے حق میں سروس چارج مانا جائے گا اور یہ عمل جائز ہوگا اور اس کے دلائل بھی وہی ہونگے جو سروس چارج کے مسئلہ میں گزر چکے ہیں۔

سوال نمبر (۱۲) کاجواب:

فکس ڈپازٹ سےحاصل شدہ سودی رقم سے جاری کردہ اسکیموں سے استفادہ؟

حکومت کچھ رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کرتی ہے اور اس سے حاصل شدہ سود سے رفاعی ادارہ یا افراد واشخاص کا تعاون کرتی ہے تو ایسے اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنا جائز ودرست ہوگا، کیونکہ حکومت کے حق میں وہ سود ہے اس کا وبال حکومت کے

اہل کار پر ہے، لیکن استفادہ حاصل کرنے والے کے حق میں وہ حکومت کی طرف سے مدد سمجھا جائے گا اور جائز ہوگا۔

مسئلہ ہذا کو سودی رقم کے مصرف پر قیاس کیا جاسکتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ سود کی رقم کو بینک میں چھوڑنا مناسب نہیں ہے اسے نکال کر کسی غریب یا ضرورت مند کو بغیر ثواب کی نیت کے بطور امداد کسی محتاج کو دیدیں، چنانچہ فتاوی ''بزازیہ ''میں ہے:

''فیرد علی أربابہا إن علموا وإلا تصدق بہ علی الفقراء'' (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶،۳۵۵)۔

پس معلوم ہو کہ سود کی رقم لینے والے کے حق میں تو سود ہے لیکن جس کی مدد کی گئی ہے اس کے حق میں وہ سود شمار نہ ہوگا، لہذا حکومت کا یہ عمل تو مناسب نہیں ہے، اس کا متبادل تلاش کریں، لیکن استفادہ کرنے والے شخص کے لئے وہ جائز ہوگا اور اقتصادی بدحالی ومعاشی زبونحالی کو دور کرنے کے لئے موجودہ ہندوستانی صورتحال میں حاجت وضرورت کے دائرہ میں ہے جس کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

سرکار کی قرضہ جاتی اسکیموں سے استفادہ کا شرعی حکم

مفتی ریاست علی قاسمی رامپوری•

اپنی رعایا اور پبلک کی معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کی تکمیل اور کفالت نیز تعلیمی ترقی اور دیگر ضروریات کی تکمیل ہر حکومت کے فرائض اور ذمہ داری میں داخل ہے، ہماری حکومت بھی اپنی رعایا کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی ترقی، صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی طور سے محروم اور پسماندہ شہریوں کو خط افلاس سے اونچا اٹھانے کےلئے اور ملک کی معیشت کے استحکام اور ترقی کےلئے مختلف شکلوں میں رقوم اور فنڈ کا اعلان کرتی ہیں اور ان کو روبعمل لانے کے لئے مختلف اسکیمیں وجود پذیر ہوتی ہے اور ان کی نگرانی میں وہ امور مکمل ہوتے ہیں، صحت، علاج ومعالجہ، رہائش، زراعت وغیرہ عوام الناس کو ان اسکیموں سے فائدہ ہوتا ہے، اس قسم کی اسکیمیں ملک کے تمام طبقات اور بعض اسکیمیں صرف مسلمانوں اور خاص طبقات کے لئے ہوتی ہیں، چونکہ سرکاری خزانہ پر ملک کے دوسرے لوگو نکی طرح مسلمانوں کا بھی برابر کا حق ہے اور سبھی حکومت کو براہ راست یا بالواسطہ ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے فلاحی اسیکموں کا اعلان کرنا اور ان کو اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور حکومت وقت مسلمانوں کے لئے فلاحی اسکیموں کا اعلان کرتی بھی ہے، اور مسلمان حسب گنجائش ان اسکیموں سے استفادہ کرتے بھی ہیں، سوال یہ ہے کہ اس قسم کی اسکیموں سے فائدہ اٹھانا مسلمانو نکے لئے کس حد تک درست ہے؟ اسی قسم کے سوالات پر مشتمل فقہ اکیڈمی کی جانب سے آمدہ سوالنامہ کا جواب پیش نظر تحریر میں پیش کرنا مقصود ہے۔

ضرورت سے موقع پر قرض لے کر اپنی ضروریات پوری کرنا شرعاً درست ہے، خواہ قرض اپنے کسی عزیز، رشتہ دار، تعلق دار سے لیا جائے یا سرکار سے لیا جائے پھر حکومت سے قرض لینے کی صورت میں اگر حکومت کی جانب قرض کا کچھ حصہ معاف ہوجاتا ہو اور اس میں زائد بالکل نہ دینا پڑے تو یہ صورت بھی درست ہے اور سرکار کی جانب سے چھوٹ اور معافی کو سرکاری اور حکومت کی جانب سے اعانت اور امداد تصور کیا جائے گا اور حکومت کا اپنی پبلک اور رعایا کی مدد کرنا شرعاً درست ہے، معافی والے قرض میں بعض دفعہ مقررہ مدت کے اندر قرض کی واپسی ہوتی ہے اگر

• خادم التدریس والافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ۔

مقررہ مدت میں قرض کی واپسی نہ ہو تو پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہےتو اس صورت میں اگر اصل رقم سے زائد ادا کرنی نہ پڑے تو یہ صورت بھی شرعاً درست ہے اور یہ صورت سود کے دائرہ میں داخل نہ ہوگی، اور اگر اصل رقم سے زائد رقم دینا پڑے تو زائد رقم سود کہلائے گی اور سود کی حرمت اور عدم جواز نص قطعی سے ثابت ہے، ارشاد خداوندی ہے: ''أحل الله البيع وحرّم الربوا'' (سورہ بقرہ: ۲۷۵)، ''یا أیہاالذین آمنوا لا تأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفۃ'' (سورہ آل عمران: ۱۳۰)۔

ارشاد نبوی ہے: ''لعن رسول اللہﷺ آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (مشکوۃ۱،۲۴۴ باب الربوا)۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار عن الاشباہ: کل قرض جع نفعاً حرام (۳۹۵،۷ زکریا)۔

وفی رد المحتار: أی إذا کان مشروطاً کما علم ، وإن لم یکن النفع مشروطاً فی القرض فعلی قول الکرخی لا بأس بہ'' (۳۹۵،۷ زکریا)۔

لہذا مسلمانوں کے لئےمعاشی ترقی اور استحکام کے لئے سودی قرض سے اجتناب اور گریز کرنا شرعاً لازم اور ضروری ہے، البتہ سخت مجبوری اور اضطراری حالات میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔

قرض کی واپسی میں اصل رقم سے زائد کا مطالبہ بہت کم ہونے کی صورت میں شرعی حکم:

اگر قرض کے اندر کے اصل رقم سے زائد رقم کا مطالبہ بہت معمولی اور برائے نام ہو کہ اس کو سروس چارج اور انتظامی اخراجات پر محمول کیا جاسکتا ہو تو اس طرح کے قرض کو حکومت سے لینے کی شرعاً اجازت ہوگی اور اضافی رقم کو سروس چارج کہا جائے گا، حضرت الاستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند رقم طراز ہیں:''انتظامی ضروریات کے لئے قرض پر محکمہ سود کے نام سے جو رقم وصول کرتا ہے اس زائد رقم کو سود کا نام دینا ضروری نہ ہوگا، بلکہ انتظامی اخراجات کی فیس بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کو اس شعبہ کے ملازمین اور عملہ کی اجرت پر محمول کرسکتے ہیناور کہا جاسکتا ہے کہ محکمہ چونکہ مسلم نہیں ہے، اس لئے وہ شرعی اصطلاحی الفاظ بولنے کا تو پابند ہے اور نہ اس کا پابند کیا جاسکتا ہے (نظام الفتاوی)۔

قرض واپسی پر سود کی شرح بہت زیادہ ہو تو اس کا حکم:

اگر سرکارسے قرض لینے کی صورت مینسود کی شرح بہت زیادہ ہو تو معاشی ترقی اور استحکام اور کاروبار میں اضافہ کے لئے سودی قرض لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہوگا اور ایسے قرض سے اجتناب اور پرہیز اختیار کرنا شرعاً لازم اور ضروری ہوگا۔

مگر سخت پریشانی، مجبوری اور اضطراری حالت میں مثلاًسر چھپانے کے لئے

کوئی جگہ نہ ہو اور مکان کی سخت ضرورت لاحق ہو یا کاروبار بالکل ٹھپ ہوگیا ہو اور غیر سودی قرض دستیاب نہ ہورہا ہو تو ایسے اضطراری حالات مینسودی قرض لینے اوراس پر سود دینےکی گنجائش ہوگی اور اس سود دینے کا وہی حکم ہوگا جو اضطراری حالت رشوت دینے کا حکم ہے۔ ‘‘یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ۲۹۴)۔

حکومت کی جانب سےامداد واعانت کا حکم:

اپنے عوام اور رعایا کی امداد اور اعانت کرنا اوران کے لئے روزگار اور کاروبار مہیا کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے لہذا بعض اوقات بعض خاص ضروریات مثلاً مکان، بیت الخلاء کی تعمیر اور تعلیمی ضروریات کے لئے جو امدادی رقوم دی جاتی ہیں مسلمان کے لئے اس رقم کو حاصل کرنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا شرعاً درست ہے، کیونکہ یہ رقم حکومت کوواپس نہیں دی جاتی ہے لہذا یہ صورت سود کے شائبہ سے بالکلیہ طریقہ سےپاک ہے، بعض دفعہ اس امدادی رقم کو حاصل کرنے کے لئے کافی جدوجہد اور محنت کرنی پڑتی ہے اور بعض لوگوں کو اس میں واسطہ اور دخیل بناکر محنتانہ بھی دینا پڑتا ہے، اور بعض دفعہ محنتانہ اور حق الخدمت میں حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ بھی دینابھی پڑجاتا ہے تو اس امدادی رقوم کو حاصل کرنے کےلئے دلال اور کمیشن لینے والوں کو متعین کرنا اور ان کو مطلوبہ دلال اور کمیشن دینا شرعاً درست ہوگا۔

‘‘وفی رد المحتار: قال فی التاتارخانیۃ:وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیہ أن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار: فقال: أرجوا أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل وکثیر من ہذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ کدخول الحمام’’ (۸۷،۹ زکریا)۔

امدادی رقم حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کا حکم:

اگر سرکار کی جانب سے امدادی رقوم اور قرضوں کا حصول محض معاشی ترقی کے لئے ہے تو اس کے حصول کے لئے رشوت دینا شرعاً درست نہیں ہے اور اگر سخت مجبوری اور اضطراری حالت میں امدادی رقم حاصل کرتا ہے تو بلا رشوت اس کا حاصل ہونا ناممکن اور دشوارہے، تو اپنا حق وصول کرنے کےلئے رشوت دینا جائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ سرکاری خزانہ پر ہر فرد کا حق ہے اور اپنے حق کو وصول کرنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، ‘‘دفع الرشوۃ لدفع الظلم أمر جائز’’ (ہدایہ۲۲۹،۳)۔

وفی رد المحتار: ‘‘دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ، یعنی فی حق الدافع’’ (۶۰۷،۹ زکریا)۔

امدادی رقوم اور قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی کا حکم:

حکومت کی جانب سے امدادی رقم حاصل کرنا تو مطلقاً درست ہے اور سخت مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینے کی بھی فقہاء کرام نے اجازت دی ہے، مگر اس

کے لئے حکومت کی جاب سے مقرر کردہ شرائط ومعیار پر پورا اترنا ضروری ہے، اس کے لئے غلط بیانی اور کذب بیانی کرنا اور غلط طریقہ سے امداد حاصل کرنا شرعاً درست نہ ہوگا، ہر مسلمان کو ہر حالت میں سچ بولنا چاہئے اور کذب بیانی سے پرہیز کرنا چاہئے، کذب بیانی کو حدیث مینانفاق کی علامت قرار دیا ہے: ''إذا حدث کذب''۔

تعلیم کے لئے حکومت سے قرض لینا:

ہندوستان کاایک شہری اور باشندہ ہونے کی حیثیت سے ترقیاتی اسکیموناورحکومت کی جانب سے منظور شدہ فلاحی منصوبوں سے فائدہ اٹھانے کا ہرمسلمان کوبرابر کا حق حاصل ہے اس لئے حکومت کی جانب سے تعلیم یادوسرے کسی مقصدکے لئے بنک سےجوقرض ملتا ہے اور اس پر عائد ہونے والے انٹرسٹ اور سود کو حکومت خود ادا کرتی ہے، مقروض ادا نہیں کرتا یابہت معمولی حصہ ادا کرتا ہے تو اس طرح کی اسکیموں سے مسلمان کے لئےاستفادہ کرنے کی اجازت ہےاور برائےنام ادا ہونے والے سود کو سروس چارج قرار دیا جائے ۔

''وفی الہندیۃ:وفی شرح حیل الخصاف لشمس الدین أن الشیخ أبا القاسم الحکیم کان یأخذ جائزۃ السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجہ وما یأخذ من الجائزۃ یقضی بہا دیونہ، والحیلۃ فی ہذہ المسائل أن یشتری نسیئۃثم ینقد ثمنہ من أی مال شاء'' (۳۹۶،۵ کتاب الکراہیہ)۔

حکومت کے ازخود حاصل کردہ سود سے استفادہ کا حکم:

اگر حکومت ازخود ایک کثیررقم فکس ڈپوزٹ کردے اور اس سے حاصل شدہ سودی رقم سے تعلیمی اداروں اور منتخب افراد اور اشخاص کا مالی تعاون کرے تو اس رقم سے مسلمانوں کے لئے استفادہ کرنا شرعاً درست ہوگا، اس صورت میں مسلمان بینک سے سودحالص نہیں کررہا ہے اور نہ ہی اس کے نام سے سودی رقم حاصل ہوتی ہے، بلکہ سرکاری اداروں او راس کے منتخب افرادنےازخود خطیر رقم ایف ڈی کراکے سودی رقم حاصل کی ہے لہذا اس صورت میں مسلمان سودی رقم حاصل کرنے والا نہ ہوگا اور مسلمان کے لئے اس سے استفادہ کرنا درست ہوگا۔

''وفی الہدایۃ:فإن عقدہم علی الخمر کعقد المسلم علی العصیر وعقدہم علی الخنزیر کعقد المسلم علی الشاۃ؛ لأنہا أموال فی اعتقادہم، ونحن أمرنا بأن نترکہم وما یعتقدون دل علیہ قول عمرؓ ولوہم بیعہما وخذوا العشر من أثمانہا'' (۸۶،۳)۔

تعلیم، مکان اور روزگار سے متعلق اسکیموں سے فائدہ اٹھانا

مولانا عبد الحمید قاسمی دیناجپوری•

سرکاری اسکیموں سے استفادہ،اسکالرشپ:

اسکالر شپ کی صورت میں ملنے والی امداد میں کوئی قباحت نہیں ، اسے بلاکھٹک استعمال کرسکتے ہیں اسی طرح سبسیڈی کے عنوان سے جو قرض معاف کردیا جاتا ہے اس کے حصول میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے مسلمان اپنی معاشی ، تعلیمی ، اور دیگر ترقیاتی کاموں کے لئے ان سے استفادہ کرسکتے ہیں اسی طرح بوقت ضرورت اس قرض کے لینے میں بھی کوئی قباحت نہیں جو بلا اضافہ واپس کیا جاتاہے حکومت کی طرف سے ملنے والے قرض مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوتاہے اور ہر ایک کا الگ الگ حکم لکھا جاتاہے۔

قرض کے بعض حصے کی معافی :

سوال١۔ وہ قرضے جن کا بعض حصہ معاف ہوجاتاہے اس کے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے افراد اور اداروں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے مقروض کو مکمل قرضے سے بری کردے یا اس کا کچھ حصہ معاف کردے فقہ کی تمام کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔ احادیث وآثار سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے۔

٢ ۔ قرض کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت کی طرف سے ایک مدت مقرر کی جاتی ہے اگر اسی مقررہ وقت پر مابقی رقم واپس کردی جائے تو سبسیڈی یعنی معافی والی رقم کی مقدار باقی رہتی ہے ، اور وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں سبسیڈی کی سہولت ختم ہوجاتی ہے مگر قرض کی مقدار سے زائد ادا نہیں کرنا پڑتا ،ایسے قرض حاصل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس میں سود کی کوئی مقدار نہیں۔

٣۔ وہ قرض جس میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ وقت پر قرض لی گئی رقم واپس نہ کرنے کی صورت میں اصل سے زائد ادا کرنا پڑے، جن لوگوں کو اپنے اوپر اعتماد ویقین ہو، کہ میں مقررہ وقت پر قرض ادا کردوں گا اور مجھے بطور سود اصل سے زائد رقم ادا نہ کرنی پڑے گی تو ایسے لوگوں کے لئے اس طرح کا قرض حاصل کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے لیکن اگر ظن غالب یہ ہو کہ وہ وقت مقررہ پر اصل قرض ادا نہ کرسکے گا تو اس کیلئے اس طرح کا قرض لینا جائز نہ ہوگا ،کیوں کہ سودی لین دین کو

• ادارہ فیض القرآن محمود چوک ٹھکری باڑی، ضلع اتردیناجپور، مغربی بنگال۔

شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، جس کے دلائل یہاں فراہم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سروس چارج یا انتظامی خرچ کے عنوان سے اصل قرض سے زائد وصول کرنا:

سوال نمبر ۲: غیر معافی والے قرص میں اگر اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو اور اسے سروس چارج یا انتظامی خرچ کہ کر وصول کیا جاتا ہو تو اس سلسلے میں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا کہ وہ مقدار سروس چارج کہلانے کے لائق ہو اجارہ ، اور حق الخدمت کے اصول کو ملحوظ رکھاجاتا ہو، ان تمام شرائط کے ساتھ اس طرح کا قرض لینا درست ہوگا اور وہ زائد رقم سودی رقم نہیں کہلائے گی، لیکن اس میں یہ شق بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا کہ ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اس اضافی رقم میں مزید اضافہ نہ ہو، نہ ہی قرص کی کمی بیشی سے چارج میں کمی بیشی ہو ورنہ وہ سود ہی سمجھاجائے گا۔جیسا کہ سودی معاملات میں ہوتا ہے ورنہ سے سروس چارج یا حق الخدمت کا نام دینا درست نہ ہوگا وہ سود کہلائے گا۔

گورنمنٹ سے سودی قرص لینے کا حکم :

سوال۳: جن چیزوں کی حرمت منصوص ہے وہ صرف ضرورت شدید ہ کے وقت ہی جائز ہوتی ہیں اور وہ بھی بقدر ضرورت اس سلسلے میں کتاب وسنت کی نصوص کے ساتھ فقہ کے ان ضابطوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ''الضرورات تبیح المحظورات''۔ ''الضرورات تتقدر بقدر الضرورات''۔ لہٰذا جب ضرورت شدیدہ نہ ہو اس وقت تک افراد یا اداروں سے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہے رزق حلال سے جس پیمانے پر صنعت وحرفت یا زراعت ہوسکے اسی پر اکتفا کر کے مزید کی طمع نہیں کرنا چاہئے یہ مسلمانوں کا صدیوں کا تجربہ ہے کہ حرام سے بچنے کی صورت میں انہیں ابتداً گر چہ بعض تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر اس سے بے پناہ فیوض وبرکات حاصل ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے ''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً'' (سورہ طلاق: ۲) یعنی کہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی حرام کردہ امور سے بچیں گے ان کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ فراہم کرے گا۔

مکان، بیت الخلاء اوردیگر ضروریات کے لئے ملنے والی سرکاری امداد کا حکم:

سوال۴:مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر یا تعلیمی ضروریات کیلئے ملنے والی امدادی رقوم کا حاصل کرنا بلا کراہت درست ہے، یہ حکومت کی طرف سے تعاون ہے، جو بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک کے لئے ہے اور سرکاری خزانے پر ملک کے تمام باشندوں کا یکساں حق ہے نیز یہ رقوم خود عوام ہی کی ہوتی ہے جو مختلف طریقوں سے حکومتی خزانے میں جمع ہوتی ہیں۔

گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدا کے حصول کیلئے واسطہ بننے اور جدوجہد کرنے کی اجرت:

سوال ۵:ہر شخص کے لئے اپنی مصروفیتوں کو ترک کر کے ان امداد کے لئے جدوجہد کرنا یا متعلقہ حکام تک رسائی حاصل کرنا بڑا مشکل کام ہوتاہے اس لئے اگر کوئی تیسرا شخص واسطہ بن کر ان مشکل مراحل کو حل کردے اورحبس وقت کی وجہ سے محنتانہ وصول کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ کسی کی ناخواندگی یا عدم معلومات کا ناجائز فائدہ اٹھ اکر زائد رقم اینٹھنا اخلاقاً درست نہ ہوگا یہ مروت کے خلاف ہے۔

امدادی رقوم کی ایک مخصوص مقدار واسطہ بننے کی اجرت میں لے لینا

سوال ۶:امدادی رقوم حاصل کرانے میں جدوجہد کرنا اور واسطہ بن کر معاوضہ لینا درست ہے نیز کم وبیش جس معاوضہ پر معاہدہ ہوا ہو ''المسلمون علی شروطہم'' کے تحت اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا اور اس سے حاصل شدہ رقم بھی جائز ہوگی لیکن ایک مسلمان کیلئے یہ ہر گز مناسب نہیں کہ دوسروں کی مجبوری سے اس طرح فائدہ اٹھائے دین وشریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ معاوضہ بقدر عمل پر ہی اکتفا کرے۔

امدادی رقوم کے حصول کے لئے رشوت دینا:

سوال ۷:رشوت دینا اور لینا دونوں ہی ناجائز ہے البتہ اگر اپنا حق وصول کرنے میں رشوت دیے بغیر چارئہ کار نہ ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن بہرحال رشوت کا لین دین چونکہ حرام ہے، اس لئے بلا ضرورت شدیدہ اس کا ارتکاب نہ کرے ، جن لوگوں کو اللہ تعالی نے حیثیت دی ہے اور ان امدادی رقوم کے بغیر بھی ان کا کام چل سکتا ہے تو رشوت جیسی ملعون چیز سے وہ پرہیز کریں۔

امدادی رقوم کے حصول کے لئے غلط بیانی سے کام لینا:

سوال ۸: امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے حکومتوں نے جو شرائط اور معیارات متعین کئے ہیں ان پر پورا اترنے کیلئے غلط بیانی سے کام لینا یا جھوٹے دستاویزات اور ثبوت فراہم کرنا حکومت کی نظر میں تو جرم ہے ہی خود شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے اس حقیر دنیا کے حصول کے لئے دین وشریعت کو بالائے طاق رکھ دینا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

تعلیم یا دوسرے مقاصد کے لئے حکومت کے سو دی قرض کی اسکیم:

سوال ۹: حکومت چاہے جو نسے مقاصد کے لئے قرض دے یا بینکوں سے دلوائے اگر قرض لینے والے کو صرف اصل رقم واپس کرنا پڑتا ہے اور اس پر جوانٹرسٹ آتا ہے وہ وحکومت ادا کرتی ہے تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ تمام کے تمام حکومتی ادارے ہیناصل یا نفع دونوں سرکاری خزانے ہی میں جمع ہوتا ہے، لہٰذا یہ امداد ہی کی شکل معلوم ہوتی ہے ۔

دوسری شکل جس میں سود کا بعض حصہ حکومت اداکرتی ہے اور بعض حصہ خود مقروض کو ادا کرنا پڑتاہے شرعی رو سے ناجائز ہے کیوں کہ سود کی حرمت مطلقاً

ہے کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

محفوظ فنڈ کی سودی رقم سے افراد واشخاص اور تعلیمی ورفاہی اداروں کا تعاون:

سوال ۱۰:محفوظ فنڈ جس کو ڈپازٹ کردیا گیاہے اس سے حاصل ہونے والے سود سے افراد واشخاص یا کسی طرح کے اداروں کی مدد کرنا شرعاً ناجائز ہے ایسے فنڈ سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے کیونکہ یہ خالص سودی رقم ہے جس کا استعمال بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں ہے۔

سرکاری ترقیاتی اسکیموں سے استفادہ

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی•

موضوع سے متعلق سوالات اور جوابات پیش خدمت ہیں:

۱-وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

جواب ـصورت مسؤلہ میں ازروئے شرع ایسے قرضے درحقیقت حکومت کی طرف سے تعاون کے قبیل سے ہیں , اس تعاون کو قبول کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے , ہم ہندوستان کے معزز شہری ہیں , حکومتوں کی طرف سے ملنے والی رعایتوں سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے -

۲-معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں مینیہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پرمعافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

جواب ۔ ہر وہ قرض جس میں لی ہوئی رقم سے زائد رقم کا مطالبہ نہ ہو تو اس کا حکم قرض حسنہ کا ہے, اس قرض اسکیم سے استفادہ میں شرعا کوئی قباحت نظر نہیں آتی, زائد رقم کا جہاں مطالبہ ہو وہ سود کے حکم میں شامل ہوگا۔

۳-اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

جواب۔ صورت مسؤلہ میناگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا حکم یقینا سود ہی ہے جو شرعا حرام ہے۔

۴-غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضو ں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح بہت کم ہو،جس کو سروس چارج کہاجاتا ہو،یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس چارج کہلا سکتا ہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرہ میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی؟

جواب ۔ قال اللہ تعالی ''وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا''

• استاذ ومفتی جامعہ دار السلام، عمر آباد۔

(سورۃ البقرۃ ۔۲۸۲)۔

(اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے کہ جو اُس کا مالک ہے خوف کرے اس میں کچھ کمی نہ کرے) ۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ آیت کی روشنی میں مقروض سے سروس چارج لینے میں کوئی حر ج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ سروس چارج درحقیقت اتنا ہی ہو جتنا کہ عرف میں لیا جاتا ہے ، نیز یہ سروس کا عوض مقروض کے ذمہ واجب الاداء ہے۔ نیز اسلامی اصول یہ ہے کہ ''کل قرض جر نفعا فھو ربا '' یعنی ہر وہ قرض جس کے پیچھے نفع کمانا مقصود ہو تو ایساقرض بھی سود ہے (السنن الکبری للبیھقی ۱۰۹۳۳ شرح السنۃ للبغوی ۸/۱۴۵)لہذا قرض پر زائد رقم کا ادا کرنا سود ہی ہوگا۔

۵- اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پرمحمول کیاجاسکے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر،کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیاجاسکتا ہے؟

جواب ۔ سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پرمحمول کیاجاسکے تو اس کا حکم سود ہی ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے۔خواہ وہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کو پالنے، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہوں, سب کا حکم سود ہوگا جو کہ شرعا حرام ہے، خواہ ہم جمہور ی حکومتوں میں ایک باشندے ضرور ہیں،لیکن ہم اپنے مذہب کے ہر حال میں پابند ہیں ، ہر معاملہ میں شریعت کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے ، شریعت کی بالا دستی کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کا ذمہ ہے۔

۶-ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ،مثلا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریونکی اعانت ہوتی ہے۔

جواب ۔ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر جو رقم ملا کرتی ہے ،مثلا مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ،نیز تعلیمی ضروریات کے لئے ، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنا درست ہے , جبکہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اورحکومت کی طرف سے اپنے شہریونکی اعانت ہوتی ہو ایسے تمام اسکیموں سے استفادہ کرنا جائز ہے , ہم حکومت کے رعایا ہیں ، باوقار

ومعزز شہری ہیں، اور اس کے کل پرزے ہیں،اس ملک کو آزاد کرنے ، ملک کے لئے خون پسینہ ایک کرنے میں ، اس کی آزادی کے ہر دوڑ میں ، تن من دھن کی قربانیاں پیش کرنے میں ہمارے مسلمان بھائیوں ، علماء ، فضلاء ، مجاہدین آزادی کا پورا حق حاصل ہے، نیز حکومتیں ہمارے ووٹونسے بنتی ہیں ، لہذا حکومت کی جائز اعانت سے فائدہ اٹھانا ہمارا حق ہے، اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کے تامل کی کوئی ضرورت نہیں ۔

۷-گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم- جس قسم کی بھی ہوں -ان کے حصول کے لئے کافی جدوجہد کرنی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں ،واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب۔ شریعت کے اصول میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ''الضرورات تبیح المحظورات''۔ یعنی ضروریات زند گی ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں, یعنی مجبور انسانوں کے لئے ضرورۃ رشوت دے کر اپنا جائز حق حاصل کرنا جائز ہے ، جہاں کوئی بھی کام بغیر کسی رشوت کے نہ ہوتاہو ، رشوت معمول بن چکا ہو لیکن مجبور انسان کی مجبور ی کا غلط فائدہ اٹھاکر رشوت لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں رشوت لینا ہر حال میں حرام ہے۔

۸-بعض مرتبہ و اسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب ۔ حکومت کی یا کسی بھی معاملہ میں رشوت لینا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، یعنی حرام ہے , مجبوری میں رشوت دینا الگ ہے، لیکن رشوت لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں " الراشی والمرتشی کلاہما فی النار" (الطرانی فی الاوسط بسند جید) یعنی رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں ۔جیساکہ مندرجہ ذیل فتوی میں بھی رشوت لینے پر حرمت کا بیان ہے (مرکز الفتوی ۔۲۴۸۷۔من اعطی رشوۃ لیتوصل بہا الی حق مشروع)۔

۹-اس قسم کی امدادی رقوم اورقرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟ لینا تو ظاہرہے کہ درست نہیں ہے ۔

جواب۔ ارباب علم ودانش کے فتاوے مینمنقول ہے کہ اگر اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کی ضرورت پڑی , اور اس کے بغیر کوئی صورت نہ ہو تو اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے,لیکن رشوت لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ ''إذا لم یستطع صاحب الحق أخذ حقہ، إلا بدفع رشوۃ فقد نص العلماء رحمہم اللہ علی جواز دفعہ للرشوۃ حینئذ، ویکون التحریم علی الآخذ لہا لا المعطی '' (فتاوی الاسلام سوال وجواب ۷۲۲۶۸, المشرف العام: محمدصالح المنجد)۔

١٠- امدادی رقوم یاقرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ'' (سورۃ النساء٢٩) مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) صورت مسؤلہ میں مذکورہ آیت کی روشنی مینامدادی رقم یا قرض حاصل کرنے کی غرض سے غلط بیانی سے کام لینا یا غلط طریقہ پر امداد یا قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے ۔

١١-بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے ،وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ،یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب۔صورت مسؤلہ میں حکومت اپنی ذمہ داری پربعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بنک سے جو قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے ،وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے ،یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے تو بصورت صدق سوال ایسی صورت میں مقروض کے لئے حکومت کی طر ف سے اعانت ہے ,اس صورت سے فائدہ اٹھانے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے , مقروض کسی بھی صورت میں سود کا مسؤل نہیں ہوگا ۔

١٢-بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کردیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیا ہے اور اس کے انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی و رفاہی اداروناور افراد و اشخاص کا تعاون کیاجاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا صورت درست ہوگی؟

جواب۔ تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ اسکیم سے اجتناب کیا جائے اورحلال کا راستہ اپنایا جائے ، ارشاد باری تعالی ہے۔ ''وَمَنْ یَّتَّقِ اللہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًاوَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللہُ لِکُلِّ شَیْئٍ قَدْرًا'' (سورۃ الطلاق: ٣) اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) نجات (کی صورت) پیدا کردے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان

بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ''إن الحلا ل بین وإن الحرام بین وبینہما مشتبہات لایعلمہن کثیر من الناس فمن اتقی الشبہات فقد استبرا لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام'' (متفق علیہ) یعنی یقینا حلال اور حرام واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ متشابہات ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے ،جوشخص مشتبہ چیزوں سے بچ جاتا ہے تووہ اپنے دین اور عزت وآبرو کی حفاظت کرلیتا ہے اور جو مشتبہ چیزوں میں گھر جاتا ہے حرام میں پھنس جاتا ہے۔

سرکار کی جانب سے جاری کردہ ترقیاتی اسکیمیں اور سودی معاملات

مفتی محمد حسین قمر الدین ماہمکر فلاحی•

ہمیں یہ اصول پیش نظر رکھنا چاہیے کہ عقود ومعاملات میں حقائق ومعانی کا اعتبار ہوتا ہے، انھیں کے اعتبار سے احکامات مرتب ہوتے ہیں ،نہ کہ الفاظ کا ، لہذا قرض بھی چونکہ ایک اہم شرعی عقد ہے، لہذا تمام امور مینحقائق کا اعتبار ہوگا،چاہے اس کی کچھ صورتوں ونوعیتوں میں ناموں کا الگ استعمال ہو۔یہ بات صاف اس لیے کرنی پڑی، کیونکہ سرکاری اسکیموں اور قرضوں میں بسااوقات سود یادیگر شرعی ناجائز صورتوں کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جبکہ ان کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے ،لہذاوہاں حقائق ومعانی کا اعتبار ہوگا، ظاہری الفاظ کا نہیں۔

(١)قرض دینے والے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا کل دین وقرض یا بعض قرض معاف کرسکتا ہے ،جسے شرعاً ''ابراء'' کہا جاتا ہے، صرف معاملہ یہ کہ قرض دینے والااہل تبرع واختیار مینسے ہو،محجور علیہ نہ ہو،اور اگر قرض دینے والاادارہ یاحکومت ہو تو دیگر منتظمین کی طرف سے ادارہ وحکومت کو ابراء دین کا حق حاصل ہو، اور کسی شرط پر معلق یا کسی مدت کے ساتھ مقید نہ ہو۔

صحیحین کی حدیث مبارک ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آپﷺ کے دور مسعود مینحضرت عبد اللہ بن ابی حدرد سے مسجد میناپنے قرض کا مطالبہ کیا جس میں دونوں کی آواز بلند ہوگئی اور آپ ﷺ نے اپنے حجر ہ مبارک میں اسے سنا ،تو آپ ﷺتشریف لائے ،یہاں تک کہ اپنے حجرے کا پردہ ہٹایاپھر حضر ت کعب بن مالکؓ کو آواز دے کر اشارہ فرمایا:''نصف قرض معاف کردو ''انہوں نے تسلیم کرلیا، تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا: اب تم بقیہ ادا کرلو۔

لہذاحدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ قرض دینے والااپنے قرض کو معاف کرنے کا مکمل حق رکھتا ہے ،البتہ ابراء دین وغیرہ کو کسی شرط پر معلق کرنا اور کسی مدت کے ساتھ مقید کرناصحیح نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں کتب فقہ شوافع کی فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

''لأن الاعتبار فی العبادات بمافی ظن المکلف وبما فی نفس الأمر، وفی العقود بما فی نفس الأمر فقط'' (فتح المعین مع حاشیۃ اعانۃ الطالبین : ١، ١٩٦)۔

''لأن العبرۃ فی العقود بما فی نفس الأمر''(تحفۃ المحتاج ،کتاب السلم ،فصل فی القرض:

• قاضی شریعت مرکزی دار القضاء کوکن، جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن۔

٢٠٩،٢۔ ط : دارالکتب العلمیۃ)۔

نیز قرضے میں سے بعض حصہ معاف کرنے سے متعلق حضرت امام نووی شافعیؒ رقمطراز ہیں :

''صلح الحطیطۃ وھو الجاری علی بعض الدین المدعی ،فھو ابراء عن بعض الدین، فإن استعمل لفظ الإبراء أو مافی معناہ بأن قال :أبرأتک من خمسۃ مأۃ من الألف الذی علیک أو صالحتک علی الباقی ،برئ مما أبرأہ، ولا یشترط القبول علی الصحیح ''(روضۃ الطالبین : ٣، ٤٣٠، ط : دارالکتب العلمیۃ)۔

کتاب الأم میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

''قال الشافعی:فأما السلف ،فإن اسلفہ شیئا ثم اقتضی منہ أقل ،فلا بأس ،لأنہ متطوع لہ بھبۃ الفضل'' (الأم: ٣،٤٠۔ ط: دارالکتب العلمیۃ)، اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:نھایۃ المحتاج مع الحاشیتین : ٤،٢٣٠۔٢٣١۔ ط : دارالکتب العلمیۃ، حاشیۃ الجمل : ٥،٥٩ط : دار الکتب العلمیۃ۔ نیز : تکملۃ المجموع : ١٣،٢٩٢۔ حاشیۃ اعانۃ الطالبین : ٣،٩٣ ، نھایۃ المحتاج مع الحاشیتین :٤،٢٣١۔ ط: دارالکتب العلمیۃ، الحاوی الکبیر : ١٨،٢٣٣۔ ط: دارالکتب العلمیۃ)۔

(٣)اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کے ساتھ زائد رقم ادا کرنے کی شرط لگائی جائے تو یہ ایسی شرط ہے جس میں مقترض (قرض دینے والے)کا فائدہ ہے ،ایسی صورت مینشرط کے ساتھ ساتھ عقد قرض بھی فاسد ہے ۔

''لا یجوز القرض إن اقترض بشرط رد زیادۃ علی القدر المقرض أو رد جید عن ردی أو غیر ذلک من کل شرط جر منفعۃ للمقرض'' (تکملۃ المجموع : ١٣، ٢٩١)۔

اور یہ صریح سود بھی ہے ،کیونکہ آپ ﷺکا فرمان ہے ''ہر وہ قرض جو(دینے والے کے)نفع کا باعث ہو وہ سود ہے ''۔ حدیث پاک کا حوالہ سابق مینگذرا۔

''مغنی المحتاج '' میں تحریرہے کہ یہ روایت گرچہ ضعیف ہے، لیکن اس مفہوم کو امام بیھقیؒ نے .....صحابہ کرامؓ سے نقل فرمایاہے ، صاحب مہذب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ ،عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نفع کے باعث قرض سے منع فرمایا۔

''(ولایجوز) قرض نقد أو غیرہ إن (بشرط رد صحیح عن مکسر أو)رد (زیادۃ)علی القدر المقرض أو رد جید عن ردی أو غیرذلک من شرط جر منفعۃ للمقرض کردہ ببلد اٰخر أو رھنہ بدین اٰخر ،فإن فعل فسد العقد لخبر فضالۃ بن عبید اللہؓ ''کل قرض جر منفعۃ ''أی شرط فیہ مایجر إلی المقرض منفعۃ ''فھو ربا''وروی مرفوعا بسند ضعیف لکن الامام والغزالی رفعہ ،وروی البیھقی معناہ عن جمع من الصحابۃ والمعنی فیہ أن موضوع القرض الارفاق'' (نھایۃ المحتاج مع الحاشیتین: ٤،٢٣٠۔ ط : دار الکتب العلمیۃ)۔

(٤،٥)سوالنامہ مینمذکور چوتھی صورت مینغیر معافی والے قرضے یا معافی والے

قرضوں میں اصل سے زائد رقم کامطالبہ ہو ،لیکن رقم کی شرح بہت کم ہو جس پر سروس چارچ کا اطلاق ہوتا ہوتو عند الشوافع جو رقم بھی سروس چارج کے طور پر قرضوں پر زائد لی جائے وہ چاہے کم ہو یا زیادہ،سود شمار ہوگا،چاہے کسی فرد کی طرف سے ہو یاادارہ وحکومت کی طرف سے ، اسلیے کے اشیاء ربویہ مینتماثل ضروری ہے ،یہاں تک کہ جو رقم بطور اجرت بھی زائد ہو وہ بھی تماثل کے لیے مانع ہے ۔

مشہور فقہ شافعی علامہ خطیب شربینی ؒ فرماتے ہیں :

''ولا أثر لقیمۃ الصنعۃ فی ذلک ،حتی لو اشتری بدنانیر ذھبا مصوغاقیمتہ أضاف الدنانیر ،اعتبرت المماثلۃ ولانظر إلی القیمۃ'' (مغنی المحتاج : ٢، ٣١۔ ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

البتہ محتاج وغریب افراد کو غیر سودی قرض دستیاب نہ ہو اور گورنمنٹ کی سوالنامہ میں مذکور صورتوں کے لیے قرضے حاصل کریں ،تو معمولی یا غیرمعمولی زائد رقم جو انہیں ادا کرنی پڑے ،تو اس مینان کو اجازت رہے گی ،یعنی ایسے قرضوں سے وہ استفادہ کرسکتے ہیں ۔

''مسألۃ : عمت البلوی أن أھل الثروۃ لا یقرضون أحدا إلا بزیادۃ ،إما من نوع المستقرض أو غیرہ بصیغۃ النذر ،أو یتأجر المقرض من المقترض أرضا بمال یسیر یستغلھا مرۃ بقاء الدین المذکور ،أو یردھا علی المستقرض بأجرۃ تقابل تلک الزیادۃ ،فالعقود المذکوۃ صحیحۃ إذا توفرت شروطھا ،ولا یدخل ذلک فی أبواب الربا ۔

''مسألۃ :إعطاء الربا عند الإقتراض ولو للضرورۃ بحیث إنہ إن لم یعطہ لم یقرضہ لا یدفع الإثم'' (فتاوی ابن زیاد مع بغیۃ المسترشدین٤٦٩۔ ٤٧٠۔ ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

صاحب ''فتح المعین '' رقمطراز ہیں :

''قال شیخنا ابن زیاد : لایندفع اثم اعطاء الربا عند الاقتراض للضرورۃ بحیث أنہ إن لم یعط الربا لایحصل لہ القرض إذلہ طریق إلی إعطاء الزائد بطریق النذر أو التملیک، لاسیما إذا قلنا:النذر لا یحتاج إلی قبول لفظا علی المعتمد ،وقال شیخنا : یندفع الاثم للضرورۃ'' (فتح المعین مع حاشیۃ اعانۃ الطالبین : ٢، ٣٥۔ ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

(٦،٧،٨)گورنمنٹ کی طرف سے کچھ ضروریات کے لیے جو رقم مکمل امداد کے طور پر ملا کرتی ہے تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور انکے مصارف میناستعمال کرنا جائز ہے اور اگر ان رقوم کے حصول کے لیے کوئی فرد محنت کرتا ہے تو اس کو مستأجر کا درجہ حاصل ہوگااور عقد اجرت کے شرائط کے مطابق اس کو پہلے سے طے شدہ اجرت یا اگر طے نہ ہو تو اجرت مثل کی ادائیگی لازم ہوگی۔ یاپھر حاصل ہونے والی رقم میں سے بھی اس کو اجرت دینا جائز ہے۔

(٩)اس قسم کی امدادی رقوم اور جائز قرضوں کے حصول کے لیے رشوت لازمی دینی پڑتی ہو تو اپنے حق کے حصول کے لیے رشوت دینا جائز ہے ۔

جیسا کہ علامہ خطابی شافعیؒ حدیث مبارک ''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی'' کے تحت فرماتے ہیں ''---- فأما إذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہ ظلما، فإنہ غیر داخل فی ھذا الوعید ---وروی أن ابن مسعودؓ أخذ فی شیئی وھو بأرض الحبشۃ فأعطی دینارین حتی خلی سبیلہ'' (معالم السنن شرح سنن أبی داؤد ٣،١٤٩-١٥٠- ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

(١٠)البتہ امدادی رقوم حاصل کرنے کے لیے حتی الامکان سچائی سے کام لینا چاہیے ،جہاں سچ اور صدق بیانی سے معاملہ حل ہوتا ہو وہاں جھوٹ وغلط بیانی سے کام لینا حرام ہے ،لیکن موجودہ حالات میں ہماری ملکی صورتحال کے مطابق ہم جانتے ہیں کہ حکومتی محکموں میں سارے دستاویزات وکاروائیاں مکمل ہونے کے باوجود بھی جھوٹ کا سہارا لینا ضروری ہوتا ہے ،ایسے وقت میں مقاصد کے حصول کے لیے ضروری حد تک غلط بیانی سے کام لینے مینحرج نہینہے ۔

''(الکذب حرام)سواء أثبت بہ منفیا ----أو نفی بہ مثبتا-----وھو مناقض للإیمان معرض صاحبہ للعنۃ الرحمن لقولہ تعالی :''إنما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بأٰ یات اللہ واولٰئک ھم الکاذبون'' (النحل : ١٠٥)وقول النبی ﷺ إن الصدق یھدی إلی البر والبر یھدی إلی الجنۃ والکذب یھدی إلی الناروقال سیدنا عمرؓ: ''لأن یضعنی الصدق وقلما یفعل أحب إلی من أن یرفعنی الکذب وقلما یفعل ---''قال فی الإحیاء:والضابط فی ذلک أن کل مقصود محمود یمکن التوصل إلیہ بالصدق والکذب جمیعا فالکذب فیہ حرام أو بالکذب وحدہ فمباح إن أبیح تحصیل ذلک المقصود (وجب إن وجب)''(حاشیۃ اعانۃ الطالبین ٣،٤٢١-ط : دارالکتب العلمیۃ)۔

(١١،١٢)جن اسکیموں مینتعلیم یا کوی اور مقصد سے حکومت بنک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے وہ حکومت مقروض کی طرف سے ادا کرتی ہے، زائد رقم مقروض کو ادا نہینکرنا ہوتا ہے، لہذا ایسی اسکیموں سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا حکومت بینک میناپنے محفوظ فنڈ کے سود کے ذریعے پر لوگوں کا تعاون کرتی ہے، تو اس سے استفادہ بھی جائز ہے ۔

حضرت امام نووی شافعیؒ کی کتا ب ''کتاب السبق والرمی ''کے ایک جزئیہ سے اس کے جواز کو مستنبط کیا جاسکتا ہے۔

''الحالۃ الاولی:أن یخرجہ غیرھما فیجوز للإمام أن یخرج المال من خاص نفسہ ومن بیت المال لما فیہ من التحریض علی تعلم الفروسیۃ۔الثانیۃ:أن یخرجہ المتسابقان فیقول کل واحد: إن سبقتک فلی علیک کذا، وإن سبقتنی فلک علی کذا، فھذا لا یجوز؛ لأنہ صورۃ قمار، إلا أن یدخل بینھما محللا، وھو ثالث یشارکھما فی المسابقۃ علی أنہ إن سبق أخذ شرطاہ'' (روضۃ الطالبین : ٧، ٥٣٦- ط : دار الکتب العلمیۃ)۔

سرکاری اسکیموں سے متعلق جوابات کا خلاصہ

مولانا عبد الباسط قاسمی•

سرکاری اسکیم سے متعلق جوابات کا خلاصہ:

١) ایسے قرضے جس میں اصل قرض سے معاف کردیا جائے تووواضح ہوکہ رعایت کرنے کا حق قرض دہندہ کو حاصل ہے، اور شرعاً اس میں بالکل کوئی قباحت نہیں ہے۔

٢) یہ صورت بھی جائز ہے، اس لیے کہ معافی پر جوزائد لیا جارہا ہے وہ اصل قرض کے برابر ہے، اصل سے زائد نہیں ہے اس لیے اس کے جوازمیں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔

اس لیے کہ یہ زیادتی گرچہ سبسڈی پر ضرور ہے، تا ہم اصل قرض سے زائد نہیں ہے، جبکہ سود کی حقیقت شرعی وہ نفع وزیادتی جو کسی جانب کے لیے ہو اور عوض سے خالی ہو،جبکہ یہاں اصل قرض سے زائد نہ ہونے کی وجہ سے عوض سے خالی نہیں ہے، اس لیے بلاکراہت یہ قرضہ بھی لینا درست ہے۔

''الربا ھو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ'' (الھدایۃ ،باب الربو٣،٨٠)۔

''ھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال''(کنز الدقائق ،باب الربا، ٢٤٨)۔

٣) و ٤) اگر اضافہ عام شرح سود سے کافی کم ہے اور بادی النظر میں یہ مترشح ہوکہ اس زیادتی کو انتظامی خرچ مانا جاسکتا ہوتو اس صورت میں توجیہ اور تاویل کی جائیگی محض سود کا نام دید ینے سے اس زیادتی کو سود قرار نہیں دیا جائیگا،جیسا کہ سابق میں تفصیلاً اس پر کلام گذرا،اور منی آرڈر کی فیس اور ڈیمانڈڈرافٹ کی فیس وغیرہ کے حکم میں مان کر اسے سروس چارج قرار دیا جانا چاہیے۔

٥) یہ سودی قرض ہوگا،عام حالت میں لینے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی البتہ حاجت شدیدہ صحیحہ حارجہ کے متحقق ہونے کے بعد اور کوئی چارہ نہ ہوتو اس صورت میں لینے کی گنجائش ہوگی۔'' دفعاً للحرج والمشقۃ ''۔

واضح ہو کہ حاجت کی تعیین ہر شخص کے ذاتی احوال کی بناء پر کی جائے گی، جیسا کہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

''یعتبر فی حق کل إنسان مایصح معہ بدنہ''۔

• جامعہ عبدا للہ بن مسعودؓ، دار المؤمنین جامع مسجد اترشیو،تھانے، ممبئی۔

۶) ایسی رقوم کا استعمال درست ہے،درحقیقت یہ حکومتی ذمہ داری ہے کہ رعیت کی ضرورت کی تکمیل کے لیے وظائف، رعایتی رقوم اور غریب وپسماندگی اور بھکمری کا خاتمہ اور معاشی خوشحالی کانظم کرے۔جس کی مثالیں عہدِ فاروقی میں بکثرت ملتی ہیں۔ اس کے بعد مسلم بادشاہوں میں خصوصاً اور دیگر حکمرانوں کے یہاں بھی اس کی نظیرینکسی درجہ میں موجود ہیں،اس لیے اس طرح کی اعانت وامدادحکومت پر ضرورتمند شہریوں کا حق ہے ، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ۔۔

۷) سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رہے کہ اس طرح کی امداد کے لیے شرعاً جو معیار ہے وہ پایا جائے تو مطلوبہ امداد واعانت کے حصول کے لیے کسی سے تعاون لینا اور اس سے باضابطہ اجرت طے کرکے یہ رقم حاصل کرنا درست ہے۔

۸) یہ زیادتی ہے،مستحق اور امداد لینے والا پر ظلم ہے،بلکہ جو لوگوں کی اس طرح اعانت کرسکتا ہو کہ ان کے جائز حقوق دلواسکے تو اسے یہ کرنا چاہیے اور معروف ومتداول اجرت سے زائد لینا بھی بہر حال اجرت کہلا ئیگی،لیکن اگراجیر خود اس رقم بانٹنے والے محکمہ کا ملازم ہو تو ا یہ لینے دینے کا معاملہ رشوت میں داخل مانا جائیگا،جس کی بدرجۂ مجبوری دینے والے کے حق میں گنجائش ہوگی۔

۹) ضرورتمند اور مستحق افراد کے لیے جائز حقوق کی وصولیابی کے لیے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی، جبکہ لینے والے کے لیے رشوت ہر حال میں حرام ہے، احناف کے علاوہ فقہاء ثلاثہ کے یہاں بھی جائز حقوق کی وصولیابی کے لیے رشوت دینے کی اجازت دی گئی ہے۔

لہذا جو شخص شرعی ضابطوں کے مطابق ضرورتمندو مستحق ہو تو اس شخص کے لیے رشوت دیکر یہ امداد حاصل کرنے کی اجازت ہوگی،لیکن جو مالی حیثیت رکھتا ہو،اور ضابطہ کے مطابق سارے کاغذات بھی ہوں تو چونکہ امداداعانت کا مقصود حاجتمندوں اورپسماندہ افراد کی اعانت ہے تو،اس لیے ایسے شخص کو رشوت دینے کی اجازت میں تأمل ہے۔ فتاوی شامی کی عبارت میں ''طلباً للنفع'' موجود ہے، اس سے گنجائش کی بات کہی جاسکتی ہے۔

۱۰) شرعی قواعد کی بناء پر ایسی امدادوقرض کو حاصل کرنے کے لیے ضرورت وحاجت کو معیار بنایا گیا ہے، اگر شرعی بنیادیں پائی جائیں اور ضرورت وحاجت کے پورا ہونے کی کوئی شکل نہ ہو اور سرکاری شرائط ومعیار موجود نہ ہو ں تو عزت وآبروکے تحفظ کے ساتھ کوئی حیلہ ممکن ہوتو اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی۔ جیساکہ بہت سے معاملات میں سرکاری شرائط ومعیارات کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔اور عزت وآبرو کے تحفظ کے ساتھ ان شرائط کے ترک کی گنجائش دی گئی ہے۔حج وعمرہ میں نئی پابندیوں کے سلسلہ میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔اور ان پابندی سے متعلق قوانین کے خلاف ورزی

کو گناہ نہیں قرار دیاگیا ہے، بلکہ یہ صرف انتظامی مسائل ہیں ،ان کی پاسداری اخلاقی فرض ہے، اس کے اوربھی نظائر تجارت و ملازمت کے نو پید مسائل سے متعلق کتب فتاوی میں موجود ہیں، ---- لیکن جو شرعی ضابطوں کے مطابق ضرورتمند نہیں ہے ،اس کے لیے گنجائش نہیں دی جاسکتی۔

١١) یہ سودی قرض ہے اس میں تاویل وتوجیہ کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے، اس لیے ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانا درست نہینہے ۔

١٢) اس طرح کی اسکیموں سے استفادہ درست ہے ،اسلئے کہ غیر مسلموں کے یہاں سودی لین دین ان کے نظریہ کے مطابق درست ہیں۔اور قانوناً حکومت بھی درست مانتی ہے۔اگر سودی لین دین حکومت خود انہی اداروں اور بینکوں سے کرتی ہے، اور اس سے حاصل ہونے والے سود کی مالک بنتی ہے،پھراس سے اشخاص یا اداروں کی اعانت کرتی ہے تو چونکہ امدادواعانت حاصل کرنے والوں کا سودی معاملات سے لینا دینا نہیں ہے،اس لیے غیر مسلم حکومت کی اس طرح کی امداداعانت درست ہے۔

جیسا کہ پراویڈنٹ فنڈمیں جو رقم ملازم کی تنخواہ سے کٹتی ہے اور اتنی ہی ادارے کی جانب سے ملائی جاتی ہے اور پھروہ ادارہ بینک یا کسی سرکاری ادارے کو بطور قرض دیتا ہے اور اس پربینک یا حکومت سے سود حاصل کرتا ہے۔اور بوقت سبکدوشی تینوں مال کو ایک ساتھ ملازم کے حوالہ کرتاہے ،ارباب فقہ وفتاوی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے اس سود سے ملازم کا لینا دینا کچھ نہیں ہے۔اس لیے کہ جو فنڈ جمع ہوتا ہے اس پر ملازم کی ملک نہیں ہے،بلکہ محکمہ کی ملک میں وہ فنڈ کی رقم ہوتی ہے اور وہ خود اس پر اضافہ حاصل کرتی ہے خواہ بینک سے ہو یا اور کہیں سے ۔چونکہ محکمہ کا یہ ذاتی فعل ہے اور ملازم کا اس سارے معاملات سے براہِ راست یا بالواسطہ عملاً کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ملازم اس طرح کے معاملات کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی دخل ہوتا ہے بلکہ محکمہ خود کرتا ہے۔نیز شرعاً اس پر سودی لین دین کی تعریف صادق نہیں آتی۔اس لیے کہ سودی معاملہ عقد معاوضہ (تبادلہ کا معاملہ) ہواور کسی ایک جانب بلا عوض زیادتی ہو، حالانکہ یہاں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس لیے مجموعہ رقم کو انعامی رقم مانا جائے گا۔ اور ملازم کے لیے بلاکر اہت درست ہوگی۔

اسی طرح اگر بینک یاحکومت غیر مسلم ہو، یا مشترک ہو، لیکن اقتدار اعلی غیر مسلم کا ہوتو اس میں بھی وہی احکام جاری ہونگے جو عام غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے احوال واحکام ہوتے ہیں، غیر مسلم آپس میں سودی کاروبار بھی کرتے ہیں ،غیر شرعی اور ناجائز کا روبار بھی کرتے ہیں وغیر ہ وغیرہ،پھر مسلمانوں کو یہی پیسے مزدوری میں اسی طرح انعام اور ہدیہ میں دیتے ہیں۔ حالانکہ شرعاً وہ تمام پیسے حرام معلوم ہونے کے باوجود ان سب کا لے لینا اور استعمال کرنا بلاکراہت درست ہے، اس شرط کے ساتھ جب

تک یہ تعین نہ ہوجائے کہ یہ وہی رقم ہے جو ڈاکہ ڈال کر لایا ہے یا چراکر۔ اس کے جواز کی بنیاد یہ ہے کہ تبدل ملک سے تبدل عین ہوجاتی ہے، نیز ''الخلط استہلاک ''کا فقہی ضابطہ بھی اس میں جاری ہوگا۔

کفار ابتداء ایمان اور حدود وعقوبات کے مخاطب ہوتے ہیں باقی معاملات میں جزئی احکامات کے مخاطب نہینہوتے ہیں، اس لیے ان کے آپس کے معاملات برقرار اور نافذ رکھے جاتے ہیں،جیسا کہ غیر مسلم زوجین اگر ایک ساتھ مسلمان ہوجائیں تو باوجود یہ کہ زمانۂ کفر کا نکاح جو شرعی ضابطوں کے خلاف ہوتا ہے اس کو باقی رکھا جاتا ہے۔الا یہ کہ بہن یا بیٹی یا دیگر محارم نکاح میں ہوں،تو اس صورت میں تفریق کرادی جاتی ہے ورنہ باقی رکھے جاتے ہیں۔ بس یہی حکم وحال یہاں بھی ہوگا کہ بینک اور سرکاری محکمہ کے ذمہ داران وافسران عام طور پر غیر مسلم ہوتے ہیں یا کم ازکم اقتدار اعلی غیر مسلم کے ہاتھ میں ہونا ہے،یہ لوگ اپنے طورپر سودی کاروبار سے نفع حاصل کرکے جمع کریں پھر کسی مسلمان ملازم کو بطور تبرع دیں تو اس کا لینا جائز ہوگا۔اور بمد انعام یا اعانت وامداد داخل ہوکر طیب وحلال ہوگا (مستفا د ،از: منتخبات نظام الفتاوی)۔

ان تمام تفصیلات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کے محکموں سے رفاہی ،تعلیمی اعانت لینا افراد واشخاص اور اداروں کے لئے بلا کراہت درست ہے۔

کچھ سرکاری اسکیموں سےفائدہ اٹھانے کا شرعی حکم

مولانا محمد فاروق دربھنگوی•

قرض میں زیادتی کی شرط:

شریعت کی رو سے قرض دینا قربتوں میں سے ایک قرب اور بڑے اجر وثواب کا ذریعہ ہے، مگر تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد قرض میں کسی بھی طرح کی زیادتی کی شرط لگانا جائز نہیں ہے خواہ مقرض کے لئے مقدار میں زیادتی کی شرط ہو کہ مثلاً: ادائیگی قرض کے وقت اسی جنس سےاصل مقدار پر زائد دینا ہوگا، یا صفت میں عمدگی کی شرط لگائی جائے، یا یہ کہ قرض لینے والے کی جانب سےہدیہ وغیرہ دینے کی شرط ہو، تو اس طرح کی تمام شرطیں ناجائز اور باعث گناہ ہیں، جس کی چند وجہیں ہیں:

۱۔ حدیث پاک میں ہر ایسے قرض سے نہی وارد ہوتی ہے جو مقرض کے لئے نفع کا ذریعہ ہو۔

۲۔ عقد قرض کی وضعیت ارفاق وقربت کے لئے ہے، اب اگر کوئی مقرض اپنے لئے زیادتی کی شرط لگادے تو یہ عقد اپنی موضوعیت ارفاق وقربت سے خارج ہوجائے گا، کیونکہ اس وقت یہ قرض تحصیل زیادتی کے لئے ہوگا، نہ کہ قربت کے لئے۔

۳۔ یہ زیادتی کی شرط اس لئے بھی ممنوع ہے کہ زیادتی مشروطہ ربوا کے مشابہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے، اور شریعت غرا نے جس طرح حقیقت ربو کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح شبہ ربوا کو بھی حرام قرار دیا ہے، لہذا اگر عقد قرض میں اس طرح کی زیادتی مشروط ہو تو عقد قرض فاسد ہوجائے گا۔

لہذا حکومت ہو یا کوئی ادارہ اس کے لئے قرض کی سہولیات فراہم کرتے وقت اس طرح سے زیادتی کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، اسی طرح آج کل بعض ادارے قرض جاری کرتے ہیں اور قرض کے تناسب سے مقروض سے ماہانہ فیس رکنیت کی وصول کرتے ہیں تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، اور یہ بھی سود کے دائرہ میں آتی ہے ایسے قرض کو غیر سودی کہنا محض دھوکہ ہے (قاموس الفقہ۴،۴۹۳)۔

بوقت ضرورت زیادتی کے ساتھ قرض لینا:

رہی بات ضرورت ومجبوری کے وقت زیادتی کے ساتھ قرض لینے کی، تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ نے ''الاشباہ والنظائر '' اور ''البحر الرائق ''

• جامعہ دار الاحسان باردولی، سورت، گجرات۔

میں ذکر کیا ہے کہ حاجت وضرورت کے وقت اس طرح قرض لینے کی گنجائش ہے، جیساکہ تحریر فرماتےہیں:

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، وفی الحموی:وذلک نحو أن یقترض عشرة دنانیر مثلاً، ویجعل لربحہا شیئاً معلوماً فی کل یوم ربحاً'' (الاشباہ ۳۲۷،۱، البحر الرائق ۲۱۱،۶ بیروت)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مذکورہ جزئیہ میں ''محتاج '' سے کیا مراد ہے:

آیا اس سے مضطر، یعنی ایسا شخص مراد ہے کہ اگر وہ اس طرح قرض نہ لے تو ہلاک یا قریب الہلاک ہوجائے، جیساکہ صاحب ضرورت کی یہی تعریف کی گئی ہے:

سود دینا حرام ہے ایسےشخص پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے، حرام کا ارتکاب اضطرار کی حالت میں معاف ہے، اگر جان کا قوی خطرہ یا عزت کاقوی خطرہ ہے، نیز اور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً نہ جائیداد فروخت ہوسکتی ہے نہ روپے بغیرسود کے مل سکتا ہے، تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے (فتاوی محمودیہ میرٹھی ۴۳۸،۲۴)۔

تائید (۴): اسی طرح حضرت علیہ الرحمہ نے ''الاشباہ والنظائر '' کے اسی جزئیہ سے متعلق سوال کا جواب حسب ذیل اندازسے ارقام فرمایا ہے:

سوال: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' کا مصداق کیا ہے؟

جواب:قاعدہ تویہ بیان کیا ہے ''الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ '' اس ذیل میں اس استقراض بالربح کے جواز کو لکھا ہے، حاجت کی کوئی تفصیل وتشریح شرح میں بیان نہیں کی، بظاہر مطلب یہ ہے کہ: جو شخص اس درجہ محتاج ہو کہ کما نہیں سکتا، اور بغیر قرض کے گزارہ کی کوئی صورت نہیں، اور قرض بغیر ربو کے نہیں ملتا، وہ اپنی مجبوری کی حد تک معذور ہے (محمودیہ میرٹھ ۳۹۹،۲۴)۔

اس تشریح سے بھی محتاج بمعنی مضطر ہی مفہوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جو نہ خود کما سکتا ہو اور نہ گزارے کے لئے کوئی چیز میسر ہو اور قرض لیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، اور قرض دینے کے لئے کوئی تیار نہ ہو تو ایسی حالت یقینا اضطرار کی مصداق ہے۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ ان حضرات اکابرینؒ کے نزدیک حالت اضطراری میں سودی قرض لینے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

البتہ اضطراری صورت جس طرح ہلاکت جان میں متحقق ہوتی ہے اسی طرح عزت نفس میں بھی متحقق ہوتی ہے، جیسے کہ شادی کی ضرورت ہو اور اس کے حصول کے لئے دوسری کوئی صورت نہ ہو اور نہ صبر کی طاقت ہو، بلکہ معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ اور ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں بھی بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت ہوگی، البتہ فضول اخراجات، مہمان نوازی، حتی کہ ولیمہ کی دعوت کے لئے بھی ایسی رقم لینے کی اجازت نہ ہوگی (فتاوی رحیمیہ جدید ۲۹۹،۵)۔

حاصل یہ کہ غیر حالت اضطراری جیسے کسی کے پاس سر چھپانے کے لئے مکان موجود ہو، خواہ کرایہ کا کیو ں نہ ہو اس کے لئے مکان خریدنے کے لئے سودی قرض لینا درست نہ ہوگا، اسی طرح فیکٹری لگانے، یا کاروبار بڑھانے کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت نہ ہوگی، کیونکہ یہ سب غیر اضطراری حالتیں ہیں، جیسا کہ (کتاب الفتاوی ۳۱۴٫۵، فتاوی عثمانی۳۱۱٫۳، فتاوی محمودیہ ۴۳۹٫۲۴) وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

شرط زائد میں تردد:

اگر کسی سے اس طور سے قرض لیا جائے کہ ادائیگی کے لئے مدت متعین ہو، اور عقد قرض میں یہ معاہدہ ہو کہ اس مدت تک اگر ادائیگی ہوگئی تو اصل مقدار پر کسی طرح کی زیادتی نہ لی جائے گی، ورنہ مدت گذرنے کے بعد ادائیگی کی گئی تو اصل قرض پر زیادتی کے ساتھ ادائیگی کرنی ہوگی، تو آیا قرض لینے کی یہ صورت جائز ہوگی یا نہیں، تو ا س صورت کے سلسلہ میں دو طریقے سے غور کیا جاسکتاہے:

پہلا طریقہ:

پہلا طریقہ یہ ہے کہاگر قرض لینے والے کو اپنی ذات پر وثوق واطمینان ہو کہ وقت متعین پر وہ ادائیگی کردے گا، اور ایسی صورت پیش آنے کی نوبت نہیں آئے گی کہ مدت گذر جائے اور زیادتی لازم ہو تو یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کسی طرح کی بھی شرعی قباحت لازم نہیں آتی، جیساکہ اس کی تائید عقد بیع میں خیار شرط کے ایک جزئیہ سے ہوتی ہےکہ اگر عقد بیع میں خیارت شرط کی مدت تین دنوس سے زائد لگائی گئی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط جائز نہ ہوگی، لیکن اگر تین دنوں کے اندر ہی بیع کی اجازت دیدی یا خیار ساقط کردیا تو بلا کراہت بیع جائز ہوجائے گی، جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

''ولا یجوز أکثر منہا عند أبی حنیفۃ، إلا أنہ إذا أجاز فی الثلث جاز عند أبی حنیفۃ ، لأنہ سقط المفسد قبل تقررہ، فیعود جائزاً'' (ہدایہ ۲۹٫۳)۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوگیا کہ اگرچہ ناجائز شرط کے ساتھ عقد بیع کا انعقاد ہوا ہو ، مگر چونکہ فساد کا تقرر چوتھے دن سے حاصل ہوگا، اس لئے اگر اس سے پہلے ہی بیع نافذ ہوگئی تو یہ بیع جائز ہوجائےگی، اسی طرح قرض میں زیادتی کی شرط اس وقت موثر ہوگی جبکہ مدت گذر جائے، اور اگر مدت سے قبل ہی فرض ادا کردیا گیا تو زیادتی کی شرط پر کسی طرح کا عمل نہیں پایا گیا، لہذا اس طرح قرض لینا جائز ہوگا، اور دونوں مسئلوں میں جامع علت مدت متعینہ کے گذرنےپر فساد کا لزوم ہے نہ کہ اس سے قبل۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح سے قرض لینا جائز نہ ہو، کیونکہ اس میں اگرچہ قرض دہندہ متعین مدت فراہم کرتا ہے کہ جس میں اگر مقروض ادائیگی کردے تو اس کو

سود ادا نہیں کرنا پڑتا، لیکن اصلاً معاہدہ سود کی بنیاد پر ہوتا ہے اور قرض لینے والا اس کی ادائیگی کا عہد وپیمان کرتا ہے، اس لئے اس طرح قرض لینا جائز نہ ہوگا، چنانچہ فقہ اکیڈمی کی جانب سے پندرہویں سمینار میں بینکنگ کے مختلف کارڈ کے استعمال کے سلسلہ میں جو فیصلے ہوئے ہیں، ان میں کریڈٹ کارڈ کے بارے میں یہی فیصلہ ہوا تھا کہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے، اور یہی بات واضح ہے کہ کریڈٹ کے استعمال میں اسی طرح وقت متعین کے اندر کوئی سود لازم نہیں آتا، اور مدت گذر جانے کے بعد عدم ادائیگی کی صورت میں زیادتی لازم آتی ہے (دیکھئے: فقہ اکیڈمی کے فیصلے ۱۵۱،)۔

بندہ کی رائے:

اس سلسلہ میں بندرہ کی رائے یہ ہے کہ عصر حاضر میں جبکہ اس طرح کے معاملے کا ہر جگہ شیوع اور عام چلن ہوچکا ہے کہ اگر وقت متعین میں ادائیگی نہ کی گئی تو زیادتی کے ساتھ ادا کرنا پڑتی ہے، جیسے بجلی، ٹیلیفون، پائپ لائن گیس اور پوسٹ پیڈموبائل کے بلوں میں تاخیر سے ادا کرنے پر زیادتی کی شرط ہوتی ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں سے ادھار تجارت کرنے، اسکول کالجوں کی فیس بھرنے اور بینک کے مختلف کارڈ استعمال کرنے میں بھی یہی شرط ہوتی ہے، اب اگر اس طرح کے معاملہ کو مطلقاً ناجائز قرار دیا جائے تو لوگوں کے بہت سے معاملے ناجائز ہوجائینگے، اور یہ یقینا تنگی وحرج ہے جو قابل موضوع ہے، اس لئے بندہ کی رائے یہ ہے کہ:

ان لوگوں کے لئے جو وقت متعین پر ادا کرنے پر قادر ہوں اور انہیں پورے طور سے اطمینان ہو کہ وہ اس کے خلاف نہ کرینگے ان کے لئے اس طرح قرض لینے اورفائدہ اٹھانے کی اجازت ہونی چاہئے، اس لئے کہ ایسے وقت میں زیادتی کا معاہدہ محض خانہ پری کے لئے ہوگا، اور اصل معاملہ جزم ویقین کے ساتھ غیر سودی ہوگا، البتہ ایسے لوگ جنہیں تردد ہو اور وقت پر ادائیگی ممکن نہ ہو تو ان کے لئے اس طرح سے قرض لینا درست نہ ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے مسئلہ مذکورہ میں استفادہ کیا جاسکتا ہے:

''إن المفسد لیس ہو شرط الخیار، بل وصلہ بالرابع، فإذا أسقطہ تحقق زوال المعنی المفسدقبل مجیئہ فیبقی العقد صحیحاً'' (شامی ۱۱۴،۷ خیار شرط)۔

(یعنی مفسد شرط خیار (کی مدت کا تین سے زائد ہونا) نہیں ہے، بلکہ اس کا چوتھے دن سے مل جانا ہے تو جب چوتھے دن سے قبل اس زائد مدت کو ساقط کردیا تومعنی مفسد آنے سے پہلے زائل ہوگیا، لہذا عقد صحیح وسالم باقی رہا۔

سروس چارج کے نام پر زیادتی:

قرض فراہم کرنے والے ادارہ خواہ سرکاری ہوں یا پرائیوٹ قرض جاری کرنے اور اس کے حساب وکتاب منضبط رکھنے پر جواخراجات آئیں وہ قرضداروں سے سروس چارج کے نام سے لے سکتے ہیں، بشرطیکہ دوشرطیں بیک وقت موجود ہوں:

۱۔ یہ سروس چارج کے عنوان پر لی جانے والی زیادتی اس جیسے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زائد نہ ہو۔

۲۔ اس اجرت کی وصولی کو قرض پر حصول نفع کے لئے ایک حیلہ اور بہانہ نہ بنالیا جائے اگر یہ دونوں شرطیں بیک وقت موجود ہوں تو سروس چارج کے نام سے کچھ زیادتی لینے کی اجازت ہوگی۔

اس لئے کہ قرض کا اجراء کرنا او راس کے حساب وکتاب کا محفوظ رکھنا از خود نہ ہوگا، بلکہ ایک عاملہ کے ذریعہ ہی انجام پائے گا، او راس عاملہ کا بلا معاوضہ ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ عموماً اس کی تنخواہ اور اجرت مثل متعین ہوتی ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ یہ عمل قرض لینے والوں کے لئے ہورہا ہے تو اس کی اجرت بھی ان ہی پر ہوگی، جس کی نظیریں قاضی ومفتی کا لکھنے پر اجرت لینا ہے، یعنی قاضی ومفتی کے لئے زبانی فتوی دینے اور فیصلہ کرنے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ زبانی فتوی دینا اور فیصلہ کرنا ان کا امر وجوبی اور حق منصبی ہے، اور ایسے عمل پر کسی طرح کی بھی اجرت لینا درست نہیں، لیکن مفتی کے لئے فتوی تحریر میں لانے اور قاضی کے لئے دستاویز لکھنے اور رجسٹرڈ کرنے کا عمل وجوبی نہیں ہے، اس لئے ان کےلئے عمل مذکور پر اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ اجرت ایسےکاموں پر ملنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو، اور نہ فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر اجرت کے لئے حیلہ ہو، جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی فرماتےہیں:

‘‘ویستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز لغیرہ، کالمفتی فإنہ یستحق أجر المثل علی کتابۃ الفتوی؛ لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان، ومع ہذا الکف أولی، احترازاً عن القیل والقال وصیانۃ لماء الوجہ عن الابتذال’’ (درمختار مع الشامی ۹،۱۲۷)۔

(اور قاضی وثیقہ، محاضرات اور سجلات کی تحریر کرنے پراتنی مقدار اجرت کا حقدار ہوگا، جتنی مقدار اس جیسے عمل پرلی جاتی ہے، جیسے کہ مفتی فتوی تحریر کرنے پر اجرت مثل کا حقدار ہوتا ہے، اس لئے کہ ان پر زبان سے جواب دینا واجب ہے نہ کہ تحریری جواب دینا، لیکن اس کے باوجود لوگوں کے قیل وقال اور اپنے کو حقارت وذلت سے دور رکھنے کے لئے اجرت نہ لینا ہی افضل ہے)۔

رہی بات یہ ہے کہ یہ سروس چارج قرض کی مقدار پر فیصد کے اعتبار سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ تو ظاہر یہی ہے کہ قرض کی مقدار پرفیصد کے اعتبار سے لینا جائز نہ ہو، اس لئے کہ مقدار قرض تھوڑی ہو یا زیادہ اس کے اندراج میں محنت ومشقت کی کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوتی، بلکہ دونوں کے اندراج میں یکساں عمل کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا ہر قرض دار سے یکساں چارج لینا چاہئے۔

لیکن اس ظاہر کے خلاف ہر قرضدار سے مقدار قرض پر فیصد کے اعتبار سے بھی سروس چارج لینا جائز ہے، اس لئے کہ اجرت مثل ہمیشہ مشقت کار کے مطابق نہیں ہوتی، بلکہ اجرت کی قلت وکثرت میں بعض اوقات کام کی معنوی حیثیت کا اعتبار ہوتا ہے، اوربعض دفعہ نفع اٹھانے والے کے نفع کا اعتبا رہوتا ہے، او راس اعتبار سے معمولی مشقت کے کام پر زیادہ اجرت دی جاتی ہے، اور بعض دفعہ زیادہ مشقت کےکام پر تھوڑی اجرت دی جاتی ہے۔

جیسا کہ علامہ شامی ؒ کے حسب ذیل جزئیہ سے اس کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے:

''قال فی جامع الفصولین: للقاضی أن یأخذ ما یجوز لغیرہ، وما قیل: فی کل ألف خمسۃ دراہم لا نقول بہ، ولایلیق ذلک بالفقہ، وأی مشقۃ للکاتب فی کثرۃ الثمن؟ وإنما أجر مثلہ بقدر مشقۃ أو بقدر عملہ فی صنعتہ أیضاً کحکاک وثقاب یستأجر بأجر کثیر فی مشقۃ قلیلۃ، قال بعض الفضلاء: افہم ذلک جواز أخذ الأجرۃ الزائدۃ، وإن کان العمل مشقتہ قلیلۃ، ونظرہم لمنفعۃ المکتوب لہ'' (شامی ۹؍۱۲۷)۔

(قاضی کے لئے (دستاویزوغیرہ لکھنے پر) وہی اجرت لینا جائز ہے جو اجرت دوسرے کے لئے جائز ہے، اور جو کہا گیا کہ وہ ہر ہزار میں پانچ درہم لے گا، تو ہم اس کے قائل نہیں، اور نہ یہ ازروئے فقہ مناسب ہے، (کیونکہ) کاتب کے لئے زیادتی ثمن لکھنے میں کونسی زائد مشقت اٹھانی پڑتی ہے؟ اور یقینا عمل کی اجرت مثل اس کی مشقت کے بقدر ہوتی ہے یا کام کی صنعت ونوعیت کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، جیسے کہ سونے چاندی کو رگڑ کر پرکھنے والا اور (موتی) میں سوراخ کرنے والا تھوڑی مشقت والے عمل پر بڑی اجرت لیتا ہے، بعض فقہاء نے فرمایا: کہ اس سےیہ بات سمجھ میں آئی کہ اگرچہ عمل کی مشقت تھوڑی ہو مگر اس پر زائد اجرت لینا جائز ہے، اور ان فقہاء کی نظر مکتوب لہ کے نفع کی طرف متبادر ہوگی)۔

خلاصہ یہ کہ اجرت کی کمی وزیادتی کا مدار عمل کی قلت مشقت اور کثرت مشقت نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار عمل کی معنویت اور نافعیت ہے، جس کی وجہ سے اجرت کی کمی وزیادتی واقع ہوتی ہے، لہذا قرض وغیرہ کے اجراء کرنے میں اس کی معنوی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے فیصد کے اعتبار سے اتنا سروس چارج وصول کرنا جائز ہے جو اجرت مثل سے زائد نہ ہو ۔

ترقیاتی نقطہ نظر سے سرکاری اسکیم سے استفادہ

مفتی محمد ارشاد پالنپوری•

۱۔ سرکارکی طرف سے ملنے والے وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم دینا پڑتا ہے حکومت کے نزدیک ایسے قرضوں کی فراہمی کا مقصد لوگوں کی امداد اور تعاون ہوتا ہے، لہذا قرض کی رقم کا وہ حصہ جو معاف کردیا جاتا ہے اس میں یہ تاویل کی جائے گی کہ حکومت نے بطور تعاون یہ رقم دی ہے، لہذا شرعا ایسے قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (فتاوی رحیمیہ ۹؍۲۳۳)۔

۲۔ معافی والے قرضوں میں اگر مقررہ مدت میں آدمی رقم واپس نہ کرسکا جسکی بناء پر پوری رقم ادا کرنی پڑے، لیکن لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے تو اس میں یہ تاویل کی جائیگی کہ حکومت نے بطورتعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے وہ تعاون والی رقم واپس کردی لہذامذکورہ تاویل کی بناء پر مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ۔ ''وکان علیہ مثل ما قبض'' (تنویر الابصار ۷؍ ۲۹۸) ۔

۳۔ اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی اداکرنی پڑے تو اس صورت کا حکم یہ ہیکہ جس شخص کو اپنے پر یقین کے ساتھ پورا اعتماد ہو کہ میں مقررہ مدت میں قرض کی رقم واپس کردونگا اور مجھے ایک روپیہ بھی زائد ادا نہ کرنا پڑیگاتووہ شخص تو اس اسکیم کے تحت قرض وصول کرسکتا ہے، لیکن جس شخص کو قرض کی واپسی کے بارے میں ذراسا بھی شبہ ہو کہ میں مقررہ مدت مدت میں قرض کی رقم کی واپسی کرسکونگا کہ نہیں تو ایسے شخص کے لئے مذکورہ اسکیم کے تحت بالکل قرض کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ سودکا معاملہ اتنا بھیانک اور خطر ناک ہے کہ سود لینے دینے سے تو بچنا ہی ہے ، لیکن جہاں سود لینے دینے کا شبہ لازم آتا ہو اس سے بھی بچنا ضروری ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں کہ سود اور ربا کے معاملہ میں شبہ ربابھی حقیقت کے ساتھ لاحق ہے: ''والأصل فیہ أن شبھۃ الربا وشبھۃ الجنسیۃ ملتحقۃ بالحقیقۃ فی باب الربا احتیاطا للحرمۃ'' (فتاوی شامی ۷؍ ۳۱۹)۔

۴۔ سرکار کی طرف سے جاری کردہ قرضوں میں اگر اصل رقم سے زائد کا مطالبہ ہو اور یہ زائد رقم اتنی معمولی ہو کہ اس کو اجرۃ الخدمت (سروس چارج) کہا جاسکتا ہو تو اس کا حکم یہ ہیکہ سرکار کو اس منصوبہ پر قرض جاری کرنے کے لئے اس کا حساب

• استاذ مدرسہ جامع العلوم دساڑہ، سریندر نگر (کاٹھیاواڑ) گجرات۔

و کتاب رکھنے پرجو واقعی اخراجات ہوئے ہواگر یہ زائد رقم ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے تو یہ صورت جواز کے دائرہ میں آسکتی ہے، لیکن یہ پتہ لگانا کہ اجرۃ الخدمت (سروس چارج) کے نام پر لی ہوئی رقم واقعی اخراجات کے برابر ہے یازائد ہے یہ بہت مشکل ہے تو قرض حاصل کرنے کی یہ صورت بھی شبہ ربوا سے خالی نہیں ہے، لہذا بندہ کی ناقص رائے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہیکہ قرض حاصل کرنے کی یہ صورت بھی ناجائز ہونی چاہئے ۔

''عن عمر بن خطاب ان آخر مانزلت آیۃ الربوا، وأن رسول اللہ ﷺ قبض ولم یفسرھا لنا، فدعوا الربوا والریبۃ - رواہ ابن ماجہ والدارمی''(مشکوۃالمصابیح ، ۲۴۶)۔

''قولہ آخر ما نزلت ای آیۃ الربوا، یعنی ھی ثابتۃ غیر منسوخۃ، لکن رسول اللہ قبض، ولم یفسرھا، بحیث یحیط بجمیع جزئیاتھا وموادھا، فینبغی لکم أن تدعوا الربوا الصریح وما یشبہ الأمر فیہ تورعا واحتیاطا، ھذا ما یفھم من ظاھر العبارۃ، وقال الطیبی:إن ھذہ الآیۃ تابعۃ غیر منسوخۃ غیر مشتبھۃ، ولذلک لم یفسرھا النبی ﷺ، فأجروھا علی ما ھی علیہ، ولا ترتابوا فیھا، واترکوا الحیلۃ فی حل الربوا - المعات''(ھامش مشکوۃ شریف : ۲۴۶)۔

مذکورہ بالا حاشیہ مشکوۃ شریف کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ سود کی حالت کے بارے میں کوئی ایسا حیلہ کرنا جو شبہ سے خالی نہ ہو اس سے بچنا اور احتیاط بالکل ضروری ہے ۔

۵۔ سرکار کی طرف سے ملنے والے وہ قرضے جس پر سود ادا کرنا پڑتا ہو اور اس سود کااوسط اتنا معمولی نہ ہو کہ اس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جا سکے اس کا حکم یہ ہے کہ اضطراری اور حد درجہ کی احتیاج کے بغیر ایسا قرض لیکر اس پر سود ادا کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہوگا، ہانالبتہ اضطراری اور حد درجہ کی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ قرض کے بغیر گزارہ کی کوئی صورت نہ ہو اور قرض بھی بغیر سود کے نہ ملتا ہو تو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، ورنہ گنجائش نہیں اور نہ ضرورت سے زیادہ لینا درست ہے ۔

''عن جابرؓ قال لعن رسول اللہ ﷺ: آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال:ھم سواء'' رواہ مسلم (مشکوۃ شریف ، ۲۴۴)۔

''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(الاشباہ والنظائر)۔

''الضرورات تقدر بقدرھا'' (قواعد الفقہ)۔

نوٹ: جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہوغیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوتو علماء کا کام یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے لئے بھی جواز کی راہ نکال کر غیر قوموں کی اتباع کا فتوی دیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضاخداوندی اور ابدی انعامات کا پورا

نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کے ساتھ پیش کریں اور یہ بتائیں کہ مسلمان کی ترقی احکام شریعت کی پابندی میں ہے نہ کہ حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے میں (فتاوی محمودیہ ۲۴، ۳۵۸)۔

۶۔ بعض ضروریات کے لئے گور نمینٹ کی طرف سے ملنے والی وہ رقم جسکے کسی حصہ کی واپسی نہیں کرنی پڑتی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس رقم کے حاصل کرنے لئے کچھ شرائط ہیں تو وہ تمام شرائط رقم حاصل کرنے والے کے اندر پائے جاتے ہوں اور اس بارے میں عام طور پر غلط بیانی سے کام لیا جاتا ہے تو غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے تو یہ رقم حاصل کی جا سکتی ہے اور اس کو گور نمینٹ کی طرف سے امداد اور تعاون سمجھاجائے گا ۔

۷۔گور نمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے جولوگ واسطہ بنتے ہیں ، وہ دو قسم پر ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو سرکاری ملازمین میں سے ہیں اور اور سرکار کی طرف سے ان کو تنخواہ ملتی ہے اور ان کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ لوگوں کو گورنمینٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم فراہم کرنا تو ایسے لوگوں کے لئے تو بالکل محنتانہ کے طور پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، یہ رشوت ہوگی اور رشوت کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں احادیث میں آئی، ہیں جیساکہ مفتی نظام الدین صاحبؒ نے علامہ سیوطی کی جامع صغیر کے حوالہ سے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ ‘‘الراشی والمرتشی فی النار’’ (الجامع الصغیر) (منتخبات نظام الفتاوی ۳، ۲۰۶)۔

‘‘ ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب’’ (فتاوی شامی ۸ ص ۳۳)۔

(۲) وہ لوگ جو سرکاری ملازمین میں سے نہیں ہیں اور اس بارے میں ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ اجرت لیکر جس طرح لوگ ایک دوسرے کے کام کیا کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی اجرت لیکر سرکارکی طرف سے ملنے والی امداد ی رقوم لوگوں کو دلوایا کرتے ہیں تو اس بارے میں تفصیل یہ ہےکہ سرکار کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم ایسی ہو جو جواز کی حد میں آتی ہو، یعنی اس میں ربوا اورشبہ ربوا لازم نہ آتا ہو، ایسی اسکیم کے ماتحت ملنے والی رقم کسی قسم کی غلط بیانی کے بغیر لوگوں کو دلوائیں اور اس پر اجرت وصول کریں توشرعا اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اس صورت میں امدادی رقم حاصل کرنے والوں کے لئے محنتانہ کے طور پر یہ اجرت دینا بھی جائز ہوگا،لیکن اس اجرت کو پہلے سے طے کردیا جائے، تاکہ اجرت مجہول نہ رہے اور معاملہ جائز ہوجاوے ۔

۸۔گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے جو لوگ واسطہ بنتے ہیں ان کے لئے اجرت کے طور پر حاصل ہونے والی رقم کا ایک حصہ طے

کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اجرت کے طور پر جو چیز طے کی جاوے وہ ایسی ہونی چاہئے کہ عقدکے وقت مستأجر اس کی ادائیگی پر قادر ہو اور یہاں حاصل ہونے والی رقم ہی کے ایک جز کو اجرت بنایا جارہاہے جسکی ادائیگی پر فی الحال مستأجر قادر نہیں ہے، لہذا اسکے لئے یہ شکل اختیار کی جائےکہ مثلا ایک لاکھ روپیوں کی رقم ملنے والی ہے اور اجرت کے طور پر اسکا دسواں حصہ دس ہزار روپئے طے کرنی ہے تو دس ہزار روپئے اجرت طے کرلے چاہے بعد میں اسی حاصل شدہ رقم میں سے دے دیوے یہ تو اس وقت ہے، جبکہ حاصل ہونے والی رقم کی مقدار پہلے سے معلوم ہو اور اگر وہ مقدار پہلے سے معلوم نہ ہو تو اس مینتو بہر حال واسطہ بننے والے شخص کے لئے محنتانہ کے طور پر اجرت کی کوئی مقدار طے کرنی پڑے گی چاہے وہ اجرت حاصل شدہرقم ہی سے دی جاوے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے ۔

''صورة قفيز الطحان ان يستأجر الرجل من آخر ثورا ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها أو يستأجر إنسانا ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها، أو ثلثه وما أشبه ذلك، فذلك فاسد، والحيلة فى ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة من الدقيق الجيد ولم يقل من هذه الحنطة أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافا إلى حنطة بعينها يجب فى الذمة والأجر، كما يجوز أن يكون مشارا إليه يكون أن يكون دينا فى الذمة، ثم إذا جاز يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء ''(فتاوی عالمگیری ۴ ،۴۸۰ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۹۔گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم کے حصول کے لئے رشوت دینا جائز نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ جمہوری حکومت کے خزانۂ عامہ کی مالک اس ملک کے شہریوں کی مجموعی اکائی ہوتی ہے تو ملک کے خزانہ سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریونکی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے تو اپنا یہ حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہونا چاہئے تو جواب یہ ہیکہ یہ بات ظاہرہے کہ یہاں مالک ہونے سے شرعی ملک مراد نہیں، چنانچہ مالکانہ تصرفات (بیع ، ہبہ اور وصیت وغیرہ) اس مینجاری نہیں ہوتے، لہذا یہ حق انتفاع دفع رشوت کے جواز کے لئے کافی نہیں، کیونکہ یہ حق انتفاع ایساہی ہے، جیسا کہ جنگل سے لکڑیاں چننے کا حق ہے اور حق احتطاب کے لئے رشوت دینا جائز نہیں چنانچہ بحر الرائق مینلکھا ہے ۔

''الظلمة تمنع الناس من الاحتطاب من المروج، إلا بدفع شيئ إليهم، فالدفع والأخذ حرام؛ لأنه رشوة'' (البحر الرائق ۶، ۴۴۱) ۔

رشوت تو اس صورت میں دینا جائز ہے، جبکہ مال کسی مسلمان کی ملک میں آچکا ہو اور قبضہ بھی ہو اور اس کے متعلق ظلم کاخوف ہو یااپنی آبرو یا جان کے متعلق ظلم کا خوف ہو، جیسا کہ ''البحر الرائق '' میں مذکور ہے۔

‘‘إذا دفع الرشوة خوفا على نفسہ أو مالہ ، فهو حرام على الأخذ، غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع فی مالہ، فرشاہ ببعض المال ’’ (بحر الرائق: ۶،۴۴۱)۔

نوٹ : سرکاری ضروری پروف اور کاغذات بنانے پڑتے ہیں بعض مرتبہ سرکاری آفسر رشوت کے بغیر ٹال مٹول کرتے ہیں اور بناتے نہیں ہیں اس موقع پر جو رشوت دی جاتی ہے وہ تو ضرورت کی بناء پر اور اس کے بغیر چارہ نہ ہونے کی وجہ سے دی جاتی ہے لہذا اس پر مذکورہ بالا صورت کو قیاس نہیں کیا جائے گا ۔

۱۰۔امدادی رقوم اور قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط اور معیارات متعین ہیں اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لے کر اس امدادیا قرض سے فائدہ اٹھا نا بالکل ناجائز اور حرام ہوگا اس صورت میں جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا لازم آتا ہے اور دونوں چیزیں جائزنہیں ہے ۔

‘‘والكذب حرام، إلا فی الحرب للخدعۃ، وفی الصلح بين اثنين، وفی أرضاء الأهل، وفی دفع الظالم عن الظلم’’ (ملتقی الابحر۴،۲۲۱)۔

۱۱۔حکومت کی طرف سے جاری کردہ وہ اسکیمیں جسمیں حکومت قرض خواہ کو بینک سے قرض دلاتی ہے اوراس پر جو انٹرسٹ عائدہوتا ہے وہ حکومت خود اداکرتی ہے یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور اس کا بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے ایسی اسکیم سے استفادہ کرتے ہوئے قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ سود کا معاملہ ایسا بھیانک اور خطرناک ہے کہ اس معاملہ میں واسطہ بننے والے پر بھی اللہ تعالی کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور صورت بالا کی پہلی شق جس میں پورا پورا سود حکومت اداکرتی ہے اور مقروض کو بالکل ادا کرنا نہیں ہوتا ہے اس میں یہ مقروض سود اداکرنے میں واسطہ بنا اس طور پر کہ اس نے قرض حاصل کیا تو حکومت کو سود اداکرنا پڑا اور دوسری شق جس میں تھوڑا سا حصہ سود کا خود مقروض کو بھی اداکرنا ہوتا ہے اس صورت مینتو خودمقروض سود ادا کرتا ہے، لہذا یہ صورت بھی ناجائز ہوگی ۔

‘‘عن جابر ؓ قال :لعن رسول اللہ ﷺ آكل الربوا وموكلہ وكاتبہ وشاهديہ، وقال:هم سواء’’رواہ مسلم (مشکوۃ ص ۲۴۴)۔

۱۲۔ اگر حکومت کوئی محفوظ فنڈ قائم کرتی ہے جسکو بینک میں ڈپازٹ کر دیتی ہے اور اسکے انٹرسٹ سے جورقم حاصل ہوتی ہے اس سے اداروں اور افرادواشخاص کی امداد کرتی ہے تو ایسی رقم سے امداد حاصل کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں امداد حاصل کرنے والوں کا سود کھانا لازم آتا ہے اور سود جس طرح خود حاصل کرے اور اس سے استفادہ کرے یہ ناجائز ہے، اسی طرح سود حاصل کرتا ہے ایک آدمی

اور دوسرا آدمی اس سے استفادہ کرتا ہے تو اس دوسرے شخص کو بھی اس رقم سے استفادہ کرنا جائز نہینہے، نیزحکومت یا کسی فرد کے لئے اس لئے اپنی رقم بینک میں ڈپازٹ کرنا کہ اس کا جو سود آئیگا اس سے غریبوں کی مدد کی جائیگی یہ جائز نہینہے اب اگر کوئی آدمی حکومت کی مذکورہ بالا اسکیم سے استفادہ کرتے ہوئے رقم حاصل کرتا ہے تو اس کے اس عمل سے حکومت کی اسکیم کے جواز کی دلیل فراہم ہورہی ہے، اس لئے بھی یہ رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہے ۔

سرکاری اسکیموں کے تحت ملنے والے سودی وغیر سودی قرضے

مولانا محمد فیاض عالم قاسمی•

حکومت کی سودی اسکیم سے مسلمانوں کا استفادہ:

موجودہ حالات میں جب کہ مسلمان تعلیمی،معاشی اوراقتصادی سطح پر نہایت ہی پسماندہ ہیں،حالانکہ مسلمانوں کاخزانہ حکومت کے پاس محفوظ ہے ،اسی حق کو حاصل کرنے کے لیے حکومت نے کچھ شرطیں لگادیں ہیں، من جملہ شرائط میں سے یہ ہے کہ اس خزانہ کو قرض کی صورت میں دیاجائے گا،اور اس کی واپسی مع سود کے ہوگی۔اگردیکھاجائے تو درحقیقت یہ کھلا ہوا ظلم ہے، اس لیے صرف حکومت سے مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینے، دوسرے الفاظ میں حکومت کے سودی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

مجبوری کامطلب یہ ہے کہ قرض لینے والابنیادی ضرورتوں سے محروم ہے ، اگر وہ قرض نہ لے تو سخت دشواری اورتنگی میں مبتلاہوجائے ،قرض خواہ تجارت کرنے کے لیے ہو یا زراعت یاتعمیرِعمارت کے لیے ہو،یاعلاج ومعالجہ کے لیے توایسے لوگوں کے لیے سودی قرض لیناجائز ہے ۔ورنہ یعنی اگراس کو سخت ضرورت نہیں ہے ، اورقرض نہ لینے کی صورت میں کوئی خاطر خواہ ضررلاحق بھی نہیں ہوگاتو ایسے لوگوں کے لیے سودی قرض لیناجائز نہیں۔ اسی طرح صرف اپنی تجارت کو بڑھانے کے لیے یامزید عیش وعشرت کے لیے قرض لیناجائز نہیں، کیونکہ یہ ضرورت اوراحتیاج کے دائرہ سے باہرہے۔

اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے سودی قرض:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی آزادی کے بعد سے مسلمان ذلت ورسوائی اورغربت وافلاس کامسلسل شکار ہوتے آرہے ہیں،اس پسماندگی کی بڑی وجہ تعلیمی فقدان ہے ، تعلیمی فقدان ہی کی وجہ سے اعلیٰ عہدوں تک جن عہدوں سے حکومت اورعدلیہ کی باگ ڈورمنسلک ہے ،مسلمانوں کی رسائی نہیں ہوپارہی ہے ۔جس سے شریعت کے مقاصدِ خمسہ میں سے دین، جان ومال کاتحفظ غیریقینی ہوگیاہے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ سرمایہ کا نہ ہوناہے ۔ اس لئے تعلیم کے لئے سرمایہ کی فراہمی مسلمانوں کی عام حاجت بن گئی ہے ۔اورحاجت جب عام ہوجائے تو ضرورت کے دائرہ میں

• قاضی شریعت، دار القضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔

آجاتی ہے ۔ وَالْحَاجَۃُ إِذَا عَمَّتْ کَانَتْ کَالضَّرُورَۃِ (الاشباہ للسیوطی ۱/۸۸) اوراوپر یہ تفصیل بھی گزری کہ حاجت عام ہویاخاص ضرورت بن کر حرام چیز کو مباح کردیتی ہے۔ اس لئے اگر حکومت کی طرف سے امدادی رقوم نہ ملے، تو محض اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھی سودی قرض لیناجائز ہے ۔

کسی مسلمان سے سودی قرض لینا جائز نہیں:

البتہ کسی مسلمان سے سودی قرض لیناجائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں دوسرے مسلمان کو حرام کھلانے پر تعاون کرنالاز م آئے گا،اوروہ آیتِ قرآنی : ''وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (سورہ مائدہ: ۲) کے تحت ناجائز وحرام ہوگا۔

سودی رقم سودی قرض میں دینا:

بہت سارے لوگ بینک میں اپنی رقم جمع رکھتے ہیں،جس سے انھیں سود بھی حاصل ہوتا ہے، تو کیا سودی رقم کو سود ی قرض میں دینا جائز ہے ؟ دراصل حرام آمدنی کااصل مصرف یہ ہے کہ اس کے مالک تک اس کو بعینہ لوٹادیاجائے، اگر لوٹانامکن نہ ہوتو غریب کو ثواب کی نیت کے بغیر دیدیاجائے، تو زیربحث معاملہ میں اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی صورت میں بینک کی سودی رقم حکومت کو سود کی شکل میں واپس کرناگویااس کو اس کے اصل مالک تک لوٹادیناہے ،اس لیے ایساکرناجائزہے ۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ علماء کرام نے بینک کی سودی رقم کوحکومت کو انکم ٹیکس کے طور پر دینا جائز کہا ہے۔ لہذا قرض والی اسکیم میں بھی دینا جائز ہوگا (مستفاد ازکفایت المفتی ۸،۷۱)۔

دلالی کی مناسب اجرت جائز، لیکن اسکیم سے کٹوتی جائز نہیں:

حکومت کی اسکیموں سے لوگوں کو فائدہ پہونچانے کے لیے جولوگ دلالی کاکام کرتے ہیں اوراس تعلق سے لوگوں کاتعاون کرتے ہیں، تو یہ جائز ہے ،اورایسے لوگوں کارائج اجرت حاصل کرنابھی جائز ہے ۔بشرطیکہ اس کی اجرت معلوم ہو،شامی میں ''بزازیہ '' کے حوالہ سے ہے :

''إِجَارَۃُ السِّمْسَارِ وَالْمُنَادِی وَالْحَمَّامِیِّ وَالصَّکَّاکِ وَمَا لَا یُقَدَّرُ فِیہِ الْوَقْتُ وَلَا الْعَمَلُ تَجُوزُ لِمَا کَانَ لِلنَّاسِ بِہِ حَاجَۃٌ وَیَطِیبُ الْأَجْرُ الْمَأْخُوذُ لَوْ قُدِّرَ أَجْرُ الْمِثْلِ (ردالمحتار۶،۴۷) ، وَفِی الْحَاوِی:سُئِلَ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَۃَ عَنْ أُجْرَۃِ السِّمْسَارِ، فَقَالَ:أَرْجُو أَنَّہُ لَا بَأْسَ بِہِ وَإِنْ کَانَ فِی الْأَصْلِ فَاسِدًا لِکَثْرَۃِ التَّعَامُلِ وَکَثِیرٌ مِنْ ہَذَا غَیْرُ جَائِزٍ، فَجَوَّزُوہُ لِحَاجَۃِ النَّاسِ إلَیْہِ'' (ردالمحتار:۶،۶۳)۔

لیکن دلال کااسکیم کے بعض حصے کو لے لیناجائز نہیں،کیونکہ اس صورت میں اصل مقصد، یعنی اسکیم سے استفادہ فوت ہوجائے گا،نیز اس صورت میں محتاجوں تک اصل رقم نہیں پہنچ سکے گی۔علامہ شامیؒ نے ''تاتارخانیہ '' کے حوالہ سے لکھا ہے :

''قَالَ فِی التتارخانیۃ:وَفِی الدَّلَّالِ وَالسِّمْسَارِ یَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ، وَمَا تَوَاضَعُوا عَلَیْہِ أَنَّ فِی کُلِّ عَشَرَۃِ دَنَانِیرَ کَذَا فَذَاکَ حَرَامٌ عَلَیْہِمْ'' (ردالمحتار:۶،۶۳)۔

اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے رشوت دینے کی گنجائش:

اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے اگر رشوت دینے کی ضرورت پڑے تو بدرجہ مجبوری رشوت دیناجائز ہے ، اس لیے کہ اپنے حق کی وصولیابی کے لیے رشوت دیناجائز ہے ۔

''درمختار '' اور اس کی شرح ''ردالمحتار '' میں ہے :

''لَا بَأْسَ بِالرِّشْوَةِ إذَا خَافَ عَلَى دِينِهِ وَالنَّبِيُّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -كَانَ يُعْطِي الشُّعَرَاءَ وَلِمَنْ يَخَافُ لِسَانَهُ وَكَفَى بِسَهْمِ الْمُؤَلَّفَةِ مِنْ الصَّدَقَاتِ دَلِيلًا عَلَى أَمْثَالِهِ. (قَوْلُهُ إذَا خَافَ عَلَى دِينِهِ) عِبَارَةُ الْمُجْتَبَى لِمَنْ يَخَافُ، وَفِيهِ أَيْضًا دَفْعُ الْمَالِ لِلسُّلْطَانِ الْجَائِرِ لِدَفْعِ الظُّلْمِ عَنْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَلِاسْتِخْرَاجِ حَقٍّ لَهُ لَيْسَ بِرِشْوَةٍ، يَعْنِي فِي حَقِّ الدَّافِعِ اه'' (درمختارمع ردالمحتار۶، ۴۲۳)۔

''الاشباہ والنظائر '' اوراس کی شرح ''غمزعیون البصائرللحموی '' میں ہے :

''الرشوة لخوف على ماله أو نفسه، قَوْلُهُ: الرِّشْوَةُ لِخَوْفٍ عَلَى مَالِهِ إلَخْ. هَذَا فِي جَانِبِ الدَّافِعِ أَمَّا فِي جَانِبِ الْمَدْفُوعِ لَهُ فَحَرَامٌ، وَلَمْ يُنَبِّهْ عَلَيْهِ، كَذَا قِيلَ. أَقُولُ: إنَّمَا لَمْ يُنَبِّهْ عَلَيْهِ لِظُهُورِهِ إذْ لَا ضَرُورَةَ فِي جَانِبِ الْمَدْفُوعِ لَهُ'' (الاشباہ والنظائر تحت القاعدۃ الرابعۃ عشرۃ ماحرم اخذہ حرم اعطائہ مع شرحہ للحمویؒ ۱،۴۸۷، ۱،۴۴۹ش)۔

یعنی جب اپنے دین وایمان اورمال ودولت ضائع ہونے کااندیشہ ہواور رشوت دینے کی صورت میں ان کاتحفظ ہوسکتاہے تو ظلم کو دفع کرنے کی خاطر رشوت دیناجائز ہے ،نبی کریم ﷺ ایسے شعراء کوجومسلمانوں کی ہجوکرتے تھے ،ان کی زبان کو بند کرنے کی خاطر کچھ دیاکرتے تھے ۔واضح رہے کہ رخصت رشوت دینے میں ہے ،لینے میں نہیں، کیونکہ لیناتوضرورت نہ ہونے کی وجہ سے بہرحال حرام ہے ؛لیکن اس کو انفرادی طورپر رکھاجائے باضابطہ اس کے جواز کی تجویز متعین نہ کی جائے ، تاکہ حکومت کے کارندوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

اسکیم سے استفادہ کے لئے غلط بیانی سے کام لیناجائز نہیں،البتہ توریہ کرنے کی گنجائش ہے

حکومت کے کسی بھی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے کچھ شرائط اورمعیارات متعین ہیں، اگر وہ درخواست دینے والاان شرائط اورمعیارات پر کھرااترتاہے تو وہ اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتاہے ، ورنہ نہیں۔ ایسی صورت حال میں غلط بیانی سے کام لیناجھوٹ اور سراسردھوکہ ہے ۔ ایساکرناجائز نہیں ہے ۔ البتہ تعریض و توریہ سے کام نکالنے کی گنجائش ہے ۔

نبی کرم ﷺ نے ارشادفرمایا: ''لَا يَحِلُّ الكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا، وَالكَذِبُ فِي الحَرْبِ، وَالكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۳۹،

عَنْ أَسْمَاء بِنْتِ يَزِيدَ)۔

توریہ کی تعریف:

توریہ اورتعریض یہ ہے کہ آدمی اپنے کلام کے ظاہر ی مفہوم کے خلاف مرادلے ،مثلالڑائی کے وقت دشمنوں کی جماعت سے یوں کہے کہ تمہارا کمانڈرمرچکاہے ،تاکہ دشمن کی جماعت میں افراتفری مچ جائے اوروہ مایوس ہوجائیں،اوراس کی نیت یہ ہوکہ گزرے ہوئے کسی کمانڈر کی موت ہوچکی ہے۔ ''التورية ہِیَ أَن يُرِيد الْمُتَكَلّم بِكَلَامِهِ خلاف ظَاہرہ مثل أَن يَقُول فِی الْحَرْب مَاتَ إمامكم وَہُوَ يَنْوِی بِهِ أحدا من الْمُتَقَدِّمين'' (قواعد الفقہ ١:٢٤١)۔

علامہ نوویؒصحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

''قَالُوا:وَمَا جَاء مِنَ الْإِبَاحَةِ فِی ہَذَا الْمُرَادُ بِهِ التَّوْرِيَةُ وَاسْتِعْمَالُ الْمَعَارِيضِ لَا صَرِيحُ الْكَذِبِ مِثْلَ أَنْ يَعِدَ زَوْجَتَهُ أَنْ يُحْسِنَ إِلَيْهَا وَيَكْسُوَہَا كَذَا وَيَنْوِی إِنْ قَدَّرَ اللَّهُ ذَلِكَ، وَحَاصِلُهُ أَنْ يَأْتِی بِكَلِمَاتٍ مُحْتَمَلَةٍ يَفْہَمُ الْمُخَاطَبُ مِنْہَا مَا يُطَيِّبُ قَلْبَہ '' (شرح مسلم للنووی ١٦، ١٥٨، تحفۃ الاحوذی ٦،٥٨ش)۔

یعنی صریح جھوٹ بولناتوجائز نہیں ہے ،البتہ ایسے کلمات سے بات چیت کرناجائز ہے کہ مخاطب کاذہن اس طرف نہ جائے جس کی متکلم نے نیت کی ہے ، بلکہ مخاطب اپنے اعتبار سے اس کامفہوم سمجھے ۔

''درمختار ''اوراس کی شرح ''ردالمحتار ''میں ہے :

''الْكَذِبُ مُبَاحٌ لِإِحْيَاءِ حَقِّہِ وَدَفْعِ الظُّلْمِ عَنْ نَفْسِہِ وَالْمُرَادُ التَّعْرِيضُ؛ لِأَنَّ عَيْنَ الْكَذِبِ حَرَامٌ قَالَ: وَہُوَ الْحَقّ--- قَالَ الطَّحَاوِیُّ وَغَيْرُہُ ہُوَ مَحْمُولٌ عَلَى الْمَعَارِيضِ، لِأَنَّ عَيْنَ الْكَذِبِ حَرَامٌ. قُلْت: وَہُوَ الْحَقُّ قَالَ تَعَالَى-{ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ} [الذاريات:١٠]- وَقَالَ - عَلَيْہِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - :الْكَذِبُ مَعَ الْفُجُورِ وَہُمَا فِی النَّارِ وَلَمْ يَتَعَيَّنْ عَيْنُ الْكَذِبِ لِلنَّجَاةِ وَتَحْصِيلِ الْمَرَامِ اہ'' (درمختارمع ردالمحتار: ٦،٤٢٧)۔

یعنی احیاء حق اوردفع ظلم کے لیے تعریض اورتوریہ کے طورپر کلام کرناجائز ہے، صریح جھوٹ بولناجائزنہیں؛لیکن چونکہ عوام کے لئے توریہ اورجھوٹ میں فرق کرناممکن نہیں ہوگا، اس لیے بہتر ہے کہ اس تعلق سے یہ تجویز مقررکی جائے کہ بوقت ضرورت مستند دارالافتاء اورعلمائے کرام سے رجوع کیاجائے ۔

حکومت کی سودی رقم سے بھی استفادہ جائز ہے:

اگرحکومت کوئی فنڈبینک میں محفوظ کردے اوراس سے حاصل ہونے والاسودخود ہی وصول کرے اورپھر اسی سے مددفراہم کرے تو ایسی رقموں سے بھی استفادہ جائز ہے ، اس لیے کہ اس صورت میں سود حکومت لیتی ہے نہ کہ استفادہ کرنے والا اورتبدیل ملکیت سے حرام چیز حلال میں سے ہوجاتی ہے ،اس لئے اس کاگناہ اسکیم لینے والے کو

نہیں ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیاگیا، تو کسی نے کہاکہ یہ گوشت حضرت بریرۃ کو صدقہ کے طورپر دیاگیاتھا، تو آپ ﷺنے فرمایا: ''ہُوَ لَہَا صَدَقَۃٌ وَلَنَا ہَدِیَّۃٌ'' (بخاری، حدیث نمبر: ۲۵۷۷) یعنی یہ گوشت تو بریرۃ کے لئے صدقہ تھا، لیکن اب ہمارے لئے ہبہ ہوگیا۔

اس حدیث کے تحت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''قَوْلُہُ ہُوَ لَہَا صَدَقَۃٌ وَلَنَا ہَدِیَّۃٌ، فَیُؤْخَذُ مِنْہُ أَنَّ التَّحْرِیمَ إِنَّمَا ہُوَ عَلَی الصِّفَۃِ لَا عَلَی الْعَیْنِ'' (فتح الباری: ۲۰۴،۵) یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حرمت گوشت میں نہیں، بلکہ اس کی صفت میں تھی۔

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

''قَوْلہ:(ہُوَ عَلَیْہَا صَدَقَۃ) ، قد لفظ:(عَلَیْہَا) لِیُفِید الْحصْر أَی:عَلَیْہَا صَدَقَۃ لَا علینا، وَحَاصِلہ أَنَّہَا إِذا قبضہَا الْمُتَصَدّق زَالَ عَنْہَا وصف الصَّدَقَۃ وَحکمہَا، فَیجوز للغنی شراہا لِلْفَقِیر وللہاشمی أکلہ مِنْہَا '' (عمدۃ القاری۹،۹۲)۔

یعنی جب اس کو وصول کرنے والے نے قبضہ کرلیاتو اس کاوصف اورحکم (حرمت)ختم ہوگیا، پس مالدار کے لئے خریدکرنا اورغریب اورسادات کے لیے کھاناجائز ہوجائے گا۔

علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں:

''وَتَبَدُّلُ الْمِلْکِ بِمَنْزِلَۃِ تَبَدُّلِ الْعَیْنِ فِی الشَّرِیعَۃِ، کَذَا فِی الْکَافِی وَعَامَّۃِ الشُّرُوحِ'' (فتح القدیر۹، ۲۱۳) یعنی ملکیت بدلنے سے گویاعین میں تبدیلی ہوتی ہے (نیز دیکھئے عنایہ شرح ہدایہ۹، ۲۱۳)۔

لہٰذا حکومت اگر بینک سے سود لیتی ہے تو اس رقم کی صفت (رباء)حکوت کے حق میں ہے، دوسرے کے حق میں نہیں۔پس اگر حکومت کسی کواس رقم سے قرض کے طورپر یا تعاون کے طورپر دیتی ہے ۔ تو اس کی حرمت باقی نہیں رہے گی، اورتبدیل ملکیت کی وجہ سے اس کااستعمال کرنابھی جائز ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سود کاحرام ہونامسلمانوں کے نزدیک ہے ،حکومت کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ اس لیے ایسی رقم سے استفادہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرعی بنیادیں

مولانا عباس بن یوسف •

سوال:(۱) :- وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیاجاتاہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتاہے ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- اس میں تین باتیں ہیں: (۱) قرض لینا بوقت ضرورت کیسا ہے ؟ (۲)حکومت کی امداد لی جاسکتی ہے؟ (۳) اگر واپس لوٹائی جانے والی رقم مجموعی رقم سے کم ہو تو کیا حکم ہے ؟

(۱) ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے روایت میں ہے '' روی أبو رافعؓ أن رسول اللہ ﷺ استسلف من رجل بکرا فقدمت علیہ إبل من إبل الصدقۃ، فأمر أبا رافع أن یقضی الرجل بکرہ فرجع إلیہ أبو رافع فقال:لم أجد فیہا إلا خیارا رباعیا، فقال:أعطہ إیاہ إن خیار الناس أحسنہم قضاءاً (مسلم ج: ۳/رقم: ۱۲۲۴) خلاصہ یہ کہ جائز ضرورت کے لئے قرض لینا مباح ہے۔ (المغنی ۴؍ ۲۰۷ - فتاوی ہندیہ ۵؍ ۳۶۶ - الموسوعۃ ۳۳؍ ۱۱۳۳) ۔

(۲) قاضی مجاہد الاسلامؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک سرکاری خزانہ ایک ایسی دولت ہے جس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، لہذا جس قدر رقم بھی حکومت اپنے بجٹ میں رکھتی ہے ان میں ایک مسلمان شہری کا بھی اسی طرح حق ہے جس طرح دوسروں کا (المباحث الفقہیۃ ص: ۴۶۷)، اسی طرح ''فتاوی رحیمیہ '' میں حکومتی امداد لینے کے جواز کا قول کیا گیا ہے (ج: ۵/ص: ۴۳۸)۔

(۳) مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں کہ ایک نئی اسکیم میں حکومت قرض کی تقریبا نصف رقم بطور امداد دیتی ہے اور بقیہ رقم کو وہ سود لگاکر وصول کرتی ہے، لیکن سود کی رقم ملاکر بھی حکومت کوواپس کی جانے والی کل رقم اس کی دی ہوئی مقدار سے کم ہی رہتی ہے ، قرض کی یہ شکل شرعا جائزہے کیونکہ اس میں سود کا تحقق نہیں ہوتا۔ (بینک انشورنس اور سرکاری سود ص: ۱۲۰) ۔

خلاصہ یہ کہ یہ تینوں باتیں جائز ہیں ۔

سوال : (۲) معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے اس صورت کا کیا حکم ہے، جبکہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے۔

• خادم جامعہ مظہرسعادت، ہانسوٹ ، بھروچ، گجرات۔

جواب : سابق تفصیل کے مطابق جائز ہے۔

سوال (۳) : - اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہے ؟

جواب : لزوم ربا کی وجہ سے ناجائز ہے ، علامہ ابو بکر جصاص رازی فرماتے ہیں '' الربوا ہو القرض المشروط فیہ الأجل وزیادۃ مال علی المستقرض'' (۱، ۵۵۷ ، بحوالہ فقہ البیوع ۲، ۶۶۱) ابن عبد البر ؒ لکھتے ہیں '' کل زیادۃ فی سلف أو منفعۃ ینتفع بہا المسلف فہی ربا '' (الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۲، ۳۵۹) بلکہ موسوعہ میں بدائع وغیرہ کے حوالے سے مرقوم ہے ''لاخلاف بین الفقہاء فی أن اشتراط الزیادۃ فی بدل القرض للمقرض مفسد لعقد القرض... وأن ہذہ الزیادۃ تعد من قبیل الربا'' (۳۳، ۱۳۰) اور خود حدیث پاک میں ہے: ''کل قرض جر نفعہ فھو ربا'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۰۶۹۱)۔

سوال (۴) : - غیر معافی والے قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو، لیکن اس کی شرح بہت کم ہو جس کو سروس چارج کہا جاتاہو یا اپنی مقدار کے اعتبارسے وہ سروس چارج کہلاسکتاہو تو ایسے قرضے اور ان پر ادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا ؟ یہ سودکے دائرے میں آئیگا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت و گنجائش ہوگی؟

جواب : -(الف) مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں کہ وہ زائد مقدار اس قرض کے سلسلے کے ہی انتظام اور حسابی عملہ اور ضروری اخراجات میں صرف ہونے والی مقدار کے برابر ہوتو اس زائد رقم کو سود قرار دے کر ناجائز ٹھہرانا ضروری نہ ہوگا، کیونکہ وہ زائد مقدار اس کے دینے والے ہی کی طرح گویا بالواسطہ واپس ہوگی کہ وہ اس کی منفعت (حسابات و انتظامات) میں خرچ ہوتی ہے اور قرض دینے والے، یعنی حکومت نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، اس لئے اس کا ناجائز ہونا متعین نہ ہوگا (بینک انشورنس اور سرکاری سود ص: ۱۲۱)۔

(ب) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں : بدرجۂ ضرورت ایسے قرضے لینے کی اجازت ہے، البتہ بہ اجازت اس وقت ہوگی جب آدمی اس کے لینے پر اس طرح مجبور ہوجائے کہ نہ لے تو کوئی ذریعۂ معاش فراہم نہ ہو اور بنیادضرورتوں کی تکمیل بھی ممکن نہ رہ سکے ، نہ کہ محض تعیش ، آرام طلبی اور معاشی معیار بلند کرنے کے لئے ایسا کرے چنانچہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں '' ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر ص: ۱۱۵)، یہ توعام سودی قرضوں کا حکم ہے جس میں بینک بھی داخل ہے (اور) سرکاری قرضہ جات میں جس کا اصل مقصد خود معاشی فائدہ اٹھانا نہیں ہوتا، بلکہ ملک کا افلاس دور کرنا مقصود ہوتا ہے اور سود کے نام پر جس قدر نفع لیا جاتاہے بہت معمولی ہوتاہے اس میں مزید سہولت ہے عام حالات میں بھی ایسے قرضے لینے کی

گنجائش ہے گو کہ سود کا نام دے دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو اس شعبے کے ملازمین اور عملے کی اجرت پر بھی محمول کرسکتے ہیں ، چنانچہ مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں : '' اس معاملے کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اس جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے، بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت میں اور جوسامان وغیرہ اس پر خرچ ہوتے ہیں یا درکار ہوتے ہیں ان کی قیمت میں لی جاتی ہے ، جس سے انتظام میں سہولت رہتی ہے '' (نظام الفتاوی ص: ۲۶۴، بحوالہ جدید فقہی مسائل ۱، ۲۵۲ تا ۳۵۲) ۔

(ج) علامہ تھانوی فرماتے ہیں غرض یہ مفہوم سود کے مفہوم سے جدا کیا جاسکتا ہے اور یہ توجیہ قریب قریب ایسی ہی ہوگی جو اس رقم میں کی جاتی ہے جس کو حکومت اپنے ملازمین کو ختم ملازمت کے وقت (P.F)گرچہ سود کے نام پر دیتی ہے ہمارے فقہائے محققین اس کو سود نہیں کہتے، بلکہ انعام کہتے ہیں اور اس کو جائز فرماتے ہیں (امداد الفتاوی ص: ۱۲۳، تا ۱۲۵ ، بحوالہ تعلیم کے لئے قرض کا حصول ص: ۹۸)۔ اسی طرح امداد الفتاوی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں '' البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس (منی آرڈر) کو اجرت کتابت وروانگی فارم کہاجائے اس سے اس کی حرمت تفاضل تو رفع ہوجائے گی، مگر کراہت سفتجہ باقی رہ جائے گی (امداد الفتاوی ۳،۱۰۶)۔

ان عبارات و فتاوی سے تاویل کی گنجائش مترشح ہوتی ہے اور ابتلاء عام بھی ہے، لیکن دوسری طرف فقہ اکیڈمی کافیصلہ ہے کہ سود کی حرمت پر اس کابھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ ، مناسب حدتک کم ہے یا مناسب حد تک زیادہ ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نا مناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز ، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص: ۱۸۶)۔

خلاصہ یہ کہ تاویل کی گنجائش کے باوجود شبہ ربا باقی ہے جس سے اجتناب واجب ہے ، '' التحرز عن حقیقۃ الربا وعن شبہۃ الربا واجب'' (بدائع الصنائع ۷، ۳۹۵، بحوالہ الموسوعہ ۳۳،۱۳۰) اس لئے ضرورت شدیدہ معتبرہ کے وقت حرمت کے باوجود بقدرضرورت رفع اثم میں رخصت و سہولت ہوسکتی ہے۔

سوال (۵):- اگر سرکار کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تواس کا کیا حکم ہوگا؟ واضح رہے کہ یہ قرضے مختلف قسم کے جانوروں کے پالنے ، مکان کی تعمیر، کاشتکاری وباغبانی کی ضروریات اور دیگر کاروبار کے لئے بھی ہوتے ہیں تو کیا

ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکم میں کچھ فرق کیا جاسکتا ہے؟

جواب:- سابق تفصیلات کے پیش نظر یہاں تو تاویل کی بھی بالکل گنجائش نہیں ہے، البتہ ضرورت مند کے لئے بقدر ضرورت استفادے کی گنجائش ہے '' الضرورات تبیح المحظورات'' (الاشباہ والنظائر ص: ۹۹) ۔

سوال (۶) : - ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے ، مثلا مکان بنانے ، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے ؟ جب کہ ان رقوم میں سے کسی حصے کی واپسی نہیں ہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے ۔

جواب:- سرکاری خزانے میں چونکہ ہر ملکی کا برابر حق ہے، لہذا اس سے استفادے کی اجازت ہے ، بلکہ حق ہے جیسا کہ پہلے جواب میں قاضی صاحب کے حوالے سے گزرگیا ۔

سوال (۷) :- گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم ، جس قسم کی بھی ہوں، ان کے حصول کے لئے کافی جد وجہد کرنے ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں واسطہ بننے والوں کے لئے ان کو مطلوبہ محنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہوگا ؟

جواب: - واسطہ بننے والے افراد دو طرح کے ہوسکتے ہیں (۱) سرکاری ملازمین (۲) عام افراد (دلال agent) دونوں کا حکم علاحدہ ہے۔

(الف) اگر حکومت یا ادارے کی طرف سے جن افرادکو ان رقومات کی تقسیم وغیرہ کے جملہ مراحل طے کرنے کے لئے مقرر گیا ہے اور ان اس کی تنخواہ دی جاتی ہے تو ایسے افراد (سرکاری ملازمین) کے لئے عوام سے محنتانہ لینے کی بالکل گنجائش نہیں ، اس لئے کہ یہ رشوت ہے جو کہ حرام ہے، روایت کے الفاظ ''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی'' (ترمذی ۳،۶۱۴ ، بحوالہ الموسوعۃ ۲۲، ۲۲۱)، نیز دوسری روایت میں ہے کہ رشوت تو کیا ہدیہ بھی نہیں لے سکتے'' ہدایا الأمراء غلول'' (احمد ۵، ۴۲۴، بحوالہ سابق) اور ابن حبیب فرماتے ہیں: لم یختلف العلماء فی کراہیۃ الہدیۃ إلی السلطان الأکبر وإلی القضاۃ والعمال وجباۃ الأموال ویقصد بالکراہۃ الحرمۃ ''(القرطبی ۲، ۳۴۰- الحطاب ۶، ۲۵) البتہ دینے والے کے لئے اس شرط کے ساتھ گنجائش ہوسکتی ہے اپنا ایساحق حاصل کرنا ہو یا ایسا ظلم وضررکو دفع کرنا ہو جو اس کے بغیر ممکن نہ ہو ''یجوز للإنسان عند الجمہور أن یدفع رشوۃ للحصول علی حق أو لدفع ظلم أوضرر، ویکون الإثم علی المرتشی دون الراشی'' (کشاف القناع ۶، ۳۱۶- ابن عابدین ۴، ۳۰۴ -نہایۃ المختاج ۸ ، ۲۴۳ ، بحوالہ سابق)۔

(ب) اور اگر واسطہ بننے والے غیر سرکاری عام آدمی (دلال، ایجنٹ) ہے، تو اگر

باقاعدہ معاملہ ہوا ہو اور رقم وصول کرے تو مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ مفتی بہ قول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے ، اور فیصد کے حساب سے بھی سمسرۃ کی اجرت لینا جائز ہے (حاشیہ ابن عابدین ۶؍ ۶۳- فتاوی السعدی ۲؍ ۵۷۵؍ بحوالہ انعام الباری ۶؍ ۴۵۳ تا ۴۵۷)۔

سوال (۸) : - بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا ؟

جواب : - سابق تفصیل ملحوظ رہے گی ۔

سوال (۹) : - اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا ؟ لینا تو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے ۔

جواب : - رشوت دینا اس وقت جائز ہے جب اس کا مقصد اپنے آپ کو ظلم سے بچانا یا صرف انصاف حاصل کرنا ہو ، اسی لئے فقہاء نے اس سلسلے میں تفصیل کی ہے ، فتاوی عالم گیری میں ہے کسی شخص سے جان یا مال کا خوف ہو یا خود بادشاہ سے اس کی افتاد طبع یا عام مزاج کے پیش نظر ظلم کا اندیشہ ہو تو اس سے بچنے لئے مال دینا جائز ہے (ہندیہ۳ ؍۳۳۱ ؍ بحوالہ قاموس الفقہ۳؍ ۴۸۲)، لہذا صورت مسئولہ میں بھی دوشرطوں کے ساتھ جواز ہوگا (۱) کسی کی حق تلفی مقصود نہ ہو، بلکہ اپنا حق واجبی ضرورت شدیدہ کے وقت وصول کرنا ہو (۲) اس سے پہلے بلارشوت کام نکالنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرچکا ہو (ہم رشوت کیوں نہ لیں، ص: ۱۱۱)۔

سوال (۱۰) : - امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں ، اس سلسلے میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقے پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے ؟

جواب : - یہ دھوکا اور کذب بیانی ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: ‘‘وإن کذبا وکتما مُحقت برکۃ بیعہما ’’ (کتاب البیوع رقم : ۱۵۳۲) اسی طرح موسوعہ کی عبارت ہے ، ‘‘ اتفق الفقہاء علی أن الغش حرام سواء کان بالقول أو بالفعل ، وسواء کان بکتمان العیب فی المعقود علیہ أو الثمن أم بالکذب والخدیعۃ، وسواء کان فی المعاملات أو فی غیرہا من المشورۃ و النصیحۃ’’ (الزواجز عن اقتراف الکبائر بحوالہ الموسوعۃ ۳۱؍ ۲۱۹) ۔

سوال (۱۱):- بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتاہے وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے یا اس کا بڑا حصہ حکومت اداکرتی اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتاہے ، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب:- فتاوی رحیمیہ میں ایک سوال وجواب اس جزئیہ کے قریب قریب منقول ہے

جس سے یہ مسئلہ حل ہوسکتاہے۔

استفتاء :- مثلا حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ جس کے پاس ڈھائی ایکڑ زمین ہو اور وہ اس میں تالاب کھود کر مچھلی پالنا چاہتاہے تو حکومت اس کو بیس ہزار کی رقم بطور قرض دے گی ابتداء کاغذات مچھلی پالن آفس میں جمع ہونگے، پھر وہ آفس سے منظور کرکے کسی بینک کو بھیج دے گا، بینک بیس ہزار قرض دے گا اور اس پر پچیس فیصد چھوٹ، یعنی سبسیڈی ہوگی اور بقیہ رقم، یعنی پندرہ ہزار دس فیصد کے سود کے ساتھ وصول کیا جائے گا اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب: - اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایا کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے، اس لئے حکومت کچھ رقم کی چھوٹ دیتی ہے جسے سبسیڈی کہا جاتا ہے اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد سودخوری نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے کچھ رقم چھوٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے اگر وہ سود چھوٹ میں ملی ہوئی رقم سے ادا ہوجاتی ہو اور اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہوتو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں کچھ واپس کردی تو مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ، اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم سے زیادہ دینی پڑے تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا (۹، ۲۵۶، بحوالہ سود اور مروجہ سودی معاملات ص: ۱۳۰)۔

نیز اکیڈمی کے فیصلوں میں بھی سبسیڈی کے متعلق متفقہ رائے یہ ہے کہ ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے اگر سود کے نام سے لی جانے والی رقم چھوٹ کے مساوی یا کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعا سود نہیں (اہم فقہی فیصلے ص: ۱۹)۔

ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ سود پر لی جانے والی رقم چھوٹ کے مساوی یاکم ہے تو ضرورت صحیحہ معتبرہ شرعیہ داعی ہو یا ابتلاء عام ہوجائے تو تاویل مذکور سے ساتھ بقدر ضرورت ایسی اسکیم سے استفادے کی گنجائش نکل سکتی ہے ۔

سوال (۱۲) : - بعض ایسی اسکیمیں بھی ہیں جن میں حکومت نے ایک محفوظ فند قائم کردیا ہے جس کو بینک میں ڈپازٹ کردیا گیاہے اور اس کے انٹرسٹ سے جورقم حاصل ہوتی ہے اس سے تعلمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتاہے اس کا مالک ہوتا ہے پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مددکرتا ہے تو کیا یہ صورت درست ہوگی ؟

جواب : - فقہائے احناف میں سے علامہ بزدوی کے حوالے سے ابن نجیم مصری

لکھتے ہیں : ‘ ‘من جملۃ صور البیع الفاسد جملۃ العقود الربویۃ یملک العوض فیہا بالقبض’’ (البحر الرائق ، باب الربا ۶؍ ۲۰۹ -رد المحتار ۱۵؍ ۲۲۱)، اسی طرح علامہ ابن تیمیہ ؒ نے بھی نقل کیا ہے ، ‘‘ القبض اللذی لایفید الملک ہو الظلم المحض، فأما المقبوض بعقد فاسد کالربا أو المیسر ونحوہما فہل یفید الملک ؟ علی ثلاثۃ أقوال للفقہاء أحدہا أنہ یفید الملک وہو مذہب أبی حنیفۃ’’ (مجموع فتاوی ابن تیمیۃ قبیل باب الشروط فی البیع۲۹؍ ۱۸۰)، یعنی احناف کے یہاں عقود ربویہ سے حاصل شدہ مال بیع فاسد سے حاصل شدہ مال کی طرح مفید ملک ہے ، لیکن فقیہ عصر مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق یعنی عقود ربویہ کا مفید ملک ہونے کا ،تو ‘‘ربا الفضل ’’ و ‘‘ربا النسیہ ’’ سے ہوسکتا ہے ، رہی بات رباالقرض کی تو وہ حرام ہے اور وہ بیع فاسد نہیں، بلکہ شرعا بیع باطل ہے ، اس کی تائید علامہ ابو بکر جصاص ؒ کی گفتگو سے بھی ہوتی ہے ، ‘‘فمن الربا ما ہو بیع ومنہ مالیس ببیع وہو ربا أہل الجاہلیۃ وہو القرض المشروط فیہ الأجل وزیادۃ مال علی المستقرض (احکام القرآن للجصاص ۱؍ ۴۶۹)، یعنی ربا کی دو قسمیں ہیں (۱)وہ جو بیع ہے،(۲) وہ جو بیع نہینہے اور وہ اہل جاہلیت کا ربا ہے ،وہ قرض جس مینمدت اورمستقرض پر مال کی زیادت کی شرط لگائی گئی ہو، خلاصہ یہ کہ یہ بیع فاسد میں شامل نہیں ہے، بلکہ غصب اور رشوت کی طرح حرام محض ہے ، اسی لئے فقہاء نے اس کو مکاسب محرمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے (دیکھئے الہندیہ الحضرو الاباحۃ ، باب : ۱۲ ج: ۵/ص: ۳۴۳)، اور اسی پر علامہ تھانوی ؒ نے فتوی دیا ہے (امداد الفتاوی ۳؍ ۳۰۷ ،سوال : ۲۴۹)، اس کے بعد مولانا تقی صاحب لکھتے ہیں ‘‘ فما أخذہ المرابی زیادۃ علی القرض فہو فی حکم الغصب والرشوۃ، ومن کان مالہ متمحضا من الربا لایجوز قبول الہدیۃ منہ ولا إجابۃ دعوتہ ولاعقد الشراء أوالبیع معہ’’ (فقہ البیوع ۲؍ ۱۰۵۸ ؍ تا ۱۰۶۰)، ایک مقام پر لکھتے ہیں:‘‘حکم البیع الباطل أنہ لایترتب علیہ أی أثر من آثار البیع حتی أن المشتری لا یملک المبیع وإن قبضہ’’ (ایضا ص: ۹۵۱)، لہذا صورت مسئولہ درست نہ ہوگی ، اس لئے مسلمانوں کو اس طرح کے اموال سے کلی احتراز کرنا ہوگا۔

ترقیاتی قرضوں میں مدت کے بعد زائد رقم کا مطالبہ

مولانا محمد ابرار خان ندوی•

حالات وضرورت انسان کو قرض لینے پر مجبور کرتے ہیں، اسی لئے قرض دینے کو اصحاب حاجت کے ساتھ رفق ونرمی اور ہمدردی کہا گیا ہے، اور بعض روایات میں صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

''ما من مسلم یقرض مسلماً قرضاً مرتین إلا کان کصدقۃ مرۃ'' (کنز العمال ۲۱۱،۶، الفصل الاول فی الاقراض، حدیث: ۱۵۳۸۱، موسوعۃ الرسالہ بیروت) (کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو دومرتبہ قرض دیتا ہے یہ اس کے لئے صدقہ دینے کے درجہ میں ہے)۔

قرض دہندہ ضرورت کے وقت حاجت مند کی مالی امداد وتعاون کے ذریعہ اجر وثواب کا مستحق بنتا ہے، وہیں دوسری طرف قرض لینے والے کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ قرض بہتر طور پر ادا کرے۔

ارشاد نبوی ہے:

''خیر الناس أحسنہم قضاءاً'' (کنز العمال ۲۲۵،۶، آداب أداء الدین وفضلہ من الاکمال ، حدیث : ۱۵۴۵۴، الطبعۃ الخامسہ) (لوگوں میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنا قرض بہتر طور پر ادا کرنے والا ہے)۔

اگر قرض دینے والا اپنا قرض معاف کردے تو یہ اس کا احسان اور مقروض کے ساتھ ہمدردی ومعاونت کا اعلی نمونہ ہے، ''من أنظر معسراً أو وضع عنہ أظلہ اللہ فی ظلہ یوم لا ظل إلا ظلہ'' (کنز العمال ۲۲۰،۶، الفصل الثانی فی الانظار والمسامحۃ، حدیث: ۱۵۳۹۱، الطبعۃ الخامسہ) ۔

قرض معاف کرنے کا حکم:

حکومت عوام کی تعلیمی ومعاشی ترقی، اور صنعتوں کے فروغ کے لئے سودی وغیر سودی دونوں طرح کے قرضے دیتی ہے، بعض قرضے وہ ہوتےہیں جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، تو ایسے قرض جن کا کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اور حاصل کردہ قرض سے کم واپس کرنا ہوتا ہے، اس سے مسلمانوں کا فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟

ظاہر ہے کہ ملک کے عوام کی تعلیمی ومعاشی ترقی حکومت کی ذمہ داری ہے،

• جامعۃ الہدایہ، جے پور،راجستھان۔

اور ملک کے خزانہ میں سب کا حصہ ہے، کہ خزانہ کی دولت کی ایک کثیر مقدار عوام پر عائد ٹیکسوں سے وصول کردہ زر پر مشتمل ہے، لہذا حکومت دیگر باشندگان ملک کے ساتھ مسلمانوں کے لئے قرض کی جو اسکیم پیش کرتی ہے، اور اس کا کچھ حصہ معاف بھی کرتی ہے، تو ایسے قرضوں سے استفادہ جائز ہی نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کو اپنی تعلیمی پسماندگی دور کرنے اور معاشی بدحالی کے خاتمہ کے لئے اس طرح کے قرضوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے، اور جہاں تک سوال ہے کہ حکومت قرض دے کر کچھ حصہ معاف کردیتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''الموسوعۃ الفقہیہ '' میں یہ صراحت موجود ہے کہ:

''یصح باتفاق إسقاط الدین الثابت فی الذمۃ؛ لأنہ حق، والحقوق تسقط بالإسقاط، ..... کما یجوز الإبراء عن کل الدین یجوز الإبراء عن بعضہ'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳۱،۴، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت) (ذمہ میں ثابت دین کو ساقط کرنا بالاتفاق درست ہے، اس لئے کہ یہ حق ہے، اور حقوق ساقط کرنے سے ساقط ہوجاتے ہیں، اور جس طرح کل دین سے بری کرنا درست ہے، اسی طرح بعض دین سے بھی بری کرنا جائز ہے)۔

نیز علماء کویت کا فتوی ہے کہ بری کردینے سے مقروض بریٔ الذمہ ہوجائے گا۔

''من المقرر شرعاً أن الدیون الثابتۃ فی الذمۃ لا تسقط إلا بالأداء، أو الإبراء'' (مجموعۃ الفتاوی الشرعیہ ۱۶۹،۶) (شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ ذمہ میں ثابت شدہ قرض ادا کرنے یا بری قرار دینے سے ہی ساقط ہوتے ہیں)۔

نیز ''فتاوی ہندیہ '' میں ہے:

''لو کان لہ علی آخر حق فأبرأہ علی أنہ بالخیار، صح الإبراء وبطل الخیار، کذا فی خزانۃ الفتاوی'' (الفتاوی الہندیہ ۳۶۷،۵، الباب فی القرض والدین) (اگر اس کا دوسرے پر کوئی حق ہو تو وہ اس کو بری کردے خیار کے ساتھ، براءت تو صحیح ہوگی، اختیار باطل ہوگا)۔

معینہ مدت کے اندر ادا کرنے پر قرض معاف ہوگا، ورنہ کل رقم واپس کرنا ہوگی، کا حکم:

قرض دراصل انسانی ہمدردی کا عمل ہے، اور قرض خواہ اگر کچھ حصہ بلاشرط معاف کردے تو رفق ونرمی کی اعلی مثال ہے، حکومت بعض قرض ایسے دیتی ہے جس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر مقررہ مدت سے پہلے ادا کردیا گیا تو کل یا بعض حصہ معاف کردیا جائے گا، اور وقت مقررہ کے بعد ادا کیا گیا تو پوری رقم واپس کرنی ہوگی، زائد رقم نہیں لی جائے گی، معافی مشروط ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کی رائے مختلف ہے۔

فقہاء شوافع وحنابلہ کی ایک رائے یہ ہے کہ اس طرح کی شرط کے ساتھط تو عقد قرض فاسد ہوجائے گا، دوسری رائے فاسد نہ ہونے کی ہے، اور ان کا راجح واضح مذہب عدم فساد کا ہی ہے۔

''إذا اشترط فی عقد القرض أن یرد المقترض علی المقرض أنقض مما أخذ منہ قدراً أو

صفة، فقد ذہب الشافعیة والحنابلة إلی فساد ہذا الشرط وعدم لزومہ، وہل یفسد العقد بذلک؟للشافعیة وجہان:أصحہما فی المذہب أنہ لا یفسد العقد، وہو مذہب الحنابلة، لأن المنہی عنہ جر المقرض النفع إلی نفسہ، وہہنا لا نفع لہ فی الشرط، بل النفع للمقترض، فکان المقرض زاد فی المسامحة والإرفاق ووعدہ وعداً حسناً، والوجہ الثانی عند الشافعیة الفساد لمنافاتہ مقتضی العقد کشرط الزیادة'' (الموسوعة الفقہیہ ۱۲۸،۳۳)۔

(عقد قرض میں یہ شرط لگا دی جائے کہ مقروض قرض دہندہ کو مقدار یا صفت میں کم قرض واپس کرے گا، تو حنابلہ وشوافع کی رائے یہ ہے کہ یہ شرط فاسد وغیر لازم ہے، لیکن کیا اس شرط کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہوگا، تو اس سلسلہ میں فقہاء شوافع کے دو نقطہ نظر ہیں، اصح فی المذہب یہ ہے کہ عقد فاسد نہیں ہوگا یہی حنابلہ کا بھی مسلک ہے، اس لئے کہ ممنوع قرض دہندہ کا اپنے قرض سے اپنے لئے نفع حاصل کرنا ہے، اور یہاں شرط میں اس کو نفع نہیں مل رہا ہے، بلکہ مقروض کو فائدہ ہے، تو یہ قرض دہندہ اور نرمی، مسامحت، رعایت اور حسن وعدہ ہے، شوافع کا دوسرا نقطہ نظر تقاضہ عقد کے اس شرط کے منافی ہونے کی وجہ سے فاسد ہونے کا ہے، جیسے زیادتی کی شرط (مفسد عقد) ہے)۔

البتہ ماضی قریب کے معروف فقیہ شیخ سید سابق سے معینہ مدت سے پہلے قرض ادا کرنے پر قرض کا کچھ حصہ معاف کرنے کی ممانعت پر تمام فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''ذہب جمہور الفقہاء إلی تحریم وضع قدر من الدین نظیر التعجیل بالقضاء قبل الأجل المتفق علیہ، فمن أقرض غیرہ قرضاً إلی أجل، ثم قال المقرض للمقترض: أضع عنک بعض الدین تظہر أن ترد الباقی قبل الأجل، فإنہ یحرم'' (فقہ السنہ ۱۶۷،۳) (جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مقررہ مدت سے پہلے جلدی ادا کرنے کی صورت میں قرض میں سے کچھ حصہ کم کرنا حرام ہے، مثلاً کسی شخص نے دوسرے کو معینہ مدت تک کے لئے قرض دیا، پھر قرض دہندہ مستقرض سے کہے کہ میں قرض کا کچھ حصہ تم سے چھوڑ دونگا، اس شرط کے ساتھ کہ تم باقی حصہ مدت سے پہلے دے دو، تو یہ حرام ہے)۔

قرض میں معافی تعجیل کے ساتھ مشروط نہ ہوتو جائز ہے:

وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیہ بدولة الکویت سے شائع شدہ ''مجموعة الفتاوی الشرعیة '' میں ایک استفتاء کے جواب میں یہ فتوی دیا گیا ہے کہ اگر تعجیل کی شرط کے ساتھ دین میں کمی کی جائے تو ممنوع ہے، اگر بلا شرط ہو تو قرض دہندہ کی جانب سے قرض میں کمی کرنا ہے، اور یہ درست ہے۔

''إذا کان حط الدین المؤجل مشروطاً بتعجیلہ، فہو ممنوع، لأنہ من قبل (ضع وتعجل) أما إذا کان کان من غیر شرط ملفوظ ولا ملحوظ فہو جائز، فیکون حینئذ تبرعاً من الدائن للمدین، واللہ أعلم'' (الفتاوی الشرعیہ ۱۶۵،۶) (دین مؤجل میں کم کرنا جلدی ادا کرنے پر

مشروط ہو تو یہ ممنوع ہے، اس لئے کہ یہ ضع وتعجل کی قبیل سے ہے، لیکن اگر یہ بلاشرط ہو یعنی نہ زبان سے کہا گیا ہو اور نہ ہی عرف ورواج ہو تو جائز ہے، اس صورت میں قرض دہندہ کی طرف مقروض کے لئے (کم کرنا یہ) بطور تبرع ہوگا)۔

راقم کی رائے:

گرچہ حکومت کی جانب سے قرض کی معافی معینہ مدت سے پہلے ادا کرنے پر مشروط ہے، مگر اس میں کسی طرح کا ربا نہیں پایا جارہا ہے، اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، یہی حنابلہ وشوافع کا بھی راجح مذہب ہے، کہ اس میں قرض دینے والا اپنے قرض سے نفع نہیں حاصل کررہا ہے، بلکہ مقروض کو مزید سہولت دی جارہی ہے، اور اس کے ساتھ ہمدردی وحسن سلوک کا برتاؤ کیا جارہا ہے، خود نبی اکرمﷺ نے جب بنی نظیر کو جلاوطن کرنے کا حکم فرمایا تو انہوں نے آکر عرض کیا کہ ہمارا قرض ابھی لوگوں کے ذمہ باقی ہے تو آپﷺ نے فرمایا کہ کچھ کم کرکے پہلے لے لو، نیز حضرت عبد اللہ بن عباس اور احناف میں امام زفرؒ کی رائے بھی جواز کی ہے۔

شیخ سید سابق نقل فرماتے ہیں:

''ویری ابن عباس وزفر جواز ذلک، لما رواہ ابن عباس أن النبیﷺ لما أمر بإخراج بنی النظیر، جاءہ ناس منہم، فقالوا یا نبی اللہ، إنک أمرت بإخراجنا، ولنا علی الناس دیون لم تحل، فقال رسول اللہﷺ ضعوا وتعجلوا'' (فقہ السنہ ۱۶۷،۳) (حضرت عبد اللہ بن عبا سؓ اور امام زفرؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے جب بنی نظیر کی جلاوطنی کا حکم فرمایا، تو ان کے کچھ لوگ آپﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے ہماری جلاوطنی کا حکم فرمایا ہے اور ہمارا لوگوں کے اوپر کچھ قرض ہے جس کا وقت ابھی باقی ہے، توآپﷺ نے فرمایا کچھ کم کرکے پہلے لے لو)۔

مقررہ مدت کے بعد زائد رقم کا مطالبہ:

مقررہ مدت کے بعدقرض ادا کرنے پر اصل رقم کے ساتھ زائد رقم کا مطالبہ سود ہے، یعنی قرض میں اضافہ کے ساتھ واپسی پہلے سے مشروط ہو تو ناجائز ہے۔

معروف حنبلی فقیہ شیخ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

''فإن شرط أن یعطیہ أکثر مما أقرضہ أو أجود أو أعطاہ مثل ما أخذ وزادہ کسرۃ، کان ذلک حراماً'' (المغنی لابن قدامہ ۳۵۹،۴) (اگر یہ شرط لگائی جائے کہ وہ اس کو اس کے دیئے ہوئے قرض سے زائد، یا بہتر اور جو اس نے لیا ہے اس میں کچھ حصہ زیادہ کرکے دے گا تو یہ حرام ہے)۔

مزید لکھتےہیں:

‘‘کل قرض شرط فیہ أن یزیدہ فہو حرام بغیر خلاف’’ (المغنی لابن قدامہ ۳۶۰،۴) (ہر وہ قرض جس میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ مقروض کچھ زیادہ رقم ادا کرے گا، وہ بلا اختلاف حرام ہے)۔

اپنی مرضی سے زیادہ واپس کرنا اگر زیادتی واضافہ کے ساتھ واپسی مشروط نہ ہو اور نہ ہی اضافہ کے ساتھ قرض لوٹانے کا عرف ورواج ہو، بلا شرط اپنی مرضی سے بڑھا کر یا بہتر مال واپس کرے تو یہ پسندیدہ ومستحسن عمل ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘فأما إذا کانت غیر مشروطۃ فیہ ولکن المستقرض أعطاہ أجودہما فلا بأس بذلک ..... بل ہذا من باب حسن القضاء وأنہ أمر مندوب إلیہ قال النبی علیہ السلام: خیر الناس أحسنہم قضاءاً’’ (بدائع الصنائع ۳۹۵،۷، کتاب القرض) (لیکن اگر قرض میں سے (پہلے سے) شرط نہ ہو، بلکہ مستقرض اپنی طرف سے اس سے بہتر ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے .....بلکہ بہتر طور پر ادا کرنے کی قبیل سے ہے اور مستحسن امر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں بہتر وہ ہے جو ان میں اپنے قرض کو بہتر طریقہ سے ادا کرنے والا ہے)۔

امام کرخی کی رائے:

علامہ ابن عابدین شامی رقمطراز ہیں:

‘‘کل قرض جر نفعاً حرام أی إذا کان مشروطاً .....وفی الذخیرۃ:وإن لم یکن النفع مشروطاً فی القرض فعلی قول الکرخی لا بأس بہ’’ (رد المحتار ۱۷۴،۵، مطلب کل قرض جر نفعاً) (ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے وہ حرام ہے، جبکہ یہ مشروط ہو.....ذخیرہ میں ہے کہ اگر قرض میں نفع مشروط نہ ہو تو امام کرخی کے قول کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے)۔

بلا شرط قرض میں اضافہ کے ساتھ واپس کرنا حسن اخلاق ومستحسن امر ہے۔

قرض میں زائد رقم کا مطالبہ کم ہو یا زیادہ سود ہے:

قرض میں زائد رقم کی واپسی معمولی ہو یا غیر معمولی ربا ہے، ‘‘کل قرض جر منفعۃ فہو ربا’’ (کنز العمال ۲۳۱،۶، حدیث: ۱۵۵۱۶)، اور یہ قرض کے مقصود کے خلاف بھی ہے، ربا کی شناعت بہت زیادہ ہے، او راس پر وعیدیں بھی شدید ہیں، لہذا ربا اور شائبہ ربا، دونوں سے احتراز واجتناب لازم ہے، اس لئے معمولی زیادتی کو سروس چارج نہیں کہا جاسکتا ہے، احتیاط بھی اسی میں ہے، جہاں تک سوال ہے ضرورت وحاجت کا تو ‘‘الضرورات تبیح المحظورات’’، اور ‘‘الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ’’ کے تحت اصحاب حاجت مسلمانوں کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے۔

لہذا ضرورت مند مسلمانو نکے لئے مکان کی تعمیر، اور کاروبار کےلئے سودی

قرض حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری نقل فرماتے ہیں:

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۲۹۴،۱) ۔

خوشحال مسلمانوں کے لئے کاروبار میں اضافہ، ضرور ت سے زائد مکان کی تعمیر وآرائش کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

حکومت کی جانب سے بطور امداد رقم کا حصول درست ہے:

حکومت کی طرف سے مکان کی تعمیر، تعلیمی ضروریات اور بیت الخلاء بنانے کے لئے بطو رامداد رقم دی جاتی ہے، اور اس رقم میں کچھ بھی واپس کرنا نہیں ہوتا ہے، یہ حکومت کی جانب سے مکمل امداد ہوتی ہے، جن شرائط وضوابط ومعیارات کے ساتھ حکومت یہ رقم دیتی ہے، ان مالی شرائط ومعیارات کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح کی امداد سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔

رقم دلانے میں واسطہ بننے والے کے لئے محنتانہ کا حکم:

حکومت کی جانب سے ملنے والی امدادی رقوم، اور قرض وغیرہ کا حصول بڑا مشکل ہوتا ہے، کرپشن، بدنظمی، نظام کی پیچیدگی، قانونی دشواری، انتظامی امور میں بدعنوانی کے باعث ان اسکیموں سے فائدہ اٹھانا براہ راست بڑا دشوار گذار عمل ہے، لہذا اسکیموں اور ان سے فائدہ اٹھانے کے طریقوں سے واقف کار افرا دکے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ضروری کاغذی کارروائی مکمل کرکے ان اصحاب حاجت افراد کو رقم دلاتے ہیں، او راس کے عوض جس میں ان کا وقت بھی صرف ہوتا ہے، معاوضہ لیتے ہیں، تو ان کی حیثیت دلال کی ہے، لہذا اس کا محنتانہ لینا اور اس شخص کا دینا دونوں درست ہے۔

سودی قرضوں میں واسطہ بننے والے کا محنتانہ طلب کرنا:

لیکن دوسری قرضوں کےحاصل کرنے میں واسطہ بن کر معاوضہ لینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سودی معاملات میں تعاون ہے، اور سودی معاملہ میں سے کسی طور پر معاونت جائز نہیں ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

''لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ وکاتبہ'' (صحیح مسلم) (سود کھانے والے، اور کھلانے والے اور سودی معاملہ کو لکھنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے)۔

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کے لئے رشوت دینا:

حکومت کی جائز امدادی رقوم کی اسکیموں اور ضرورت مند مسلمانوں کے لئے سودی قرضوں کا حصول اگر رشوت دیئے بغیر ممکن نہ ہو تو ان اسکیموں اور قرضوں

سے فائدہ اٹھانے کے لئے رشوت دینا جائز ہوگا، حدیث مبارک ''لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی'' (سنن ابی داؤد ۵۰۴،۲) کی تشریح میں صاحب ''بذل المجہود '' نے یہ استثناء نقل کیا ہے۔

''فإذا أعطی لیتوصل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہ ظلماً، فإنہ غیر داخل فی ہذا الوعید'' (بذل المجہود ۳۰۷،۶) (کسی جائز حق کو حاصل کرنے یا اپنے نفس سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے رشوت دے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے)۔

جائز حق کا حصول رشوت دیئے بغیر دشوار ہو، تو اپنا حق لینےکے لئے رشوت دینا رشوت دینے کی وعید میں شامل نہیں ہے۔

سرکاری اسکیموں میں قرض سے کم واپسی کا شرعی حکم

مفتی جنید بن محمد پالنپوری•

حامداً ومصلیاً ومسلماً، حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ عوام کی معاشی ومعاشرتی ضرورتوں کی کفالت، تعلیمی ترقی صنعتوں کے فروغ اور اقتصادی اعتبار سے محروم وپسماندہ شہریوں کو اونچا اٹھانے نیز ملک کی معیشت کی مضبوطی وترقی کے لئے رقوم اور روزگار فراہم کرکے مدد کریں اور عوام الناس کی معاشی وتعلیمی ضرورتیں پوری کرنے کے ساتھ ان صحت وعلاج کا بھی مکمل بندوبست کریں، اور یہ رقوم حکومت اپنے مالدار شہریوں سے بہ نام ٹیکس وصول کرتی ہے جس میں مسلمان بھی ٹیکس دہندگان میں شامل ہیں، لہذا ایک شہری ہونے کے ناطے جس طرح ایک غیر مسلم سرکاری اسکیموں سے مستفید ہوسکتا ہے اسی طرح مسلمان بھی ان اسکیموں سے بلا امتیاز مذہب فائدہ اٹھاسکتا ہے۔

مگر مسلمان چونکہ شریعت کا بھی پابند ہے، لہذا اسے یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی ہوگی کہ یہ سرکاری اسکم کہیں شریعت کے خلاف نہ ہو۔

اس مختصر تمہید کے بعد تمام سوالات کے جوابات ترتیب وار درج ذیل تحریر کئے جاتے ہیں:

(١) حکومت کی جانب سے دینے جانے والے وہ قرضے جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے، یعنی قرض لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، یہ حکومت کی طرف سے تبرع اور احسان ہے جوبالکل جائز ہے، اس پر ربوٰ کی تعریف صادق نہیں آتی، حکومت کی طرف سے یہ سبسڈی کہلاتی ہے۔

''الربوٰ ہو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ (ہدایہ) أما فی اصطلاح الفقہاء فہو زیادۃ أحد البدلین المتجانسین من غیر أن یقابل ہذہ الزیادۃ عوض '' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ)۔

''التبرع: العطاء بغیر مقابل'' (معجم لغۃ الفقہاء)۔

(٢) قرض حسن، حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مؤجل کرنے سے مؤجل نہیں ہوتا (یعنی قرض کی مدت ذکر کرنے سے وہ مدت لازم نہیں ہوتی) قرض خواہ وقت سے پہلے بھی اس کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

• دار الافتاء والارشاد، المجلس البرکۃ، ممبئی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

''اختلف العلماء فی تاخیر الدین إلی أجل، فقال أبوحنیفۃ وأصحابہ : سواء کان القرض إلی أجل أو غیر أجل، لہ أن یأخذہ متی أحب وکذلک العاریۃ وغیرہا، لأن عندہم من باب العدۃ والہبۃ غیر مقبوضۃ، وہو قول الحارث العکلی وإبراہیم النخعی الخ'' (عمدۃ القاری للعینی۶؍۶۰)۔

کسی مدت تک دین کو موخر کرنے کےبارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قرض چاہے مؤجل ہو یا غیر مؤجل، دونوں صورتوں میں دائن اپنا قرض جب چاہے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے اور عاریت وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے، اس لئے کہ یہ مدت ان کے نزدیک وعدہ اور ہبہ غیر مقبوض کی طرح ہے۔

بہرحال قرض حسن مؤجل کرنے سے مؤجل نہیں ہوتا۔ گویا یہ دیون حالہ میں سے ہے اور دیون حالہ میں ''ضع وتعجل '' کا اصول جائز ہے، یعنی وقت مقررہ سےپہلے قرض کےواپس کرنے پر کچھ قرض معاف کرنے کی شرط لگانا جائز ہے (مستفاد از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳؍۱۱۶-۱۱۷)۔

حاصل یہ کہ وقت مقررہ سے پہلے قرض واپس کرنے پر قرض کا کچھ حصہ معاف کرنا جائز ہے، اسے مدت کی بنیاد پر قرض کم کرنے کی وجہ سے ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

(۳) مقررہ مدت کے بعد قرض کی واپسی پر زائد رقم ادا کرنی پڑے تو اسے عام سود ہی کہا جائے گا، جس کا لین دین جائز نہیں۔

''لأن الربا ہو الفضل الخالی عن العوض، وحقیقۃ الشروط الفاسدۃ ہی زیادۃ ما لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ، فیکون فیہ فضل خال عن العوض وہو الربا بعینہ'' (رد المحتار)۔

''والثانی أنہ معلوم أن ربا الجاہلیۃ إنما کان قرضاً مؤجلاً بزیادۃ مشروطۃ فکانت الزیادۃ بدلاً من الأجل فأبطلہ اللہ وحرمہ'' (احکام القرآن للجصاص۱؍۴۶۲)۔

(۵.۴) سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ ہے، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیوٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار کے لئے قرض فراہم کرتی ہے ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہمارا بہ حیثیت شہری اس پر حق ہے، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے یا یہ کہ ان کے پاس ذاتی مکان نہیں ہے اور نہ ہی اتنی رقم ہے کہ مکان بنا سکے تو ان کے لئے حکومتی اداروں کی طرف سے معمولی شرح پر سودی قرضے لینا جائز ہوگا اور جو زائد رقم سود کے نام سے لی جارہی ہے اسے انتظامی اخراجات قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت

مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند کا رجحان اسی طرف ہے۔

اصل یہ کہ گورنمنٹ کا مقصد اس طرح کی اسکیم سے سود حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ بے روزگاری دور کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے بعض اوقات قرض کا کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے (کتاب الفتاوی ۳۷۹٫۵۔۳۸۰)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتےہیں:''البتہ جو رقم سامان وغیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جائے، اس میں تاویل چل سکے گی اور اس کو کام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کرکے اس پر سودی معاملہ کا حکم نہ لگائینگے، بلکہ انتظامات کی درستگی کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں یہ معاملہ جائز رہے گا '' (منتخبات نظام الفتاوی ۴۳۹٫۲۔۴۴۰)۔

ایک جگہ رقم طراز ہیں: ''اسی طرح ہر معاملہ جو اس قسم کے لین دین کا حکومت کے اعانتی محکموں سے ہو، اسمیں غرض ومقصود سامنےرکھتے ہوں، اس زیادتی کی حیثیت پر غور کرینگے، جب تک کوئی صحیح تاویل ملتی رہے گی، ربٰو، سود کہنے سے اجتناب کرینگے..... اسی طرح وقت پر کسی ایک قسط کے یا تمام قسطوں کے وصول نہ ہونے پر جو رقم زائد وصول ہوتی ہو اس کو بھی قاعدہ کے مطابق انتظامات کی درستگی باقی رکھنے کے لئے ایک قسم کی فیس میں داخل کرکے جائز کہا جاسکتا ہے بالخصوص ہندوستان جیسے ملکوں میں (ایضا)۔

حاصل یہ کہ حکومت وقت ترقیاتی اسکیم کے تحت جو رقم قرض کے نام پر اپنی رعایا کو دیتی ہے، اس پر زائد رقم اتنی کم لیتی ہے جو نفی کے برابر ہوتا ہے، بسااوقات حکومت کو اس میں خسارہ ہی برداشت کرنا ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کی زرکشی یا زراندوزی یا ذخیرہ خیزی وغیرہ جو عام طور سے مہاجنوں کے یا سودی کاروبار کرنے والوں کے پیش نظر ہوتی، اس لئے اسے انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکتا ہو، اگر اس زائد رقم کی شرح اعانت کی بہ جائے دیگر سودی قرضوں کی طرح ہو جو اخراجات سے زائد اور حکومت کی نیت زرخیزی معلوم ہوتی ہو تو جائز نہ ہوگا۔

اسلامی ترقیاتی بنک سے متعلق ایکٹ استفتاءکے جواب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں، بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بہ طور ''سروس چارج '' کے ان کو وصولی کرنا جائز ہے، بہ شرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے، جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئے ہیں، البتہ اگر پوری احتیاط کے ساتھ ان اخراجات کی تحدید ممکن ہو تو یہ صورت احکام شریعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا '' (فقہی مقالات)۔

(۶) یہ حکومت کی طرف سے امدادی شکل میں تبرع اور احسان ہے، جو بالکل جائز ہے۔

(۸.۷) خریدوفروخت ودیگر معاملات میں جن کو ناواقف ہونے کی بنا پر یا فرصت نہ ہونے کی بنا پر خود انجام نہیں دے پاتا اب جو شخص دلال (ایجنٹ) بن کر یہ کام انجام دے رہا ہے، شرعاً اس کے لئے اجرت لینا حلال ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ رقمطراز ہیں: ''اجرت دلال کے بارے میں فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کی عبارات مختلف ہیں، مگر لوگوں کی ضرورت اور حاجت کو مدنظر رکھتے ہوئے جواز کا قول مختار اور مفتٰی بہ ہے، البتہ بہ وقت عقد تعیین اجرت ضروری ہے۔

''قال فی التاتارخانیۃ: وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وماتواضعوا علیہ إن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل، وکثیر من ہذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ کدخول الحمام'' (رد المحتار۵؍۴۴)۔

''أجرۃ السمسار والمناوی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فیہ الوقت ولا العمل تجوز مما کان للناس بہ حاجۃ'' (ایضاً۵؍۳۲؛ احسن الفتاوی۷؍۲۷۳)۔

دلال کی اجرت کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی اجرت متعین کرلی جائے، اجرت کی مقدار معین کردی جائے کہ یہ کام کردوگے تو تمہیں پانچ ہزار روپے دینگے، یہ بالکل درست ہے۔

لیکن عام طور پر سمسرہ میں جو صورت ہوتی ہے وہ اس طرح اجرت متعین نہیں ہوتی، بلکہ فی صد کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے، مفتی بہ قول کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔

''وعنہ قال:رأیت ابن شجاع یقاطع نساجاً ینسج لہ ثیاباً فی کل سنۃ'' (حاشیہ ابن عابدین ۶؍۶۳؛ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴؍۱۲۴،۱۲۳ ملخصاً)۔

حاصل یہ کہ امدادی رقوم کےحصول میں جدوجہد کرنی پڑتی ہے، لہذا واسطہ بننے والے کے لئے دلال ہی کا حکم لاگو ہوگا۔

''کتاب النوازل '' میں ہے: اب اگر یہ دلال ایسے معاملات میں ہو جس میں دوسرے کسی فرد یا معاشرے کا نقصان لازم نہ آتا ہو تو باتفاق ائمہ اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اگر اس سے عوام کا نقصان ہو یا لوگوں کے لئے تنگی پیش آئے تو بہ تقاضۂ حدیث ''لا یبیع حاضر لباد'' ایسی دلالی مکروہ ہوگی (۱۲؍۳۸۰)۔

صورت مسئولہ میں حکومت کی امدادی رقوم کے حصول میں دقت اور مشکل ان دلالوں ہی کی وجہ سے آئی ہے، حکومتی افسران اور ان دلالوں کی ملی بھگت ہی سے ان

امدادی رقوم کا حصول عوام کے لئے مشکل ہوا ہے، ایسے معاملات کے دلال دوفی صد اور چار فی صد پربس نہیں کرتے بلکہ ثلث (تہائی) اور کبھی کبھار اس سے بھی زیادہ وصول کرتے ہیں، اور صاف طور پر کہتےہیں کہ ''ہمیں افسران کو بھی اس سے بھی دینا ہے '' اور یہ افسران بھی دلالوں کے واسطہ کے بغیر جلدی فائل آگے بڑھانے پر راضی نہیں ہوتے کہ عوام کو براہ راست امدادی رقم دینے میں انہیں کچھ نہ ملنے کا یقین ہوتا ہے، لہذا اس طرح کے معاملات میں دلالی سے فرد کے نقصان کے ساتھ معاشرہ کا خطرناک حد تک نقصان ہوتاہے، رشوت کو بھی اس سے راہ ملتی ہے۔

بہرحال اس طرح کے معاملات میں دلالی کرنے والے کے لئے دلالی مکروہ ہوگی، بلکہ غرباء کا حق مارنا کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا، کیونکہ اگر یہ دلال درمیان سے بالکل ہٹ جائیں تو عوام کے لئے امدادی رقوم حاصل کرنا آسان ہوجائے اورمکمل رقم انہیں وصول ہو۔

(٩) اگر کام کرنے والے پر آپ کا حق ہو کہ وہ اس کام کو کرے اور اس کا مقصود دوسروں کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو تو اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے اور ظلم وناانصافی سے بچنے کے لئے کراہیت خاطر کے ساتھ رشوت دینے کی گنجائش ہے، لیکن رشوت لینا بہرصورت حرام ہے۔

''ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الأخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل'' (رد المحتار٨،٣٥)۔

''فإذا أعطى ليتوسل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلماً، فإنه غير داخل فى هذا الوعيد'' (بذل المجهود ٦،٣٠٧؛ كتاب الفتاوى)۔

صورت مسئولہ میں امدادی رقوم اور قرضوں کی وصولیابی میں بناء رشوت دلالی مشکل آتی ہو تو یہاں رشوت دینے کی گنجائش ہے، رشوت دینے والے کا انشاء اللہ مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ امدادی رقوم وغیرہ حکومت کی طرف سے دیئے جانے والے عوام کے حقوق ہیں، اور سرکاری افسران پر بھی یہ لازم ہوتا ہے کہ شرائط پوری ہونے پر بنا کچھ لیے یہ رقوم جاری کریں۔

البتہ لینے والا سخت گنہ گار ہوگا: ''لعن رسول اللہ ﷺ الراشى والمرتشى'' (سنن ابی داؤد ٢،٥٠٤)۔

ایک مسلمان اور ملک کے خیرخواہ شہری کی حیثیت سے ہم سب کا فریضہ ہے کہ کرپشن کے آگے سرنگوں ہونے کے بہ جائے اس کی مزاحمت کریں اور سرکاری نظام میں ایمان داری اور شفافیت لانے کی کوشش کریں، کیونکہ کرپشن بہ حیثیت قوم پورے ملک کو نقصان پہنچانا اور اجتماعی املاک کو لوٹنے کے مترادف ہے (کتاب الفتاوی)۔

(١٠) حکومت نے امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے جو شرائط اور

معیارات متعین کئے ہیں اس کی پاسداری لازم ہے، جو شخص ان شرائط اور معیارات پر پورا اترتا ہوگا اسی لئے ان رقوم کا لینا جائز ہوگا۔

امدادی رقوم حاصل کرنے کے لئے جعلی دستاویز بنانا اور غلط بیانی سے کام لینا حرام ہے، یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے، نیز اصل مستحقین کا حق مارنا بھی ہے، اللہ تبارک وتعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالم بینکم بالباطل'' (سورہ نساء : ٢٩)۔

حضورپاکﷺ کا ارشاد ہے: ''من غشنا فلیس منا'' (مسلم شریف)۔

(١١) صورت مسئولہ میں حکومت اپنی عوام کو بنک سے قرض دلوانے میں مدد کرتی ہے اگر ساتھ میں یہ بھی معاہدہ ہو کہ بنک کی طرف سے مقروض پر ڈالے جانے والا مکمل سود یا سود کا کچھ حصہ حکومت مقروض کی طرف سے ادا کرے گی تو اس صورت میں سود تھوڑا ہو یا زیادہ بہرصورت یہ جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہاں مقروض کی رضامندی سے حکومت اس کا سود ادا کررہی ہے تو گویا مقروض ہی نے اسے ادا کیا یہ معاملہ صریح سود میں شمار ہوگا۔

''عن جابرؓ قال:لعن رسول اللہﷺ آکل الربوٰ وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال:ہم سواء'' (صحیح مسلم)۔

''الربوٰ ہو القرض علی أن یؤدی إلیہ أکثر أو أفضل مما أخذ'' (حجۃ اللہ البالغۃ، الربا سحت باطل٢،٢٨٢)۔

اور اگر بنک مقروض سے کچھ بھی زائد وصول نہ کرے، بلکہ اس کو دی ہوئی رقم ہی لوٹانی ہو اور حکومت کا مقروض سے کوئی معاہدہ نہ ہو کہ مقروض کا سود حکومت ادا کرے گی، بلکہ حکومت براہ راست بنک سےمعاہدہ کرتی ہو کہ بنک کسی غریب شہری کو تعلیمی یا دیگر ضروریات کے لئے قرض دے گی تو حکومت بنک کو اتنی رقم اد ا کرے گی، تویہ صورت جواز کی معلوم ہوتی ہے، یہاں گویا دو معاملے الگ الگ ہوئے اور عاقدین بھی الگ ہے، ایک معاملہ بنک کا شہری (مقروض) سے ہوا کہ یہاں صرف قرض دیا گیا بغیر سودکے جو بالکل جائز ہے اور دوسرا معاملہ بنک کا حکومت سے ہوا کہ حکومت اسے بلاعوض رقم دے رہی ہے جوہبہ ہوا۔

اس تاویل سے تعلیمی ودیگر ضروریات کے لئے لون لیناجائز ہوگا، البتہ اگر اس صورت میں مقروض پر لی ہوئی رقم سے کچھ بھی زائد دینا ہوگا تو یہ سود ہی کے زمرے میں آئے گا کہ یہ بنک سے براہ راست سودی معاملہ ہورہا ہے۔

(١٢) سود ایسے اضافہ کو کہتےہیں جو لین دین کے معاملہ میں شرط اور معاہدہ کے مطابق دیا گیا ہو۔

‘‘الربا ہو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ’’ (الہدایہ۳،۸۰)۔

‘‘أما فی اصطلاح الفقہاء فہو زیادۃ أحد البدلین المتجانسین من غیر أن یقابل ہذہ الزیادۃ عوض’’ (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ)۔

صورت مسئولہ میں تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد واشخاص کاحکومت سے کوئی لین دین کا معاملہ نہیں ہوتا، لہذا یہ حکومت کی طرف سے تبرع اور احسان کہا جائے گا، جس کے استعمال کی گنجائش ہے، یہ اس اضافہ کی طرح ہے جو پراویڈنٹ فنڈ میں سود کے نام سے دیاجاتا ہے، مگر چونکہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے جائز ہے۔

* * *

چوتھا باب

مناقشہ

مناقشہ:

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کا حکم

مولانا جنید بن محمد پالنپوری:

حکومت جو قرضے اپنے عوام کو دیتی اور جو اس میں شرط لگاتی ہے کہ اگر وقت سے پہلے دیدیا تو آپ کا اتنا قرضہ معاف کردیا جائے گا، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اگر یہ دیون کے تعلق سے ہے تو جائز نہیں ہونا چاہئے۔ اس مسئلہ میں ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ دین اور قرض میں فرق ہے، دین کہتےہیں: جو معاملات بیوع وغیرہ کے ہوں اور جو اس پر بقایہ ہو اسے دین کہتے ہیں اور قرض قرض حسنہ کو کہتے ہیں جو بغیر کسی غرض اور فائدہ کے دیا جائے، احناف، بلکہ شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی قرض حسنہ مؤجل کرنے سے مؤجل نہیں ہوتا وہ جب چاہے مانگ سکتا ہے تو گویا دیون حالات سے متعلق ہیں.....، اسی طرح قرض حسنہ میں مدت متعین کردی جائے، اس کے بعد بھی وقت سے پہلے دینے پر اگر کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے تو یہ بھی جائز ہوگا۔ اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے تو اس لحاظ سے قرض حسنہ اور دین میں فرق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دلالی کے تعلق سے یہ بات آئی کہ سرکاری اسکیموں کے اندر دلال بیچ میں ہوتے ہیں تو اس تعلق سے ہمیں ذراغور کرنا چاہئے کہ معاملہ جو خراب ہوتا ہے ان دلالوں کی ہی وجہ سے خراب ہوتا ہے۔ حکومت کے افسران اور ان دلالوں کی ملی بھگت ہی سےان امدادی رقوم کا حصول عوام کے لئے مشکل ہوتا ہے، ایسے معاملات کے دلال دوفیصد یا چار فیصد پربس نہیں کرتے، بلکہ ثلث اور کبھی کبھار اس سے بھی زیادہ وصول کرتے ہیں۔ اور صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہمیں افسران کو بھی اس میں سے دینا ہوتا ہے اور افسران بھی ان دلالوں کے واسطے کے بغیر فائل جلدی آگے نہیں بڑھاتے۔ بلکہ عوام کو براہ راست امدادی رقم دینے میں انہیں کچھ نہ ملنے کا یقین ہوتا ہے، اس لئے دلال کا واسطہ بیچ میں لازم سمجھتے ہیں۔ یعنی غیرقانونی طور پر۔ تو گویا کہ مطلقاً دلالی کو جائز نہیں کہنا چاہئے۔ جو شریعت کا اصول ہے ''لا یبیع حاضر لباد '' کی جس طرح بیع مکروہ ہے کہ اس میں عوام کا نقصان ہے، اسی طرح یہاں پر بھی عوام کا نقصان ہے، اس لئے دلالی کو مطلقاً جائز نہیں کہہ سکتے اسے مکروہ کہا جائے تو بہتر ہوگا۔

مولانا ظہیر احمد کانپوری:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جو حکومتی تعاون سے متعلق استفادہ کا مسئلہ ہے تو

عام طور سے ہم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ حکومت کے جو الفاظ ہیں اس پر ہم کو دھیان نہیں دینا چاہئے، بلکہ ان کے مقاصد کی طرف ہم کو دھیان دینا چاہئے، جب اس پر ہم کوئی شرعی حکم لگائیں تو ہمیں خاص طور سے اس نکتہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے تب ہی ہم حکم شرعی صحیح لگا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حکومت کی جتنی بھی استفادے کی اسکیمیں ہیں ان میں ظاہر ہے کہ انٹرسٹ کا لفظ رہتا ہے اور کہیں کہیں مدت کی تعیین بھی رہتی ہے، لیکن اس کا مقصد سود لینا نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہاں پر تو حکومت کا تعاون ہی کرنا اصل مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومتی تعاون کے سلسلہ میں جو ہمارے مقالہ نگار حضرات ہیں انہو ننے اپنے مقالوں میں اس کو جائز قرار دیا ہے، لیکن دوسری جگہ پر پہلے جو سوالات کئے گئے ہیں ا س کی تفصیل کے سلسلہ میں عرض ہے کہ وہاں پر بھی انہوں نے اس کے تفصیلی احکام میں اس کو جائز قرار دیا کہ اگر یہ قید نہ ہو، بلکہ یہ ہو، تو معلوم یہ ہوا کہ اصل ہم کو استفادہ کی نوعیت کو دیکھنا ہے کہ کونسی اسکیم حکومت کی ہمارے مفاد میں ہے، اور حکومت اس کے ذریعہ ہمارا تعاون کررہی ہے تو اس میں ہم کو جہاں تک ہوسکے گنجائش دینا چاہئے، مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''وتعاونوا علی البر والتقوی'' (سورہ مائدہ: ٢) کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور باقی جو چیزیں ہیں چونکہ حکومت کے جو نمائندے ہیں وہ سب کے سب غیر اسلامی اور ہمارا یہ ملک بھی غیر اسلامی ہے، اس لئے ان سب چیزوں سے ان کو کوئی واقفیت نہیں ہوتی ہے، تو ہم کو اپنے لحاظ سے چونکہ شرعی حکم ہم کو دینا ہے، لہذا ہم اس مقصد کو پہلے پیش نظر رکھینگے تو انشاء اللہ عوام کے لئے اس میں سہولت بھی پیدا ہوجائے گی اور ہمارے جو حضرات ہیں وہ سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے سے محروم بھی نہیں ہونگے۔

دوسری بات جو واسطہ بننے سے متعلق ہے اس میں عرض مسئلہ کے بارے میں بھی اورتلخیص میں بھی جو رائے سامنے آرہی ہے واسطے کے مفہوم میں، ایسامحسوس ہوتا ہے کہ سمجھنے میں دقت ہوئی ہے، اس وجہ سے بھی اس میں رایوں میں اختلاف پیدا ہوا ہے، لیکن واسطہ اگر حقیقی معنی میں ہم یہاں دیکھتے ہیں، ہمارا یہ جو ملک ہے، اس کے اندر جو اسکیمیں ہوتی ہیں وہ ہر شخص کے سامنے نہیں آتی ہیں، جب آپ بیچ میں کسی واسطے والے کو تلاش نہیں کرینگے اس وقت تک آپ سرکاری اسکیموں سے صحیح طور سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں، لہذا آپ کو ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے واسطہ لینا پڑے گا۔ ایک مفہوم وہ ہے کہ ایک سرکاری ملازم ہے وہ ہم سے بیچ میں واسطہ بن کر کچھ مانگتا ہے تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہوگا، لیکن عمومی درجہ میں بہت ساری جو یہاں پر تنظیمیں ہیں وہ سرکاری فنڈ فراہم کرنے کی پوری ذمہ داری لیتی ہیں کہ ہم آپ کو پہنچائینگے، اگر کوئی آدمی انفرادی کوشش کرتا ہےوہ اس کو اتنی جلدی حاصل نہیں کرسکتا، لہذا اس کے اندر بھی ہم کو اس کی اصل پیچیدگی کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور

واسطہ بننے کے سلسلہ میں اگر ہم کو کوئی اجرت وغیرہ دینا ہے اور وہ ایک اجرت مثل کے درجہ میں ہے اور غیر معمولی نہیں ہے، اس میں قرض سے مستفید ہونے والے کا استحصال نہیں ہے تو اس کو جائز قرار دینا چاہئے ہم کو، وما علینا إلا البلاغ۔

مولانا نعمت اللہ صاحب قاسمی:

سوال نمبر ۸ کے سلسلہ میں جو عرض مسئلہ آیا اس میں جو اجرت کا مسئلہ ہے کہ اجرت متعین ہو یا اجرت فیصد کے حساب سے ہو، اجرت فیصد کے حساب سے درست ہے یا نہیں؟ یہ بات آئی تو میرا خیال یہ ہے کہ اجرت فیصد کے حساب سے بھی درست ہے اور یہ مسئلہ جو ہے گویا کہ فقہاء متاخرین کے درمیان مفتی بہ اور یہ فتوی طے ہوچکا ہے اور ہمارے اکابرین میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی اس سلسلہ میں فتوی دیا ہے، اس لئے فیصد کے حساب سے اجرت اگر طے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ دوسری بات سوال نمبر ۱۲ کے بارے میں ہے، اس میں یہ بات آئی ہے کہ حکومت عوام کی امداد کے لئےا یک فنڈ مختص کردیتی اور اس کے بعد جو ہے وہ بینک اس پر سود دیتا ہے اور پھر اس سود سے عوام کی امداد ہوتی ہے، تو اس سلسلہ میں عرض یہ کرنا ہے کہ اسکیم بھی حکومت ہی بناتی ہے اور بینک بھی حکومت ہی کے کنٹرول میں ہے، دونوں جیب تو ایک ہی جیب ہے، اس لئے وہاں اگر بینک جو ہے حکومت کو سودا ادا کرتا ہے تو سود نہیں ہے وہ۔ وہ ایک اضافی رقم ہے، اس لئے اگر حکومت اس رقم سے لوگوں کا تعاون کرتی ہے تو اس کو سود کے دائرہ میں لانا میرے خیال سے مناسب نہیں ہے۔ اب یہ ہے کہ بینک کہاں سے وہ رقم حاصل کرتا ہے زائد رقم، کس سے یعنی کاروبار کرکے وہ رقم حاصل کرتا ہے یا کسی سے سود لے کرکے وہ رقم حاصل کرتا ہے اس طوالت میں ہم کو جانے کی ضرورت نہیں ہے، یہا نحکومت اور بینک کے درمیان جو معاملہ ہے وہ سودی معاملہ نہیں ہے، اس لئے یہ ہم نہیں کہہ سکتے یقین کے ساتھ کہ سود کی رقم حکومت دے رہی ہے لوگو نکو۔ اس لئے ضرورت مند، غیر ضرورت مند دونو نکے لئے یہ رقم جائز ہے یہ میری رائے ہے۔

مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی:

مجھے تین باتیں کہنی ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو عرض مسئلہ ہوا اس میں نقاط نظر تو پیش کردیئے گئے، مگر عارض کو چاہئے تھا کہ کسی ایک رائے کو مدلل کرکے بیان کرتا، تاکہ معلوم ہوتا کہ کونسی رائے اس کے نزدیک راجح ہے، اس سے بحث کرنے میں آسانی ہوتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابھی بات سامنے آئی کہ حکومت کی اسکیم کے تعلق سے مقصد کو دیکھنا چاہئے وہ لفظ کیا استعمال کرتا ہے اس کو نہیں دیکھنا چاہئے، سوال یہ ہے کہ فقہی قاعدہ معروف ومشہور ہے، ''الصراحۃ أولی من الدلالۃ''۔ دوسرا فقہی قاعدہ مشہور

ومعروف ہے ''الأمور بمقاصدہا'' یہ اس وقت جاری ہوتا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں صراحت موجود نہ ہو۔ جب اس کے مقابلے میں صراحت موجود ہوجائے تو تقریباً فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے: ''الصراحۃ أولی من الدلالۃ ''۔ اس بنیاد پر کہ جب حکومت صراحت کررہی ہے انٹرسٹ کے لفظ کے ساتھ تو خواہ مخواہ اس کو مقصد یا دوسری چیز پر محمول کرنا میرے خیال میں درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے جو سوال ۱۱ کے تحت جو بات آئی تھی اور جس کے دو اجزاء کےگئے تھے، توبہرحال پہلے جزء کے تعلق سے تو بات آئی ہے، دوسرے جزء کے تعلق سے جو ایک رائے آئی کہ حکومت اگر تھوڑا حصہ ادا کرتی ہے، اور تھوڑا حصہ مقروض ادا کرتا ہے تو کیا حکومت کو جو تھوڑا حصہ مقروض ادا کرتا ہے کیا اس کو سروس چارج پر محمول کرکے اس کو جائز قرار دیا جائے؟ تو بعض نے اس کو سروس چارج پرمحمول کرکے اس کو جائز قرار دیا ہے اس میں وہی بات ہے کہ حکومت خوداس کو سود سمجھ کر کے ادا کرتی ہے اور مقروض کے اوپر سےایک طرح سے بار کو ہلکا کرنا چاہتی ہے توجب صراحت آجائے تو اس کو سروس چارج پر محمول کرنا درست کیسے ہوگا؟ دوسری بات جب آپ مانتے ہیں کہ سود حرام ہے، خواہ وہ سود کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔ بہرحال حرام حرام ہے۔ اس میں تھوڑی اور زیادہ کی تقسیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔جب حرام تسلیم کرتے ہیں تو وہ حرام ہے، خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔ لہذا اس کو سود ہی کہا جائے گااور یہ صورت ناجائز ہوگی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ایک تحریر آئی ہے مولانا عارف باللہ قاسمی صاحب کی ہے وہ سوال ۱ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ عرض مسئلہ میں آراء کااحاطہ بہت محدود پیمانہ پر کیا گیا ہے، بہت سے مقالہ نگار کی آراء او ران کے دلائل کو بالکل نظر انداز کردیاگیا ہے کم ازکم جو اضافی دلائل تھے ان کو ذکر کرنا چاہئے تھا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی:

اس میں دوبات مجھے عرض کرنی ہے، ایک تو یہ ہےکہ تلخیص مقالات بھی آپ کے پاس ہےآپ دیکھ لیجئے اور عرض بھی مکمل چھپ گیا ہے، میں نے چونکہ عارضین سے یہ بات کہی تھی کہ جو سوالات متفق علیہ ہینجن کے بار ے میں اختلاف نہیں ہے ان میں زیادہ تفصیل میں مت جائیں۔ ایسا نہیں ہے کہ دلائل کاانہوننے احاطہ نہیں کیا ہے اور چیزوں کا ذکر نہیں کیا ہے تمام چیزیں موجود ہیں، لیکن جن سوالات کے بارے میں مقالہ نگاروں کااتفاق ہے، اختلاف نہیں ہے ان کے بارے میں زیادہ دلائل میں جانا، اس کی ضرورت نہیں، باقی آپ کےنام آئینگے کہ فلاں نے یہ دلیل پیش کیا ہے فلاں نے یہ کہا ہے جب چیز چھپے گی تو گویا ایک دستاویز کی حیثیت سے اس میں ان چیزوں کا ذکر ہوگا۔

اور بعض مقالے بعد میں بھی آئے ہیں، جو وقت مقرر کیاجاتا ہے اکیڈمی کی طرف سے وہ اس وقت کے بعد بہت سے مقالات بھیجے گئے ہیں ان سے استفادہ نہیں ہوسکا ہے تو آئندہ بھی اس کا اہتمام کیاجائے کہ جو تاریخ طے کی جائے اس کےاندر ہی آپ مقالہ بھیج دیا کریں۔

مولانا شمس تبریز قاسمی :

میں شمس تبریز میں یہاں مفتی کی حیثیت سے مدعو نہیں ہوں، بلکہ ملت ٹائمس کو نمائندگی کا موقع دیا گیا ہے، لہذا مینایک صحافی کی حیثیت میں یہاں آیا ہوں، لیکن میرا ایک سوال ہے سوال نمبر ۳ کے بارے میں مقالہ نگاروں سے، آپ نے کہا کہ قرض ادا کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم ادا کرنے پر تو اس کی صورت کیا ہوگی تو آپ لوگوں نے لکھا کہ ..... سوال ۳ ہے کہ اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر اگر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی اداکرنی پڑی .....ربا میں شامل کیا گیا ہے، لیکن میرا یہ ماننا ہے کہ حکومت مختلف طرح کا لون دیتی ہے کسان لون، ایجوکیشن لون، مطلب عوام کو کام کرنے کے لئے، کسان ہیں تو کھیتی کرسکیں، طلبہ ہیں تو پڑھ سکیں اور ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ اتنے وقت تک آپ کو رقم ادا کرنی ہے، مقررہ وقت کے بعد کچھ زیادہ رقم کا مطالبہ کرتی ہے حکومت، تو وہ زیادہ رقم کا مطالبہ بطور تاوان وسزا کے کیا جاتا ہے، کیونکہ لوگ اگر لون لیتے رہیں اور مقررہ وقت پر ادا نہ کریں تو حکومت کا نظام خراب ہوگا اور مزید زیادہ لوگوں کو استفادہ کا موقع نہیں مل سکے گا۔ تو زیادہ رقم کا مطالبہ بطور تاوان وسزا کے کیا جاتا ہے تو اس سلسلہ میں میری مقالہ نگار ان حضرات سے گزارش ہے کہ آپ اس پر نظر ثانی کریں۔

مولانا نثار عالم ندوی :

سوال ۱۰ میں جو الفاظ ذکر کئے گئے ہیں ''غلط بیانی '' یہ لفظ ہی غلط ہے۔ غلط بیانی کا مفہوم کچھ اور ہوجاتاہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہم قانون، حکومت کے قانون کے خلاف اورقانون کو توڑ کر اسکیم سےاستفادہ کریں ہم، اس کا یہ مطلب نہیں ہے، اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے حیلہ اور چالبازی اورہوشیاری سے کام لینا، اس کا مصداق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکومت جو اسکیمیں ہمارے لئے فکس کرتی ہے وہ حکومت کے پیسے نہیں ہیں وہ عوام کے پیسے ہوتےہیں جو ٹیکس کی صورت میں مختلف ترجیحات کے اصول پر حکومت کرتی اور ہماری ترقی کے لئے مختلف اسکیمینچلاتی ہیں، لیکن ان اسکیموں کو تقسیم کرنے مینحکومت کے پاس عادلانہ اور منصفانہ کوئی رول نہیں ہے، بلکہ وہ انسان کی کوشش اور محنت کےاوپر انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ او راس سلسلہ میں عملی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہمارےبرادران ملت مکمل طور پر غلط بیانی کرکے کس طرح سے ان اسکیموں کو لوٹ کھسوٹ رہے ہیں اور اس کو کس طرح سے استعمال کررہے ہیں۔ وہ پورے ملک کے سامنے موجود ہے

اوردوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت جب بھی کوئی مسلم شخص ان اسکیموں سے استفادہ کی کوشش کرتا ہے تو ذرا ذرا سی بات پر مختلف بہانوں سے ان اسکیموں کو رد کیاجاتا ہے اورپھر اس کے اندر اور وہ ان اسکیموں کو رد کرنے کے لئےشاید اتنا حیلے استعمال کرتےہیں جتناہم اسکو حاصل کرنے کے لئے بھی نہیں کرسکتے ہیں۔ ایسی صورت مینکیا غلط بیانی سے اپنے کاغذا ت کو داخل کریں تو کیا اس کو غلط بیانی کہا جائے گا؟ اور یہ بھی صحیح ہے عملی طور پربات ہے کہ بغیر غلط بیانی کے آج کے ماحول میں خاص کر اس ماحول میں او راس ملک میں ان اسکیموں سےاستفادہ کرنا ناممکن سا نظر آتا ہے عملی طور پر، اور بغیر رشوت کے بھی نہینہوتا ہے۔ میں عملی طور پر اپنا خود تجربہ بتارہا ہوں کہ ایک اسکیم کےتحت جب ہم بات کررہے تھے بینک منیجر صاحب سے تو وہ دینے کےلئے تیار نہیں تھے ،لیکن جب ہم نے ان سےبات کی کہ بھائی کچھ لےلیجےتوفوراً وہ ٹین پرسینٹ (١٠%)پر راضی ہوگئے تو یہ عملی طورپر ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے یہاں کا ایک گروپ جو ہے اس کولوٹ کھسوٹ رہا ہے اوراگرہمارے لئے یہ راستے مسدود ہیں، تو پھرایک امت کے لئے اقتصادی طورپر پیچھے رہ جانا بڑے خسارہ کی بات ہوگی، اور اقتصادیات کی بھی شاید شریعت مینایک اہمیت ہے۔

مولانا زید مظاہری صاحب (استاذ ندوۃ العلماء):

سوال ٢ کے تعلق سے۔ اس سوال کے جواب کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ معاملے کے دوپہلو ہیں ایک نفس تعدی، یعنی وقت مقررہ پرادائیگی نہ کرنے کی صورت میں قرض میں لی ہوئی رقم سے زائد سود دینا، زائد رقم، یعنی سود دینا یہ تو حرام ہے اور اس صورت میں حرام کا گناہ ہوگا ۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وقت مقررہ پر رقم کی ادائیگی کردی جائے اور زائد رقم نہ دینا پڑے تب بھی چونکہ نفس عقد اور صلب عقد میں ربا کا تذکرہ ہے اور یہ خود ناجائز اور معصیت ہے، اس صورت میں سود کے لین دین کا گناہ نہیں ہوگا، لیکن عقد ناجائز کا گناہ ہوگا، یہ بات حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمائی۔

مفتی جنید عالم ندوی صاحب (پٹنہ):

سوال ٣ میں یہ ہے کہ اضافی رقم جو دینی پڑتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ عام قرضوں میں اور حکومت سے جو قرض لئے جاتے ہیں ان میں فرق ہونا چاہئے۔ عام قرضوں میں تو اضطراری حالت میں گنجائش دی جائے سودی قرض لینے کی، لیکن حکومت سے جو قرض لیتے ہیں چونکہ حکومت تمام شہریوں کی ترقی کے لئے ، فلاح وبہبود کے لئے اپنے خزانے میں رقم رکھتی ہے، اس لئے حکومت سے جوقرض لیے جاتے ہیں وہ اضطراری حالت کے علاوہ جو درمیانی حالت میں ہے اس میں بھی گنجائش

رکھنی چاہئے۔ جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب نے ‘‘نظام الفتاوی ’’ میں اس کو یہ کہا ہے کہ ضروری اخراجات قرار دیئے جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو حالات ہیں ان حالات میں پیسہ رہتے ہوئے بھی مکان بنانا، تجارت کرنا بڑا مشکل ہے، مکان بنائینگے فوراً سوال ہوگا کہ پیسے کہاں سے آئے ہیں، اس لئے لوگ مجبور ہوکر پیسے رہتے ہوئے بھی حکومت سے قرض لیتے ہیں سودی قرض لیتے ہیں جو مجبور ہیں، اس لئے میر ےخیال سے حکومت سے قرض لینے میں کچھ گنجائش اور کچھ سہولت رکھنی چاہئے۔

سوال نمبر ٨، اس میں یہ ہے کہ جو درمیان میں واسطہ بنتےہیں وہ لوگ ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں یا دینے اور لینے کا جو معاملہ طے ہوتا ہے اس کے مطابق معاملہ کرتے ہیں اس سلسلہ میں ایک تو یہ ہے کہ مدت مجہول ہوتی ہے اور دوسرے میں یہ ہے کہ عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے۔ اس کی وجہ سے قفیز طحان والی روایت کو سامنے رکھ کر اس صورت کو ناجائز ہونا چاہئے۔ لیکن چونکہ اس میں عرف عام ہے او رعرف عام کی وجہ سے بہت سارے مسائل ہیں جن میں مدت بھی مجہول اجرت بھی مجہول اور عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے پھر بھی اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہ مدت جب مدت مجہول ہو تو وہ جہالت مفسد اجارہ ہے جو مفضی الی النزاع ہو، لیکن جو مفضی الی النزاع نہ ہو، وہ جہالت مفسد اجارہ نہیں ہے، جہاں تک یہ مسئلہ کہ عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے، جیسا کہ قفیز طحان والی روایت ہے ، تو اس سلسلہ میں علامہ شامی نے ‘‘شرح عقود رسم المفتی ’’ میں بہت اچھی بحث کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ عرف عام کی وجہ سے روایت کا ترک جائز نہیں، لیکن عرف عام کی وجہ سے روایت کی تخصیص جائز ہے، اگر قفیز طحان پر ہی عرف عام ہوجائے او روہاں پر عرف پر عمل کیا جائے تو یہ روایت کا ترک لازم آئے گا، لیکن اگر قفیز طحان والی روایت کی علت کو سامنے رکھ کر اگر دوسری صورت ناجائز ہو اور وہاں پر عرف عام بن جائے۔ تو اگر اس صورت میں عرف عام پر عمل کرتے ہیں تو یہ عرف عام کی وجہ سے روایت کی تخصیص ہے، ترک نہیں ہے، اس لئے میرے خیال سے اس صورت میں اگر معاملہ طے پاجاتا ہے بشرطیکہ وہ واسطہ بننے والے وہ سرکاری آدمی نہ ہو جن پر وہ کام کرنا لازم ہے واجب ہے اور ان کی ذمہ داری ہے، دوسرے لوگ اگر درمیان میں واسطہ بن کر کام کرتےہیں تو میرے خیال سے اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

مولانا ارشد فاروقی صاحب (دیوبند):

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی شرائط کا مسئلہ زیر بحث ہے، بہت سے شرائط یقیناً ہندوستان کے ماحول میں مسلمانوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اس لحاظ سے کہ مذہبی رکاوٹ ہے او راس میں سود کا مسئلہ اور ممنوعات شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو جب ایسی اسکیمیں یا ایسے قوانین اس ملک کے لئے آئیں اور پاس

ہوں تو مسلم اداروں کی طرف سے نمائندگی کے طور پر صحیح تصویر اگر واضح کی جائے اور حکومتوں کو بتایا جائے کہ ان شکلوں کو اگر اس طرح کرلیا جائے تو سب کے لئے قابل استفادہ ہے اور مذہبی رکاوٹیں دور ہوجائینگی۔ تو ایک بڑا اقدام ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی اپنے تمام جو اہم چیزیں اس نے جاری کی ہے اس منصوبے میں اگر اسے بھی شامل کرے تو ایک اچھا قدم ہوگا۔ شکریہ۔

مولانا عثمان صاحب (گورینی):

سوال نمبر ۲ میں ہے کہ سرکاری اسکیموں سے استفادہ، جس میں وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں رقم زائد، یعنی اضافی رقم ادا کرنا پڑے۔ تو اس اسکیم سے استفادہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس میں دوپہلو ہیں ایک پہلو تو اس کا یہ ہے کہ وقت مقررہ پر رقم ادا کردی جائے سود ادا نہ کرنا پڑے اس اعتبا رسے یہ جائز ہے، لیکن چونکہ قرض میں سود کی شرط لگی ہے اس اعتبا رسے یہ معاملہ کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے اور فقہاء نے بھی صراحت فرمائی ہے:''القرض بالشرط حرام والشرط لغو'' ۔ صاف صاف یہ مسئلہ بار بار ذکر کیا جاتا ہے تو جب یہ سوال نامہ پہنچا اور اس مسئلہ پر میں نے غور کیا تو مختلف عبارتیں دیکھی مختلف مقامات دیکھے، پھر اس اشکال کا حل نکالا اور میں نے اس کے جواز کی طرف نشاندہی بھی کی، لیکن معلوم نہیں کیوں عارض نے او راسی طرح سے تلخیص مقالات میں جو کہ ایک اہم جزء تھا کہ یہ جائز ہے، تو اس پر یہ اشکال ہوتا ہے اور اس اشکال کا جواب ہے اس کی طرف بہرحال توجہ دلانی چاہئے، اس کو عرض کرنا چاہئے۔ بہرحال اس کا جواب جو ہے میں نے اس کو اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے، مقالہ اس وقت موجود نہیں پاس میں کہ اس کو پڑھ کر سنادوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ شرط کی دوقسمیں ہیں ایک شرط معلق ہے اور ایک شرط مبرم ہے، شرط معلق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو ایسا ہوجائے گا، نہیں ہوگا تو نہیں ہوگا، اور شرط مبرم میں یہ ہے کہ اس معاملہ کے ساتھ شرط لازم ہے، بہرحال اس کو پایا جانا ہے، جیسے قرض لیا جائے تو شرط لگے کہ قرض لینگے تو سود دینا پڑے گا۔ اور ایک یہ ہے کہ اگر وقت مقررہ پر ادا نہیں کیا گیا پھر تو سود دینے کی نوبت آسکتی ہے، لیکن لازم نہیں ہے، تو اس مسئلہ میں علامہ شامیؒ نے خیار شرط کی بحث میں جہاں یہ مسئلہ آتا ہے کہ تین دن کی شرط لگانا جائز ہے او رتین دن سے زیادہ کی شاید شرط لگانا جائز نہیں۔ اس مسئلہ پر بحث کیا کہ یہ معاملہ کرنا جائز ہے کہ نہیں جائز ہے، فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر چار دن کی یا پانچ دن سے زائد کی شرط لگائی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر تین دن کے اندر ادا کردیا تو جائز ہے تین دن کے بعد اگر تاخیر پائی گئی تو یہ فاسد ہے، جائز نہیں ہے اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابتداء عقد یا معاملہ یہ جائز ہے کی نہیں، جائز ہے، اس میں علامہ شامیؒ نے لکھا کہ اس

میں اختلاف ہے اور اہم فقہاء کا اختلاف لکھا ہے، ابن ہمامؒ بھی جواز کے قائل ہیں کہ معاملہ کرنا جائز ہے۔ اوراسی طرح سے بہت فقہاء نے اور اصول وضوابط سے بھی اس کا جواز مستفاد ہوتا ہے جو میرے مقالہ میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

مولانا عبد الباسط صاحب قاسمی (ممبئی):

بینک یا حکومت کو قرض پر دی جانے والی زائد رقم کو اپنی مقدار کے اعتبار سے سروس چارج کہلا سکتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ نے جو منی آرڈر کے سلسلہ میں ''امداد الفتاوی '' میں تحقیق لکھی ہے او را س سے استفادہ کرکے منتخبات ''نظام الفتاوی '' میں حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے سرکاری اور اقتصادی اسکیموں کے فتوونمیں ایسے چارج کو سروس چارج قرار دیا گیا ہے، گوکہ اس کا نام انٹرسٹ یا سود صراحت کے ساتھ موجود ہو، لیکن وہ انتظامی خرچ کے دائرہ میں آسکتا ہو تو اسے انتظامی خرچ مانا جائے گا، اس سلسلہ میں ''امداد الفتاوی '' کے وہ فتاوی اور مفتی نظام الدین صاحب کا وہ فتوی بھی سامنے رہنا چاہئے، عرض مسئلہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس لئے میں نے تذکرہ کردیا ہے۔

سوال نمبر ١٠ جس میں غلط بیانی کے تعلق سے بات ہے کہ ساری اسکیموں میں انتظامی بنیادوں پر کچھ شرائط ومعیارات ہوتے ہیں، جیسے کاغذات وغیرہ، اور شرعی معیارات جو طے ہوتے ہیں وہ ضرورت واحتیاج کی بنیاد پر ہوتے ہیں، اگر کوئی مستحق ہو سرکاری اسکیموں کا اور قانونی طور پر شرعی معیارات پورے نہیں کرسکتا ہو تو جیسے بہت سے ایسے مسائل ہیں جہاں انتظامی مسائل الگ ہیں، لیکن شرعاً گنجائش دی گئی ہے۔ جیسے آج کل قانونی طور پر حج وعمرہ کے لئے شرط رکھ دی گئی ہے کہ چالیس سے کم عمر والوں کو عمرہ کا ویزہ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں اگر کسی بھی عمر کا آدمی کسی حیلہ سے عمرہ کرنے چلا جائے تو اس کو کوئی گناہ اور ناجائز قرار نہیں دیا جاتا۔ ناجائز نہیں کہتا ایسے ہی سرکاری ملازمت کے تعلق سے بھی کتب فقہ میں فتاوی موجود ہیں کہ اگر سرکاری ملازمت حاصل کرنے کےلئے کسی طرح کا حیلہ یا کذب بیانی کی جائے اور وہاں پر حقدار ہو محض تعصب کی بنا پر اور معیار ہونے کے باوجود ترجیحات کی بناء پر اگر وہ ملازمت چھوٹ رہی ہو تو اسے حاصل کرنے کے لئے ایسے حیلہ کا اور معمولی درجہ کے غلط بیانی کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اس لئے چند شرائط کے ساتھ میں عزت وآبرو کے تحفظ کے ساتھ میں اور شرعی معیار پورے ہونے کے ساتھ میں اگر کوئی اس طریقے کی کارروائی ہوتی ہے کہ قانوناً گرفت نہ ہو تو اس میں گنجائش ہونی چاہئے۔

اسی طریقہ سے سوال ١٢ کے سرکاری اسکیموں سے متعلق ہے کہ ایسی اسکیمیں جس کے اندر محض سود کی رقم جمع کرکے اداروں کو، یا تعلیمی اداروں کو، اشخاص کوا

جازت دی جاتی ہے ا س سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اس کو بھی مطلقاً جائز ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں بھی منتخبات میں حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے بہت طویل بحث کی ہے اور پراویڈنٹ فنڈ کے معاملہ کے اندر اس بحث کو بنیاد بنایا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اندر جو صراحت انٹرسٹ کی ہوتی ہے وہ حقیقت میں انٹرسٹ ہوتی ہے، لیکن اس انٹرسٹ کا حصول اصل ملازم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے وہ سرکاری محکمہ یا کمپنیاں اپنے طور پر معاملات کرکے اس کو حاصل کرتی ہیں اور خود مالک بنتی ہیں او رمالک بننے کے بعد اپنے ملازم کو دیتی ہیں۔ تو اس طریقے سے حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے اس کو طیب اور حلال قرار دیا ہے، اس لئے اس کو بھی مطلقاً جائز ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس میں جو نفع اٹھانے والے حضرات ہیں ان اسکیموں سے ان کا براہ راست سودی معاملات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اس لئے اس کے جواز میں بھی کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

زیر بحث مسئلہ میں چند امور ملحوظ رکھے جانے چاہئیں، ایک تو یہ کہ گورنمنٹیں جو ترقیاتی اسکیمیں بناتی ہیں ظاہر ہے اس کے یہاں شرعی اصول ملحوظ نہیں ہونگے، کہ کونسی صورت ان کے لئے جائز ہوگی اور کونسی صور ت ناجائز ہوگی، اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ جہاں شرعی سود نہیں ہوگا وہاں وہ انٹرسٹ کا خانہ لکھ دینگے کہ اس سے زائد رقم بطور انٹرسٹ کےلی جائے گی، اس لئے اس پر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ جہاں گورنمنٹ کے قانون میں انٹرسٹ لکھا گیا، کیا وہ واقعی شرعی طور پر انٹرسٹ بنتا بھی ہے یا نہیں؟ اس بات کا امکان ہے کہ وہ جس چیز کو کہہ رہے ہیں انٹرسٹ اور شرعی طور پر وہ سود نہ ہو اس کی مثال پراویڈنٹ فنڈ کی اضافی رقم بھی ہے جس کو شبہ ربا تو کہا گیا حقیقت ربا نہیں ہے۔ تو ایک تو اس بات کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے کہ گورنمنٹ اپنی اسکیمیں بنانے میں شرعی ضوابط نہ جانتی ہیں نہ ملحوظ رکھینگی۔ اور دوسرا نکتہ یہ سامنے رہنا چاہئے کہ آج کے اس کرپشن کے دور میں اور خاص طور پر گورنمنٹ کے دفاتر میں جو رشوت ستانی ہے اور معمولی کاموں کے لئے جو مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں اس صورت حال کے اندر جائز اسکیموں سے بھی استفادہ کرنا آسان نہیں ہے اور اس کی مثالیں سب لوگوں کو پیش آتی رہتی ہیں کہ اسکیم بالکل درست ہے اس سے نفع اٹھانے والا اس کا حقدار ہے، مگر درمیان کے لوگ چاہے وہ گورنمنٹ کے افراد ہوں اور چاہے وہ درمیان کے ایجنٹ ہوں وہ اس معاملہ کو اتنا مشکل بنا دیتے ہیں کہ آدمی اسکیم لینے والا تھک ہار کرکے سوچتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں پڑا ہی کیوں۔ اور اس بیچ میں اس سے مطالبے ہوتے ہیں کہ اگر تم اتنے فیصد ادا کردوگے تو تمہارے لئے آسانی ہوگی، اور دفتری طوالتوں سے تم بچوگے اور فائلیں بہت جلدی سے آگے چلینگی اور جلدی سے آرڈر

ہوجائے گا۔ تو اب یہ جو درمیان کے لوگ ہیں ان درمیان کے لوگوں کو دی ہوئی رقم کو ہم رشوت کہیں یا ان کے عمل کا معاوضہ کہیں یا اجرت کہیں اور اس کے نتیجے میں اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے کو ہم ناجائز کہیں۔ اس پر بھی غورکیا جانا چاہئے، کہ اتنی جلدی ناجائز ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے، جن صورتوں میں گورنمنٹ کی طرف سے معافی ملتی ہے رقم کچھ کم کردی جاتی ہے سبسڈی کے طور پر اور اضافی رقم مانگی جاتی ہے تو اضافی رقم اس سبسڈی کے مقابلے میں تسلیم کی گئی، جیسا کہ اس سے پہلے بار بار یہ فیصلے ہوئے ہیں۔ تو جب وہاں یہ شکل اختیار کی گئی تو جن صورتوں میں بہت معمولی اضافی رقم لی جارہی ہے اس کو سود کے دائرہ میں نہ لاکر سروس چارج کے دائرہ میں اگر لایا جائے تو اس سے مسلمانوں کو ان ترقیاتی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی راہ کھل جائے گی، جن سے فائدہ نہیں اٹھا پارہے ہیں، ترقیاتی اسکیموں سے زیادہ تر تعلق مثلاً مکان بنانے سے، مثلاً جانور پالنے سے، مثلاً تعلیمی خرچو نسے ہے، تو اب اگر یہاں معمولی شبہ کی بنیاد پر ناجائز ہونے کے فیصلے کردیئے گئے اور حقیقتاً سود نہیں تھا، لیکن ہم نے اس کو سود کے دائرہ میں لایا۔ تو اس کے نتیجے میں اور زیادہ مشکلات ان بھائیوں کے لئے پیدا ہوگی جو اپنے بچوں کو مثلاً تعلیم دلانا چاہتےہیں یا اپنے گھر میں باغبانی کرنا چاہتے ہیں یا اس طرح کی کوئی دوسری ترقیاتی اسکیم۔ ان تمام امور کو پیش نظر ضرور رکھا جانا چاہئے۔ تاکہ فیصلے کرنے میں ایک طرف سے شریعت کے ضوابط ملحوظ رہیں اور دوسری طرف سے امت کے لئے یسر پیدا ہو اللہ کرے یہ بات ہم سب کے یہاں ملحوظ رہے اور ہم صدق وصواب تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔

مولانا فیاض عالم قاسمی (قاضی ناگپاڑہ ممبئی):

حکومت کی طرف سے جو قرضہ فراہم کیا جاتا ہے اس کی نوعیت عام قرضہ کی طرح نہیں، کیونکہ عام قرضہ میں مقروض کی حصہ داری نہیں ہوتی ہے، یعنی قرض دینے والا، قرض دینے والے کی خزانہ کی حیثیت کیا ہے اس پر بھی ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے، عارض نے بھی اس مسئلہ پر بحث نہیں کی ہے، کیونکہ حکومت کی طرف سے جو قرضہ فراہم کیاجاتا ہے اس میں خود مقروض کی حصہ داری ہوتی ہے، حکومت اپنے گھر سے قرضہ فراہم نہیں کرتی ہے، بلکہ خود ہمارے ہی پیسوں سے ہمارے ہی خزانے سے ہم کو قرضہ فراہم کرتی ہے، مثلاً ٹیکس، تاوان، جرمانہ، معدنیات اور جنگلات وغیرہ سے قرضہ فراہم کیا جاتا ہے، اس اعتبا رسے حکومت کا خزانہ گویا خود ہمارا خزانہ ہے، اس لئے تجاویز مرتب کرتے وقت اس حیثیت کو بھی ذہن میں رکھا جائے، میرے خیال سے سود کے تعلق، ایک تو یہ ہے کہ سود لینا یہ حرام لعینہ ہے، لیکن سود دینا، اس میں یہ حرام لغیرہ ہے اور اس میں کچھ گنجائش ہے، لہذا جب ہم خود اپنے خزانے سے استفادہ کررہے ہیں اور حکومت اس کو قرضہ کہہ رہی ہے یا حکومت اس کو انٹرسٹ

کے نام سے ہم کو دے رہی ہے، تو اس میں کچھ گنجائش ہونی چاہئے، تجاویز مرتب کرتے وقت اس حیثیت کو بھی ذہن میں رکھا جائے۔

مولانا ظفر اللہ صاحب ندوی:

سوال نمبر ۸، ۹ کے متعلق یہ عر ض کرنا ہے کہ واسطہ بننے والے کے محنتانہ لینے کو جائز اور ناجائز کی بات کہی گئی ہے، اس وقت مرکزی سرکار کی طرف سے غریبوں کے لئے مکان کی اسکیم چل رہی ہے او ریہ اسکیم ۲۰۲۲ تک نافذ ہوگی، اس میں پچاس فیصد تک محنتانہ وصول کرنے کی بات کہی گئی ہے اگر کوئی شخص پچاس فیصد، اسکیم کا اگر آدھا حصہ دے دیتا ہے تو اس کے لئے مکان ملنا یقینی ہوتا ہے اور اگر کوئی اس سے کم دے گا تو اس کے لئے یقینی نہیں ہوگا۔ مقالہ نگاروں نے اجرت مثل لینے کوجائز قرار دیا ہے۔ بعض لوگوں نے ایک حصہ کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کی حد طے نہیں کی گئی ہے کہ یہ کہاں تک جائز ہے، یعنی کس حد تک، کس مقدار تک اس کو جائز قرار دیا جائے، صورت حال یہ ہے کہ اگر پچاس فیصد تک ادا نہ کیا جائے تو اس اسکیم سے استفادہ ممکن نہیں ہے، اس پہلو پر بھی ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اس اسکیم میں واسطہ بنتے ہیں وہ افسروں کی طرف سے بھی محنتانہ لیتےہیں اوراسکیم حاصل کرنے والوں سے بھی محنتانہ لیتے ہیں، تو کیا یہ شکل جائز ہے یا ناجائز ہے یا اس کی کیا حیثیت ہے اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے ..... (آواز غیر واضح تھی) پچاس فیصد تک اگر محنتانہ نہیں ملے گا تو اس اسکیم سے استفادہ کرنا غیریقینی ہوگا اور اگر پچاس فیصد محنتانہ، یعنی اسکیم کا حصہ دیدیا جائے تو اس سے استفادہ کرنا یقینی ہوگا، اب صورت حال یہ ہے کہ اگر کسی کو مکان کی سخت ضرورت ہے تو اس کو جتنا ادا کرنا پڑے اس کے لئے اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، یہ میرا خیال ہے ۔ جزاکم اللہ۔

مفتی عقیل مظاہری:

سوال ۷، ۸، ۹ کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے، سوال ۷ کا تعلق درمیان میں واسطہ بننے والے کے محنتانہ لینے اور دینے سے متعلق ہے، سوال ۸ کا تعلق حاصل شدہ رقوم سے حصہ لینے اور اس کا معاملہ کرنے سے متعلق ہے اور سوال ۹ کا تعلق سرکاری قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دینے سے متعلق ہے، اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کی جو آراء آئی ہیں وہ چار رائے ہیں پہلی یہ کہ مطلقاً جائز ہے، دوسری یہ ہے کہ عام شخص ہے تو اس کے لئے جائز ہے اور اگر حکومت ہی کے افراد میں سے ہو تو ناجائز ہے، تیسری یہ آئی ہے کہ اگر سودی قرضے ہیں تو ان میں ناجائز ہے اور اگر غیر سودی قرضے ہیں تو ان میں درست ہے، تو ان قسموں، ان تین رائیں جو آئی ہیں ان میں کسی شرط کے ساتھ یا مطلقاً لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن سوال ۸ یہ ہےکہ

بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتےہیں یا لینے اور دینے کامعاملہ کرتے ہیں تو اس میں اگر لینے کی گنجائش ہو تو اس شرط کے ساتھ ہو نا چاہئے کہ پہلے سے معاملہ طے نہ ہوا ہو اگر لینے اور دینے کا معاملہ کیا گیا تویہ قفیز طحان کی صورت میں ہوکر کے ناجائز ہونا چاہئے، جیسا کہ کتب فقہ میں موجود ہے اور اگر بغیر معاملہ کے لین دین ہوا ہے تو پھریہ جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ ہمارے اکابرین کے فتاوی میں یہ بات ہے، لیکن ان چاروں رایوں میں سے سوال ۸ کے بارے میں اس کی وضاحت نہیں آئی ہے، تو یہ سوال ۷ ، ۸اور ۹ میں مشترکہ طو رپر اگر لینے کی کوئی گنجائش ہے توآٹھویں سوال کو مدنظر رکھتے ہوئے معاملہ کوطے کرنے اور نہ کرنے کے اعتبا ر سے اس میں فرق ہونا چاہئے، جزاکم اللہ۔

مولانا اسماعیل مظاہری :

سوال ۱۰ .....(آواز غیر واضح تھی) حکومت کی طرف سے امدای رقوم حاصل ہوتی ہے مستحقین حضرات کا جہاں تک تعلق ہے ان کے لئے تو گنجا ئش نکالی گئی، لیکن بعض مقالہ نگار کی طرف سے ان حضرات کے لئے بھی جو غیر مستحق ہیں او رملک کی موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے ان کے لئے بھی اجازت دی گئی ہے کہ غلط بیانی سے کام لیا جاسکتا ہے، تو ارباب اکیڈمی سے ادباً درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر غور فرمائیں، کیونکہ اکیڈمی کا مقصد سہولیات کو فراہم کرنا ہے، نہ یہ کہ غیر ضروری چیزوں کو بھی مباح کی طرف لے کر جانا، اگر غیر مستحقین افرا دکے لئے بھی ادنی قسم کی گنجائش نکال لی جائے تو وہ تمام نصوص جن میں سچائی کی طرف رغبت دلائی گئی اور جھوٹ سے پرہیز کرنے کا حکم دیاگیا۔ ان سب کی مخالفت صراحتاً لازم آئے گی، اس لئے اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور جو حضرات واقعتاً غیر مستحق ہیں ان کے لئے ایسی رقوم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، جزاک اللہ۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

مولانا روح الامین صاحب نے ایک پرچی بھیجی ہے، انہوں نے اپنی بات لکھ کر بھیج دی ہے کہ:

''مفتی زید صاحب نے حضرت تھانوی کی بات جو نقل فرمائی ہے اس میں اضافہ بھی مناسب ہے کہ جب شرط فاسد کی وجہ سے عقد فاسد ہو تو فقہاء اس کی دو علت ذکر فرماتے ہیں: نمبر ایک ربا کو مستلزم ہونا ، نمبر دو مفضی الی النزاع ہونا، فقہ البیوع میں دوسری علت ہی کو راجح قرا ردیا گیا ہے، کیونکہ فقہاء نے شرط فاسد کو تعامل کی وجہ سے جائز قرا ردیا ہے، اس لئے کہ تعامل کے بعد نزاع نہیں ہوتا ہے، حالانکہ ربا تعامل کی وجہ سے بھی جائز نہیں ہوتا ہے ''۔

مولانا عتیق احمد بستوی ،مفتی ذکاء اللہ

ان کی بات آگئی، اور مفتی ذکاءاللہ صاحب نے ایک پرچی بھیجی ہے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار تو کیا ہے، لیکن بندوق کسی اورکے کندھے پررکھ دی ہے، سرکاری اسکیموں سے استفادہ کو جائز کرنے کی رائےان کی ہے، لکھا ہے کہ ''ہمارے ملک میں بریلوی کا ایک بڑا طبقہ اس ملک کے نظام کو دار الحرب تصور کرتا ہے اور حکومت سے قرض اور بینک سے لون نیز سود کو رضامندی سے دینے کی بنیاد پر اس کو جائز سمجھتا ہے، بلکہ ان کے دار الافتاؤں سے اس کا فتوی بھی دیا جاتا ہے، اس لئے سرکاری اسکیموں کو ضرورت مند کے حق میں جائز کیاجانا چاہئے ''، ان کی رائے ہے جو انہوں نے بھیجی ہے۔

مولانا معین قاسمی:

اس وقت جوبحث چل رہی ہے، تو اس میں بہت سی اسکیمات ایسی ہیں کہ جس میں غلط بیانی سے استفادہ آسان ہوجاتا ہے، مثال کے طور پر یہ بتادیاجائے کہ ہمارےپاس فلاں کاسٹ کی سرٹیفکٹ ہے تو اس سے اسکیموں سےفائدہ اٹھانا آسان بھی ہوجاتا ہے، بلکہ ملنا یقینی ہوجاتا ہے، جیسے سروس ہے یا کسی ایجوکیشن میں یونیورسٹی وغیرہ میں داخلے ہیں یا اسی طریقے سے سروس وغیرہ، یا پھر اپنے مکانات کے لئے تجارت کے لئے زراعت کے لئے لون حاصل کرنا تو یہ اس قسم کا سرٹیفکٹ غلط بیانی کے زمرے میں آئے گا اور کیا یہ: ''الضرورات تبیح المحظورات '' کا مصداق بنے گا ؟ تو میں یہ عرض کررہا تھا۔

مفتی محمد بن اسلم رشید فلاحی پالنپوری:

سوال ۵ میں اگر سرکار کی طرف سے دیئے جانے والے قرض پر لی جانے والی رقم کا اوسط معمولی نہ ہو تو اس کے جواب میں مقالہ نگاروں کی دو رائے ہیں، عدم گنجائش اور گنجائش تو اس سلسلہ میں عدم گنجائش اور عدم جواز کے قائلین کی رائے زیادہ پختہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سود کی حرمت منصوص ہے اور منصوص کو بغیر کسی اضطراری ومجبوری کی بنیاد کے جواز فراہم کرنا یہ صحیح بات معلوم نہیں ہوتی ہے، اور میں نے اپنے مقالے میں ڈاکٹر عبد الحمید محمود طہاس کی کتاب ''الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید '' کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ''فالربوا حرام فی کل صورہ وأشکالہ سواء کانت الزیادۃ کثیرۃ أو أم قلیلۃ، وسواء کان الاستقراض للاستثمار أو للاستہلاک''، یہ پوری عبارت ہے اس عبارت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ سود کی ہر صورتیں حرام ہونی چاہئیں، لہذا عدم جواز کے قائلین کی رائے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کا مزاج یہ ہے کہ اس نے جہاں گناہ سے روکا ہے، اس نے گناہ کی طرف لے جانے والے اسباب اور جو دواعی ہوتےہیں ان سے بھی روکا ہے، اس لئے جیسے زنا سے

روکا ہے تو زناکی طرف لے جانے والے جو اسباب ہیں جو بدنگاہی وغیرہ ان سے بھی روکا ہے تو یہاں جو ہے سود کی طرف لے جانے والے اور سودکی عادت ڈالنے والی جو چیزیں ہیں ان سے بھی آدمی کو روکا جانا چاہئے۔ لہذا عدم جواز کے قائلین کی رائے بہتر ہے۔

مولانا اعجاز الحسن صاحب بانڈیر کشمیر:

''حکومتی اسکیموں سے مسلمانوں کے استفادہ میں غلط بیانی کے الفاظ کے بجائے مناسب تعبیر اختیار کرنے کی گزارش ہے ''۔

مولانا محمد جنید پٹیل صاحب (سورت):

حکومت کی مختلف اسکیم سے جو اقلیت کےلئے چل رہی ہے اس کے بارے میں عوام تو عوام یہاں موجود خواص امت بھی ناواقف ہیں تو فقہ اکیڈمی ماہرین کی کمیٹی بناکر اس پر کام کرکے عوام وخواص کو ان اسکیموں سےواقف کرائیں۔ امت پر یہ بڑا احسان ہوگا۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

میں سمجھتا ہوں کہ سارے کام اکیڈمی کے ذمہ نہ کیجئے کچھ آپ حضرات بھی کام کریں جو اس طرح کے کام ہیں تو اب تک جو نام بھیجے گئے تھے سب میرے پاس آکر مکمل ہوگئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جتنے حضرات بھی خواہشمند تھے اظہار خیال کے ان کی آراء سامنے آگئیں، یہ جو ابھی مفتی جنید پٹیل کی طرف سے بات آئی، اس بارے میں یہ عرض ہے کہ ابھی اکیڈمی کی طرف سے ایک چیز تیار کرائی گئی ہے ''سرکاری اسکیموں سے استفادہ ایک مختصر نوٹ '' عبد الرشید اگوان صاحب نے اس کو تیار کیا ہے کہ کیا کیا اسکیمیں چل رہی ہیں تو جائز ناجائز کا فیصلہ تو آپ فرمائینگے، لیکن جو اسکیمیں چل رہی ہیں اس وقت جن سے استفادے ممکن ہیں ان کی تفصیل اس کےاندر ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے شرکاء سمینار کو یہ تحریر پہنچ جانی چاہئے، تاکہ اس کی روشنی میں وہ واقف ہوجائیں اسکیموں سے، اب میں عرض کرتا ہوں مولاناخالد سیف اللہ رحمانی صاحب سے چند منٹ وہ اس موضوع کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں۔ پھر انشاءاللہ صدارتی کلمات اس کے بعد ہونگے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

اسلامک فقہ اکیڈمی نے اس سوالنامے کے مرتب کرنے سے پہلے سرکاری اسکیموں سے واقف حضرات کی اور ماہرین کی ایک باضابطہ نشست اکیڈمی کے دفتر میں بلائی تھی۔ وہ اسکیمیں جو عام نوعیت کی ہیں، وہ اسکیمیں جو اقلیتوں کے لئے ہیں، وہ اسکیمیں جن کا تعلق معاشی فلاح وبہبود سے ہیں، وہ اسکیمیں جن کا تعلق تعلیم اور علاج سے ہے، کوشش کی گئی کہ ان تمام اسکیموں کو سامنے رکھ کر فقہی اور شرعی اعتبار

سے جو نکات قابل بحث ہیں ان کی جو شکلیں اور صورتیں بنتی ہیں ان کی جو شقیں ہوسکتی ہیں وہ سوالنامے کی شکل میں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جائیں۔ ان صورتوں کو بھی شامل رکھا گیا جس میں بظاہر کلام کی بہت کم گنجائش تھی او راسی لئے کئی اسکیموں کے بارے میں آپ محسوس کرتےہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے، ان صورتوں کو ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت کے خزانے میں ہر طرح کا پیسہ آتا ہے، اس میں سود بھی ہوتاہے، اس میں شراب کی کمپنیوں اور دکانوں کے ٹیکس بھی ہوتے ہیں تو جن میں براہ راست حرمت کی کوئی شکل نہیں ہے کیا ہمیں ایسی اسکیموں سے بھی استفادہ کرنا چاہئے؟ تو ا س لئے ان سوالوں کو بھی شامل رکھا گیا، اسی ضمن میں یہ بحث آتی ہے کہ جو غیر مسلم ہیں وہ مخاطب بالفروع ہیں یا نہیں ہیں اور کوئی شخص جو بہت سارے مال کا مالک ہو اس میں غلبہ کا کثرت کا اعتبار ہوگا یا کوئی عنصر قلیل مقدار میں شامل ہو تو وہ بھی اس کے حکم پر اثر انداز ہوگا؟ تو اس لئے ان شکلو نکو بھی اس میں شامل رکھا گیا، دوسری طرح کی وہ شکلیں تھیں کہ جس میں سودکا پہلو یا رشوت کاپہلو یاکم سے کم اس کا شبہ پیدا ہوتا ہے تو کوشش یہ کی گئی کہ ان تمام شکلوں کا احاطہ ہوجائے، اکیڈمی نے اس سلسلہ میں جناب عبد الرشید اگوان صاحب سے ایک تحریر بھی مرتب کرائی ہے انشاء اللہ آپ لوگوں کے درمیان تقسیم کی جائینگی۔ جس میں مختلف اسکیموں کا ذکر ہے اور بعض مسلمان تنظیمیں اس پر باضابطہ کام کررہی ہیں ان کی ویب سائٹس موجود ہیں اس میں انہوں نے ایسی تمام اسکیموں کو جمع کردیا ہے، میرا خیال ہے کہ علماء کو ان اسکیموں سے واقعی واقف ہونا چاہئے، تاکہ ہم جب کوئی فتوی دیں تو وہ واقعی صورت مسئلہ کے مطابق ہو، واقعہ کے موافق ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر جو مناقشہ ہوا بہت عمدہ ہوا فقہ کی جزئیات سے بھی استدلال کیا گیا اور جو فقہی اصول ہیں ان کو بھی سامنے رکھا گیا۔

میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اقلیتی اسکیمیں حکومتوں کے یہاں کم ہیں بمقابلہ ان اسکیموں کےجو دلتوں کے لئےہیں اور دوسرے لوگوں کے لئے ہیں جو اقلیتی اسکیمیں ہیں ان کا بھی بجٹ بالخصوص ۲۰۱۴ سے کم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو بجٹ منظور ہوتا ہے اس کا اعلان کردیاجاتا ہے، لیکن اس اسکیم تک پہنچنے کو اتنا مشکل بنادیا جاتا ہے اور اتنی افسر شاہی سے گزرنا پڑتا ہے کہ بہت کم مسلمان وہاں تک پہنچ پاتا ہے، کچھ اس میں دخل ہماری ناواقفیت کا بھی ہے، ہماری ملی تنظیمیں اگر اپنے کام کے شعبہ میں ایک شعبہ یہ بھی رکھیں کہ جو مسلمانوں کے لئے مفید اسکیمیں ہوسکتی ہیں اور شریعت کے دائرہ میں آتی ہیں ان اسکیموں تک مسلمانوں کو پہنچائے تو یہ ایک بڑا کام ہوگا اور ہمارا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو تجویز میں اس کو بھی

پیش کرنا چاہئے کہ مختلف ملی تنظیمیں اپنے یہاں مسلمانوں کو جائز شرعی اسکیموں تک رسائی کو آسان بنانے کے لئے کوئی شعبہ قائم کریں۔

جہاں تک نفس مسئلہ کی بات ہے، مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمیں دوباتیں ضرور پیش نظر رکھنی چاہئے، ایک یہ کہ ایک شکل یہ ہے کہ آپ خود نظام بنائیں سسٹم بنانا آپ کےہاتھ میں ہو، وہاں یقینا ہمیں ایک مکمل آئیڈیل معیاری شرعی نظام بنانا چاہئے اور پوری قوت کے ساتھ اس پر جمنا اور لوگوں کو جمانا چاہئے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ بنے بنائے نظام کا حصہ بننے پر مجبور ہیں، آپ خود کوئی سسٹم نہیں بناسکتے، بلکہ جو سسٹم بنا ہوا ہے آپ اس سے وابستگی رکھنے پر مجبور ہیں۔ ہمیں ان دونوں حالتوں کا فرق پیش نظر رکھنا چاہئے۔ فقہاء نے جو ہمارے دار الاسلام اور دار الکفر کے احکام میں فرق کیا ہے شاید اس کی بنیاد یہی ہے کہ دار الاسلام میں مسلمان خود اپنے نظام حیات کا قالب بناتا ہے اور دار الکفر میں وہ ایک بنے بنائے نظام کا حصہ بننے پر مجبور ہوتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''أطیعوا ما استطعتم'' (جس قدر ہوسکے تم کو بہرحال اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر قائم رہنا چاہئے)۔ تو یہ دراصل جو دار الکفر میں بسنے والے مسلمان ہیں ان کے لئے یہ ایک ضرورت بن جاتی ہے اوراسی لئے ہمارے سلف صالحین نے اور بالخصوص ہمارے ماضی قریب کے اکابر علماء کے فتاوی میں اس کی جھلک ہمیں محسوس ہوتی ہے۔ دوسری قابل ذکر بات وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا ہمارے ایک دوست نے، شریعت کے احکام میں دونوں باتوں کو اہمیت حاصل ہے، مقاصد کو بھی اور اشکال کو بھی، عقد کی شکل کیا ہوتی ہے، عقد کا مقصد کیا ہے، یہ تو ٹھیک ہے احکام کی بنیاد حکمت ومصلحت پر نہیں ہوتی ہے، بلکہ علتوں پر ہوتی ہے، لیکن بہت سی جگہ ایسا ہوتا ہے زیادہ تر شکل پر حکم کی بنیاد رکھی جاتی ہے لیکن کبھی شکل کے مقابلہ میں مقصد کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ جو ہمارے یہاں اصول فقہ ہے، اس میں ایک اصل ہے استحسان، اور استحسان کی ایک قسم ہے استحسان بالمصلحت، استحسان بالضرورۃ۔ اگر آپ غور فرمائیں تو وہاں علت کو وقتی طور پر نظر انداز کرکے شریعت کے مقاصد ومصالح کو ترجیح دی جاتی ہے تویہ دونوں باتیں بنیادی ہیں۔ اب مثال کے طور پر یہ انٹرسٹ کی بات آتی ہے، اصل میں ہمارے یہاں جو بینکنگ قانون ہے بینکنگ نظام ہے اس کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ بینک کو انٹرسٹ لینا ہے اور بینک کو انٹرسٹ دینا ہے، اپنے مقروضوں سے انٹرسٹ لینا ہے اور اپنے کسٹمر کو انٹرسٹ دینا ہے اور ان کے یہاں حلال وحرام کا کوئی تصور نہیں ہے توا س لئے کوئی رقم اگر سروس چارج کے طو رپر بھی لیتے ہوں کتنی ہی کم رقم وہ لیتے ہوں جو عام طور پر کہیں حکومت یا بینک کے شرح سود میں اتنی کم رقم قبول نہیں کی جاتی ہو اور جس اسکیم کا مقصد مسلمان لوگوں کو روزگار سے لگانا ہو، بے مکان لوگونکو مکان فراہم کرنا ہو، تعلیم کی سہولت پیدا کرنا ہو اس کو بھی وہ انٹرسٹ کا

نام دیتے ہیں، اب آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں بہت سے عقود میں بھی ہبہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور نکاح کا معنی مراد لیا جاتاہے، وصیت کا لفظ کہا جاتا ہے، یا ہبہ کا لفظ، ایک دوسرے کی جگہ قرائن کی بنیاد پر معنی متعین کئے جاتے ہیں تو ہمیں جو حکومت کے مقاصد ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات متعین کرنی چاہئے کہ کیا حکومت نےہماری اصطلاح کے اعتبار سے ایک شرعی مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے، جیسے ہمارے بعض دوستوں نے مثال دی۔ پراویڈنٹ فنڈ پر جو انٹرسٹ دیاجاتا ہے اس کے سلسلہ میں جیسے ہمارے اکابر کے فتاوی موجود ہیں کہ اگر حکومت آپ سے انٹرسٹ لے اور سبسڈی دے اور یہ دونوں برابر ہوجائیں تو چاہے وہ اس کو انٹرسٹ کا نام دیں، مگر اس پر انٹرسٹ کا اطلاق نہیں ہوگا، تو یہ ایک دونوں اصولی باتیں ہیں او ران کو ہمیں پیش نظر رکھنی چاہئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حکومت کا اور ہمارا تعلق کیا ہے، جب ہم حکومت سے کوئی چیز لیتےہیں یا حکومت ہمیں کوئی چیز دیتی ہے تو ایسا نہیں ہے کہ ہم مکمل طور پر ایک فریق ہیں اورحکومت مکمل طور پر دوسری فریق ہے۔ ہم ایک فریق ہیں اور حکومت ایک ایسی فریق ہے جس میں ہماری شرکت ہے اگر آپ ایک بوتل پانی بھی لیتےہیں تو آپ حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں، ہمارے برادران وطن جتنا ٹیکس ادا کرتے ہیں اتنا ہی ٹیکس آپ بھی ادا کرتے ہیں۔ آپ اعداد وشمار دیکھیں جو اقلیتی اسکیمیں ہیں افسوس کی بات ہے کہ سکھ اور عیسائی جن کی آبادی کا تناسب بہت کم ہے ان کے استفادہ کا تناسب بڑھ جاتا ہے او رمسلمانوں کے استفادہ کا تناسب کم ہوتا ہے تو ہمیں کچھ اصولی باتوں کو سامنے رکھنا چاہئے، بہرحال ان دو تین نکات کی طرف ہم نے آپ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی کہ ہم اس بات کو بھی پیش نظر رکھیں کہ حکومت سے جو ہمارا معاملہ ہے وہ دو افراد کی طرح نہیں ہے، بلکہ ہم ایک فریق ہیں اور حکومت ایک ایسی فریق ہے جس کا جزء ہم بھی ہیں، ہمارا بھی اس کے خزانہ میں حصہ ہے، ہماری قوم کا بھی اس کے خزانہ میں حصہ ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم ایسا راستہ اختیار کریں کہ جو کھلا ہوا سود ہو اس کی اجازت دیدیں اور ایسا بھی نہ ہو کہ جو حقیقت میں سود نہ ہو، لیکن اس کو انٹرسٹ کا نام دیا گیا ہو اور ان لوگوں نے نام دیا ہو کوئی حکم لگادیں۔ یہ دوتین بنیادی باتیں ذہن میں آئیں جسے ہم نے آپ کے سامنے پیش کردیا ہے۔

مولانا عتیق احمدبستوی:

ابھی آپ کے سامنے بہت ہی بنیادی نکات مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے پیش فرمائے ہیں۔ د وتین تحریریں آئی ہیں جن میں اچھے نکات اٹھائے گئے ہیں۔ ایک تحریر مفتی شاہد علی قاسمی حیدرآباد کی ہے ، لکھتےہیں:''معمولی شرح سود والی اسکیم سے استفادہ کے جواز کی طرف اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے اور راقم کی بھی یہی رائے

ہے، اب سوال یہ ہے کہ معمولی شرح سود سے کیا مراد ہے؟ یہ پہلو زیادہ واضح نہیں ہوسکا۔ راقم کی رائے ہے کہ رقمی لین دین میں جو اخراجات مروج ہیں جیسے ویسٹرن یونین اور اس طرح کی رقمی لین دین کرنے والے ادارے لیتے ہیں اسے معیار بنایا جائے۔ دوسری بات سوکنیا اسکیم سے متعلق عرض ہے کہ ارباب افتاء اس کے بارے میں دو آراء رکھتے ہیں، اگر اس کا حکم بھی سامنے آجائے اور تجویز میں بھی اس کو شامل کیاجائے تو بہتر ہو۔ اور ایک تحریر ہے مولانا عبد اللہ خالد صاحب کی کہ تجویز میں حکومت سے بھی درخواست کی جائے کہ اسکیمیں بناتے وقت مسلمانوں کے جذبات کی رعایت کرتے ہوئے ان کے مذہب کے مطابق بنائی جائے۔ خاص کر جو اسکیمیں اقلیتوں سے تعلق رکھتی ہیں، مسئلہ تو یہ ہے کہ جو اسکیمیں مسلمانوں کے بارے میں ہے اقلیتوں کے بارے میں ہے اس میں خاص طور سے اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ اس میں ایسا کچھ شامل کردیا جائے کہ مسلمان خود اس سے گریز کریں۔ مولانا آزاد کے نام پر جو مولانا آزاد فنڈ ہے کیا ہے؟ مولانا آزاد فاؤنڈیشن کے نام سے۔ تو وہاں یہی ہے کہ حکومت نے ایک رقم گویا بینک میں ڈال دی، اب اس کے سود سے جوبھی امداد کرتی ہے اداروں کی، تعلیمی اداروں کی، وہ اس کے سود سے کرتی ہے، حالانکہ او ربے شمار اسکیمیں گورنمنٹ کی ایسی ہوتی ہیں کہ وہ رقم جو مختص ہوتی ہے بجٹ میں سے وہ براہ راست خرچ ہوتی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کو بینک میں محفوظ کردیاجائے او راس کے سود سے فائدہ اٹھایا جائے، تو افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی اس پوزیشن میں ہم نہیں ہیں، خدا کرے ہوجائیں کہ جب یہاں کی جو اسکیمیں ہیں جو پالیسیاں بنتی ہیں عوام کی فلاح کے لئے ، اس میں ہم دخیل ہوسکیں کہ وہ اسکیمیں ایسی ہوں جو ہمارے لئے قابل قبول ہو۔ میں نے ابھی آپ کو مثال دی کہ بھائی ہمارے کتنے لوگ سود سے اور بینک سے بہت دو ر تھے، بچے ہوئے تھے، لیکن اب جب یہ حکم آگیا نوٹ بندی کا تو سارے کے سارے لوگوں کو ملوث ہونا پڑا، اور وہا نسے معاملہ کرنا پڑا تو ابھی اس پوزیشن میں ہم نہیں ہیں، لیکن ہم مایوس نہیں ہیں یہ کوشش ہونی چاہئے کہ مسلمان طاقتور ہو سیاسی لحاظ سے اور ان کے جو جذبات ہیں ان کے جو خیالات ہیں یا ان کے جو مذہبی احکام ہیں ان کا لحاظ بھی ان اسکیموں میں کیا جائے۔ اور مولانا ثناء الہدی صاحب نے ایک تحریر بھیجی ہے ‘‘سرکاری اسکیموں سے استفادہ کی عملاً کوئی شکل، سود ورشوت کے بغیر عصر حاضر میں نہیں ہے، سرکاری خزانے میں ٹیکس دینے کی وجہ سے ہماری حصہ داری ضرور ہے، لیکن اس حصہ داری کا حصول ہمارے بس میں نہیں ہے، سود ورشوت کے ساتھ ہمارے لئے ان اسکیموں سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے، لیکن یہ دونوں ممنوعات شرعیہ میں سے ہیں، رشوت کو دلالی کی اجرت قرار دینا شرعاً درست نہیں معلوم ہوتا۔ دلالی اور چیز ہے اور یہ جو اسکیم میں سرکاری افسروں کو رشوت دلانے کے لئے یہ جو بچولیے ہیں اسے ان کی اجرت قرار دینا یہ درست نہیں،

یہ مولانا کی رائے ہے ''۔ تواب ایک نام صرف باقی بچا ہے اظہار رائے کے لئے اسی پر گویا مناقشہ مکمل ہوگا۔

مولانا محمد سعید اسعد قاسمی (امارت شرعیہ آسنسول):

میرا سوال واسطہ بننے والے کے محنتانہ لینے دینے کے بارے میں ہے کہ اگر یہ فیصلہ جواز کا ہوتا ہے جس طرح سے آراء آئی ہیں توایسی صورت میں اگر متعین کرلیں محنتانہ کہ دس فیصد یا بیس فیصد لیا جائے اور اس کے بعد وہ اپنی محنتانہ میں سے رشوت دے کر وہ حاصل کرتا ہے، سرکاری اسکیم سے فائدہ حاصل کرتا ہے او ررقم حاصل کرتا ہے او روہ اس شخص کو دیتا ہے جو صاحب معاملہ ہے توایسی صورت میں اس رشوت کے دینے میں کیا وہ خود مجرم ہوگا یا وہ شخص صاحب معاملہ بھی اس کےلئے مجرم ہوگا یا اس کی کیا شکل ہوگی؟ میرے خیال سے تجویز میں اس کو بھی واضح کرنا چاہئے۔ جز اک اللہ۔

صدارتی کلمات:

مفتی اشرف علی باقوی (امیر شریعت کرناٹک):

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد۔ اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، سرکار دوعالم ﷺ کے دربار گوہر بار میں درود وسلام، اس اہم اور فقہی اور تحقیقی علمی اور فنی مجلس میں جہاں ملک کے او ربیرون ملک کے اکابر علماء اور اصحاب تحقیق فقہاء، تجربہ کار اور تازہ دم اور تازہ علم نوجوان علماء بھی تشریف رکھتے ہیں، مجھ طالب علم کو یہ اعزاز بخشا گیا، میں اس پر ذمہ داران فقہ اکیڈمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، آج جس موضوع پر یہاں گفتگو ہوئی وہ سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں ہے، عرض مسئلہ سامنے رکھا گیا او رساری تفصیلات جو مقالات کی شکل میں اکیڈمی کے پاس پہنچی تھی ان کو مختصر طریقے پر نکات کی شکل میں سامنے لایا گیا، سن کر اندازہ ہوا کہ ہر مسئلہ میں اصحاب علم وفضل کی رائیں الگ الگ ہیں، مکمل طریقے سے سب کا اتفاق کسی بھی مسئلہ میں نظر نہیں آیا، ہر مسئلہ میں کچھ نہ کچھ رائے بدلی ہوئی ہے اور دلائل یقینا سب کے ساتھ ہیں سب کے پاس ہیں، قرآنی دلائل بھی، احادیث شریفہ بھی، فقہی عبارتیں بھی، بڑا اہم یا بہت ہی نمایاں چیز جو تھی وہ غلط بیانی کے سلسلہ میں تھی کہ اس میں بھی گنجائش نکال لی گئیں۔ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی نے اس کی نزاکت کی طرف اشارہ کیا کہ الفاظ کو اور ذرا صحیح کرلیا جائے گا اور غلط بیانی تو بہرحال غلط بیانی ہے اس کو کیسے صحیح قرار دیا جائے گا ؟

بزرگان محترم! ہمارے کرناٹک میں ایک اسکیم چلی ہوئی ہے اور حکومت گھروں کی تعمیر کررہی ہے اور سستے داموں میں اس کے حساب سے لوگوں کو دے رہی ہے مکان اور بہترین اس کا انداز ہے چوڑی سڑکیں ہیں، باغات ہیں، پارک ہیں، ساری سہولتیں

ہیں، اس میں ایک شرط یہ ہے کہ جو صاحب خریدنا چاہتے ہیں وہ اتنی رقم پہلے دینگے اس کے بعد جو بھی کرینگے، لیکن پہلی شرط یہ ہے کہ ان کا کوئی ذاتی مکان نہ ہو، اور اگر آپ غلط بیانی کی مجھے اجازت دیں تو میں ذاتی مکان رکھتے ہوئے اس میں یہ لکھوں کہ میرا کوئی ذاتی مکان نہیں ہے، اس لئے یہ سستا مکان مجھے ملنا چاہئے۔ تو یہ کیسے صحیح ہوگا؟ میری سمجھ میں تو نہیں آیا، اس لئے چاہے کوئی بھی صورت ہو غلط بیانی تو غلط بیانی ہے۔ بہرحال یہ حضرات اکابر بیٹھینگے او رساری تفصیلات کو سامنے رکھ کر اپنا ایک آخری قطعی فیصلہ دینگے، لیکن یہ کوئی بہت اچھی یا حضرات علماء کے لئے یا فقہ اکیڈمی کے لئے کوئی خوبی کی بات نہیں ہوگی کہ اس میں یہ فیصلہ کردیا جائے کہ گنجائش ہے، اس طرح سے، اس طرح سے اور اس طرح سے، غلط بیانی کی شکلیں نکالی جاسکتی ہیں، میں طالب علم ہوں، لیکن بہرحال اس کی کوئی گنجائش نہیں پاتا ہوں، او روہ جو بہت پہلے سے ایک بات آئی تھی کہ کیا فقہ اکیڈمی کی تاسیس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ناجائز چیز کو جائز کردیا جائے یہ تو نہیں ہے ظاہر ہے یہ، بڑی تحقیقات ہیں او ربہت زیادہ گہرائی میں جاکر فیصلے کئے جاتے ہیں، اس لئے اس انداز کے الفاظ سے بھی احتیاط برتنی چاہئے، علماء تو علماء عام آدمی بھی سوچے گا، تو پھر وہی بات ہوگی جو پہلے سے چلی آرہی ہے کہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر اپنا بیان بدلتے ہیں اور جو ان کے فائدے کے لئے ہوتا ہے اس طرح بیان دیتے ہیں اور پھر اس طرح وہ اپنا فائدہ حاصل کرلیتے ہیں۔

بزرگان محترم! فقہ اکیڈمی ماشاء اللہ ۲۸؍سال سے اس میدان میں کام کررہی ہے اور یہ چھبیسواں فقہی سمینار ہے اور یہاں اجین میں اس کا جو نظام قائم کیا گیا بہت ہی خوشی اور مسرت ہوئی اور یہ بھی دیکھا گیا کہ علماء میں فقہاء میں اور مقالہ نگاروں میں بڑی سنجیدگی بھی ہے، متانت بھی ہے، تحمل بھی ہے، برداشت بھی ہے، وہ جو ابتداء ابتداء میں ذرا تیزم تازی بھی ہوتی تھی وہ بھی اس موقع سے کہیں کبھی کسی موقع سے نظر نہیں آرہی ہے۔ یہ حضرات علماء، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا عتیق احمد بستوی صاحب اور مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب او رہمارے صدر محترم، ان حضرات کا فیض ہے، ان کی برکتیں ہیں کہ ہمارے اندر وہ تحمل بھی آیا ہے برداشت بھی آئی ہے، سنجیدگی اور متانت بھی آئی ہے، دوسروں کی بات کو لینے کا، سمجھنے کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے، میں مبارک باد دیتا ہوں، اور یہ جو نظم وضبط ہے او راجین کے مجلس استقبالیہ کے ذمہ داروں نے جو انتظامات کئے ہیں ان انتظامات کی خوبی، خوبصورتی اور اس کا حسن وجمال اور اس کے نظام کی پاکیزگی،نزاکت ولطافت ان سب چیزوں کو دیکھنے کے بعد تو واقعی بڑی دل سے شکرگزاری کےجذبات نکلتے ہیں اور الفاظ نکلتے ہیں، اللہ تعالی ان حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ میں کچھ کہنے کے قابل نہیں ہوں، لیکن بہرحال ان

حضرا ت کاشکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایسے بزرگوں کے درمیان میں اس طالب علم کو یہ اعزاز بخشا اور آپ حضرات کےسامنے کچھ عرض کرنے کا موقع دیا۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کا کرم ہے، عنایت ہے، مہربانی ہے، خورد نوازی ہے کہ انہو ننے مجھے یہ مقام دیا۔ میں پھر ایک بار شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ حضرات کا بھی ممنون ہوں کہ میری طالب علمانہ سمع خراشی کو آپ نے برداشت فرمایا۔ تجاویز کمیٹی کی جو مجلس ہوگی اس میں انشاء اللہ یہ ساری تھوڑی تھوڑی جو اختلافی صورتیں ہیں وہ سب باقاعدہ ختم ہونگی۔ او رسب ایک متفقہ فیصلے پر ہم لوگ انشاء اللہ پہنچیں گے۔ میں ان ہی چند باتوں پر اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے رسول اللہﷺ کے دربار عالی میں ہدیۂ درور وسلام پیش کرنے کی دوبارہ سعادت پاتے ہوئے اجازت چاہتاہوں، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

* * *